عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم ناز یک دانائے راز آید بروں

حیاتِ نافع

محقق اہلسنت حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ — احوال و آثار

ڈاکٹر حافظ محمد سعد اللہ

رُحَمَآءُ بَیْنَہُم
ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) محمدی شریف ضلع چنیوٹ

حیاتِ نافع

(رئیس المحققین حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ ——— احوال و آثار)

تالیف

ڈاکٹر حافظ محمد سعد اللہ

رحماء بینہم ویلفیئر ٹرسٹ

محمدی شریف، ضلع چنیوٹ

نام کتاب ———— حیاتِ نافع
تالیف ———— ڈاکٹر حافظ محمد سعد اللہ
ناشر ———— رحمانیہ ویلفیئر ٹرسٹ
مطبع ———— حاجی حنیف اینڈ سنز
اشاعتِ اوّل ———— مارچ ۲۰۱۸ء
قیمت ———— 800/-

اسٹاکسٹ
دارالکتاب
یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور
042-37241268-0321-4650131
E-mail:duklahore@gmail.com

باہتمام
حافظ محمد ندیم
0321-4650131
0300-8099774

فہرست مندرجات/عنوانات

باب نہم: تصنیفات کا تحقیقی منہج و اسلوب

باب دہم: سماجی تعلقات، معاملات اور خدمات

باب یازدہم: عام اخلاق، عادات اور معمولات

باب دوازدہم: اوصافِ حمیدہ وخصائل حسنہ

باب سیزدہم: نکاح اور اولاد

باب چہاردہم: علالت ووفات

بسم اللہ والحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ

پیش لفظ

نحمدہ ونصلّی علی رسولہ الکریم، امابعد

یہ امر چنداں محتاج دلائل نہیں کہ اس دنیا میں جو آدمی بھی آیا ہے اسے قرآنی اعلان ''کُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ'' اور ''کُلُّ مَنۡ عَلَیۡهَا فَانٍ وَّیَبۡقٰی وَجۡهُ رَبِّكَ ذُو الۡجَلٰلِ وَالۡاِکۡرَامِ'' کی رو سے جانا بھی ہے (رہے ناں رب دا)۔ دنیا میں اگر انسان کیلئے ہمیشہ کے واسطے باقی رہنا مقدر ہوتا تو اس کے سب سے زیادہ مستحق انبیاء کرام خصوصاً ہمارے آقا و مولیٰ اور ملجاء و ماٰوی سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات والا شان تھی۔ اسی لئے کہا گیا:

درین دنیا کسے پائندہ بودے ابوالقاسم محمد زندہ بودے

اسی طرح ایک عربی شاعر نے کہا تھا:

لو کان فی الدنیا بقاء لساکن لکان رسول اللہ فیھا مخلدا

اس ازلی وابدی اور اٹل قانون قدرت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے جس آدمی کے لئے جتنا وقت مقرر کر دیا ہے وہ اسے پورا کر کے دارالبقاء کو سدھار جاتا ہے۔ مگر بعض لوگوں کی رحلت ایسا خلا پیدا کر دیتی ہے جس کا پُر ہونا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ ان کے جانے سے ایک دنیا ہل کر رہ جاتی ہے۔

بقیۃ السلف، رئیس المحققین، اسوۃ المؤلفین، رأس المتقین، استاذ المدرّسین، زہد و فکر کی زندہ مثال، عالم باعمل اور ایک فرشتہ سیرت انسان حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ (ساکن محمدی شریف، تحصیل بھوانہ، ضلع چنیوٹ، پاکستان) بھی یقیناً ایسی ہی شخصیت تھے جن کی رحلت سے وہ خلا پیدا ہوا ہے جو شاید صدیوں تک پر نہ ہو سکے گا۔ ۳۱/دسمبر ۲۰۱۴ء کی شام عین غروب آفتاب کے وقت یہ علم وتحقیق کا آفتاب بھی کوئی صدی بھر اپنی ضوفشانی کے بعد محمدی شریف کی سرزمین میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ اوّل الذکر کے غروب سے کائنات رنگ و بو میں تاریکی نے چادر تان لی جبکہ ثانی الذکر کے اوجھل ہو جانے سے علم و معرفت کی دنیا میں ایک ظلمت نے ڈیرے ڈال لئے ہیں۔

مذکورہ اصول کے مطابق جانا تو سب کو ہے لیکن اصل بات یہ ہے کہ اپنے پیچھے کون کیا چھوڑ کر جاتا ہے۔ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ اس اعتبار سے اسم بامسمّٰی تھے اور بلا مبالغہ ایک نمونۂ تقلید رہیں گے کہ وہ اپنے پیچھے اپنے حسن عمل اور حسن کردار کی یادوں کے ساتھ ساتھ نادر اور ہر فن کی امہات الکتب پر مشتمل عظیم کتب خانہ، کوئی درجن بھر

مستند ترین اوراعلیٰ و معیاری تحقیق کی حامل تصنیفات اور بیسیوں مقالات و مضامین اور رحماء بینھم ٹرسٹ چھوڑ گئے ہیں جن سے دنیا قیامت تک نفع حاصل کرتی رہے گی۔ وہ اپنے علمی کارناموں، دینی خدمات اور پاکیزہ و نفع بخش زندگی کے باعث تاقیامت عوام اور اہل علم کے دلوں میں زندہ رہیں گے۔

؎ اخو العلم حیٌ خالد بعد موته و اوصاله تحت التراب رميم

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھنے والے جانتے ہیں کہ وہ حددرجہ درویش منش اور خلوت و گم نامی پسند انسان تھے۔ نام نمود اور شہرت سے انہیں سخت نفرت تھی۔ انہوں نے کبھی بھی اپنی کسی کتاب کی تقریب رونمائی یا تعارفی تقریب کرا کر اپنی مدح وستائش پر مشتمل مقالات نہیں پڑھوائے۔ اشتہارات کے ذریعے نہ پرنٹ و الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے اپنے آپ کو نمایاں اور متعارف کرانے کی کوشش کی۔ اسی لئے شاید عوام الناس اور عام پڑھا لکھا طبقہ ان سے متعارف نہ ہو۔ بنابریں مولانا کے انتقال کے بعد اس امر کی ضرورت محسوس کی گئی کہ عوام الناس اور آئندہ نسلوں کو ان کی پاکیزہ اور قابل تقلید زندگی اور علمی و دینی خدمات سے متعارف کرانے کے لئے ان کی سوانح حیات مرتب کرائی جائے۔ اس کیلئے مولانا کے صاحبزادگان کے سامنے کئی حضرات کے نام تھے مگر اس کے لئے قرعۂ فال محترم جناب عبدالجبار سلفی (خطیب جامعہ مسجد حسان بن ثابت ایل بلاک سبزہ زار سکیم لاہور) کا نکلا۔ انہوں نے بھی اس کام کے لئے اشتیاق کا اظہار کیا۔ صاحب سوانح مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کو اگرچہ ان کی اپنی تحریروں میں دوسرے مکاتب فکر کے علماء کو ہدف تنقید بنانے کی عادت پسند نہیں تھی اور ایک ملاقات میں موصوف کو صرف تنبیہ ہی نہیں بلکہ ڈانٹ بھی پلا چکے تھے، اس کے باوجود صاحبزادگان (میاں محمد مختار عمر اور میاں غلام ابوبکر صدیقی) نے ان کی دلی خواہش اور علمی و ادبی انداز تحریر کو دیکھتے ہوئے یہ کام ان کے سپرد کر دیا اور اس کے لئے بقول صدیقی صاحب ''انہیں محمدی شریف بلا کر ان سے گزارش کی گئی کہ ہمارے سلف کا مسلک اعتدال ہے اور والد صاحب محترم کا خصوصی طور پر اسلوب ناقدانہ نہیں مصلحانہ ہے۔ آپ کو حضرت کا اسلوب مد نظر رکھنا ہوگا۔ کسی کی ذات یا مسلک پر تنقید نہ کرنا ہوگی۔'' بعد ازیں مولانا کی مطبوعہ کتابوں کے علاوہ ان کا ذاتی کتب خانہ، ذاتی ڈائریاں، مکتوبات اور متعدد وہ قیمتی غیر مطبوعہ مسودات بھی ان کے سامنے رکھ دیئے گئے جن کے بارے میں مولانا کسی پر اعتماد بھی نہیں کرتے تھے اور صاحبزادگان کے پاس ان کا کوئی باقاعدہ ریکارڈ بھی نہیں۔

بہر حال مولانا سلفی صاحب نے ہفتہ عشرہ وہاں رہ کر سوانح حیات سے متعلقہ تمام ضروری مواد اکٹھا کیا اور کئی سالوں کی ڈائریاں اور سینکڑوں مکتوبات اپنے ساتھ لاہور لے آئے۔ اس مواد کے ساتھ انہیں صاحبزادہ صدیقی صاحب کے مطابق اٹھائیس ہزار (28,000) روپے نقد بھی بطور معاوضہ پیش کئے گئے۔ چنانچہ جناب سلفی صاحب نے سوانح حیات مرتب کرنا شروع کر دی۔ بلاشبہ موصوف نے بڑی محنت شاقہ اور دلی لگن سے صرف

ایک ڈیڑھ سال کے عرصہ میں بڑے سائز کے سات سو اسی (۷۸۰) صفحات پر مشتمل ایک مسودہ ''تذکرہ مولانا محمد نافع'' کے عنوان سے ترتیب دے کر کمپوز بھی کرا لیا۔ اس کے ساتھ ساتھ بہت سا کام صاحب سوانح کے مکتوبات اور ڈائریوں پر بھی مکمل کر لیا جس کا انہوں نے مذکورہ تذکرہ میں جا بجا ذکر کیا تھا۔ طباعت سے پہلے انہوں نے مسودہ کا ایک کمپیوٹر پرنٹ صاحبزادگان کو ملاحظہ کے۔ لئے بھجوایا تو دیکھا گیا کہ اس میں موصوف نے اپنی افتادِ طبع کے مطابق خواہ مخواہ دوسرے مکاتب فکر کے بعض علماء اور معزز زین علاقہ کو تنقید کا نشانہ بنایا تھا۔ صرف نقطۂ نظر اور رائے کا اختلاف ہوتا تو بھی قابل برداشت تھا مگر یہاں تو ان کی ذات پر طعن و تشنیع کے ساتھ ان کے ذاتی اخلاق و کردار پر بھی کیچڑ اچھالا گیا تھا۔ علاوہ ازیں بہت سی غیر ضروری مباحث اور غیر متعلقہ مواد کا اضافہ کر کے کتاب کا پیٹ بھرا گیا تھا۔

اہل علم کے عمومی شیوہ کے برعکس اس مخاصمانہ اور ناقدانہ بلکہ متعصبانہ انداز تحریر کو دیکھ کر ان کی خدمت میں درخواست کی گئی کہ صاحب سوانح نے تو کبھی کسی بڑے سے بڑے نظریاتی مخالف کی ذات پر اس طرح کا کیچڑ نہیں اچھالا تھا۔ یہ چیز ان کے مزاج اور اسلوب کے بالکل خلاف ہے جس سے ان کی روح کو اذیت پہنچے گی۔ لہٰذا اس کام کی تفویض سے قبل زبانی شرائط کی رو سے یہ قابل اعتراض چیزیں اور غیر متعلقہ مواد اس تذکرہ سے نکال دیں جسے آپ الگ سے شائع کرا سکتے ہیں مگر فاضل مصنف کا کہنا تھا کہ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کا اسلوب ان کے ساتھ دفن ہو چکا ہے۔ یہ میرا اپنا مزاج اور اسلوب ہے جسے میں ترک نہیں کر سکتا۔ پھر یہ جسارت اور سینہ زوری کی کہ صاحب سوانح کی ورثاء کی مرضی اور منشاء کے بغیر مذکورہ تذکرہ ادارہ مظہر التحقیق پاکستان کی طرف سے اگست ۲۰۱۶ء میں من و عن شائع بھی کرا دیا اور اس کے شروع میں خود مہیا کردہ کمپیوٹر پرنٹ کے حوالے سے ''ایک ضروری وضاحت'' کے عنوان سے انہوں نے صاحبزادگان (صاحبزادہ میاں محمد مختار عمر اور صاحبزادہ غلام ابوبکر صدیقی) کا نام لئے بغیر جس طرح انہیں مطعون کیا اور بازاری الفاظ و القاب سے ان کی ''تواضع'' کی اور احسان ناشناسی کا ثبوت دیا ہے یہ فاضل مصنف کا ہی حصہ اور ان کی طبیعت و مزاج کا قدرتی ثمرہ ہے ورنہ کوئی اہل علم سو اختلافات کے باوجود اتنی گھٹیا اور بازاری زبان استعمال نہیں کر سکتا۔

مذکورہ تذکرہ چھپ کر قارئین کے سامنے آیا تو متعدد اہل علم نے اس میں قابل اعتراض اور قابل نقد چیزوں کی نشاندہی کی مگر اب تیر کمان سے نکل چکا تھا اس لئے صاحبزادہ ابوبکر صدیقی نے اس تذکرہ سے برأت کا اظہار کرتے ہوئے ''اظہار برأت'' کے عنوان سے ایک اشتہار روزنامہ ''اسلام'' مؤرخہ ۲۵ ستمبر ۲۰۱۶ء کے علاوہ متعدد دینی رسائل میں شائع کرا دیا۔ مثلاً ماہنامہ ''نقیب ختم نبوت'' ملتان اکتوبر ۲۰۱۶ء، ماہنامہ ''الشریعۃ'' گوجرانوالہ اکتوبر ۲۰۱۶ء، ماہنامہ ''نصرت العلوم'' گوجرانوالہ اکتوبر ۲۰۱۶ء، ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی نومبر ۲۰۱۶ء۔

اب اس کے بعد مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے متوسلین، معتقدین اور متعلقین کی طرف سے جب یہ تقاضا بڑھا کہ مذکورہ تذکرہ کے بجائے کوئی ایسی سوانح مرتب کرائی جائے جس میں مولانا کی عظیم، معتدل شخصیت، ان کی فکر و سوچ اور سیرت و کردار کی تصویر کشی کے ساتھ ان کی دینی خدمات اور منفرد علمی و تحقیقی اور تصنیفی کام کا تعارف بھی کرایا جائے۔ راقم کو مولانا کا شاگرد عزیز ہونے کے علاوہ چونکہ بوجوہ ان کا اعتماد بھی حاصل تھا جس کے بل بوتے پر ان کی کتاب ''عظمت صحابہ'' کی ترتیب کا اعزاز راقم کو حاصل ہوا۔ قبل ازیں ان کے بڑے بھائی اور جامعہ محمدی شریف کے بانی مولانا محمد ذاکر کی سوانح حیات ''تذکرہ مجاہد ملت مولانا محمد ذاکر'' بھی راقم کے ہاتھوں ترتیب پا چکا تھا اس لئے صاحبزادہ غلام ابوبکر صدیقی اور ان کے رفقاء کار حافظ محمد ندیم (مدیر دار الکتاب، لاہور) اور ملک احمد علی ارشدؔ (مہتمم جامعہ باقیات الصالحات للبنات موضع رشیدہ، چنیوٹ) وغیرھم نے میری بعض مصروفیات اور جسمانی کمزوری کے باعث بار بار معذرت کے باوجود یہ ذمہ داری میرے کاندھوں پر ڈال دی۔ اب راقم کے پاس اس ذمہ داری کو قبول کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔

مولانا کا شاگرد ہونے کے ساتھ ساتھ راقم نے بحمد للہ ان کی طویل صحبت بھی اٹھائی ہے اور انہیں بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے اس لئے زیر نظر کتاب میں مقدور بھر ان کے مزاج، ان کی متوازن فکر، معتدل سوچ، پاکیزہ شخصیت، حسن سیرت و کردار، دینی خدمات، منفرد علمی کام بلکہ علمی کارنامہ کا کسی مبالغہ آرائی کے بغیر جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔

مولانا کی ذات جہاں نافع تھی وہاں ان کا کام بھی اہل اسلام کے لئے نفع بخش ہے۔ اسی لئے کتاب کا نام ''حیاتِ نافعؒ - مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، احوال و آثار'' تجویز کرتے ہوئے سولہ ابواب میں مولانا کی سوانح حیات اور خدمات سے متعلقہ تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ راقم عدیم الفرصتی کی وجہ سے صرف آٹھ دس سال کی ڈائریاں دیکھ سکا ہے۔ اگر کوئی باہمت آدمی ستر سال کی ڈائریاں کھنگال سکے تو مولانا کی زندگی کے کئی اور گوشے بھی سامنے آ سکتے ہیں۔

اس کتاب کی ترتیب و تکمیل کا اصل سہرا صاحبزادہ غلام ابوبکر صدیقی کے سر ہے۔ ان کی طرف سے مسلسل یاد دہانی، اصرار، مواد کی فراہمی اور ہر ممکن تعاون راقم کے شامل حال نہ ہوتا تو شاید اتنا جلدی کام پایہ تکمیل کو نہ پہنچتا۔ اپنے والد گرامی کے علمی ورثہ کو سنبھالنے اور محفوظ کرنے کے ساتھ ان کے علمی و تبلیغی مشن کو جاری رکھنے کا جو ذمہ انہوں نے اٹھایا ہے اللہ اس کے لئے ان کے واسطے آسانیاں پیدا فرمائے۔ بعد ازیں کتاب کا ابتدائی خاکہ اور ضروری مواد مہیا کرنے میں محترم مہر نصرت علی اثیرؔ (سابق چیف لائبریرین پنجاب پبلک لائبریری لاہور) نے محنت شاقہ سے کام لیا اس پر ان کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے۔ پروف کی تصحیح میں محترم مخدوم مقبول حسین (محمدی شریف) کی جانفشانی بھی لائق تحسین ہے۔

علیٰ ہذا القیاس کتاب کی تدوین وطباعت میں حافظ محمد ندیم (مدیر دارالکتاب لاہور) نے جس خلوص اور ایثار کا مظاہرہ کیا ہے اس پر وہ بھی ڈھیروں شکریے کے مستحق ہیں۔ حافظ صاحب کے خلوص ومحبت اور بےلوث جذبہ کے باعث مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کو ان پر خاص اعتماد حاصل تھا۔ چنانچہ مولانا کے وصال سے چند ماہ قبل رحماء بینہم ٹرسٹ کے تاسیسی اجلاس کے موقع پر جب ایک ممبر محترم نصرت علی اثیرؔ نے ٹرسٹ کے قیام کا معاملہ مولانا کے گوش گزار کیا تو مولانا نے پوچھا کیا حافظ ندیم صاحب بھی اس میں شامل ہیں؟ اثبات میں جواب ملنے پر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: پھر ٹھیک ہے۔ اسی طرح حافظ صاحب کے بقول مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے آخری ایام میں انہیں یہ وصیت یا ہدایت فرمائی کہ میرے بیٹوں سے معاملات چلاتے رہنا۔

کتاب کی ترتیب واشاعت کے معاونین میں سب سے زیادہ شکریے کے مستحق خان گڑھ ضلع مظفر گڑھ کے محترم پروفیسر ڈاکٹر محمد عنایت اللہ زیدت حسناتہ ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا نام طب اور میڈیکل کی دنیا میں کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ ۱۹۷۸ء میں نشتر میڈیکل کالج ملتان سے ایم بی بی ایس کا امتحان پاس کیا تو سارے کالج کو ٹاپ کیا۔ پھر نشتر ہسپتال ملتان میں ہی میڈیسن یونٹ کے انچارج کی حیثیت سے خلق خدا کی خدمت کرتے رہے۔ ۲۰۱۶ء میں وہاں سے ریٹائرمنٹ کے بعد قیصرانی میڈیکل سنٹر ملتان میں اب بھی ان کا طبی فیض جاری ہے۔

اللہ کریم نے ڈاکٹر صاحب موصوف کو پیشہ طب کے ساتھ دین کی تعلیم وتبلیغ اور رفاہِ عامہ کا جذبہ اور ذوق وشوق بھی عنایت فرما رکھا ہے۔ صاحب سوانح مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ان کا تعلق اسی دینی جذبہ کا مرہون منت ہے۔ وہ اسی دینی رشتے کے ناطے محض للہ فی اللہ مولانا سے بےلوث عقیدت ومحبت رکھتے ہیں۔ ان کی بیماری کے دوران وقتاً فوقتاً ملتان سے ان کے لئے دوائیاں بھیج کر اپنے اخلاص کا ثبوت دیتے رہے اور اب کتاب کی اشاعت کا ذمہ اٹھا کر انہوں نے جس ایثار وقربانی کا مظاہر فرمایا ہے اس پر مولانا کے ورثاء کے ساتھ ان کے تمام متعلقین ومتوسلین بھی ڈاکٹر صاحب کے شکر گزار ہیں۔ اللہ کریم ان کی اس علمی ودینی خدمت کو قبول کرتے ہوئے ان کے علم وعمل اور طبی فیض رسانی میں مزید برکات عنایت فرمائے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب معاونین کو جزائے خیر عنایت فرمائے اور یہ علمی کاوش مؤلف، ناشر اور ہر قاری کے لئے دنیا وآخرت میں نفع بخش ثابت ہو۔ آمین بجاہ النبی الکریم علیہ التحیۃ والتسلیم۔

ڈاکٹر حافظ محمد سعد اللہ

ایڈیٹر اردو دائرہ معارف اسلامیہ

پنجاب یونیورسٹی لاہور

۱۷ رمحرم الحرام ۱۴۳۹ھ / ۸ را کتوبر ۲۰۱۷ء

باب اول

خاندانی پس منظر، آباء واجداد

زیر نظر تالیف ''حیات نافعؒ'' جس شخصیت کی حیات وخدمات کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے انہیں خلاق عالم نے جو سیرت وکردار کی پاکیزگی، اخلاق کی بلندی، تبحر علمی، زہد وتقویٰ، خلوص وللّٰہیت، دینی خدمت کا جذبہ وغیرہ جیسی خوبیاں عنایت فرمائیں (جن کی تفصیل آئندہ صفحات میں دیکھی جا سکے گی) ان میں ان کی ذاتی محنت، خداداد صلاحیت واستعداد اور جذبہ وتڑپ کے ساتھ ساتھ ان کی خاندانی نجابت وشرافت، آباء واجداد کے زہد وتقویٰ گھر کے پاکیزہ ماحول، والدین کی حسن تربیت اور ماں باپ کی شخصیت کا بھی بڑا عمل دخل ہے۔ اس لئے مناسب ہی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی حیات وخدمات کے تذکرہ سے قبل ان کے تقویٰ شعار آباء واجداد کا بھی مختصر ذکر آجائے جو ''ایں خانہ ہمہ آفتاب است'' کا مصداق ہے اور جن کی کوکھ سے مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ جیسے سپوتوں اور عبقری شخصیات نے جنم لیا۔

مگر اتفاق ایسا ہے کہ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے جد اعلیٰ میاں امام الدین رحمۃ اللہ علیہ (عرف فقیر صاحب یا میاں محمدی جوان) جن کا زمانہ اندازاً گیارہویں صدی ہجری ہے اور ان کے اپنے اور دو صدیوں تک ان کے جانشینوں کے مکمل حالات زندگی کسی مستند تذکرہ میں نہیں ملتے۔ بس بعض سینہ بسینہ روایات ہیں اور یقیناً ان میں کچھ نہ کچھ صداقت ضرور ہوگی۔ البتہ تیرہویں صدی ہجری کے اواخر میں میاں صاحب مذکور کی روحانی گدی نشینی کا اعزاز جن بزرگوں کے حصے میں آیا وہ ہمارے ممدوح مولانا محمد نافعؒ کے جد امجد یعنی دادا جان مولانا میاں عبدالرحمٰن کی شخصیت ہے اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد مولانا میاں عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ اور خاندان کے بعض دوسرے بزرگوں کے جستہ جستہ حالات اور اخلاق وعادات اپنی روش اور عادت کے مطابق بغیر کسی مبالغہ آرائی اور غلو عقیدت کے بڑے محتاط الفاظ میں قلمبند کئے تھے جو انہیں کے الفاظ میں آگے آرہے ہیں۔ بہر کیف مولانا کے آباء واجداد کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے۔

حضرت میاں امام الدین رحمۃ اللہ علیہ:

آپ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے جد اعلیٰ تھے۔ ان کے والد ماجد حافظ اللہ داد رحمۃ اللہ علیہ سینہ بسینہ روایات کے مطابق شاہ پور (سرگودھا) سے متصل ایک گاؤں ''ڈھنگی والا'' کے رہائشی تھے جو فکر معاش کے سلسلے میں شہر لالیاں سے بجانب مغرب پانچ چھ میل کے فاصلے پر شاہ جیونہ روڈ پر واقع موضع ''ولہ'' میں آکر رہائش پذیر ہو گئے جس کا

پس منظر کچھ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ روزگار کی تلاش میں پھرتے پھراتے شام کو نماز مغرب پڑھنے کے لئے ''ولّہ'' کی مسجد میں رُکے تو اتفاق سے امام صاحب موجود نہیں تھے۔لوگوں نے ان کی وضع قطع اور امامت کے لئے درکار ظاہری شرائط کو دیکھتے ہوئے نماز کی امامت کے لئے مصلیٰ پر کھڑا کر دیا۔آپ نے جب قرأت کی تو لوگوں کو بڑی پسند آئی۔نماز کے بعد مزید گفتگو اور تعارف کے دوران جب معلوم ہوا کہ وہ روزگار کی تلاش میں نکلے ہیں تو انہوں نے مسجد میں امامت وخطابت کے لئے مستقل قیام کرنے کی پیشکش کی جسے انہوں نے قبول کرتے ہوئے وہیں مستقل ٹھکانہ کرلیا۔اپنی خوش اخلاقی اور کردار کی پختگی سے جلد گاؤں میں ایک مقام بنالیا جس کے نتیجے میں ایک مقامی زمیندار نے اپنی بیٹی کا رشتہ دے کر اپنا داماد بنالیا۔

تعلیم و پیدائش:

شادی کے چند برس بعد حافظ اللہ داد کے گھر میں بیٹا پیدا ہوا جس کا نام ''امام الدین'' رکھا گیا۔اس نومولود کو کئی دیگر اکابر کی طرح بچپن میں ہی یتیمی کا مزہ چکھنا پڑا۔بچپن سے ہی حصول علم کا شوق ورثے میں ملا تھا۔ دوسری طرف والد کا سایہ سر سے اٹھ جانے کے بعد کوئی پڑھانے والا نہ تھا۔نہ قرب وجوار میں کوئی درسگاہ۔تاہم جنوبی پنجاب کے مشہور قدیمی شہر ملتان میں بعض دینی مدارس اور روحانی مراکز سے متعلق سن رکھا تھا۔اس لئے زیور تعلیم سے آراستہ ہونے اور علمی پیاس بجھانے کے لئے والدہ ماجدہ سے ملتان جانے کی اجازت طلب کی۔ماں کی ممتا کے لئے اس اجازت کے نتیجے میں اپنے نور نظر کی جدائی اور دوری طبعی طور پر بہت مشکل اور آزمائش سے کم نہ تھی۔اس کے باوجود اس نیک دل خاتون نے علم دین کی خاطر بیٹے کی یہ پاکیزہ خواہش پوری کرتے ہوئے اجازت دے دی۔نیک تمناؤں کے ساتھ رخصت کیا۔اس سفر میں یقیناً کوئی ہمراہی بھی ہوگا۔طویل اور کٹھن سفر طے کرکے علم کے اس شوقین طالب علم نے حضرت خواجہ بہاءُالحق زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ پر قائم درس گاہ میں داخلہ لے لیا۔چونکہ حصول علم کا شوق تھا اس لئے دل لگا کر اور پوری محنت ولگن سے پڑھا۔اساتذہ کے احترام اور خدمت کو سعادت سمجھا۔اس محنت اور خدمت اساتذہ کی بدولت اللہ کریم نے یہ اجر عنایت فرمایا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں حفظ قرآن مجید کی دولت سے مالا مال ہوگئے۔

لنگر کی خدمت:

یہ امام الدین نامی طالب علم حفظِ قرآن کے دوران خانقاہ حضرت خواجہ بہاءُالحق زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ میں سالکان راہِ طریقت کو لنگر خانے کی خدمت کرتے اور راہ سلوک کی منازل طے کرتے ہوئے دیکھتا ہوگا۔اس لئے حفظ قرآن اور دین کی ضروری تعلیم کے بعد اس سعادت مند طالب علم و درویش کو لنگر خانے اور زائرین خانقاہ کی

خدمت کا شوق چرایا اور اس منفرد انداز میں خدمت سرانجام دی کہ دیگر تمام خدام سے نمبر لے گیا۔

اس اجمال کی تفصیل یوں بیان کی جاتی ہے کہ لنگر خانے کی مختلف قسم کی خدمات میں سے پانی لانے کی خدمت انہوں نے اپنے ذمہ لی۔ خانقاہ سے کچھ فاصلے پر میٹھے پانی کا کنواں تھا۔ وہاں سے پانی لانا پڑتا تھا۔ یہ درویش ایک مدت تک اتنے فاصلے سے سر پر برتن رکھ کر پینے کا پانی خانقاہ میں مہیا کرتا رہا۔ سینکڑوں زائرین، مہمان، درویش اور خود صاحب سجادہ کے اہل خانہ کو کبھی پانی کی کمی نہ ہونے دی۔ ظاہر ہے سینکڑوں لوگوں کے لئے پانی جمع رکھنے کے واسطے آپ کو دن رات یہ مشقت اٹھانا پڑتی ہوگی۔ سر پر مسلسل وزنی برتن رکھنے کے باعث ان کے سر میں زخم ہوگیا۔ محبت واخلاص کی دنیا نرالی ہوتی ہے۔ محبوب کو راضی رکھنے کے لئے خون دینا پڑتا ہے ورنہ چوری کھانے والے مجنونوں کی تو دنیا میں کمی نہیں۔ محب صادق نے اپنے زخم کی پروانہیں کی۔ زخم کے باوجود پانی اٹھا کر لاتے رہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ زخم میں کیڑے پڑ گئے۔ اس کے باوجود کسی آدمی سے ذکر نہ کیا۔ نہ شیخ کے پاس جا کر نمبر ٹانکے۔ مگر اللہ کریم کی علیم وخبیر ذات سے اپنے بندے کا یہ خلوص وللہیت اور اپنے شیخ اور انسانوں کی خدمت کا سچا جذبہ مخفی نہیں تھا۔

دوسرے تزکیۂ نفس، انا کے خاتمہ اور راہ سلوک کی منازل طے کرنے کے لئے، اس طرح کی خدمت و مشقت اور بظاہر ذلت کا اٹھانا ضروری بھی تھا۔ اب اس مخلصانہ خدمت کا صلہ ملنے کا وقت آچکا تھا، جس کا انتظام اللہ نے یوں کیا کہ لنگر خانے کے لئے مسلسل پانی ڈھونے کے باعث امام الدین کے سر میں زخم اور زخم میں کیڑے پڑ جانے کا علم کسی طرح ایک دوسرے خادم کو ہوگیا۔ اس خادم نے یہ سارا ماجرا اس وقت کے صاحب سجادہ اور حضرت خواجہ بہاء الحق زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی گدی کے جانشین کو سنایا۔ اس وقت کون بزرگ گدی نشین تھے؟ اس کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔

بہر کیف شیخ نے اس مرید صادق اور خدمت گزار درویش کو اپنے پاس بلایا۔ سر میں زخم اور کیڑوں کی خبر صحیح پائی تو اس کمال جذبۂ خدمت اور مثالی ریاضت ومجاہدہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اپنے نور باطن سے دیکھ لیا کہ اس مثالی ریاضت ومجاہدہ اور جذبۂ صادق کی برکت سے ''فلیتہ'' تیار ہو چکا تھا۔ بس اب تھوڑی سی ''روحانی چنگاری'' دکھانے کی ضرورت ہے۔ بس بیعت فرمایا اور خصوصی توجہ دینے اور سلوک کی منازل طے کرانے کے لئے حکم فرمایا کہ آئندہ پانی ڈھونے کی یہ خدمت چھوڑ کر تم میرے خدام خاص کے ساتھ شامل رہو گے۔ تھوڑے ہی عرصے میں شیخ نے خصوصی توجہ فرما کر راہ سلوک کی منازل طے کرا دیں۔

خلافت، وطن واپسی اور بستی ''محمدی شریف'' کا بسانا:

اب امام الدین نامی اس درویش کو گھر سے آئے اور اپنی والدہ سے جدا ہوئے کئی سال گزر چکے تھے۔

اس لئے وطن مالوف اور والدہ محترمہ کے لئے اداس ہو جانا ایک فطری امر تھا۔ بنا بریں شیخ سے گھر جانے کی اجازت چاہی اور عرض کی کہ زندگی رہی تو پھر حاضری دوں گا۔ شیخ پہلے ہی چہرے مہرے سے اداسی اور ان کی باطنی وروحانی استعداد کا اندازہ لگا چکے تھے۔ شیخ نے بخوشی گھر لوٹ جانے کی اجازت دینے کے ساتھ اپنے روحانی فیض کو عام کرنے کی بھی اجازت دی۔ اپنے سلسلہ سہروردیہ کے ضروری اعمال ووظائف اور پیر خانہ کے ساتھ عقیدت مندانہ تعلق قائم رکھنے کی تلقین فرمائی اور شیشم کے درخت کا ایک خشک عصا (چھڑی، ڈنڈا) پکڑاتے ہوئے فرمایا: راستے میں جہاں بھی ٹھہرو وہاں اسے گاڑ دینا۔ جس جگہ یہ خشک عصا ہرا ہو جائے اور جڑ پکڑ جائے، وہی جگہ تمہارے مستقل ٹھہرنے اور روحانی فیض عام کرنے کا مقام ہوگا۔ شیخ سے رخصت ہو کر وطن واپس آتے ہوئے راستے میں کئی جگہ حضرت فقیر صاحب رات کو ٹھہرے۔ حسب ہدایت وہاں خشک عصا زمین میں گاڑا مگر یہ عصا کہیں ہرا ہوا نہ جڑ پکڑی۔ چلتے چلتے جب موجودہ بستی محمدی شریف کی جامع مسجد (عرف پکی مسجد) کی جگہ پر پہنچے تو یہاں ایک کنواں تھا۔ کنواں دیکھ کر فقیر صاحب نے وضو کیا، نماز پڑھی اور رات یہیں گزارنے کا فیصلہ کیا۔ رات کو حسب ہدایت کنویں کے کنارے خشک عصا گاڑ دیا اور محو استراحت ہو گئے۔ صبح اٹھے تو دیکھا کہ یہ خشک عصا خرق عادت کے طور پر ہرا ہو چکا اور جڑیں پکڑ چکا تھا۔ سمجھ لیا کہ پیر ومرشد کے فرمان کے مطابق یہی مقام ان کے مستقل ٹھہرنے اور قیام کرنے کی جگہ ہے۔ اس جگہ پر کنگر برادری کے لوگ آباد تھے۔ بتایا جاتا ہے کہ اس آبادی کے نمبردار کا نام ''سلطان کنگر'' تھا۔ فقیر صاحب نے اسے بتایا کہ میرے شیخ کے فرمان اور واضح نشانی کے مطابق یہ جگہ ان کی مستقل جائے قیام ہے۔ اس جگہ کے بدلے اللہ تمہیں بڑا اجر اور نقد برکات عنایت فرمائے گا۔ سلطان کنگر عصا والی کرامت دیکھ کر یہ جگہ فقیر صاحب کو دینے پر رضامند ہو گیا۔ اس نے صرف یہ محمدی شریف بستی والی جگہ ہی نہیں بلکہ ازراہ عقیدت اردگرد کے مزید سات کنوؤں کی زمین بھی فقیر صاحب کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کر کے دعائیں لیں اور خود یہاں سے کوئی پانچ چھ فرلانگ کی مسافت پر مغرب کی جانب ڈیرہ لگا لیا جو آج کل ''قلعہ کنگراں'' کے نام سے مشہور ہے۔

زبانی روایات کے مطابق فقیر صاحب (میاں امام الدین رحمۃ اللہ علیہ) کی یہاں آمد کا زمانہ گیارہویں صدی ہجری کا اوائل بتایا جاتا ہے۔ راقم کا خیال ہے کہ یہ دسویں صدی ہجری کی تیسری چوتھی دہائی ہوگی کیونکہ حضرت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ فقیر صاحب کی دسویں پشت میں ہیں اور مولانا کا انتقال چودھویں صدی ہجری کے آخر میں ۳/ذوالحجہ ۱۳۹۶ھ کو ہوا۔ ایک پشت کی عمر اوسطاً پچاس سال کی بھی شمار کی جائے تو یہی زمانہ بنتا ہے۔ بہرکیف فقیر صاحب نے اپنے پیر ومرشد کی ہدایت کے مطابق یہاں مستقل سکونت اختیار کرتے ہی لوگوں کی دینی تعلیم وتربیت اور رشد وہدایت کا اصل کام شروع کر دیا۔ انہیں نماز، روزے، اطاعت وعبادت الٰہی اور نیکی کی طرف آہستہ آہستہ

دعوت دینے لگے۔ ساتھ ہی اہلیان علاقہ کی اصلاح کے لئے وعظ ونصیحت اور جہالت دور کرنے کے لئے مسجد میں باقاعدہ تعلیم وتدریس خصوصاً قرآنی درس کا سلسلہ شروع کر دیا۔

فقیر صاحب نے اپنی اس جائے قیام اور آبادی کا نام شاید امت محمدیہ یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم گرامی کی پاک نسبت سے ''محمدی'' تجویز کیا۔ جوان کے وجود مسعود، کامل ایمان وعمل صالح، زہد وتقویٰ اور پاکیزہ سیرت و اخلاق کے باعث آگے چل کر ''محمدی شریف'' کے نام سے مشہور ہوئی اور خود ''محمدی جوان'' کے اسم بامسمٰی لقب یا عرف سے علاقے میں شہرت پائی۔

باطنی توجہ سے ایک ان پڑھ کو حافظ قرآن بنا دیا:

حضرت فقیر صاحب (میاں امام الدین) نے درس قرآن مجید کا سلسلہ شروع کیا تو مقامی طلبہ کے علاوہ باہر کے طالب علم بھی آکر پڑھنے اور رہنے لگے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ''حسین اور طاہر'' نامی دو بھائی حضرت فقیر صاحب کے پاس پڑھنے کے لئے آئے۔ حسین کا یہاں دل نہ لگا۔ اس نے یہ مدرسہ چھوڑ کر کسی اور مدرسہ میں جا کر داخلہ لے لیا جبکہ دوسرا بھائی ''طاہر'' حضرت فقیر صاحب کے پاس ہی رہا۔ اس کی زیادہ تر توجہ پڑھائی کی بجائے سارا دن فقیر صاحب کی خدمت پر تھی۔ صبح وشام پانی کا کوزہ بھر بھر کر لاتا اور اسی خدمت پر خوش رہتا۔ کچھ عرصہ بعد دونوں بھائی اکٹھے ہوئے تو ''حسین'' نے بتایا کہ وہ تو قرآن مجید حفظ کر چکا ہے جبکہ طاہر نے کہا وہ تو اتنا عرصہ فقیر صاحب کی خدمت میں ہی مصروف رہا جس کے باعث وہ قرآن مجید حفظ نہیں کر سکا۔ جس پر بھائی نے بڑے غصے کا اظہار کیا اور طاہر کو برا بھلا کہا۔ طاہر کو اس چیز کا بڑا دکھ پہنچا۔ اس نے سارا ماجرا فقیر صاحب کو سنایا تو آپ نے اس کی دلجوئی کرتے اور شب وروز خدمت کا صلہ دیتے ہوئے فرمایا: طاہر! غم نہ کرو، تم اتنے بڑے حافظ قرآن بنو گے کہ دُور دُور تک تمہارے جیسا کوئی حافظ قرآن نہ ہوگا۔ اللہ والوں کی خدمت کرنے والا کبھی محروم نہیں رہتا۔

رمضان شریف قریب آیا تو لوگوں نے حضرت سے پوچھا کہ امسال کون آدمی تراویح میں قرآن مجید سنائے گا؟ فرمایا اس سال حافظ طاہر قرآن مجید سنائے گا۔ لوگ حیران تھے کہ ایک ان پڑھ آدمی کیسے قرآن مجید سنائے گا؟ یہ بات سارے گاؤں میں پھیل گئی اور لوگ رمضان کے چاند کا انتظار کرنے لگے۔ چند دنوں کے بعد رمضان المبارک کا چاند نظر آیا تو حضرت فقیر صاحب نے اپنے خادم اور درویش طاہر کو بلایا اور نماز تراویح کی امامت کے لئے نہلا دُھلا کر اور خوشبو لگا کر صاف لباس پہنا دیا۔ عشاء کی اذان ہوئی تو رمضان کی برکت سے معمول سے زیادہ لوگ مسجد میں جمع ہو گئے۔ دوسرے انہیں اس بات کا بھی تجسس اور انتظار تھا کہ فقیر صاحب کے بقول ایک غیر حافظ قرآن کیسے تراویح پڑھاتا ہے؟ انہیں شاید اس چیز کا اندازہ نہیں تھا کہ اہل اللہ اور مقربین بارگاہ الٰہی کی زبان سے نکلا ہوا لفظ ''گفتہ او گفتہ اللہ بود'' کا مظہر ہوتا ہے۔ خیر عشاء کی فرض نماز پڑھی جا چکی اور نمازی

سنتوں اور نوافل سے فارغ ہو چکے تو فقیر صاحب نے حسب اعلان مذکورہ طاہر نامی خدمت گزار طالب علم کو" حافظ طاہر" کہہ کر حکم فرمایا کہ اللہ کا نام لے کر مصلیٰ پر کھڑے ہو جاؤ۔ طاہر نے مصلیٰ پر قدم رکھا تو فقیر صاحب نے اس کی پیٹھ پر اپنے دست مبارک سے تھپکی دی اور فرمایا نماز کی نیت باندھو اور تراویح پڑھانا شروع کرو۔ فقیر صاحب کے ہاتھ اور باطنی توجہ کی برکت تھی کہ طاہر کو اب اللہ والوں کی پرخلوص خدمت کے صلے میں پورا قرآن مجید زبانی حفظ ہو چکا تھا۔ حافظ طاہر نے رمضان شریف میں یوں تراویح پڑھائی اور پورا قرآن مجید سنایا تو دور دور تک فقیر صاحب کی اس زندہ کرامت کی دھوم مچ گئی۔ اردگرد کے سارے حافظ قرآن حافظ طاہر کا قرآن مجید سن کر حیران ہوتے اور اس پر رشک کرتے تھے مگر ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء۔

ایں سعادت بزور بازو نیست　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

بستی محمدی شریف۔ چوری سے محفوظ:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

"ان اللہ عزوجل لیدفع بالمسلم الصالح عن مأۃ اھل بیت من جیرانہ البلآء ثم قرأ" ولو لا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض"۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر (الترغیب والترھیب للمنذری، کتاب البر والصلۃ)۔

"بے شک اللہ عزوجل ایک نیک مسلمان (کے وجود مسعود) کی برکت سے اس کے پڑوسیوں میں سو گھرانوں سے مصیبت (بلاء) کو دور فرما دیتا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (اس بات کے استدلال میں) قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ پڑھی: اگر اللہ کریم بعض لوگوں کے ذریعے بعض کا دفاع نہ فرمایا کرتا تو روئے زمین پر فساد برپا ہو جاتا۔" (سورۃ البقرہ:۲۵۱)

مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی درج بالا خبر کی سچائی کا عملی مظاہرہ لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت فقیر محمدی جوان (میاں امام الدین رحمۃ اللہ علیہ) کی بسائی ہوئی چھوٹی سی بستی "محمدی شریف" ان کے وجود اور زہد و تقویٰ کی برکت سے صدیوں تک چوری سے محفوظ رہی۔ اس اجمال کی تفصیل کچھ یوں بیان کی جاتی ہے کہ یہ دور طوائف الملوکی اور "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" کا دور تھا۔ سارا علاقہ چوری، ڈاکہ اور لوٹ کھسوٹ سے محفوظ نہیں تھا۔ محمدی شریف کی بستی بھی چوریوں کی زد میں تھی۔ چنانچہ لوٹ مار اور چوری ڈاکہ کے عادی لوگوں نے حسب عادت اہل محمدی شریف کو بھی چوری، ڈکیتی اور مار دھاڑ کے ذریعے ہراساں کرنا شروع کر دیا تو متاثرہ لوگ اپنی اس پریشانی، خوف و ہراس اور مالی نقصان کا معاملہ حضرت فقیر صاحب کے نوٹس میں لائے۔ آپ نے انہیں تسلی اور دلاسہ دیتے ہوئے بڑے وثوق و اعتماد سے فرمایا آئندہ کوئی چور ان شاء اللہ یہاں سے چوری نہیں کر سکے گا۔ فقیر صاحب نے

یہ پیشین گوئی اپنے مہربان رب کی بے پایاں رحمت وعطاء پر پختہ یقین کی بنیاد پر ہی فرمائی تھی۔ چنانچہ اس کے بعد جب بھی کوئی چور رات کے اندھیرے میں چوری کی نیت سے محمدی شریف کے علاقے میں داخل ہوتا تو اللہ کا کرنا ایسا ہوتا کہ رات بھر وہیں گھومتا اور بھٹکتا پھرتا اور صبح تک علاقے کی حدود سے باہر نہ نکل سکتا۔ ایک دو دفعہ چوروں کے ساتھ یہ معاملہ پیش آیا تو یہ خبر سارے علاقہ میں پھیل گئی اور چور محمدی شریف کی حدود میں چوری کرنے سے ڈر گئے اور یوں یہ بستی چوری سے محفوظ ہو گئی۔

چوری سے محفوظ رہنے والی برکت فقیر صاحب کی زندگی میں ہی نہیں بلکہ صدیوں بعد بھی موجود رہی مگر جب خود اہالیان محمدی شریف ہی ناشکرے ثابت ہوئے اور چوری میں ملوث ہو کر اور باہر کے چوروں کے معاون و مددگار بن کر کفران نعمت کرنے لگے تو اللہ کریم نے یہ برکت اٹھالی۔

تمباکو کاشت کرنے سے ممانعت:

کسی علاقے کے مذہبی وروحانی پیشوا ومقتداء کا صرف یہی فریضہ نہیں کہ وہ ذاتی اصلاح، نماز، روزہ، عبادت وتسبیح اور اوراد ووظائف اور ذکر اذکار تک محدود رہے اور اپنے اردگرد معاشرے میں پائی جانے والی معاشرتی خرابیوں کے خاتمہ کے لئے کوئی حرکت اور سعی نہ کرے بلکہ شریعت محمدیہ کی طرف سے اس کی ذمہ داری اور ایمانی حمیت وغیرت کا تقاضا ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا قرآنی وشرعی حکم بجالاتے ہوئے جہاں وہ لوگوں کو نیکی کی تلقین کرے وہاں معاشرے میں موجود یا پیدا ہونے والی خرابیوں اور قباحتوں کو ختم کرنے کے لئے بھی ہر ممکن کوشش اور ایمانی حمیت وغیرت کا مظاہرہ کرے۔

تمباکو نوشی اگرچہ برصغیر پاک وہند کے باسیوں کی صدیوں پرانی عادت ہے تاہم اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ عادت شرعی، اخلاقی، معاشرتی، معاشی اور طبی نقطہ نظر سے کئی خرابیوں کی جڑ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس عادت کو اہل علم ودانش اور مذہبی وروحانی اور دیندار لوگوں نے کبھی مستحسن نہیں سمجھا۔ تمباکو نوشی کا ایک بڑا سبب چونکہ اس کی کاشت بھی ہے اس لئے حضرت میاں امام الدین (المعروف میاں محمدی جوان) نے اپنی اولاد اور دیگر اہالیان علاقہ کو کم از کم محمدی شریف کی حدود میں تمباکو کاشت کرنے سے منع کر دیا تھا۔ چشم دید گواہوں کے مطابق اس ممانعت کی تاثیر صدیوں بعد آج بھی باقی ہے۔

چنانچہ اس امر میں تو شک نہیں کہ حضرت میاں صاحب کے بعد آہستہ آہستہ اور زمانہ کے ساتھ ساتھ اہالیان محمدی شریف میں حقہ نوشی کی قبیح عادت رواج پا گئی مگر آج تک محمدی شریف کی سرزمین میں تمباکو کاشت نہیں کیا جاتا۔ اگر کبھی کسی آدمی نے تمباکو کاشت کرنے کی جسارت کی بھی سہی تو حضرت میاں صاحب کی ممانعت کی برکت سے اس کی فصل کبھی پایہ تکمیل کو نہیں پہنچتی۔

بعض اہل پیشہ کی سکونت سے ممانعت:

حضرت فقیر صاحب کے زمانے میں ہی نہیں اب بھی بعض لوگوں نے مستقل ذریعہ معاش کے طور پر کچھ ایسے پیشے اختیار کر رکھے ہیں جو معاشرے میں عموماً فحاشی، بے حیائی اور خلاف شرع امور کے فروغ وارتکاب کا سبب بنتے ہیں۔ مثلاً ڈھول، بینڈ باجے وغیرہ بجانا، مجمع میں نقالی کر کے لوگوں کا مذاق اڑانا اور تضحیک وتذلیل کرنا، گانے گانا وغیرہ۔ شرعی اعتبار سے یہ ناپسندیدہ بلکہ ممنوع کام بعض لوگوں نے نسل در نسل اس طرح اختیار کر رکھے ہیں کہ اب یہ ان کی ذاتی پہچان سے بڑھ کر ان کی ''ذات'' بن گئے ہیں۔ چونکہ مندرجہ بالا قسم کے کام یا ذرائع معاش معاشرے میں بہت سی خرابیوں کے فروغ کا وسیلہ بنتے ہیں اس لئے حضرت فقیر صاحب جیسے متبع شریعت، دوربین اور صاحب بصیرت آدمی نے زندگی میں خود بھی بڑی سختی سے ان کاموں کو روکا اور مرنے سے پہلے ''سدّ ذریعہ'' کے طور پر اپنی اولاد کو بھی وصیت کی کہ چند قسم کے اہل پیشہ (ذاتوں) کو کبھی محمدی شریف میں مستقل سکونت کی اجازت نہ دینا۔ ان ذاتوں میں ایک تو ''پیرائیں'' (ڈھول باجے بینڈ وغیرہ بجا کر روزی کمانے والے)، دوسرے ''بھانڈ'' (شادی بیاہ کے موقع پر نقالی کر کے حاضرین کو ہنسانے والے اور لوگوں کی تضحیک وتذلیل کرنے والے)، تیسرے ''ڈوم، مراثی'' (گانے کو ذریعہ معاش بنانے والے) شامل ہیں۔

راقم چونکہ خود بھی محمدی شریف کا رہائشی ہے اس لئے جانتا ہے کہ حضرت فقیر صاحب کی اس وصیت کی برکت سے آج بھی درج بالا قسم کے اہل پیشہ محمدی شریف کی بستی میں رہائش پذیر نہیں اور اگر کبھی کسی نے مستقل رہائش اختیار کرنے کا پروگرام بنایا بھی سہی تو ایسی پریشانیوں میں مبتلا ہوا کہ یہاں سے ہجرت ہی کرنا پڑی۔

حضرت فقیر صاحب کی شادی، اولاد اور وفات:

خاندانی روایات کے مطابق حضرت فقیر صاحب (میاں امام الدین رحمۃ اللہ علیہ) نے جب یہاں محمدی شریف میں مستقل قیام کر لیا، درس وتدریس کا سلسلہ شروع ہو گیا اور اردگرد کا سارا علاقہ آپ کی للّٰہیت، فقر و درویشی، زہد وتقویٰ، عبادت و ریاضت اور صوفیانہ سیرت و کردار سے متعارف ہو گیا تو پہلے آپ اپنے پیدائشی گاؤں ''موضع ولہ'' سے اپنی والدہ محترمہ اور دیگر اعزہ واقارب کو مستقل طور پر یہاں لائے اور پھر یہیں دو شادیاں کیں۔ ایک شادی میاں حمید نامی گوندل اور دوسری لالیاں کے اردگرد مشہور زمیندار برادری ''لالی'' کے کسی گھرانے میں ہوئی جس کی کوئی مزید تفصیل نہیں ملتی۔ ان بیویوں سے دو بیٹے پیدا ہوئے جن میں سے ایک کا نام میاں حبیب اللہ اور دوسرے کا میاں سعد اللہ تھا۔

حضرت فقیر صاحب نے پوری زندگی دیگر اہل اللہ اور صوفیاء کی طرح ہمیشہ فقر و درویشی کو اختیار کئے

رکھا۔ کبھی دنیا طلبی کو مطمع نظر نہ بنایا۔ آخری دم تک دینی خدمت کو اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا۔ حضرت فقیر صاحب اپنی اس مسلسل اور بے لوث دینی خدمت، زہد و عبادت، فقیرانہ روش اور بعض کرامات کی وجہ سے لوگوں کی عقیدت و محبت کا مرکز قرار پائے۔ آپ کی دعا سے اللہ کریم نے بے شمار لوگوں کی مشکلات کو حل فرمایا۔ علاوہ ازیں آپ کے فیض محبت اور تربیت کی برکت سے محمدی شریف کے زیادہ تر لوگوں پر دین کی چھاپ غالب رہی جس کے نشانات صدیوں بعد آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

حضرت فقیر صاحب اپنے شیخ کے فرمان کے مطابق جب اپنا مذہبی و روحانی فریضہ ادا کر چکے ادھر زندگی کی مہلت پوری ہوگئی تو داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور محمدی شریف کے جنوبی جانب قبرستان میں مدفون ہوئے۔ آپ کا مزار آج بھی مرجع خلائق ہے۔

ایک روایت کے مطابق آپ نے بوقت وصال جو وصیت فرمائی اس سے آپ کی کمال اتباع شریعت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ فرمایا ''میری قبر پختہ نہ بنائی جائے اور اس پر عمارت تعمیر نہ کی جائے۔'' یہی وجہ ہے کہ ان کی قبر پر صدیوں تک کوئی عمارت نہ بنی۔ البتہ اب زائرین کی سہولت و آرام کی خاطر چند سال سے اس پر ایک سادہ سا پختہ کمرہ بنا دیا گیا ہے۔ آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ میری قبر پر کوئی مجاور نہ بیٹھے اور کوئی آدمی چلہ کشی نہ کرے ورنہ وہ نقصان اٹھائے گا۔ چنانچہ یہ روایت آج تک اسی طرح چلی آ رہی ہے۔

حضرت میاں شاہ محمد رحمۃ اللہ علیہ

حضرت میاں محمدی جوان (میاں امام الدین رحمۃ اللہ علیہ) نے جو یہاں محمدی شریف میں اخلاص نیت سے ایک خانقاہ کی بنیاد رکھی اور زندگی بھر خون جگر سے اس کی آبیاری کی تو اس کا صلہ اللہ کریم نے یہ عطا فرمایا کہ ان کی صلبی اولاد اور نسل میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی صاحب نسبت و ورع آدمی ان کا مصلی نشین رہا اور اپنے زہد و تقویٰ اور عبادت و تسبیح سے ان کی سجادہ نشینی کا حق ادا کیا۔ تیسری پشت میں آپ کے سجادہ نشین میاں شاہ محمد تھے جنہوں نے اپنی نیکی، پرہیزگاری، عبادت گزاری اور بعض خرق عادت واقعات (کرامات) کی بدولت علاقے میں بڑی شہرت پائی۔

ہرل قوم کو گستاخی کی سزا اور معافی:

مشہور ہے کہ ان کے زمانے میں علاقہ ہذا کی ایک معروف زمیندار قوم ''ہرل'' چوری، ڈکیتی، راہزنی، لوٹ مار اور سینہ زوری کے حوالے سے خاصی بدنام تھی۔ ان کی کچھ مملوکہ اراضی بستی محمدی شریف کے شمال میں دریا کے کنارے اور کچھ یہاں سے دور چک نمبر ۲۳۷ لنگرانہ میں تھی۔ جب یہ لوگ اپنے مویشی اپنے چاہ سے

''چرائی'' وغیرہ کے لئے دریا کے کنارے والی زمینوں میں لے جاتے تو محمدی شریف کی آبادی راستے میں پڑتی تھی اور یہ لوگ حسب عادت یہاں کے کاشتکاروں کی فصلیں تباہ کر دیتے۔ ایک دفعہ حضرت فقیر صاحب کے خاندان کے کسی فرد نے انہیں اس چیز پر ٹوکا تو بجائے اس کے کہ وہ اپنی غلطی کا اعتراف کرتے، اُلٹا اس کو مارا پیٹا اور فصل مزید خراب کر دی۔ ''ملاں کی دوڑ مسجد تک'' وہ روتا ہوا میاں شاہ محمد کے پاس آیا اور ساری صورت حال کہہ سنائی۔ ہرل قوم کی اس مبینہ زیادتی اور سینہ زوری پر بے ساختہ آپ کی زبان سے بددعائیہ کلمات نکل گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ''گفتہ او گفتہ اللہ بود'' کے مصداق وہ تمام مویشی جو آپ کے عزیز کی محنت سے اُگائی گئی فصل کو تباہ کرنے کا ذریعہ بنے تھے، سارے کے سارے راستے میں مر گئے۔ اب ان ہرلوں کے ہوش ٹھکانے آئے۔ اپنی غلطی کی سمجھ آ گئی۔ فوراً میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آئندہ ایسا نہ کرنے کا عہد کر کے معافی مانگی۔ چنانچہ آج بھی ہرل قوم کے فہمیدہ لوگ جب یہاں سے مویشی لے کر گزرتے ہیں تو مویشیوں کے منہ باندھ لیتے ہیں تاکہ وہ کسی کی فصل خراب نہ کریں۔

میاں صاحب کی بات نہ ماننے کا عبرتناک انجام:

اسی طرح آپ کے زمانہ میں دریا کے کنارے پر آباد ''ٹھٹھہ ابھول کے'' میں ایک تنازع کے نتیجے میں ہرل قوم کے ہاتھوں سپرا قوم کا ایک آدمی مارا گیا۔

ان دنوں یہاں سے کوئی دس پندرہ میل دور ایک مشہور ڈاکو اور شہ زور لٹیرا سپرا ''نورا کندردا'' (غالباً اس کا نام نور محمد ولد سکندر ہوگا) رہتا تھا جس کے ساتھ مرلیے اور بہادر ساتھیوں کا جتھہ رہتا تھا۔ کہتے ہیں کہ پچیس جنگیں نہایت بہادری کے ساتھ لڑ چکا تھا۔ دور دور تک اس کا کوئی مدمقابل نہ تھا۔ پنجابی لوک گیت (ڈھولوں) میں اس کی داستانیں شہرۂ آفاق بن چکی تھیں۔ مذکورہ مقتول سپرا کے ورثاء نے اسے قومی حمیت کا واسطہ دے کر مدد کے لئے بلایا۔ وہ ایک عظیم جتھہ لے کر روانہ ہوا۔ اس کا دبدبہ اتنا تھا کہ بہت سی قومیں جو وہاں آباد تھیں ہرل قوم کی مدد سے صاف انکار کر گئیں۔ کوئی بھی مدد کے لئے تیار نہ ہوا۔ اس نے ٹھٹھہ ابھول کے بستی سے کچھ دور پڑاؤ ڈال دیا اور ہرل قوم سے مطالبہ کیا کہ ہمارے فلاں مقتول کے بدلہ میں اپنے فلاں فلاں آدمی ہمارے حوالہ کر دو ورنہ تمہارا حشر برا ہوگا۔ سوئے اتفاق سے اس وقت ان کے ہاں کل دس سے بھی کم آدمی تھے۔ بھلا اتنے لشکر جرار کا کیسے مقابلہ کر سکتے تھے۔ یہ لوگ ہر طرف امداد کے لئے بھاگے دوڑے لیکن ''نورے'' کے مقابلہ میں آنے کی کسی میں ہمت نہ تھی۔ بالآخر فقیر میاں شاہ محمد صاحب کے پاس پہنچے۔ آپ نے اپنے آدمی ''نورے'' کے پاس بھیجے کہ تم ان پر رحم کرو اور واپس چلے جاؤ۔ اور اگر تمہیں مقابلہ کرنا ہی ہے تو انہیں اتنی مہلت دو کہ یہ بھی تیاری کر لیں۔ نہتے غریبوں پر حملہ کرنا بہادری نہیں ہے۔ نورے نے فقیر صاحب کی بات سے متاثر ہو کر واپس ہونا چاہا

اور وہاں سے پڑاؤ اٹھالیا۔ تھوڑی دور جا کر واپس چلے تو ان میں ایک دوسرا ڈاکو جسے نورا مذکور اپنے ساتھ لایا تھا، کہنے لگا نورے! تو غلطی کر رہا ہے۔ آج تمہارے ساتھ علاقہ بھر کے بہترین کلہاڑے (جوان) ہیں۔ بار بار یہ کلہاڑے جمع نہیں ہوتے (اس کا اشارہ زیادہ تر اپنی جانب تھا) انہیں چلالے پھر نہ معلوم یہ کلہاڑے تیرے ہاتھ آئیں یا نہ آئیں۔ تجھے تیری قوم کے غریب مظلوموں نے مدد کے لئے بلایا ہے۔ جو قدم اٹھ گیا ہے اسے پیچھے نہیں ہٹنا چاہئے۔ یہ سن کر نورا اپنے جتھے سمیت واپس لوٹ آیا اور دوبارہ وہی مطالبہ دُہرایا۔ لوگ دوڑے دوڑے پھر فقیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ سے فریاد کی کہ آپ خود تشریف لا کر بیچ بچاؤ کریں ورنہ ہم ختم ہو جائیں گے۔ آپ نے جلال میں آ کر فرمایا نورے نے میری بات نہیں مانی۔ اگر لوٹ جاتا تو اس کے حق میں اچھا تھا اور اگر بضد ہے تو تم اللہ پر توکل کرو اور اپنا دفاع کرو۔ تم دیکھنا وہ گھاس ہوگا اور تم درانتیاں۔ جس طرح ایک درانتی گھاس کے کھیت کو ختم کر دیتی ہے اسی طرح ان کی کثرت تمہاری قلت کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکے گی۔ چنانچہ فقیر صاحب کے فرمان پر یقین کر کے وہ مقابلہ میں نکل آئے۔ لوگ بتلاتے ہیں کہ یہ تعداد میں دس سے بھی کم تھے اور وہ اس قدر تیاری کر کے چلا تھا کہ اگر آس پاس کی دیگر اقوام سے لوگ مقابلہ میں آ بھی جائیں گے تو مقابلہ کر لے گا۔ نورے نے اپنے جتھے سے باہر نکل کر دعوت مبارزت دی۔ ہرل قوم سے ایک نوجوان نکلا جس کی ''مسیں ابھی بھیگ رہی تھیں۔'' (مونچھیں نکل رہی تھیں) ادھر گرگ جہاں دیدہ ادھر ایک ناتجربہ کار چھوکرا۔ ادھر زمانے کے گرم و سرد دیکھا ہوا ماہر جنگ پہلوان، ادھر نوآموز بلکہ ناآموختہ لڑکا۔ بھلا کیا مقابلہ شیر ببر سے ایک بھیڑ کے بچہ کا۔ مگر قدرت کا کرشمہ دیکھئے! نورے نے گرج کر وار کیا۔ اس غضب کا وار کہ پتھر پر پڑ جائے تو وہ پاش پاش ہو جائے لیکن وہ ہرل طرح دے کر نکل گیا اور نورا ابھی سنبھلا بھی نہ تھا کہ اس نے سر پر وار کیا جو کاری ثابت ہوا اور نورا وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اس کا گرنا تھا کہ نالہ و شیون کا شور مچا اور نورے کے ساتھیوں میں ہلچل مچ گئی۔ سبھی کہہ رہے تھے کہ فقیر کا کہا نہیں مانا، آج فتح ناممکن ہے، جان بچا کر بھاگنا چاہئے۔ سبھی کو جان کے لالے پڑ گئے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ ہرل قوم کے باقی افراد نے تعاقب کیا اور وہ لوگ جو تماشائی بن کر الگ کھڑے تھے اور جنہیں یقین تھا کہ آج ہرل قوم کا بچہ بھی زندہ نہیں رہ سکے گا اور اس انجام بد کا آخری منظر دیکھنے کے منتظر تھے، معاون بن کر کھڑے ہوئے اور تعاقب کرنے والوں کے ساتھ مل گئے اور بھاگنے والوں میں سے کئی لوگوں کو تہ تیغ کیا، ہتھیار چھین لئے، جو اس دور کی اہم ترین ضرورت تھی اور نورے کے لشکر کے چھینے ہوئے ہتھیاروں کو لوگ گھروں میں فخریہ انداز میں سجا کر رکھا کرتے تھے۔

اس محیر العقول فتح کے بعد فقیر صاحب کے جلال اور روحانی قوت سے مرعوب ہونے کی وجہ سے کسی کو آپ سے مزاحم ہونے کی جراُت نہ رہی۔

مولانا میاں عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ

تیرہویں صدی ہجری میں اپنے آباء کی جانشینی کا سہرا جن بزرگوں کے سر سجا وہ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے دادا جان حضرت مولانا میاں عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ آپ بھی کامل درجہ کے ولی اور نہایت خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ ان کے احوال خود مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے قلم بند فرمائے ہیں۔ اور ''ایک ضروری ہدایت'' کے عنوان کے تحت مسودہ کے سرورق لکھا ہے:

''حضرت دادا صاحب، حضرت والد صاحب اور حضرت مولانا مرحوم (مولانا محمد ذاکر) ہر سہ کے لئے جو کچھ تحریرات بندہ نے قلمبند کی ہیں ان میں تصرف کر کے کم و بیش نہ کیا جائے۔ یہ بندہ کی طرف سے تاکید ہے۔ ان حضرات پر جو صاحب لکھنا چاہیں وہ اپنی عبارت میں جو کچھ لکھیں وہ اس کے ذمہ دار خود ہوں گے۔ بہر کیف ہمارے مسودہ مرتب کردہ میں بالکل تصرف نہ کریں۔''

اس لئے ذیل میں حضرت مولانا میاں عبدالرحمٰن کا مختصر تذکرہ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں ہی بغیر کسی قسم کی حاشیہ آرائی کے ملاحظہ ہو۔ مولانا لکھتے ہیں:

حضرت خواجہ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور خانقاہ سیال شریف (تحصیل شاہ پور صدر ضلع سرگودھا) میں بے شمار خوش بخت لوگوں نے حاضر ہو کر روحانی فیض حاصل کیا۔ ظاہری و باطنی علوم سے سیراب ہوئے، چشمہ معرفت جاری تھا۔ اکناف و اطراف سے لوگ پہنچ کر اکتساب فیضان کرتے تھے۔ انہیں حضرات میں حضرت میاں صاحب (مولانا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ) ساکن موضع محمدی شریف تحصیل چنیوٹ ضلع جھنگ بھی تھے جنہوں نے حضرت اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ موصوف کی روحانی درسگاہ سے شوق الٰہی کا سبق حاصل کیا۔ ذیل میں حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ مذکور کے مختصر سے حالات ناظرین کرام کی خدمت میں ذکر کئے جاتے ہیں۔

سلسلہ نسب:

عبدالرحمٰن بن غلام محی الدین (المعروف میاں غلام) بن خدایار بن کریم بخش بن خیر محمد بن سعد اللہ بن میاں امام الدین صاحب (جد اعلیٰ) رحمۃ اللہ علیہم۔ آپ اپنے جد اعلیٰ کی ساتویں پشت میں شریک ہیں اور یہ تین بھائی تھے۔ عبدالرحمٰن، عبدالکریم اور عبدالرحیم۔ ان تینوں میں سے میاں عبدالرحمٰن بڑے تھے۔ حضرت فقیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ (حافظ امام الدین رحمۃ اللہ علیہ) قریباً گیارہویں صدی ہجری میں گزرے ہیں۔ علاقہ ہذا کے مشہور و معروف صاحب کرامات بزرگ تھے۔

حضرت غوث بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے اس دور میں جو بزرگ صاحب مجاز تھے، ان سے حضرت فقیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ موصوف فیض یافتہ تھے۔ سلسلہ روحانی سہروردی خاندان کے ساتھ منسلک تھا۔ حضرت فقیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نام نامی کے ساتھ یہ قریہ (محمدی شریف) منسوب ہے۔ پرانے کاغذات و تحریرات میں اس قریہ کا نام ''موضع امام الدین'' لکھا جاتا تھا۔ بعد میں عوام نے اول و آخر میں تخفیف لفظی کرتے ہوئے اس نام کو ''میاں مامدی'' بنا دیا۔ اس کے بعد اسی نام کو اہل علم حضرات نے ''محمدی'' کے نام سے موسوم کیا۔

علاقہ ہذا میں ہمیشہ سے موضع مذکور کو دینی و علمی و روحانی مرکز کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ حفظ القرآن اور دینی درس حضرت فقیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ موصوف کے دور سے جاری ہے اور یہ بغیر انقطاع کے مسلسل چلا آ رہا ہے۔ بزرگوں کی برکات سے خدا کرے یہی دینی سلسلہ تا قیامت قائم رہے۔ مالک کریم کی جناب میں یہی امید کی جاتی ہے۔

نیابت اور قائم مقام ہونا:

حضرت فقیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ موصوف کی اولاد میں ہمیشہ ایک جانشین (صاحب سجادہ) چلا آ رہا ہے۔ حضرت میاں عبدالرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ خاندانی روایات کے اعتبار سے اپنے نانا جان میاں حافظ بدرالدین بن محمد یار بن کریم بخش رحمۃ اللہ علیہم کے قائم مقام ہوئے تھے۔ مسجد کی آبادی، دینی درس اور حفظ القرآن وغیرہ امور آپ کی نگرانی میں جاری تھے۔ حافظ بدرالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کے بڑے با اخلاص، زاہد اور متقی بزرگ تھے۔ حلال روزی کی تلاش ان کا خصوصی وصف تھا۔ حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ موصوف نے یہ اوصاف حمیدہ اپنے شیخ شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ ''شیخ جی چکی والے''، ضلع کیمبل پور سے حاصل کئے تھے۔ شیخ جی چکی والے رحمۃ اللہ علیہ قریباً تیرھویں صدی ہجری کی ابتداء میں نہایت متقی صاحب ورع نقشبندی بزرگ گزرے ہیں۔ حافظ بدرالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان سے فیض یافتہ اور صاحب مجاز تھے اور تیرھویں صدی ہجری کا وسط آپ رحمۃ اللہ علیہ کا بابرکت دور ہے۔ وجہ یہ ہے کہ حافظ بدرالدین رحمۃ اللہ علیہ موصوف کے دست مبارک سے ایک نسخہ قصیدہ بردہ شریف (بمع ترجمہ پنجابی اشعار کے) پایا گیا ہے۔ اس پر جناب نے اپنے دستخطوں کے ساتھ ۱۲۶۲ھ (بارہ سو باسٹھ ہجری) تاریخ درج کی ہے۔[1]

---

[1] قولہ۔ تاریخ درج ہے: یہاں سے ذیل چیزیں معلوم ہوتی ہیں:
جناب حافظ بدرالدین رحمۃ اللہ علیہ کی عربی تعلیم بڑی پختہ تھی اور عمدہ تعلیم یافتہ تھے۔ ادبی اشعار کے ساتھ آپ کا عمدہ ذوق تھا۔ قصیدہ بردہ شریف کو پنجابی زبان میں منضبط کرنا بڑا علمی کارنامہ ہے۔ معمولی تعلیم کا آدمی یہ کام سرانجام نہیں دے سکتا اور ظاہر بات ہے کہ جب آنموصوف رحمۃ اللہ علیہ کا علمی مقام فائق تھا تو آنجناب کی سرپرستی و نگرانی میں عربی دینی تعلیم جاری رہتی ہو گی اور بے شمار لوگ ان کے فیض علم سے فیض یافتہ ہوئے ہوں گے۔ گویا حافظ بدرالدین رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں دینی تعلیم بھی جاری تھی اور روحانی فیض کا سلسلہ بھی قائم تھا اور لوگ دونوں قسم کے فیوض سے مستفید ہوتے تھے۔

سیال شریف حاضری کا باعث:

حضرت میاں عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے برادری کے ایک قریبی رشتہ دار یعنی نانا بزرگوار مذکور کے پوتے حافظ محمد امیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ (بن محکم دین بن حافظ بدرالدین رحمۃ اللہ علیہ) گھر سے روپوش ہو کر کہیں چلے گئے تھے۔ ان کی تلاش کے لئے حضرت میاں عبدالرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ موصوف نے سفر اختیار فرمایا اور مختلف مواضعات میں ان کی تلاش کی خاطر چکر لگاتے ہوئے علاقہ خوشاب ضلع سرگودھا کے ایک دیہات میں پہنچے۔ اس علاقہ میں جا کر معلوم ہوا کہ یہاں بستی سیال شریف میں ایک بزرگ رہتے ہیں اور وہاں درس و تدریس کا بھی سلسلہ جاری ہے۔ اس اطلاع پر جناب میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ وہاں تشریف لے گئے تو وہاں حافظ محمد امیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوگئی اور حضرت خواجہ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ کا شرف زیارت بھی حاصل ہوا۔[1] حافظ محمد امیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا حال احوال بیان کیا اور ذکر کیا کہ میں تو حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہو چکا ہوں اور میں نے یہاں مستقل اقامت کا ارادہ کر لیا ہے۔

حافظ محمد امیر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات:

حافظ محمد امیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ موصوف اپنے شیخ کی خدمت بڑے اخلاص سے سرانجام دیتے تھے۔ خصوصاً دو کام حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ موصوف کے سپرد تھے۔ ایک تو قرآنِ مجید کے درس کے مدرس تھے اور دوسرا حضرت شیخ کی طہارت اور وضو کے لئے کوزہ (لوٹا) بھرنے کی سعادت ان کو نصیب تھی۔ دربار عالیہ پر جو درس قائم تھا، اس میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد شریف میں سے صاحبزادہ محمد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی (جو حضرت شیخ کے پوتے تھے) حافظ محمد امیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں قرآنِ مجید پڑھتے تھے۔ ایک دفعہ حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے صاحبزادہ صاحب کو کسی غلطی کی وجہ سے پیٹتے ہوئے اٹھا کر زمین پر دے مارا تو اس پر حضرت اعلیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادہ حضرت خواجہ محمد الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حافظ محمد امیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سخت ناراض ہو گئے اور حافظ محمد امیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس وجہ سے کچھ وقت کے لئے غائب ہو گئے اور حضرت اعلیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حضور میں مفوضہ خدمت سرانجام نہ دے سکے۔ حضرت اعلیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ محمد امیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو یاد فرمایا اور حاضر نہ ہونے کی وجہ دریافت فرمائی تو خدام نے عرض کیا کہ اس طرح واقعہ ہوا ہے اور صاحبزادہ محمد الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اُن سے ناراض ہوئے ہیں، تو حضرت اعلیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ محمد امیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بلوایا اور خطا درگزر کرتے ہوئے فرمایا، جس کا مفہوم یہ تھا کہ سزا دینے میں بچوں کی ہڈیاں نہ توڑیں باقی معاف ہے۔ چنانچہ

---

[1] حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں۔

حافظ صاحب مذکور تاحین حیات اسی خدمت پر مامور رہے اوران کا انتقال بھی سیال شریف میں ہی ہوا اور گورستان ''دادا باغ'' میں مدفون ہوئے۔

تشرف بیعت اور دواماً آمدورفت:

سیال شریف میں حافظ محمد امیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قیام کی وجہ سے میاں عبدالرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ تعلق قائم ہوا۔ حضرت اعلیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بابرکت مجلس میں شریک ہوئے۔ اس اثناء میں میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ موصوف نے روحانی رابطہ قائم کرتے ہوئے شرف بیعت حاصل کیا۔ پھر یہ سلسلہ آمدورفت دائماً جاری رہا۔ شوق و ذوق میں اضافہ ہوگیا۔ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ موصوف کو اپنے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کمال عقیدت تھی اور حضرت اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کثرت سے حاضر ہوتے تھے اور اپنے اشتیاق کی پیاس بجھاتے تھے اور فیض مجلس سے سیراب ہوتے تھے۔ پھر اسی طرح علاقہ ہذا سے اور بھی بہت سے لوگ جناب میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں حضرت اعلیٰ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوکر شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ موصوف نے اپنے اکلوتے بیٹے میاں عبدالغفور صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھی صغرسنی میں ہی اپنے شیخ رحمۃ اللہ علیہ حضرت اعلیٰ صاحب کی خدمت میں حاضر کیا اور بیعت کرادیا تھا۔

ایک دفعہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ حضرت اعلیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت عالیہ میں اپنے بیٹے (میاں عبدالغفور صاحب) سمیت حاضر ہوئے۔ یہ صغیرالسن تھے۔ تقریباً آٹھ سال کی عمر ہوگی۔ حضرت شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حضور میں جیسے خود مؤدبانہ صورت میں دوزانو بیٹھے تھے، اسی طرح اپنے بیٹے مذکور کو بھی نہایت ادب کے ساتھ دوزانو شکل میں اپنے ساتھ بٹھالیا۔ حضرت شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نظر عنایت فرمارہے تھے۔ اسی اثناء میں حضرت شیخ صاحب کے پوتے (صاحبزادہ محمد امین صاحب) حضرت شیخ صاحب کی مجلس میں اپنے طفلانہ انداز میں اچھلتے کودتے ہوئے پہنچے تو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عزیز پوتے کو فہمائش کرتے ہوئے فرمایا: ''تم بھی آرام سے مجلس میں اسی طرح بیٹھو جس طرح (عبدالغفور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) وہ کھوکھر لڑکا ادب سے بیٹھا ہوا ہے۔''

حصولِ برکات کا یہ سلسلہ چلتا رہا اور اوراد و وظائف حاصل ہوتے رہے حتیٰ کہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ موصوف کو اپنے شیخ رحمۃ اللہ علیہ (شمس العارفین سیالویؒ) سے اپنے سلسلہ کی اجازت بیعت بھی نصیب ہوئی۔ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ایک نسبت نیابت اپنے نانا جان حافظ بدرالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل تھی۔ اب دوسری نسبت اپنے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کامل کے دربار سے فیضان ہوئی۔ اس طریقہ سے آپ دونعمتوں سے متمتع ہوئے۔ ایک وقت آپہنچا کہ آنحضرت شیخ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ کا ۲۴ ماہ صفر ۱۳۰۰ھ میں وصال ہوگیا۔ آنحضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مسند عالیہ پر آنجناب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ اور

جانشین ہوئے اور ''حضرت ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔

حضرت میاں عبدالرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کامل نیازمندی کے ساتھ حضرت ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے تھے اور بابرکت مجالس سے مستفید ہوتے تھے حتیٰ کہ اگر کوئی اہم چیز قابل مشورہ پیش آتی تو حضرت ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع کرتے اور آنجناب رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کے موافق عمل درآمد کرتے تھے۔

حصول اراضی کا مشورہ:

جب علاقہ ہذا میں نہری آبادی شروع ہوئی (یہ تقریباً ۱۸۹۵ء کا زمانہ تھا) حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ موصوف نے حضرت ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری دی اور عرض کیا کہ اپنے علاقہ میں زمین آباد ہو رہی ہے، حکومت لوگوں میں زمین کے رقبے تقسیم کر رہی ہے، کس طرح ارشاد ہے؟ زمین کا نہری رقبہ حاصل کیا جائے یا نہیں؟ تو حضرت ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: نہری رقبہ ملتا ہے تو لے لیں، اولاد کے کام آئے گا۔

زہد و عبادت:

حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی درویشانہ زندگی تھی۔ عبادت الٰہی، ذکر و اذکار شغل تھا۔ اپنی مسجد کے حجرہ میں قیام رہتا تھا۔ اپنے قریہ محمدی میں آبائی اور جدی تھوڑی سی زمین تھی، اسی کی آمدن پر گزر اوقات تھی۔ علاقہ میں جب نہری آبادی ہوئی، اپنے چک نمبر ۲۳۸ ج ب روڈہ کی آبادکاری کے دوران ایک دفعہ حضرت میاں صاحب موصوف رحمۃ اللہ علیہ اپنے مربع میں تشریف لے گئے تاحال مکان تو بنے ہی نہ تھے، زمین دوز ایک گہرائی بنا کر اس پر گھاس وغیرہ ڈال کر گزر اوقات کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ اس خلوت خانہ میں اوراد و وظائف میں مشغول تھے کہ ایک عورت آئی اور جو مزارع اور خدام وہاں موجود تھے، ان سے دریافت کرنے لگی کہ ''سنا ہے محمدی والے میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہاں آئے ہوئے ہیں۔ کہنے لگی کہ کڑی والے (سجادہ نشین) کڑی چھوڑ کر ان کاموں کے لئے آجاتے ہیں؟'' اس عورت کی گفتگو حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سن لی اور بڑے متاثر ہوئے۔ فرمایا: اللہ کریم نے اس عورت کی زبان سے یہ بات کہلا دی ہے اور فوراً اسی وقت تیاری کر کے اپنے موضع محمدی شریف میں واپس تشریف لائے اور پھر کبھی اپنے مربع میں تشریف نہیں لے گئے۔

ایک مجذوب کے کشف کا واقعہ:

سردیوں کے موسم میں مسجد سے ملحقہ حجرہ میں نمازی نماز (جماعت) کے انتظار میں جمع ہوتے اور آگ جلا کر بیٹھتے تھے۔ ایک دفعہ نمازیوں میں میاں حماد کا تذکرہ چلا (میاں حماد ایک مجذوب فقیر تھے اور عموماً ننگے بدن پھرتے تھے) مجلس میں بعض لوگ کہنے لگے: ''حماد کیا؟ فقیر کیا؟ لوگوں کے سامنے آبادیوں میں شرم گاہ ننگے کئے

ہوئے پھرتا ہے۔'' حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ موصوف مجلس میں موجود تھے۔ آپ نے میاں حماد کی طرف داری کرتے ہوئے فرمایا: تم بھی اسی طرح ننگے بدن ہو کر ایک دفعہ شہر میں چل کر دیکھو! اگر طاقت ہے! خیر مجلس ختم ہو گئی، لوگ چلے گئے۔ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ موصوف فرماتے تھے کہ میں حجرہ میں سویا ہوا تھا۔ اسی رات کو نصف شب کے قریب میاں حماد آئے۔ حجرہ کے باہر ایک درخت تھا، اس کے نیچے کھڑے ہو گئے۔ خطاب کرتے ہوئے فرمانے لگے: ''میاں عبدالرحمٰن جاگتے ہو؟'' میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''ہاں جی''۔ فرمایا: ''شاباش! آپ نے اچھا جواب دیا۔'' بس اتنا کہہ کر غائب ہو گئے۔

سفرِ حج:

حضرت ثانی خواجہ محمد دین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دور کے بعد حضرت ثالث (حضرت خواجہ ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ) اپنے جدامجد کے جانشین ہوئے۔ اس دور میں بھی حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ باقاعدہ آستانہ عالیہ سیال شریف حاضر ہوتے تھے۔ ۱۳۲۹ھ میں حضرت ثالث صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حج کی تیاری فرمائی تو اس مبارک سفر میں میاں عبدالرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ موصوف نے بھی اپنی پیرانہ سالی کے باوجود شرکت سفر کی سعادت حاصل کی اور شرف معیت کو غنیمت سمجھا۔ اس سفر میں اور بھی متعدد خلفاء و صلحاء شریک سفر ہوئے تھے۔ جس سال اس مبارک قافلہ نے حرمین شریفین کی حاضری دی اس سال حج اکبر تھا۔

محمدی شریف میں واپسی:

جب سفرِ حج سے واپسی ہوئی تو یہ تمام حضرات سیال شریف حاضر ہوئے۔ ماہ صفر والے بڑے عرس کا موقع آ گیا تھا۔ یہاں محمدی شریف میں حج سے واپسی کی اطلاع بھی پہلے آ چکی تھی۔ اس لئے محمدی شریف اور گرد و نواح کے کافی لوگ بطور استقبال و زیارت کے سیال شریف حاضر ہوئے۔ ۲۴ صفر المظفر کو اختتام عرس ہوا۔ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ موصوف اس سفر میں کافی بیمار ہو گئے تھے۔ نہایت نحیف و لاغر تھے۔ اجازت لے کر واپسی ہوئی تو ایک پنگھوڑا یا ڈولی سی بنا کر اس میں حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اٹھا کر لایا گیا۔ محمدی شریف تک سفر اسی طرح طے ہوا۔ یہاں کے بے شمار لوگ قریہ سے دور استقبال کے لئے دریائے چناب کے کنارے جمع ہوئے اور ثواب زیارت سے بہرہ ور ہوئے۔

شفقت علی الخلق کا واقعہ:

ان ایام میں جناب میاں صاحب کو ''استطلاق البطن'' کا عارضہ لاحق تھا۔ حضرت سیّد اللہ جوایا شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حکیم معالج تھے۔ علاج معالجہ کے باوجود اس عارضہ سے نجات نہیں ہو رہی تھی۔ ایک روز شاہ

صاحب (معالج) نے پرندے کے گوشت کی یخنی تجویز کی (غالباً تیتر یا بٹیر تھا) ایک صاحب پرندہ پکڑ لائے۔ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھ لیا۔ دریافت فرمایا: پرندہ کس لئے لائے ہو؟ وجہ عرض کی گئی تو فرمایا: ''اس کو بھی اپنی جان پیاری ہے، میرے لئے اس کی جان نہ لو۔'' آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کے مطابق پرندے کو واگزار کر دیا گیا۔ اللہ والوں پر شفقت علی الخلق کی صفت کا غلبہ ہوتا ہے۔ اس کا اس موقع پر صحیح مظاہرہ پایا گیا۔

سفرآخرت:

حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان دنوں بیس پچیس روز بیمار رہے۔ عبادت، ریاضت حتی المقدور جاری رہی۔ فہمائش ونصائح وصایا اپنوں اور اپنے ملنے والوں کو فرماتے رہے۔ قدرت کی طرف سے مقرر وقت آ گیا اور ۲۰ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ بمطابق ۱۹۱۱ء انتقال فرما کر اللہ تعالیٰ کے ہاں جوارِ رحمت میں پہنچ گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ○۔

جنازہ اور دفن:

حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ موضع منگینی کے مولوی دوست محمد صاحب نے پڑھایا۔ خلق کثیر نے شرکت کی۔ قریہ محمدی شریف کے اپنے گورستان کی شرقی جانب ملحقہ زمین خالی پڑی تھی، جو میاں صادق محمد و میاں محمد اعظم پسران میاں محمد بخش میانہ برادری کی ملکیت تھی۔ ان دونوں برادران نے دفن کے لئے ہدیۃً دے دی، وہاں مزار بنایا گیا۔ بعد میں اس پر ہمارے میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مولانا عبدالغفور صاحب) نے ایک مختصر اور سادہ سا ''محل'' (مکان) تعمیر کرا دیا اور اطراف میں حفاظتی طور پر ایک کچی چار دیواری بنوا دی۔

مولانا میاں عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ

مولانا میاں عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ مولانا نافع رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی تھے۔اپنے والد کے حالات زندگی قلمبند کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

نام ونسب واولاد وقریبی رشتہ دار:

آپ کا اسم گرامی حضرت مولانا عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ ہے اور خاندانی سلسلہ نسب اس طرح ہے:

''مولانا حافظ عبدالغفور بن مولانا میاں عبدالرحمٰن بن میاں غلام (محی الدین) بن خدایار بن کریم بخش بن خیر محمد بن سعد اللہ بن میاں حافظ امام الدین (جداعلیٰ) بن حافظ اللہ داد۔ رحمۃ اللہ علیہم

حضرت دادا صاحب (مولانا عبدالرحمٰن صاحب) تین بھائی تھے۔آپ سب سے بڑے تھے۔پھر حافظ عبدالکریم صاحب تھے اور سب سے چھوٹے میاں عبدالرحیم صاحب تھے۔

میاں عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ:

میاں عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ بڑے صالح اور شریف النفس فرد تھے اور حافظ القرآن تھے۔ان کی اولاد میں بڑے لڑکے غلام فرید تھے جو حافظ قرآنِ مجید تھے۔بقدر ضرورت دینیات پڑھے ہوئے تھے (عنقریب ان کا ذکر درس قرآن میں پھر آئے گا۔) دادا عبدالکریم صاحب موصوف کے دو لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں۔بقضائے الٰہی سب فوت ہو گئے،آگے نسل نہیں چل سکی۔میاں عبدالکریم صاحب کی زوجہ اماں بختاور دختر جمال دین صاحب تھیں۔آئندہ درس قرآن کے عنوان میں میاں صاحب موصوف اور ان کی زوجہ بختاور بی بی دونوں کا ذکر کیا جائے گا۔

میاں عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ:

سب سے چھوٹے میاں عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ بڑے نیک سیرت عبادت گزار، قانع مرد اور درویش صفت تھے۔اپنا زراعت پیشہ تھا۔اس دور میں کنواں کے ذریعے آبپاشی ہوتی تھی۔جب ان کی آبپاشی کی باری ہوتی تو بیل جوت دیتے اور بیشتر دفعہ خود نماز میں مصروف ہو جاتے۔لوگوں میں مشہور ہے کہ جب بستی کی عورتیں پانی بھرنے کے لئے آتیں تو بیلوں کو چلا کر کنوئیں سے پانی بھر لیتیں اور چلی جاتیں۔بیل کسی وقت چلتے اور کسی وقت کھڑے رہتے۔اس طرح میاں صاحب آبپاشی کرتے تھے۔

اللہ والوں کے کام اللہ تعالیٰ خود بناتا ہے۔ہوتا یہ تھا کہ میاں صاحب موصوف کی کھیتی اور کھیتی سے آمدن دوسرے حصہ دارانِ چاہ سے ہمیشہ اچھی عمدہ اور زیادہ ہوتی تھی۔یہ ان کی عبادت کی نمایاں برکات تھیں۔پنجگانہ

نماز باجماعت مسجد میں ادا کرنا معمول تھا۔ صبح کی نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد بیل جوت کر کبھی (بستی سے ایک میل دور دریا کی طرف) جھلار کنواں کی طرف جانا ہوتا تو اشراق کا اگر وقت راستہ میں ہو گیا تو بیل کھڑے کر کے نوافل ادا کرتے تھے۔ اس کے بعد جا کر ہل چلاتے۔

عشاء کی جماعت کے بعد بعض اوقات مسجد میں اللہ اللہ کرتے رہتے تھے۔ حافظ غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ کلاں کہتے تھے ایک دفعہ عشاء کے بعد حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ (دادا صاحب) نماز سے فارغ ہونے کے بعد مسجد سے نکلنے لگے تو میں ساتھ تھا۔ سردیوں کا موسم تھا۔ میاں عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ ابھی مشغولِ وظائف تھے۔ حضرت (دادا صاحب) نے فرمایا: ''عبدالرحیم! مسجد کا دیا بجھا دینا۔'' عبدالرحیم صاحب نے جواب دیا کہ ''ابھی بجھا دینا ہے یا سحور کو؟'' تو حضرت موصوف نے مجھے فرمایا کہ ''تم جا کر چراغ بجھا دو۔ یہ تو تمام رات ایسے ہی گزار دیں گے۔''

آپ بڑے باخدا متوکل عابد وزاہد انسان تھے۔ اپنے حضرت میاں صاحب (دادا صاحب) سے پہلے ان کی وفات ہوئی۔ ان کے ہاں دو لڑکے تھے۔ ایک حافظ نظام الدین، دوسرے میاں نصیر الدین صاحب۔

حضرت دادا صاحب رحمۃ اللہ علیہ:

مولانا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ۲۰ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ بمطابق ۱۹۱۱ء میں تمام بھائیوں کے بعد ہوا۔ بڑے پایہ کے صوفی اور درویش کامل تھے۔ طبیعت میں شوق وذوق کا غلبہ تھا۔ اپنے شیخ طریقت کے ساتھ والہانہ محبت رکھتے تھے۔ ذکر اذکار اور عبادت ہی زیادہ شغل تھا۔ ان کے کچھ حالات قبل ازیں الگ تحریر کئے گئے ہیں اس لئے یہاں اجمالاً ذکر کیا ہے۔

حضرت دادا موصوف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک لڑکا والدم مولانا حافظ عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ صاحب اور ایک دختر تھی (یعنی عمہ محترمہ فتح بی بی صاحبہ) حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے تھے اور پھوپھی صاحبہ چھوٹی تھیں۔

عمہ محترمہ فتح بی بی:

پھوپھی صاحبہ بڑی شریفۃ النفس صالحہ عابدہ عورت تھیں۔ ہمارے ماموں میاں محمد یار صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نکاح میں تھیں۔ ان کے ہاں چار لڑکیاں تھیں اور ایک لڑکا مسمی نور محمد ہوا۔ وہ بیچارہ جواں سال ہو کر مراقیہ کے مرض کا شکار ہوا۔ بہت مدت بیمار رہا۔ میرے میاں صاحب (اس کے ماموں تھے) انہوں نے اس کی تیمارداری کا حق ادا کیا۔ اس کے والد محمد یار بہت پہلے فوت ہو چکے تھے۔ اس وجہ سے ہمارے والد صاحب ہی تمام نگرانی فرماتے رہے۔ علاج معالجہ کیا گیا۔ آخر کار ۹ رجمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ، ۱۹۳۲ء کو فوت ہو گیا۔ پھوپھی صاحبہ نے اور ان کی بہنوں نے بڑے صبر سے کام لیا۔ مالک کی رضا پر راضی ہو گئیں۔ عمہ محترمہ کا آئندہ ''خواتین کے درس''

میں پھر ذکر آئے گا۔ یہ درس قرآن مجید پڑھاتی تھیں رحمۃ اللہ علیہا۔ آخر عمر میں نظر نہیں رہی تھی۔ اپنے صوم وصلوٰۃ میں عمر تمام کردی۔ ہمارے بھائی مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ صالح محمد صاحب سفر حج پر گئے ہوئے تھے، بعد میں بتاریخ ۱۹رذوالقعدہ ۱۳۷۷ھ، ۸رجون ۱۹۵۸ء عمہ محترمہ کا انتقال ہوگیا۔ ہمارے سلف کی یہ آخری یادگار تھیں جو ہم سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگئیں۔[۱]

والدہ صاحبہ:

جناب والدہ صاحبہ (مسماۃ عائشہ بی بی دختر میاں پیر محمد صاحب) ہماری خواہر محترمہ سے پہلے فوت ہو چکی تھیں۔ یعنی والدہ محترمہ کی وفات ۲۷ ذوالحجہ ۱۳۴۵ھ، ۱۹۲۶ء کو ہو چکی تھی۔

والدہ صاحبہ نہایت نیک طینت، حلیمۃ الطبع، صالحہ خاتون تھیں۔ غریب عورتوں کی خفیہ خیرات سے مدد کرنا ان کا شیوہ تھا اور اپنی اولاد کو برے القاب سے نہیں یاد کرتی تھیں۔ بندہ تو چھوٹا تھا، والدہ صاحبہ کا انتقال ہوگیا تھا۔ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہم سب کے حق میں فرماتے تھے کہ تم کو تمہاری والدہ کی دعائیں ہیں۔ وہ بطور دعائیہ کلمہ کے کہتی تھیں کہ تم ''اچھے ہو، چنگے ہو'' برے کلمات سے نہیں یاد کرتی تھیں۔ (جیسا کہ عام عورتوں کی سخت کلامی کی عادت ہوتی ہے۔) ہمارے والد صاحب کی اولاد میں تین لڑکے یعنی مولانا محمد ذاکر، جو آگے چل کر ناظم و مہتمم جامعہ محمدی شریف نام سے مشہور ہوئے، حافظ صالح محمد صاحب اور محمد نافع عفا اللہ عنہ ہیں اور ایک لڑکی مسماۃ غلام فاطمہ بی بی تھی۔

ہمشیرہ صاحبہ:

ہمشیرہ صاحبہ (غلام فاطمہ بی بی) مولانا محمد ذاکرؒ سے چھوٹی، باقی ہم سب سے بڑی تھیں۔ بہت نیک سیرت اور صوم وصلوٰۃ کی پابند صالحہ خاتون تھیں۔ والد صاحب نے ان کا نکاح اور شادی اپنے چچازاد برادر میاں نصیر الدین صاحب ولد میاں عبدالرحیم صاحب سے کرادی تھی۔ ان کی عمر نے وفا نہ کی، کچھ مدت کے بعد ایک طویل عرصہ بیمار رہ کر فوت ہوگئیں اور ان کی کوئی اولاد نہ ہوئی۔ ہمارے حضرت میاں صاحب اپنی اکلوتی دختر کے ساتھ بدرجہ غایت شفقت اور پیار فرماتے تھے۔ قرآنِ مجید کی تعلیم کے ساتھ ساتھ فقہ کی کتاب ''انواع بارک اللہ'' جو منظوم فقہ ہے، بھی پڑھائی تھی۔ شادی سے کچھ مدت بعد جب یہ بیمار ہوئیں تو حضرت والد صاحب نے علاج

---

[۱] متذکرہ پھوپھی کی وفات کی یادداشت پر مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے یوں لکھا ہے: ''آج بوقت عصر عمہ محترمہ فتح بی بی بنت مولانا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ صاحبہ رحلت فرما گئی ہیں۔ ترجیع۔ الیلۃ دوشنبہ کو دفن کردیا گیا۔ سلف کی آخری نشانی تھی جو آج سفر کر گئی ہے۔ بہت سی خیر وبرکت کا خاتمہ ہوگیا۔ مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ صالح محمد رحمۃ اللہ علیہ ہر دو برادران حج کے لئے گئے ہوئے ہیں کہ عمہ محترمہ کا انتقال ہوا۔ (ذاتی ڈائری، ۱۹۵۸ء، مؤرخہ ۸رجون)

معالجہ غایت توجہ کے ساتھ فرمایا اور تعویذات وغیرہ کے ساتھ بھی حیلہ جات بہت فرمائے لیکن قدرت کی طرف سے شفاء مقدر نہیں تھی، اس وجہ سے یہ ذرائع وسائل کارگر نہ ہو سکے۔ قریباً ایک سال بیمار رہنے کے بعد ۱۹ شوال ۱۳۴۷ھ، ۱۹۲۸ء کو بوقت ظہر ان کا انتقال ہوا۔ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی وفات کی وجہ سے شدید صدمہ ہوا۔ جب ان کی وفات ہوئی تو بندہ قرآنِ مجید کا قریباً ساتواں پارہ پڑھتا تھا۔

حافظ صالح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ:

ہم بھائیوں میں درمیانے برادر تھے۔ مختصراً ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔ انہوں نے قرآنِ مجید اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حفظ کیا تھا اور فارسی نظم کی کتابیں حضرت استاذ اللہ جوایا شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی تھیں اور ابتدائی کتابیں دینیات کی بھی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اور اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی تھیں۔ اس کے بعد خانگی معاملات کی نگرانی خصوصاً اپنے زراعت پیشہ کی نگہداشت ان کے سپرد کر دی گئی جو انہوں نے مدت العمر بڑے اخلاص سے پوری کی۔ باقی گھر والوں کو اپنی خانگی ضروریات سے انہوں نے مستغنی کر دیا تھا۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان پر اس بہترین کارکردگی کی وجہ سے ہمیشہ خوش و راضی رہتے تھے۔

زراعت کی آمدن سے بڑے اہتمام کے ساتھ عشر نکالا کرتے تھے۔ اس مسئلہ کے عملدر آمد پر حافظ صاحب موصوف کی خصوصی توجہ رہتی تھی۔ محترم حافظ صاحب مرحوم و مغفور صوم وصلوٰۃ کے نہایت پابند تھے اور خصوصاً نماز باجماعت کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے تھے۔ ان چیزوں میں ان کا مخلصانہ عمل قابل رشک تھا۔

حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رشتہ عقیدت حضرت خواجہ ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ (حضرت ثالث) سجادہ نشین سیال شریف کے ساتھ قائم تھا۔ اوراد و وظائف کو بڑی پابندی کے ساتھ ادا کیا کرتے تھے اور اپنے والد بزرگوار حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی کئی اوراد و وظائف کی ان کو اجازت تھی اور بڑے اخلاص کے ساتھ پورا کرتے تھے۔

۱۳۷۷ھ بمطابق ۱۹۵۸ء میں ہر دو برادران (حضرت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ و حافظ صاحب) نے سفر حج اختیار فرمایا اور بسلامت و خیریت اس مبارک سفر حج اور زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہو کر واپس تشریف لائے۔ ان کے سفر حج کے دوران میں پھوپھی صاحبہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ جیسا کہ ہم نے قبل ازیں درج کر دیا ہے۔

حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اہم دینی خدمات میں سے یہ چیز بھی قابل ذکر ہے کہ کلاں مسجد محمدی شریف کو بڑے اہتمام اور شوق سے جدید تعمیر کرایا۔ بڑی کوشش سے اہل دیہہ اور دیگر لوگوں کو توجہ دلا کر اس کو مکمل کرایا۔ ۱۳۷۷ھ، ۱۹۵۸ء کو مسجد مکمل ہو گئی نیز مسجد کے ساتھ ملحقہ چاہ خورد سابقہ دیرینہ تھا، وہ بوسیدہ ہو چکا تھا اس کو ذرا بڑا کر کے جدید بنوایا اور مسجد ہذا کو پہلے مکمل کرایا۔ اس کے بعد حج کو تشریف لے گئے تھے۔

پھر ایک مدت سے چک روڈا کی آمد و رفت کم کر کے مسجد ہذا کے درس میں تدریس کے اندر معاونت

فرماتے تھے اور طلبہ کو قرآنِ مجید حفظ کرانے کے کارِ خیر میں وقت صَرف کرتے تھے۔

اس دوران حافظ صالح محمد رحمۃ اللہ علیہ کے اکلوتے بیٹے مولوی فضل کریم نے اپنے والد محترم اور میاں احمد دین مرحوم سے قرآن مجید حفظ کیا۔

محترم حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مدت دراز سے مختلف بیماریاں لاحق تھیں اور کئی عوارض طبیعت میں پیدا ہو گئے تھے۔ ساتھ ساتھ علاج جاری رہتا تھا۔ کافی زمانہ علاج معالجہ کراتے رہے لیکن مرض سے نجات نہ ہو سکی۔ آپ کے عوارض عسیر العلاج ہو گئے تھے۔

بیماری کے ایام میں بھی صوم وصلوٰۃ اور اوراد و وظائف کی پابندی حتی المقدور بڑے اہتمام سے ہمیشہ کرتے تھے جو اس دور میں متقی مومن کے لئے قابل نمونہ ہے۔ آخر کار انہوں نے بڑے صبر کے ساتھ یہ بیماری کا سفر طے کیا اور بتاریخ ۱۷ جمادی الثانیہ ۱۳۸۴ھ بمطابق ۲۴ اکتوبر ۱۹۶۴ء ۸ کاتک ۲۰۲۱ بکرمی بروز ہفتہ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچ گئے۔ حافظ صاحب کی اولاد میں دو لڑکیاں ہوئیں اور ایک لڑکا، جس کا نام مولوی حافظ فضل کریم ہے۔ یہ اپنے والد صاحب کے صحیح خلف الرشید ہیں۔ حافظ القرآن ہیں اور درس نظامی کے عالم دین ہیں۔ اپنے والد صاحب کے قائم مقام خانگی معاملات زراعت وغیرہ میں اپنی ذمہ داری سے بجا طور پر عہدہ برآ ہو رہے ہیں۔

حضرت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ:

مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ حضرت والد صاحب کی اولاد میں سب سے بڑے فرزند تھے۔ حضرت دادا صاحب کی زندگی میں مولانا صاحب نے قرآن مجید کی تعلیم کی ابتدا اپنے دادا جی صاحب سے ہی کی تھی اور ان کے وصال کے بعد اپنے والد صاحب سے قرآنِ مجید کی تعلیم حاصل کی۔ فارسی نظم کی تعلیم حضرت اللہ جوایا شاہ صاحب سے حاصل کی اور اس کے بعد آپ نے کچھ مدت ملتان شریف اور بہاولپور (جامعہ عباسیہ) میں دینی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد آپ نے دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام سیال شریف ضلع سرگودھا میں کتب دینی کی تعلیم اوّل مدرس حضرت مولانا محمد حسین رحمۃ اللہ علیہ و دیگر اساتذہ سے حاصل کی۔

دورانِ تعلیم ملک میں تحریک خلافت شروع ہوئی۔ اس میں اپنے استاذ موصوف کے ساتھ قید ہوئے اور حکومت برطانیہ کی طرف سے سزا یافتہ ہو کر ایک سال سے زائد جیل میں رہے۔ یہ واقعہ قریباً ۱۹۲۲ء کا ہے۔

اس کے بعد دورہ حدیث شریف کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے ۱۳۴۵ھ میں دورہ حدیث تمام کیا۔ مولانا مرحوم کی خورد سالی میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ثانی) خواجہ محمد دین (سیال شریف سے بیعت کرا دی تھی۔ پھر بڑے ہو کر حضرت ثالث خواجہ ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ سے تربیت روحانی و دینی حاصل کرتے رہے۔ ان اکابر کے برکات کی وجہ سے روحانیت میں مولانا مکمل درویش

صفت تھے۔ بعدازاں اس علاقہ میں دینی تعلیم کی خاطر آپ نے محرم الحرام ۱۳۵۲ھ موافق مئی ۱۹۳۳ء میں مدرسہ کی ابتدا کی جو بعد میں اپنے مراحل ترقی گزار کر ''ادارہ جامعہ محمدی شریف'' کے نام سے موسوم ہے۔

مولانا مرحوم کی زندگی کے چند پہلو (قومی ودینی خدمات) پر ایک مختصر سا مضمون قبل ازیں مرتب کیا گیا جو ماہنامہ ''الجامعہ'' کے ''مولانا محمد ذاکر نمبر'' میں بتاریخ جنوری فروری ۱۹۷۷ء شائع ہو چکا ہے۔ مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ ایک باعمل عالم دین، متقی اور دین وقوم کے سچے خادم تھے جن کی تمام زندگی امور خیر کے لئے وقف رہی اور اسی پر ان کا خاتمہ بالخیر ہوا۔

مولانا مرحوم نے اپنے ادارہ جامعہ محمدی سے مدت العمر کوئی مشاہرہ حاصل نہیں کیا۔ یہ چیز ان کی فی زمانہ ضرب المثل کے درجہ میں ہے اور اس کی نظیر اس دور میں ملنا مشکل ہے۔

ان کی تاریخ انتقال ۳رذوالحجہ ۱۳۹۸ھ موافق ۲۵رنومبر ۱۹۷۶ء، ۱۰رمگھر ۲۰۳۳ بکرمی بروز خمیس ہے۔

مولانا مرحوم کی اولاد میں ایک لڑکے مولوی محمد رحمت اللہ ہیں جو مولانا کی وفات کے بعد ادارہ جامعہ محمدی شریف کے ناظم ومہتمم ہیں۔ مولانا مرحوم کی اور بھی اولاد ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہوئی تھی مگر خوردسالی میں ہی وفات پاگئے تھے۔ اس لڑکے کا نام نعمت اللہ رکھا گیا تھا۔

تعلیم وتعلّم اور علمی مشاغل

حفظ القرآن:

حضرت والد مولانا عبدالغفور مرحوم نے خوردسالی میں حافظ محمد صاحب (حافظ جوئیہ صاحب) سے قرآن مجید حفظ کیا تھا۔ حافظ محمد صاحب محمدی شریف کے قرآنی درس کے مشہور قدیمی استاذ تھے اور نابینا تھے۔ محمدی شریف اور اس کے گردونواح کے بیشتر حفاظ نے ان سے قرآنِ مجید حفظ کیا اور حافظ محمد صاحب کے ایک برادر حافظ جیون تھے، وہ بھی نابینا تھے۔ دونوں بھائیوں نے مدت تک للہ فی اللہ درس قرآن مجید پڑھایا، کوئی معاوضہ مقرر نہیں تھا۔

اس کے بعد آپ نے فارسی درسیات حضرت استاد سید اللہ جو یا شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مرحوم سے پڑھیں۔ شاہ صاحب فارسی نظم ونثر اور ابتدائی دینیات کے مشہور لائق استاذ تھے نیز فن طب کے بھی ایک ماہر طبیب مانے جاتے تھے۔ نہایت شریف النفس اور کریم الاخلاق انسان تھے۔ محمدی شریف کے لوگ ان سے علمی استفادہ

کرتے تھے۔ ان کا انتقال ۱۳۶۲ھ بمطابق ۱۹۴۳ء میں ہوا۔

اس کے بعد آپ نے چنیوٹ میں دینی تعلیم مولانا سلطان محمود صاحب کھوکھر مرحوم سے حاصل کی۔ مولانا سلطان محمود صاحب چنیوٹ میں مسجد کھوکھراں میں پڑھاتے تھے اور اپنے وقت کے مشہور صالح اور عالم فاضل تھے اور یہ مسجد میاں خدایار کھوکھر کے نام سے مشہور تھی۔

تعلیم کا اہتمام:

ہمارے دادا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے اکلوتے بیٹے کی دینی تعلیم کا خاص فکر تھا۔ جب چنیوٹ میں والد صاحب کو دینی تعلیم کے لئے بھیجا تو ان کا خرچ وخوراک پہنچانے کے لئے خاص اہتمام فرماتے تھے۔ مولانا سلطان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہمارے اکابر کی رشتہ داری تھی۔ وہ یہ ہے کہ مولانا صاحب موصوف ہماری نانی صاحبہ نور بیگم زوجہ میاں پیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی برادر تھے اور ہماری والدہ کے ماموں تھے اور ان کی اپنی بہن کے ہاں محمدی شریف میں آمد ورفت رہتی تھی۔ قبلہ والد صاحب اور برادر مکرم حضرت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ دونوں کے استاذ تھے۔

ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں مسجد کھوکھراں میں سبق پڑھ رہا تھا۔ دیکھتا ہوں کہ حضرت میاں عبدالرحمٰن بنفس نفیس اپنے سر پر میری خوراک کے لئے آٹا اٹھائے ہوئے تشریف لائے۔ مجھے بڑی شرم محسوس ہوئی اور از حد ندامت ہوئی کہ میری خاطر خود حضرت نے دس کوس کا پیدل سفر کر کے خوراک پہنچانے کی زحمت گوارا فرمائی۔ یہ واقعہ دینی تعلیم دلانے کے لئے آپ کے کمال اخلاص پر دلالت کرتا ہے اور ان کے نزدیک علم دین کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔

تعلیم کے لئے اگر آپ نے کہیں دوسری جگہ سفر کیا تھا تو اس کی تفصیلات معلوم نہیں ہوسکیں البتہ بعض دفعہ گھوٹہ (ملتان) جانے کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ پھر وہاں کچھ زیادہ قیام نہ کر سکے اور واپس آ گئے تھے۔ اس سفر میں میاں حضور محمد انصاری کے سفر کے ساتھی ہونے کا ذکر فرماتے تھے۔ مشکوٰۃ شریف تک کتابیں پڑھی تھیں۔ پھر دوسرے مشاغل میں مصروف ہو گئے۔

فراہمی کتب:

حضرت دادا صاحب (میاں عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ) کے دور میں اپنے ذاتی کتب خانہ میں صرف چند کتب تھیں۔ مثلاً مثنوی شریف مولانا روم، شرح مثنوی بحر العلوم، فتاویٰ برہنہ، تفسیر حسینی وغیرہ وغیرہ۔ پھر حضرت والد صاحب نے اپنے مقدور کے مطابق فراہمی کتب کی طرف توجہ فرمائی اور مختلف اوقات میں متعدد کتابیں خرید کر جمع فرمائیں۔ مثلاً فتاویٰ عالمگیری عربی اور اس کا اردو ترجمہ، مکمل بحر الرائق، المبسوط شمس الائمہ سرخسی، الفتاویٰ

للشامی، تفسیر مواہب الرحمٰن، اردو تفسیر خازن مع معالم التنزیل بغوی وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح ہدایہ اوّلین وآخیرین وشرح وقائع وکنز الدقائق قدوری وغیرہ فقہ کی درسی کتب بھی فراہم فرمائی تھیں۔

سلسلۂ عقیدت اور خلافت:

حضرت دادا صاحب نے ہمارے والد صاحب کو اپنے شیخ حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ خورد سالی میں ہی بیعت کرا دیا تھا۔ پھر شیخ موصوف کے انتقال کے بعد حضرت خواجہ محمد الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں حسب دستور حاضر ہو کر روحانی استفادہ کرتے رہے اور اپنے والد بزرگوار سے بھی متعدد وظائف و اوراد ان کو حاصل ہوئے اور یہ استفادہ کا سلسلہ جاری رہا۔

حضرت دادا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے وقت حضرت خواجہ ضیاء الدین ثالث صاحب کا دور تھا۔ حضرت والد صاحب کو حضرت ثالث صاحب کی طرف سے سلسلہ چشتیہ کی خلافت و نیابت عنایت فرمائی گئی۔ آنموصوف اپنے اکابر کی جانب سے مجاز تھے۔ اور مدت دراز سے حضرت فقیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان میں دیرینہ دستور چلا آیا ہے کہ قدیمی بڑی مسجد میں اپنی برادری کی طرف سے خاندان ہذا میں سے ایک شخص کو جانشین تجویز کیا جاتا ہے۔ وہ اس دینی سلسلہ کے قیام اور آبادی مسجد کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

ایک زمانہ میں میاں شاہ محمد صاحب یہاں مسجد میں مصلیٰ نشین تھے۔ ان کے بعد حضرت حافظ بدرالدین صاحب تیرھویں صدی کے وسط میں یہاں مصلیٰ نشین رہے۔ پھر ان کے بعد ان کے دختر زادے حضرت میاں عبدالرحمٰن صاحب سجادہ نشین تھے۔ پھر ان کے بعد ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے اکابر کے قائم مقام اپنے خاندان کی طرف سے یہاں جانشین مقرر ہوئے اور تاحین حیات اس منصب پر قائم رہے۔ یعنی ۱۳۳۰ھ سے لے کر ۱۳۶۵ھ تک فائز رہے۔

۱۹؍ربیع الاوّل ۱۳۶۵ھ میں حضرت والد صاحب کا انتقال ہوا۔ جیسا کہ مندرجہ واقعات کے آخر میں ان شاء اللہ ذکر کیا جائے گا۔

ایامِ نیابت، مسجد کی نگرانی اور محمدی شریف کے قرآنی مدارس:

اکابر کے دستور کے موافق مسجد کی آبادی اور حفاظت کے لئے حضرت والد صاحب مسجد کے ساتھ متصل حجرہ میں رہائش پذیر رہتے اور اذان و جماعت کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔ اگر کوئی صاحب جماعت کرانے کے لئے موزوں موجود ہوتا تو اس کو امامت کے لئے مقدم فرما دیتے، ورنہ خود عمامہ باندھ کر نماز پڑھایا کرتے تھے اور درسِ قرآنِ مجید جو حضرت فقیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ سے جاری چلا آتا ہے اس کی خاص نگرانی فرمایا کرتے تھے

اور عصر کے بعد قرآنِ مجید حفظ کرنے والوں کے اسباق بھی بعض اوقات خود سنا کرتے تھے۔

یہ قرآنِ مجید کے درس کا سلسلہ قدیم الایام سے قریہ ہذا میں جاری ہے اور یہاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے مردوں کے بھی کئی درس چلے آئے ہیں اور خواتین کے بھی۔ ان درسوں کا اجمالاً یہاں ذکر کر دینا مناسب سمجھا گیا ہے۔

حافظ جوئیہ صاحبان کا درس:

ایک درس تو جوئیہ صاحبان (حافظ محمد صاحب، حافظ جیون صاحب) کا تھا۔ یہ دونوں بزرگ باہم برادر تھے۔ حافظ جیون بڑے و حافظ محمد چھوٹے تھے اور دونوں مادرزاد نابینا تھے۔ بڑے متقی اور پرہیزگار تھے اور للّٰہ فی اللہ تعلیم قرآن دیتے تھے اور حافظ لال صاحب کھوکھر کے یہ دونوں شاگرد تھے۔

دونوں حضرات چاہ چکی والہ پر کھیتی باڑی بھی کرتے تھے اور ساتھ ساتھ وہیں درس بھی پڑھایا کرتے۔ مدت العمر دونوں بزرگوں کا یہی معمول رہا اور بعض ایام قریہ محمدی کی بڑی مسجد میں درس قرآن پڑھاتے تھے۔

ان ہر دو حافظ صاحبان کی وجہ سے اہل قریہ اور علاقہ والوں کو قرآنی تعلیم کے سلسلہ میں بہت نفع ہوا۔ بچوں کے علاوہ کئی بچیوں نے بھی ان سے قرآنِ مجید کی تعلیم حاصل کی۔

مسجد ہذا کو عرف عام میں پکی مسجد سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس مسجد میں گزشتہ ایام میں میاں حافظ عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ صاحب بھی درس دیا کرتے تھے۔

حافظ جوئیہ صاحبان کا انتقال ہمارے دادا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں ہو گیا تھا۔ اس کے بعد ان کے شاگرد حافظ غلام محمد صاحب (کلاں) ولد میاں شیر محمد صاحب یہاں قرآنِ مجید کا درس دینے لگے۔

درس حافظ غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ:

حافظ غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بڑے میاں صاحب (حضرت میاں عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ) استاذ حافظ محمد صاحب جوئیہ مرحوم کی وفات کے بعد میری والدہ صاحبہ "صاحب بی بی" (اعوانی) کے پاس تشریف لے گئے اور جا کر فرمایا کہ یہ لڑکا (غلام محمد) مسجد میں درس کے لئے ہمیں دے دو۔ تو انہوں نے بخوشی منظور کر لیا اور ہمارے والد میاں شیر محمد صاحب اس بات پر رضامند ہو گئے۔ بس اس کے بعد حافظ غلام محمد صاحب اپنی تمام زندگی یہاں قرآنِ مجید پڑھاتے رہے اور ان کا انتقال ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے چند سال بعد ۸/رجب ۱۳۷۰ھ موافق ۱۵/اپریل ۱۹۵۱ء کو شب اتوار میں ہوا۔

حافظ غلام محمد صاحب موصوف مجرد تھے، شادی شدہ نہ تھے۔ اس وجہ سے ان کی کوئی اولاد نہ ہوئی۔ ان کی خدمات اہل مسجد کے لئے اور شہر والوں کے لئے رمضان شریف میں قابل دید ہوتی تھیں۔ سحری کے لئے تمام

شہر کو جگانا، پھر مسجد والے طلبہ ومسافرین ومعتکفین کے لئے کھانا لانا، پھر افطاری کے لئے اسی طرح انتظامات کرنا ان کا مستقل معمول تھا اور ساتھ ہی حفاظ طلباء کا قرآن مجید سننا اور ان کی تعلیمی نگرانی رکھنے کا کام مذکورہ تمام مصروفیات کے باوجود نہایت عمدہ طریقہ سے پورا کرتے تھے۔

کم وبیش قریباً چالیس برس حافظ غلام محمد صاحب مرحوم نے قرآن شریف پڑھایا اور بلا معاوضہ خدمت کی۔ حافظ صاحب مذکور طماع وحریص نہ تھے۔ خصوصاً مزاج میں تکبر نہ تھا۔ اگر کسی سے رنجیدہ وناراض ہوتے تو تھوڑے وقت کے بعد خود بخود راضی وخوش ہو جاتے، دل میں کینہ وعناد نہ رکھتے تھے اور خدمت خلق کا جذبہ ان میں بدرجہ اتم موجود تھا۔ اس قسم کے اخلاق وکردار واعمال حسنہ رکھنے والے افراد کا دور ہذا میں پایا جانا محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

درس کچی مسجد:

کچی مسجد میں بھی قدیمی درسِ قرآنِ مجید چلا آتا ہے۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دور سے پہلے ہی حضرت دادا صاحب کے زمانے میں حافظ غلام فرید صاحب ولد عبدالکریم صاحب مسجد ہذا میں درس پڑھاتے تھے اور اذان وجماعت کی نگرانی کرتے تھے۔

حافظ غلام فرید صاحب کچی مسجد میں مذکورہ ذمہ داری بڑے عمدہ طریق سے پوری کرتے تھے اور نیز یہ کام بھی ان کے معمول میں داخل تھا کہ ہمارے دادا صاحب (حضرت میاں عبدالرحمٰن) کے لئے گھر سے کھانا لاکر پکی مسجد میں پہنچایا کرتے تھے۔ ان ایام میں ہمارے والد صاحب چک ۲۳۸ ج ب روڈہ میں مقیم تھے۔

حافظ غلام فرید صاحب مرحوم کے انتقال کے بعد کچھ ایام حافظ محمد دین ولد حافظ سلطان (ڈھڈھی) درس پڑھاتے رہے۔ پھر ان کے چھوڑ دینے کے بعد حافظ احمد ولد میاں تاجہ اس درس کے مدرس مقرر ہوئے اور مسجد کی تمام نگرانی، اذان، جماعت، صفائی وغیرہ ان کے سپرد رہی اور بڑا عمدہ انتظام انہوں نے قائم رکھا۔ تاحین حیات اس فریضہ کو نہایت عمدگی سے سرانجام دیتے رہے اور ۲۹ ربیع الآخر ۱۳۷۷ھ ۲۳ نومبر ۱۹۵۲ء کو ان کا انتقال ہوا۔ تقریباً ۳۳ برس درس قرآن اور مسجد کی خدمت بجالائے۔

حافظ احمد مرحوم بڑے مخلص، حلال کسب کمانے والے متدین اور شریف النفس مومن مرد تھے۔ طبیعت میں طمع ولالچ نہ تھا۔ بڑے صابر وشاکر تھے۔ ان کے سات عدد لڑکے متولد ہو کر سب کے سب فوت ہو گئے۔ اب نرینہ اولاد نہ تھی لیکن ہرگز حرف شکایت منہ پر نہ لاتے تھے۔ یہ ان کے کمال ایمان کی نشانی تھی۔

خواتین کے درس:

مدت دراز سے حضرت فقیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں عورتیں بھی درس قرآنِ مجید پڑھاتی رہی ہیں:

۱۔ ان میں ایک درس مسماۃ ست بھرائی صاحبہ زوجہ مولوی بہاول بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔ کافی مدت انہوں نے خواتین کو قرآن کی تعلیم سے نفع پہنچایا۔ پھران کے بعدان کی بیٹی مسماۃ رحمت بی بی صاحبہ نے درس جاری رکھا اوراس کارِخیر کواپنی زندگی تک تمام کیا۔

۲۔ دوسرا درس مسماۃ اماں بختاور صاحبہ (زوجہ حافظ عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ) کا تھا۔ یہ حافظ غلام فرید کی والدہ تھیں۔ انہوں نے قرآنِ مجید کا درس تمام عمر چلایا۔ ان سے بچیوں اور بچوں کو بے شمار فائدہ ہوا۔

۳۔ خواتین کا تیسرا درس ہماری پھوپھی صاحبہ مسماۃ فتح بی بی کا تھا۔ یہ بھی اپنی تمام زندگی میں درس قرآنِ مجید کی تعلیم دیتی رہیں۔ ان کے بعدان کی لڑکی مسماۃ حیات بیگم صاحبہ نے درس قرآنِ مجید جاری رکھا اوراسی پران کا اختتام حیات ہوا۔ (غفر اللہ لھن)

عبادات اپنے معمول کے ساتھ:

لوگوں کوتعلیم وتلقین اوران کے لئے بابرکت افادات دینی کتب کے مطالعہ کا شغل

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے بزرگانِ دین اور مشائخ کے طریقہ پر عبادت کے معمولات جاری رکھتے تھے اوراپنا تمام وقت ان معمولات کی تکمیل میں ہی مصروف رکھنے کی کوشش فرماتے۔ دوسرے دنیاوی مشاغل متروک تھے۔

جب سے آپ اپنے والد صاحب (میاں عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ) کے قائم مقام مصلیٰ نشین ہوئے تو فرضی عبادت کے ساتھ نفلی عبادات کوبھی بالالتزام بجالاتے تھے۔ نفلی عبادات میں قیام اللیل یعنی نماز تہجداعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔ اس پردوام فرمایا کرتے تھے۔ بعض اوقات فرماتے تھے کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے مسجد کی خدمت نصیب فرمائی ہے تہجد کی نماز ناغہ نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس کی ہمیشہ توفیق عنایت فرماتے رہیں۔

تہجد کی گفتگو کے سلسلہ میں بعض دفعہ فرمایا کرتے کہ جب راتیں طویل ہوجایا کرتی ہیں تو تہجد خوان کے لئے گویا کہ "فصل پختہ" کمانے کے ایام آگئے اوراب وہ اپنی کمائی زیادہ کرسکے گا اورراتیں کم ہونے پراس کو حسرت زیادہ ہوجاتی ہے۔

اس وجہ سے کہ عبادت کے لئے اس کووقت کم میسر آتا ہے۔ رات میں کثرت عبادت کے سلسلہ میں یہ

بات بھی بعض اوقات جناب موصوف سے سنی گئی کہ بعض دفعہ اس طرح بھی ہوا کہ عشاء کے بعد نوافل پڑھ کر جب آپ وضو کر کے سوئے اور پھر تہجد کے لئے اٹھے تو داڑھی ابھی تک خشک نہیں ہوئی تھی۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ آپ رات میں بہت قلیل عرصہ آرام فرماتے تھے اور پھر تہجد کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔ حسب معمول مشائخ تہجد کے وقت کے اوراد و وظائف ادا فرمایا کرتے تھے اور ''پاس انفاس'' کا شغل بعد ازدیگر وظائف جاری رکھتے۔

طلوع فجر سے پہلے سنت کے مطابق تھوڑا سا آرام فرما لیتے، پھر اذان کے بعد حسب معمول بعد از طہارت بروقت سنت فجر ادا کر لیتے اور اس وقت کے ورد میں مشغول رہتے، پھر نماز با جماعت ادا ہوتی۔ فرض نماز کے بعد دعائے خیر تک مسجد میں ہی اوراد میں مصروف رہتے۔ دعائے خیر کے بعد اپنے حجرہ (متصل مسجد) میں تشریف لے جا کر مشائخ کے دستور کے مطابق اوراد و وظائف بمع دلائل الخیرات کے ادا فرماتے اور حسب موسم دروازہ بند رہتا۔ دروازہ کھولنے کے بعد بندہ کو قرآن مجید کا سبق پڑھاتے، پھر قضائے حاجت کے لئے باہر تشریف لے جاتے۔ فراغت کے بعد وضو کر کے حسب دستور نوافل چاشت ادا فرماتے۔ پھر اگر کوئی شخص تعویذ حاصل کرنے یا کوئی چیز دم کرانے کے لئے آیا ہوتا تو اس کی ضرورت کو پورا فرماتے اور پہلے کچھ مدت یہ معمول بھی رہا کہ چاشت کے نوافل کے بعد گھر تشریف لے جایا کرتے اور اپنی اکلوتی بیٹی (غلام فاطمہ بی بی) و خواہر زادی (طالعہ بی بی) کو کتب دینیہ (انواع بارک اللہ وغیرہ) کا سبق پڑھایا کرتے تھے۔ اس کے بعد مسجد میں تشریف لا کر مطالعہ میں مصروف ہوتے۔ اسی طرح کسی مسئلہ کی دریافت کے لئے کوئی صاحب آ جاتے تو حسب موقع اس کو زبانی یا تحریری مسئلہ کا جواب فرماتے۔ نیز اس وقت کتب دینیہ کا مطالعہ فرمایا کرتے تھے۔ تصوف کی کتابوں میں سے عام طور پر مثنوی شریف از مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ بمع اپنی شروح اور بعض اوقات ''مطالب رشیدی'' اور ''آداب الطالبین'' کا مطالعہ فرمایا کرتے اور کبھی فقہ کی کتابوں میں سے ''عالمگیری'' (اردو) اور ''غایت الاوطار شرح درالمختار'' وغیرہ حسب ضرورت ملاحظہ فرماتے۔

اگر کبھی فقہی مسئلہ کی وضاحت کے لئے مشورہ کی ضرورت ہوتی تو حضرت الاستاذ سید اللہ جوایا شاہ صاحب مرحوم بھی تشریف لاتے اور دیگر فقہ کی کتابوں کی طرف رجوع کر کے مسئلہ کو حل کیا جاتا تھا۔

مزید برآں اگر بعض اوقات کسی مسئلہ میں پوری تشفی نہ ہو سکتی تو چنیوٹ میں مولانا سلطان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع کیا جاتا۔

مسنون طریقہ کے موافق دوپہر کو ہمیشہ قیلولہ فرماتے تھے۔ بعد ازاں ظہر کی اذان سے پہلے طہارت حاصل کر کے مسجد میں نوافل اور اوراد و وظائف میں مصروف ہو جایا کرتے۔ اس کے بعد اذان و جماعت ہوتی۔ نماز ظہر کے بعد حسب معمول بادا موں پر ختم خواجگان پڑھا جاتا۔ اس میں بعض نمازی اور طالب علم بھی شریک ہوتے۔

ختم مذکور کی دعائے خیر کے بعد کوئی صاحب تعویذ لینے، دم کرانے یا کسی اور ضرورت کے لئے موجود ہوتا تو اس کی حاجت پوری فرماتے۔ اور جمعہ کے روز ختم خواجگان مذکور کے بعد حاضرین کے لئے خصوصی چند نصائح و فکر آخرت کا ذکر فرمایا کرتے جو مسترشدین کے حق میں نہایت مؤثر ہوتا تھا۔ اس کے بعد قرآنِ مجید کی تلاوت فرماتے اور کبھی تلاوت قرآنِ مجید صبح دلائل الخیرات کے وظیفہ کے بعد فرما لیتے تھے۔

پھر اس کے بعد تفسیر حسینی (فارسی) کا عموماً مطالعہ فرمایا کرتے اور بعض دفعہ تفسیر "مواہب الرحمٰن" بھی مطالعہ میں رکھتے تھے۔ حسب ضرورت کسی دوسری کتاب کی طرف حاجت ہوتی تو رجوع کرتے تھے اور عصر تک عموماً اسی طرح معمول جاری رہتا تھا۔

پھر عصر کی اذان و جماعت ہوتی۔ نماز عصر کے بعد ضروری اوراد مسبعات عشر وغیرہ سے فارغ ہوتے تو بعض قرآنی طالب علموں کے اسباق خود سنتے تھے اور بندہ بھی اس وقت سبق سناتا تھا اور بندہ نے قرآنِ مجید آنموصوف سے حفظ کیا تھا۔

اس مصروفیت کے بعد اپنے حجرہ میں تشریف لا کر ذکر خفی میں مشغول رہتے۔ اس سے پہلے بعض ایام میں یہ معمول رہا کہ عصر کے اوراد کے بعد قبیل المغرب گورستان تشریف لے جاتے اور اپنے اکابر کی مزارات پر فاتحہ خوانی کرتے تھے اور پھر بعد میں اس طرح کر لیا جاتا کہ صبح قضائے حاجت سے فراغت کے بعد طہارت کرتے اور گورستان تشریف لے جانا ہوتا تو تشریف لے جاتے ورنہ اس کے بعد مسجد میں آکر حسب معمول مشاغل میں مصروف ہوتے۔

جماعت کے بعد اس وقت کے اوراد و وظائف مثلاً نوافل اوّابین و حفظ الایمان وغیرہ حسب دستور مشائخ ادا فرماتے۔ اسی طرح مغرب کے بعد کافی وقت مسجد میں اوراد کے سلسلہ میں مصروف رہتے۔ پھر مسجد سے اپنی جگہ میں تشریف لاتے اور ماحضر کھانا جو ہوتا تناول فرماتے۔ دیگر مہمان یا طالب علم مسجد ہذا اسی وقت کھانا کھایا کرتے تھے اور بعض ایام میں اس طرح بھی ہوتا کہ مغرب کے اوراد و وظائف سے فارغ ہونے کے بعد گھر میں پھوپھی صاحبہ (فتح بی بی) کے ہاں مزاج پرسی کے لئے تشریف لاتے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد واپس حجرہ میں آکر کھانا تناول فرماتے۔ اس کے بعد کچھ وقت حاضرین کے ساتھ حسب ضرورت گفتگو میں مصروف ہوتے۔ وہ گفتگو عموماً پند و نصائح یا مسائل وغیرہ کی ہوتی تھی اور رشد و ہدایت کی چیزیں اور بزرگان دین کے ملفوظات بیان فرماتے۔
پھر اس وقت کے بعد عشاء کی اذان و جماعت ہوتی۔ اذان کے بعد اور جماعت سے پہلے (۴۹) انچاس عدد حسب معمول سات آدمی فجر کی اذانیں کہتے تھے۔ اس کے بعد نماز با جماعت ادا ہوتی۔ جماعت عشاء کے بعد آپ مسجد سے باہر اپنی جگہ میں تشریف لاتے، وہاں آکر بقایا نماز و نوافل ادا فرماتے۔ پھر اس سے فراغت کے بعد باہر قضائے

حاجت کیلئے تشریف لے جاتے۔ واپسی پر طہارت وضو کر کے نوافل ادا فرماتے۔ ان نوافل کے بعد اپنی جگہ میں جا کر باوضو ہونے کی حالت میں سونے کیلئے آرام فرماتے۔ مدت العمر اس طرح یہ معمول جاری رہے۔

تنبیہ:

حضرت والد صاحب موصوف رحمۃ اللہ علیہ جو اوراد و وظائف اپنے اپنے اوقات میں ادا فرمایا کرتے تھے وہ کتاب ''مجموعہ وظائف دلائل الخیرات'' صفحہ ۱۲ تا صفحہ ۱۶ مطبوعہ لاہور کے اندر فارسی عبارت میں مذکور ہیں۔ وہاں تصریح کر دی گئی ہے کہ یہ اوراد و وظائف حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہیں اور ان کے فرمودات سے ہیں اور بعض چیزیں ''مرقع کلیمی'' میں درج ہیں۔

صیام کا اہتمام:

گزشتہ سطور میں نماز اور دیگر اوراد کا مختصراً ذکر کیا گیا ہے۔ اب تھوڑا سا صیام کے متعلق بھی چند سطریں تحریر کی جاتی ہیں:

رمضان شریف کے فرضی روزوں کا تو اہتمام ہوتا ہی تھا اس کے ماسوا معمول یہ تھا کہ عید الفطر کے بعد شش ایام کے روزے سنت کے مطابق ہمیشہ رکھتے تھے اور ہر ماہ میں ایام بیض (۱۳، ۱۴، ۱۵) کے تین روزے ہمیشہ رکھا کرتے تھے۔

علاوہ ازیں یہ بھی طریقہ تھا کہ شعبان میں تیرہ شعبان سے روزے رکھنا شروع فرما دیتے تھے اور پھر تمام شعبان روزے رکھے جاتے، پھر رمضان شریف آجاتا۔ اس کے بعد ۶ شوال کے روزے پورے کر کے ختم کرتے تھے۔

ان نفلی صیام میں آپ ہمیشہ سے سحری کھانے کا اہتمام نہیں فرمایا کرتے تھے، صرف تھوڑا سا پانی پی کر ہی سحری کی سنت ادا کرتے تھے۔

سحری کا اہتمام صرف فرضی روزوں کیلئے کیا جاتا تھا۔ اس میں بھی ماحضر پر اکتفا ہوتا تھا۔ کسی قسم کا کوئی تکلف پیش نظر نہیں رکھا جاتا تھا۔ نہ سحری میں، نہ افطاری میں، جو ماحضر دستیاب ہو جاتا اسی پر اکتفا کیا جاتا تھا۔

معمولات میں نظم اور اوقات کی پابندی:

نمازوں کے لئے مستحب اوقات کی ہمیشہ رعایت فرمایا کرتے تھے اور مناسب وقت پر نماز پنجگانہ ادا ہوا کرتی تھی۔ ایک موقع پر بعض مہمانوں کے انتظام کی وجہ سے جماعت میں تاخیر ہوئی تو بعض نمازیوں نے تاخیر کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ ''یہ ہمارے مہمان ہیں، ان کی رعایت کی گئی ہے۔ ان کے رخصت ہو جانے

کے بعد جس وقت آپ چاہیں جماعت کرائیں۔''

عام معمول اس طرح تھا کہ مستحب اور مناسب اوقات میں نمازیں ادا کی جاتی تھیں اور اس طرح رمضان شریف میں افطار کے لئے بھی مستحب وقت معمول تھا۔ کسی کو شکایت کا موقعہ نہیں ملتا تھا۔

معمولات اور اخلاق:

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عبادت اور اوراد و وظائف اور دینی کتب کے مطالعہ کے متعلق مختصراً کچھ ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اب حضرت موصوف کے عام معمولات اور اخلاقیات کو متعدد عنوانوں کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے۔

لباس:

سنت طریقہ کے مطابق آپ رحمۃ اللہ علیہ کا لباس عموماً موٹے دیسی کھدر سفید کا ہوتا تھا۔ قمیص دیسی طرز پر ایک طرف گریبان والا سلوایا کرتے تھے۔ سخت موسم گرما میں کبھی کبھی ہلکے کپڑے کا سفید قمیص بھی تیار کرا لیا جاتا تھا۔ بٹن دیسی طریقہ پر ''گھنڈی'' کا بنا ہوا ہوتا تھا۔ عمدہ قسم کے دوسرے بٹن نہیں لگوایا کرتے تھے۔

تہبند عموماً سفید ہوتا تھا مگر بعض اوقات نیلے رنگ کا تہبند باندھا کرتے تھے۔ اسی طرح اوپر اوڑھنے کے لئے بھی بعض اوقات نیلا کپڑا بنوا لیا کرتے تھے اور بوقت ضرورت استعمال فرماتے۔

سر پر عموماً سفید ٹوپی (چار کلی) ہوتی تھی۔ سخت سردیوں میں بعض اوقات نہایت سادہ قسم کی گرم ٹوپی بھی استعمال فرما لیا کرتے تھے۔ اگر کبھی جماعت کرانا پڑتی تو اوپر والے ہلکے کپڑے کی دستار بنا کر نماز پڑھایا کرتے تھے۔ مایہ والی پگڑی کا استعمال نہیں دیکھا گیا۔ ایک دفعہ بندہ نے اپنی جوانی کے شوق میں پگڑی کو (مایہ) لگوایا اور طرہ دار بنا کر باندھا جیسا کہ شوقین لوگوں کی عادت ہوتی ہے تو حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے اپنے پاس بلا کر بڑے طریقہ سے تنبیہاً نہ فہمائش فرمائی۔ ارشاد فرمایا کہ جیسے تیرے بھائی (محمد ذاکر اور صالح محمد) سادہ پگڑی استعمال کرتے ہیں اسی طرح تجھے بھی استعمال کرنی چاہئے۔

استعمال کی چارپائی نہایت سادہ اور معمولی ہوتی تھی اور بعض اوقات ''ناڑی'' (پٹھہ) کے بان کی بُنی ہوئی ہوتی تھی۔ اسی طرح بستر بھی بالکل سادہ اور معمولی قسم کا ہوتا تھا۔ یعنی صرف گدہ اور لحاف پر مشتمل تھا اور چھوٹا سا بالین۔ بسترہ میں کوئی قیمتی اور تکلف کی چیز مثلاً بچھائی (چادر) یا رضائی وغیرہ نہیں ہوتی تھی۔

ٹیک لگانے کے لئے کوئی گاؤ تکیہ عمر بھر استعمال نہیں کیا۔ غالیچہ اور قالین وغیرہ استعمال نہیں فرمایا اور سادہ چٹائی پر بیٹھنا ہوتا تھا۔ بعض اوقات اپنے حجرہ میں نماز کے لئے ایک دری کا سادہ مصلیٰ استعمال کیا جاتا تھا۔

مسجد میں کوئی الگ مصلّٰی نہیں بچھاتے تھے۔ اسی طرح حضرت میاں صاحب کے عرس کی مجالس میں بھی کوئی دری یا چادر وغیرہ نہیں بچھاتے تھے۔ صرف سادہ چٹائی پر دوسرے لوگوں کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے۔ ہاتھ میں اکثر بانس کی بالکل سادہ چھڑی خمدار ہوتی تھی جو منقش و مرصع نہیں ہوتی تھی۔

پاؤں میں چرمی جوتا بالکل سادہ دیسی قسم کا ہوتا تھا جس پر کسی قسم کی زری نہیں لگوائی جاتی تھی۔ مقامی دیہاتی طرز کے موافق اس کی ساخت ہوتی۔ یہ عام طور پر میاں محمد موچی (ولد گہنہ) جوتا سادہ بنا کر لایا کرتا تھا۔

خوراک:

خوراک کے معاملہ میں بالکل سادگی اختیار فرماتے تھے۔ جو کچھ ماحضر گھر میں میسر ہوتا اسی پر اکتفا کیا جاتا تھا۔ البتہ بعض دفعہ مہمانوں کی آمد پر کوئی چیز پکوائی جاتی تو وہ الگ بات تھی۔

ساگ پات کے موسم میں ساگ کے سالن کو پسند فرمایا کرتے تھے۔ صبح ناشتہ کرنے کا کوئی معمول نہیں تھا حتیٰ کہ گرمیوں میں لسی بھی بطور ناشتہ استعمال نہیں فرماتے تھے۔ دوپہر کو روٹی کے ساتھ لسی استعمال فرماتے تھے۔ عموماً دوپہر کا کھانا لسی کے ساتھ ہی ہوتا تھا۔ کوئی سالن وغیرہ ساتھ نہیں ہوتا تھا۔ چائے نہ صبح ہوتی تھی اور نہ ہی پچھلے ٹائم (عصر کے وقت) بلکہ چائے کا استعمال نہیں فرمایا کرتے تھے۔

رات کو کھانا تناول کرنے کے تھوڑی دیر بعد بقدر طلب دودھ استعمال فرمالیا کرتے تھے اور وہ عموماً بغیر گرم کئے پی لیا کرتے تھے مگر جب سخت سردی ہوتی یا طبیعت مزکوم ہوتی تو گرم دودھ نوش فرمالیتے۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم تو نے وہ گنج ہائے گرانمایہ کیا کیے؟

دوسری بات یہ ہے کہ ہم جب روٹی کانسی کی تھالی میں لایا کرتے تو اس کو مٹی کی تھالی میں رکھ کر تناول فرماتے تھے اور پینے کے لئے بھی عموماً مٹی کا پیالہ استعمال ہوتا تھا اور یہ بھی ہمیشہ کا معمول تھا کہ قبلہ رو ہو کر تشریف رکھتے تھے اور کھانے کے وقت بھی قبلہ رو ہو کر کھانا تناول فرمایا کرتے تھے۔ مٹی کے برتن استعمال کرنے اور قبلہ رو رہنے میں سنت طریق کی رعایت مطلوب تھی۔

سادہ طرز معاشرت:

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بود و باش بالکل سادہ تھی جس میں کسی قسم کے تکلف اور نمائش کو دخل نہ تھا۔ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کر لینا معمول تھا۔ اگر کوئی دوسرا شخص از خود تعاون کر دیتا تو یہ صورت الگ تھی۔ مثلاً اپنی چارپائی اندر ڈالنے یا حجرہ سے باہر نکالنے کی ضرورت ہوتی تو خود نکال لیا کرتے تھے۔ اور اسی طرح وضو کے لئے کوزہ پانی سے بھر کر خود ہی رکھ لیا کرتے تھے۔ کوئی خاص خادم متعین نہ تھا۔ بعض دفعہ طالب علم بھی از خود اس کام کو

سرانجام دیتے تھے اور اکثر فرمایا کرتے کہ یا اللہ! کسی کا محتاج نہ کرنا۔

حجرہ میں بیٹھنے کے مقام میں کوئی دری یا گدہ وغیرہ نہیں بچھا ہوتا تھا۔ سادہ چٹائی پر تشریف فرما رہتے۔ اپنے حجرہ میں جو مسجد کے ساتھ ملحقہ تھا سرسوں کے تیل۔ سے مٹی کا دیا جلتا تھا۔ لالٹین یا کسی دوسری قسم کی بتی وغیرہ کا استعمال نہیں ہوتا تھا۔

مسجد کے خدام اور طالب علم جب مسجد کی صفائی کرتے تو بعض دفعہ خود بھی مسجد کی نالیوں کی صفائی میں ہاتھ بٹاتے اور اس میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے۔

تواضع وانکساری:

حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت میں نہایت سادگی تھی اور تواضع وانکساری کی صفت غالب تھی اور نشست وبرخاست میں بھی کوئی امتیازی صورت اختیار نہیں کی جاتی تھی۔

آپ کے ساتھ جو لوگ مصافحہ کرتے تو بغیر دست بوسی کے مصافحہ ہوتا تھا۔ دست بوسی کرانے کو پسند نہیں فرماتے تھے اور اگر کوئی کوشش کرتا تو اس کو منع فرما دیتے تھے۔ اسی طرح اگر کوئی بیعت ہونے کی درخواست کرتا تو بعض دفعہ یوں فرماتے کہ دوسرے پیروں کے پاس جا کر بیعت کرلو۔ پھر بھی اگر وہ آپ سے بیعت ہونے کا اصرار کرتا اور آپ اس کی طلب صادق دیکھتے تو بیعت فرما لیتے تھے۔ بیعت فرمانے کے ساتھ بمع دیگر اوراد و وظائف کے احکام شریعت کی پابندی کی خاص تاکید فرماتے تھے۔

زاہدانہ زندگی اور اس پر استقامت:

حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ موصوف ایک متوکل اور عابد زاہد انسان تھے۔ آپ کی معیشت اور گزران کا ذریعہ وہی پرانی آبائی زمین جو کچھ چاہی اور کچھ نہری تھی۔ صرف اسی پر تمام اہل وعیال کا گزارہ چلتا تھا۔ آخری ایام میں برادرم حافظ صالح محمد صاحب مرحوم نے رقبہ نہری میں کنواں لگوانے کے لئے گزارش کی تاکہ آبپاشی کا ذریعہ بہتر ہونے سے زراعت کی آمدنی کچھ زیادہ ہو جائے تو حضرت موصوف رحمۃ اللہ علیہ اس چیز کی اجازت دینے پر راضی نہ تھے اور فرماتے تھے کہ گزارہ کے لئے یہی کچھ کافی ہے، زیادہ کی کیا حاجت ہے۔ تو حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر بڑا اصرار کیا اور بعض احباب سے بھی کہلوایا تو حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجبور ہو کر اجازت فرمائی اور وہ کنواں ابھی مکمل نہیں ہوا تھا کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔

حضرت کا یہ معمول تھا اپنے متعلقین اور مریدوں کے ہاں تشریف نہیں لے جایا کرتے تھے۔ اگر کوئی خواہش ظاہر کرتا تو فرماتے جن کو ضرورت ہو وہ یہاں آجائے اور کوئی سفر اس نوع کا اختیار نہیں فرماتے تھے جو

حصول زر اور یافت مال کے لئے کیا جائے۔ البتہ سال میں دو ہی سفر سیال شریف جانے کے لئے اختیار فرماتے تھے۔ ایک ۶ رشوال کو تشریف لے جایا کرتے تھے اور دوسرا اٹھارہ (۱۸) ربیع الثانی کو کیا جاتا تھا۔ آخری عمر تک معمول تھا اس سے پہلے سیال شریف کے بڑے عرسوں پر بھی جو ۲۴ صفر المظفر اور ۲ رجب المرجب کو ہوتے تھے ان پر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ بعد میں ان بڑے عرسوں میں شریک نہیں ہوتے تھے اور اپنے بیٹوں (مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ یا حافظ صاحب) کو بھیج دیا کرتے تھے اور مذکورہ دو سفر جن میں سیال شریف حاضر ہوتے تھے ان میں پہلی چھ (۶) شوال کی تاریخ حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے عرس کی ہے اور دوسری ۱۸ ربیع الثانی کی تاریخ عرس محبوبین یعنی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔

اور یہ طریق کار اس کے بعد اختیار فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک بڑے عرس پر سیال شریف حاضر ہونے کے لئے تشریف لے گئے اور جس وقت سیال شریف کے قریب پہنچے تو علاقہ ہذا کے کافی لوگ آپ کے ساتھ عرس میں شمولیت کے لئے جمع ہو چکے تھے اور جب بستی سیال شریف میں داخل ہونے لگے تو تنگ راستہ کی وجہ سے ایک طویل قطار میں ہو لئے جو کافی لمبی تھی اور حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے آگے آگے تشریف لے جا رہے تھے۔ اس منظر کو دیکھ کر کسی شخص نے کہا کہ یہ کون خلیفہ ہیں اور کہاں کے ہیں؟ جن کے ساتھ اتنی کثیر تعداد آ رہی ہے۔ سننے والے نے جواب دیا کہ یہ محمدی شریف والے میاں صاحب ہیں۔

اس گفتگو کو حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سن لیا تو فرماتے تھے کہ میں نے دل میں طے کیا کہ آئندہ ایسی صورت نہیں اختیار کی جائے گی۔

تو اس کے بعد آپ نے بڑے اعراس پر شامل ہونا چھوڑ دیا۔ یہ چیز بتلاتی ہے کہ ان حضرات کے سامنے اخلاص تھا۔ جہاں بھی کوئی نمود و نمائش کی بات پیش آتی تو اس سے پوری طرح گریز کرتے اور عجب وخود بینی کی چیزوں سے اجتناب کرتے تھے۔ یہ کمال اخلاص کی نشانی ہے اس کو تورّع سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

مسائل میں احتیاط:

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کئی چیزوں میں احتیاط فرمایا کرتے تھے اور یہ احتیاط کرنا تقویٰ اور پرہیز گاری کی علامت میں سے ہے۔ اس گئے گزرے دور میں ان چیزوں کا بہت کم لحاظ کیا جاتا ہے۔

اپنی زراعت کی آمدنی سے عشر تو نکالا ہی جاتا تھا، علاوہ ازیں بعض لوگ مسجد میں گندم وغیرہ بھیج دیتے تھے۔ وہ اگر عشر کی مد سے ہوتی تو میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کو الگ رکھوا دیتے تھے۔ پھر اس کو عشر کے مصرف میں ہی صرف فرمایا کرتے تھے۔

اسی طرح نذرانہ میں بھی بعض دفعہ دیکھا گیا کہ آپ نے نذرانہ پیش کرنے والے سے دریافت فرمایا

کہ یہ کیسی رقم ہے؟ اگر وہ کہتا کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے تو اس رقم کو زکوٰۃ کے مصرف میں لگا دیتے۔ کئی بار تو اسی وقت طالب علموں کو بلا کر ان میں تقسیم کر دی جاتی تھی۔

ایک بار کا ذکر ہے کہ نماز ظہر کے بعد ختم خواجگان سے جب فارغ ہوئے تو میاں ہدایت ترکھان نے آٹھ روپے نقد (جو اس وقت چاندی کے روپے کی شکل میں ہوتے تھے) پیش کئے اور زبانی کچھ نہ کہا۔ تو حضرت موصوف نے فرمایا کہ ''تو نے از خود کیوں نہیں بتایا کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے اور خاموشی سے رکھ دیئے۔'' اسی وقت مستحقین کو بلا کر اس رقم کو ان میں تقسیم کر دیا گیا۔

احتیاط میں یہ بات بھی تھی کہ اگر آپ نے کسی سے دنیاوی گفتگو کرنا ہوتی تو مسجد سے باہر نکل کر کلام فرمایا کرتے تھے۔ پھر مسجد میں داخل ہوتے اور اس چیز کا بھی لحاظ رکھتے کہ ختم خواجگان پڑھنے میں چھوٹے نابالغ بچے شامل نہ ہوں۔ مگر مجھے باوجود اس کے کہ میں چھوٹا تھا ختم میں شامل ہونے سے منع نہیں فرماتے تھے۔ یہ ایک مسئلہ شرعی پر عمل درآمد ہوتا تھا اور وہ مسئلہ شرعی یہ ہے کہ فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم نے لکھا ہے کہ نابالغ کے تصرفات صحیح نہیں سمجھے جاتے تو اس اعتبار سے نابالغ اپنی نفلی عبادت دوسرے کے ملک نہیں کر سکتا۔ البتہ نابالغ کی نفلی عبادت کا ثواب اس کے والدین کو خود بخود حاصل ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ طریقہ مذکورہ میں مسئلہ شرعی کی عملی تفسیر تھی۔

دیگر لوگوں کے حقوق کی رعایت:

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ شریعت کی اتباع کا خاص خیال رکھتے تھے اور احکام شرعی کی پابندی ان کا مقصد زندگی تھا اور شریعت کے مسائل میں سے یہ بات بہت اہم ہے کہ دیگر آدمیوں کے حقوق کا خاص لحاظ رکھا جائے تاکہ ان کی حق تلفی نہ ہونے پائے۔ اگرچہ چھوٹی چیز بھی ہو تب بھی اس میں دوسروں کی رعایت ملحوظ رکھی جائے۔ اس کے متعلق چند ایک چیزیں ذکر کی جاتی ہیں:

ایک دفعہ کا واقعہ حافظ فیض احمد ضیائی رمانوی اپنے متعلق ذکر کرتے ہیں کہ میں نے محمدی شریف کے درس میں قرآنِ مجید حفظ کیا تھا۔ جس سال میں نے ختم کیا اسی سال حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لڑکے حافظ صالح محمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ختم کیا اور درس ہذا کا یہ دیرینہ دستور چلا آتا تھا کہ جو طالب علم قرآنِ مجید پہلے حفظ کر کے ختم کر لیتا وہی آئندہ رمضان المبارک کی تراویح میں سنانے کا حقدار ہوتا تھا۔ اس قاعدہ کے اعتبار سے سنانے کی باری میری ہوتی تھی کیونکہ حافظ صالح محمد صاحب نے میرے بعد حفظ کر کے ختم کیا تھا۔ تو حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے بلا کر فرمایا کہ اے درویش باری تو تیری بنتی ہے اگر تو بخوشی اور برضامندی اجازت دے دے تو ایک رات تراویح میں قرآنِ تو سنایا کرے اور دوسری رات صالح محمد سنایا کرے اور جس کی باری تراویح پڑھانے کی نہ ہو وہ بعد از تراویح نوافل میں وہی منزل مصلّٰی پر پڑھا کرے۔ تو میں نے عرض کیا کہ آپ جس طرح

راضی ہوں، بندہ اسی طرح خوش ہے۔ تو حضرت میاں صاحب موصوف مجھ پر بہت خوش ہوئے اور راضی ہوئے اور ہم دونوں (فیض احمد، صالح محمد) نے اس رمضان شریف میں مذکورہ طریقہ کے مطابق باری باری سے قرآن مجید سنایا اور ستائیسویں شب پر ختم کیا۔

بندہ (محمد نافع) اپنے متعلق ذکر کرتا ہے کہ بندہ نے جس سال قرآن مجید حفظ کر کے ختم کیا تھا اسی سال میاں صاحب کے چچازاد برادر میاں نور زمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ مرحوم کے لڑکے میاں غلام مصطفیٰ نے بھی ختم کیا تھا۔ (میاں غلام مصطفیٰ کے والد صاحب قبل ازیں فوت ہو چکے تھے) تو حضرت میاں صاحب نے اپنی پکی مسجد میں میری بجائے غلام مصطفیٰ کا قرآنِ مجید تراویح میں سنا اور مجھے دوسری مسجد ''کچی'' میں بھیج دیا۔

بندہ نے پہلی بار تراویح میں ''کچی'' مسجد میں قرآن مجید سنایا۔ اس طریقہ سے دوسرے عزیزوں کے حقوق کی رعایت ہوئی اور ان کی دلجوئی کا سامان ہوا۔ اسی طرح ایک واقعہ میاں غلام علی نمبردار سنایا کرتے ہیں جس میں یہی دوسروں کی رعایت کا ذکر ہے۔

ایک شخص (شہامند ولد گہنہ قوم سجنکا) میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ہر جمعہ کو حاضر ہوتا تھا۔ نیک اور شریف نمازی آدمی تھا اور حضرت میاں صاحب کے معتقدین میں سے تھا۔ اس نے حضرت والد صاحب مرحوم کی خدمت میں ایک دفعہ ذکر کیا کہ اگر میں آپ کی زندگی میں فوت ہو جاؤں تو جناب میرا جنازہ پڑھائیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ کچھ مدت کے بعد شہامند مذکور کی وفات ہوگئی تو موضع سجنکے سے آدمی جنازے کی اطلاع کے لئے آیا تو حضرت میاں صاحب نے اپنے فرزند مولانا محمد ذاکر صاحب کو جنازہ میں شمولیت کے لئے روانہ فرمایا تو مولانا موصوف شمولیت جنازہ کے لئے روانہ ہوئے لیکن کچھ دیر بعد حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو شہامند کی استدعا اور اپنا وعدہ یاد آیا تو آپ خود تیار ہو کر تشریف لے گئے اور مولانا موصوف کو راستے سے واپس کر دیا۔ حضرت میاں صاحب وہاں پہنچے تو غالباً ظہر یا عصر کی نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ پہلے آپ نے فرض نماز جماعت کے ساتھ ادا کی تو جو لوگ فوتیدگی ہذا پر آئے ہوئے تھے ان میں سے چند آدمی فرض نماز میں شامل ہوئے۔ نماز سے فراغت کے بعد جب نماز جنازہ پڑھنے کی تیاری ہوئی تو بہت سے لوگ (جو فرض نماز میں شامل نہیں ہوئے تھے اور نہ ہی نماز ادا کی تھی) نماز جنازہ میں شمولیت کے لئے آگے بڑھے۔ اس وقت حضرت میاں صاحب مرحوم و مغفور نے ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی اور بے نمازیوں کو نماز جنازہ میں شمولیت سے روک دیا۔ شہامند متوفیٰ کے لڑکے نور محمد نے گزارش کی کہ میں آئندہ نماز نہ چھوڑوں گا، مجھے اپنے والد کے جنازہ میں شمولیت کی اجازت دی جائے تو حضرت موصوف نے منظور کر لیا۔ اس کے بعد نماز جنازہ پڑھائی اور اس کے حق میں دعائے مغفرت خاص طور پر فرمائی۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کا سامان کر دے گا۔ اس طریقہ سے آپ نے متوفی کے ساتھ وعدہ کی ایفا کی اور حق رفاقت ادا کیا۔

دادا حافظ عبدالکریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود اور ان کے لڑکے فوت ہو چکے تھے تو دادی بختاور صاحبہ دختر میاں جمال دین صاحب بیوہ رہ گئی تھیں۔ (قبل ازیں ان کا ذکر خواتین کے درس کے تحت بھی گزر چکا ہے۔) تو دادا عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ صاحب مذکور کا حصہ جو زمین کی آمدن میں ہوتا تھا اس کی نگرانی حضرت میاں صاحب مرحوم فرمایا کرتے تھے اور جو زراعت کی آمدن ہوتی تھی اس میں سے دادی صاحبہ کا حصہ ان کو پہنچا دیا جاتا تھا۔

اسی سلسلہ میں ان کا ایک ڈنگر (یعنی گائے وغیرہ) اپنے ڈنگروں کے ساتھ رکھتے تھے۔ جب وہ فروخت ہوتا تو اس کے دام لے کر حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ دادی صاحبہ کے پاس تشریف لاتے اور فروخت شدہ ڈنگر کے دام ان کی خدمت میں پیش کرتے اور مزید برآں گزارش کرتے کہ آپ صاحب حق ہیں، یہ آپ کا حق تھا جو پیش کیا گیا ہے۔ اور آپ عرض کرتے کہ تمہارے حقوق کی ادائیگی میں جو کوتاہی ہوئی ہو اس کو معاف کر دیا جائے۔

دوسروں کے حقوق کی رعایت پر یہ چند ایک چیزیں مختصراً ذکر کر دی گئی ہیں۔ ان سے حضرت موصوف رحمۃ اللہ علیہ کا اس مسئلہ میں معمول اور طریق کار واضح ہوتا ہے۔

جامعہ کے ساتھ تعاون:

جامعہ کی ابتدا مولانا محمد ذاکر صاحب مرحوم نے ۱۸ محرم الحرام ۱۳۵۲ھ بموافق ۱۴ مئی ۱۹۳۳ء میں کی تھی۔ اس ابتدائی مجلس میں حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ شامل تھے اور دعائے خیر آپ نے ہی فرمائی تھی اور میاں سید غلام مرتضیٰ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس اجتماع کے صدر تھے۔

ابتدائی مراحل میں علاقہ کی بے حسی اور پسماندگی کی بنا پر بعض اوقات آپ رحمۃ اللہ علیہ پریشانی کا اظہار بھی فرمایا کرتے تھے۔ مگر بعد میں آہستہ آہستہ پوری طرح معاونت فرماتے تھے۔ عیدین کی نماز پر کئی بار آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جامعہ کے لئے چندہ کی اپیل بھی فرمائی۔

اور بعض دفعہ اس طرح بھی ہوا کہ عید کی نماز ادا کرنے کے بعد آپ مدرسہ میں چکر لگاتے اور طالب علموں کی شکستہ چارپائیوں کے انبار دیکھتے تو اپنے ساتھیوں سمیت ان کو درست کرنے کے لئے وقت صرف کرتے۔ جو معتقدین حضرات ساتھ ہوتے تھے وہ بھی چارپائیوں کے بان اور پائینتی وغیرہ مرمت کرنے میں لگ جاتے اور مدرسہ کا یہ کام قلیل وقت میں اس طرح مکمل کر دیا جاتا تھا۔ آپ کا تعاون تازیست مدرسہ کے ساتھ اسی طرح قائم رہا اور دعائیں شامل حال رہیں۔

لوگوں کو اوراد و وظائف کی تلقین:

عموماً جو اوراد و وظائف حضرت میاں صاحب موصوف رحمۃ اللہ علیہ لوگوں کو فرمایا کرتے تھے ان میں سے

مندرجہ ذیل چند ایک ورد ذکر کئے جاتے ہیں۔ ان کے ذکر میں کچھ انحصار نہیں۔

سنت فجر کے بعد:

﴿فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ○ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ○ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ○﴾ (تین بار)

اور سورۃ انعام کی پہلی تین آیات:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ؕ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ○ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ○ وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ○﴾

اس کے بعد

﴿فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ○﴾

اس کے بعد تمام سورۃ "ق" پڑھ کر نماز فجر جماعت کے ساتھ ادا کی جائے۔

فرائض نماز پنجگانہ کے بعد "ق والقرآن المجید" کے بعد آیت الکرسی پڑھی جائے اور اس کے بعد آیت:

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ○ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ○﴾ (تین بار)

اس کے بعد سورۃ فاتحہ بمعہ تسمیہ اور آمین کے (ایک بار) اور سورۃ اخلاص (تین بار) اور پھر درود شریف (تین بار) پڑھ کر آسمان کی طرف پھونک دے اور اپنے سینہ پر بھی پھونکے اور مندرجہ ذیل آیات پڑھے:

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰۤئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ○

فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ○

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ

بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ص وَ غَرَّهُمْ فِىْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝

فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ قف وَ وُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِى الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ز وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِيَدِكَ الْخَيْرُ ط اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝

تُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَ تُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ وَ تُخْرِجُ الْحَىَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَىِّ وَ تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝﴾

نیز ہر نماز کے بعد سبحان اللہ (۳۳بار)، الحمد للہ (۳۳بار)، اللہ اکبر (۳۴بار) جیسا کہ سنت طریقہ ہے، پڑھا جائے اور فجر کی نماز کے اوراد کے بعد مندرجہ ذیل آیات پڑھنے کی بھی آپ بعض معتقدین کو تلقین فرمایا کرتے تھے۔ یہ پانچویں پارے کی آیات ہیں جو ذیل میں لکھی جاتی ہیں:

۱: ﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ۝﴾

۲: ﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمًا ۝﴾

۳: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَّاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝﴾

۴: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ۝﴾

۵: ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝﴾

۶: ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝﴾

۷: ﴿مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ۝﴾

ان آیات کے فوائد اور تاثیر بھی بہت کچھ بیان فرماتے تھے کہ دین کی رغبت اور اعمال صالحہ کی توفیق پڑھنے والے کو حاصل رہتی ہیں۔ نیز دشمنوں اور حاسدوں کے شر سے بھی محفوظ رہتا ہے۔

آیت ﴿رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ﴾ الخ (تین بار) اور ﴿وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ﴾ (تین بار) اور ﴿يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ (تین بار) اور ﴿وَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ الرَّحِيْمٌ﴾ (تین بار)

متفرقات:

بندہ کے نام (نافع) کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ جب ۱۳۳۲ھ میں حج پر گئے تو اس وقت حاجیوں کے لئے سواری اونٹ کے کجاوے ہوا کرتے تھے۔ ہم نے جو کجاوا کرایہ پر لیا تھا اس کا شتربان مدینہ شریف کا ایک باشندہ تھا جس کا نام ''نافع'' تھا تو وہ نام ہمیں بہت پسند آیا۔ اس لئے جب تم متولد ہوئے تو وہی ''نافع مدنی'' کا نام رکھنا پسند کیا اور لفظ ''محمد'' بطور تبرک ساتھ ملا دیا گیا۔

حافظ غلام محمد (کلاں) مرحوم ذکر کرتے تھے کہ ''ایک دفعہ ہم حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بیٹھے تھے تو میں نے عرض کیا کہ کبھی وہ دن ہوں گے کہ دو عرس ہوا کریں گے۔ تو آپ نے فرمایا: ''نہیں ایک ہی عرس ہوگا۔''

قدرت کو ایسا ہی منظور ہوا کہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات بڑے حضرت میاں صاحب (حضرت میاں عبدالرحمٰن) کے عرس سے صرف ایک دن پہلے ہوئی۔ اس صورت میں بڑے میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہی عرس ہوتا ہے۔ جناب موصوف کے لئے کوئی الگ عرس کی تاریخ مقرر نہیں۔ بعض دفعہ اپنا ایک خواب بیان فرمایا کرتے تھے۔ وہ یہ کہ جہاں اب جامعہ ہے یہ ساری جگہ خالی میدان پڑا ہوتا تھا۔ موضع محمدی کے متصلاً مغرب اور قلعہ کنگراں کے مشرق میں یعنی محمدی اور قلعہ کے درمیان یہ ایک خالی میدان تھا۔ فرماتے تھے کہ ''میں نے خواب میں دیکھا ہے یہاں بڑی بڑی پختہ عمارات ہیں جیسے کسی شہر کی پختہ آبادی ہو۔''

حضرت موصوف کے بعد مدرسہ کی آہستہ آہستہ پختہ عمارات تعمیر ہوئیں جو آج اس خواب کی پوری تعبیر نظر آ رہی ہے۔ ایک بار حضرت کی خدمت میں تصوف کی کتب کے متعلق گفتگو چل رہی تھی تو آپ نے بندہ کو ارشاد فرمایا کہ ''تصوف کی کتابوں کا مطالعہ کرنا۔''

آپ کے وصال کے بعد ایک زمانہ تو تدریسی مشاغل میں بندہ مصروف رہا اور مستقلاً باقاعدہ طور پر تصوف کا مطالعہ نہ کر سکا۔ پھر اس کے بعد مدح صحابہ رضی اللہ عنہم کے کچھ مسائل سامنے آ گئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف کہنے والے لوگوں کے مطاعن کے جواب لکھنے کی طرف رغبت ہوئی تو عموماً سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیرت صحابہ کے دیکھنے کا اتفاق ہوتا رہا اور فرمان مذکور کو عملاً کما حقہ پورا نہ کر سکا۔

چنانچہ کئی بار مزار پر حاضری کا اتفاق ہوتا ہے تو آپ کا وہ فرمان بعض دفعہ یاد آجاتا ہے۔ اس چیز کو روحانی تصرف سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اب ان شاء اللہ تعالیٰ ارادہ کرلیا ہے کہ تصوف کی کتابیں حسب مقدور مطالعہ کی جائیں۔

میاں جلال الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ چدھڑ ساکن مگھیانہ ذکر کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت موصوف نے مجھے ایک وظیفہ فرمایا جس کا شروع ''یا حی یا قیوم'' سے ہے اور اس کا اختتام ''یا اللہ یا اللہ'' پر ہے۔ یہ حضرت کی مجلس کی بات تھی۔ اس کے بعد بندہ گھر آگیا۔ یہاں یہ خیال دامن گیر ہوا کہ شاید ''یا اللہ'' تین بار ہو؟ تو رات کو خواب میں حضرت میاں صاحب کی زیارت ہوئی اور آپ نے فرمایا کہ ''جو تالا دو دندانوں والی چابی سے کھلتا ہو تو وہ تین دندانوں والی چابی سے کیسے کھلے گا؟'' ایک موقع پر حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بعض پیروں کا تذکرہ ہوا۔ ان کی وفات کے بعد ان کے ہاں ترکہ میں ہزار ہا روپے نقدی پائی گئی تو اس سلسلہ میں آنجناب نے فرمایا کہ ''ہمارے ہاں ان شاء اللہ تعالیٰ اس طرح جمع نہیں پائی جائے گی۔ بس کچھ تھوڑا بہت ہوگا جو اسی وقت صرف ہو جائے گا۔

چنانچہ جب حضرت کا انتقال ہوا تو اس وقت آپ کے ہاں کوئی سینکڑوں اور ہزاروں روپے بالکل جمع نہیں تھے بلکہ غالباً ستر روپے کے قریب کچھ نقدی پائی گئی تھی جو اسی موقع تکفین و تدفین وغیرہ مصارف میں صرف ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے مذکورہ نیک ارادہ کو بہترین طریقہ کے ساتھ تمام فرمایا۔ یہ چیز آپ کے اخلاص اور توکل علی اللہ کے بیّن نشانات میں سے ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو آخر اوقات تک قائم رکھا۔

اختتام بالخیر اور سفر آخرت:

حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحت عام طور پر اچھی رہتی تھی۔ سال میں دو تین بار موسم کی تبدیلی کے مطابق طبیعت ناساز ہو جاتی تھی۔ گرمیوں میں کبھی کبھی بخار آجاتا اور شدت بخار کا علاج آنجناب کی طبیعت کے مطابق یہ کیا جاتا تھا کہ جَو مقشر کر کے ان کو ابالا جاتا، پھر ان کو اسی صورت میں مٹی کے برتن میں رکھ دیا جاتا۔ پھر اس کا جو زلال ہوتا آپ رحمۃ اللہ علیہ حدت طبع کی تبرید کے لئے دن میں دوبار اس کو بطور دوا کے استعمال فرماتے تھے، کوئی اور شربت وغیرہ استعمال نہیں فرماتے تھے۔

سردیوں میں زکام نزلہ کی گاہے گاہے شکایت ہوتی اور کبھی کبھی کھانسی بھی ہو جاتی تھی تو اس میں ایک قسم کا حریرہ بنالیا جاتا جو آٹے کی چھان اور خشخاش گھوٹ کر تیار کیا جاتا، جس میں کبھی کبھی مغزیات بادام وغیرہ بھی ملا لیتے۔ اس مرکب کو گرم کر کے استعمال فرماتے اور معجونیں یا خمیرہ جات وغیرہ کچھ استعمال نہیں فرماتے تھے۔

آخری بیماری میں بخار اور نزلہ زکام کے ساتھ کھانسی بھی شروع ہوئی تھی۔ پانچ چھ روز میں ان عوارض کی

شدت ہوتی چلی گئی اور آخری دن میں مولانا نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ برخورداری جو اچھے عمدہ طبیب تھے۔ ان کو بلایا گیا تاکہ کوئی مناسب حال دوائی تجویز کریں۔ تو انہوں نے طبیعت ملاحظہ فرما کر چند دوائیں تجویز کیں اور الگ ہوکر ہمیں فرمایا کہ حرارت غریزی بہت تیزی سے گر رہی ہے۔ اس کی بحالی کے فکر میں ہوں۔ مولوی صاحب موصوف کی ہدایت کے مطابق ادویہ بنا کر استعمال کرنا شروع کر دیں۔

طبیعت کی ناسازی کے حالات میں بھی حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ پانچ وقت کی نمازیں مسجد میں باجماعت ادا فرماتے رہے اور آخری روز بھی آخری نماز صبح کی تھی جو آپ نے جماعت کے ساتھ ادا فرمائی اور دیکھنے والے کے لئے یہ نہیں معلوم ہوسکتا تھا کہ یہ آخری نماز ادا کی ہے۔ طبیعت میں استقلال اور سکون برابر قائم تھا۔ کسی قسم کی پریشانی کے آثار آخر دم تک ظاہر نہیں ہوئے۔ البتہ پاس انفاس چونکہ ہمیشہ جاری رہتا تھا اس وجہ سے تنفس میں تیزی معلوم ہو رہی تھی۔

انہی حالات میں ہماری پھوپھی صاحبہ (فتح بی بی) جو ہمارے میاں صاحب کی اکیلی چھوٹی بہن تھیں، تشریف لائیں۔ وہ ان حالات کی وجہ سے سخت پریشان ہوئیں اور مسجد کے متصل حجرہ میں جس میں حضرت موصوف رحمۃ اللہ علیہ کا قیام تھا، غیر محارم سے پردہ کا انتظام کر دیا گیا۔ حضرت کی حالت دیکھ کر سخت مضطرب ہوئیں اور گھبرا کر کچھ پریشانی کے کلمات منہ سے نکالے۔ آپ بیٹھے ہوئے تھے اور پاس انفاس میں مشغول تھے۔ ان کو زور دار الفاظ میں فرمایا کہ "ایسا مت کرو، تم نے نہیں مرنا؟"

حضرت کی استقلال مزاجی اور تلقین صبر دیکھ کر ہم سب متحیر تھے۔ مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ ان تمام حالات میں موجود تھے لیکن ظہر سے تھوڑا سا قبل جامعہ میں آگئے تھے۔ یہاں اس وقت مسجد کا تالاب بن رہا تھا، اس کی نگرانی کے لئے۔ اسی وقت ان کو آدمی بھیج کر بلوا لیا گیا۔ آخری اوقات میں اجابت کی حاجت بار بار ہو رہی تھی۔

اجابت کرانے کی خدمت:

میاں احمد کمہار ولد نور احمد اور الٰہی بخش ستیانہ والا سرانجام دے رہے تھے۔ ظہر کا وقت ہو گیا، اذان ہوئی، اس کے بعد ایک دفعہ اجابت کی حاجت پیش آئی۔ آپ نے استنجا اور طہارت کی۔ پھر آپ کو حجرہ میں لایا گیا۔ ظہر کی جماعت کا وقت قریب تھا۔ (پنجگانہ نمازیں مولانا محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ پڑھاتے تھے) آپ نے حجرہ ہی میں پانی منگوا کر قبلہ رو ہو کر وضو کی تیاری شروع کی اور مولانا محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو فرمایا کہ جماعت کراؤ۔ انہوں نے جماعت شروع کرا دی۔ وضو کرانے والے میاں احمد کمہار مذکور اور برادرم حافظ صالح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور الٰہی بخش طالب علم تھے۔ اسی دوران میں طبیعت کی حالت بدل گئی اور پسینہ جاری ہو گیا۔

پھر آپ کو اٹھا کر چارپائی پر قد دراز کر دیا گیا اور آپ کی روح مبارک اللہ تعالیٰ عز وجل کے ہاں پہنچ

گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ عالم اجسام کا یہ سفر نماز کی تیاری میں وضو کی ابتدا پر اختتام پذیر ہوا۔ حدیث شریف کے مضمون کے موافق عالم آخرت میں اسی صورت پر حشر ہوگا۔ (سبحان اللہ)

تاریخ وفات:

حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ موصوف کا انتقال بروز پنجشنبہ (خمیس) بوقت ظہر اٹھارہ (۱۸) ربیع الاول ۱۳۶۵ھ موافق اکیس (۲۱) فروری ۱۹۴۶ء اور دس (۱۰) پھاگن ۲۰۰۲ بکرمی کو ہوا۔

تجہیز و تکفین:

آپ کو غسل دینے کی خدمت مندرجہ ذیل حضرات نے سرانجام دی:

یعنی میاں احمد کمہار (خادم خاص بجنکے والا)، حافظ احمد ولد تاجہ (مدرس القرآن کچی مسجد) اور میاں جلال الدین چدھڑ ساکن مگھیانہ اور اپنے حافظ صالح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سعادت حاصل کی۔

جنازہ:

نماز مغرب پڑھنے کے بعد حضرت مرحوم کا جنازہ اٹھایا گیا۔ مخلوقات کا بے شمار ہجوم تھا۔ سابقہ جنازہ کی جگہ میں لوگ سما نہیں سکتے تھے اس لئے گورستان کے مغرب کی طرف جو خالی جگہ اور غیر آباد جگہ تھی وہاں جا کر نماز جنازہ کی تیاری ہوئی۔ لوگوں کی کثرت کی وجہ سے صفوں کو بصد مشکل درست کیا گیا۔ نماز جنازہ مولانا نور محمد صاحب برخورداری نے پڑھائی۔ اس کے بعد مدفن کی طرف آپ کے جنازہ کو لایا گیا اور آپ کی قبر مبارک ہمارے دادا صاحب مرحوم کی قبر مبارک کے شرقی جانب متصلاً بنائی گئی۔ جب قبر میں اتار چکے تھے تو اس وقت مولانا قطب الدین صاحب (چک جوتیاں والے) پہنچے تھے۔ ان کو بھی حضرت کے علاج معالجہ کے لئے بلایا گیا تھا مگر دیر سے پہنچے۔ قبر ابھی بند نہیں کی گئی تھی، آخر میں انہوں نے زیارت کی اور اس کے بعد قبر بند کر دی گئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

اجمال واختصار:

سطور بالا میں حضرت مولانا حافظ عبدالغفور صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے احوال مختصراً ذکر کئے ہیں۔ ان پر نظر کرتے ہوئے یہ چیز واضح ہوتی ہے کہ:

☆ آنموصوف نہایت نیک طبیعت اور نیک فطرت ہستیوں میں سے ایک یگانہ فرد تھے اور وصفِ خیر کی اعلیٰ صلاحیتوں کے ساتھ متصف تھے۔

☆ علمی تفوق اگرچہ زیادہ نہیں تھا اور بقدر ضرورت دینی کتابوں پر نظر رکھتے تھے لیکن عملی پہلو نہایت

شاندار تھا اور اعمالِ صالحہ پر دوام اور ہمیشگی ایک عادت ثانیہ کے درجہ میں تھی اور اپنے مشائخ طریقت کے معمولات اور طریق کار کو مقصد زندگی بنائے ہوئے تھے۔

☆ عبادات کا نظم لیل ونہار میں ایک عمدہ طریقے سے جاری رکھتے تھے جس کی نظیر اس دور میں بہت کم دستیاب ہوتی ہے اور عمل صالح ہی مومن کے لئے سرمایۂ آخرت ہے۔

☆ اخلاص اور بے ریا عبادت اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ مقبول ہے۔ یہ چیز یہاں بطریق اتم موجود تھی۔

☆ معاشرتی زندگی میں آنجناب اپنے خاص معمولات رکھتے تھے جن پر وہ آخر تک دائماً قائم رہے۔

☆ سادہ لباس تھا، سادہ خوراک تھی، بے تکلف بود وباش ہوتی تھی۔ غیر سے خدمت لینے میں حتی المقدور اجتناب تھا۔ ان اوصافِ حمیدہ کے ساتھ سفر زندگی کا اختتام فرمایا۔ اللھم اغفر لہ وارحمہ رحمۃ واسعۃ۔

(مولانا کے مرتب کردہ حالات تمام شد)

ذاتی ڈائری میں والد گرامی کے انتقال پُر ملال کا پُرسوز ذکر:

اپنے والد گرامیٔ قدر کی وفات اور ہمیشہ کے لئے جدائی پر مولانا کو جو قلبی دُکھ، رنج اور غم پہنچا اس وقت ان کے دل کی جو کیفیت تھی اور غم بھرے جذبات واحساسات تھے وہ پرسوز اور غمگین الفاظ کی صورت میں ان کی نوکِ قلم پر بھی آئے۔ یہاں الفاظ کی ترکیب اور تحریر کا انداز بھی کچھ ادیبانہ سا نظر آتا ہے جو ان کی باقی تحریروں میں دکھائی نہیں دیتا۔ یہ یادگار تحریر اور یادداشت پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ چنانچہ ۱۸/ربیع الاول ۱۳۶۵ھ بمطابق ۲۱ تا ۲۴/فروری ۱۹۴۶ء کی یادداشت میں لکھا ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، لہ الحمد وعلیہ السلام

''داستان زندگی میں شدید ترین اوقات''

''آج ۱۳۶۵ھ/ ۳/ ۱۸ کو پانچ چھ روز کی علالت کے بعد بوقت ظہر بروز خمیس قبلہ حضرت میاں مولانا عبدالغفور صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارِ فانی سے دار بقاء کو انتقال فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ، کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ۔''

ہر آنکہ بنا چار بائیدش نوشید
ز جام دہرے کل من علیہا فان

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدم و بہار آخر شد

اس فیئے کے زوال کا اثر ہر خاص وعام کے قلب پر طاری رہا۔ فرطِ غم کا کچھ عجیب نظارا لگا ہوا ہے کہ صبر و تسکین کی صورت نہیں بن رہی۔ ہر طرف آہ وفغاں ہے، ہر فرد دوسرے سے زیادہ طوفانِ شوق میں ڈوبا ہوا نظر آتا ہے۔ اللہ اللہ۔ لوگوں کے لئے یہ گھڑی وقتی کیف اور طوفانی موج کی حیثیت رکھتی ہے لیکن اس ناچیز ہستی کے لئے کیا کہا جائے۔ اس ضرب کاری کی اب ابتداء ہوئی ہے۔ زخم بڑھے گا، پھوٹے گا، گلے گا۔ کئی منزلیں، کئی مراحل عبور کر کے خدا جانے کہاں تک پہنچائے گا۔ اللہ تعالیٰ حافظ و ناصر ہے ایسے ناچیز کا جس کا اس کے بغیر کوئی نہیں۔ بحرمۃ النبی الکریم و بحرمۃ جمیع الصالحین صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین۔

داستانِ درد کی صحیح توضیح بیان سے باہر ہے۔ مختصراً چند الفاظ میں نقشہ پیش کیا جاتا ہے۔

آں قبلہ گاہی جد امجد حضرت میاں امام الدین الیٰ یوم الدین کے صحیح معنوں میں حقیقتاً یادگار نور آثار تھے۔ جب سے یہ سلسلہ خاندان میاں صاحب محمدی کا چلا ہے نسلاً بعد نسلٍ، خلفاً بعد خلفٍ اُس زمانہ سے لے کر آج تک ایک نہ ایک فردِ یگانہ منبع فیوضات و برکات رہا ہے۔ روحانی فیض واستفادہ سب سے پہلے ملتان شریف غوث صاحب مرحوم کی اولاد سے کچھ زمانہ تک چلا آیا ہے۔ اس کے بعد میاں حافظ بدر الدین مرحوم نے اپنی بیعت میاں صاحب شیخ جی چکی والے سے جا کر کی۔ وہاں سے اپنا مقسوم فیض حاصل کیا۔ ان کے خصوصی امتیاز واتقاء میں سے اکل حلال رہا ہے۔ نہایت زاہد، متقی، زود اثر، صاحب تاثیر تھے۔ ان کے بعد ان کے ابن البنت (نواسے) حضرت مولانا عبد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ، صوفی عاشق باللہ جانشین ہوئے۔ انہوں نے اپنا ارتباطِ روحانی مردِ کامل، شمس العارفین حضرت مولانا خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سے پیدا کیا اور مجسم پیکرِ عشق ہو کر اپنے مقصد کو طے کیا۔ ان کے بعد ولد صالح، زاہد کامل ہمارے حضرت میاں صاحب حاجی مولانا عبد الغفور رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد کی جگہ جلوہ افروز ہوئے۔ سلسلۂ بیعت اور تاثر فیض روحانی خواجہ رحمۃ اللہ علیہ موصوف سے اور اپنے والد بزرگوار سے اکمل طریق پر حاصل کیا۔ تمام روحانی اقتباسات و باطنی انکشافات کو ایسے ربط وضبط کے ساتھ محفوظ رکھا جس طرح امین امانت کو سلامت رکھا کرتا ہے۔ استقامت علی الشریعت اور پابندئ دین میں سرِ مو پس و پیش نہیں ہونے دیا۔ تمام عمومی علاقہ کے لئے واحد برکت اور خصوصی خطہ محمدی کیلئے روحِ رواں تھے۔ ظاہری و باطنی فیض ہر شخص کے لئے عام تھا۔

وائے قسمت بے فائدہ لمبی امیدوں میں پڑ کر چھوٹے فائدہ سے بھی حرمان نصیب ہوا۔ حق تو یہ ہے کہ جد امجد میاں محمدی رحمۃ اللہ علیہ کا جو ظاہری جلال برسوں سے چمکتا دمکتا چلا آرہا تھا آج ہماری آنکھوں سے پسِ پردہ ہو گیا ''وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا''۔

میروی و میرود جانم بتو خوش بروفا اللہ خیر حافظا

حال من در ہجر حضرت کمتر از یعقوب نیست او پسر گم کردہ بود و من پدر گم کردہ ام

یہاں مولانا احسان شناسی کا ثبوت دیتے ہوئے یہ بات بھی ''یادداشت'' کے طور پر ریکارڈ میں لائے ہیں کہ میاں روشن کے صاحبان نے میاں صاحب کے تمام تعزیت کے مہمانوں کی خاطر دودھ اور ان کے سواری کے جانوروں کے لئے چارہ اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔[1]

مولانا نے ۱۹۵۵ء کی ذاتی ڈائری، یکم جنوری کی یادداشت میں اپنے والد گرامی مرتبت کے سال وفات کے حوالے سے ایک بڑا عمدہ فارسی ''قطعۂ تاریخی'' بھی درج کیا ہے۔ ڈائری سے معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کس صاحب کا کلام ہے۔ ان کا اپنا یا کسی دوسرے کا۔ کوئی بعید نہیں کہ یہ ان کا اپنا ہی کلام ہو۔ بہرکیف وہ قطعہ کچھ یوں ہے:

رخت رحلت بست چون عبدالغفور غم الم از اہل دنیا شد ظہور
گفت ہاتف تو بگو تاریخ وصل گفتش تاریخ باعبدغفور
۱۳۶۵ھ

---

[1] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، ذاتی ڈائری، ۲۱ تا ۲۷ رفروری ۱۹۴۶ء بمطابق ۱۸ تا ۲۴ رربیع الاول ۱۳۶۵ھ۔

باب دوم

ولادت اور تعلیم وتربیت

ولادت:

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت پنجاب ضلع جھنگ تحصیل چنیوٹ کے معروف قصبہ محمدی شریف میں (جو اب ضلع چنیوٹ میں آگیا ہے) مولانا میاں عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ کے مذہبی، روحانی اور دینی گھرانے میں ہوئی۔ جہاں تک تاریخ ولادت کا تعلق ہے تو کوئی متعین مہینہ اور سال کا پتا نہیں چل سکا اور انہیں خود بھی کوئی متعین تاریخ معلوم نہ تھی۔ چنانچہ ان کی بعض ذاتی اور نجی یادداشتوں پر مشتمل ایک مختصر سی بیاض راقم کے سامنے ہے۔ اس میں اپنی ولادت کے متعلق لکھتے ہیں:

''بندہ کی ولادت ۱۳۳۵ھ یا ۱۳۳۶ھ میں غالباً ہے اور یہ اندازہ ہے۔ اس کے خلاف کوئی معتبر بات نہیں مل سکی۔ بڑوں سے سن کر یہ اندازہ لگایا گیا ہے۔ کوئی یادداشت تحریری نہ مل سکی۔ واللہ اعلم بالصواب''

البتہ ۱۹۵۱ء کی ڈائری میں درج ایک یادداشت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ولادت کا دن اتوار تھا۔ چنانچہ مؤرخہ ۱۴؍ اپریل ۱۹۵۱ء بروز ہفتہ کی ڈائری/ روزنامچہ میں لکھتے ہیں:

''یوم العقیقة هذا فادّینا السنة فذبحنا کبشا واحدالله تعالیٰ یقبل منّا هذا یوم السبع من الولادة''

تقویم تاریخی (از عبدالقدوس ہاشمی) کے مطابق ۳۶-۱۳۳۵ھ کے مقابلے میں سن عیسوی ۱۷-۱۹۱۶ بنتا ہے جبکہ ان کے شناختی کارڈ پر ولادت کا سن ۱۹۱۸ء درج ہے جو شاید محض زبانی اندازہ سے لکھا گیا ہے۔ مولانا کی والدہ محترمہ کا نام مسماۃ عائشہ بی بی (دختر میاں شیر محمد) تھا جو اپنے شوہر نامدار کی طرح انتہائی پاک باز، عفت مآب اور عبادت گزار خاتون تھیں۔ مولانا کے دو بڑے بھائی مولانا محمد ذاکر اور حافظ صالح محمد تھے اور ایک ہمشیرہ محترمہ طالحہ بی بی۔

مولانا میاں عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ، ان کی اہلیہ محترمہ اور مذکورہ اولاد کی زندگی بھر دینداری، زہد وتقویٰ اور عبادت گزاری کو دیکھتے ہوئے اس چھوٹے سے گھرانے کو اگر ''ایں خانہ ہمہ آفتاب است'' کا مصداق قرار دیا جائے تو یقیناً مبالغہ نہ ہوگا۔

وجہ تسمیہ:

آپ کے نام کی وجہ تسمیہ اور پس منظر بھی بڑا ایمان افروز ہے جس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی حضرت مولانا میاں عبدالغفور رحمہ اللہ ۱۹۱۳ء میں جب حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے تو اس زمانے میں حاجی صاحبان موجودہ سفری سہولتیں میسر نہ ہونے کے باعث حرمین شریفین کا درمیانی سفر اونٹوں پر طے کرتے تھے۔ چنانچہ مولانا میاں عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ جب مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوئے تو آپ نے ایک اونٹ کرایہ پر لیا۔ شتربان سے بات چیت اور تعارف ہوا تو اس نے اپنا نام ''نافع'' بتایا۔ میاں صاحب کو یہ نام بہت پسند آیا۔ چنانچہ جب وطن واپس لوٹے اور دو سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک بیٹا عطا کیا تو نام نامی ''محمد'' بطور برکت شامل کرتے ہوئے نومولود کا نام شتربان مذکور کے نام پر ''محمد نافع'' رکھا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسم (نام) اور اس کا معنی مسمّی کی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے۔ شاید اسی لئے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم قبیح قسم کا نام تبدیل کر کے خوبصورت قسم کا نام تجویز فرمایا کرتے تھے۔[1] مثلاً مشہور تابعی سعید بن المسیب کا بیان ہے کہ ان کے حزن نامی جدامجد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ نے ان سے نام پوچھا تو انہوں نے کہا: میرا نام ''حزن'' (سخت) ہے۔ آپ نے فرمایا (نہیں) بلکہ تمہارا نام سہل (آسان) ہے۔ انہوں نے کہا: جو نام میرے والد نے رکھا ہے وہ میں تبدیل نہیں کرنا چاہتا۔ (نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہ شفقت اصرار نہ فرمایا) سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ (مزاج کی) یہ سختی ہمیشہ سے ہمارے اندر چلی آتی ہے۔[2] چنانچہ ''نافع'' نام نے بھی نومولود کی زندگی میں اپنا اثر دکھایا۔ سب لوگوں کے لئے نفع مند ثابت ہوا جس کی مادی، علمی اور اخلاقی پاکیزگی کی نفع رسانی سے ایک دنیا نے ان کی زندگی میں بھی نفع اٹھایا اور مرنے کے بعد بھی مدتوں ان کے نفع بخش علم وتحقیق سے مستفید ہوتی رہے گی۔

ابتدائی تعلیم:

اسلامی اور بزرگان دین کی تاریخ سے واقف لوگوں پر مخفی نہیں کہ اکثر بزرگان دین اپنی اولاد کو عام طور پر چار سال (۴ سال، ۴ ماہ، ۴ دن) کی عمر میں تعلیم کی ابتدا کرا دیتے ہیں۔ چنانچہ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھائی جان مولانا محمد ذاکر کی تعلیم کی رسم بسم اللہ بھی سوا چار سال کی عمر میں ہی ادا کی گئی مگر خود ہمارے ممدوح کی تعلیم کی رسم بسم اللہ کتنی عمر میں ادا ہوئی؟ کوئی صراحت نہیں ملتی۔

---

[1] دیکھئے مشکوٰۃ المصابیح باب الاسامی ۴۰۷ تا ۴۰۹ طبع کلاں، کراچی۔
[2] حوالہ مذکورہ ص ۴۰۹۔

حفظ قرآن:

البتہ مولانا نے خود اپنے حفظ قرآن کے بارے میں اپنی مذکورہ بیاض کے اندر لکھا ہے:

''۱۳۴۷ھ رجب المرجب میں قرآن مجید حفظ شروع کیا گیا تھا اور ۱۳۵۲ھ جمادی الاولیٰ اگست ۱۹۳۳ء میں حفظ تمام ہوا۔''

مولانا کا سن ولادت اگر ۱۳۳۶ھ ہی شمار کیا جائے تو حفظ قرآن کے آغاز (۱۳۴۷ھ) تک عمر ۱۲-۱۱ سال بنتی ہے۔ تو کیا گیارہ بارہ سال کی عمر تک تعلیم کی ابتداء نہیں ہوئی ہوگی؟ تو مولانا میاں عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ جیسے عالم فاضل باپ کے بارے میں یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے ۱۱ سال کی عمر تک اپنے اس بیٹے کی تعلیم کی طرف توجہ نہ دی ہو۔

لگتا یہ ہے کہ اس سے قبل آپ نے ۶-۵ سال کی عمر میں اپنے قصبہ میں موجود پرائمری سکول کے اندر پڑھنا شروع کر دیا ہوگا۔ اس سکول کے ٹیچر مولانا کی برادری کے ہی ایک انتہائی مخلص فرد میاں صالح محمد تھے جو پورے علاقے میں منشی صالح محمد کے نام سے معروف تھے۔ مولانا کے بڑے بھائی مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ نے جب اس قصبہ میں ایک دینی مدرسہ/ جامعہ کی بنیاد رکھی تو مذکور منشی صالح محمد نے اس میں دامے درمے سخنے قدمے بھرپور تعاون کیا جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

دینی تعلیم کا آغاز:

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے حفظ قرآن مجید کی سعادت حاصل کرنے کے بعد اپنے والد گرامی قدر کے پاس دینی کتب کی تعلیم کا آغاز کیا۔ اس آغاز کی یادداشت قلمبند کرتے ہوئے انہوں نے جس آداب فرزندگی کو ملحوظ رکھا اور ادب واحترم میں ڈوبے ہوئے جن الفاظ اور القاب میں اپنے والد کا ذکر کیا وہ لائق صد تحسین ہے۔ چنانچہ اپنی بیاض میں لکھا ہے:

''اپنے آقاء قبلہ والد بزرگوار مولانا حافظ عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ سے بروز بدھوار ہشتم شوال ۱۳۵۲ھ الف و ثلثه مأة واثنان خمسون سنة کو افتتاح تعلیم کتب دینیہ ہوئی۔ والد نے ابتدائی دینی کتب کی بسم اللہ کرانے اور کچھ عرصہ پڑھانے کے بعد اپنے اس فرزند ارجمند کو اپنے بڑے بیٹے مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ اور حکیم سید اللہ جوایا شاہ کے سپرد کر دیا جو محمدی شریف میں فارسی اور ابتدائی دینی کتب کے مشہور استاذ تھے اور جن کے پاس میاں عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ نے خود بھی ابتدائی کتابیں پڑھی تھیں۔ بہرکیف مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے فارسی نظم (کریما وغیرہ) اور صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں ان مذکورہ دو صاحبان (حکیم اللہ جوایا شاہ اور مولانا محمد ذاکر) کے پاس پڑھیں۔

مزید تعلیم کی تفصیل:

قریہ محمدی شریف میں بالکل ابتدائی دینی کتابیں پڑھنے کے بعد بلند درجہ کی دینی کتب مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے کہاں کہاں اور کن اساتذہ کے پاس پڑھیں اس کی تفصیل کے لئے راقم کے سامنے ایک کتابچہ بعنوان ''تعارف وتصانیف حضرت مولانا محمد نافع مدظلہ'' مرتبہ مولانا مشتاق احمد چنیوٹی ہے۔ اس کے شروع میں ''مختصر سوانح حضرت مولانا محمد نافع'' کے عنوان کے تحت کوئی اڈھائی صفحات پر مشتمل مولانا کی سوانح اور تعلیم بلکہ تعلیم کی تفصیل موجود ہے۔ یہ کتابچہ مولانا کی زندگی میں ۲۰۰۹ء میں شائع ہوا اور کئی باران کی نظر سے گزرا تو گویا کتابچہ ان کا تصدیق شدہ اور معلومات خود ان کی مہیا کردہ ہیں۔ لہٰذا راقم مولانا کی مزید تعلیم یا تعلیم کی تفصیل الفاظ کے کچھ ردوبدل کے ساتھ مذکورہ کتابچہ سے ہی درج کرنا کافی سمجھتا ہے۔

مدرسہ اشاعت العلوم فیصل آباد میں داخلہ:

محمدی شریف میں چونکہ ابھی کوئی باقاعدہ دینی مدرسہ معرض وجود میں نہیں آیا تھا اس لئے مولانا جب ابتدائی دینی کتب پڑھ چکے تو علم دینی کی قدرومنزلت اور ضرورت واہمیت سمجھنے والے والد میاں عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس فرزند ارجمند کو لائل پور (فیصل آباد) کے معروف دینی ادارہ مدرسہ اشاعت العلوم جامع مسجد کچہری بازار میں داخل کرایا۔ یہاں مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا محمد مسلم عثمانی اور مولانا حکیم عبدالمجید سے فصول اکبری، علم الصیغہ، نحومیر اور صغریٰ وکبریٰ وغیرہ درجہ ثانیہ کی دینی کتب پڑھیں۔

جامعہ محمدی کا قیام اور مولانا کی گاؤں واپسی:

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ ابھی مدرسہ اشاعت العلوم لائل پور میں پڑھ ہی رہے تھے کہ آپ کے بڑے بھائی مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ نے اس دوران اپنے گاؤں قریہ محمدی شریف میں ''جامعہ محمدی'' کے نام سے باقاعدہ ایک دینی مدرسے کی بنیاد رکھ دی تھی تو مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ واپس اپنے گاؤں آگئے اور درجہ موقوف علیہ تک درس نظامی میں شامل تمام علوم وفنون کی کتب یہاں پڑھیں۔

جامعہ محمدی کے بانی مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ صرف علم دوست اور علم پرور ہی نہ تھے بلکہ انتہائی بلند فکر آدمی بھی تھے۔ اس لئے ملک بھر کے کبار علماء اور اہل علم سے ان کا رابطہ رہتا تھا۔ ان کے نزدیک کسی بھی مدرسے کی ترقی اور عروج کا دارومدار بلند بانگ بلڈنگوں اور درسگاہوں کی بجائے لائق ترین اساتذہ پر منحصر تھا۔ اس لئے انہوں نے اپنی اس سوچ بلکہ ذوق کے تحت بعض چوٹی کے علماء کی خدمات حاصل کیں۔ [۱]

---

[۱] مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کی حیات اور گوناں گوں خدمات کے تعارف کے لئے ملاحظہ ہو: ''تذکرہ مجاہد ملت مولانا محمد ذاکرؒ'' مرتبہ حافظ محمد سعداللہ، مطبوعہ دارالکتاب، لاہور، ۲۰۱۰ء۔

چوٹی کے علماء میں سب سے پہلے جو عالم دین اور فاضل جامعہ محمدی کی زینت بنے اور بطور صدر مدرس ان کا تقرّر ہوا وہ نامور عالم، محقق اور مدرّس مولانا سید احمد شاہ بخاری چوکیروی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ شاہ صاحب تقریباً چار سال تک یہاں بطور صدر مدرس تدریس اور دیگر خدمات سرانجام دیتے رہے۔[1] مولانا محمد نافع نے علامہ موصوف سے درج ذیل کتابیں پڑھیں:

علم نحو میں ہدایۃ النحو، کافیہ، الفیہ، شرح جامی۔ علم فقہ میں قدوری، ہدایہ اَوّلین اور معقولات میں ایساغوجی، مرقاۃ، شرح تہذیب اور قطبی کا کچھ حصہ۔

علامہ شاہ صاحب مذکور کے بعد مولانا محمد ذاکر نے ایک دوسرے اجل عالم اور فاضل کی خدمات حاصل کیں۔ جن کے علم و فضل اور تدریسی مہارت کی ایک دنیا گواہ تھی۔ ان عظیم المرتبت عالم دین کا نام مولانا قطب الدین اُچھالوی تھا۔ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے قطبی کی تکمیل اور میبذی کے علاوہ فقہ میں شرح وقایہ (اخیرین) اور علم بلاغت میں مختصر المعانی وغیرہ پڑھیں۔ ان استاذ گرامی کا مختصر تعارف بھی مولانا کے اپنے قلم سے آگے آرہا ہے۔

جامعہ محمدی میں ہی تعینات ایک دوسرے فاضل استاذ اور مدرس مولانا شیر محمد سے مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے اصول فقہ میں نور الانوار اور فقہ میں شرح وقایہ (اوّلین) پڑھا۔

اب جامعہ محمدی کو ۱۳۵۹ھ/ ۱۹۴۰ء میں ایک اور فاضل یگانہ نے رونق بخشی۔ یہ نامور فاضل مولانا غلام احمد لاہوری کے مایہ ناز شاگرد مولانا احمد بخش از موضع گدائی (ضلع ڈیرہ غازی خان) تھے۔ ان کا مختصر تعارف بھی آئندہ سطور میں مولانا محمد نافع کے الفاظ میں آرہا ہے۔ مولانا احمد بخش تدریس کے میدان میں اور منطق و فلسفہ کی گتھیاں سلجھانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ زندگی بھر علوم دینیہ کی تعلیم و تدریس کی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے تفسیر میں جلالین، فقہ میں ہدایہ اخیرین اور عربی ادب میں دیوان متنبی جیسی کتابیں پڑھیں۔

مزید حصول علم کے لئے واں بھچراں روانگی:

اب مزید حصول دین کے لئے مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے علماء سلف کی سنت ادا کرتے ہوئے اپنا گھر اور وطن چھوڑا اور ضلع میانوالی کے معروف قصبہ واں بھچراں میں جا ڈیرہ لگایا۔ یہاں اس زمانہ میں مولانا غلام یٰسینؒ تشنگانِ علم کی پیاس بجھا رہے تھے اور علم کے پیاسے ان کے منبع فیض سے فیضیاب ہو رہے تھے۔ (ان کا مختصر تذکرہ

[1] مولانا سید احمد شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف خود صاحب سوانح اور ان کے شاگرد عزیز کے قلم سے آئندہ صفحات میں آرہا ہے۔

بھی مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے آئندہ صفحات میں دیکھا جاسکے گا) مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں کوئی سات ماہ قیام کیا اور اس دوران ان سے حدیث میں مشکوٰۃ المصابیح اور نحو میر میں حمد اللہ عبد الغفور (حاشیہ شرح جامی) پڑھیں۔

موضع اَنہی کے چشمۂ علم سے استفادہ:

ضلع گجرات کے موضع اَنہی میں ایک عرصہ سے مولانا غلام رسول اَنہی والے (متوفی ۱۹۳۲ء) کا علمی فیض جاری تھا اور مولانا ولی اللہ (جو مولانا غلام رسول مذکور کے داماد بھی تھے) اپنے استاد محترم کی مسند پر جلوہ افروز ہو کر طالبان علم کی علمی تسکین میں مصروف تھے۔ واں بھچراں میں کوئی سات ماہ تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۴۱ء میں مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے موضع اَنہی کی اس درسگاہ میں داخلہ لیا اور مولانا ولی اللہ سے مختلف علوم وفنون سے متعلقہ درج ذیل منتہی کتب پڑھیں:

توضیح التلویح، مسلم الثبوت، میرزاہد، ملاجلال، رسالہ قطبیہ، میرزاہد علوم عامہ، قاضی مبارک، شرح عقائد نسفی اور مطول وغیرہ۔

آج کل کے دینی مدارس میں یہ منتہی کتابیں عام طور پر نہیں پڑھائی جاتیں جس کی وجہ سے علماء دین میں آہستہ آہستہ رسوخ فی العلم، اعتماد اور مسائل کے استنباط واستخراج کا اجتہادی ملکہ مفقود ہوتا جارہا ہے۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ:

درج بالا تفصیل کے مطابق مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ جب منقولات ومعقولات کی منتہی کتابیں پڑھ چکے تو اب دورۂ حدیث شریف پڑھنے کی باری تھی۔ برصغیر میں اس وقت چند گنتی کے مقامات پر دورہ ہوتا تھا۔ مولانا نے دورۂ حدیث کے لئے برصغیر ہی نہیں بلکہ بین الاقوامی شہرت یافتہ دارالعلوم دیوبند (یوپی، انڈیا) میں ۱۹۴۱ء میں داخلہ لیا۔ وطن سے اتنے دور دراز دارالعلوم میں داخلہ یقیناً اپنے والد گرامی مرتبت کی اجازت اور مرضی سے ہی لیا ہوگا۔ والد کی مرضی کے بغیر اتنے بڑے فیصلے اور دور دراز سفر کی توقع مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ جیسے فرمانبردار اور آداب فرزندی سے واقف بیٹے سے نہیں کی جاسکتی۔ بہرکیف جس سال مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا ان دنوں شیخ الاسلام اور شیخ الحدیث مولانا حسین احمد مدنی توجیل فرنگ میں قید تھے البتہ دارالعلوم میں تعلیم وتدریس کا سلسلہ بدستور جاری تھا۔ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کو جن گرامی قدر اور شہرۂ آفاق اساتذہ سے دورہ حدیث پڑھنے کا موقع ملا ان کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہی، مولانا محمد ابراہیم بلیاوی، مولانا مفتی ریاض الدین بجنوری، مولانا مفتی محمد شفیع (بانی دارالعلوم کراچی)، مولانا محمد عبدالخالق، مولانا مسعود احمد، مولانا عبدالسمیع۔ (ان اساتذہ میں

سے بعض کا تعارف مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے قلم بند کیا تھا وہ آئندہ سطور میں دیکھا جا سکے گا۔)

مولانا کی اپنی صراحت کے مطابق دارالعلوم دیوبند سے ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء میں فارغ ہوئے۔ ریکارڈ کے مطابق ان کی سند الفرغ کا نمبر ۳۰۵۴ ہے۔ فراغت کے فوری بعد آبائی گاؤں میں اپنے بھائی کے ادارہ جامعہ محمدی میں تدریس کا فریضہ سرانجام دینا شروع کر دیا۔ چنانچہ اپنی بیاض میں لکھا ہے:

''اختتام اس امر دینی کا ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء میں ہو کر پھر اللہ کریم کے احسان سے سلسلہ تدریس اسی سال مؤرخہ یازدھم شوال المکرم ۱۳۶۲ھ بروز سوموار شروع ہوا۔ اللہ کامیاب فرماویں۔ بجاہ النبی الکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔''

دارالعلوم دیوبند (انڈیا) میں مولانا کے زمانہ تعلیم (۱۹۴۳ء/ ۱۳۶۲ھ) میں دورہ حدیث پڑھانے والے اساتذہ کون کون سے تھے اور مولانا نے حدیث کی کتابیں کن کن اساتذہ سے پڑھیں۔ ان اساتذہ اور کتابوں کی تفصیل نیز سند حدیث ایک موقع پر انہوں نے خود صاحبزادہ ابوبکر صدیق کو قلمبند کرائی جو کچھ اس طرح ہے:

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ حدیث:

بخاری شریف وترمذی شریف	حضرت مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ
مسلم شریف	حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ
نسائی شریف	حضرت مولانا بابا عبدالسمیع رحمۃ اللہ علیہ
ابن ماجہ	حضرت مولانا عبدالحق عرف نافع گل رحمۃ اللہ علیہ
سنن ابوداؤد	حضرت مولانا بشیر احمد گلوائی رحمۃ اللہ علیہ
مؤطا امام مالک وطحاوی	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ
مؤطا امام محمد	حضرت مولانا ظہور احمد رحمۃ اللہ علیہ

سندِ حدیث حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ:

محمد نافع عن اعزاز علی عن شیخ الہند محمود الحسن عن محمد قاسم نانوتوی عن شاہ اسحاق عن شاہ عبدالعزیز عن شاہ ولی اللہ الدھلوی۔

اس کے بعد کی سند حدیث ترمذی شریف کے شروع میں چھپی ہوئی ہے۔

اساتذۂ کرام

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم و تربیت، تزکیہ و تصفیہ، حسن اخلاق اور سب سے بڑھ کر علمی، تحقیقی، تصنیفی تالیفی ذوق کی آب یاری میں مشیت الٰہی کے ساتھ اسباب کی دنیا میں جن فاضل اساتذہ کرام نے حصہ ڈالا ضروری ہے کہ صاحب سوانح کے ساتھ ان کا بھی ذکر خیر آجائے۔ اس کو حسن اتفاق ہی کہا جاسکتا ہے کہ مولانا نے احسان شناسی کا ثبوت دیتے ہوئے یادداشت یا عقیدت اور محبت کے طور پر ان میں سے چند کے مختصر حالات زندگی تبحر علمی اور اخلاق و عادات بڑی عقیدت و محبت سے قلمبند کئے تھے۔ یہاں ان کے اساتذہ کرام کا تذکرہ خود ان کے قلم سے درج ذیل ہے۔

مختصر سوانح حضرت الاستاذ مولانا سید احمد شاہ بخاری اجنالوی رحمۃ اللہ علیہ

ابتدائی حالات:

حضرت الاستاذ کا اسم گرامی مولانا سید احمد شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہے جو ۱۹۰۷ء میں اپنے آبائی گاؤں ویگووال میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی کا نام سید غلام علی شاہ ہے۔ آنجناب کا آبائی مقام ''ویگووال'' اور ''اجنالہ'' ہے۔ اجنالہ شہر سرگودھا کے شرقی مضافات میں واقع ہے۔

جناب کے قبیلہ سادات اجنالہ کے یہاں زرعی رقبہ جات ہیں اور کاشتکاری پیشہ ہے۔

جناب کے والد میاں غلام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ عالم نہیں تھے تاہم دیندار، صالح اور نہایت شریف النفس شخص تھے اور اپنے فقر و فاقہ کے حالات پر صابر و قانع تھے۔

آپ کے فرزندوں میں مولانا سید احمد شاہ سب سے بڑے فرزند تھے۔ حضرت الاستاذ جناب سید احمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو مالک کریم نے فطرتاً ذکاوت اور فطانت عطا فرمائی تھی۔ عمدہ ذہین اور زیرک تھے۔ حضرت موصوف رحمۃ اللہ علیہ کے دیگر برادران میاں جلال شاہ صاحب درمیانے برادر تھے اور بہت صالح، متقی اور شریف الطبع آدمی تھے۔ پھر ان سے خورد سال میاں نذر حسین شاہ صاحب تھے جو حافظ القرآن اور یونانی طبیب تھے۔

حصولِ تعلیم:

علاقہ شاہ پور میں ننگیانہ قوم کی ایک مشہور بستی جلال پور ننگیانہ ہے۔ اس بستی میں ایک حافظ سلطان احمد قریشی

معروف قدیمی استاذ تھے۔قرآنِ مجید کی تعلیم فی سبیل اللہ دیتے تھے۔بڑے دیندار متوکل اور مخلص شخص تھے۔

ان کے پاس بچپن میں حضرت شاہ صاحب موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے قرآنِ مجید حفظ کیا اور اپنی ذہانت کی وجہ سے بہت عمدہ حافظ قرآن ہوئے۔بعض دفعہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حفظ قرآن کے دور کے واقعات میں ذکر فرمایا کرتے تھے کہ اس علاقہ میں شیعہ لوگ بھی تھے اور وہ سنیوں پر کئی قسم کے طعن و اعتراض وارد کیا کرتے تھے۔شیعہ جب کوئی اعتراض کرتے تو ہمارے استاذ حافظ سلطان احمد قریشی صاحب نے اپنے پاس کتاب ''تحفہ اثناعشریہ'' رکھی ہوئی تھی اس سے شیعہ کو خوب جواب دیا کرتے تھے۔اور حافظ سلطان احمد صاحب مرحوم میں شیعوں کے جوابات دینے کی خوب صلاحیت تھی اور وہ کتاب مذکور سے فائدہ اٹھا کر بروقت جواب دیتے تھے اور گویا کہ شاگردوں کو اس طریقہ سے اپنے دین کے تحفظ کے لئے عملاً راہنمائی فرماتے تھے۔

قرآنِ مجید حفظ کر لینے کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ خوشاب پہنچے۔اس دور میں خوشاب شہر میں مولانا نور حسین صاحب خوشابی فارسی درسیات کے بہترین فاضل تھے۔ان کے درس میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائی فارسی کتب کی تعلیم حاصل کی۔اس کے بعد موضع بندیال میں مولانا فضل کریم بندیالوی کے ہاں بقایا فارسی درسیات مکمل کیں اور نظم فارسی کی کتابوں میں خوب دسترس پیدا کی۔

پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے صَرف کی کتاب ''قانونچہ امیری'' مولانا محمد عبداللہ صاحب سے پڑھا۔مولانا محمد عبداللہ اپنے وقت میں فن صَرف کے یکتا استاد تھے اور صَرف کے پڑھانے میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔

صَرف پڑھنے لینے کے بعد ابتدائی فنون نحو وغیرہ کی تعلیم کے لئے جناب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولانا عبدالعزیز صاحب گل کوٹی اور مولانا عطا محمد صاحب قریشی (مقیم کوٹ اللہ یار نزد قصبہ فروکہ) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔یہ دونوں حضرات عالم بھی تھے اور طبیب یونانی بھی۔ان حضرات سے جناب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائی کتب کی تعلیم حاصل کی اور ان کی نیک تربیت سے مستفید ہوئے۔اس مقام میں ہم جناب شاہ صاحب بخاری کے حق میں ایک ''اہم تعارف'' ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔یہ وہ تعارف ہے جسے جناب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بخاری کے ابتدائی استاذ حضرت مولانا حکیم عطا محمد صاحب قریشی رحمۃ اللہ علیہ (ساکن دتے والی قریشیاں ضلع میانوالی) نے اپنی خودنوشت کتاب ''یادِ ایام'' میں بقلم خویش تحریر کیا ہے۔''یادِ ایام'' میں مولانا حکیم صاحب قریشی مرحوم نے اپنے مشاہیر تلامذہ کا تذکرہ چلایا ہے۔اس میں اوّل نمبر پر اپنے تلمیذ خاص (حضرت مولانا سید احمد شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ) کا ذکر خیر اس طرح کیا ہے کہ اس میں جناب شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے احوالِ زندگی اور سرگزشت کا خلاصہ اجمالاً آ گیا ہے۔آئندہ سطور میں تعارف ہذا بعینہ ملاحظہ فرمائیں۔

''اہم تعارف'' (از مولانا حکیم عطاء محمد قریشی رحمۃ اللہ علیہ):

جن لوگوں نے مجھ سے درس لیا ان کی بنیاد بڑی پختہ تھی۔ وہ آگے چل کر بڑے فاضل بنے اور میرے لئے سرمایۂ افتخار۔ چند ایک کے نام یاد ہیں۔ ان کو قلم کی یاد میں لاتا ہوں:

۱: ان عزیزانِ گرامی سے مولانا سید احمد شاہ صاحب بخاری سکنہ اجنالہ تحصیل سرگودھا تھے جو کوٹ گل سے میرے ساتھ کوٹ اللہ یار آئے۔ کوٹ گل میں وہ اپنے اسباق مجھ سے پڑھا کرتے تھے۔ حافظ قرآن تھے، تیز فہم، بڑے ذہین اور زبردست حافظہ کے مالک تھے۔ ابتدائی کتابیں کوٹ میاں اللہ یار کے درس میں پڑھیں۔ علم صَرف مکمل نحو کافیہ تک، منطق، ایساغوجی، مرقات، شرح تہذیب فقہ، کنزالدقائق تک مجھ سے پڑھیں۔

فارغ التحصیل دیوبند سے ہوئے اور فراغت کے بعد جامعہ محمدی شریف میں صدر مدرس ٹھہرے۔ بعد ازاں میاں خان محمد کلیار رئیس چوکیرہ کے قائم کردہ مدرسہ دارالہدیٰ میں تدریس جاری کی۔ شاہ صاحب کو درس نظامی کے نصاب کے ہر شعبہ میں فاضلانہ عبور تھا اور اہل علم میں ان کی شہرت کافی تھی۔ مدرسہ دارالہدیٰ جلد تر مقبولیت حاصل کر گیا۔ چونکہ شاہ صاحب کی برادری شیعہ مکتب فکر سے متعلق تھی وہ انہیں اہل سنت والجماعت میں دیکھنا پسند نہیں کرتی تھی اور ان کے باہمی بحث ومباحثہ رہتے۔

شاہ صاحب نے کتب شیعہ کا بھی مطالعہ شروع کر دیا۔ مگر اپنے مسلک پر اور مضبوط ہوتے گئے اور تردیدِ مطاعن شیعہ میں ایک ماہوار رسالہ ''الفاروق'' دارالہدیٰ چوکیرہ سے جاری کیا جو بے حد پسند کیا گیا۔ اس رسالہ میں مضامین بڑے محققانہ ہوتے اور ایک کتاب ''تحقیق فدک'' کے نام سے شائع ہوئی جس کا موضوع کتاب کے نام سے ظاہر ہے۔

شاہ صاحب کے درس سے بڑے بڑے عالم وفاضل نکلے جن میں سے تین صاحبان کے نام مجھے یاد ہے:

۱: مولانا محمد نافع صاحب مصنف کتاب ''رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ'' جامعہ محمدی شریف۔

۲: مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹی، مشہور مجاہد فاتح قادیانیت، ربوہ۔

۳: علامہ عنایت اللہ صاحب گجراتی، مشہور لیڈر جماعت اسلامی، گجرات۔

شاہ صاحب نے اپنے مشن کے لئے سرگودھا کو مرکز بنایا۔ سٹیلائٹ ٹاؤن بی بلاک سرگودھا میں مسجد فاروق اعظم کی بنا ڈالی۔ مدرسہ جاری کیا۔ مگر ابھی مسجد ومدرسہ ابتدائی منزلوں میں تھا کہ شاہ صاحب پر فالج کا حملہ ہوا جس نے تیسرے دن جان لے لی اور اپنے آبائی قبرستان اجنالہ میں سپرد خاک ہوئے اور اس خزینہ علم نے اپنے بعد محمد قاسم شاہ، غلام علی شاہ اور شبیر احمد شاہ تین یتیموں کو اپنی یادگار چھوڑا۔ محمد قاسم شاہ نے اپنے عظیم والد کی مسند سنبھالی۔ عالم ہیں مگر مسجد فاروق اعظم سے علیحدگی اختیار کر لی اور اپنے والد کے قدموں پر چل کر اپنا علیحدہ ادارہ

بنایا۔بشیر کالونی میں مسجد ثانی اثنین اور مدرسہ کی بناڈالی۔فازہ اللہ بمرامہ

شاہ صاحب کے دو بھائی مولوی جلال شاہ صاحب اور حکیم نذر حسین شاہ ہیں۔حکیم صاحب میرے شاگرد ہیں۔حفظ قرآن نذر حسین شاہ نے ربانہ کے حافظ غلام محمد سے کیا۔''[1]

اس موقع پر بندہ ایک واقعہ کا ذکر کرنا مفید خیال کرتا ہے جو ہمیں جناب استاذ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خود سنایا۔جناب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

''میں جب دیوبند سے فارغ التحصیل ہو کر گھر (اجنالہ) آیا تو مجھے اپنے خاندان (سادات) کے شیعہ اکابر کے پاس جانے کا اتفاق ہوتا اور ان کی برادرانہ مجالس میں میری آمد و رفت رہتی۔یہ لوگ اکثر شیعہ مذہب رکھتے تھے۔'' ہمارے قبیلہ کا ایک سن رسیدہ شیعہ بزرگ تھا۔اس کے ہاں میری نشست و برخاست زیادہ تھی۔وہ بزرگ حسب عادت شیعہ سنی کا کوئی مسئلہ چھیڑ دیتے اور بطور طعن سوال پیدا کرتے۔قرآن مجھے خوب محفوظ تھا اور علم حدیث تازہ پڑھا ہوا تھا، مسائل مستحضر تھے۔تو میں اس سوال کا جواب فوراً قرآنی آیت پڑھ کر دے دیتا اور کہتا کہ شاہ جی! یہ مسئلہ جو آپ بتا رہے ہیں یہ تو قرآنِ مجید کی فلاں آیت کے مضمون کے برخلاف ہے۔

اسی طرح پھر وہ جب کسی دوسرے مسئلہ کو چھیڑتے تو میں ان کو قرآنی آیات پڑھ کر جواب دیتا۔اس نہج پر ان بزرگ شاہ صاحب کے ساتھ گفتگو جاری رہتی اور پھر میں ان کو اس طریقہ سے لاجواب کر دیتا۔ایک روز بابا شاہ صاحب میرے اس طرح قرآنی جواب پیش کرنے سے تنگ آ گئے اور مجبور ہو کر مجھے خطاب کرتے ہوئے بڑے برافروختہ انداز میں کہنے لگے: او بھولے احمد شاہ! اس قرآن میں بڑی زیادتی اور کمی ہو گئی ہے۔

ایک دیگر تعارف (از مولانا حکیم عطاء محمد رحمۃ اللہ علیہ):

نیز مولانا حکیم عطا محمد صاحب قریشی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تلمیذ خاص جناب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں رسالہ ''الفاروق'' (یکم دسمبر ۱۹۵۶ء، ص ۲۶، بعنوان ''روشنی کا مینار'') کے تحت مدرسہ دارالہدیٰ کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''اس مدرسہ کے اہتمام اور تدریس کے لئے میاں صاحب (میاں خان محمد کلیار) موصوف کو ایک شاہباز ہاتھ آیا جس کے تبحر علمی اور حسن معلمی سے مدرسہ بہت جلد مرجع طلبہ وعلماء ہوا۔میری مراد حضرت مولانا سید احمد شاہ صاحب بخاری ہیں۔'' (پھر حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ آئندہ سطور میں لکھتے ہیں کہ)

---

[1] کتاب ''یادِ ایام''، صفحہ ۸۰-۸۲، طبع اوّل، از مولانا حکیم عطاء محمد صاحب قریشی، المتوفی ربیع الثانی ۱۳۹۹ھ مارچ ۱۹۷۹ء، موضع دتے والی قریشیاں، ضلع میانوالی، پنجاب۔

مولانا سید احمد شاہ صاحب ذی علم طبقہ میں ایک اچھے مدرس، ذہین وذکی عالم کی حیثیت سے متعارف تھے، مگر حال ہی میں "تحقیق فدک" کے نام سے جو رسالہ انہوں نے لکھا ہے اور فاضل نقادوں نے اس زمانہ کی بے نظیر تصنیف قرار دیا ہے اس تصنیف سے پتہ چلا کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی دوسری خداداد خوبیوں کے ساتھ ساتھ صاحب قلم بھی ہیں۔

شاہ صاحب کی یہ تصنیف شیعہ کے ایک مشہور عالم کی کتاب (فلک النجاۃ) کے ایک باب کا جواب لاجواب تھا۔ جس کے جواب میں سنا ہے کہ مسودے لکھے اور پھاڑے جا رہے ہیں۔ چند حضرات نے اپنی عاجزی پر پردہ ڈالنے کے لئے اپنے لونڈوں کے نام سے "تحقیق فدک" کا جواب لکھوا کر آفتاب کا منہ چڑھایا ہے جس کا جواب شاہ صاحب کے شاگردوں نے لکھ کر اس کے پرخچے اڑا دیئے۔ اب شاہ صاحب نے ایک نیک قدم اور بڑھایا ہے یعنی دار الہدیٰ کے شعبہ نشر و اشاعت نے "الفاروق" نامی پندرہ روزہ رسالہ جاری فرمایا ہے جو حق و باطل کی تمیز کے لئے ان شاء اللہ روشن مینار ثابت ہوگا۔ گو اس زمانہ میں ایسے علمی اور دینی رسائل کی مانگ بہت کم ہے مگر ان لوگوں سے جو حقائق حق کے طالب ہیں اور دین متین سے واسطہ رکھتے ہیں، اپیل کی جاسکتی ہے کہ وہ اس رسالہ کی مقدور بھر اشاعت کو بڑھائیں۔"[۱]

"ان ہر دو تعارف" میں حضرت شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے "استاذ مکرم" نے آپ کا علمی مقام اور آپ کی اعلیٰ صلاحیتوں کو عمدہ اسلوب کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اس پر مزید کسی اضافہ کی حاجت نہیں رہی۔

مختصر یہ کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ موصوف جس طرح درس نظامی کے اعلیٰ اور ممتاز معلم و مدرس تھے، اسی طرح علمی مقالات لکھنے اور تحقیقی مضامین بیان کرنے میں یکتائے روزگار تھے اور اپنے اکابر کے علوم کے امین وترجمان تھے۔

سنجیدہ تحریر اور پختگی قلم میں لائق و فائق تھے۔ اس چیز پر ان کے رسالہ "الفاروق" کے فائل شاہد ہیں اور ان کے وفور علم اور کمال ذہانت کے فریق مخالف بھی معترف تھے۔

کوٹ اللہ یار میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ درسی فنون کی اعلیٰ تعلیم کے لئے موضع "اُنہی" چلے گئے۔

موضع اُنہی منڈی بہاء الدین (ضلع گجرات) کے مضافات میں ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ اس دور میں یہاں دیہات میں ایک مشہور درس گاہ تھی جس میں درسی فنون کی کتب کی اعلیٰ تعلیم دی جاتی تھی۔ اس میں استاذ العلماء حضرت مولانا غلام رسول صاحب رحمۃ اللہ علیہ قیام پذیر تھے اور ان کی آبائی زمین بھی یہیں تھی۔ مولانا صاحب

---

[۱] ماہنامہ "الفاروق" ج ۱، شمارہ نمبر ۳، یکم دسمبر ۱۹۵۶ء، ص ۲۶، چوکیرہ ضلع سرگودھا۔

مذکور نے اپنے گھر پر درسی اور دینی فنون کا درس قائم کیا ہوا تھا جو نصف صدی سے زیادہ مدت تک قائم رہا اور بڑے بڑے اکابر علماء نے وہاں سے تعلیم حاصل کی اور فنون کی تکمیل کی۔

اس مقام پر استاذ الکبیر حضرت مولانا غلام رسول صاحب رحمۃ اللہ علیہ، ان کے اعلیٰ تلمیذ حضرت مولانا ولی اللہ گجراتی بھی بطور معین مدرس تھے اور استاد شاگرد دونوں حضرات کے ہاں منتہی طلباء حاضر ہو کر درس لیتے تھے۔

حضرت مولانا سید احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کی خدمت میں حاضر ہو کر فنون کی آخری کتب کا درس لیا اور قریباً چار سال تک درس نظامی کی آخری کتب کے مختلف علوم وفنون میں تعلیم مکمل کی۔

اس دور میں حضرت شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حضرت مولانا قطب الدین صاحب اُچھالوی مدظلہ بھی ان کے ہم درس تھے اور انہوں نے بھی یہیں سے درس نظامی کے مختلف علوم وفنون کو تمام کیا۔

موضع اُنہی کے درس سے فراغت کے بعد جناب شاہ صاحب نے دارالعلوم دیوبند (بھارت) میں شوال ۱۳۵۱ھ، ۱۹۳۲ء میں داخلہ لیا اور رجب ۱۳۵۴ھ، ۱۹۳۵ء میں دارالعلوم سے سند فراغ وفضیلت حاصل کی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی سند کا نمبر ۱۸۸۴ ہے۔

دارالعلوم دیوبند میں جناب شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ و دیگر اساتذہ سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی اور اپنی ذہانت ولیاقت طبعی کی بنا پر آپ رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز تلامذہ میں شمار ہوا۔

رشتۂ عقیدت:

درسی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد حضرت مولانا شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے روحانی تربیت کے سلسلہ میں رشتہ عقیدت قائم کرنے کی طلب محسوس کی تو آنجناب رحمۃ اللہ علیہ نے اس دور کے سلسلہ نقشبندیہ میں مشہور بزرگ حضرت مولانا غلام حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ (سواگ والے) سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ بمقام لعل عیسن کروڑ ضلع مظفر گڑھ کے ساتھ نسبت طریقت کا تعلق قائم کیا اور ان کی خدمت میں وقتاً فوقتاً حاضر ہو کر روحانی فیوض و برکات سے مستفید ہوتے رہے۔

آنموصوف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے انتقال سے قبل حضرت شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو اس سلسلہ کی خلافت کا منصب تفویض فرمایا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ اس اعزاز سے سرفراز ہوئے۔

حضرت شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا غلام حسن صاحب مرحوم کے انتقال کے بعد مزید روحانی تربیت کے حصول کے لئے سلسلہ قادریہ میں تعلق قائم کرنے کا ارادہ فرمایا اور شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ لاہوری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلسلہ قادریہ سے نسبت قائم کی اور روحانی فیوض و برکات

سے مستفیض ہوئے۔ کچھ مدت کے بعد ان سے بھی سلسلہ قادریہ میں منصب خلافت کا اعزاز حاصل کیا۔

دورِ تدریس:

حضرت مولانا سید احمد شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد روحانی مشاغل کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم و تدریس ہمیشہ قائم رکھی۔ چنانچہ ابتدائی دور (۱۳۵۴ھ، ۱۹۳۵ء) میں حضرت صاحب موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے جامعہ محمدی شریف ضلع جھنگ سے اپنی دینی تعلیم و تدریس کا آغاز کیا اور اس قدیمی درسگاہ کے صدر مدرس کی حیثیت سے قریباً چار سال تک اپنے فرائض منصبی سرانجام دیئے۔

ان ایام میں حضرت الاستاذ مولانا قطب الدین صاحب مدظلہ اُچھالوی (علاقہ سون سکیسر) بھی جامعہ محمدی میں مدرس تھے اور دینی فنون کی کتابوں کا بہت عمدہ درس دیتے تھے۔ اسی دوران بندہ (محمد نافع) نے حضرت شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا قطب الدین مدظلہ سے فنون کی تعلیم حاصل کی اور ادنیٰ تلامید میں شامل ہوا۔ جناب حضرت شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ مسئلہ کے افہام و تفہیم میں اعلیٰ صلاحیت رکھتے تھے۔ کتاب سمجھانے کا حق ادا کرتے تھے اور مشکل سے مشکل مقامات کو نہایت سہل طریقے سے حل فرما دیتے تھے اور درسی تعلیم میں کامل دستگاہ رکھنے کی بنا پر اپنے معاصرین میں فائق سمجھے جاتے تھے۔

دار العلوم جامعہ محمدی سے تشریف لے جانے کے بعد دیگر مختلف مواضع مثلاً مدرسہ احیاء العلوم چنیوٹ اور جھنگ صدر وغیرہ میں آپ تعلیم و تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

چوکیرہ میں قیام:

کچھ مدت کے بعد آنموصوف رحمۃ اللہ علیہ نے جناب میاں خان محمد صاحب کلیار رئیس اعظم چوکیرہ ضلع سرگودھا کی معاونت اور رفاقت سے چوکیرہ کے مقام میں ۱۳۶۸ھ، ۱۹۴۸ء میں مدرسہ عربیہ دار الہدیٰ کی بنیاد رکھی اور وہاں کم و بیش اٹھارہ (۱۸) سال تک دینی تعلیم و تدریس کے فرائض سرانجام دیئے۔ مدرسہ عربیہ دار الہدیٰ کے میاں صاحب موصوف بانی اور سرپرست تھے اور جناب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ صدر مدرس اور حاجی غلام فرید کلیار صاحب آنجناب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ انتظامی امور میں مستعد کارکن تھے۔

مدرسہ ہذا کے قیام کی ابتداء ہی سے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ہم درس بزرگ حضرت مولانا قطب الدین صاحب اُچھالوی مدظلہ کو بھی مدرسہ ہذا میں معاون مدرس متعین کیا اور جناب مولانا اُچھالوی صاحب مدظلہ نے بھی یہاں ہمیشہ درس و تدریس کا سلسلہ بڑے استقلال و استقامت کے ساتھ جاری رکھا اور تاحین تحریر ہذا اپنے فرائض منصبی پر فائز ہیں اور طلبہ آنموصوف مدظلہ سے علمی فیض حاصل کر رہے ہیں۔

تحریک ختم نبوت:

مارچ ۱۹۵۳ء، ۱۳۷۲ھ میں ''ختم نبوت'' کی تحریک شروع ہوئی اور اس کا مقصد مرزائیوں کو حکومتی امور میں کلیدی اسامیوں سے الگ کرنے کا حکومت پاکستان سے مطالبہ تھا۔ صوبہ پنجاب میں اس تحریک کا بہت بڑا زور تھا اور ہر مکتبہ فکر کے علماء کرام تحریک میں شامل تھے۔ عوام الناس ان کی رہنمائی اور زیر قیادت جلسے کرتے اور جلوس نکالتے تھے۔ مگر حکومت نے مسلمانوں کے جائز مطالبات تسلیم کرنے کی بجائے ان پر سخت تشدد کیا حتیٰ کہ ۶ مارچ ۱۹۵۳ء سے ۱۴ مئی ۱۹۵۳ء تک پنجاب میں مارشل لاء نافذ کر کے تحریک ہذا کو کچل دیا گیا۔ یاد رہے کہ اس دوران بری فوج کے سربراہ جنرل اعظم، جناب محمد علی صاحب وزیر اعظم، آئی آئی چندریگر گورنر پنجاب اور میاں ممتاز دولتانہ وزیر اعلیٰ پنجاب کے عہدے پر فائز تھے۔

اس تحریک میں سرگودھا کے علماء کرام کو بھی سول نافرمانی کے تحت گرفتار کیا گیا تو اس سلسلہ میں حضرت شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی گرفتار ہوئے اور انہیں شاہ پور صدر جیل میں قید کر دیا گیا اور پھر قریباً ساڑھے تین ماہ کے بعد رہا کیا گیا۔ حضرت شاہ صاحب بخاری نے ایام اسیری کے دوران شاہ پور صدر جیل میں بھی اپنا تحقیقی علمی کام جاری رکھا اور مسئلہ فدک پر ایک کتاب ''تحقیق فدک'' کے نام سے مرتب فرمائی جس کی تکمیل شوال ۱۳۷۴ھ، جون ۱۹۵۵ء میں کی گئی تھی۔ مسئلہ ہذا پر یہ لاجواب کتاب ہے۔ اس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ یہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں اور بعد میں بھی متعدد بار طبع ہوئی اور اہل علم نے اس کی بہت قدر دانی کی ہے۔

رسالہ ''الفاروق'' کا اجراء:

حضرت مولانا سید احمد شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دار الہدیٰ چوکیرہ میں قیام کے دوران اپنے تدریسی مشاغل کے ساتھ ساتھ ایک پندرہ روزہ تبلیغی رسالہ ''الفاروق'' کے نام سے ربیع الاول ۱۳۷۶ھ، نومبر ۱۹۵۶ء میں دار الہدیٰ چوکیرہ سے جاری کیا جس میں بہت عمدہ علمی مضامین شائع ہوتے تھے اور اس میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی علمی تحقیقات کو نشر کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ رسالہ ہذا میں شیعہ کے سوالات اور مطاعن کے تسلی بخش جوابات تحریر کئے جاتے تھے۔

رسالہ ہذا کی اشاعت میں مولانا عنایت اللہ صاحب گجراتی (حال خطیب منڈی بہاء الدین) آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مستعد معاون تھے اور تحریری کام میں دست راست تھے۔ شیعی سوالات کے جوابات پیش کرنے میں حضرت شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی رہنمائی کی وجہ سے عمدہ صلاحیت رکھتے تھے اور شیعہ مبلغ مولوی محمد اسماعیل صاحب شیعی کے رسالہ ''صداقت گوجرہ'' میں وارد کردہ اعتراضات کے جوابات مرتب کرنے کا کام مولانا عنایت اللہ صاحب کے ذمہ ہوتا تھا۔ جیسا کہ رسالہ ''الفاروق'' کے فائل اس چیز پر شاہد ہیں۔

رسالہ ''الفاروق'' نے اس دور میں حقانیت مذہب اہل السنۃ کی خاطر بہت عمدہ کردار ادا کیا اور اپنے مدمقابل لوگوں کو لاجواب کر دیا۔

اس سے قبل لکھنؤ میں حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے جس طرح صداقت مذہب کے لئے عمدہ رسائل شائع کئے تھے اور ایک رسالہ ''النجم'' بھی لکھنؤ سے جاری کیا تھا اور علماء وقت نے ان کی نہایت قدردانی کی تھی اور اہل سنت کو بہت نفع ہوا تھا۔ ٹھیک اسی طرح حضرت مولانا سید احمد شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے دور میں تحقیقی علمی کام کیا جو عوام وخواص کے حق میں بے حد سودمند ثابت ہوا۔

لیکن حق کے خلاف ہمیشہ کچھ طبقے ہر دور میں مخالفت کرتے چلے آئے ہیں۔ یہاں بھی ان کی مخالفت کارگر ثابت ہوئی اور انہوں نے اپنا عناد پورا کیا۔ چنانچہ یہ پندرہ روزہ رسالہ ''الفاروق'' چند ماہ کم چار سال تک اشاعت پذیر رہا اور اس میں علمی تحقیقات اور مخالفین کے سوالات کے مدلل ومسکت جوابات طبع ہو کر شائع ہوتے رہے۔ مگر نامساعد حالات اور چند دیگر مجبوریوں کے باعث جولائی ۱۹۶۰ء کے بعد اس کی اشاعت کو معرض التواء میں ڈال دیا گیا۔

تحقیقاتِ نادرہ:

رسالہ ''الفاروق'' میں حضرت مولانا سید احمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے عمدہ مضامین اور تحقیقی مقالات شائع ہوتے تھے۔ جو لوگ ''الفاروق'' کا نظر عمیق سے مطالعہ کرتے تھے ان کو اس چیز کا بخوبی علم ہے اور ''الفاروق'' کا حلقۂ قارئین اس چیز پر گواہ ہے۔ اس سلسلہ میں ہم یہاں آنحضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی چند نادر تحقیقات کا ذکر کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ اس سے آنموصوف رحمۃ اللہ علیہ کے تحقیقی ذوق اور علمی مقام ومرتبہ کا اندازہ ہو سکے گا۔ قرآنِ مجید کے پارہ دہم سورۃ توبہ میں جناب نبی کریم کے سفر ہجرت کا ذکر خیر ہے اور وہ درج ذیل ''آیت غار'' میں مذکور ہے:

﴿اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾

آیت مندرجہ بالا کا مفہوم یہ ہے کہ: اللہ کریم فرماتے ہیں کہ اگر تم لوگ پیغمبر کی مدد نہ کرو گے (تو کوئی حرج نہیں) خدا تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی اس وقت امداد کی جس وقت کافروں نے آپ کو نکال دیا، اس حال میں کہ آپ کے ساتھ ایک دوسرا آدمی تھا جبکہ وہ دونوں غار میں تھے۔ درآنحالیکہ پیغمبر اپنے ساتھی کو فرما رہے تھے کہ غم نہ کھایئے، اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے...... الخ

یہاں ''ثانی اثنین'' میں ثانی کے لفظ کو عام طور پر اخرجہ کی ضمیر سے حال بنایا جاتا ہے اور اس صورت میں لفظ ثانی سے مراد جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی لی جاتی ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بخاری نے یہاں اس لفظ کی تشریح اس طرح ذکر کی ہے کہ لفظ ثانی اخرجہ کی ضمیر منصوب سے حال واقع نہیں بلکہ یہاں منصوب بنزع خافض کی صورت ہے یعنی لفظ ثانی پر حرف با ہے اور وہ بمعنی ''مع'' محذوف ہے اس طرح ثانی سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ یعنی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درجہ اوّل اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ درجہ دوئم میں ہیں۔ یہی دونوں غار میں تھے۔

مسئلہ کی تائید:

اس تشریح کے اعتبار سے ''ثانی اثنین'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صفت ہے اور ان کا لقب ہے اور جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ لقب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زبان سے حدیث کی روایات میں پایا جاتا ہے۔ ذیل کی معروضات بطور تائید ذکر کی گئی ہیں۔

بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے کلام وتکلم میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ''ثانی اثنین'' کے لقب سے یاد کرتے تھے اور اس میں آنموصوف رضی اللہ عنہ کی خلافت (بلافصل) کا اشارہ پاتے تھے۔ مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیعت کرنے کے موقع پر فرمایا:

﴿ان ابا بکر صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وثانی اثنین وانہ اولی المؤمنین بامورکم فقوموا فبایعوہ.....﴾ الخ

۱: بخاری شریف، ج:۲، ص ۱۰۷۲، کتاب الاحکام باب الاستخلاف، طبع دہلی۔

۲: البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر، ج:۵، ص ۲۴۸، تحت مسئلہ بیعت خلافت۔

یعنی تحقیق ابوبکر رضی اللہ عنہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رفیق اور ثانی اثنین ہیں اور واقعی وہ سب سے زیادہ حکومت تمہاری کے حقدار ہیں۔ پس اٹھو اور بیعت کرو!

اس روایت میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ثانی اثنین فرمایا ہے اور اس سے خلافت پر استدلال فرمایا ہے۔

اسی طرح حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو جب بیعت خلافت قبول کرنے پر لوگوں نے آمادہ کرنا چاہا تو آنجناب نے فرمایا کہ: أتبایعون وفیك الصدیق وثانی اثنین... الخ

(طبقات ابن سعد، ج:۳، ص ۱۲۸، قسم اول تحت تذکرۃ الصدیق، طبع لیڈن)

یعنی تم میرے ساتھ بیعت خلافت کرنا چاہتے ہو؟ حالانکہ تم میں الصدیق اور ثانی اثنین موجود ہیں۔

مختصر یہ کہ ''ثانی اثنین'' کا لقب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حق میں استعمال کرتے تھے۔ اس بنا پر آیۃ الغار میں لفظ ''ثانی'' سے جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مراد لینا درست ہے۔

تنبیہ:

تحقیق ہذا کو جناب حضرت الاستاذ مولانا سید احمد شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ ''الفاروق'' کے ''ثانی اثنین نمبر'' بابت یکم نومبر ۱۹۵۸ء میں اور پھر اسی رسالہ کے شمارہ ۱۵ر فروری ۱۹۵۹ء میں تفصیل کے ساتھ شائع کیا اور مؤلف مضمون ہذا ناچیز محمد نافع نے بھی اپنی کتاب ''فوائد نافعہ'' کے فصل اوّل میں حضرت موصوف رحمۃ اللہ علیہ کے بیانات کی روشنی میں مسئلہ ہذا کو مفصل تحریر کیا ہے۔ امید ہے اہل علم حضرات مطالعہ کے بعد اسے پسند فرمائیں گے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک دیگر تحقیق ''روایت فدک'' کے متعلق ہے اسے مختصراً پیش کیا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بطور وراثت کے حصول فدک وغیرہ کا مالی مطالبہ کیا تو حضرت الصدیق رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان کیا کہ فرمان نبوت یہ ہے کہ:

''انبیاء علیہم السلام کی وراثت (مالی) جاری نہیں ہوتی۔ جو کچھ وہ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔''

فلہٰذا بطور وراثت مالی کے اس سے حصہ نہیں ملے گا۔ روایت میں ہے کہ حضرت الزہراء رضی اللہ عنہا اس پر ناراض ہوگئیں۔ پھر بعض روایت میں اس طرح ہے کہ آں موصوفہ نے وفات تک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کلام نہیں کیا۔ واقعہ ہذا کی روایات کے پیش نظر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ناراضگی اور عدم تکلم وغیرہ کی یہ توجیہہ ذکر کی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے جواب سے ناراض نہیں ہوئیں۔''

اور سیدہ کے ترک کلام کو راوی نے اپنے فہم وگمان کی بنا پر ناراضگی کی علت قرار دیا۔ پھر غضبت یا وجدت وغیرہ کے الفاظ روایت میں داخل کر دیئے۔

حاصل یہ ہے کہ روایت ہذا میں غضب وعدم کلام وغیرہ کے الفاظ اصل واقعہ میں نہیں بلکہ راوی کی طرف سے اندراج شدہ ہیں اور عموماً قال کے بعد قال کے مقولہ کے طور پر مذکور ہوئے ہیں۔

ہم نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کا اجمالاً ذکر کیا ہے۔ آنموصوف نے اس پر ایک مستقل کتاب ''تحقیق فدک'' تحریر فرمائی جو لاجواب کتاب ہے اور متعدد بار شائع ہو چکی ہے اور مؤلف مضمون ہذا نے بھی حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بخاری کی تحریرات کی روشنی میں اس تحقیق کو اپنی تالیف کتاب ''رحماء بینھم'' حصہ اول صدیقی میں ص ۸۷ سے لے کر ص ۱۵۵ تک مفصل ذکر کیا ہے اور دلائل سے واضح کیا ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مالی حق ادا کر دیئے تھے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے راضی ہوگئی تھیں۔ اس معاملہ میں ان حضرات کے درمیان کوئی اختلاف باقی نہیں رہا تھا۔

شیعہ واہل سنت کے مسائل پر آنموصوف کی بڑی عمیق نظر تھی۔ آپ کو تحقیقی مطالعہ کی بنا پر مختلف فیہ امور میں بڑے مضبوط دلائل مستحضر تھے۔ اس بنا پر اس دور میں جب اہم مباحث پیش آتے تو حضرت شاہ

صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدعو کیئے جاتے اور ان سے علمی رہنمائی حاصل کی جاتی تھی۔ چنانچہ ذیل میں چند ایک مناظروں کا اجمالاً ذکر کیا جاتا ہے۔

"مناظرہ جھوک دایہ":

جہانیاں شاہ اور کوٹ عیسیٰ شاہ کے نزدیک ایک جھوک دایہ ہے۔ یہ ضلع جھنگ میں ہے۔ یہاں کے رئیس حاجی گہنہ خان گاڈی علاقہ ہذا کے مشہور زمیندار تھے۔ ان کے قرب وجوار میں اہل تشیع کافی پائے جاتے تھے۔ شیعہ کی طرف سے حاجی صاحب مذکور کے ہاں مذہب اہل سنت پر کافی اعتراضات پیش کئے گئے اور انہیں شیعہ مذہب اختیار کرنے کی بہت رغبت دلائی گئی۔ تو ان حالات میں حاجی صاحب مذکور نے حضرت خواجہ قمرالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین سیال شریف کی خدمت میں گزارش کی کہ شیعہ ہمارے ساتھ اپنے مذہب کی حقانیت اور صداقت کے سلسلہ میں مناظرہ کرنا چاہتے ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلہ میں ہماری معاونت اور سرپرستی فرماتے ہوئے مناظرہ کا انتظام فرمائیں۔

چنانچہ حضرت خواجہ صاحب سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مناظرہ میں مندرجہ ذیل علماء کرام کو مدعو فرمایا اور آپ کی زیرسرپرستی میں جھوک دایہ کے مقام پر مؤرخہ ۱۷، ۱۸ ستمبر ۱۹۵۵ء بمطابق ۲۹ محرم الحرام، یکم صفر ۱۳۷۵ھ کو مناظرہ منعقد ہوا، اور دو یوم جاری رہا۔

اہل سنت کی طرف سے مندرجہ ذیل علماء پہنچے ہوئے تھے:

۱: حضرت مولانا سید احمد شاہ صاحب بخاری اجنالوی، (چوکیرہ، ضلع سرگودھا)

۲: مولانا دوست محمد صاحب قریشی احمد پور شرقیہ، حال ساکن کوٹ ادو، ضلع مظفر گڑھ۔

۳: مولوی چراغ دین صاحب ریتڑی، ساہیوال، ضلع سرگودھا۔

اور شیعہ کی جانب سے مندرجہ ذیل علماء مدمقابل کے طور پر آئے ہوئے تھے:

۱: مرزا یوسف حسین صاحب لکھنوی، حال مقیم میانوالی۔

۲: مولوی اسماعیل صاحب، گوجرہ۔

۳: مولوی محمد اسماعیل صاحب کے تلامذہ مولوی خادم حسین وغیرہ۔

درج ذیل مضامین پر مناظرہ کیا گیا:

۱: ایمان بالقرآن (باقوال الائمۃ الکرام)۔

۲: اثبات خلافت حضرات خلفاء راشدین ثلاثہ رضی اللہ عنہم۔

۳: سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافتِ بلافصل (شیعہ کے نزدیک)۔

۴: حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے حق میں عدم استحقاق وراثت فدک۔

مذکورہ بالا مسائل پر دوروز (ہفتہ، اتوار) تک مناظرہ ہوتا رہا۔

اہل سنت کی طرف سے مناظر مولانا دوست محمد رحمۃ اللہ علیہ قریشی تھے اور صدر مناظر حضرت مولانا سید احمد شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ تھے جبکہ شیعوں کی طرف سے مناظر مولوی اسماعیل صاحب گوجروی اور ان کے صدر مرزا یوسف حسین صاحب لکھنوی آف میانوالی تھے۔ نیز مناظرہ ہذا میں ''حکم'' حضرت خواجہ قمرالدین صاحب سیالوی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ موضوعات مناظرہ میں دلائل مرتب کرنے میں حضرت مولانا سید احمد شاہ صاحب کی خاص رہنمائی ہوتی تھی اور ان کی طرف سے دلائل ایک ترتیب سے مدوّن کیئے جاتے تھے۔ پھر مناظر ان کو فریق مخالف کے سامنے بالترتیب پیش کرتا تھا۔ مختصر یہ ہے کہ حضرت خواجہ قمرالدین صاحب سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں یہ مناظرہ نہایت کامیاب رہا اور ہمارے مناظر کے مضبوط دلائل کا فریق ثانی جواب نہیں دے سکا۔ خصوصاً شیعہ کتب سے حوالہ جات کو ایک خاص نہج پر مرتب کرنا جناب مولانا سید احمد شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی علمی تحقیق کا شاہکار تھے جن کو فریق مخالف بھی تسلیم کرنے سے انکار نہیں کرسکتا تھا اور اپنی تاویلات رکیکہ (تقیہ وغیرہ) کے بغیر کوئی معقول جواب نہیں دے سکتا تھا۔

مناظرہ باگڑ سرگانہ:

اسی طرح باگڑ سرگانہ علاقہ خانیوال ملتان میں ایک مشہور موضع ہے۔ اس میں سرگانہ قوم کے بااثر زمیندار ہیں۔ ان میں شیعہ وسنی دونوں مذاہب کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ اکتوبر ۱۹۵۶ء، ربیع الاوّل ۱۳۷۶ھ میں ان لوگوں یعنی سرگانہ قوم نے تلاش حق اور تحقیق مذہب کی خاطر باہم مناظرہ کرنا طے کیا اور ہر دو فریق نے اپنے اپنے علماء کرام ۱۳،۱۱ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو مدعو کئے۔ اہل السنۃ کی طرف سے مندرجہ ذیل علماء کرام تشریف لائے:

۱: حضرت مولانا اللہ یار خان صاحب آف چکڑالہ، میانوالی۔

۲: حضرت مولانا سید احمد شاہ صاحب بخاری، چوکیرہ، سرگودھا۔

۳: حضرت مولانا عبدالستار صاحب تونسوی، تونسہ شریف۔

۴: مولانا مولوی محمد علی صاحب جالندھری، صدر ختم نبوت، ملتان۔

اور شیعہ کی طرف سے درج ذیل علماء نے شرکت کی:

۱: مولوی گلاب شاہ صاحب، سورج میانی، ملتان

۲: مولوی اسماعیل صاحب، گوجرہ، ضلع فیصل آباد۔

۳: مولوی سیف اللہ صاحب، نوشہرہ ورکاں، گوجرانوالہ۔

۴: مولوی امیر محمد صاحب، تونسہ شریف۔

مناظرہ ہذا میں مندرجہ ذیل موضوعات زیر بحث آئے:

''تحریف قرآن۔ خلافت مرتضوی بلا فصل'' صداقت وحقانیت خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم وغیرہ۔

اہل السنۃ کے مناظر مولانا عبدالستار تونسوی رحمۃ اللہ علیہ تھے اور صدر مناظر مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا سید احمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ معین مناظر تھے جو اہل السنۃ کی طرف سے دلائل کو ایک ترتیب سے مرتب کر کے پیش کرتے تھے اور شیعہ مناظر مولوی اسماعیل صاحب گوجروی اور باقی زعماء ان کے مدد ومعاون تھے۔

مناظرہ دو دن ۹، ۱۰؍ربیع الاوّل ۱۳۷۶ھ (بروز اتوار، پیر) ۱۴، ۱۵؍اکتوبر ۱۹۵۶ء جاری رہا۔ اہل السنۃ کی طرف سے سرپرست مناظرہ مہر شوق محمد آف باگڑ سرگانہ تھے اور شیعہ کے سربراہ مہر حق نواز تھے۔

مختصر یہ ہے کہ شیعہ مناظر اہل السنۃ مناظر کے دلائل کے جوابات نہیں دے سکا اور لاجواب ہو گیا۔ مناظرہ باگڑ سرگانہ کے حالات الگ ایک رسالہ کی شکل میں بھی شائع ہو چکے ہیں اور رسالہ ''الفاروق'' کے شمارہ یکم نومبر ۱۹۵۶ء اور ۱۵؍دسمبر ۱۹۵۶ء کے شماروں میں اس کی تفصیلات طبع ہو چکی ہیں اور قابل ملاحظہ ہیں۔ ''دفع الوسواس بشرح حدیث قرطاس'' کے عنوان سے آپ کی تصنیف ایک اہم نزاعی مسئلہ کو حل کرتی ہے جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت پر لگنے والے داغ کو دلائل وبراہین سے حضرت شاہ صاحب نے دھو دیا ہے۔

ان اہم مقامات کے مباحث میں حضرت مولانا سید احمد شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی معلومات اور حوالہ جات کا بڑا اہم کردار ہے اور ان کے علمی جواہر کا علماء کرام نے اعتراف کیا کہ ان سے مذہب حقہ کو بہت فائدہ ہوا اور مناظرین اہل السنۃ کو بہترین رہنمائی ہوئی اور صداقت مذہب کے لئے ان مواقع میں آنموصوف رحمۃ اللہ علیہ کے علمی فوائد نہایت سودمند ثابت ہوئے۔

تبلیغی کورس:

حضرت مولانا سید احمد شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے علمی کارناموں میں منتہی طلباء کے لئے تبلیغی کورس کی صورت میں تعلیم دینا پروگرام میں شامل تھا۔ آنموصوف رحمۃ اللہ علیہ اہل السنۃ اور شیعہ کے مختلف فیہ مسائل کی افہام وتفہیم میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور اس فن کے استاذ کامل تھے۔ چنانچہ آنجناب رحمۃ اللہ علیہ بعض دفعہ تبلیغی کورس قائم کرتے تھے اور اسی سلسلہ میں آنموصوف رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار مدرسہ دار الہدیٰ چوکیرہ میں شعبان رمضان ۱۳۸۶ھ موافق دسمبر ۱۹۶۶ء میں ایک تبلیغی کورس کا اجراء کیا تھا۔

کورس ہذا کی تعلیم وتدریس کے لئے جناب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بندہ کو بھی اپنے ساتھ شامل رکھا۔ چنانچہ اس سال ۱۳۸۶ھ میں آنموصوف رحمۃ اللہ علیہ نے ''مسئلہ خلافت'' کے متعلقہ مضامین اور ''مسئلہ فدک'' کی ابحاث

کی منتہی طلباء و دیگر شرکاء کورس مثلاً مولانا مخدوم نذیر احمد صاحب وغیرہم کو تعلیم دی جبکہ بندہ نے ان ایام میں اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم اور خلیفہ رابع رضی اللہ عنہ کے مابین بہتر تعلقات کے مضمون اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مطاعن کے جوابات سمجھائے اور ان مطاعن کے بے اصل اور غیر صحیح ہونے کو بیان کیا اور واضح کیا کہ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دامن وارد کردہ الزامات سے بے داغ ہے اور صاف ہے۔ یہ اعتراضات محض افترا کے درجہ میں ہیں۔

۱۳۸۸ھ موافق ۱۹۶۸ء میں جناب سید احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ چوکیرہ ترک سکونت کر کے بی بلاک سٹیلائٹ سرگودھا میں قیام پذیر ہو چکے تھے۔ یہاں سرگودھا میں تشریف لانے کے بعد آپ نے مسجد فاروق اعظم کی تعمیر و تکمیل کے لئے مساعی جاری رکھیں اور مسجد ہذا میں دالعلوم فاروق اعظم کا اجراء کیا۔

آنموصوف رحمۃ اللہ علیہ نے شعبان رمضان ۱۳۸۸ھ بمطابق دسمبر ۱۹۶۸ء میں یہاں بھی حسب سابق تبلیغی کورس کا اجراء فرمایا اور اپنے منتخبہ مضامین کی فقہی طلباء کو تعلیم دی۔ ان ایام میں جناب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ موصوف نے بندہ کو بھی تبلیغی کورس میں تدریسی خدمات بجالانے کے لئے طلب فرمایا اور بندہ نے بھی اس تبلیغی کورس میں حسب سابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین بہتر تعلقات اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مطاعن کے مدلل جوابات کی تعلیم دی۔ اس سال شرکاء درس کے ساتھ عزیز مولانا مولوی محمد قاسم شاہ صاحب بھی شریک تعلیم تھے اور اواخر رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ بمطابق دسمبر ۱۹۶۸ء میں اس تبلیغی کورس کا اختتام ہوا۔

آخری ایام:

حضرت الاستاذ مولانا سید احمد شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایک عظیم علمی شخصیت اور بلند پایہ کے فاضل تھے اور دینی و ملی خدمات سرانجام دینے کے لئے اہم عزائم رکھتے تھے۔ بعض دفعہ آنموصوف رحمۃ اللہ علیہ نے اس چیز کا اظہار خیال فرمایا کہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ''تحفہ اثناعشریہ'' اس فن میں بہت عمدہ و اعلیٰ کتاب ہے اور وقیع مضامین پر مشتمل ہے لیکن اسے موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق باحوالہ کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

لہٰذا اس کتاب کو زیادہ نفع بخش اور سود مند بنانے کے لئے اس کے ذکر کردہ حوالہ جات کو اصل مآخذ سے دریافت کر کے متعلقہ کتاب کا نام، باب، فصل اور صفحہ کو بطور حواشی کے مرتب کرنا چاہئے تا کہ اہل علم حضرات کو حوالہ حاصل کرنے میں کسی دشواری کا سامنا نہ ہو اور بسہولت حوالہ دستیاب ہو سکے۔ لیکن اس اہم مقصد کی تکمیل کے لئے قدرت کی طرف سے مہلت نہ مل سکی اور یہ مسئلہ ناتمام رہا۔ نیز بعض دفعہ حضرت مولانا سید احمد شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس چیز کا بھی اظہار فرمایا کہ اس دور میں مذہب اہل السنۃ والجماعت کی حقانیت اور صداقت کے اثبات میں ایک جامع کتاب مرتب و مدوّن کرنے کی ضرورت ہے جو حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''تحفہ اثناعشریہ'' کی طرز پر متفرق مسائل پر حاوی ہو اور موجود دور کے تقاضوں کو ہر لحاظ سے پورا کر سکے اور اس

دور میں وارد کردہ مطاعن کے جوابات بھی اس میں دستیاب ہوسکیں۔ لیکن اس ارادہ کے پورا کرنے کے لئے بھی وقت نہیں ملا۔ کسی نے درست کہا ہے کہ

ما کلما یتمنی المرأ یدرکه۔ تجری الریاح بما لا تشتهی السفن

اور مالک الملک کی طرف سے اس مستعار زندگی کے اختتام کی اطلاع داعیٔ اجل کے ذریعہ آپہنچی اور آنموصوف ۵ رمحرم الحرام ۱۳۸۹ھ بمطابق ۲۴ رمارچ ۱۹۶۹ بروز سوموار قریباً تریسٹھ (۶۳) سال کی عمر تمام فرما کر مالک حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہوگئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔

جناب حضرت مولانا سید احمد شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی نماز جنازہ جناب رحمۃ اللہ علیہ کے دیرینہ رفیق اور استاذ بھائی حضرت مولانا قطب الدین صاحب مدظلہ اُچھالوی نے مسجد فاروق اعظم (سٹیلائٹ ٹاؤن سرگودھا۔ بی بلاک). میں پڑھائی اور آنمرحوم رحمۃ اللہ علیہ کو آبائی گورستان اجنالہ (ضلع سرگودھا) میں آخری آرام گاہ نصیب ہوئی۔

حضرت الاستاذ مولانا قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر سوانح

ہر علاقہ میں اللہ تعالیٰ اپنے دین کی خدمت کے لئے علماء پیدا فرماتے ہیں جو اپنے اپنے حلقہ میں بقاء دین کے لئے خدمات سرانجام دیتے ہیں اور احیاء دین ان کا مقصد وحید ہوتا ہے اور اسے وہ پورا کرتے ہیں۔

اسی سلسلہ میں ضلع خوشاب میں ''سون سکیسر'' کا علاقہ بڑا ''مردم خیز'' ہے جس میں بڑے بڑے اکابر علماء اور صلحاء پیدا ہوئے اور انہوں نے اپنے اپنے دور میں ملت اسلامی کے فروغ کے لئے مساعی کیں اور دینی خدمات کا فریضہ ادا کیا۔ قریبی دور میں مولانا سلطان اعظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ آف چھپڑ شریف، مولانا قاضی محمد خلیل صاحب انگوی اور مولانا خدا بخش صاحب آف کفری وغیرہ وغیرہ اکابر علماء وصلحاء گزرے ہیں۔ اسی سلسلہ میں استاذ العلماء مولانا قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ آف اُچھالہ کی شخصیت بھی اہم مقام ومرتبہ کی حامل ہے اور قابل ذکر ہستی ہے اور علاقہ (سون) کے نامور علماء میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ذیل میں آنجناب رحمۃ اللہ علیہ کے بالکل مختصر احوال زیر قلم کیے جاتے ہیں: آنجناب رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۱۳۲۶ھ بمطابق ۱۹۰۸ء وادی سون کے مشہور قصبہ ''اُچھالہ'' میں ہوئی اور آپ نے ابتدائی تعلیم ''اُچھالہ'' میں ہی مولانا غلام حیدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی اور قرآنِ مجید حافظ قاسم علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حفظ کیا۔ اس کے بعد وادی سون کے مشہور شہر ''چھپڑ شریف'' میں حضرت مولانا سلطان اعظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تعلیم حاصل کرتے رہے اور حضرت مولانا خدا بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ آف کفری سے بھی بہت تعلیمی استفادہ کیا اور ابتدائی درسی کتب پڑھیں۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ گجرات کے علاقہ ''کٹھیالہ شیخاں'' کے قریب موضع ''اَنہی'' کی مشہور درسگاہ میں حصولِ تعلیم کے لئے تشریف لے گئے۔

''اَنہی'' درسگاہ میں اس وقت حضرت استاذ العلماء مولانا غلام رسول صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ درس وتدریس فرمایا کرتے تھے۔ ان ہر دو کبار اساتذہ کرام کی وجہ سے یہ درسگاہ پنجاب بھر میں مشہور ومعروف تھی۔ اس میں درس نظامی کی آخری کتب نہایت اعلیٰ طریق سے پڑھائی جاتی تھیں۔ باقی درسگاہوں کے مقابلہ میں اس درسگاہ کی تعلیم وتدریس نہایت فائق تھی اور بے شمار طلبہ یہاں درس نظامی کی آخری کتب کی تکمیل کرنے کے لئے دور دراز سے آکر فیض یاب ہوتے تھے۔

چنانچہ حضرت مولانا قاضی محمد خلیل صاحب انگوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا سید احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اجنالوی نے بھی درس نظامی کی آخری کتب یہاں ''اَنہی'' میں مکمل کی تھیں۔ اس درسگاہ کی تعلیمی وتدریسی فوقیت کے متعلق یہ چیز ذکر کی جاتی ہے کہ بندہ نے اپنے استاذ حضرت مولانا ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳ر شوال ۱۳۹۳ھ) اَنہی

والے سے خود سنا ہے:

حضرت مولانا ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ استاذ کبیر حضرت مولانا غلام رسول رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۵۰ھ، ۱۹۳۱ء) کی وفات کے بعد کے احوال ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جس وقت حضرت استاذ کبیر رحمۃ اللہ علیہ (مولانا غلام رسول صاحب) کا انتقال ہوا تو ہم نے حضرت مولانا علامہ سید انور شاہ صاحب کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۳۵۲ھ کی خدمت میں ''جامعہ اسلامیہ ڈابھیل'' میں آنموصوف رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کی خط کے ذریعے اطلاع ارسال کی۔ اس خط کے جواب میں حضرت علامہ مولانا انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے خط ارسال فرمایا جس میں یہ چیز درج فرمائی کہ:

''حضرت مولانا غلام رسول صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کئی برس سے مجھ پر احسان تھا کہ میرے خطاب کے لائق طلبہ تیار کر کے بھیجتے تھے......'' ساتھ ہی یہ بات بھی استاذ مولانا ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت علامہ شاہ صاحب کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ جو طالب علم ''اَنہی'' سے مولانا غلام رسول صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شاگرد دورۂ حدیث شریف میں داخلہ لینے کے لئے حاضر ہوتا تو حضرت موصوف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ اس طالب علم سے امتحان داخلہ لینے کی حاجت نہیں ہے، اسے بغیر امتحان کے ہی دورۂ حدیث میں شامل کر لیا جائے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جملہ مذکور سے اور اس طریقہ کار سے درسگاہ ہذا کی تعلیم وتدریس کی فوقیت اور افادیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ حضرت مولانا قطب الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہاں ''اَنہی'' میں درس نظامی کی تعلیم مکمل کی اور ان ہر دو کبار اساتذہ کرام رحمۃ اللہ علیہم کی تعلیم سے فیض یاب ہوئے اور قریباً اڑھائی سال یہاں مقیم رہے۔

''اَنہی'' میں درس نظامی کی تکمیل کے بعد کئی طلبہ دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث شریف پڑھنے کے لئے جاتے تھے۔ اسی طرح مولانا مرحوم رحمۃ اللہ علیہ بھی حدیث کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے دارالعلوم دیوبند چلے گئے اور وہاں کے اکابر اساتذہ کرام سے حدیث شریف کا دورہ پڑھا۔ اس وقت فن حدیث کے نامور اساتذہ کرام حضرت مولانا حسین احمد مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت میاں اصغر حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا ابراہیم صاحب بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم درس حدیث دیتے تھے۔ حضرت مولانا قطب الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۵۲ھ میں ان حضرات سے دورۂ حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ مولانا صاحب موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے انہی تعلیمی سرگرمیوں سے فراغت کے بعد سلسلہ درس وتدریس شروع کیا اور کئی ایک مقامات میں بطور مدرس اپنے فرائض منصبی سرانجام دیئے۔ ان میں سے بعض مقامات کا ذیل میں تذکرہ کیا جاتا ہے:

۱: موضع ''ترگ شریف''، ضلع میانوالی میں آپ نے کئی ایام تعلیم وتدریس کا فریضہ سرانجام دیا۔

۲: اس کے بعد میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم جامعہ محمدی شریف ضلع جھنگ میں درس وتدریس کے فرائض

سرانجام دیئے۔ اس دور میں حضرت مولانا سید احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اجنالوی اس دارالعلوم کے صدر مدرس تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کم وبیش دو سال سے زیادہ یہاں تعلیم وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ قریباً یہ ۱۳۵۶ھ، ۱۳۵۷ھ کا دور ہے۔ راقم الحروف (محمد نافع غفرلہ) نے اسی دوران آنجناب رحمۃ اللہ علیہ سے درس نظامی کی کتابیں مثلاً شرح وقایہ اخیرین، المیبذی، مختصر معانی اور سراجی وغیرہ کتب کا درس لیا۔

۳: آنموصوف رحمۃ اللہ علیہ نے جامعہ عربیہ چنیوٹ میں بھی تعلیم وتدریس کے فرائض سرانجام دیئے۔

۴: نیز آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے علاقہ میں کھوڑہ (وادی سون) کے سکول میں کئی سال تک عربی مدرس رہے۔

۵: جس وقت حضرت مولانا سید احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ ''دارالہدیٰ'' چوکیرہ ضلع سرگودھا کی بنیاد رکھی اور تعلیم وتدریس کا سلسلہ شروع کیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاذ بھائی حضرت مولانا قطب الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اس مدرسہ میں درس وتدریس کی دعوت دی اور منصب تدریس پر فائز فرمایا۔ اندازاً ۱۳۷۴ھ موافق ۱۹۴۵ء کا یہ زمانہ ہے، صحیح تاریخ معلوم نہیں ہوسکی۔

مدرسہ ''دارالہدیٰ'' چوکیرہ میں آنموصوف رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مدت دراز تک سلسلۂ تعلیم وتدریس جاری رکھا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ سے بے شمار طلبہ نے تعلیمی فیض حاصل کیا۔ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ کافی معمر ہوگئے اور شیخوخت کے عوارض لاحق ہوگئے تو آپ واپس اپنے وطن ''اُچھالہ'' تشریف لائے۔ استاذ العلماء حضرت مولانا قطب الدین صاحب مرحوم جامع عالم دین تھے۔ درس نظامی کی تمام کتب کی آپ تعلیم کرتے تھے۔ خصوصی طور پر فنِ فقہ میں آپ مشہور تھے اور اس میں عمدہ درک رکھتے تھے۔ فقہی مسائل کو بہترین طریقہ سے حل فرمایا کرتے۔

آپ نہایت ''حلیم الطبع'' اور ''منکسر المزاج'' تھے اور صفتِ خاموشی آپ رحمۃ اللہ علیہ پر غالب تھی۔ آپ اپنے شاگردوں کے ساتھ نہایت شفقت فرماتے۔ تندی اور سختی سے اجتناب کرتے تھے اور رحم دلی سے پیش آتے تھے۔ کتب بینی کا ذوق ''طبیعت ثانیہ'' بن چکا تھا۔ فارغ وقت میں مختلف کتب کا مطالعہ جاری رکھتے تھے، کوئی وقت بے کار نہیں جاتا تھا بلکہ علمی شغل میں مصروف ہوتا۔ آنموصوف رحمۃ اللہ علیہ منتظم المزاج تھے۔ استعمال کی ہر چیز کا ایک نظم رکھتے تھے۔ رہائش گاہ میں کتابیں، برتن، بستر، چارپائی وغیرہ وغیرہ ہر ایک کے لئے ایک جگہ مقرر تھی اور عمدہ سلیقہ کے ساتھ ہر ایک چیز کا رکھنا، اٹھانا ہوتا تھا۔ اس میں ردّوبدل پسند نہیں فرماتے تھے۔

گوناگوں اخلاقِ فاضلہ سے قدرت نے انہیں نوازا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بہتر اوصاف پر ان کا خاتمہ بالخیر فرمایا۔ آنجناب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۱۲ رجب المرجب ۱۴۲۶ھ بمطابق ۱۸ اگست ۲۰۰۵ء آبائی قصبہ ''اُچھالہ'' میں ہوئی اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کو وہیں دفن کیا گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

(ناچیز دعاجو محمد نافع عفا اللہ عنہ، محمدی شریف، ضلع جھنگ۔ ۱۱ر شعبان ۱۴۲۶ھ موافق ۱۶ر ستمبر ۲۰۰۵ء)

ایک اہم علمی دینی درسگاہ
(موضع اَنہی)

ہمیشہ سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ اہل اسلام ہر ملک میں اور ہر علاقہ میں دینی تعلیم کے فروغ کی خاطر مدارس قائم کرتے ہیں۔ درس وتدریس کے ذریعے تعلیمات اسلامی کو فروغ دیتے ہیں۔ غربی پنجاب کے اضلاع میں بھی اسی طرح کے کئی مدارس اپنے اپنے دور میں قائم ہوئے۔

غربی پنجاب کے شرقی حصہ میں اس نوع کی اہم درسگاہ موضع ''اَنہی'' کے نام سے مشہور تھی جو ایک دیہاتی علاقہ میں قائم تھی۔

موضع اَنہی کے نام سے مشہور ایک چھوٹا سا قریہ کٹھیالہ شیخاں کے قریب ضلع گجرات کے علاقہ منڈی بہاء الدین میں واقع ہے۔ اس معروف درسگاہ میں درس نظامی کی آخری کتابوں کی تعلیم دی جاتی تھی اور منتہی طلباء وہاں آ کر مستفید ہوتے اور درس نظامی کی تکمیل کرتے تھے۔ یہاں الاستاذ الکبیر حضرت مولانا غلام رسول رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے مشہور تلمیذ حضرت مولانا ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ قیام پذیر تھے۔ ان حضرات کی ملکیتی رقبہ تھوڑی سی اراضی تھی جس میں کاشتکاری کیا کرتے تھے اور یہی ان کا ذریعہ معاش تھا۔ ان حضرات کی جانب سے درس نظامی کی تعلیم کے لئے یہ ایک اعلیٰ علمی درسگاہ تھی۔

مقام اَنہی کے اردگرد میانوال، کھمب خورد، کدھر اور تخت محل وغیرہ چند مواضعات تھے۔ یہ دیہاتی علاقہ ہے۔ ان مواضعات میں اس درسگاہ کے طالب علم اپنے ان اساتذہ کرام سے اسباق پڑھنے کے بعد قیام کرتے تھے۔ چند طالب علم ایک موضع میں اور دیگر چند طلباء دوسرے موضع میں قیام پذیر ہوتے تھے۔ درس گاہ کے ساتھ طلباء کی رہائش کے لئے کوئی دار الاقامہ (ہوسٹل) نہیں تھا بلکہ مذکورہ بالا مواضعات کی مساجد سے ملحق کچے حجرات بنے ہوئے تھے اور ان ہی حجروں میں طالب علم رہائش پذیر تھے اور ان بستیوں کے لوگ دو وقت کا سادہ کھانا ماحول وموسم کے مطابق انہیں دیتے تھے اور ایک مدت دراز قریباً ساٹھ ستر برس تک یہ سلسلہ اسی طرز وطریق پر قائم رہا اور ان اساتذہ کرام کے اخلاص نیت کی برکات سے یہ فیضِ عام جاری رہا اور بڑے بڑے جید علماء اس درس سے تعلیم پا کر اپنے اپنے مناصب پر فائز ہوئے اور لائق فائق علماء فارغ التحصیل ہو کر مدرس بنے۔ خطیب اور صاحب تصانیف ہوئے اور اشاعت دین کا فریضہ ان حضرات نے بطریقِ احسن ادا کیا۔

انہی کی درسگاہ کے استاذ الکبیر حضرت مولانا غلام رسول صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کے جید علماء میں شمار کئے جاتے تھے اور مسند تدریس کے اعلیٰ استاذ مانے جاتے تھے۔ آپ متوکل علی اللہ تھے اور قلیل معاش پر قانع وصابر تھے۔ جیسا پہلے ذکر کیا ہے کہ آبائی زمین کا تھوڑا سا ملکیتی رقبہ تھا۔ اس کی آمدن پر اکتفا کئے ہوئے تھے۔ آنموصوف رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی اپنے وقت کے ولی اللہ تھے۔ ان کے متعلق اس ماحول کے لوگوں میں مشہور روایت تھی کہ جب یہ بزرگ عبادت الٰہی میں مشغول ہوتے تو ان کے جسم پر پرندے (چڑیاں وغیرہ) آکر بیٹھ جاتے تھے اور آپ اپنے ذکر اذکار میں مشغول رہتے۔ ان کی یہ کرامت عام لوگ بیان کرتے تھے۔

حضرت مولانا غلام رسول صاحب رحمۃ اللہ علیہ درس نظامی کی آخری کتب کا درس دیتے تھے اور منتہی طلباء حصول درس کے لئے آنجناب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مجتمع ہوتے تھے۔ مولانا صاحب مرحوم نے اپنے درس وتدریس میں بعض نادر قواعد وضوابط قائم کئے ہوئے تھے مثلاً ایک طالب علم کو صرف ایک سبق پڑھنے کا موقع دیا جاتا تھا۔ مستقل دو سبق رکھنے کا اسے حق نہیں تھا۔ البتہ دوسرے سبق میں سماعت کرسکتا تھا۔ گویا کہ جو مقولہ مشہور ہے کہ ”یک خواں یگانہ شو“ پر عمل کیا جاتا تھا۔

نیز مولانا مرحوم کے درس کا ضابطہ تھا کہ طالب علم اپنی ذاتی کتاب لے کر حاضر ہوتا۔ وہاں کوئی کتب خانہ موجود نہیں تھا جس سے کتاب مستعار دستیاب ہوسکتی اور درس وتدریس کا طریق یہ تھا کہ استاذ صاحب فرمان جاری کردیتے کہ کتاب کے سبق کا خوب مطالعہ کرکے لاؤ اور مضمون کتاب خود بیان کرو۔ اس میں جو بات قابل حل ہوتی استاذ صاحب اس کی وضاحت فرمادیتے۔ اگر طالب علم ذی استعداد ہے اور کتاب کے سبق کو حل کرسکتا ہے لیکن مطالعہ میں کوتاہی اور تساہل سے بیان نہیں کررہا تو اس کی کتاب کو اٹھا کر واپس کردیتے اور حکم ہوتا کہ جاؤ! مطالعہ کرکے لاؤ، تب سبق دیا جائے گا۔

یہاں یہ بات بھی ذکر کرنا فائدہ مند ہے کہ حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ بعض کتب مثلاً سُلّم العلوم، تلخیص المفتاح اور ہدایت الحکمۃ وغیرہ کا مضمونِ کتاب خود بیان فرماتے تھے۔ طالب علم اس کو محفوظ کرلیتے تھے اور دیگر کتب مثلاً ہدایہ اخیرین، مطول، تلویح، حمد اللہ، قاضی مبارک وغیرہ کے متعلق استاذ صاحب کا فرمان تھا کہ ان کا مضمون طالب علم خود بیان کرے اور استاذ قابل اصلاح بات کی صحت فرمائیں گے۔ درس گاہ کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ طالب علم سبق پڑھنے کے لئے حاضر ہوتا تو وہ استاذ صاحب کے سامنے اپنی چادر پھیلا دیتا۔ اس پر کتاب رکھی جاتی تھی۔ کوئی تپائی وغیرہ نہیں ہوتی تھی۔

درس گاہ میں بیٹھنے کے لئے عام قسم کا حسب موسم گھاس بچھا ہوتا تھا۔ اس پر ہی استاذ شاگرد بیٹھ کر درس و تدریس کرتے تھے۔ کسی ٹاٹ، چٹائی، دری یا غالیچہ وغیرہ کا کوئی انتظام نہیں تھا۔

ایک اعجوبہ:

حضرت مولانا قاضی خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (آف انگہ ضلع خوشاب) حضرت الاستاذ الکبیر رحمۃ اللہ علیہ کے مشاہیر تلامذہ میں سے تھے۔ انہوں نے درس نظامی کی آخری کتب کی تعلیم انہی میں استاذ الکبیر حضرت مولانا غلام رسول صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی تھی۔ قاضی صاحب موصوف بیان کرتے تھے کہ ''ایک روز ہم طلبہ نے جمع ہوکر اپنے استاذ الکبیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زیر تعلیم اسباق کا شمار کیا تو اس وقت بیس سے زائد اسباق پڑھا رہے تھے اور وہ اسباق کافیہ یا قدوری وغیرہ کتب کے نہیں تھے بلکہ ہدایہ اخیرین، حمد اللہ، قاضی مبارک اور خیالی وغیرہ درس نظامی کی آخری کتب کے اسباق تھے۔''

ایک عام مدرس یہ بات سن کر یقین نہیں کر سکے گا مگر یہ حقیقت واقعہ ہے کہ ان بزرگوں نے اس طرح تعلیم وتدریس کی ہے اور یہ ان کے فیوض وبرکات میں سے شمار کی جاتی ہے اور اس کو کرامت سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ بتوفیق الٰہی اس نوع کے مافوق العادۃ امور بزرگوں سے صادر ہوتے ہیں۔

اس دور میں حضرت استاذ صاحب کے ایک شاگرد مولانا محمد اشرف ہوتے تھے جو چھوٹے طالب علموں کو درسیات مثلاً نحو، کافیہ لابن مالک وغیرہ پڑھاتے تھے۔ نیز دوسرا کام ان کے ذمہ یہ تھا کہ استاذ الکبیر صاحب کی خدمت میں صبح سویرے چائے تیار کر کے پیش کرتے تھے۔ خلاصۃ المرام یہ ہے کہ استاذ الکبیر رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ بالا قواعد جو درس وتدریس میں جاری تھے ان کی وجہ سے طلباء میں نہایت عمدہ علمی استعداد پیدا ہوتی تھی اور کتاب سے مسئلہ کے استخراج کا ذوق اور کتب بینی کا ملکہ پیدا ہوتا تھا اور یہ ضوابط طلباء کے لئے نہایت سودمند ثابت ہوتے تھے۔ یہ سلسلہ تعلیم وتدریس ایک مدت تک جاری رہا۔ آخر کار ۱۳۵۱ھ، ۱۹۳۱ء میں استاذ الکبیر حضرت مولانا غلام رسول رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوگیا اور اپنے والد گرامی کے مزار کے متصل موضع انہی میں مدفون ہوئے۔

حضرت الاستاذ مولانا ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر تذکرہ (المتوفی ۱۳ر شوال ۱۳۹۳ھ، ۱۰ر نومبر ۱۹۷۳ء)

حضرت مولانا ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ استاذ الکبیر حضرت مولانا غلام رسول رحمۃ اللہ علیہ کے اعلیٰ تلامذہ میں سے تھے اور ان کے داماد بھی تھے۔ اس وجہ سے ان کا رشتہ داری کا تعلق بھی تھا اور استاذ صغیر کے نام سے موسوم ہوتے تھے۔

استاذ مولانا ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نہایت اعلیٰ درجہ کے ذکی اور فہیم استاذ تھے اور درسی فنون کے ماہر اور اعلیٰ درجہ کے مدرس شمار کئے جاتے تھے اور صفت شفقت کا مزاج پر غلبہ تھا۔ استاذ الکبیر مرحوم مذکور کے انتقال کے بعد مولانا ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاذ کے اعلیٰ جانشین ثابت ہوئے اور ان کے عمل تدریس وتعلیم کو عمدہ نہج پر جاری رکھا اور ان

کے طریق کار کو صحیح طور پر فروغ دیا اور نیابت کا حق ادا کیا۔

حضرت مولانا ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ بھی درس نظامی کی اعلیٰ کتب کا درس دیتے تھے۔ معقول ہو یا منقول! فقہ ہو یا اصول فقہ یا فلسفہ وغیرہ۔ ان تمام فنون میں یکساں ماہر تھے۔ خاص طور پر علم ریاضی کرّہ اور اسطرلاب وغیرہ کی تدریس میں ان کو خصوصی مہارت حاصل تھی اور اپنے دور کے مایہ ناز استاذ تسلیم کئے جاتے تھے اور دور دراز سے اہل علم حاضر ہو کر آنجناب سے ان فنون کی تعلیم سے فیض یاب ہوتے اور مہارت حاصل کرتے تھے۔

بندہ ناچیز نے بھی حضرت مولانا ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء میں درس نظامی کی آخری کتب کا درس لیا اور ادنیٰ شاگردوں میں شامل ہوا۔ استاذ گرامی اپنے تلامذہ پر نہایت شفیق تھے اور حد درجہ کا لطف و کرم فرماتے تھے۔ مشکل اسباق کو مختصر عبارت میں سہل طریق سے حل کر دیتے تھے۔ کوئی طول طویل تقریر نہیں کرتے تھے۔ اس مسئلہ میں یہ ان کی فوقیت قابل رشک تھی اور طلبہ کے لئے بہت فائدہ مند تھی۔

فرمودات:

بعض دفعہ درس میں اور درس کے بعد علمی گفتگو فرمایا کرتے تھے اور کئی اہم واقعات بیان فرماتے۔ ان میں سے چند ایک اشیاء ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں:

سابق علماء کرام کا تذکرہ فرماتے ہوئے ایک دفعہ ذکر کیا کہ مولانا عبدالحکیم صاحب سیالکوٹی علوم کے بڑے فاضل اور فائق عالم تھے۔ فرمایا کہ مولانا سیالکوٹی کا کمال ہے کہ مشکل کتاب کو حل کر دیتے ہیں اور سہل کتاب کو مشکل بنا دیتے ہیں۔ مثلاً کتاب خیالی (حاشیہ شرح عقائد نسفی) ایک ادق کتاب ہے اس کی شرح تحریر کر کے عمدہ طریق سے حل کر کے سہل بنایا ہے اور قطبی اور میر قطبی درسی کتاب پر حاشیہ لکھا ہے اور اس کو اچھا خاصا مشکل بنا دیا ہے حالانکہ قطبی کوئی مشکل کتاب نہیں ہے۔ ایک دن استاذ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ سنایا کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کے بہت بڑے متبحر عالم، محدث اور فقیہ تھے۔ اس دور میں شاہ احمد سعید نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ دہلوی کا بڑا چرچا تھا۔ تصوف میں ان کا شہرہ عام تھا۔ دیگر ممالک سے بھی اہل علم اور اہل ذوق ان کے ہاں حاضر ہو کر فیض حاصل کرتے تھے۔ ایک جید عالم ترکی یا مصر کے شاہ احمد سعید صاحب کی خدمت میں حصول تصوف و معرفت کے لئے آئے ہوئے تھے اور روحانی فیض حاصل کرنے اور تزکیۂ نفس کے لئے مقیم تھے۔ ایک دفعہ اس عالم مذکور کے ساتھ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس ہوئی اور باہم علمی مذاکرہ ہوا اور مسائل پر گفتگو ہوئی۔

اس کے بعد بعض لوگوں نے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس مجلس کی علمی گفتگو اور اس کے تاثرات کے حق میں دریافت کیا؟ تو شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پہلے میرا خیال ہوا تھا کہ میں اس دور میں اجتہاد کا دعویٰ

کردوں لیکن اب میں نے یہ خیال ترک کردیا ہے۔ (یعنی میرا یہ دعویٰ کرنا صحیح نہیں) ایک عالم سے فوق دوسرا صاحبِ علم ہوتا ہے اورفوق کل ذی علم علیم کا قاعدہ صحیح ہے۔

استاذ مولانا ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ علمی گفتگو فرماتے اور اس میں کئی پند ونصائح بھی ذکر کرتے تھے۔ بعض دفعہ اس طرح بھی ہوا کہ بطور نصیحت کے اشعار بھی بیان فرماتے۔ ایک بار آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی ناصحانہ گفتگو کے دوران مندرجہ ذیل اشعار ذکر فرمائے:

قیل ان الالٰہ ذو ولدٍ   قیل ان الرسول قد کھنا
ما نجا اللہ والرسول معاً   من لسان الوریٰ و کیف انا

یعنی اللہ تعالیٰ کو صاحبِ اولاد کہا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کاہن کہا گیا۔ مخلوقات کی زبان سے جب اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بچ سکے تو میں کس طرح بچ سکتا ہوں؟

خیانت کا واقعہ:

ایک بار حضرت مولانا ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک شاگرد کا واقعہ سناتے ہوئے ذکر کیا کہ ہمارے پاس ایک کتاب "ملا جلال" قدیم مطبوعہ تھی اور اس پر ایک عالم سید ابوالفتح رحمۃ اللہ علیہ کا عمدہ حاشیہ تھا۔ کتاب بہت نادر تھی۔ اس شاگرد نے ہم سے مطالعہ کے لئے یہ کتاب طلب کی۔ ہم نے اعتماد کرتے ہوئے دے دی۔ مگر وہ خدا کا بندہ یہ کتاب لے کر روپوش ہوگیا اور فرار ہوگیا۔ آج تک نہ خود واپس آیا اور نہ ہی کتاب واپس کی۔ جو لوگ اپنے استاذ کی قدردانی نہیں کرتے بلکہ ان سے بدمعاملگی کرتے ہیں وہ ہمیشہ خسارہ میں رہتے ہیں اور ان کے علم وعمل میں برکت نہیں ہوتی اور وہ محروم القسمت ہوتے ہیں۔ اساتذہ کا احترام اور اکابر سلف صالحین کا اکرام موجب برکت ہوتا ہے اور اس سے روگردانی کرنے والا شخص بے نصیب ہوتا ہے، خوش بخت نہیں ہوتا۔

جب استاذ الکبیر حضرت مولانا غلام رسول رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو مولانا ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہم نے حضرت مولانا سید انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت، میں استاذ کبیر کے انتقال کی اطلاع دینے کے لئے عریضہ ارسال کیا۔ اس دور میں حضرت شاہ صاحب مرحوم ومغفور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تشریف لے گئے تھے اور وہاں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز تھے۔ جب آنموصوف رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں خط پہنچا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیمی درس میں چھٹی کردی اور ایک تعزیتی اجلاس منعقد کیا اور پھر خط کا جواب ارسال فرماتے ہوئے تحریر کیا کہ مولانا غلام رسول رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مدت سے مجھ پر بڑا احسان تھا کہ میرے خطاب کے لائق طالب علم تیار کرکے بھیجتے تھے۔

نیز یہ بات بھی مولانا ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اُنہی کا تعلیم یافتہ طالب علم جب داخلے کے لئے حاضر ہوتا تو اس سے امتحان داخلہ نہیں لیتے تھے اور بغیر امتحان لیئے ہی

اپنے درس میں داخل فرما لیتے تھے۔ گویا کہ انہی کے تعلیم یافتہ طالب علم پر ان کا یہ علمی اعتماد تھا۔ دیگر یہ بات بھی یہاں عیاں ہوتی ہے کہ حضرت مولانا غلام رسول صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تبحر علمی اور تدریسی فوقیت کو کبار علماء تسلیم کرتے تھے اور اس کی نہایت قدردانی فرماتے تھے۔ ان دونوں اساتذہ کرام رحمۃ اللہ علیہم کی تعلیمی و تدریسی کاوش کی وجہ سے درسگاہ ہذا کا شہرہ عام تھا اور اپنے دور میں ان کی مشہوری باقی مدارس میں بھی تسلیم کی جاتی تھی اور ان حضرات سے تعلیم یافتہ علماء علمی میدان میں ایک اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔

باب سوم

درس وتدریس اور فتویٰ نویسی

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۴۳ء میں دار العلوم دیوبند سے دورۂ حدیث کر کے واپس لوٹے تو علماء سلف کی طرح تعلیم وتدریس اور تبلیغ دین کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا۔ اللہ کریم نے ان کو جتنا علم، جتنی صلاحیت، جتنی علمی وتدریسی مہارت، پھر تصنیف وتالیف میں جتنی پختگی اور تحقیق میں جتنی وسعت نظری عنایت فرما رکھی تھی، چاہتے تو اکثر علماء دین کی طرح ان صلاحیتوں کو کام میں لا کر ڈھیروں دنیا کما سکتے تھے۔ مولانا کی ڈائریوں سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے ہے کہ بعض دینی مدارس نے ان کی خدمات حاصل کرنے کی کوشش بھی کی مگر مولانا نے کبھی دین کو دنیا کمانے کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ قناعت اور تھوڑے پر گزارہ کر کے ساری زندگی دین کی خدمت کے لئے للہ فی اللہ وقف کر دی۔ اس اجمال کی تفصیل آئندہ سطور میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

تدریس کا آغاز:

انہوں نے سب سے پہلے اپنے برادر اکبر مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کے قائم کردہ ادارہ ''جامعہ محمدی شریف'' میں تعلیم وتدریس کا آغاز کیا۔ اس سلسلے میں آپ نے درس نظامی کی ابتدائی کتب سے لے کر منتہی کتب تک مختلف ادوار میں جو اسباق پڑھائے ان کی کچھ تفصیل آپ کی ڈائریوں میں موجود ہے۔ ان سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کو درس نظامی میں پڑھائے جانے والے تمام علوم وفنون پر دسترس حاصل تھی۔ صاحبزادہ ابوبکر صدیقی کے مطابق مولانا نے ۱۹۴۶ء سے ڈائری/ روزنامچہ لکھنے کا معمول بنایا۔ ان ڈائریوں میں ۱۹۴۶ء اور بعد کے سالوں میں آپ نے جو اسباق پڑھائے اور ان اسباق یا کلاسوں میں جو طلبہ شریک تھے، ان کا کئی جگہ تذکرہ ملتا ہے۔ مثلاً

۱۶ر فروری ۱۹۴۶ء کی تاریخ میں لکھا ہے: آج شرح وقایہ ثانی کی افتتاح ہوئی۔

۲۴ر اپریل ۱۹۴۶ء کی تاریخ میں لکھا ہے: کافیہ بعد از ہدایۃ النحو شروع ہونے والا ہے۔ کتابیں دے دی گئی ہیں۔

۲۴ر جولائی ۱۹۴۶ء کی تاریخ میں لکھا ہے: آج مولوی صدیق کوٹ سارنگ والہ کا ترجمۃ القرآن ختم ہوا۔ بفضلہٖ وعنہ۔ کل گھر چلے جائیں گے (گویا ایک طالب علم کو پڑھانے میں کوئی عار نہ تھا)۔

۱۱ر ستمبر ۱۹۴۶ء کی یادداشت میں لکھا ہے: آج ۱۴-۱۰-۱۳۶۵ھ (۱۱ر ستمبر ۱۹۴۶ء) کو افتتاح سال جدید تعلیمی ہوا ہے۔ عاجز خادم کے پاس مشکوٰۃ شریف، مقامات حریری، نور الانوار وغیرہ شروع ہوئی ہیں۔ اللہ

تعالیٰ برکت فرمائے۔ بحرمۃ النبی الکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔[1]

اسی طرح ۱۹۴۸ء کی ڈائری میں جامعہ محمدی کے اندر تعلیمی وتدریسی سرگرمیوں کے حوالے سے کئی یادداشتیں موجود ہیں مگر یہ ڈائری سوئے اتفاق سے دیمک خوردہ ہے اور زیادہ تر تاریخوں میں اطراف کے الفاظ دیمک کی نذر ہو گئے ہیں۔ بہرکیف اس میں ۸/جون/ ۲۹/رجب ۱۳۶۷ھ کی تاریخ میں ''تعلیمات'' کے عنوان سے لکھا ہے: ہدایہ اخیرین تا کتاب الاحیاء (اراضی مردہ کو آباد کرنا) ختم ہو کر بس کر دی گئی ہے۔ شرح وقایہ اخیرین نیز کتاب الکراہتہ تک ہو چکا ہے۔ شرح جامی بحث فعل تک ہو چکی ہے۔ مختصر معانی صنعۃ لفظی تک ختم کر دی تھی۔ بحمد للہ سال تمام ہوا۔ فللّٰہ الحمد اوّلاً و آخراً (آئندہ دیدہ باید)۔

۷/مئی ۱۹۴۹ء کی تاریخ میں درج ہے: آج مشکوٰۃ شریف ختم کی گئی ہے۔ عبدالرحمٰن، محمد احسن، محمد شفیق شریک سبق رہے۔ ۱۰/مئی ۱۹۴۹ء کی تاریخ میں درج ہے: ترجمہ کلام اللہ ختم کیا گیا ہے۔ محمد شفیق، عبدالرحمٰن موجود شریک سبق تھے۔ ابوداؤد شریف آخر کتاب السنہ تک پہنچ چکا ہے۔

۱۴/نومبر ۱۹۴۹ء: امتحان سہ ماہی بدھ، ۹/صفر ۱۳۶۹ھ سے حصہ عربیہ کا امتحان تحریری وتقریری ہوگا۔ ہم نے مندرجہ ذیل اسباق کی فہرست دے دی ہے۔ ۱۔ جلالین، ۲۔ مشکوٰۃ، ۳۔ ہدایہ اخیرین، ۴۔ ترمذی، ۵۔ متنبی، ۶۔ نفحۃ العرب، ۷۔ روضۃ الادب، ۸۔ روضۃ الادب دوسری۔

یکم مئی ۱۹۵۰ء: آج باعانت الٰہی جل مجدہ ترمذی شریف بمع شمائل ترمذی تمام ہوئی ہے۔ شرکاء سبق مولوی احمد بخش، حکیم مولوی عبدالرحمٰن، حافظ محمد شفیق، مولوی شاہ محمد، مولوی عبدالحق تھے۔ صوفی حامد علی نیز موجود تھے لیکن سامع ہیں۔ یہ پچھلے سال ختم کر چکے تھے۔

۱۴/مئی ۱۹۵۰ء: کان لنا الشغل بھذا السنۃ الجاریۃ درساً جلالین شریف (تا سورۃ مریم)، مشکوٰۃ شریف (تا ابواب المناقب للصحابۃ) ترمذی مع شمائل شریف (تمام)، نفحۃ العرب (اکثر حصہ)، روضۃ الادب (تمام)، بیضاوی (از ھوالذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا) تا ختم پارہ اول، ھدایۃ اخیرین ومتنبی کانا مشروعین الی شھرین ثم ترکا ۔

۲۷/مارچ ۱۹۵۱ء: حالیہ اسباق مشروعہ

۱۔ مشکوٰۃ شریف، حافظ حاجی غلام محمد چنیوٹی،، احسان الحق پشاوری۔

۲۔ میبذی، ظہور احمد، محمد احسن برخوردار وقیوم۔

[1] اس یادداشت میں ''عاجز، خادم اور بحرمۃ النبی الکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم'' کے الفاظ ان کی کسر نفسی اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقیدت ومحبت کا ثبوت ہیں۔

۳- مختصر المعانی بحث مسند الیہ، احسان الحق۔

۴- حسامی از قیاس، محمد احسن واحسان الحق۔

۵- ابوداؤد شریف، عبدالرحمٰن، عبدالحق علم الدین گلاب الدین ماما۔

۱۶/اگست ۱۹۵۱ء: ان دنوں اسباق

ہدایہ اولین:	(مولوی فاضل جماعۃ)
جلالین:	غلام احمد میانہ، جلال الدین عباس
گلستان بوستان:	محمد یار لالی، شیخ احمد، غلام محمد شاہ
ابوداؤد شریف:	(دورہ والے)
توضیح تلویح:	ریاض حافظ
قدوری:	نورزمان صدیق

۱۹/ستمبر ۱۹۵۱ء کی یادداشت میں مولوی فاضل کلاس کے نوطلبہ کے نام لکھے ہیں۔

۲۵/مئی ۱۹۵۰ء/ ۷/شعبان ۱۳۶۹ھ

مشکوٰۃ شریف مناقب خلفاء اربعہ تک ہو چکی ہے۔ باقی کا شاید اتمام نہ ہو سکے۔ امتحان قریب آ گیا ہے اور جانبین بھی قریباً تھک گئے ہیں۔ افسوس کہ اس سے آگے اتمام نہ ہو سکا۔

۲۹/مئی ۱۹۵۰ء/ ۱۱/شعبان ۱۳۶۹ھ

یوم الامتحان العامی۔ تحریری امتحانوں میں مشکوٰۃ اور ترمذی کا پرچہ بندہ نے تیار کیا۔ باقی حضرات بھی پرچے تیار کر کے امتحان لے رہے ہیں۔ بخاری کے سوالات میں سے ایک سوال خاص (لازمی) دیا گیا ہے۔ پرسوں دستار بندی کے لئے جلسہ ہوگا۔

دورہ کے شرکاء: مولوی احمد بخش جوئیہ، حافظ دین محمد امی، افضل صاحب بھروانہ (قاطع اللحیۃ) بخاری وغیرہ کے بعض اسباق میں تغلیباً شریک۔

۶/اگست ۱۹۵۰ء/ ۲۱/شوال ۱۳۶۹ھ

دورہ میں شرکاء مولوی عبدالرحمٰن، مولوی علم الدین مولوی محمد صدیق ملتانی ہیں۔ مولوی فاضل کے لئے خلیل اشرف، محمد یٰسین وغیرھم تیاری کر رہے ہیں۔

اسباق مشروعہ موجودہ

۱- مشکوٰۃ شریف: غلام عباس پیرکوٹی

۲۔ ہدایہ اولین: محمد احسن

۳۔ ابوداؤد شریف: دورہ والے (مذکورہ طلبہ)

۴۔ میبذی اور متن ہدایۃ الحکمۃ: مولوی عبدالرحمٰن

۵۔ حماسہ: برخوردار وغیرہ

۶۔ گلستان: محمد سعدی، عبدالغفور، محمد بخش گوندل وغیرھم

۵/دسمبر ۱۹۵۱ء کی یادداشت میں لکھا ہے: اسباق موجودہ مقامات ذیل پر جارہے ہیں:

۱۔ ہدایہ اولین حج کے ابواب قریب الاختتام۔

۲۔ ترجمہ قرآن مجید چھواں پارہ نصف تک۔

۳۔ بوستان باب پنجم کی کل ابتداء ہوگی۔

۴۔ گلستان باب ہشتم کل پرسوں سے شروع ہے۔

۵۔ ابوداؤد کتاب النکاح آج شروع ہوگی۔

۶۔ شرح عقائد ابتداء ہے۔

۲/جنوری ۱۹۵۲ء: اسباق مشروعہ

۱۔ ہدایہ اوّلین تا کتاب الرضاع ہوکر مولوی فاضل والوں نے چھوڑ دیا ہے۔ ان کا نصاب پورا ہوگیا ہے۔

۲۔ ابوداؤد شریف جلد اول ختم ہوا ہے۔ ثانی جلد بعون اللہ شروع ہوگا۔

۳۔ ترجمہ کلام اللہ آٹھواں پارہ ختم ہورہا ہے۔

۴۔ گلستان ختم ہوچکی ہے۔ بوستان آٹھواں باب جارہا ہے۔

۵۔ نخبۃ الفکر مع شرح مطاعن راوی کے مسائل جارہے ہیں۔ اللھم انفع ایّانا نفعاً کاملاً وارزقنا برکات العلم واھدنا ھدایۃ کاملۃً بیدك الخیر انك علی کل شیء قدیر○

المختصر بعد کی ڈائریوں میں بھی اسی طرح زیر تدریس اسباق اور ان میں شامل طلبہ کے نام بطور یادداشت ملتے ہیں[1] جن کا اندراج خواہ مخواہ کی طوالت کا باعث ہوگا۔

بہرکیف ایک طویل عرصہ تک مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ جامعہ محمدی میں تدریس کی خدمات سرانجام دیتے رہے اور اس تدریس میں ترجمہ قرآن مجید کے علاوہ درس نظامی کے ابتدائی سے لے کر انتہائی اسباق ان کے زیرِ درس رہے۔

[1] مثلاً دیکھئے: ۲/مارچ ۱۹۵۴ء، ۲۰/جولائی ۱۹۵۵ء، ۷/جون ۱۹۵۶ء، ۱۱/اکتوبر ۱۹۵۶ء (۷ عدد اسباق کی تفصیل)

تدریس کے بجائے انتظامی عہدہ قبول کرنے سے انکار:

جامعہ محمدی میں مولانا کی تدریس ذریعہ معاش کے طور پر تھی نہ وہ اس کا کوئی وظیفہ لیتے تھے۔ وہ یہ خدمت دینی جذبہ کے تحت للہ فی اللہ سرانجام دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جامعہ کی مجلس شوریٰ نے ایک مرتبہ اپنے اجلاس میں انہیں تدریس کے شغل سے الگ کر کے کوئی انتظامی عہدہ سپرد کرنے کی رائے دی تو مولانا نے صاف انکار کر دیا۔ چنانچہ مولانا نے ۲۷-۲۸ ستمبر ۱۹۵۳ء کی یادداشت میں جامعہ محمدی کی مجلس شوریٰ کے اجلاس کی کاروائی اور فیصلوں کی تفصیل میں لکھا ہے:

''ہفتم: میرے (محمد نافع) لئے پیش ہوا کہ ان کو تدریس سے الگ کر کے کوئی انتظامی عہدہ سپرد ہو مگر میں نے صاف عرض کیا کہ شغل تدریس نہیں چھوٹ سکتا۔ البتہ تدریس کے ساتھ ساتھ جو کام میسر ہو سکا اس کو تمام کرنے اور بجالانے کی کوشش کروں گا۔ ان شاء اللہ''

سبق کے ناغہ پر دُکھ کا اظہار:

مولانا نے تدریس کا شغل جیسا کہ اوپر گزرا، کسی ذریعہ معاش یا تنخواہ لینے کے لئے اختیار نہیں کیا تھا بلکہ محض دین کی خدمت کے جذبہ کے تحت تھا اس لئے اگر کبھی ناغہ ہو جاتا تو اس کا انہیں بڑا دُکھ اور رنج ہوتا۔ عام اساتذہ کی طرح چھٹی کے بہانہ کی تلاش نہ ہوتی تھی۔ ایک موقع پر سبق کا ناغہ ہوا تو اس پر یوں دُکھ کا اظہار کیا:

''آج صبح سویرے قرآن مجید کے سبق کے بعد رجوکہ معرکہ محمد یار واحمد ولد راجہ ساکنان ڈھلو والی و بھائی خان رجوکہ ''بلوآنہ'' میں کپتان کے پاس ایک سفارش کے سلسلہ میں جانے پر مجبور کیا کہ ضرور وہاں تک جانا ہے۔ آخر بھائی خان کے اصرار کی وجہ سے انکار نہ ہو سکا۔ سبق دینی چھوڑ کر چلنا بڑا برا معلوم ہوا۔''
(ذاتی ڈائری مؤرخہ ۴ ردسمبر ۱۹۵۲ء)

جامعہ کے تعلیمی نظام میں بہتری کی فکر:

مولانا جامعہ محمدی کے شعبہ عربی یا دارالعلوم سے منسلک تھے۔ اسی شعبہ میں تدریس کی ذمہ داری انہوں نے اپنے ذمے لے رکھی تھی۔ انتظامی معاملات عموماً دوسرے حضرات کے سپرد رہے۔ مولانا اس معاملے میں وقتاً فوقتاً ذمہ دار حضرات کو بلا کر اپنے قیمتی مشورہ سے نوازتے رہتے۔ اس کے باوجود انتظامی معاملات میں کوتاہی یا کمی بیشی نظر آتی تو اس پر افسوس کا اظہار کرتے تھے۔ مثلاً ایک یادداشت میں لکھا ہے:

''تعلیمی نظام ہمارے معرکہ کا اچھا نہیں ہے۔ اوقات کی پابندی ہے نہ بروقت تعلیم شروع ہوتی ہے۔ بہت سا وقت ضائع ہوتا ہے۔ اللہ رحم فرمائے۔'' (ذاتی ڈائری مؤرخہ ۲۰ راگست ۱۹۵۰ء)

اسی طرح ایک یادداشت میں زیر نظر معاملے میں اپنے دُکھ کا اظہار یوں کیا ہے:

''حصہ عربیہ کی تدریسی تعلیمی حالت نہایت کمزور ہے۔ مولوی فاضل والے تین آدمی محمد شفیق، شاہ محمد، محمد حنیف ملتانی امتحان کے لئے آج گئے ہیں۔ کچھ طلبہ ویسے حسب عادت سابقہ بے انتظامی کے باعث مفرور ہو گئے ہیں۔'' (ذاتی ڈائری مؤرخہ ۴ رمئی ۱۹۵۱ء)

طلبہ کی اصلاح وتربیت کا احساس:

طلبہ کے نصاب کی تعلیم وتکمیل کے ساتھ ساتھ ان کی ذہنی وفکری اصلاح اور اخلاقی تربیت بھی استاذ کا بنیادی فریضہ ہوتا ہے۔ استاذ کی طرف سے اس فریضہ کی ادائیگی کے باوجود طلبہ غلط حرکات کے مرتکب ہوں تو استاذ کو دُکھ ہونا ایک فطری امر ہے۔ کئی مواقع پر جامعہ محمدی میں زیر تعلیم طلبہ کی طرف سے اس قسم کی حرکات کا اظہار ہوا تو مولانا کو اس پر بڑا دُکھ پہنچا اور اپنی یادداشتوں میں اس کا اظہار کیا۔ مثلاً جامعہ محمدی کے قریب موضع برخوردار میں ہر سال ۲۰ ر پھاگن/ ۳ر مارچ کو ''سنگ'' کے نام سے ایک میلہ لگتا ہے۔ بچوں اور جوانوں کو اس قسم کے میلوں ٹھیلوں میں جانے کا بطور خاص شوق ہوتا ہے۔ ایک موقع پر جامعہ کے طلبہ کو اس میلہ میں شرکت سے منع کیا گیا۔ اس کے باوجود بعض طلبہ چلے گئے تو اس پر مولانا نے اپنے تاثرات کا اظہار یوں کیا:

''مقامی میلہ برخوردار والے کی شرکت سے طلبہ عربی کو تمام مدرّسین عربی نے منع کیا۔ اہل علم کی شرکت ایسے لغویات میں نازیبا ہے۔'' (ذاتی ڈائری مؤرخہ ۳ر مارچ ۱۹۴۹ء)

چند سالوں کے بعد طلبہ نے پھر یہی حرکت کی تو مولانا نے اپنی یادداشت میں لکھا:

''آج طلبہ حصہ عربی کو زبانی وتحریری تنبیہ کی گئی کہ مقامی میلوں میں شریک نہ ہوں مگر ان لوگوں (بڑوں) نے بڑی شرارت کی اور رخصت کی درخواست صدر صاحب کو بھجوا دی اور خود میلہ میں چلے گئے۔ اللہ یجزیھم عن ھذہ'' (ذاتی ڈائری مؤرخہ ۳ر مارچ ۱۹۵۴ء)

طلبہ کے فرار پر افسوس:

دینی مدارس کے بعض طلبہ کو ''ثُمَّ خَیْر'' کا مرض لاحق ہوتا ہے۔ جس کے نتیجے وہ ایک مدرسے سے فرار ہو کر دوسرے اور کچھ عرصہ کے بعد تیسرے مدرسے میں چلے جاتے ہیں۔ جامعہ محمدی کے چند طلبہ جب اس مرض میں مبتلا ہوئے تو اس پر مولانا نے اپنے دُکھ اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے لکھا:

''طلبہ فرار، روپوشی طلبہ حصہ عربیہ میں کئی دنوں سے چل رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتری فرمائیں۔ بہت طلبہ فرار ہو چکے ہیں۔ قد فسد ھذا الماحول وخربت الاخلاق وبدأ ما بدأ الآن کیف یعود الاصلاح وانی یؤل السداد'' (ذاتی ڈائری مؤرخہ ۲۸ر جنوری ۱۹۵۰ء)

طلبہ کے اس فرار میں اضافہ ہوا تو مولانا نے اپنی یادداشت میں لکھا:

''طلبہ کا فرار۔ یہ قضیہ روز افزوں ترقی پر ہے۔ قد رتب افکار اهل الغرض فیه بالقربة هذه القضیة جارٍ وسارٍ کیف نذکره و کیف لاننذکره هذا من نتائج اهل الهوی۔ سید مراتب علی نیز فرار کنندگان میں ہے۔'' (ذاتی ڈائری مؤرخہ ۵رفروری ۱۹۵۰ء)

اسی طرح باقی طلبہ امتحان سے راہ فرار اختیار کرتے ہوئے گھروں کو چلے گئے تو مولانا نے اپنی یادداشت میں لکھا:

''فرّ یفرّ۔ الطلبة العربیة یروحون الی اهلهم یستریحون من کلفة الامتحان۔ ماالضابطة یمنعهم منه هل هذا الا من عدم اکتراث امور الانتظامیة فالی الله المشتکی'' (ذاتی ڈائری مؤرخہ ۱۹راپریل ۱۹۵۰ء)

طلبہ میں شوق علم کی قلت پر ملال:

''المرء یقیس علی نفسه'' (آدمی دوسروں کو اپنی ذات پر قیاس کرتا ہے) کے مقولہ کے مطابق مولانا طلبہ میں علم کا شوق دیکھنا چاہتے تھے۔ مگر وہ شوق ہر آدمی کے بس کا روگ نہیں۔ اس حوالے سے مولانا کی ایک درد بھری یادداشت ملاحظہ ہو:

''شوق علم کی قلت: عیدالاضحیٰ کی چھٹیوں کو آج سے شروع سمجھئے۔ نویں (یوم عرفہ) تک صبر کرنا دشوار ہو گیا ہے۔ اسکول والوں کے رشک میں ہمارے طلبہ بھی بیچارے بے چین نظر آتے ہیں۔ چونکہ چودہ ذی الحجہ کو ضلعی سنی کانفرنس ہو رہی ہے لہٰذا پورے دس دن چھٹی ہوگی۔ اس پر طلبہ بڑے مسرور ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے علم کا شغل مقصد ہی نہیں رہا۔'' (ذاتی ڈائری مؤرخہ ۲۹رستمبر ۱۹۴۹ء)

جامعہ عربیہ چنیوٹ میں تدریس:

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جوانی کی تمام توانائیاں، پھر ادھیڑ عمر اور بڑھاپے کا سارا تجربہ بھی للہ فی اللہ جامعہ محمدی کے لئے وقف کئے رکھا۔ جامعہ کے بانی اور بڑے بھائی مولانا محمد ذاکر کے دست و بازو بنے رہے۔ تدریس کے ساتھ ساتھ دارالافتاء میں فتویٰ نویسی کی اہم ذمہ داری، دارالکتاب/کتب خانے کا انتظام و انصرام، جامعہ کی مسجد میں خطابت کے فرائض اور دفتر کے انتظامی امور میں بھائی جان کی معاونت وغیرہ جیسی گوناں گوں خدمات اور ذمے داریاں نبھاتے رہے۔ البتہ تھوڑے سے عرصہ کے لئے جامعہ عربیہ چنیوٹ کو آپ کی خدمات حاصل کرنے کا موقعہ ملا۔ جامعہ عربیہ کے مہتمم مولانا منظور احمد چنیوٹی کو بوجوہ جامعہ عربیہ سے کچھ دنوں کے لئے باہر جانا تھا تو جامعہ کا نظام چلانے اور ان کی جگہ تدریس کے لئے جامعہ کو مولانا محمد نافع کی خدمات کی

ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ مولانا نے ۷ر دسمبر ۱۹۶۱ء کی ڈائری/ یادداشت میں لکھا ہے:

''رات جامعہ عربیہ چنیوٹ میں عارضی وقفہ کے لئے تدریسی سلسلہ میں پہنچا ہوا ہے۔ حافظ مشتاق احمد (مہتمم)، حافظ شیر محمد اور مولانا منظور احمد چنیوٹی سے ملاقات ہوئی۔ کچھ وقفہ کے لئے ان کو ایک مدرس کی ضرورت درپیش ہے لہٰذا یہاں کام کرنا ہوگا۔''

اس کے بعد لکھا ہے: ''آج ہی اسباق کا کام شروع کر دیا گیا۔''

پھر ۸ر دسمبر ۱۹۶۳ء کی یادداشت میں ''موجودہ مجوزہ اسباق'' کے تحت درج ذیل اسباق لکھے ہیں:

''جلالین (پارہ ۱۶ سے جاری)، نحو میر، البلاغۃ الواضحۃ، علم الصیغہ، شرح نخبۃ الفکر، الفوز الکبیر، نور الانوار۔''

۲۱ر جولائی ۱۹۶۴ء کی ڈائری میں آپ کے جاری اسباق میں مندرجہ ذیل کتب بھی درج ہیں: شرح عقائد نسفی، توضیح التلویح، دروس النحو، ہدایہ اوّلین، مالا بدمنہ، اتمام الوفا۔

جامعہ محمدی میں واپسی:

مولانا کی ڈائریوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے جامعہ عربیہ (چنیوٹ) جانے میں جہاں مولانا منظور احمد چنیوٹی کی عدم موجودگی کے باعث ایک مدرس کی ضرورت تھی وہاں جامعہ محمدی میں بعض انتظامی معاملات میں اپنے بھائی جان مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ سے اختلافات بھی تھے۔ بڑے بھائی ہونے کے ناطے سے ان کا احترام بھی ملحوظ تھا۔ ان سے زیادہ الجھ بھی نہیں سکتے تھے۔ اس لئے انہوں نے کچھ عرصہ کے لئے ایک سائیڈ پر ہو جانا مناسب سمجھا۔ مگر بڑے بھائی جان کے لئے اپنے اس مخلص بھائی کی جامعہ محمدی سے علیحدگی اور گھر سے دوری زیادہ دیر تک برداشت نہ ہو سکی۔ چنانچہ انہوں نے بھائی کو واپس لانے کے لئے علاقہ کے دو معتبر اور معزز افراد پر مشتمل ایک وفد جامعہ عربیہ چنیوٹ بھیجا اور یہ وفد مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کو واپس جامعہ محمدی لے آیا۔ واپسی کی یادداشت قلمبند کرتے ہوئے موصوف نے ۴ر اگست ۱۹۶۴ء کی ڈائری میں لکھا ہے:

''یوم الفراغ۔ آج میاں حسام الدین سمندری[1] اور حافظ غلام مصطفیٰ مولانا مہتمم صاحب کی طرف سے واپسی والے قصے[2] کے لئے میاں؟؟؟؟ صدر حاجی اسماعیل و مہتمم حافظ مشتاق احمد کے پاس پہنچے ہیں۔ انہوں

---

[1] سمندری سے مراد قریبی موضع سمندر کے رہنے والا ہے۔

[2] ''واپسی والے قصہ'' کے الفاظ سے مترشح ہوتا ہے کہ جامعہ محمدی کے مہتمم مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے اپنے بھائی کے واپسی کے لئے جامعہ عربیہ چنیوٹ کی انتظامیہ سے بات چیت ہو رہی ہوگی۔ مہتمم مذکور کے مذہبی اور سماجی مرتبہ ومقام اور عزت واحترام کے پیش نظر جامعہ عربیہ کی انتظامیہ نے بھی ان کی خواہش کو پورا کرنا شرعاً اور اخلاقاً ضروری سمجھا ہوگا۔ اس لئے انہوں نے مولانا محمد نافع سے پوچھے بغیر ان کی واپسی کی اجازت دے دی۔ جس پر مولانا کو تعجب ہوا اور شکایت بھی۔ جس کا اظہار ''ھو عدم المبالات'' کے الفاظ سے ہو رہا ہے۔

نے واپسی کی اجازت لکھ کردی ہے اور مجھے اطلاع ہی ندارد ہے۔ ھذا ھو عدم المبالات"

مولانا شاہ محمد (خطیب مسجد بیت السلام گلبرگ بی بلاک لاہور) نے ایک ملاقات میں راقم سے گفتگو کے دوران ذکر کیا کہ مولانا محمد ذاکرؒ نے مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کو واپس لانے کے لئے انہیں بھی کہہ رکھا تھا۔ وہ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے بے تکلف بھی تھے۔ چنانچہ ایک دن لاہور سے مولانا اور جامعہ محمدی کے انتہائی مخلص و معاون ملک رمیض احمد کے ہمراہ گاڑی پر آئے۔ گاڑی جامعہ عربیہ چنیوٹ کے گیٹ پر سٹارٹ کھڑی رکھی اور اندر جا کر مولانا کو ملک رمیض سے سلام دعا کے بہانے باہر لائے اور گاڑی میں زبردستی بٹھا کر جامعہ محمدی میں واپس لائے۔ اس کے بعد مولانا ہمیشہ کے لئے جامعہ محمدی کے واسطے وقف ہو کر رہ گئے۔

بہرحال واپس آکر حسب سابق تعلیم و تدریس اور جامعہ محمدی کی خدمت میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ واپس پہنچ کر انہوں نے جو اسباق پڑھانے شروع کئے وہ ڈائری کی تحریر کے مطابق مشکوٰۃ شریف، ہدایہ جلد ثانی، حسامی، موطا امام مالک وغیرہ۔ ان اسباق میں شامل بعض طلبہ کے نام بھی انہوں نے اپنی یادداشت (ڈائری) میں درج کئے ہیں۔ مثلاً محمد صدیق، عبدالقادر، محمد حسن، فضل حسین، عبدالحمید، مولوی محمد غوث، مولوی ممتاز، مولوی شجاعت علی۔

دورۂ حدیث کی کلاس کے اسباق:

کسی بھی دینی مدرسہ میں دورۂ حدیث کی ضرورت و اہمیت اور حیثیت چنداں محتاج وضاحت نہیں یہ درس نظامی کے منتہی طلبہ پر مشتمل کلاس ہوتی ہے جسے عموماً صحاح ستہ وغیرہ کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ مولانا نے ۱۵ رفروری ۱۹۴۲ء کی ڈائری میں لکھا ہے کہ جامعہ محمدی میں بھی دورۂ حدیث کا افتتاح ہوا اور اس میں مولانا نے جو اسباق پڑھائے وہ صحیح بخاری جلد ثانی، مسلم شریف مکمل اور نخبۃ الفکر تھے۔ اس کلاس میں شامل طلبہ مولوی منیر الزمان (کوٹ جاندر، میانوالی)، مولوی یعقوب (کوٹ شاکر ماڑی سخیرہ)، قاضی ظہور احمد (منکینی) اور مولوی سید فضل حسین (پیر کوٹ سدھانہ) تھے۔

مولانا کی ڈائریوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ دورہ کی یہ کلاس جامعہ محمدی میں مسلسل جاری نہیں رہ سکی۔ یعنی ہر سال دورہ نہیں ہوتا رہا بلکہ اس کے اندر وقفہ آتا رہا ہے۔ ایک طویل وقفہ کے بعد دوبارہ ۱۹۷۵ء میں جا کر شروع ہو سکی۔ مولانا کی ڈائری کے مطابق اس کلاس کا آغاز ۲۳ راکتوبر ۱۹۷۵ء کو ہوا۔ اس کلاس کو پڑھانے والے اساتذہ مولانا محمد نافع، مولانا محمد شریف اور مولانا نصیر الدین رحمہم اللہ تھے اور اس کلاس میں راقم کے علاوہ جناب حافظ محمد حیات مرحوم (ساکن موضع کانویں والا تحصیل لالیاں ضلع چنیوٹ)، جناب حافظ میاں علم الدین مرحوم (محمدی شریف)، جناب حافظ احمد یار مرحوم (محمدی شریف، استاذ گورنمنٹ کالج بھوانہ)، جناب محترم محمد علی

(ساکن موضع سلمان تحصیل بھوانہ ضلع چنیوٹ) اور جناب حافظ محمد انور (ساکن چک ۲ ٹھنیکا۔ استاذ گورنمنٹ کالج چناب نگر) شامل تھے۔

تحقیق وتصنیف کا کام:

مولانا سید احمد شاہ چوکیروی رحمۃ اللہ علیہ جیسے اجل اور محقق ومصنف قسم کے اساتذہ نے مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے اندر طبعی وفطری طور پر موجود علمی تحقیق وجستجو کے ذوق کو ان کے طالب علمی کے زمانے سے ہی مہمیز لگادی تھی۔ چنانچہ جب وہ اپنی دینی تعلیم مکمل کر چکے اور دورہ حدیث سے فارغ ہو کر، جیسا کہ پیچھے گزرا، جامعہ محمدی میں چند انتظامی ذمہ داریوں کے علاوہ دارالعلوم میں پڑھانا بھی شروع کیا تو ساتھ ہی اپنے طبعی ذوق کے مطابق بعض مسائل کی تحقیق اور تصنیف وتالیف کا کام بھی شروع کر دیا۔

تصنیف وتالیف سے دلچسپی رکھنے والے اہل علم جانتے ہیں کہ یہ کام کتنی توجہ، انہماک، یکسوئی، محنت، پتہ ماری، عرق ریزی اور ایثار وقربانی کا متقاضی ہے۔[1] اس کے باوجود تاریخ گواہ ہے کہ اللہ کریم نے جن لوگوں سے خدمت دین کا یہ کام لینا ہوتا ہے حدیث نبوی: کل میسر لما خلق لہ، (ہر آدمی کو جس مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہو وہ کام اس کے لئے آسان کر دیا جاتا ہے)[2] کے مطابق ان کے لئے وہ کام آسان کر دیا جاتا ہے۔ انہیں ایسا ذوق، ایسی لگن، ایسا جذبہ، ایسی توفیق، اتنی ہمت اور اتنا حوصلہ دے دیا جاتا ہے کہ اس راہ کی مشکلات ان کے لئے مشکلات ہی نہیں رہتیں بلکہ وہ اس جان جوکھوں کے کام میں ایک لذت اور مسرت محسوس کرتے ہیں۔

پھر جس موضوع پر تحقیق کرنی مطلوب ہو اس سے متعلقہ تمام بنیادی وثانوی مآخذ اور مصادر ومراجع کا ہونا بھی از بس لازم ہے۔ بڑے شہروں میں عموماً کئی ایک سرکاری اور پرائیویٹ لائبریریاں اور کتب خانے موجود ہوتے ہیں۔ ایک محقق کو حوالہ کے لئے درکار کوئی کتاب ایک جگہ نہیں ملتی تو دوسری جگہ مل جاتی ہے اور یوں محقق کے لئے کام نسبتاً آسان ہو جاتا ہے مگر مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے جس دور دراز دیہات میں یہ تحقیق اور تصنیف و تالیف کا کام شروع کیا وہاں جامعہ محمدی کے ایک کتب خانہ کے سوا قریب قریب کوئی لائبریری موجود نہیں تھی۔ مذکورہ کتب خانے میں بھی ایک ایک کتاب منگوانے کے لئے بار بار انتظامیہ کو توجہ دلانا پڑتی تھی اور کئی حوالہ جات

---

[1] راقم کے ایک استاذ تصنیف وتحقیق جیسے محنت طلب کام کے حوالے سے از راہِ تفنن یہ فرمایا کرتے تھے کہ جس عالم دین کو ایک تقریر اور خطاب کے بدلے میں دس پندرہ ہزار روپے کا نذرانہ مل جائے اسے کتے نے کاٹا ہے کہ وہ راتوں کو بیٹھ کر کتابوں سے حوالہ جات تلاش کرے اور ورق گردانی کرے۔ خطاب کا یہ ریٹ تو ۲۰۔۲۵ سال پرانا ہے۔ اب تو کئی گنا زیادہ ہو چکا ہے۔ خطاب کے دوران نچھاور کئے جانے والے نوٹ اس کے علاوہ ہوتے ہیں۔

[2] دیکھئے: بخاری: الجامع الصحیح (کتاب التوحید باب قول اللہ ولقد یسرنا القرآن للذکر) ۲/۱۱۲۶ طبع کلاں قدیمی کتب خانہ کراچی، امام مسلم: الجامع الصحیح (کتاب القدر باب کیفیۃ خلق الآدمی......الخ) ۲/۳۳۴ طبع کلاں نور محمد کراچی۔

کے لئے انہیں فیصل آباد اور لاہور کے علاوہ پیر جھنڈا (سندھ) تک جانا پڑا۔

پھر مذکورہ حدیث نبوی کے مطابق اس مشکل ترین اور انتہائی محنت طلب کام کے لئے اللہ نے انہیں ایسی لگن توفیق بلکہ دُھن عنایت فرمائی کہ اس کی بدولت دفاع وتحفظ ناموس صحابہ واہل بیت جیسے خاصے مختلف فیہ اور انتہائی نازک موضوع پر ان کی درجن بھر کتابیں منظر عام پر آئیں۔ جن اہل علم نے ان کتابوں کو دیکھا ہے وہ یقیناً اس بات کی تائید کریں گے کہ یہ اپنے موضوع پر انتہائی مستند اور قرآن وحدیث کے علاوہ تفسیر، شروح احادیث، رجال، جرح وتعدیل اور تاریخ کی بنیادی مآخذ ومراجع سے ماخوذ مواد پر مشتمل روایت ودرایت کے اصولوں پر مبنی اور تحقیق ونکتہ آفرینی کا شاہکار ہیں۔ عصر حاضر کے بعض مصنّفین پر "کثیر التصانیف" بننے کا بھوت سوار ہے اور وہ سرقہ، قینچی اور کٹ پیسٹ سے کام لے کر اس شوق کی تسکین کا سامان کرتے ہیں مگر مولانا کی ساری تحریریں آج بھی اس بات پر گواہ ہیں کہ انہوں نے اپنی کسی بھی کتاب میں کوئی پیراگراف تو بہت دور کی بات ہے ایک جملہ بھی سرقہ نہیں کیا۔ ان کے سارے مصادر ومراجع بنیادی ہیں اور جس ماخوذ ومصدر سے کوئی چیز لی ہے اس کا باقاعدہ حوالہ دیا ہے۔ کوئی ثانوی مآخذ آیا ہے تو اسی صورت میں جب کہ مقدور بھر تلاش کے باوجود بنیادی مآخذ نہیں مل سکا۔ مولانا کی تمام تصانیف کا تفصیلی تعارف آگے ایک مستقل باب میں آئے گا۔

فتویٰ نویسی:

ہر مسلمان مرد وعورت کے لئے ممکن ہے نہ شریعت کا مطلوب کہ وہ تفقہ فی الدین یعنی دین کے اندر گہری فقہی بصیرت اور تمام شرعی احکام ومسائل کا براہ راست علم حاصل کرے اور غیر منصوص مسائل میں استنباط و استخراج احکام کی صلاحیت پیدا کرے۔ شرعی نقطۂ نظر سے یہ چیز فرض کفایہ ہے۔ ہر علاقہ میں دو چار آدمی اس درجہ کی فقہی واجتہادی بصیرت اور تمام شرعی علوم واحکام پر دسترس رکھتے ہوں تو سب اہل اسلام کی طرف سے یہ فریضہ ادا ہو جاتا ہے۔

اسلامی تاریخ کے ہر دور اور ہر علاقے میں بحمد للہ آج تک علماء حق امت مسلمہ پر عائد اس فریضہ کو ادا کرتے آرہے ہیں۔ عامۃ المسلمین دین، عبادات، مناکحات، تجارت، معاشرت، لین دین، حکومت، سیاست، معیشت وغیرہ کے معاملات میں پیش آنے والے مسائل کے احوال اور واقعات کے اندر شرعی حکم معلوم کرنے کے لئے علماء دین کی طرف رجوع کرتے ہیں اور وہ پیش آمدہ صورت واقعہ اور مسئلہ کا شرعی حکم بتا دیتے ہیں۔ اسی چیز کا نام اصطلاح میں استفتاء اور افتاء یا فتویٰ نویسی ہے۔ دوسرے اور آسان لفظوں میں کسی بھی صورت واقعہ پر شریعت مطہرہ کا حکم بیان کرنا فتویٰ کہلاتا ہے۔

فتویٰ نویسی یا افتاء کی ذمہ داری شرعی اعتبار سے بڑی نازک ذمہ داری اور حساس معاملہ ہے۔ یہ ہر

خطیب، ہر مولوی، ہر علامہ، ہر شعلہ بیان اور خوش الحان مقرر اور ہر فن خطابت کے ماہر اور الفاظ کا جادو جگانے والے نقیبانِ محفل کے بس کا روگ نہیں۔ نہ ہی یہ کسی عوامی شہرت کے حامل واعظ کا کام ہے بلکہ اس کے لئے قرآن وحدیث، فقہ واصول فقہ، فقہی جزئیات اور ائمہ فقہ کے اجتہادات، اقوال وآراء سے واقفیت کے علاوہ دیگر کئی علوم وفنون دینیہ پر نظر ہونا ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مفتی کا صاحبِ تقویٰ وطہارت ہونا بھی ضروری ہے۔ افتاء یا فتویٰ نویسی کا معاملہ اس لئے نازک اور حساس ہے کہ مستفتی (فتویٰ لینے والا یا شرعی مسئلہ پوچھنے والا) تو متعلقہ مسئلہ میں مفتی پر اعتماد کرتے ہوئے اس کے فتویٰ یا جواب کے مطابق عمل کر گزرے گا مگر فتویٰ غلط ہونے اور تیر تکا ہونے کی صورت میں اس کا سارا دنیوی واخروی بوجھ مفتی پر ہوگا۔ اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ بفحوائے حدیث اگر مفتی یا قاضی اپنی طرف سے پوری دیانتداری اور ذمہ داری سے فتویٰ دیتا ہے تو خطاء کی صورت میں بھی ایک اجر کا مستحق ٹھہرتا ہے لیکن یہ اُس وقت ہے جب مفتی کے اندر افتاء کی تمام شرائط پائی جاتی ہوں اور وہ اپنی ذمہ داریوں سے کماحقہ آگاہ ہو۔ فتویٰ کے اثرات، نتائج اور تقاضوں سے پوری طرح باخبر ہو ورنہ یہ فتویٰ اخروی گرفت کے علاوہ دنیا میں بھی بعض اوقات وبالِ جان اور مشکلات کا باعث بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے اسلاف فتویٰ دینے میں انتہائی احتیاط برتتے ہوئے سائل کو اپنے سے کسی بڑے عالم ومفتی کی طرف بھیج دیتے تھے۔

جامعہ محمدی کے ارد گرد دور دور تک اس پایہ کا کوئی عالم دین نہ تھا اور مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ کریم نے افتاء کی شرعی صلاحیت دے رکھی تھی اس لئے لوگ شرعی مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے اور وہ اس معاملے میں انتہائی احتیاط اور جانچ پرکھ کے بعد فتویٰ دیتے تھے۔ ان کا یہ طرزِ عمل بعض لوگوں/سائلین پر ناگوار بھی گزرتا مگر مولانا کو شریعت کے مقابلے میں لوگوں کی ناراضگی کی پروا نہیں ہوتی تھی۔

بعض استفتاءات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں مولانا کو شرحِ صدر نہیں ہوتا تھا تو انہیں کسی دوسرے بڑے مفتی سے اس کا جواب پوچھنے میں کوئی عار نہ ہوتا تھا۔ علاوہ ازیں جامعہ محمدی کے ایک دوسرے مدرس اور فاضل مولانا محمد شریفؒ بھی معاونت فرماتے اور بسا اوقات وہ خود بھی فتویٰ دیتے تھے۔

مولانا نے جامعہ محمدی میں تدریس کے آغاز سے اپنی وفات تک زبانی اور تحریری طور پر فتویٰ نویسی کا فریضہ سرانجام دیا مگر المیہ یہ ہے کہ بعض دیگر دارالافتاء کی طرح ان فتاویٰ کا باقاعدہ ریکارڈ یا کاپی نہ رکھی جاتی ورنہ آج اچھا خاصا اور ضخیم فتاویٰ موجود ہوتا۔ محترم صاحبزادہ ابوبکر صدیقی نے بڑی محنت کے بعد چند استفتاء اور ان کے جوابات کی کاپیاں مہیا کی ہیں۔ ذیل میں ان فتاویٰ جات سے فتویٰ نویسی میں مولانا کی کمال احتیاط اور دسترس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

بہن کے ترکہ میں اکیلی بہن کی وراثت کا مسئلہ:

مندرجہ صورت استفتاء اگر صحیح ہے اور کوئی وارث مندرجہ نقشہ کے بغیر موجود نہیں، نہ کوئی دادیال میں اور نہ ہی کوئی وارث ننہال میں یعنی متوفیہ عورت کی ایک بہن حقیقی موجود ہے اور ایک نواسہ موجود ہے اور تین ماموں زاد بھائی موجود ہیں تو اس صورت میں بہن ذوی الفروض میں سے ہے۔ یہ نصف ترکہ پہلے حاصل کرے گی اور نواسہ اور ماموں کے بیٹے ذوی اللہ عام ہونے کی وجہ سے محروم ہوں گے۔ پھر بقایا نصف اسی بہن کو (بطریق الرد) ملے گا۔ فلہٰذا یہ بہن اس صورت میں کل مال کی وارث ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

محمد نافع/محمدی شریف (۱۰-۰۲-۸۵ھ/ ۱۲-۰۶-۱۹۶۵ء)

استفتاء

کہ مسماۃ زیاداں متوفیہ کی جائیداد میں مندرجہ ذیل شجرہ میں کون کون سے شرعی وارث بن سکتے ہیں:

مراداں (متوفیہ) موںداں (متوفیہ) بھائی (زندہ)

نورا (متوفی قبل زیاداں) نوراں (فوت شدہ قبل زیاداں)

محمد اسحاق محمد وارث

نوراں بکھی

تقسیم وراثت کا ایک مسئلہ:

الاستفتاء

مندرجہ ذیل صورت میں میت کے وارثان زندہ موجود ہیں۔ ان میں میت کے ترکہ کی تقسیم شرعاً کیسے صحیح ہوگی۔ تقسیم ترکہ کی توضیح فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

مسماۃ بھاگ بھری

خاوند ایک بہن حقیقی ماں چچا

موضع نکہ دولتانہ ڈاکخانہ سکول خانو آنہ ضلع جھنگ

الجواب وباللہ التوفیق

اگر پیش کردہ بالا صورت واقعہ میں صحیح اور درست ہے تو اس کا جواب شرعاً ذیل میں درج ہے۔ پہلے چھ سے تصور ہوگا اور بعد العول آٹھ سے بنایا جائے گا۔

مسئلہ ۶ بعد العول ۸

اصل سے خاوند کو نصف ملے گا اور بہن کو بھی نصف ملے گا اور ثلث ماں کو ملے گا۔ اس کا نقشہ ذیل ہے:

خاوند ایک بہن حقیقی ماں حقیقی چچا

۳ ۳ ۲ مرحوم

دستخط مولانا محمد نافع و مولانا محمد شریف

۸۷-۰۲-۱۹ / ۶۷-۵-۳۰

مسجد کے لئے وقف جگہ پر مصالح مسجد کے لئے دُکانیں تعمیر کرنے کا مسئلہ:

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین درج ذیل مسئلہ میں:

ایک زمین چاہی مزروعہ بالکل شہر کے متصل چلی آتی ہے اس کے کچھ حصہ میں دو تین قبریں بن گئیں۔ قبروں کی جگہ علیحدہ وقف نہیں کی گئی تھی۔ کچھ مدت کے بعد مزید قبریں بننا بند ہوگئیں (جسے عرصہ تقریباً ۴۰ سال گزر چکا ہے) جو قبریں بنی تھیں ان میں سے صرف ایک قبر باقی رہ گئی۔ اس کے قرب وجوار جو اہل محلہ (مالکان زمین کے علاوہ) تھے انہوں نے زمین خرد برد کرنی شروع کی۔ جب انہی لوگوں نے باقاعدہ قبضہ جمانے کی کوشش کی تو مالکان زمین نے ۱۹۴۰ء میں بعدالت دیوانی دعویٰ دائر کر دیا جس کے فیصلے کی رو سے مدعا علیہم قبضہ کرنے یا ذاتی اغراض کے لئے استعمال کرنے سے باز رہے لیکن کچھ عرصہ کے بعد اسے اپنے استعمال میں لانے لگ گئے حتّٰی کہ) شادی غمی کے موقعہ پر دیگیں وغیرہ پکانے، جانور باندھنے، کوڑا کرکٹ پھینکنے سے بھی دریغ نہ کرتے۔ مالکان ان تصرفات اور غلط حرکات سے منع کرتے کرتے تنگ آ گئے۔ آخر کار مالکان نے یہ جگہ مملوکہ مسجد چراغ کے نام ھبہ بذریعہ انتقال کردی۔ اب مالکان اس جگہ پر جہاں کسی قبر کا نشان مدت مدید سے نہیں ہے مسجد کے مفاد کے پیش نظر چند دُکانات تعمیر کرنا چاہتے ہیں جس میں فریق ثانی مزاحم ہے۔

۱- کیا وہ جگہ جس پر چند قبریں بنائی گئی ہوں وہ محض قبروں کی وجہ سے وقف شمار ہوگی جبکہ اسے باقاعدہ وقف نہیں کیا گیا اور نہ ہی وقف نامہ موجود ہے نہ ہی موجودہ مالکان اسے وقف سمجھتے ہیں اور نہ ہی کہتے ہیں۔

۲- مالکان کے لئے اس جگہ کو مسجد کی ضروریات کے لئے مخصوص کرنا درست ہے یا نہیں۔

۳- مسجد کی ضروریات کے لئے اس جگہ کا وقف ہوجانے کے بعد مسجد کی ضروریات کے لئے دُکانات مکانات تعمیر کرنا درست ہے یا نہیں۔

۴- جو جگہ مسجد کے مفاد اور ضروریات کے لئے مالکان نے وقف کردی اسے کسی ذاتی غرض کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

محمد شفیع راجپوت، محلہ کمانگراں

نحمدہٗ ونصلی علی رسوله الكريم

استفتاء ہذا کے مندرجات اگر صحیح اور فی الواقع درست ہیں تو شرعاً جواب اس طرح ہے:

(۱) جس قدر رقبہ مالکان رقبہ نے ''مسجد چراغ'' کے نام ہبہ کر کے باقاعدہ انتقال کروا دیا ہے وہ رقبہ شرعاً وقف بنام مسجد مذکور شمار ہوگا۔ اس کو وقف علی المسجد کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

(۲) اور جس زمین پر چند قبریں (باذن مالکان) بن گئی ہوں اور اس زمین کے مالکان مزید قبروں کے لئے اجازت نہیں دینا چاہتے تو ان کو یہ اختیار حاصل ہے کہ مزید قبروں کے لئے اجازت نہ دیں اور ماسویٰ قبور کے رقبہ کو دوسری جگہ استعمال کر لیں لیکن جہاں ایک قبر یا چند قبریں بن گئی ہیں اس رقبہ کو مسمار نہ کیا جائے اور چند قبور بن جانے سے یہ تمام رقبہ خود بخود وقف نہیں بن جاتا۔ فتاویٰ قاضی خان نے ذکر کیا ہے/عن ابی حنیفه انه لا یرجع فی المقبرة فی الموضع الذّی دفن فیه ویرجع-فیما سوی ذالك لان النبش قبيح۔ یعنی امام صاحب فرماتے ہیں جس مقام میں دفن ہو چکا ہے اس مقبرہ کے متعلق مالک واپسی کا مطالبہ نہ کرے اس لئے کہ قبور کا کرید ڈالنا قبیح ہے۔ باقی ماندہ رقبہ کو اگر واپس کرنا چاہے تو اس کو اختیار ہے۔

(۱- فتاویٰ قاضی خان علی الهندیة طبع مصر-

باب الرجل سجعل داره مسجدا او خاناً او سقاية او مقبرة-

۲- الاساف فی احکام الاوقاف ص ۴۷ طبع مصر-)

(۳) جو رقبہ بھی کسی انتفاع کے قابل ہے اس کو منافع مسجد کے لئے وقف کیا جا سکتا ہے۔

(۴) اس رقبہ کو مسجد کے نام وقف کرنا درست ہے۔ اس میں مسجد کی عمارت بنانا اور آبادی مسجد کے لئے اور مصالح مسجد کیلئے مکانات، دُکانیں تعمیر کرنا جائز ہے اور جسے عمارت مسجد کے لئے وقف صحیح ہے ایسا ہی مصالح، بہتری مسجد کے لئے بھی وقف کرنا صحیح ہے۔ کرایہ کے لئے، مکانات دُکانیں یہ سب مصالح مسجد میں شامل ہیں اور آمدنی کے باعث ہوتے ہیں۔ فلہٰذا یہ سب منافع مسجد میں داخل ہو کر صحیح ہیں۔ چنانچہ قاضی خان میں درج ہے کہ ولو كانت الارض وقفًا علی عمارة المسجد او علی مرمّة المقابر جاز لان ذالك مما لا ينقطع-

یعنی اگر مساجد کی آبادی کے لئے اور قبور کی مرمت کے لئے کوئی رقبہ زمین وقف کیا جائے تو یہ جائز ہے۔ اس لئے اگر مساجد اور مقابر کی ضروریات منقطع نہیں ہوتی (قاضی خان ص ۳۲۰، ۳۲۳ باب مذکور) اور دوسرا قاعدہ عالمگیری ص ۲۴۷، ۲۴۹ میں اس طرح درج ہے:

ان الوقف علی عمارۃ المسجد وعلی مصالح المسجد سواء کذا فی فتح القدیر۔
یعنی مسجد کی تعمیر اور مسجد کی بہتری کی خاطر وقف کرنا برابر ہے۔ دونوں طرح ٹھیک اور کارِ خیر ہے۔

(۵) جو جائیداد زمین وغیرہ مسجد کے لئے وقف کی گئی ہو اس کو کوئی شخص ذاتی منافع میں نہیں لگا سکتا۔ ''قاعدہ ہے الوقف لا یملک'' اللہ اعلم بالصواب۔ ۱۹-۱-۸۶ھ/۱۱-۵-۶۶ء

(دستخط حضرت) مرتب محمد نافع عفی عنہ

کفار کی عبادت گاہ کو مسجد بنانے کا مسئلہ:

۲۸ر فروری ۱۹۶۷ء، ۱۸ر ذوالقعدہ ۱۳۸۶ھ (از مہاجرین ساکن قائم بھروانہ تحصیل شورکوٹ)

''الجواب وباللہ التوفیق''

(۱) کفار کی متروکہ مذہبی عمارت کی جگہ پر مسجد بنائی جاسکتی ہے اس صورت کے ساتھ کہ ان کے مخصوص نشانات وعلامات منہدم کر کے اس کی سمت صحیح رو بقبلہ کر کے صاف پاک کر دی جائے۔ مگر اس کے ساتھ یہ بات ضرور ملحوظ رکھی جائے حکومت کے قواعد وآئین یہاں مسجد قائم کرنے کے خلاف نہ ہوں۔ اگر وہاں مسجد قائم کرنا حکومت کے قوانین کے خلاف ہو تو پہلے حکومت سے اجازت طلب کریں بعد میں مسجد کی بنیاد قائم کی جائے ورنہ یہ مقام مشتبہ ومتنازعہ فیہ ہوگا جس میں مسجد کی خاطر احتیاط لازم ہے۔

(۲) اگر مذکورہ بالا عمارت کے انہدام اور گرانے پر حکومت کو اعتراض نہیں ہے تو اس عمارت کی قابلِ استعمال اشیاء اور پاک اشیاء کو مسجد میں لگانا مباح ہے۔ کوئی حرج نہیں۔ اللہ اعلم بالصواب۔

نکاح در نکاح کا مسئلہ:

بخدمت جناب مکرمی مولوی محمد ذاکر صاحب!

السلام علیکم۔ مزاج گرامی۔

گزارش ہے کہ میں صحیح لکھ رہا ہوں کہ فتح محمد کے لڑکے مسمی رمضان کا نکاح مسماۃ خاتوں دختر نبی بخش کے ساتھ ہمارے چک ۴۴۸ میں کیا گیا جس کے نکاح خواں مولوی مہر شاہ ہیں اور گواہ میرا چوکیدار صالحوں، مولا بخش وغیرہ ہیں۔ لہٰذا سائل حاضر خدمت ہیں۔ باقی زبانی عرض کریں گے۔ مہربانی فرما کر شریعت کے مطابق کام کو سرانجام فرماویں۔ نکاح در نکاح کرنے والوں کے متعلق صحیح فتویٰ تحریر فرماویں۔

مہر ولی داد نمبردار، چک نمبر ۴۴۸ تحصیل وضلع جھنگ۔ ۱۹۷۰-۸-۱۶۔

تحریری بیان مولوی مہر شاہ ولد غلام محمد شاہ ہاشمی

متعلق نکاح (دختر) مسماۃ خاتون دختر نبی بخش، چک نمبر ۴۴۸ تھانہ موچیوالہ

میں مسمی مہر شاہ قریشی اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ مسماۃ خاتون دختر نبی بخش سکنہ چک نمبر ۴۴۸ (باقر ہراج والہ) کا نکاح مسمی رمضان ولد فتح محمد قوم نٹ فقیر کے ساتھ میں نے خود کیا تھا اس وقت یہ دونوں لڑکی لڑکا نابالغ تھے۔قریباً ۱۹۶۲ء کا یہ واقعہ نکاح ہے۔ جوان کے والدین کی رضا مندی سے یہ نکاح ہوا تھا۔ یہ نکاح صحیح قواعد شرعی کے موافق و مطابق میں نے کیا تھا۔ فلہٰذا میں اس نکاح کی تصدیق کرتا ہوں۔

مہر شاہ ولد غلام محمد بقلم خود (قریشی) سکنہ چک نمبر ۴۴۸ باقر ہراج والہ۔

تصدیق نکاح:

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ وسلم

مسماۃ خاتون دختر نبی بخش کا نکاح مسمی رمضان ولد فتح محمد قوم نٹ کے ساتھ مولوی مہر شاہ قریشی ولد غلام محمد شاہ سکنہ چک نمبر ۴۴۸ نے حسب دستور شرعی کیا تھا۔ اس کی تصدیق تحریری بھی مولوی مہر شاہ صاحب مذکور نے یہاں ہمارے پاس آ کر کر دی ہے اور چک نمبر ۴۴۸ مذکور کے نمبردار مہر ولی داد نے بھی تحریری تصدیق اس نکاح کی ہمارے پاس بصورت رقعہ کے ارسال کر دی ہے اور دو عدد گواہ مجلس مسمی مولا بخش قوم نٹ فقیر و صالحوں چوکیدار چک نمبر ۴۴۸ مذکور نے آ کر شہادۃ نکاح ہذا دی ہے۔

بنابریں نکاح ہذا کی از روئے شریعت تصدیق کی جاتی ہے کہ یہ نکاح صحیح ہے۔ اس نکاح کی طلاق حاصل کئے بغیر اس لڑکی کا دوسری جگہ نکاح شرعاً ناجائز اور باطل ہے۔ جو لوگ دوسرے نکاح میں شریک تھے وہ اپنے اس جرم سے بھری مجلس میں توبہ کریں اور بعد میں اپنے نکاحوں کی تجدید کریں یعنی اپنے نکاح پھر پڑھائیں اگر نہ پڑھائیں گے تو مسلمانوں کو ان سے بائیکاٹ کرنا لازمی ہے۔

مہر و دستخط: مولانا محمد نافع، مولانا محمد شریف، جامعہ محمدی

تاریخ ۱۷-۰۸-۱۹۷۰ء/ ۱۳-۰۶-۱۳۹۰ھ

نکاح در نکاح کا مسئلہ:

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع دین متین اس مسئلے کے بارہ میں کہ ایک شخص مسمی راجہ ولد لہنا قوم مسلم شیخ اپنی دختر مسماۃ حیات بی بی جو کہ جوان تھی اس کا عقد با ہوش وحواس قائم کے احمد شیر ولد اللہ دتہ قوم مسلم شیخ کے ساتھ کر دیا گیا جو کہ نکاح گواہان سکنہ جمالی کے روبرو جن کے نام محمد بخش، اللہ دتہ ولد مدار ہیں ان کے سامنے نکاح کر دیا اور نکاح خوان حافظ محمد زمان ولد اللہ جوایا نے پڑھایا جس کا عرصہ اس وقت تک تقریباً سات سال کا ہو چکا ہے۔ مگر یہ نکاح سابقہ کتاب نکاح سرکاری یا مروجہ کتاب نکاح میں درج نہیں ہے لیکن مجلس نکاح

میں تین عدد مزید گواہ ہیں۔ اب مسمی راجہ ولد لہنا اپنی اس لڑکی کا نکاح جس کا سابقہ نکاح احمد شیر ولد اللہ دتہ کے ساتھ ہے ایک اور شخص مسمی مولا بخش ولد عبدالرحمٰن سکنہ داب سے کر دیا ہے۔ لہٰذا آپ براہِ کرم شرعی فیصلہ صادر فرمائیں کہ نکاح پہلا قائم ہے کہ دوسرا اور یہ بھی فرما دیں کہ جو پچھلے نکاح میں تھے ان کے متعلق شریعت شریف کا کیا حکم ہے اور جو لوگ اس پچھلے نکاح میں شامل تھے بمع مولوی نکاح خواں ان کے ساتھ شریعت پاک کا کیا سلوک ہونا چاہئے۔

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم وعلٰی آلہ واصحابہ وسلم

الجواب وباللہ التوفیق

اگر صورت مسئلہ مندرجہ بالا صحیح ہے تو شرعاً جواب یہ ہے کہ لڑکی کا پہلا نکاح صحیح ہے جو والد نے خود کر دیا تھا اگرچہ وہ رجسٹر سرکاری پر مندرج نہ ہو۔ اب اگر اس شخص نے پچھلے خاوند سے طلاق حاصل کئے بغیر دوسری جگہ نکاح کر دیا ہے تو یہ شرعاً حرام ہے۔ دوسرا نکاح باطل ہے۔ اگر دوسری جگہ نکاح کر دینے والوں نے پچھلے نکاح کے علم کے باوجود یہ ارتکاب کیا ہے تو شریعت کی حد انہوں نے توڑ ڈالی ہے۔ یہ معاملہ کفر کے قریب ہو گیا ہے (العیاذ باللہ) اور اگر لڑکی والوں نے غلط بیانی کر کے دوسری جگہ نکاح پڑھوایا ہے تو بھی اس دوسرے نکاح کرنے والے اور اس میں شامل ہونے والے توبہ واستغفار کریں اور اپنی غلطی کا اعلان کر کے اس کارروائی سے بریت ظاہر کریں۔ بہر حال نکاح اول صحیح ہے، نکاح ثانی جائز نہیں ہے۔ اللہ اعلم بالصواب۔

دستخط: مولانا محمد نافع، جامعہ محمدی

تاریخ: ۱۱/ ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ

باسمہ تعالیٰ

باعث تحریر آنکہ۔ تحریر کیا جاتا ہے کہ ہمارے ہاں (جامعہ محمدی) میں حافظ محمد زمان صاحب سکنہ جمالی ایک نکاح کے تنازعہ کے سلسلہ میں پہنچے ہیں اور فریق ثانی عبدالرحمٰن وغیرہ سکنہ موقع ڈھاب علاقہ بڑانہ آج بیس (۲۰) جولائی ۱۹۶۷ء کو یہاں تنازعہ مذکورہ کے فیصلہ طلب کرنے کی خاطر نہیں پہنچے۔ یہ چند حروف بطور تصدیق حافظ محمد زمان صاحب کو لکھ دیئے گئے ہیں۔

ناچیز محمد نافع۔ جامعہ محمدی شریف ۱۱-۴-۸۷ھ/ ۲۰-۷-۶۷ء

بیوہ عورت کے وراثت میں حصے اور نکاح ثانی کا مسئلہ

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم وعلٰی آلہ واصحابہ وسلم

استفتاء

(۱) ایک عورت بیوہ (جس کا خاوند فوت ہوگیا ہے) اپنے زوج کی جائیداد سے کس قدر میراث حاصل کرسکتی ہے؟ دراین صورت کہ اس کی اولاد نہیں۔

(۲) اگر بیوہ مذکورہ (بعد از عدت) نکاح ثانی دیگر شوہر کے ساتھ اپنے قبیلہ میں کرنا چاہے تو یہ نکاح شرعاً جائز ہے یا نہیں؟؟

(۳) اور کوئی شخص مسئلہ شرعی کے متعلق استخفاف وحقارت کے کلمات استعمال کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق

(۱) زوجہ بیوہ کو اپنے خاوند کی جائیداد منقولہ وغیر منقولہ سے اگر اولاد نہیں تو چوتھا حصہ ۴/۱ ملے گا۔ اگر اولاد ہے تو آٹھواں حصہ ۸/۱ ملے گا۔

(۲) بیوہ بعد از عدت نکاح ثانی کا اختیار رکھتی ہے۔ اگر قبیلہ میں نکاح کرلے تو شرعاً درست ہے اور صحیح ہے۔

(۳) مسئلہ شرعی اور حکم شرعی کے متعلق اگر کسی شخص نے استخفاف وحقارت کے الفاظ استعمال کئے ہیں تو یہ گناہ عظیم ہے۔ ان کلمات سے توبہ کرنی واجب ہے ورنہ خوف کفر ہے۔ (بکذا فی کتب الفقہ)

ناچیز محمد نافع، جامعہ محمدی شریف، ضلع جھنگ۔

محمد شریف، از دار العلوم جامعہ محمدی شریف ۲۶ رشعبان المکرم ۱۴۰۴ھ

طلاق کے بعد انکار کا مسئلہ:

مسئلہ شرعی

منسلک طلاق نامہ جو طلاق دہندہ کی طرف سے تحریر ہے اور گواہان تین عدد قلندر شاہ ولد میاں امیر شاہ، یار اولد احمد گڈ گور، عمر حیات ولد علی نے اس پر دستخط ثبت کئے ہیں اور میاں امام علی شاہ نے بھی اس طلاق نامہ کے صحیح ہونے کی تحریراً تصدیق کردی ہے۔ وقت طلاق اپنے موجود ہونے کا اقرار کیا ہے۔ اگر یہ طلاق نامہ صحیح اور ٹھیک ہے اور اس میں کوئی غلطی نہیں ہے تو طلاق واقع ہوگئی ہے۔ اب طلاق دہندہ اگر انکار بھی کرے تب بھی کوئی اثر نہ ہوگا۔ بعد از عدت دوسری جگہ نکاح صحیح ہے۔ اللہ اعلم

ناچیز محمد نافع

یکم جمادی الثانی ۱۳۸۵ھ

وطن عزیز کی اراضی کے عشری یا خراجی ہونے کا مسئلہ

کوئی بڑے سے بڑا عالم اور مفتی ہمہ دان ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کو بھی بعض مسائل میں اگر شرح صدر نہ ہوتا تو اپنے اساتذہ سے استفسار کر کے تسلی فرما لیتے۔ ذیل میں اس طرح کے دو استفسار یا استفتاء ملاحظہ ہوں:

استفتاء

مفتیان شرع کی خدمت اقدس میں التماس ہے ہمارے ملک میں اراضی کے عشری یا خراجی ہونے میں بہت اختلاف ہے کہ یہ دار الحرب قرار دے کر خراجی تصور کیا جائے یا دار الامن سمجھ کر عشری۔ علماء دیوبند کی جانب سے مذکورہ امر میں باحوالہ تفصیل فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ ساتھ ہی اس چیز کی بھی وضاحت ضروری ہے کہ بعض اراضی پرانی آبادکی ہوئی چاہ وغیرہ سے آبپاشی کی جاتی ہے بعض نئی آبادشدہ جو پہلے جنگل بیابان تھا ان کی آبپاشی نہر سے ہوتی ہے۔ ان کی مختلف صورتوں کی وضاحت درکار ہے۔

بینوا توجروا عند اللہ۔ دعا گو محمد نافع جھنگوی (پنجاب) ۲۶-۱-۶۲ھ

الجواب

ہندوستان کے دار الحرب ہونے نہ ہونے میں فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے اور مختلف فیہ مسائل میں فیصلہ نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ عشر نکالا جائے۔ جس اراضی میں کنویں یا نہر سے پانی دیا جائے اس کی پیداوار میں سے نصف عشر یعنی بیسواں حصہ نکالا جائے اور جو اراضی محض بارش کے پانی سے سیراب ہو اس کی پیداوار میں سے عشر یعنی دسواں حصہ نکالا جائے۔ درمختار۔

ردالمختار المعروف بالشامی میں تصریح موجود ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم مسعود احمد عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند (۳-۱-۶۲ھ)

جواب صحیح ہے اور علاوہ اس کے دار الحرب تسلیم کرنے کے بعد بھی عشر اراضی کا سقوط مسلم نہیں بلکہ اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے کہ دار الحرب کی زمینوں میں عشر آتا ہے یا نہیں۔ (کمافی فتاویٰ کاہدیہ وغیرہ) احتیاط اسی میں ہے کہ عشر نکالا جائے۔ (بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ، دیوبند)

بیعانہ کی واپسی کا مسئلہ:

سوال:

لوگوں میں رواج ہے کہ جب کوئی چیز خرید کرتے ہیں تو خریدار کچھ رقم پہلے دے دیتا ہے اور بائع بھی

لے لیتا ہے تاکہ یہ پھر نہ جائے۔ باقی رقم بعد میں دے دیں گے (جس کو بیعانہ کہتے ہیں)۔ پھر بسا اوقات وہ سودا بائع ومشتری کے مابین نہیں بنتا بلکہ مشتری خرید کرنے سے اعراض کر جاتا ہے یا انکار کر دیتا ہے اور بطور بیعانہ (مذکور) کچھ رقم دے چکا ہوتا ہے۔ اب سودا نہ ہونے کی صورت میں وہ بیعانہ بائع رکھ سکتا ہے؟ شرعاً کیا حکم ہے؟ ساتھ یہ بھی واضح ہو کہ مشتری نے سودا کرتے وقت زبانی یا تحریری کہہ دیا تھا کہ اگر میں سودا نہ کرسکوں تو میرا بیعانہ ضبط ہوگا، بائع کے پاس رہے گا اور بائع نے ضبطی بیعانہ کی شرط کر لی تھی۔ اب دریافت امر یہ ہے کہ یہ شرعاً شرط صحیح ہے؟ یا نہ؟ اگر اب مشتری وہ بیعانہ والی رقم طلب کرے تو بائع کو اس رقم کے ضبط کر لینے کا مجاز ہے یا نہ؟ حالانکہ فسخ سودا سے پہلے مشتری نے یہ شرط (بطور رواج عام کے) منظور کر لی تھی۔

حوالہ کتاب بھی درج ہونا مناسب ہے تاکہ اہل علم کو تسلی ہو سکے۔

الجواب

صورت مسؤلہ میں جو بیع ذکر کی گئی ہے یہ ناجائز بیع ہے کیونکہ اس میں ایسی شرط لگائی گئی ہے جو بائع کیلئے ہی مفید ہے اور مقتضی عقد کے بھی خلاف ہے لہٰذا یہ بیع فاسد ہوگی جیسا کہ ہدایہ جلد ثالث حصہ ص ۴۳ پر مذکور ہے۔ وكل شرط لايقتضيه العقد وفيه منفعة لاحد المتعاقدين او للعقود عليه وهو من اهل الاستحقاق يفسده۔ طرفین کو ایسی بیع کا فسخ کرنا ضروری ہے جیسے ہدایہ جلد ۳ ص ۴۷ میں موجود ہے۔ ولكل واحد من المتعاقدين فسخه۔ رفعاللفساد۔ جب یہ شرط فاسد ہوگی اور اس کا بیع فسخ ضروری ہوا تو مقبوضہ رقم کا بائع مستحق اور ضبط کر لینے کا مجاز نہیں ہے بلکہ اس رقم کا واپس مشتری کو دینا ضروری ہے۔ نیز اس بیع کے عدم جواز پر نبی کریم ﷺ کی حدیث صراحتہً موجود ہے۔ دیکھو مشکوٰۃ ص ۲۴۸۔ عن عمرو ابن شعيب عن ابيه عن جده قال نهى رسول الله ﷺ عن بيع العربان رواه مالك ابوداود وابن ماجة۔ بیع العربان کی تفسیر وہی ہے جو آپ نے سوال میں ذکر کی ہے۔ مشکوٰۃ کے صفحہ پر مذکورہ اس حدیث کے اوپر حاشیہ بحوالہ لمعات موجود ہے اس میں بھی وهو بيع باطل لما فيه من الشرط والقدر۔ اس حاشیہ کو پڑھ لیں۔ باقی جن کتابوں میں یہ حدیث موجود ہے ان کے شروح دیکھ کر مزید تسلی فرما لیں۔

العبد المسکین قطب الدین عفا اللہ عنہ

مدرسہ عربیہ دار الہدیٰ چوکیرہ، ۱۳۷۶ھ

(حضرت مولانا قطب الدین مدظلہ بندہ کے استاذ مکرم ہیں۔ بہت فقیہ وقت ہیں۔)

باب چہارم

بطور داعی و مبلغ کردار

دعوت و تبلیغ کی ضرورت و اہمیت:

دعوت کا لغوی معنی تو بلانا اور پکارنا ہے (دَعَا يَدْعُو دَعْوَةً) مگر عام طور پر اس سے مراد لوگوں کو اللہ و رسول اور دین کی طرف بلانے سے لی جاتی ہے۔ اسی طرح تبلیغ کا لفظی معنی اگرچہ مطلقاً پہنچانا ہے مگر اس سے مراد شریعت کے احکام اور اوامر و نواہی لوگوں تک پہنچانا ہوتا ہے اور اگر باب تفعیل کے ایک خاصہ مبالغہ کا لحاظ کر لیا جائے تو مطلب دین کے احکام کو اچھی طرح پوری شرائط اور آداب کے ساتھ پہنچانا ہوگا۔

اسلام میں دعوت و تبلیغ کا کام کتنا ارفع و اعلیٰ اور کتنی عظمت و شان کا حامل ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ نے یہ کام اپنے ان برگزیدہ، مقرب اور منتخب بندوں کے سپرد فرمایا جو اپنے ابنائے زمانہ میں سب سے بلند مرتبہ تھے۔ یعنی انبیاء کرام علیہم السلام۔ چنانچہ ایک آیت میں ارشاد الٰہی ہے:

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغ (سورۃ المائدۃ ۵:۹۹)

اور ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تو مستقل ایک شان ہی ''داعی الی اللہ'' کی بیان فرمائی گئی ہے۔ (وَدَاعِيًا اِلَى اللهِ۔ سورۃ الاحزاب: ۴۵) دعوت و تبلیغ کی ضرورت و اہمیت اور عظمت شان کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ فتح مکہ کے دوسرے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ کی حرمت بیان کرتے ہوئے یہ بھی ہدایت فرمائی کہ ''لیبلّغ الشاھد الغائب''[۱] (جو آدمی یہاں موجود ہے وہ یہ میرا پیغام ہر اس آدمی تک پہنچا دے جو یہاں موجود نہیں) کے پیش نظر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حرم مکہ کی ایک نماز کے ثواب ایک لاکھ اور مسجد نبوی کی ایک نماز کے ثواب پچاس ہزار نمازوں کو مقدم نہیں سمجھا بلکہ دنیا کے مختلف ممالک میں جا کر دعوت و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیا۔

ہمارے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل اس دین کی تعلیم و تبلیغ کے لئے اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرماتا رہا۔ نبوت و رسالت کا دروازہ جب خاتم النّبیین رحمۃ للعالمین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد بند کر دیا گیا تو بفحوائے حدیث علماء کرام انبیاء کرام کے وارث قرار پائے[۲] اور دین کی تبلیغ

---

[۱] امام بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل: الجامع الصحیح (کتاب العلم، باب لیبلغ العلم الشاہد الغائب)، قدیمی کتب خانہ کراچی طبع کلاں درسی ۱/۲۱۔
[۲] صحیح بخاری (کتاب العلم باب العلم قبل القول والعمل) طبع مذکور، ۱/۱۶۔

کا فریضہ ان کے ذمہ ہوا جسے امت محمدیہ کے علماء حق صحابہ کے بعد چودہ صدیوں سے کمال ذمہ داری سے نبھاتے آ رہے ہیں۔

تاریخ اسلام اس امر پر گواہ ہے کہ ساڑھے چودہ صدیوں میں کوئی ایسا دور نہیں گزرا جس دور میں اللہ نے ایسے مخلص بے لوث وفادار اور جرأتمند علماء کرام پیدا نہ فرمائے ہوں جن کی زندگی کا واحد اور سب سے بڑا مقصد ہی دین اسلام کی تعلیم، تبلیغ، اشاعت اور ترویج رہا۔ انہوں نے اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے پیٹ پر پتھر باندھے، دنیا کی چکا چوند، کوئی لالچ وحرص اور کوئی خوف انہیں اس راہ سے باز نہ رکھ سکا۔ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، کوڑے کھائے، فقر و فاقہ سے دوچار ہوئے۔ بسا اوقات اس دین کی خاطر اپنا وطن، گھر بار اور اہل و عیال سے الگ ہونا پڑا، حتیٰ کہ جان کا نذرانہ پیش کرنے کی نوبت آئی تو اس سے بھی دریغ نہیں کیا۔ غرض راہِ حق میں پیش آنے والی عمومی مشکلات، مصائب اور آزمائشوں کو انہوں نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا مگر تبلیغ دین کے فریضہ کو سرانجام دیتے رہے۔

یہ انہیں علماء دین کے ایثار، قربانی، خلوص اور سعی پیہم کی برکت ہے کہ ساڑھے چودہ سو سال سے دشمنانِ دین و مخالفینِ اسلام کے مخالفانہ پروپیگنڈے، سازشوں، نظریاتی حملوں اور مسلمانوں میں ہی میر جعفروں کی غداریوں کے باوجود دین اسلام آج تک زندہ ہے۔ اس کے مقابلے میں دنیا میں کتنے مذاہب، نظریات اور تحریکیں اٹھیں مگر تھوڑے عرصے بعد ہی اپنی موت آپ مر گئیں۔ آج کوئی ان کا نام لیوا دنیا میں موجود نہیں۔

ہمارے ممدوح مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کو بھی بلاشبہ ایسے ہی علماء دین کی صف میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ ساری زندگی دین کی خدمت ہی ان کا اوڑھنا بچھونا رہا۔ خدمت دین کا ایک اہم شعبہ جیسا کہ اوپر گزرا، تبلیغ بھی ہے۔ ہر آدمی قرآن و سنت کے احکام و مسائل، فرائض و واجبات دین، بنیادی اسلامی عقائد، تمام معاملات اور روز مرہ کے مسائل میں اسلامی ہدایات اور دین و دنیا کے ہر معاملے میں تعلیمات نبوی اور اسوۂ رسول سے آگاہ ہوتا ہے نہ ایسا ممکن ہے۔ اس لئے ہمیشہ علماء کرام ہی یہ فریضہ سرانجام دیتے آئے ہیں۔ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے بھی جامعہ محمدی میں تدریس، افتاء، تصنیف و تالیف، علمی مسائل کی تحقیق و تدوین اور جامعہ کی انتظامی خدمات کے ساتھ ساتھ اپنے طور پر اپنے گاؤں کے علاوہ اردگرد کے دیہاتوں میں بھی دور دور تک تبلیغ کا یہ فریضہ ادا کیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے بعض مقامی علماء کا تعاون بھی حاصل کیا اور مختلف دیہاتوں میں تبلیغی اجلاس منعقد کر کے عوام الناس کو دینی احکام و مسائل سے روشناس کراتے رہے۔ پھر اس میں لطف اور کمال ہمت کی بات یہ ہے کہ دور دراز کے دیہاتوں اور چکوک کا تبلیغی سفر عموماً سائیکل پر ہوتا تھا۔ شاید اسی مقصد کے لئے مولانا نے اپنی ایک ہرکولیس کی سائیکل بھی خرید رکھی تھی۔

تنظیم اہل السنۃ والجماعۃ کی تشکیل:

ان تبلیغی مساعی کو منظم اور مزید وسعت دینے کے لئے انہوں نے ''تنظیم اہل السنۃ والجماعۃ'' کے نام سے مقامی سطح پر ایک جماعت بھی تشکیل دی۔ چنانچہ ۲۱/جولائی ۱۹۵۱ء بروز جمعرات کی ڈائری میں لکھا ہے:

''فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ''۔ آج خمیس میں ایک مختصر سے مجمع میں ''تنظیم اہل السنۃ والجماعۃ'' محمدی کی تشکیل ہوئی۔ ابتداءً دکا ندار لوگ چند جمع ہیں۔ کل دوسرے لوگ بھی حصہ لیں گے۔ ان شاء اللہ''

اس تنظیم کے اغراض و مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے وقتاً فوقتاً اس کے اجلاس بھی ہوتے تھے۔ کبھی محمدی شریف میں، کبھی موضع سمندر میں، کبھی بھوانہ اور بعض اوقات دوسرے دیہاتوں میں۔

اس تنظیم اور اس کے زیر اہتمام ہونے والے تبلیغی جلسوں پر مبلغین کی خدمت اور دیگر انتظامات کی مد میں اٹھنے والے اخراجات زیادہ تر مخیر حضرات کے مالی تعاون/ چندہ سے پورے کئے جاتے تھے اور اس آمدن و خرچ کا باقاعدہ حساب رکھا جاتا تھا۔ مثلاً مولانا نے ایک جگہ اپنی یادداشت میں لکھا ہے:

''آج یوم الحساب برائے جماعت تنظیم تھا۔ میاں سلطان احمد اور میاں حسام الدین ہر دو برادران نے حساب جماعت اپنی طرف سے حکیم مولا بخش کو دیا ہے۔...... روپے باقی ہیں جبکہ میرا حساب باقی ہے۔ وہ پھر کسی وقت صاف کر کے سارا حساب حکیم مولا بخش مذکورہ کو دیا جائے گا۔'' (ذاتی ڈائری ۱۴/جنوری ۱۹۵۵ء)

تنظیم کی مجلس عاملہ کی تشکیل:

اس تنظیم کو مزید منظم، فعال اور اغراض و مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے بعد میں حضرت میاں عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت میاں عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کے موقع پر اس کی باقاعدہ مجلس عاملہ کی تشکیل کی گئی۔ چنانچہ مولانا نے اپنی ۱۹/ربیع الاوّل ۷۹ ۱۳ھ/ ۸/دسمبر ۱۹۵۹ء کی یادداشت میں لکھا ہے:

''منگل کی رات مجلس عاملہ جماعت تنظیم کی تشکیل کی گئی۔ صدارت میاں حسام الدین (ساکن موضع سمندر) کے لئے تجویز ہوئی۔ دفتر جماعت کے متعلق طے ہوا کہ سمندر میں ہونا مناسب ہے۔ میٹنگ میں مولانا احمد بخش ضیائی، مولوی منظور عالم، مولوی حبیب الغفور، حکیم نور زمان، نوازش علی شاہ، مولوی عبدالرحمٰن، مولوی محمد شفیق، مولوی عبدالحق، ماسٹر مہر محمد بخش، حافظ فیض احمد، مولوی طالب محمد، صوفی محمد بخش گوندل، مولوی محمد خان، حافظ نذیر احمد، میاں غلام سرور نمبردار، حافظ احمد نواز وغیرہم موجود تھے۔ میاں حسام الدین، میاں فضل احمد اور مولانا حکیم عطا محمد قریشی باوجود مکرر اصرار کے تشریف نہ لا سکے۔''

لگتا ہے یہی لوگ اس مجلس عاملہ کے مستقل ممبران تھے۔ ریکارڈ اور اس تنظیم کی آئندہ کی سرگرمیوں سے

محسوس ہوتا ہے کہ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ ہی اس تنظیم کے روحِ رواں اور اس کو متحرک رکھنے والے تھے۔ اس تنظیم کے اغراض و مقاصد کو عملی جامہ پہنانے اور آئندہ کا لائحہ عمل طے کرنے کے لئے اس کے وقتاً فوقتاً اجلاس اور میٹنگیں بھی ہوا کرتی تھیں۔ کبھی محمدی شریف، کبھی موضع سمندر اور بعض اوقات کسی دوسرے چک میں۔ ایک اسی قسم کے اہم اجلاس کی کاروائی جاننے کے لئے مولانا کی ڈائری ملاحظہ ہو:

۱۶ رجنوری ۱۹۵۳ء: یوم الاجتماع، آج ۱۶ رجنوری ۱۹۵۳ء کو سمندر جماعت کا اجتماع تجویز تھا۔ ہم لوگ (مولوی عبدالرحمٰن، مولوی عبدالحق، مولوی محمد خان، میاں غلام سرور) ۱۲ بجے پہنچے۔ مولانا ضیائی تشریف لائے ہوئے تھے۔ امور طے کرنے کے متعلق کورم سات افراد کا ضروری تھا۔ اجتماع ناکام رہا۔ آخر یہ طے ہوا کہ کل ۱۷ رجنوری کو جامعہ محمدی میں غالباً عاملہ کے افراد سے کورم پورا ہو سکے گا۔ لہٰذا وہاں میٹنگ کر لی جائے۔ سمندر اور برخوردار والے حضرات کل وہاں آ جائیں گے۔"

۱۷ رجنوری ۱۹۵۳ء: آج قریباً کل والے تمام احباب (مزید مولانا منظور عالم، حکیم مولا بخش، مہر محمد بخش، حکیم ظہور احمد) جمع ہوئے۔

اول: قد جمعوا علی ان یتحول المرکز الی سمندر مع امور متعلقة بتحویل عنوانات الاخباریة (الفضل، رضاکار، دعوت) وغیرہ۔

دوم: انتخبوا صدراً لجماعتهم كما كنا انتخبنا قبل ذالك (میاں حسام الدین) بموقعة العرس والمدیر مولوی منظور عالم وفقه الله تعالیٰ والامین میاں سلطان احمد هنجرا سمندری۔

سوم: قد جوزوا ان نجمع لمقاصدنا الضرورية الفین بالمساعی الانفرادية والاجتماعية۔

چہارم: علینا ان نطلب من المرکز القواعد والضوابط المطبوعه غب هذا ان نستدعی الیهم ان یلحقونا بهم الحاقا علی حسب القواعد الجارية فيهم۔

بخاری صاحب مہتمم مرکزی تنظیم کو دوبارہ قواعد و ضوابط کے ارسال کے لئے جوابی لفافہ لکھا گیا اور انتقال مکانی دفتر مقامی جماعت و تبدیل پتہ دعوت کے متعلق اطلاع کی گئی ہے۔

علاوہ ازیں اس مقامی تنظیم کا مرکزی تنظیم اہل السنت والجماعت ملتان سے مسلسل رابطہ رہتا۔ محمدی شریف اور اردگرد کے علاقوں میں تبلیغی جلسوں کے لئے مرکزی تنظیم اہل السنت والجماعت کے چوٹی کے مبلغین مثلاً سید نور الحسن شاہ بخاری، علامہ دوست محمد قریشی، علامہ عبدالستار تونسوی کو وقتاً فوقتاً دعوت دی جاتی اور وہ کمال ہمت

اور ایثار و قربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اتنی مسافت، دوری اور سفری سہولتیں نہ ہونے کے باوجود ان اجلاسوں میں شرکت اور بھرپور خطاب فرمایا کرتے۔ ان کے علاوہ کئی اجلاسوں کے لئے سید احمد شاہ بخاری اجنالوی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی دعوت دی گئی۔ متعدد اجلاسوں میں تنظیم مذکور کی دعوت پر سجادہ نشین خانقاہ سیال شریف خواجہ قمر الدین سیالویؒ اور خواجہ نظام الدین تونسویؒ نے بھی شرکت فرما کر تنظیم کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

ریکارڈ سے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جامعہ محمدی میں جمعہ کو چھٹی ہوا کرتی تھی۔ مولانا کا یہ چھٹی کا دن اور جمعرات کسی نہ کسی قریبی چک میں تبلیغی جلسہ کرنے میں صرف ہو جاتا تھا۔ علاوہ ازیں مذکورہ تنظیم کے تحت ہفتہ وار اور ماہانہ اجلاس کا بھی اہتمام ہوتا تھا۔

دین کے راستے میں خرچ کرنے کا ذوق شوق، ترجیح، ہمت و توفیق یا سعادت ہمیشہ کم ہی لوگوں کے حصے میں آئی ہے۔ ضلع جھنگ کے پسماندہ علاقے میں اس طرح کا شعور رکھنے والے لوگ آٹے میں نمک کے برابر بھی نہ تھے۔ مذکورہ تنظیم اہل السنت کے اخراجات کا زیادہ تر دارومدار چونکہ لوگوں کے مالی تعاون/ چندہ پر تھا اس سلسلے میں ایک مرتبہ بڑی مایوس کن صورت حال پیش آئی۔ مگر مولانا پھر بھی مایوس نہیں ہوئے۔ اس موقع پر ان کی درج ذیل یادداشت قابل ملاحظہ ہے:

آج (۱۸ر فروری ۱۹۵۳ء) میاں حسام الدین چک منگوآنہ، چک رمانہ وغیرہ سے بالکل خالی واپس ہوئے۔ اللہ اللہ علاقہ کے سنی لوگ حقیقتاً سُن نظر آتے ہیں۔ بادِ مخالف تیز تر ہوتی چلی جا رہی ہے۔ ہمارے حضرات سُن در سُن ہو رہے ہیں۔ اگر تبلیغی مساعی کے ساتھ یہی طریقہ روا رکھا گیا تو مسلمانوں کا اللہ ہی حافظ ہے۔ بہرکیف جو کچھ حالات ہوں قدم سعی پیچھے نہیں آنا چاہئے۔ جمعہ ۲۰ر فروری کو سمندر میں اجتماع لازمی ہے۔ ان شاء اللہ

اس مقامی تنظیم اہل سنت کی کارکردگی کا وقتاً فوقتاً جائزہ بھی لیا جاتا اور آئندہ کے پروگرام بھی تشکیل دیئے جاتے۔ چنانچہ ۲۰ر فروری ۱۹۵۳ء کی یادداشت میں لکھا ہے:

روز اجتماع برائے کارکردگی جماعت بمقام سمندر۔ آج اجتماع مشتمل بر سات افراد (میاں حسام الدین، میاں سلطان احمد، مولانا ضیائی، مولوی عبدالرحمٰن، مولوی منظور عالم، حکیم نور زمان، میاں شیر علی شاہ، محمد نافع) منعقد ہوا۔ تبلیغی کام کے لئے طے ہوا کہ شاہ صاحب کو منگوایا جائے اور بوسال والی چک میں جلسہ ہو۔ ضیائی صاحب تشہیر کریں گے۔ ملتان دو نمائندے پہنچیں گے اور خمسین روپیہ پیش ہوں گے۔ آفتاب ہدایت جامعہ کو قیمتاً فروخت کی جائے۔ غلام محمد اور شیخ صاحب سے بھی قیمت وصول کی جائے۔ تنظیم کانفرنس علاقہ کے لئے بات چیت مرکز سے کی جائے۔

پیچھے گزر چکا ہے کہ ان تمام تبلیغی سرگرمیوں، بھاگ دوڑ اور تبلیغی دوروں کے پیچھے مولانا کا ہی ہاتھ ہوتا

تھا۔ علاقہ چنیوٹ کے لوگ عموماً خوش الحان اور شعلہ بیان قسم کے واعظین کو پسند کرتے ہیں اور خود مولانا کا بیان یا تقریر بالکل سادہ الفاظ اور عام گفتگو کے انداز میں ہوتی تھی اور وہ لوگوں کے اشتیاق اور پسند کو سمجھتے تھے۔ اس لئے عموماً وہ باہر کے واعظ قسم کے علماء کرام کو مدعو کرتے رہتے تھے۔ اس طرح کی متعدد یادداشتیں، خطوط اور مراسلہ جات ڈائریوں میں درج ہیں۔ مثلاً ۷/اکتوبر ۱۹۵۵ء کی یادداشت میں لکھا ہے:

''سردار صاحب پتافی (مرکزی تنظیم اہل السنت ملتان کے بانی) کو موضع سمندر اور برخوردار کے لئے ایک مرکزی مبلغ بھیجنے کی تاکید کی ہے کہ ربیع الاوّل (۱۳۷۵ھ) کے اوائل میں درکار ہے۔''

مذکورہ مقامی تنظیم اہل السنت کے صدر مبلغ مولانا احمد بخش ضیائی (ساکن چک منگوآنہ، نزد بھوانہ) تھے۔ کئی مواقع پر مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ ان کے ہاں پہنچ کر تبلیغی پروگرام ترتیب دیتے تھے۔ مثلاً ۱۰/اگست ۱۹۵۶ء کی ڈائری میں درج ہے:

''آج چک منگوآنہ میں مولانا ضیائی کی ملاقات کے لئے جانا ہوا۔ اربعہ (روپیہ) اہداء پیش کیا گیا۔ واپسی اسی روز ہوئی۔ رات خمیس ۹/محرم ۱۳۷۶ھ اور یوم خمیس (۱۰/محرم) رات جمعہ و یوم جمعہ کا پروگرام مرتب کیا گیا۔ سمندر، ساہمل، محمدی شریف و بھوانہ۔ اللہ کریم مہربانی فرمائے اور اتمام تبلیغ مجوّزہ ہو سکے۔''

ان تبلیغی خدمات اور اجلاسوں کا کچھ تذکرہ انہوں نے اپنی قلمی یادداشتوں اور ڈائریوں میں بھی قلمبند کیا ہے۔ یہ تذکرہ اگرچہ بالکل اجمالی ہے زیادہ تفصیل نہیں تاہم اس راہ میں ان کی مساعی پر روشنی ضرور پڑتی ہے۔ پھر اس تبلیغ کے کارزار میں انہوں نے بعض ذاتی تجربات و مشاہدات بھی قلمبند کئے ہیں جو اس میدان میں کام کرنے والوں کے لئے بطور خاص پلّے باندھنے والی چیزیں ہیں۔ مثلاً ۲۷/مئی ۱۹۴۹ء کے روزنامچہ میں لکھتے ہیں:

''نتائج سفر متعلقہ تبلیغ''

۱: عوام کے متوجہ کرنے کے لئے اوّلاً شخصیت کے اثر و رسوخ کو بڑا دخل معلوم ہوتا ہے۔

۲: خوش آواز و خوش الحان نعت خواں یا واعظ خود کامیاب رہتا ہے۔

۳: اجلاس میں کوئی مطالبہ چندہ وغیرہ ہرگز نہ ہونا چاہیے، مطالبات سے اثر تمام تر زائل ہو جاتا ہے۔

۴: اپنا خرچ تبلیغ خود کرے تو مفید اور مؤثر ہے۔ پہلے سے ہی انتظام قیام و طعام کر کے یہ راہ اختیار کی جائے۔

اسی طرح یکم جولائی ۱۹۶۰ء کو ''اجلاس مسجد برخوردار'' کی یادداشت میں لکھا ہے:

''حاضری بالکل صفر تھی۔ ۱۲ بجے کچھ لوگ جمع ہوئے مگر پھر بھی کم۔''

اس صورتحال کے پیش نظر لکھا ہے:

(۱) آئندہ کے لئے مقرر صاحب باہر کے مشہور مقرر ہوں۔

(۲) لاؤڈ سپیکر کا انتظام ہو۔

(۳) تشہیر کافی کی جائے۔ ورنہ اس حالت کے ساتھ اجلاس نہ کرنا بہتر ہے۔

علیٰ ہذا القیاس جامعہ محمدی میں یوم عاشوراء ۱۳۸۰ھ/ ۵رجولائی ۱۹۶۰ء کے اجلاس میں بھی حاضری کم تھی۔ مقررین میں صرف جامعہ کا عملہ تھا۔ اس کی یادداشت میں لکھا ہے:

''ذیل امور قابل توجہ ہیں: (۱) نشر و اشاعت کی کمی پوری کی جائے۔ (۲) باہر سے کوئی مشہور عالم درکار ہے۔ (۳) لاؤڈ سپیکر چاہیے۔ ورنہ اسی طرح نرم کام ہوگا۔''

تبلیغی سرگرمیاں:

اب ذیل میں مولانا کی صرف چند سالوں کی ذاتی ڈائریوں اور یادداشتوں کے حوالے سے ان کی کچھ تبلیغی مساعی اور خدمات کی وسعت اور دائرہ ملاحظہ ہو۔ بعد میں آنے والا کوئی باہمت آدمی اگر ۱۹۴۶ء تا ۲۰۱۴ء (۶۹ سال) کی ڈائریوں میں موجود تبلیغی کاوشوں اور تبلیغی نفع رسانی کا تفصیل سے جائزہ لے سکے تو یہ بھی ایک دینی خدمت ہوگی۔

لالیاں اور گردونواح کا تبلیغی دورہ:

۲۰ تا ۲۷ مئی ۱۹۴۹ء/ ۲۱ تا ۲۸ رجب ۱۳۶۸ھ (جمعہ تا جمعہ) کی یادداشتوں کے مطابق مولانا نے لالیاں (ضلع چنیوٹ کی موجودہ تحصیل) اور گردونواح کے متعدد دیہاتوں کا تبلیغی دورہ فرمایا۔ یہ علاقہ چونکہ قادیانیت و مرزائیت کے مرکز ربوہ کے قرب و جوار میں واقع ہے اس لئے اس علاقے کا مرزائی عقائد و نظریات سے متاثر ہونے کا زیادہ خدشہ تھا۔ اس خدشہ کے پیش نظر مولانا نے مرزائیت کی تردید اور توڑ کے لئے یہ تبلیغی دورہ رکھا۔ متعلقہ کتب مثلاً مختار الصحاح خورد مصری، التصریح فی نزول المسیح، سیف چشتیائی، شمس الہدایہ، ختم النبوۃ ہر دو حصہ اور ائمہ تلبیس وغیرہ۔ اس تبلیغی دورہ کی دلچسپ طویل روئیداد جوان کی کمال ہمت، حوصلہ اور جذبہ وشوق پر دال ہے، ذیل میں انہی کے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔ چنانچہ ۲رمئی ۱۹۴۹ء کی یادداشت میں لکھتے ہیں:

''مولانا خطیب صاحب[1] نہ ملے بعد از بسیار انتظار جمعہ کے وقت تشریف لائے۔ بعد از نماز پھر غائب۔ خیر ہم نے تھوڑی بہت خواہ مخواہ تقریر کر ہی ڈالی۔ خطیب صاحب بجائے ہماری معاونت کے پیرکوٹ سدھانہ کو سدھار رہے ہیں۔ اللہ معنا۔ جمعہ کے بعد بغیر ملاقات حضرت کہیں چلے گئے۔ ہم نے آخرکار بہودی[2] آنا

---

[1] شاید مولانا نذر محمد لالی مراد ہیں کیونکہ اس قسم کے اجلاس ہمیشہ انہیں کے ہاں ہوا کرتے تھے۔

[2] ایک بستی کا نام ہے۔ بہودی اور بیہودی کا قافیہ دلچسپ ہے۔

بہودی سمجھا ہے۔میاں غلام حسین لالی وفقہ اللہ خیر التوفیق کی رہنمائی میں رات بہودی گزارنی ہے۔ھواللہ المعین۔"

۲۱ رمئی ۱۹۴۹ء:"ہفتہ کی رات بہودی میں آدمی کچھ زیادہ جمع نہ ہو سکے۔باوجود کوشش کے کوئی اہل اقتدار ہمارے پاس نہ آئے، ایک کے بغیر۔آخر صبح کو ناچار واپسی ہوئی۔میاں غلام حسین نے بڑے افسوس کے ساتھ ہمیں الوداع کیا۔ہم لوگ جبانہ پہنچے۔میاں شیر محمد و محمد حسین پسر ش سے ملاقات ہوئی۔میاں برخوردار موجود نہیں تھا۔وہاں سے یہ تجویز ہوا کہ ڈاور رات کو جانا چاہئے۔ظہر کی نماز کے بعد مولانا خطیب صاحب (اپنا سارا پروگرام عرس وغیرہ سارا منسوخ کر کے صرف للّٰہیت اور وفور شفقت کی بنا پر) جبانہ تشریف لائے۔ہمارے لئے گویا ہلال عید نظر آیا۔خوشی کی انتہاء نہ رہی پھر سب مل کر رات کو ڈاور پہنچے۔مولوی احمد بخش و دیگر اہل قریہ نے اچھی ہمت کر کے لوگ عشاء کو جمع کئے۔رات اتوار گزار کر صبح ایک مرزائی سے تبادلہ خیالات ہوا۔تقریری گفتگو سے گھبرا کر تحریر پر اڑ گئے۔آخر رطب و یابس مار کر اٹھ گئے۔فللّٰہ الحمد"

۲۲ رمئی ۱۹۴۹ء:صبح مبلغ احمدی سے فارغ ہو کر احمد نگر کا رخ کیا۔میاں شیر محمد جبانہ والے، مولوی نذر محمد امیر قافلہ تمام شریک مقصد سفر تھے۔۹ بجے احمد نگر پہنچے۔محمد عیسیٰ مہر اور خادم حسین کے ہاں ٹھہرنا ہوا۔تقریر کی اہل بلدہ نے کہا خاص حاجت نہیں ہے، ہم لوگ ان سے پہلے ہی سے پورے مجتنب ہیں۔باقی اگر آپ ٹھہریں تو کل اجتماع ہو سکے گا۔اتنا وقت نہیں تھا اس لئے بعد از نماز ظہر چل دیئے۔قاضی کوٹ رات کو پہنچے۔قاضی نور محمد و محمد موسیٰ امام مسجد کے ذریعہ رات چند لوگ بہت تھوڑے جمع ہوئے تھے۔اپنا فریضہ ادا کیا۔بعد از تقریر محمد اکرم، ظہور احمد صاحبان (ہنجرا) نے بعض چیزوں پر استفسار کیا۔جواب ماحضر عرض کئے گئے۔ان کا خیال ہے ایک احمدی مبلغ بلا کر پوری طرح تبادلہ خیالات ہو جائے۔ہماری یہ اجازت ہر وقت عام ہے جس وقت چاہیں آپ بلا لیں اور ہمیں اطلاع کر دیویں۔صبح سویرے قاضی کوٹ سے کوٹلہ پہنچے۔اگلے پہر یہیں قیام ہے۔شاید ظہر کے وقت کوئی صورت تبلیغ ہو جائے۔"

۲۳ تا ۲۶ رمئی ۱۹۴۹ء:بوقت ظہر مولوی نذر محمد دھن چلے گئے اور مولانا مولوی احمد بخش نے مختصر سے مجمع میں تقریر کی۔ملی سپرا میں آئندہ رات بمشکل چند آدمی جمع ہوئے۔فریضہ ادا کرنے کے بعد صبح مولانا مولوی احمد بخش وڑچھہ شب معراج کے لئے تشریف لے گئے۔ہم نے (مولوی نذر محمد و ناچیز) کوٹ سمائیل میاں محمد کے پاس رات گزاری۔یہاں بھی چند لوگ جمع ہو سکے۔تقریر کی گئی۔صبح لالیاں پہنچے۔ہر دو رات (شب معراج خمیس والی اور جمعرات) وہیں بے کار گزاری۔شب معراج پر لوگ نہ جمع ہوئے۔صبح خمیس کو بزور چند آیات کا ترجمہ عرض کیا گیا۔پیلو والی میں صرف اکیلے مجھے جانا ہوا۔مولوی نذر محمد اپنے کسی مقدمہ کی بنا پر مگھیانہ چلے گئے۔ضیائی صاحب نے واپس آکر لالیاں جمعہ پڑھایا۔بندہ نے جمعہ پیلو والی میں پڑھا کر میاں غلام علی لالی کی معیت میں

شب جمعہ جبانے حسب وعدہ پہنچے۔مولانا ضیائی صاحب پہلے مع ظہور اللہ پہنچ چکے تھے۔جبانہ میں بہت عمدہ حسب منشا اجتماع ہوا،خوب مقصد واضح کیا گیا۔صبح ناشتہ کرا کے سواریاں دے کر میاں مہر برخوردار نے ادباً کافی مسافت تک ساتھ چل کر الوداع کیا۔اخلاق حمیدہ سے ہم لوگ کافی متاثر ہوئے۔بعدازاں معرکہ جویہ نے بڑا سلوک ہمدردی کر کے دوپہر کو ٹھہرانا چاہا۔بصد مشکل معذرت کر کے ۲ بجے کانویں والا پہنچے۔میاں دوست محمد پہلے موجود تھے۔اتوار کی رات مجمع کافی ہو گیا۔گیس (لائٹ) وغیرہ مہیا کر کے کافی رونق ہو گئی۔دوسرے دن صبح مہر صاحبان چونکہ موجود نہیں تھے بنابریں وہ دن تمام وہیں بے کار گزرا۔آخر کار دوسری رات مہر مہند وغیرہ تمام حضرات نے امداد جلسہ لالیاں کا پوری ہمدردی سے وعدہ کیا۔صبح سوموار انہوں نے تین سواریاں گھوڑیاں وتے ونو کے تک میاں دوست محمد کے کہے کہائے پر عطا کیں۔راستے میں لالیاں ہوتے ہوئے (مولوی نذر محمد کو اطلاع دی گئی کہ اہل جبانہ واہل کانویں والا اجلاس مجوزہ کی امداد کے لئے تیار ہیں۔اسی طرح ان شاء اللہ اہل وتہ ونو کہ بھی امداد کریں گے۔اب آپ کی ہمت درکار ہے۔مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی آمد کی کوشش درکار ہے۔علاقہ والوں کا تقاضا ہے۔) شہر لالیاں سے ہو کر دوپہر سوموار یکم شعبان ۱۳۶۵ھ کو وتے پہنچے اور شیرہ ولد محمد حیات مرحوم وہاں موجود نہیں تھا۔اس کا بھائی سرفراز خان موجود تھا۔وقت اچھا گزرا۔رات کو مجمع مسجد میں ہوا،تقریریں ہوئیں،اعانت اجلاس کا وعدہ لوگوں نے کیا۔صبح منگل وار دوم شعبان کو واپسی میاں دوست محمد سے رخصت ہو کر محمدی کا رخ کیا۔دریا کے راستے سے پیدل محمدی پہنچے۔

اس کے بعد مولانا نے ''نتائج سفر متعلقہ تبلیغ'' لکھے ہیں جو گزشتہ سطور میں درج ہو چکے ہیں۔

اجلاس لالیاں:

گزشتہ تبلیغی دورہ کی تفصیل وروئیداد سے واضح ہے کہ اس دورہ میں تبلیغ کے ساتھ ساتھ لوگوں کو لالیاں میں ہونے والے ایک بڑے جلسے کے لئے ذہنی طور پر تیار کرنا بھی تھا۔اس جلسہ کی اعانت یعنی شمولیت کے لئے انہوں نے لوگوں سے وعدے بھی لئے۔اب اس مجوزہ اجلاس مؤرخہ ۱۷-۱۸رجون ۱۹۴۹ء/ ۱۹-۲۰رشعبان ۱۳۶۸ھ بروز جمعہ ہفتہ کے لئے مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ سات دن پہلے اپنے دو معاونین (مولوی محمد خان اور حافظ محمد شفیق) کے ہمراہ لالیاں پہنچ جاتے ہیں کیونکہ اس جلسے کے محرک روح رواں اور مرکزی کردار آپ ہی تھے۔وہاں پہنچ کر سارے انتظامات کا جائزہ لیا۔اشتہارات ابھی طبع نہیں ہوئے تھے۔مولوی محمد خان کو اس مقصد کے لئے فوری طور پر لائل پور (فیصل آباد) بھیجا گیا۔بعض حضرات کے ذمہ خواجہ قمر الدین سیالوی اور دیگر مقرر علماء کرام کو لانے کی ذمہ داریاں سونپی گئیں۔لاؤڈ سپیکر شامیانے لگانے وغیرہ کا انتظام کیا گیا۔

اب اجلاس کی مقررہ تاریخ ۱۷-۱۸رجون ۱۹۴۹ء کی یادداشت میں اجلاس کی مختصر کاروائی ملاحظہ ہو:

۸ ربجے صبح مولانا فاروق چنیوٹ سے تشریف لائے۔ عین ۱۲ ربجے مولانا اختر (لال حسین)، ازہری (علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری جامعہ محمدی کے صدر مدرس) اور مہتمم صاحب (مولانا محمد ذاکر، جامعہ محمدی کے بانی و مہتمم) وغیرہم۔ بعدہ فاروق صاحب نے اور آخر میں اختر صاحب نے پورے چیلنج دے کر کہا آیئے سوال کیجئے اگر صداقت موجود ہے۔ پورا للکارا۔ آیئے آیئے صداقتِ مرزا ثابت کیجئے۔ مگر کون سکتا تھا۔ حیات مسیح پر تقریر کی۔ مجمع اچھا خاصا ہوا ''یعنی امید سے زیادہ''

ہفتہ کی رات ۱۰ بجے حضرت صاحب (خواجہ قمرالدین سیالوی) پہنچے۔ آپ نے آتے ہی تقریر فرمائی۔ اس کے بعد فاروق صاحب نے بقیہ مضمون تمام کیا۔ آخر میں (مولانا لال حسین) اختر صاحب نے معذرت کی کہ وقت زیادہ ہو گیا ہے ورنہ ختم نبوت پر تقریر ہوتی۔ صبح (۱۸ رجون کو) ساڑھے آٹھ بجے اجلاس شروع ہوا۔ مولانا اختر صاحب مرزائیوں کی آمد کا ذکر کیا اور مناظرہ سے فرار وغیرہ ختم نبوت اور صداقت وغیرہ اور عام متداول سوالوں پر جو مرزائی عموماً کیا کرتے ہیں پوری بحث کی۔ ۱۲ بجے اجلاس ختم ہوا۔ ۵ بجے شام روانہ ہو کر چنیوٹ پہنچے۔ فاروق صاحب کو خمس وعشرین روپے دیئے گئے اور اختر صاحب کو ثلاثین (۳۰) روپے۔

تنظیم اہل السنت جھنگ کا قیام:

انہی تاریخوں یعنی ۲۰ رجون ۱۹۴۹ء/ ۲۲ رشعبان ۱۳۶۸ھ کو جناب مہتمم جامعہ محمدی (مولانا محمد ذاکر) کی تحریک پر ''تنظیم اہل السنت جھنگ'' کا قیام بھی عمل میں لایا گیا جس نے اپنے پلیٹ فارم سے تبلیغی کام کو مزید آگے بڑھایا اور ضلع بھر میں پھیلایا۔

۱۲ رفروری ۱۹۵۰ء- اجلاس حاکے والا چک: حاکے والا میں آج اجلاس اہل السنت کی طرف سے اچھی خاصی حاضری کے ساتھ کامیاب صورت میں ہوا ہے۔ مولانا ضیائی صاحب، بندہ، مولانا منظور عالم اور مولوی احمد نواز صاحبان نے تقریریں کیں۔ رفض کی تردید موضوع بحث رہا۔ متعلم جابر کے ذریعے سائیکل سواری پر آنا جانا ہوا ہے۔ زکام ساتھ ہے۔ اللہ یشفی۔

۷، ۸ راپریل ۱۹۵۰ء (جمعہ، ہفتہ)- اجلاس لالیاں: آج صبح برائے اجلاس لالیاں چل کر راستہ میں جمعہ ضائع کیا۔ عصر کے قریب پہنچا۔ مولوی عبدالرحمٰن، مولوی غلام غوث، مولوی محمد حیات فاتح قادیان تقریریں کر رہے تھے۔ شام کو خواجہ فخرالدین تشریف لائے۔ خواجہ صاحب نے اکثر نشستوں کی صدارت فرمائی۔ یوم السبت کو مولوی محمد علی جالندھری، قاضی احسان الدین احمد تشریف لائے۔ بڑے زوروں پر تردید مرزائیت ہوتی رہی۔ ہر مسئلہ ختم نبوت، حیات مسیح، کذب ودجل مرزا اور سیاسی حیثیت سے ان کی چالیں سب واضح بیان ہوئیں۔ آخری دن بخاری صاحب روح احرار مولانا لال حسین اختر ۱۰ بجے کے قریب تشریف لائے۔ ظہر کے بعد ان کی

تقریریں ہوئیں۔ ختم نبوت کے قرآن مجید سے استدلال پیش کئے۔ سب لوگوں کے لئے اللہ ایک کتاب ایک بیت اللہ کعبہ ایک خیرامۃ ایک ایسے ہی سب لوگوں کے لئے نبی ایک۔ الناس کے لفظ سے استدلال آیات سے تمام کر کے بہت عمدہ بیان کیا۔

۱۶ ستمبر ۱۹۵۱ء- مرزائیت کی تردید میں جلسہ: اتوار ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۷۰ھ (۱۶ ستمبر ۱۹۵۱ء) کی شب کو مولانا عبدالرحیم اشعر مبلغ احرار لائل پور اور مولوی دوست محمد ساقی اور بندہ چک کھچی ٹانگہ لے کر پہنچے۔ چوک میں عام کھلا اجلاس منعقد کیا۔ مرزائی بھی اپنا کچا چٹھا سننے کے لئے شریک اجلاس ہوئے۔ اشعر صاحب نے مرزائی کتب کے حوالے دِکھا دِکھا کر انہیں خوب ذلیل کیا۔ مولوی صاحب اچھے خاصے اس فن کے وسیع النظر مبلغ ہیں۔ جزاء اللہ۔ صبح واپسی ہوئی۔ مولانا فاروق صاحب سے مل کر واپس محمدی پہنچے۔ عشرہ روپیہ ہدیہ مبلغ صاحب کو پیش کیا۔ (اس سفر میں مولانا کے ہمراہ منشی صالح محمد اور ایک طالب علم عبدالحئی تھے۔)

تبلیغی اجلاس بمقام دربار برخوردار (۵ اکتوبر ۱۹۵۱ء): آج صبح ۹ بجے اجلاس حافظ صاحب (برخوردارؒ) کی خانقاہ پر قائم کیا گیا۔ مجاوروں نے پہلے مخالفت کی۔ آخر کار میانہ معرکہ کے دباؤ کی وجہ سے خاموش ہو گئے۔ سمندر والے اور برخوردار والے اس معاملہ پر متفق ہیں۔ پہلے جناب ضیائی صاحب (مولانا احمد بخش) نے تقریر کی۔ اس کے بعد مولانا بشیر احمد سروری نے تقریر کی۔ دوران تقریر اللہ یار چدھڑ وغیرہ شیعہ پارٹی سلام دربار کے لئے آئی۔ ڈھول نعرے ماتم سینہ کوبی وغیرہ شور مچایا۔ مولانا صاحب کو تقریر روکنا پڑی۔ نظم وغیرہ ہوتی رہی۔ کافی دیر کے بعد وعظ جاری ہوا۔ جمعہ وہیں پڑھایا گیا۔ امام نماز ضیائی صاحب تھے۔ عصر تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ آخر میں شیعوں نے کہا کہ چہلم پر ہم جوابی وعظ کرائیں گے۔ ضیائی صاحب اور میاں غلام میراں صاحبان نے سختی سے کہا یہاں کوئی وعظ چہلم پر نہیں ہوگا۔

جلسہ عاشوراء (۱۳ اکتوبر ۱۹۵۱ء): جامعہ (محمدی شریف) میں بندہ نے مختصراً شہادت بیان کی۔ لوگ بہت کم آئے۔ قلعہ لنگر کی رونق دوبالا ہے۔ آئندہ کے لئے ضروری یادداشت یہ ہے کہ رات دہم محرم کو ہمیشہ خاص و عوام الناس اہل قریہ کا اجتماع تازہ بلا کر عہد لیا جانا ضروری ہے۔ ہر ایک قوم کے چند معتبرین اپنی اپنی قوم کے وعدے عہدے تازہ کریں ورنہ اس سیلاب سے عورتوں، بچوں، جوانوں اور چھوکریوں کو بچانا محال ہے۔ صرف مدرسہ میں یا مسجد شہر وعظ اثر ے ندارد۔ مذکورہ لوگوں کی کثیر تعداد باوجود وعظ کے تابوت کی رونق بڑھاتی ہے اور تجربہ شاہد ہے کہ علاج مذکور ہی مفید ہے۔

۱۱ جنوری ۱۹۵۲ء

آج جمعہ کے وقت مجمع بھوانہ جامع مسجد میں ہوا۔

مقررین: حضرت مولانا احمد بخش ضیائی، حافظ احمد نواز، بندہ اور میاں مولا بخش تاجر حکیم بھی شامل اجلاس ہوئے۔ قبل از جمعہ اور بعد از جمعہ تقریریں جاری رہیں۔ ۴ بجے شام اختتام ہوا۔ بعد ازاں حکیم محمد سعید نے دعوت چائے کی پھر عام رخصت ہوئی اور آئندہ اجلاس چک کلیار متعین ہوا اور طے ہوا کہ دوسری اطلاع کی ضرورت نہ ہوگی اور نہ انتظار کیا جائے۔ تمام صاحبان خود تشریف لائیں گے۔ ان شاء اللہ

۲۳ر جنوری ۱۹۵۲ء

وِجھ میں شاندار اجلاس ہوا۔ مولوی چراغ دین، مولوی فضل حق اور مولوی قطب دین و دیگر حافظ حاجی محمد دین مگھیانہ (تھانہ خیراں والا محلہ) کافی علماء تھے۔ ان اجلاسوں کی اطلاع/ دعوت کر دی گئی ہے۔ امید ہے شائع کریں گے۔

۸ر فروری ۱۹۵۲ء

اجلاس جماعت۔ ''چک کلیار'' تجویز شدہ

مندرجہ ذیل اشخاص نے شرکت خصوصی کی۔

مولانا احمد بخش ضیائی، مولوی محمد خان، حافظ احمد نواز، محمد نافع، حافظ فیض احمد، مولوی عبدالرحمٰن رمانوی۔ جمعہ سے قبل بھی اور بعد بھی کافی تقریریں ہوئی ہیں۔ اردگرد کا کافی مجمع ہوا۔ حکیم زین العابدین، حکیم خدا بخش نے تمام تر مقامی انتظام سرانجام دیئے۔ نعت خوانی عبدالحئی مولوی اور حاجی محمود نے کی۔ بسال والی میں آئندہ ماہ کا اجلاس تجویز ہوا ہے۔

مرزائیوں کے مقابلے میں جوابی اجلاس: (۲۴ر فروری ۱۹۵۲ء)

تحصیل چنیوٹ کے چک ۱۳۵ کھچیاں میں مرزائیوں نے ایک تبلیغی اجلاس منعقد کر کے وہاں کے سادہ لوح عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش کی تو اس کے جواب میں وہاں ایک جلسہ کا اہتمام کیا گیا۔ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ ایک سائیکل سوار کے پیچھے بیٹھ کر وہاں پہنچے اور اس جلسہ میں شرکت کے ساتھ تقریر بھی فرمائی۔ چنانچہ ۲۴ر فروری ۱۹۵۲ء کی ڈائری میں لکھتے ہیں:

آج بمعیت حافظ محمد احسن و حافظ محمد شفیق (سائیکل سوار) برائے جوابی اجلاس کھچیاں چک نمبر ۱۳۵ مرزائیوں کے مقابلے میں، چنیوٹ کے راستہ جانا ہوا۔ چنیوٹ سے مولوی محمد یار پہلے ہی جا چکے تھے۔ ہم لوگ سائیکل کے ذریعہ ۱۲ بجے چک بہادر یوالے میں پہنچے۔ ہم سے قبل پیر قطبی شاہ، مولوی محمد یار، مولوی سید رسول وغیرہم تشریف فرما تھے۔ چک کھچیاں میں کل بروز ہفتہ یہ حضرات بڑے کامیاب اجلاس کر چکے ہیں۔ مرزائیوں کو بعض بے خود لوگوں نے زد و کوب کیا۔ آخر کار ان لوگوں نے ربوہ میں اطلاع کی کہ یہاں اجلاس کے موافق

حالات نہیں ہیں، ملتوی کیا جائے۔ مرزائی لاؤڈ سپیکر لائے ہوئے تھے۔ وہ روک دیا گیا۔ ان کو ذلت و رسوائی ہوئی۔ اس فتح کے بعد بہادر یوالہ میں یہ اجلاس منعقد کیا گیا۔

تلاوت و نظم کے بعد افتتاحی تقریر بندہ نے کی۔ بعد ازاں مولوی محمد یار نے ختم نبوت پر تقریر کی۔ آخر میں پیر قطبی شاہ نے فضائل صحابہ کرام پر مفصل تقریر فرمائی۔ اس کے بعد مولوی سید رسول نے چندہ تحریک کر کے قریباً یک صد و اربعین روپیہ برائے انجمن سہروردیہ لالیاں جمع کیا۔ واللہ اعلم۔ عصر کے بعد فارغ ہو کر گٹی کموکہ میں رات قیام میاں غلام کے ہاں کیا۔

تبلیغی جلسہ چک بوسال والی (۸؍مارچ ۱۹۵۲ء)

چک بوسال والی میں ۷؍مارچ ۱۹۵۲ء کو تبلیغی جلسہ ہوا۔ مولانا نے ۸؍مارچ کی تاریخ میں لکھا:

جلسہ تبلیغی چک بسال والی میں جمعہ کو ہوا۔ مولانا مولوی حکیم عطا محمد اور مولوی ضیائی اور مولوی منظور عالم نے تقریریں کیں۔ صدارت مولوی منظور عالم کو دی گئی۔ بعد ازاں آئندہ ماہ کا اجلاس چک ساہمل میں ہونے کا اعلان کر دیا گیا۔ بندہ حاضر نہ ہو سکا۔ میاں اسماعیل نعت خوان نے نظمیں پڑھیں۔

تبلیغی جلسہ چک جیون ۱۶-۱۷؍مئی ۱۹۵۲ء (جمعہ)

مولوی محمد شریف کی عدم موجودگی میں جمعہ پڑھایا گیا۔ صیام رمضان کی تاکید کی گئی۔ بعد ازاں چک جیون میں شام کو بعد از نماز پہنچنا ہوا۔ مولوی عبد الرب پہلے جا چکے تھے۔ رات کو مولوی صاحبان حسب وعدہ نہ پہنچے۔ صبح یوم السبت حافظ احمد نواز، مولوی سید رسول، مولوی تاج الرسول صاحبان تشریف لائے۔ بعد از ظہر جلسہ ہوا۔ ماحول کے لحاظ سے حاضری ہوئی۔ صرف دین کی رغبت کے تحت صوم صلوٰۃ وغیرہ کی ضروری چیزیں ذکر کی گئیں۔

آج روز ۱۷؍مئی بوقت ظہر چک جیون میں جماعت کی جانب سے تبلیغی اجلاس منعقد ہوا۔ مولوی عبد الرب محرک اجلاس مولوی سید رسول، تاج رسول، حافظ احمد نواز اور بندہ شریک جلسہ ہوئے۔ تقریریں عصر تک ہوتی رہیں۔ صوم صلوٰۃ و رغبت الی الدین موضوع رہا۔ اس اجلاس کی اطلاع طباعت کیلئے ''دعوت'' لاہور کو کی گئی ہے۔

کوٹ وساوا، جلسہ جماعت تنظیم (۱۱؍جولائی ۱۹۵۲ء بروز جمعہ)

زیر صدارت میاں محمد علی شاہ ۱ بجے اجلاس شروع ہوا ہے۔ تقریر مولوی تاج الرسول نے شہادت معروضہ بیان کی ہے۔ نماز جمعہ صدر جلسہ نے پڑھائی۔ اس کے بعد مولوی سید رسول نے تقریر ارشاد کی۔ پھر مولانا محمد خان نے تردید شیعہ و اصلاح رسوم پر تقریر مفصل فرمائی۔

جلسہ چک لال کوٹی کھوکھر (یکم اگست ۱۹۵۲ء)

جماعت (تنظیم اہل السنت) کا اجلاس چک نمبر ۱۴۰ ج ب؍لال کوٹی کھوکھر میں کیا گیا۔ مولانا ضیائی،

مولانا محمد خان اور بندہ شریک اجلاس ہوئے۔ مولوی حبیب الغفور اور ساقی صاحب نے انتظام میں حصہ لیا۔ ہفتہ کی رات وہیں ٹھہر کر صبح واپسی ہوئی۔ آئندہ اجلاس ماہانہ خانو آنہ متصل بھوانہ میں ہونا قرار پایا۔

جلسہ خانو آنہ (۵ر ستمبر ۱۹۵۲ء بروز جمعہ)

شب جمعہ خانو آنہ شرقی متصل بھوانہ میں میاں حسام الدین و میاں فضل احمد کی معرفت تبلیغی جلسہ منعقد ہوا۔ رات مولانا ضیائی صاحب کی تقریر میں شیعوں نے شور کیا۔ صبح ۹ بجے پھر اجلاس مہر بہاول کے گھر ہوا۔ بندہ اور ضیائی صاحب پہنچے تھے۔ دوسرا کوئی صاحب نہ آسکا۔ اگلی جمعرات چک کلیار میں اجلاس کرنا چاہتے ہیں اور ۲۵ر محرم ۱۳۷۲ھ کو بھی انہوں نے اجلاس کروانا ہے۔ خیال رہے۔

اجلاس چک کلیار (۱۱ر ستمبر ۱۹۵۲ء جمعرات)

چک کلیار میں اجلاس تبلیغی جماعتی اس تاریخ کو ہوا۔ پہلی الخمیس مولانا سید رسول اور تاج الرسول صاحبان تشریف لائے۔ نیز مولوی عبدالغفور لال کوٹی بھی شامل اجلاس ہوئے۔

اجلاس چک ارائیاں (۲۵ر ستمبر ۱۹۵۲ء)

رات جمعہ ہم بڑی دیر سے پہنچے۔ مولوی منظور عالم برخورداری اور مولوی عبدالرحمٰن جامعی ساتھ تھے۔ شب کو تقریر مولوی منظور عالم کی ہوئی۔

جامعہ محمدی۔ یوم عاشوراء (یکم اکتوبر ۱۹۵۲ء/ ۱۰ر محرم ۱۳۷۲ھ)

جامعہ محمدی میں حسب دستور سابق اجلاس محرم ہوا لیکن بغیر طلبہ بہت کم لوگ تھے۔ نیز اجلاس مذکور کے ختم ہونے پر مولانا مہتمم صاحب (مولانا محمد ذاکر) کی طرف سے ہماری مقامی جماعت تنظیم کو خاص ہدایت کی گئی کہ آئندہ اسی مرکزی درسگاہ جامعہ محمدی میں جماعت کی طرف سے اس تاریخ کو اجلاس محرم خاص اہتمام سے کرنا مناسب ہے۔ جواب میں آئندہ کے لئے اس کا وعدہ کیا گیا۔ ان شاء اللہ اس اجلاس کا حسب استطاعت انتظام کیا جائے گا۔

اجلاس سمندر دربار (۱۰-۱۱ر اکتوبر ۱۹۵۲ء)

آج صبح سویرے مولوی محمد خان کی معیت میں غلام احمد متعلم و غلام محمد، حافظ ڈھڈی و حافظ دوست محمد تمام سمندر دربار کے اجلاس کے لئے روانہ ہوئے۔ مولانا مولوی محمد یار چنیوٹ سے، مولانا دوست محمد قریشی احمد پور شرقیہ سے اور میر قطبی شاہ ملتانی عصر کو پہنچ گئے۔ جمعہ اور ہفتہ اجلاس بڑے کامیاب رہے۔ قریشی صاحب نہایت کامیاب مقرر ہیں۔ اہل قلم نیز ہیں۔ مرقومہ جات (علی الترتیب الذکر) ادا کردہ شد۔ اخبار ''دعوت'' سہ روزہ لاہور کو اطلاع کی گئی۔

اجلاس خانوآنہ (۱۶-۱۷/ اکتوبر ۱۹۵۲ء)

آج عصر کے وقت مولانا ضیائی صاحب کی معیت میں خانوآنہ میں روانگی ہوئی۔ رات جمعہ کو افتتاح اجلاس ہوا۔ پھر صبح جمعہ ۹-۱۰ بجے جلسہ ہوا۔ مہر نور محمد، میاں نورالحسن وغیر ہم نے شرکت کی۔ ۲ بجے ظہر تک جلسہ رہا۔ مہر بہاول خانوآنہ یار بیگ وغیرہ نے انتظامات کیے۔ آئندہ کے لئے ہر چھ ماہ میں ایک جلسہ کا وعدہ انہوں نے لیا۔ آج جمعہ کے روز خانوآنہ میں اچھا خاصا اجلاس ہوا۔ میاں سلطان احمد و فضل احمد سمندری ساتھ تھے۔

اجلاس خیروآنہ (یکم دسمبر ۱۹۵۲ء، پیر)

کل جانا نہ ہوسکا۔ مولوی عبدالرحمٰن کی مہربانی سے آج صبح سویرے ۵ بجے کے قریب سب سواری کے ذریعہ بڑی سردی میں خیروآنہ میاں ملک محمد کھوکھر کی دعوت پر جانا ہوا۔ مولانا احمد بخش ضیائی چنیوٹ سے تشریف لائے۔ حافظ غلام محمد ڈھڈھی پہنچا۔ ملک محمد کے پیر ''مکان شریف'' والے آئے ہوئے تھے۔ ۲ بجے ظہر تک اجلاس ہوا۔ اسی روز شام کو واپسی ہوئی۔ اللہ یار و نور محمد پسران ماہنی بلہڑ کا عموماً اپنی گھوڑی موقعہ بموقعہ بروقت دیا کرتے ہیں۔ جزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

اجلاس چک تارڑ (۲/ جنوری ۱۹۵۳ء)

اسی تاریخ کو تنظیم مقامی کا اجلاس تبلیغی چک نمبر ۲۰۹ تارڑ میں منعقد ہوا۔ غلام احمد اور مولانا ضیائی صاحب صدر مبلغ جماعت نے تقریریں کیں۔

بوسال والی میں جلسہ (۲۶، ۲۷/ فروری ۱۹۵۳ء، جمعرات، جمعہ)

جناب شاہ صاحب قبلہ (سید احمد شاہ بخاری اجنالوی) کی تشریف آوری۔ رات خمیس یہاں (محمدی شریف) قیام ہوا۔ صبح خمیس میاں حسام الدین روایتی سستی کے موافق بڑی دیر سے آئے۔ ۱۰ بجے دن بسال والی چک حسب تبلیغ پروگرام جانا ہوا۔ قبلہ شاہ صاحب کے ساتھ ہیں۔ آج جمعہ بسال والی وعظ جماعت کی طرف سے کرایا گیا اور جماعت کی طرف سے میاں حسام الدین شاہ صاحب کے ساتھ دورہ کر رہے ہیں۔ (شاہ صاحب کو تبلیغی دورہ کے سلسلے میں زحمت دی گئی ہے۔)

سمندر میں جلسہ (یکم مارچ ۱۹۵۳ء)

جناب شاہ صاحب کے وعظ کے لئے آج سمندر وعظ کی تیاری بتائی جاتی ہے۔ (شاید مولانا خود شامل نہیں ہوسکے۔)

قلعہ کنگراں میں جلسہ (۲/ مارچ ۱۹۵۳ء)

آج قلعہ کنگراں میں وعظ شاہ صاحب قبلہ اجنالوی کا ہوا۔ بعد ظہر ضرورت کے موافق مجمع ہوا۔ فدک

اور بنات وغیرہ مسائل پر بحث جاری رہی۔ بعدازاں چار مارچ بدھوار کو منگینی وعظ کی تیاری ہے۔اس کے بعد یہ دورہ ختم ہوجائے گا۔

منگینی اور چک تارڑ میں جلسہ (۲۴/اکتوبر ۱۹۵۳ء)

ہمارے پہنچنے سے پہلے مولانا قریشی صاحب اور مولانا ضیائی صاحب تشریف لا چکے تھے۔ ۱۱ بجے سے اجلاس شروع ہوا۔ پہلے ضیائی صاحب پھر قبلہ قریشی صاحب نے تقریریں کیں۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب اتفاقیہ بیمار تھے۔ ۴ بجے جلسہ ختم کر کے چک تارڑ میں ۹ بجے کے قریب پہنچے۔ صبح اجلاس مسجد میں ہوا۔ علامہ صاحب کے ساتھیوں نے مدح صحابہ کی کمال کردی۔ بہت عمدہ نظمیں قریشی صاحب کی اور دیگر احباب کی تیار کردہ ہیں۔ منگینی والوں نے سبعین اثمان اور تارڑ والوں نے خمس وعشرین مقررین لخطیب المذکور ولصاحبہ۔

چک بھلوآلہ اور بھوانہ میں جلسہ (۱۵-۱۶/جنوری ۱۹۵۴ء)

علامہ دوست محمد قریشی کی تقریر۔

چک ذخیرہ (پنڈی بھٹیاں) میں جلسہ (۲/اپریل ۱۹۵۴ء)

۲۷/رجب ۷۳ ۱۳ھ کو بمقام چک ذخیرہ بیرانوالہ نمبر ۱ (علاقہ پنڈی بھٹیاں) اجلاس تنظیم کیا گیا۔ مولوی حافظ احمد نواز اور مولانا ضیائی صاحب نے تقریریں کیں۔ اجلاس جمعہ کی رات اور جمعہ کے دن ہوا۔ میاں غلام محی الدین شاہ اور میاں عبدالکریم نے انتظامات جلسہ کئے۔

تبلیغی اجلاس لالیاں اور موضع ولّہ (۲۲-۲۳/جون ۱۹۵۴ء)

لیلۃ الثلاثاء کو مولانا قریشی صاحب اور لال حسین اختر صاحب تشریف لائے اور مولانا عبدالستار تونسوی تشریف نہ لا سکے جس کا بڑا افسوس ہوا۔ ۱۱ بجے جلسہ شروع ہوا۔ حاضری قلیل تھی۔ مولانا سید عبدالعزیز شاہ دہلوی تبلیغی جماعت والے بھی تشریف لائے۔ افتتاح بندہ نے کیا۔ پھر مولانا میر قطبی شاہ نے تقریر کی۔ نشست اول جلد ختم ہوکر پھر بعد از ظہر اجلاس قائم ہوا۔ مولانا عبدالعزیز شاہ نے ناصحانہ تقریر کی۔ پھر قریشی صاحب (علامہ دوست محمد) نے مدح کے موضوع کو خوب ادا کیا۔ لیلۃ الاربعاء کو پھر اجلاس ہوا۔ مولانا اختر صاحب نے شان نبوت بیان کی۔

۲۳/جون ۱۹۵۴ء: ۱۲ بجے سے اجلاس ولّہ تا ۷ بجے شام رہا۔ مولانا قریشی اور مولانا اختر کی ولّہ میں شاندار تقریریں ہوئی ہیں۔ بڑی ضرورت تمام ہوئی۔ جلسہ کا انتظام مقامی مہر محمد شیر ولد مہر بہادر لالی نے کیا۔ شام کو تمام صاحبان لالیاں واپس ہوئے۔ ثلاثین ثلاثین روپیہ پیش خدمت کئے گئے۔ ولّہ والوں نے اس معاملے میں حصہ نہ لیا۔ مدرسہ عربیہ (جامعہ حنفیہ) اور مقامی تنظیم کی طرف سے خدمات ماحضر پیش کی گئیں۔

جلسہ چک سیالاں (۶/اگست ۱۹۵۴ء)

صبح چک بھٹیانوالہ نمبر ۱۸۵ میں مولانا حکیم صاحب قریشی (عطا محمد) کے ہاں مولانا ضیائی صاحب اور مولانا محمد خان پہلے پہنچ چکے تھے۔ کھانا صبح سے فارغ ہو کر چک سیالاں میں سب معرکہ پہنچ گئے۔ ایک بجے جلسہ شروع ہو کر شام پانچ بجے ختم ہوا۔ درمیان اجلاس میں ضیائی صاحب کی تقریر میں ایک شیعہ سید نے کوشش کی کہ اثر تقریر زائل ہو مگر خود مقامی لوگوں نے ان کہ ٹھہرایا اور بند کیا۔ دعائے خیر کے ساتھ جلسہ ختم ہوا۔ مولانا حکیم صاحب نے ......روپیہ چندہ جماعت تنظیم عطا فرمایا...... بعد ازاں ۱۱ بجے کے قریب سائیکل سوار ہو کر چک برال نمبر ۲۴۷ میں پہنچ گیا۔

اجلاس چک برالاں (۷-۸/اگست ۱۹۵۴ء)

مولانا ضیائی صاحب پہلے پہنچ چکے تھے۔ ۲ بجے جلسہ شروع ہو گیا۔ عصر کو ختم ہوا۔ رات وہیں گزار کر صبح ۱۱ بجے پھر جلسہ شروع ہوا۔ میاں بہادر ترکھان ولد لال ماسٹر ولی محمد وغیرہم نے جلسہ کے انتظامات سرانجام دیئے۔ مولانا موصوف اور بندہ ہی اجلاس کے لئے پہنچے تھے۔ آج دو بجے ظہر کے بعد جلسہ ختم کر کے واپسی ہوئی اور آئندہ کے لئے ۲۳-۲۴/ستمبر ۱۹۵۴ء جمعرات جمعہ کو ملا اسماعیل (شیعہ عالم و مناظر) کی آمد کے بعد جلسہ رکھا جائے اور قریشی صاحب اور مولوی درویش محمد صاحب کو دعوت دی جائے۔

کانیانوالی سپراواں جلسہ (۱۹/اگست ۱۹۵۴ء)

رات چک نمبر ۲۳۸ (روڈہ) میں گزار کر صبح جمعہ میاں نذر محمد ولد میاں غلام حسین کے نکاح میں شمولیت کی۔ اس کے بعد ۹ بجے کانیاں والی میں پہنچے۔ مولانا ضیائی صاحب اور حافظ احمد نواز صاحب تشریف لا چکے تھے۔ ایک بجے اجلاس شروع ہوا۔ ساڑھے پانچ بجے شام ختم کر کے واپس ہوئے۔ مولوی محمد خان بھی شریک اجلاس تھے۔ مہر سارنگ نے رہائش کے انتظامات سرانجام دیئے۔

جلسہ چک کیمے کا نمبر ۲۲۹ (۲۷/اگست ۱۹۵۴ء)

بعد از دوپہر اجلاس شروع ہوا۔ حافظ محمد نواز، مولوی محمد خان اور مولانا ضیائی صاحب نے تقریریں کیں۔ ۵ بجے فارغ ہو کر شام نظھر کے میں میاں نور محمد کے ہاں قیام، صبح بھوانہ سے ہو کر اسباق کے وقت بحمد للہ واپس پہنچ گئے۔

اجلاس تبلیغی روڈہ (۲-۳/ستمبر ۱۹۵۴ء)

شام کو روڈہ چک نمبر ۲۳۸ پہنچے۔ ضیائی صاحب پہلے تشریف لا چکے تھے۔ رات جمعہ کو چک میں مختصر سا اجلاس ہوا۔ صبح معلوم حالات کی وجہ سے بجائے بلہڑ والا کے اسی روڈہ میں جلسہ کی تجویز کی گئی۔ مولانا ضیائی

صاحب کے بغیر کوئی اور صاحب نہ پہنچ سکے۔ جلسہ ساڑھے ۱۲ بجے شروع ہو کر ۳ بجے ختم ہو گیا۔ صرف دو تقریریں ہوئیں۔ مولانا صاحب منگوآنہ رخصت ہوئے اور بندہ رات گزار کر ہفتہ کو واپس ہوا۔ وگھاں والے احباب نے بڑا اصرار کیا۔ جلدی کوئی صاحب منگا کروگھ میں اجلاس کرایا جائے۔

محمدی شریف میں جلسہ (۸ ر ستمبر ۱۹۵۴ء)

شب چہارشنبہ کو یہاں محمدی شریف میں اجلاس تنظیم منعقد کیا گیا۔ مولانا ضیائی نے تقریر اصلاح رسوم محرم پر فرمائی۔ کچی مسجد میں جلسہ منعقد کیا گیا۔ باوجود تشہیر کے لوگ کم جمع ہوئے۔ علی الصبح مولانا واپس ہوئے۔

جلسہ یوم عاشوراء جامعہ محمدی (۹ ر ستمبر ۱۹۵۴ء)

آج یوم عاشوراء (۱۳۷۴ھ) ہے۔ گزشتہ شب اہالیان محمدی کے تمام اقوام کے دو دو افراد کو اپنے اپنے قبیلہ کے امتناع از ماتم و تعزیہ کے لئے متنبہ کیا گیا۔ امید ہے بہت حد تک فائدہ ہوا ہوگا۔ کوئی خاص شکایت نیامدہ۔ ۱۱ بجے کے قریب جلسہ جامعہ حسب دستور سابق منعقد ہوا مگر حاضری بالکل کما سبق معدودے چند افراد علاقہ نظر آئے۔ بندہ نے حسب مقدور بیان شہادات متعددہ کا ذکر کیا۔ خلفاء ثلاثہ کی شہادت، امام حسن کی شہادت اور امام حسین کی شہادت بیان کی گئی اور اجلاس عاشوراء دعا کے ساتھ ختم ہوا۔

تبلیغی دورہ (۲۲ تا ۲۶ ر ستمبر ۱۹۵۴ء، بدھ تا اتوار)

معروف شیعی مناظر و ذاکر ملا اسماعیل وقتاً فوقتاً اس علاقے میں مختلف مقامات پر خطاب و وعظ کے ذریعے شیعی عقائد و نظریات پھیلاتے رہتے تھے اور مولانا محمد نافع عموماً جلسے منعقد کر کے اس کے اثرات زائل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اسی طرح کے موقعہ پر آپ نے چھ روزہ تبلیغی دورہ ترتیب دیا۔ اس کی روئیداد انہی کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

۲۲ ر ستمبر: رات روڈہ گزار کر صبح خمیس چک برال میں بمع مولوی حبیب اللہ سیال متعلم دورہ حدیث جانا ہوا۔ مندرجہ کتب سفر ہذا میں ساتھ ہیں: اصول کافی و فروع کافی (اول، دوم، سوم)، احتجاج طبرسی، جلاء العیون فارسی، نہج البلاغہ مکمل، جامع عباسی فارسی، تاریخ الامم۔ ۲۳ ر ستمبر سے جماعتی پروگرام کے اہتمام کے لئے ۳۰ روپے مولا داد کھوکھر سے لئے تاکہ ضرورت پیش آجائے تو کام آئیں۔ ادا کردہ شد۔

۲۳ ر ستمبر: چک نمبر ۲۴۷ برال، صبح مولوی حبیب اللہ اور مولا داد کھوکھر کو لے کر چک مذکورہ میں ۹ بجے پہنچے۔ مولانا درویش محمد صاحب پہلے تشریف لا چکے تھے۔ ایک بجے سے جلسہ کا انتظام ہوا۔ مولوی صاحب میانوالی والے یا کوئی دوسرے صاحب نہ پہنچے البتہ مولانا ضیائی صاحب تشریف لائے۔ عصر کو اجلاس ختم ہوا۔ شام جمعہ کو مولوی محمد خان سرگودھا سے آ گئے۔ خمیس کے دن اور رات جمعہ بڑی بارش ہوئی۔ الحمد للہ۔ پھر صبح جمعہ کو ساڑھے دس

بجے اجلاس شروع ہوا۔ حافظ احمد نواز بھی پہنچ گئے۔ پہلے مولوی محمد خان، پھر احمد نواز نے وعظ کیا۔ پھر نماز ظہر پڑھ کر مولانا درویش محمد صاحب نے نہایت عمدہ تقریر کی۔ (وعدۂ خلافت، ایمان صحابہ، ماتم کی شرعی حیثیت وغیرہ)

۲۴؍ستمبر: قریشی صاحب اور مولوی درویش محمد صاحب کو دعوت۔ خمس عشر جماعتی خدمت۔ منتظمین اجلاس انتظام میں اہلیت نہیں رکھتے۔ ایک ایک کام کے لئے ان کی دشواریاں ختم نہیں ہوتی تھیں۔ صرف شوق ان میں ضرور ہے۔ بعد از عصر جمعہ کو بھی مشکل سے وہاں سے فراغت ہوئی۔ رات چک فقیراں میں حافظ شیر محمد اور منصب دار کے ہاں گزار کر صبح کو چک تارڑ میں پہنچے۔ مذکورہ تمام احباب اس تارڑ کے اجلاس میں شریک ہیں۔

۲۵؍ستمبر: چک ۲۰۹ تارڑ میں اجلاس حسب دستور رہا۔ ظہر کے بعد مولانا درویش محمد کی بڑی مؤثر تقریر ہوئی۔ پھر چک رمانہ سے سواریاں آ گئیں۔ لیلۃ الاحد وہاں جا کر گزاری۔

۲۶؍ستمبر: یہاں رمانہ خوشحال کے میں بہت کامیاب اجلاس ہوا۔ بعد عصر ختم کر کے تمام احباب شام ۷ بجے کے بعد موضع ٹھر کے میں پہنچے۔ سیلاب کی آمد کی اطلاع سن کر اجلاس ملتوی کرنا پڑا۔ پھر مولانا درویش محمد کو رخصت کر کے حافظ احمد نواز اور مولوی محمد خان رخصت ہوئے اور ہم محمدی شریف واپس ہوئے۔ دورہ تبلیغی آج ختم ہوا۔

اجلاس سمندر دربار (۴؍نومبر ۱۹۵۴ء جمعرات)

خمیس کو مولانا منظور احمد چنیوٹی، مولانا سید احمد شاہ استاذ تشریف لائے اور مولوی رشید احمد صاحب بھی پہنچے۔ خمیس کو میانہ معرکہ کے انتظام ناتمام ہونے کی وجہ سے اجلاس نامکمل رہا۔ کچھ رات جمعہ کو ہوا۔ پھر صبح ۹ بجے کے بعد شروع ہوا۔ ہر سہ مذکورہ صاحبان نے اور مولوی محمد خان نے تقریریں کیں۔ عصر، جمعہ کو ہم واپس ہوئے۔ دارالمبلغین کے متعلق بات چیت ہوتی رہی۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجلاس (۱۰؍نومبر ۱۹۵۴ء/ ۱۲؍ربیع الاول ۱۳۷۴ھ)

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجلاسوں کے سلسلہ میں آج رخصت ہے۔ پکی و کچی مسجد اور قلعہ کنگراں میں اور جامعہ میں جلسے ہوں گے۔ کچی مسجد کا اجلاس ہم نے کیا۔ باقی باقی احباب کر رہے ہیں۔

جلسہ موضع کلس (۲۴؍نومبر ۱۹۵۴ء)

لیلۃ الخمیس ۲۷؍ربیع الاول ۱۳۷۴ھ کو لالیاں میں مولانا ضیائی صاحب، مولوی محمد خان، حافظ احمد نواز اور بندہ پہنچے۔ صبح خمیس کو موضع کلس میں جانا ہوا۔ وہاں پیر قطبی بھی آ گئے۔ اچھا خاصا اجلاس ہوا۔ اس جلسہ کا اہتمام احمد ترکھان نے کیا۔

جلسہ موضع ولہ (۲۵، ۲۶؍نومبر ۱۹۵۴ء)

پھر لیلۃ الجمعہ کو قصبہ ولہ میں پہنچے۔ رات اور دن تقریریں ہوئیں۔ انتظام صوفی غلام حسین و قاری

صاحب و مولوی عبدالغفور مہاجر وغیرہ نے کیا اور مقامی غریب طبقہ نے حصہ لیا۔ امیر طبقہ ایسے کاموں کو فرقہ واریت تصور کر کے کنارہ کش رہتے ہیں۔ خضر حیات لالی سب سے پہلے شیعہ ہوا ہے۔ شیعی مولوی منگاتا ہے۔ ولّہ میں غربا کے سوا بڑے لوگوں نے کوئی خاص توجہ نہیں کی۔ ہر جگہ یہی حال ہے۔ اللہ ہی حافظ و ناصر ہے۔ قبل جمعہ بھی اور بعد از جمعہ عصر تک اجلاس ہوا۔ پھر اس کے بعد پیادہ پا رخصت ہو کر ونوکہ میں ہفتہ کی رات قیام کیا اور تقریر بھی کی۔

ونوکہ میں جلسہ (۲۷؍نومبر ۱۹۵۴ء)

ونوکہ میں صبح سے ظہر تک اجلاس ہوا۔ بعد ازاں پیادہ پا سب حضرات لالیاں عصر کو پہنچے۔ الحمدللہ رات وہیں قیام کیا اور صبح اتوار کو واپسی ہوئی۔

اجلاس چنیوٹ (۱۸ تا ۲۰؍مارچ ۱۹۵۵ء)

۱۸؍مارچ: آج چنیوٹ میں اجلاس ہوا۔ مولوی درویش محمد احمد پوری اور مولوی قائم الدین علی پور (مظفر گڑھ) بڑی تلاش سے لائے گئے۔ مگر رات کے اجلاس میں مولوی قائم الدین کو تقریر کے دوران میں روکنے کی وجہ سے وہ ناراض ہو گئے اور جامعہ میں چنیوٹ کے بعد نہ تشریف لائے۔ آئندہ وقت مقرر کر کے کھڑا کیا جائے اور مقررہ وقت سے قبل اس کو نہ روکا جائے۔

۱۹؍مارچ: آج حافظ اللہ وسایا ڈیرہ غازیخان سے تشریف لائے۔ رات اتوار کو فضائل صحابہ پر بڑی عمدہ تقریر کی۔ اتوار ۲۰؍مارچ کے لئے اور کوئی مقرر نہ مل سکا۔ یہ تنگ وقت میں اجلاس کا نتیجہ ہے۔

۲۰؍مارچ: بصد منت سماجت امروز کے اجلاس کے لئے حافظ صاحب کو ہی رکھا گیا۔ دستار بندی دورہ انہوں نے کی۔ میاں محمد علی شاہ کے ہاتھوں کرائی گئی۔ ۲ بجے اجلاس ختم ہوا۔ حضرت خواجہ نظام الدین تونسوی مدظلہ ۵ بجے بعد از اختتام اجلاس تشریف لائے۔ ان کو تار دیر سے ملا تھا۔ پھر راستہ میں کسی وجہ سے دیر ہو گئی۔ بہر کیف وعدہ پورا فرمایا۔

اجلاس حویلی باٹا (۲۲، ۲۳؍مارچ ۱۹۵۵)

۲۲؍مارچ: آج مولوی محمد خان اور مولانا ضیائی نے یہ اجلاس بھگتایا۔ بندہ خانگی تعمیرات کے سلسلہ میں مصروف ہونے کی وجہ سے نہ جا سکا۔

۲۳؍مارچ: آج بندہ بھی شروع اجلاس میں حاضر ہوا۔ حافظ شیر محمد ملک ڈرائیور تھے۔ ۳ بجے کے بعد اجلاس ختم ہوا۔ باہر سے مولوی عبدالعزیز میانوالی وغیرہ نہ پہنچ سکے۔ آئندہ مقامی معرکہ نے باہر کے کسی مولوی کے لانے کی بڑی تاکید کی ہے۔

اجلاس منکینی (۱۱/اپریل ۱۹۵۵ء)

اجلاس منکینی میں قریشی صاحب اور قاری لطف اللہ اور مولوی عبداللہ (سابق قادیانی) تشریف لائے۔ بندہ نہ جاسکا۔

اجلاس ڈھپڑ کے (۱۲/اپریل ۱۹۵۵ء)

ڈھپڑ کے میں جلسہ ایک بجے سے قبل ہی ختم کر دیا۔ بندہ دیر سے پہنچا۔ قریشی صاحب جا چکے تھے اور قاری صاحب موصوف سے ملاقات ہوئی۔ عصر کے بعد چک کلیار نمبر ۱۸۶ سے سواریاں آگئیں اور حسب پروگرام ان کو مولانا ضیائی صاحب کی معیت میں روانہ کر کے بندہ واپس محمدی آ گیا۔

اجلاس چک کلیار (۱۳/اپریل ۱۹۵۵ء)

چک کلیار کے بعد غالباً قاری صاحب (لطف اللہ) واپس ہوں گے۔ یہ دورہ یہاں ختم ہوگا۔

اجلاس کوٹ باقر (۱۲/اگست ۱۹۵۵ء)

محمد عیسیٰ امام مسجد مہر میر کے ہاں ہم لوگ (مولانا ضیائی، مولانا منظور عالم اور بندہ) رات جمعہ کو پہنچ گئے۔ رات کو تھوڑی سی کاروائی ہوئی۔ صبح کو ۱۰ بجے اجلاس شروع ہو کر ۲ بجے تک جاری رہا۔ بعد ظہر واپسی ہوئی۔

جامعہ محمدی۔ عاشوراء کا جلسہ (۳۰/اگست ۱۹۵۵ء)

بالکل مختصر سا اجتماع جامعہ کی مسجد میں ہوا۔ باوجود اطلاع و اعلان فی الجمعہ کے لوگ متوجہ نہیں ہوئے۔ بندہ نے شہادت کے موضوع پر تقریر کی۔ ۱۲ بجے اجلاس ختم ہوا۔

اجتماع سیرت (۳۰/اکتوبر ۱۹۵۵ء/ ۱۲/ربیع الاول ۱۳۷۵ھ)

اتوار کی رات کو اجتماع سیرت ہر دو مساجد (محمدی شریف) میں کیا گیا۔ کچی مسجد میں بندہ نے اور پکی مسجد میں مولوی حبیب اللہ نے سیرت پر تقریریں کیں مگر حاضری بالکل قلیل تھی۔ باوجود اعلان و اطلاع کے لوگ متوجہ نہیں ہوتے۔ ذوق دینی ختم ہو رہا ہے۔ (ترجیع)

اجلاس چک مونیاں (۲۴/نومبر ۱۹۵۵ء)

سفر تبلیغ: مولانا ضیائی صاحب اور بندہ رات چک مونیاں ۱۴۹ جا پہنچے۔ مولانا حافظ احمد نواز اور حافظ نصیر دین حسب وعدہ پہنچ گئے۔ مولوی منظور عالم حسب قاعدہ نہ تشریف لائے۔ کچھ رات کو وعظ ہوا۔ بقیہ دن ۱۱ بجے کو شروع ہو کر بعد از جمعہ عصر تک اجلاس جاری رہا۔

سفر تبلیغ برائے موضع کلس (۸، ۹/دسمبر ۱۹۵۵ء)

۸/دسمبر: آج حسب وعدہ ۱۲ بجے مولانا ضیائی اور مولانا منظور عالم سفر تبلیغ کے لئے تشریف لائے۔

حافظ امیر دین بھی ساتھ تھے۔ موضع کلس کے لئے ظہر کو سفر تبلیغ طے کرنا شروع کر دیا۔ دریا میں کشتی بروقت نہ ملنے کی وجہ سے غروب آفتاب کے وقت پار ہوئے اور بڑی مشکل سے ۸ بجے کے قریب رات کو کوٹ والہ میں مستری احمد ولد دتہ ترکھان کے ہاں پہنچے۔ حسن اتفاق سے مولوی نذر محمد لالی اور مولوی حافظ احمد نواز صاحب پہلے پہنچ چکے تھے اور اجلاس بجائے کلس کے وہیں مقرر رہا۔ موضع کلس والوں (زمینداروں) نے نہایت بے رخی اختیار کی۔ باوجود بلانے کے بھی نہ آئے اور خود مدعی بیمار تھا۔

۹ر دسمبر: موضع کلس صبح ۱۱ بجے اجلاس شروع ہوا۔ حسب حال حاضری بھی اچھی ہوگئی۔ بوقت عصر ختم کیا گیا۔ بہت اچھے اثرات رہے۔ بعد از مغرب بغیر مولانا منظور عالم کے باقی ہم تمام احباب ونوکہ میں گئے۔ وہاں تو بالکل ہی حالات ابتر پیش آئے۔ وعظ نصیحت سننے کے لئے کوئی دو چار غرباء مہاجرین وغیرہ کے بغیر تیار نہ ہوا۔ (ترجیع)

اجلاس تبلیغی چک چچکانہ (۱۶ر دسمبر ۱۹۵۵ء)

اجلاس تبلیغی چک چچکانہ خورد (نوٹ: بس اتنی یادداشت ہی درج ہے، کوئی تفصیل نہیں۔)

سرگودھا کے بعض چکوں میں جلسے (۲۶ تا ۳۱ر جنوری ۱۹۵۶ء)

پانچ چھ روز سرگودھا کے بعض چکوں مثلاً کالرہ، چک رمداس، چک نمبر ۴۵ شمالی میں خواجہ آباد وغیرہ میں تبلیغی جلسے ہوئے۔

رشیدہ اور حویلی باٹا میں جلسہ (۲۰ر مارچ ۱۹۵۶ء)

علی پور مظفر گڑھ سے مدعو مقرر مولانا قائم دین صاحب نہ پہنچے تو مولانا نے خود مولانا منظور عالم اور مولوی حافظ احمد نواز کے تعاون سے یہ اجلاس بھگتائے۔

چک لونہ نمبر ۱۳۱ میں تبلیغی جلسہ (۵، ۶ر اپریل ۱۹۶۴ء)

اجلاس بھوانہ (۱۹، ۲۰ر جون ۱۹۶۴ء)

اس اجلاس کے لئے مولانا عبدالستار تونسوی اور حافظ اللہ دوسایا مدعو تھے۔ علامہ تونسوی کی تقریر پر مولانا کا تبصرہ ہے:

''مولانا تونسوی صاحب فن تقریر کے ماہر ہیں۔ باحوالہ تقریر کرتے ہیں۔''

سمندر میں جلسہ (۱۶ر اگست ۱۹۵۶ء)

رات خمیس میں سمندر میں جلسہ قائم کیا گیا۔ مولانا محمد خان اور بندہ نے تقریریں کیں۔ صبح واپسی ہوئی۔ مولانا ضیائی صاحب نے تین چار مقامات کے لئے وقت دیا ہوا تھا مگر باوجود وعدہ کے تشریف نہ لائے۔ (بایں وجہ) محمدی اور سمندر کے بغیر اجلاس بھوانہ وساہمل وغیرہ نہ ہو سکا۔

کچی مسجد میں جلسہ شہادت (۱۸/اگست ۱۹۵۶ء)

یوم عاشوراء آج تھا۔ کچی مسجد میں اجلاس قائم کر کے تقریر کی گئی۔ آئندہ ضرور کوئی صاحب تقریر منگا کر بمع نعت خوان شہر میں جلسہ کیا جائے تو کامیاب ہوگا ورنہ لوگ نہیں آتے۔ اچھا خاصا مجمع ہوگا۔

اجلاس چک نمبر ا ذخیرہ (۱۸/اکتوبر ۱۹۵۶ء)

آج رات جھر کن گزار کر مولانا ضیائی صاحب سمیت و حافظ احمد نواز و حافظ امیر دین سمیت ایک بجے چک ذخیرہ نمبر ا پہنچے۔ رات کو مختصر سا جلسہ ہوا۔ صبح جمعہ کے روز ۱۱ بجے سے تین بجے تک اجلاس کامیاب رہا۔ شب ہفتہ کو چنیوٹ واپسی ہوئی۔

اجلاس چک رمانہ و تارڑ (۲۸،۲۹/اکتوبر ۱۹۵۶ء)

۲۷/اکتوبر: اسباق کی فراغت کے بعد بعد از ظہر چک رمانہ و چک تارڑ کے اجلاسوں کے لئے سفر اختیار کیا۔ بھوانہ میں معلوم ہوا مولانا غلام قادر ملتانی بھی بذریعہ سائیکل اسی راستہ سے رمانہ پہنچ رہے ہیں۔ راستہ میں ملاقات ہوئی۔ رات ہفتہ کو حافظ احمد منیر احمد پوری بھی پہنچ گئے۔ رات صرف جلسہ کا اعلان کیا گیا۔

۲۸/اکتوبر: صبح ۱۰ بجے اجلاس شروع ہو کر ۴ بجے ختم ہوا۔ مولوی عبداللہ، مولوی احمد منیر اور مولانا غلام قادر نے تقریریں کیں۔ بعد از عصر چک تارڑ نمبر ۲۰۹ سے سواریاں آگئیں اور اسی وقت رخصت ہوئے۔

۲۹/اکتوبر: رات پہنچ کر کچھ افتتاحی سی تقریر ہوئی۔ باقی دن پیر کو اجلاس ہوا۔ ملتانی دوست رات منگل وہیں رہے۔ بندہ واپس ڈھلو والی میں رات گزار کر روڈہ سے ہوتے ہوئے منگل کو واپس پہنچ گیا۔ (بحمد للہ)

چند سالوں کی مندرجہ بالا تبلیغی مساعی اور تبلیغی دوروں اور مسلسل جلسوں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا محمد نافع کے دل میں جنون کی حد تک تبلیغ دین کی تڑپ تھی۔ تبلیغی اجلاسوں کے لئے اکثر منتخب مقامات/ چکوک محمدی شریف سے چودہ پندرہ میل کے فاصلے سے کم نہیں۔ مولانا نے زیادہ تر یہ مسافت بذریعہ سائیکل یا پیدل طے کی۔ پھر بعض مقامات پر بڑے مایوس کن اور ہمت شکن قسم کے حالات پیش آئے۔ لوگوں کی عدم دلچسپی اور عدم تعاون اس کے علاوہ تھا۔ ان ساری چیزوں کے باوجود نظر آتا ہے کہ تبلیغ دین کی کٹھن راہ میں مولانا کے پائے ثبات میں لغزش آئی نہ ان کے جوش و خروش میں کوئی کمی۔

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

پڑھنے پڑھانے والے، ملازم پیشہ اور کاروباری قسم کے لوگ عموماً چھٹی والے دن آرام کرتے ہیں اور یہ ایک انسانی ضرورت بھی ہے مگر مولانا ہر ہفتے کے اخیر پر دو دن دین کی راہ میں للہ فی اللہ سفر کی صعوبتیں اٹھاتے نظر آتے ہیں۔

تبلیغی کورس کا اہتمام:

مولانا کی ۱۹۶۹ء کی ڈائری سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے جامعہ محمدی میں اس سال ایک ''تبلیغی کورس'' کا بھی اہتمام کیا جو ۱۷رشعبان ۱۳۸۹ھ سے شروع ہوکر ۲۰ررمضان ۱۳۸۹ھ تک جاری رہا۔ اس میں کوئی سات آٹھ طلبہ شریک رہے۔ اس دوران کی بعض یادداشتوں سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ کورس بطور خاص شیعہ سنی مسائل اور شیعی اعتراضات و مطاعن صحابہ کی وضاحت کے لئے تھا۔ چنانچہ مولانا نے ۱۷رشعبان ۱۳۸۹ھ/ ۲۹راکتوبر ۱۹۶۹ء کی یادداشت میں لکھا ہے:

''تبلیغی کورس'' آج افتتاح کی گئی ہے۔ ذیل صاحبان فی الحال شامل ہیں۔

نیچے آٹھ شرکاء کورس طلبہ کے نام اور متعلقہ علاقہ لکھا ہے۔

۲ررمضان اور ۱۳رنومبر کی تاریخ میں لکھا ہے: ''آیت تطہیر کی بحث آج مکمل ہوگئی ہے۔'' پھر ۲۴رنومبر ۱۳ررمضان کی تاریخ میں لکھا ہے: ''مسئلہ فدک آج شروع کیا جارہا ہے۔ مطاعن چار پانچ روز ہوئے ہیں۔ آج یہ طعن تھا۔''

قریباً سترہ شعبان ہذا سے شروع ہوکر ۲۰ررمضان شریف تک تبلیغی کورس یہاں جامعہ محمدی میں جاری رہا ہے۔ مندرجہ ذیل شریک کورس ہذا رہے ہیں:

۱- مولوی شیر محمد، شکر درہ کیمل پور
۲- مولوی غلام فرید، تھٹہ کیمل پور
۳- مولوی اسد اللہ، ملتان
۴- مولوی محمد افضل، ملتان جلالپور
۵- عبدالواحد سرگودھا
۶- مولوی ایوب چکڑالہ
۷- سید فضل حسین شاہ پیر کوٹ سدھانہ

تبلیغی کورس ردّ مرزائیت:

پاکستان میں مرزائیت و قادیانیت کا مرکز ربوہ (موجودہ نام چناب نگر) ضلع چنیوٹ تھا اور اب بھی ہے۔ فتنہ مرزائیت اور قادیانی چالوں اور شرانگیزیوں کا سب سے زیادہ خطرہ ربوہ کے اردگرد کے علاقوں کو تھا۔ چنانچہ اس خطرہ کو بھانپتے ہوئے عوامی سطح پر وعظ و تقریر کے ذریعے بڑے مؤثر پیرائے اور ڈنکے کی چوٹ پر مولانا منظور احمد چنیوٹی نے عوام کو قادیانی مغالطہ و ہمیوں سے آگاہ کر کے عقیدۂ ختم نبوت کا تحفظ کیا تو علمی و تحقیقی اور تحریری میدان میں مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کا فریضہ سرانجام دیا۔ تردید مرزائیت پر مضامین لکھے اور ۱۹۵۲ء میں جب مرزائیوں کے روزنامہ ''الفضل'' کے خاتم النبیین نمبر میں یہ مغالطہ دینے کی

کوشش کی گئی کہ متعدد اکابرین اسلام بھی نبی اکرم ﷺ کے بعد اجراء نبوت کے قائل ہیں تو اس کے جواب میں مولانا موصوف نے ''مسئلہ ختم نبوت اور سلف صالحین'' کے عنوان سے ایک مستقل کتاب قلمبند فرمائی اور مستند دلائل سے مرزائیوں کے تمام شکوک وشبہات اور تاویلات باطلہ کا جواب دیا۔ اس کتاب کا تعارف ان شاءاللہ مولانا کی تصنیفات کے باب میں آئے گا۔

مولانا منظور احمد چنیوٹی کی زندگی میں جامعہ عربیہ چنیوٹ میں ہر سال ردّ مرزائیت کورس کا انعقاد کیا جاتا تھا۔ اس کورس کے مدرسین میں مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کا نام سرفہرست ہوتا اور وہ بڑے ذوق وشوق اور پوری تیاری کے ساتھ اس میں شریک ہوتے۔ ایک سال ردِ مرزائیت کے ایک ماہر عالم مولانا محمد حیات کی خدمات حاصل کی گئیں۔ چنانچہ ۱۵ر جون ۱۹۷۴ء کی یادداشت میں لکھا ہے:

''۱۵ر جون ۱۲ بجے مولانا فاتح قادیان محمد حیات لاہور سے تشریف لائے۔ تبلیغی کورس ردّ مرزائیت کرائیں گے۔'' پھر ۱۷ر جون کی تاریخ میں لکھا ہے: ۱۶ر جون اتوار کو افتتاح ہوا۔ کام جاری کیا گیا۔ امروز افتتاح ہوئی۔ ۱۷ر جون کی ڈائری میں لکھا ہے: آج مسئلہ ختم نبوت جاری ہے۔

ڈائری کے مطابق یہ ردّ مرزائیت کورس ۱۶ر جون سے شروع ہو کر ۲۶ر جون ۱۹۷۴ء کو ختم ہوا۔ چنانچہ ۲۶ر جون (بدھ) ہی کی یادداشت میں لکھتے ہیں:

''آج مولانا محمد حیات فاتح قادیان کا درس ختم شد اور رات خمیس بھوانہ میں جلسہ مقرر تھا وہیں تشریف لے گئے۔ بندہ ساتھ گیا۔ حافظ ظہور احمد لینے آئے تھے۔''

پھر ساتھ ہی ''اختتام کورس'' کے عنوان سے لکھتے ہیں:

''دس بارہ لڑکے اس میں شامل رہے۔ ذی استعداد کم تھے مثلاً حافظ انور، حافظ سعد اللہ، حافظ حیات وغیرہ۔ ضروری ہے کہ صاحب استعداد لڑکے ہوں تب نفع ہوتا ہے۔''

باب پنجم

بطور مناظر کردار

مناظرہ کی ضرورت واہمیت:

اہل علم سے مخفی نہیں کہ اسلام بنیادی طور پر ایک دعوتی دین ہے۔ اس دعوت کا ابتدائی مرحلہ مخاطب کو بڑی حکمت، انتہائی ہمدردی، خیر خواہی، دردمندی، دلسوزی اور اس کی دنیوی واخروی فلاح کے جذبہ سے اسے توحید الٰہی، غیر اللہ کی عبادت چھوڑ کر صرف اللہ کی بندگی اور دین اسلام کی طرف بلانا ہوتا ہے جس میں داعی کے مدنظر صرف اور صرف اللہ کریم کی خوشنودی ہونی چاہئے نہ کہ کسی قسم کا ذاتی اور مالی مفاد۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اور بعض سورتوں مثلاً سورۃ الاعراف، سورۃ ھود، سورۃ الانبیاء، سورۃ الشعراء وغیرہ میں بطور خاص کئی انبیاء علیہم السلام کی اپنی اپنی قوم کو بے لوث دعوت کی تفصیل موجود ہے۔ مگر جب مخاطب صحیح حق بات کو قبول کرنے اور اس پر غور کرنے کے لئے تیار ہی نہ ہو بلکہ اس میں غلط فہمی سے یا مغالطہ دہی وتلبیس سے اور بلا دلیل شکوک وشبہات پیدا کر کے دوسرے لوگوں کو بھی گمراہ کرنے کی کوشش کرے اور اپنے باطل عقائد ونظریات پر ہٹ دھرمی، کج بحثی، ضد بازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے مؤقف پر اڑا رہے تو احقاقِ حق کے لئے صحیح بات کے اظہار اور ابطال باطل کے لئے حق کے عقلی دلائل وشواہد کی طرف مخاطب کو توجہ دلانا، غور وفکر کی دعوت دینا اور اس کے تمام شکوک وشبہات واعتراضات کا جواب دینا اور اس کے مؤقف کے عقلی ونقلی طور پر غلط ہونے پر دلائل پیش کرنا جسے اصطلاح میں مناظرہ، مجادلہ یا بحث مباحثہ کہا جاتا ہے، شریعت کا حکم (اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ۔ سورۃ النحل: ۱۶۔ ۱۲۵) اور انبیاء کرام کی سنت ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں سب سے پہلے سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۵۸ (اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖ...... الخ) میں بادشاہ وقت (نمرود) کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مناظرہ ومباحثہ کا ذکر آیا ہے۔ اس مناظرہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کی وحدانیت وقدرت پر ایک حسی اور محکم دلیل پیش کی تو نمرود لاجواب اور مبہوت ہو کر ہکا بکا رہ گیا (فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ)۔

اسی طرح اپنے والد اور قوم کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک مناظرے یا مباحثے کا ذکر سورۃ الانعام کی آیات ۷۴ تا ۸۱ میں موجود ہے۔

علیٰ ہذا القیاس سورۃ الانبیاء کی آیت نمبر ۵۱ تا ۷۰ اور پھر سورۃ الصّٰفّٰت کی آیت نمبر ۸۳ تا ۹۸ میں

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد اور اپنی قوم کے ساتھ ایک مناظرہ کی ایمان افروز تفصیل موجود ہے جس میں قوم اپنے مؤقف کے غلط اور بے بنیاد ہونے پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عقلی دلائل کا جواب نہ پا کر انتقامی کاروائی پر اتر آئی۔

نیز سورۃ الشعراء کی آیت ۶۹ تا ۷۶ میں بھی اپنے والد اور قوم کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک مباحثے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا: اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَاتَعْبُدُوْنَ ○ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ○ (جب کہ انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے پوچھا تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو (تو اس کے جواب میں) انہوں نے کہا ہم تو بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور ہم انہیں پر جمے رہتے ہیں۔) اس جواب پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں ان کی کم عقلی پر توجہ دلاتے ہوئے پوچھا: قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ○ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ○ اچھا تو کیا یہ تمہاری (دعا/پکار) سنتے ہیں۔ جب تم انہیں پکارتے ہو یا تمہیں کچھ نفع پہنچاتے یا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ تو اس معقول سوال کا ان کے پاس کیا جواب ہو سکتا تھا۔ اس لئے یہ کہہ کر مزید بحث سے بھاگ نکلے کہ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ○ بولے (ایسا کچھ نہیں) البتہ ہم نے اپنے آباء واجداد کو اسی طرح کرتے پایا ہے۔

علاوہ ازیں قرآن مجید میں حضرت نوح علیہ السلام کے اپنی قوم کے ساتھ، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرعون اور اس کی قوم کے ساتھ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے اپنی اپنی قوموں کے ساتھ بحث مباحثوں اور مناظروں کا ذکر موجود ہے جس کی تفصیل یہاں مقصود ہے نہ گنجائش ہے۔

تمام سابق انبیاء علیہم السلام کے بعد ہمارے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران (شام) کے پادریوں پر مشتمل وفد کے ساتھ گفتگو اور بحث مباحثہ کے دوران جب اس بات پر عقلی دلائل پیش کئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا ہیں نہ خدا کے بیٹے اور اس مسئلہ میں ان کے تمام شبہات کا جواب دیا مگر جب وہ ہٹ دھرمی اور ضد کے باعث اپنی بات پر اڑے رہے تو اللہ کریم نے اپنے محبوب علیہ السلام کو ان سے مباہلہ کرنے کا حکم دیا۔ (دیکھئے سورۃ آل عمران آیت ۵۹ تا ۶۱)۔

الغرض حق کے اثبات اور باطل نظریات کے ابطال کے لئے مخالفین و منکرین سے نظریاتی بحث و مباحثہ اور مناظرہ کرنا نہ صرف جائز بلکہ انبیاء علیہم السلام کی سنت بھی ہے۔ چنانچہ علامہ قرطبی (ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری) نے سورۃ البقرہ کی مذکورہ آیت ۲۵۸ کی تفسیر میں لکھا ہے:

وتدل علی اثبات المناظرة والمجادلة واقامة الحجة [1]

یہ آیت کریمہ مناظرہ ومجادلہ اور حجت قائم کرنے کے ثبوت پر دلالت کرتی ہے۔ مذہبی لحاظ سے مناظرہ

---

[1] علامہ قرطبی: الجامع لاحکام القرآن (تحقیق عبدالرزاق المهدی)، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، پاکستان، س۔ن۔ ۳/ ۲۷۳۔

کوئی پسندیدہ چیز نہیں لگتی کیونکہ بزرگان دین کا عام طور پر شیوہ نہیں رہا۔ تاہم جیسا کہ اوپر گزرا غیر شرعی بھی نہیں بلکہ اس کا دارومدار نیت اور طریق کار پر ہے۔ اگر نیت خالصتاً اظہار حق اور تبلیغ دین ہو، مخالف کی تنقیص و تذلیل اور ہر قیمت پر اسے ہرانا اور لاجواب کرنا مقصود نہ ہو۔ اسی طرح محض اپنے علم وفضل اور قوت گویائی کا اظہار نہ ہو تو یقیناً باعث اجر وثواب ہی نہیں بلکہ موجب رشد وہدایت بھی ہے اور بعض مواقع پر ضروری بھی ہو جاتا ہے۔

برصغیر کی تاریخ اس امر پر گواہ ہے کہ انگریز نے ہندوستان پر تسلط جمانے کے بعد مذہبی میدان میں دو کام بطور خاص کئے۔ ایک تو یہ کہ یورپ سے عیسائی مبلغین بلا کر انہیں تمام تر سہولتیں، تمام مطلوبہ وسائل اور ہمہ قسم کی آزادی مہیا کرتے ہوئے ان کی یہ ڈیوٹی لگائی گئی کہ وہ ہر طرح کی ترغیب وترہیب اور تحریص کو کام میں لاکر ہندوستانی مسلمانوں کو اپنے مذہب اسلام سے برگشتہ کر کے عیسائی بنائیں۔ دوسرے یہاں کے اہل اسلام کو مختلف مذہبی فرقوں اور گروہوں میں بانٹ کر ان کی یکجہتی کو پارہ پارہ کر دیں۔ چنانچہ ان دونوں مقاصد میں وہ خاص حد تک کامیاب بھی ہوا۔ عیسائی مبلغین نے شہر شہر بلکہ گلی گلی اور کوچہ کوچہ میں مناظروں اور دعوت وتبلیغ کا بازار گرم کیا تو مسلمانوں کے سواد اعظم کے خلاف خود انہیں کے اندر چھوٹے ہوئے طبقات کو جو بعض مسائل میں فقہی یا نظریاتی اختلاف رکھتے تھے اکسا کر اور در پردہ شہ دے کر ایک دوسرے کے مدمقابل کھڑا کر دیا۔ چنانچہ اس سوچی سمجھی سازش کے تحت اہل تشیع کو اہل سنت والجماعت کے خلاف کھڑا کیا گیا۔ پنجاب میں مرزا غلام احمد قادیانی کو مذکورہ مقاصد کے تحت ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھنے اور اپنی نبوت کا دعویٰ کرنے کا راستہ دکھایا گیا اور اس کے لئے تمام سرکاری سہولتیں اور وسائل مہیا کئے گئے اور کہیں سواد اعظم اہل سنت والجماعت کو دیوبندی، بریلوی مسالک کے جھگڑوں میں مبتلا کر دیا۔

ان تمام تخریبی کاروائیوں کے نتیجے میں ہندوستانی مسلمان غیر شعوری اور غیر ارادی طور پر مذہبی فرقوں میں بٹ کر آپس کے مذہبی ومسلکی جھگڑوں میں الجھ پڑے اور اپنے اپنے مذہبی نظریات کو دوسرے پر زبردستی تھوپنے کی دُھن سوار ہوگئی اور یوں باہمی مناظروں کا ایک سلسلہ چل پڑا جس سے وحدت اسلامی اور اتحاد واتفاق امت کو وہ نقصان پہنچا جس کی تلافی آج تک نہیں ہو سکی۔

اس صورت حال کے پیش نظر علماء حق کو بادل نخواستہ مناظرے کے میدان میں اترنا پڑا۔ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کا مزاج اور طبیعت مخاصمانہ اور مناظرانہ نہیں تھی۔ نہ وہ اس چیز کو پسند کرتے تھے۔ چنانچہ جب انہوں نے سنا کہ چک گھوڑیاں والا (ضلع چنیوٹ) میں ایک مناظرہ ہو رہا ہے تو اس پر اظہار تاسف کرتے ہوئے انہوں نے اپنی ڈائری / یادداشت میں لکھا:

''چک گھوڑیاں میں پھر مناظرہ وغیرہ کا اجتماع ۲۱ رشعبان کو ہو رہا ہے۔ اہل تشیع علاقہ کے غریب سنیوں

کو چین نہیں لینے دیتے۔ یَہْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝"[۱]

اسی طرح ۴ رجولائی ۱۹۵۰ء کی یادداشت میں لکھا ہے:

اہل تشیع: چک بھٹہ وغیرہ میں یہ شریر اپنی شرارت میں مصروف ہیں۔ مولوی محمد خان صاحب سے ۱۵ رشوال کو انہوں نے مناظرہ رکھا ہے۔ اللہ رحم کرے۔"[۲]

اس کے باوجود بعض مواقع پر ناگزیر حالات میں اور مخالفین کی طرف سے چیلنج کے مواقع پر انہوں نے کئی مناظروں میں حصہ لیا۔ بعض میں بطور مناظر اور بعض میں بطور معاون شرکت کی۔ ان مناظروں کی روئیداد اپنی طرف سے قلمبند کرنے کی بجائے ہم اس معاملے میں افراط وتفریط سے بچنے کے لئے صرف اسی تفصیل پر اکتفا کریں گے جو مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے محتاط قلم سے اپنی ڈائریوں میں درج فرمائی ہے۔

مناظروں کی اس تفصیل یا روئیداد سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ زیادہ تر مناظروں کے محرک، روح رواں اور اہتمام کرنے والے مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے۔ ان مناظروں میں اگرچہ براہ راست مناظر کے طور پر ان کا کردار کم نظر آتا ہے مگر مناظر حضرات کو مواد عموماً وہی کرتے تھے۔ بحث مباحثہ اور مناظرہ کے وقت متعلقہ مواد، حوالہ جات، اعتراضات وشبہات کا جواب مولانا ہی فراہم کیا کرتے تھے۔

بطور مناظر کم حصہ لینے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ آج کل مناظرہ کے لئے جن ظاہری ضروریات وعوامل کو ضروری سمجھا جاتا ہے اور وہ عوامی مجمع میں مؤثر ثابت ہوتے ہیں وہ اتفاق سے مولانا کے اندر نہیں پائے جاتے تھے۔ اور وہ عوامل ہیں:

۱۔ صحت مند وتوانا اور بھاری بھرکم ہونا: جبکہ مولانا انتہائی نحیف الجسم، دبلے پتلے اور کمزور سے واقع ہوئے تھے۔

۲۔ جہیر الصوت ہونا: جبکہ مولانا بڑی آہستہ اور کمزور آواز کے مالک تھے۔

۳۔ چرب زبان اور چالاک وہوشیار ہونا: جبکہ مولانا کے اندر چرب زبانی تھی نہ چالاکی۔

۴۔ تقریر اور فن خطابت میں مہارت: جبکہ مولانا کی گفتگو عام سی اور ہر قسم کی شعلہ بیانی اور زور خطابت سے خالی تھی۔

۵۔ داؤ کے فن سے واقف ہونا: جبکہ مولانا سیدھے سادے ایک عالم دین تھے۔

بہرکیف ان مناظروں کی تفصیل اور روئیداد مولانا کی زبانی درج ذیل ہے:

---

[۱] ذاتی ڈائری، مؤرخہ ۱۸ رمئی ۱۹۵۰ء۔

[۲] ذاتی ڈائری، مؤرخہ ۴ رجولائی ۱۹۵۰ء۔

۱۔ مناظرہ چک رجوکہ، فروری ۱۹۴۹ء:

یہ مناظرہ ۱۴؍فروری ۱۹۴۹ء کو ضلع جھنگ (موجودہ چنیوٹ) میں اہل تشیع کے مذہبی و سیاسی مرکز چک رجوکہ میں منعقد ہوا۔ اس مناظرہ کی روئیداد قلمبند کرتے ہوئے مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

''روافضِ رجوکہ (مثلاً غلام حسن شاہ وغیرہ) نے عوام کو تنگ کیا۔ اس پر مدافعانہ جوابی طور پر حضرت سجادہ نشین (خواجہ قمرالدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ) بمع چند علماء (مولوی قطب الدینؒ، مولوی احمد بخش ضیائیؒ، مولوی عطا محمد، مولوی اعجاز ولی خان وغیرہم) چک رجوکہ ''پہلوان کے'' منگل کی رات کو پہنچے۔ روافض کچھ ٹال مٹول کرتے رہے، کوئی چیز طے نہ ہونے پائی۔ آج (اگلے دن ۱۵؍فروری کو) بھی شرائط و موضوع وغیرہ جات میں کافی وقت ضائع کیا گیا۔ آخر کار میدانِ وعظ قائم ہوا اور خصم نے بھی مقابل میں آمیز نصب کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد غلام عباس رئیس رجوعہ مجمع میں متکبرانہ وضع و ہیبت میں پہنچا اور بڑا برافروختہ ہو کر کہنے لگا کہ مناظرہ کی آگ میں اپنے علاقہ میں نہیں لگنے دوں گا، وغیرہ وغیرہ۔ اصل میں ان روافض حضرات کی ہنگامی تحریک تبدیل مذہب کا ردِّ عمل تھا جو آج مجبوراً مناظرہ تک اترنا پڑا۔ آخر کار حکمتِ عملی سے مولوی قطب الدین صاحب نے زور دے کر کہا کہ سردار صاحبان خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرنے پر تو کوئی اعتراض نہیں ہے، آپ بھی سنیں گے؟ اس بہانہ سے حمد و تعریف کرتے کرتے عظمت و عزتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ و سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا پر زور دیا کہ اتنے جلیل القدر مسلمہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیسے غلط رشتے ناطے ان سے کر سکتے تھے؟ مجمع خوب جمارہا اور عوام پر خوب مسئلہ واضح کیا۔ بعد ازاں جوابی طور پر پروفیسر الطاف انصاری مہاجر (مقیم علاقہ رجوکہ) و دیگر ملا صاحبان وغیرہ ہیں۔ پروفیسر کھڑے ہوئے اور دراز تمہید کے بعد اس پر زور دیا کہ بیوی سے عموماً دو مقصد ہوتے ہیں: ایک افزائشِ نسل، دوسرا تسکین خاطر و حصولِ راحت وغیرہ۔ یہ مذکورہ بیویوں سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے حاصل تھے۔ کچھ ایسے ہیر پھیر سے اس نے مذمت کرنا چاہی۔ آخر سورۂ تحریم کی آیت اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ الخ سے اپنا مدعا پورا کرنے پر اس نے زور ڈالا۔ اس اثنا میں ترجمہ آیتِ مذکور ہماری جانب سے پوچھا گیا۔ خصوصاً شرط و جزاء، تفصیل و تطبیق و ترتیب وغیرہ تو کہنے لگا میں تو پروفیسر ہوں، ہمارے مولوی صاحب ترجمہ کریں گے، اس پر مجمع عام میں بڑی فضیحت ہوئی۔ آخر ملا صاحب اٹھے، مگر صحیح ترجمہ نہ کر سکے، اور عبارتی حل میں سے عہدہ برآ نہ ہو سکے۔ اس پر مجمع میں ہاہو مچ گئی۔ اجلاسِ (مناظرہ) ختم کرنا پڑا اور عصر کے وقت چک پھٹنیکا کو تمام علماء روانہ ہوئے۔''[1]

---

[1] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، ذاتی ڈائری مؤرخہ ۱۴ تا ۱۶؍فروری ۱۹۴۹ء۔

۲۔ مناظرہ موضع سمندر (مرزائی مولوی سے)، ۲۲ر نومبر ۱۹۴۹ء:

موضع سمندر جامعہ محمدی شریف کے قریبی مواضع میں سے ہے۔ یہاں چند آدمی مرزائیت سے متاثر تھے۔ ان مرزائیوں نے تبلیغ کے سلسلے میں اپنے ایک مولوی کو بلایا تو وہاں کے ایک مسلمان آدمی میاں غلام محمد رنگین مرحوم نے اس کے جواب کے لئے مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کو بلا بھیجا۔ مولانا فوراً بغیر کسی پیشگی تیاری کے وہاں پہنچے اور اس مرزائی مولوی سے مناظرہ پیش آیا۔ اس مناظرہ کی روئیداد/ یادداشت مولانا نے اپنی ۱۹۴۹ء کی ڈائری کی ۲۱ تا ۲۳ر نومبر کی تاریخوں میں ''الٰہی خیر'' کا عنوان قائم کرتے ہوئے یوں لکھی ہے:

قریباً ۴ر بجے شام رنگین صاحب نے پیغام بمع سواری روانہ کیا کہ آج سمندر میں مرزائی مولوی صاحب (جلال الدین شمس وعبدالحمید آصف) تبلیغ کے سلسلے میں پہنچے ہیں۔ لہٰذا جامعہ کے صدر مولانا عبدالمصطفیٰ الازہری مرحوم ودیگر صاحبان تشریف لاویں۔ اسی وقت ہم لوگ کتب ضروری لے کر برخوردار سے ہوتے ہوئے سمندر شام کے وقت جا پہنچے۔ رات کو ضیائی صاحب (مولانا احمد بخش ضیائی ساکن منگوآنہ) بھی آ گئے۔ غور وخوض تیاری وغیرہ ہوتی رہی۔ محمد شفیق، ظہور احمد طالب علم ہمراہ تھے۔

مناظرہ کی تشکیل

صبح اگلے پہر ڈیرہ پر اجتماع ہوا۔ فریق ثانی آ مقابل میں جمع ہوئے۔ شرائط مناظرہ (مدعی ہر سہ ۳ مسائل اجرائے نبوت، وفات مسیح اور صدق کذب مرزا صاحب میں وہ ہوں گے۔ اولاً اجراء وختم نبوت پر کلام ہوگی۔ پھر علی الترتیب کلام ہوگی۔) اوقات میں آخری وقت مدعی کو کوئی خصوصی نہیں ملے گا بلکہ مجیب کو ہی ملے گا اور کوئی ایسا صدر یا معتبر آدمی مقرر ہو جو خارج از بحث جانے والے کو روک سکے۔ ان چیزوں میں بڑی بحث وتکرار ہوئی۔ آخر صدر منتخب نہ ہوسکا۔ باقی امور منوائے گئے۔

اس دن ۲ بجے سے لے کر مغرب تک ختم نبوت پر بحث ہوئی۔ (احمد بخش) ضیائی نے مناظرہ کیا اور اچھا رہا، خوب ہوا۔ راتوں رات عبدالرحمٰن اور ظہور احمد ۱۲ بجے رات چنیوٹ بھیجے۔ مولوی عبداللہ معمار کو صبح پہلی لاری کے ذریعے چنیوٹ سے لائے۔ اُن کے آنے سے مرزائی پر گویا حیرت آ گئی۔ بہانہ ہوا کہ یہ صاحب گالیاں دیتے ہیں۔ لہٰذا ہم ان سے مناظرہ بقیہ مباحث پر نہیں کرتے۔ بڑے اصرار کے بعد معمار صاحب صرف اپنی تقریر کر کے واپس اسی دن چلے گئے۔ مرزائی بھی تقریر کر کے واپس ہوئے۔ غلام نبی ومیاں محمد بخش کے لڑکے خدا محفوظ رکھے مذبذب نظر آئے۔ اللہ تعالیٰ سمندر کو محفوظ رکھے۔ اس کا ایمان غرق نہ ہو۔ میاں حسام الدین، میاں سلطان احمد، مولوی محمد امین، فضل احمد، شیخ احمد ودیگر صاحبان نے بڑا خیر مقدم کیا۔ بدھ کی شام واپسی ہوئی۔

۳۔ مناظرہ چک تارڑ، دسمبر ۱۹۴۹ء:

یہ مناظرہ چک تارڑ نمبر ۲۱۰ (ضلع چنیوٹ) میں مورخہ ۳۰؍دسمبر ۱۹۴۹ء کو ہوا۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس کی یادداشت میں لکھتے ہیں:

''سردار غلام عباس رجوعہ، میاں ریاض حسین ٹھٹھہ محمد شاہ صاحبان کی کوشش سے چک مذکور میں ۱۲؍ربیع الاول کو آئینی تعطیل میں سکول کے ماسٹروں کی ایک میٹنگ بلائی اور تبلیغی جلسہ شیعی مشن کے لئے کرایا گیا۔ مولوی بشیر ٹیکسلا والا اور مولوی اسماعیل گوجرہ والا اس علاقہ میں نارِ رفض شعلہ بار کرنے کے لئے پہنچے۔ سنیوں نے جوابی کارروائی کے لئے مولانا قطب الدین، مولانا احمد بخش ضیائی اور ناچیز محمد نافع کو مدعو کیا۔ آخر ان کے چیلنج کرنے پر ہم نے مناظرہ قبول کیا اور مناظرہ ہوا۔ ہماری طرف سے ضیائی صاحب اور شیعوں کی طرف سے مناظر مولوی اسمٰعیل تھا۔ ایمان بالقرآن اور خلافت پر مناظرہ ہوا۔ اللہ کے فضل سے سنی اچھے رہے۔ دوسرے دن صرف اپنی اپنی تقریریں ہوئیں۔ آخری تقریر مولانا قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے کی۔ تب یہ اجلاس تمام ہوئے۔ آج کل اس علاقہ میں رفض کی تبلیغ بڑے زور سے جاری کردی گئی ہے۔ شاید اکثریت کے ساتھ سیاسی مقابلہ بھی ملحوظ ہے۔ چک رجوکہ میں یہی دعویدار تھے کہ ہمارے علاقہ میں یہ مناظرہ کے تنازع کی آگ نہ لگائی جائے۔ شاید آج اس کا بدلہ لیا ہے۔''[1]

۴۔ مناظرہ چک گھوڑیاں والا مورخہ ۸؍جون ۱۹۵۰ء:

ایک شیعہ رئیس سید غلام عباس (ساکن رجوعہ سادات) نے اپنی سرداری کے زعم میں ایک مرتبہ چک گھوڑیاں والا نمبر ۲۲۲ (ضلع چنیوٹ) کے اہلسنت والجماعت کو مناظرہ کا چیلنج کیا۔ اہلسنت نے منظور کرلیا مگر موقع پر آکر سردار صاحب ڈھیلے پڑ گئے۔ مناظرہ کی بجائے قریبی چک ڈُوگھڑہ میں جلسہ ہوا۔ اس کی روئیداد درج کرتے ہوئے مولانا نے اپنی یادداشت میں لکھا ہے:

اجلاس ڈُوگھڑہ:

''چک گھوڑیاں والا نمبر ۲۲۲ میں غلام عباس رجوعی کی شرارت مناظرہ کی وجہ سے علاقہ والے مجبور ہوئے۔ سردار صاحب کا چیلنج اہل علاقہ نے منظور کرلیا۔ پھر یہ صاحب خود ڈھیلے ہوکر مناظرے سے انکاری ہوئے تو اس صورتحال میں ڈُوگھڑہ والوں نے ایک اجلاس تبلیغی و اصلاحی تاریخ بالا کو منعقد کیا۔ جناب حضرت سجادہ نشین صاحب قبلہ سیال شریف (خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ) ابن حافظ فیض صاحب کی شادی وغیرہ سے فارغ ہوکر

---

[1] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، ذاتی ڈائری مورخہ ۳۰-۳۱؍دسمبر ۱۹۴۹ء۔

شریک اجلاس ہوئے۔ مولوی چراغ دین، جناب مولوی قطب الدین جوتوی، مولوی محمود شاہ گجراتی وغیرہم علماء و اکابر اہلسنت کا کافی مجمع ہوا۔ شیعہ سردار او میاں ریاض حسین وغیرہم اہالیان ٹھٹھہ ورجوعہ وغیرہ جمع ہوئے۔ اپنے علماء اسماعیل وشیر وغیرہ ساتھ لائے۔ جمعہ کے ۱۲ر بجے سے بات چیت باقاعدہ شروع ہوئی جس میں ہر قدم پر لیت ولعل بڑھائی گئی۔ کسی وقت ذمے داری امن کا قصہ، بعض اوقات یہ کہ چیلنج تحریری اہل سنت کی طرف سے پہلے ہمیں کیا جائے اور ہمارے سنی حضرات نے زور دیا کہ شیعہ حضرات کی طرف سے یہ تحریر ضروری ہے کہ ''ہم سنیوں سے مناظرہ کرنا چاہتے ہیں'' مگر ٹال مٹول کر کے وقت ضائع کیا اور آمادگی اس طرح ظاہر نہ کی۔ آخر جمعہ کی عصر کے بعد جب بالکل مایوسی ہوگئی تو حضرت صاحب اور دیگر صاحبان واپس ہوئے۔ ویسے تقریریں ہماری بہت اچھی ہوئیں۔ ہم لوگ کتابیں کافی لے گئے تھے۔ بحمد للہ سب سلامتی سے واپس لائی گئی ہیں۔ الحمد للہ علی نصر دینہ۔''[1]

۵۔ مناظرہ چک سیالاں مؤرخہ ۳۰ر جولائی ۱۹۵۰ء:

یہ مناظرہ ایک شیعہ وڈیرے کی شرارت اور چیلنج کے باعث ہونا طے پایا۔ مگر مقررہ تاریخ پر فریق مخالف کے راہ فرار اختیار کرنے پر صرف جلسہ ہوا۔ اس مناظرے کا پس منظر ذکر کرتے ہوئے مولانا نے ۱۰ر جولائی ۱۹۵۰ء کی یادداشت میں لکھا ہے:

شیعہ شرارت

مولوی محمد خان سے فراہمی کے دوران میں امیر ولد راجہ سیال نے بحث وتکرار کی جس کا انجام مناظرہ پر ختم ہوا اور مباحث ذیل مقرر ہوئے:

۱۔ سنی ثابت کریں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لڑکیاں چار ہیں۔

۲۔ شیعہ سنیوں کی کتابوں سے ثابت کریں گے کہ امام اعظم، امام جعفر صادق کا سخت مخالف تھا۔ حتیٰ کہ امام صادق کے قتل کا سبب ہی ابوحنیفہ تھے۔ ابوحنیفہ نے ہی امام صادق کے بازو کٹوائے۔ (معاذ اللہ)

۳۔ شیعہ سنیوں کی کتابوں سے ثابت کریں گے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ تو اہل بیت کا دشمن ہے اور تجھ میں شرک راسخ ہے یا تجھ میں شرک چیونٹی کی طرح چلتا ہے یا ایسا کوئی لفظ ہے۔ اللہ اعلم

۱۵ر شوال ۱۳۶۹ھ (۳۱ر جولائی ۱۹۵۰ء) کو مناظرہ مقرر ہوا۔ تحریریں ہوئی ہیں۔ اپنی اپنی تیاری کی ضرورت ہے۔ بمقام چک سیالاں یا چک بھٹہ میں یہ بحث ہوگی۔ اگر ہوئی ورنہ تحریر میں ان مضامین پر جلسہ عام کیا

---

[1] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، ذاتی ڈائری مؤرخہ ۸ر جون ۱۹۵۰ء۔

جائے گا۔ان شاء اللہ تعالیٰ۔[۱]

پھر مناظرہ کی مقررہ تاریخ ۳۰؍جولائی ۱۹۵۰ء کی یادداشت میں لکھا ہے:

''آج واپسی ہوئی۔ادھر اجلاس و مناظرہ چک سیالاں کی تاریخ بالکل آ گئی۔آج ہی کتابیں درست کر کے مولوی محمد خان، مولوی عبداللہ اور بندہ بمع چند طلبہ رات ۱۲ بجے کے قریب چک بھٹہ میں جا پہنچے۔مولانا ضیائی پہلے تشریف لا چکے تھے۔صبح مولوی محمد خان نے اپنے مدمقابل امیر ولد راجہ سیال سے مبارزت مناظرہ کے لئے بات چیت کی۔فریق مخالف بالکل دب گئے اور فرار کی راہ اختیار کی۔ہم نے مولانا حکیم عطا محمد قریشی کی صدارت میں جلسہ چک بھٹہ میں منعقد کیا۔ان معہودہ مسائل پر تقریریں ہوئیں۔تبلیغی کام اللہ کے فضل سے اچھا ہو گیا۔اسی دن واپس ہو کر روڈہ میں وارد ہوئے۔جاتے ہوئے بھی روڈہ ہی سے شب کا کھانا کھا کر چلے تھے۔میاں محمد موچی کا شکریہ۔''[۲]

۶۔ مناظرہ دودہ کلور (سرگودھا) مؤرخہ ۹۔۱۰؍دسمبر ۱۹۵۰ء:

یہ مناظرہ بھی اہل تشیع کے چیلنج کے جواب میں ہونا طے پایا۔مگر مقررہ تاریخ پر اہل تشیع کے چیلنج واپس لینے پر ملتوی ہو گیا۔اس میں مولانا کی دلچسپی قابل ملاحظہ ہے۔چنانچہ اس کے پس منظر کا ذکر کرتے ہوئے مولانا نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے:

شیعہ چیلنج

''۲۲؍محرم ۱۳۷۰ھ (۴؍نومبر ۱۹۵۰ء) کو بمقام دودہ جلسہ تبلیغی زیر نگرانی مولانا سدید الدین مرلوی قائم ہوا۔صدارت عمومی جناب حضرت صاحبزادہ فخر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کی تھی۔مولانا ضیائی، مولانا لعل حسین اختر وغیرہ مقررین تھے۔بعد از اجلاس شیعان دودہ نے چیلنج وغیرہ کرنا شروع کر دیا۔ہمارے علماء نے قبول کیا جس کی بنا پر ۹۔۱۰؍دسمبر ۱۹۵۰ء کو ہفتہ اتوار کے روز مناظرہ بمقام دودہ کلور (سرگودھا) ہونا قرار پایا۔اللہ تعالیٰ حق کی امداد فرمائے۔آمین۔[۳]

پھر ۱۶؍نومبر ۱۹۵۰ء کی تاریخ کو اس مناظرہ کی یادداشت میں لکھا ہے:

''نیز سنا گیا ہے دودہ کلور میں ایک شیعہ سنی مناظرہ قائم ہونے والا ہے۔تاریخ ۹۔۱۰؍دسمبر ۱۹۵۰ء

---

[۱] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، ذاتی ڈائری مؤرخہ ۱۰؍جولائی ۱۹۵۰ء۔

[۲] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، ذاتی ڈائری مؤرخہ ۳۰؍جولائی ۱۹۵۰ء۔

[۳] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، ذاتی ڈائری مؤرخہ ۷؍نومبر ۱۹۵۰ء۔

ہے۔ خواجہ فخر الدین سیالوی اور مولانا ضیائی شریک گفتار ہیں۔'' [۱]

اسی طرح ۲۳ر نومبر ۱۹۵۰ء کی تاریخ میں پھر اس مناظرہ کی یادداشت قلمبند کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

شیعہ سنی مناظرہ

''دودہ والے مناظرہ کی ۹۔ ۱۰ر دسمبر تاریخ مقرر ہے۔ اس کی اطلاع تنظیم اہلسنت لاہور اور رحیل جھنگ کردی گئی ہے تاکہ شائع کریں۔'' [۲]

پھر مقررہ تاریخ کو جس اہتمام اور جس ذوق شوق اور محنت مشقت سے مولانا وہاں پہنچے ہیں وہ سفر بھی لائق مطالعہ ہے۔ مناظرہ کی مقررہ تاریخ ۹ر دسمبر سے پہلے ۸ دسمبر ۱۹۵۰ء کی تاریخ میں لکھا ہے:

''تیاری سفر دودہ۔ صابون بٹوا وغیرہ۔ ملک محمد دین، مولوی عبدالرحمٰن شریک سفر ہو رہے ہیں۔'' [۳]

بعد ازیں ۹ر دسمبر کی تاریخ میں اس سفر کی روئیداد درج کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آج صبح بعد از نماز کھانا کھا کر مولوی عبدالرحمٰن اور ملک صاحب مذکور کے ہمراہ سائیکل پر دودہ [۴] کا سفر شروع ہوا۔ چنیوٹ سے گزرتے ہوئے ظہر کے وقت دودہ جا پہنچے۔ مناظرہ مقررہ ۹۔ ۱۰ر دسمبر والا ملتوی ہو چکا ہے۔ کل ۱۱ر دسمبر جمعہ کے بعد خواجہ صاحب اور علماء کرام کے سامنے سرگودھا میں سید فقیر محمد شیعہ ساکن دودہ نے اپنا چیلنج مناظرہ واپس لینے کی تحریر کردی اور حکام وقت پولیس وغیرہ نے مداخلت کی اور یہ معاملہ چیلنج کی واپسی پر ختم ہوا۔'' [۵]

اس کے بعد ۱۰ تا ۱۲ر دسمبر ۱۹۵۰ء کی تاریخوں میں واپسی کی تفصیل لکھی ہے۔ وہ دلچسپی سے خالی نہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''کل شام کو دودہ مولوی نور محمد سندرالی، مولانا احمد شاہ اجنالوی، میاں احمد علی شاہ چک نمبر ۱۹ والے امداد مناظرہ کے لئے تشریف لا چکے تھے۔ مگر التواء مناظرہ کی وجہ سے آج علی الصباح واپس ہوئے۔ مولوی صاحب سندرال والے ماشاء اللہ کافی ووافی ماہر فن ہیں۔ معلومات بہت رکھتے ہیں۔ خصوصاً نوم نہیں آتی۔ حافظہ بہترین ہے۔ کتب رفض بہت تعداد میں مہیا رکھتے ہیں۔

اسی روز ایک ضروری کام کی خاطر اجنالہ جانا ہوا۔ چوکیرہ میں میاں خان محمد موجود نہ تھے، ہم سے قبل

---

[۱] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، ذاتی ڈائری مؤرخہ ۱۶ر نومبر ۱۹۵۰ء۔

[۲] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، ذاتی ڈائری مؤرخہ ۲۳ر نومبر ۱۹۵۰ء۔

[۳] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، ذاتی ڈائری مؤرخہ ۸ر دسمبر ۱۹۵۰ء۔

[۴] یہ ''دودہ'' گاؤں ضلع سرگودھا میں واقع ہے اور محمدی شریف سے اس کا فاصلہ کم از کم ۹۰۔ ۸۰ کلومیٹر ضرور ہوگا۔ سخت سردی کے دنوں میں سائیکل پر سفر کرتے ہوئے مولانا کو کتنی مشقت اٹھانا پڑی ہوگی، اس کا اندازہ کوئی سائیکل سوار ہی لگا سکتا ہے۔

[۵] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، ذاتی ڈائری مؤرخہ ۹ر دسمبر ۱۹۵۰ء۔

چلے گئے۔ اجنالہ سے ۱۰ بجے دن واپسی ہوئی۔ استاذ صاحب مدظلہ نے ایک کتاب ازالہ برائے جلد بندی مضبوط ارسال فرمائی ہے۔ جلد بندی کے بعد مطالعہ احتیاط سے کرسکتے ہیں۔ شاہ صاحب بالکل خیریت سے ہیں۔

مولوی عبدالرحمٰن کے کمال کی داد دیجئے یہ سارا سفر سائیکل پر ہوا۔ آخر سرگودھا سے لاری پر چنیوٹ پہنچے۔ قاضی غلام مرتضیٰ نہیں مل سکے۔ قاضی غلام شبیر سے اور مولانا علی محمد صاحب خطیب سے ملاقات ہوئی۔

آج (۱۱ر دسمبر) پھر چنیوٹ سے آگے سائیکل سواری تھی۔ راستہ میں جسرت میں ملک شیر محمد نمبردار، ملک نور محمد اور ملک محمد ولد کرم وغیرہ سے ملاقات کی گئی۔ برائے انتخاب مولانا صاحب مہتمم (مولانا محمد ذاکر) کی حمایت کے لئے ان لوگوں نے پختہ وعدے کئے۔ جزاھم اللہ تعالیٰ۔

ملک محمد ولد کرم و ملک مہابت ولد رحمان کی طرف سے استاذ شاہ صاحب اجنالوی کے رقعہ جات برائے انتخابی حمایت لکھے ہوئے تھے، وہ سپرد کئے گئے۔

الحمدللہ شام کو خیریت سے محمدی واپسی ہوئی۔ مولوی عبدالرحمٰن کا شکریہ۔ یہ سب سفر میں شریک حال تھے۔''[۱]

۵۔ مناظرہ کوٹ چُغَطّہ، ساہیوال، ضلع سرگودھا، ۲۲ر جنوری ۱۹۵۲ء:

یہ مناظرہ کوٹ چُغَطّہ ساہیوال ضلع سرگودھا میں ہونا طے پایا تھا۔ مولانا کی صراحت کے مطابق وہاں کے اہل تشیع نے ایک اشتہار بعنوان ''انتشار نہ پھیلایئے'' چھپوا کر مناظرہ سے صرف ایک دن پہلے تقسیم کردیا تاکہ مناظرہ ملتوی ہوجائے اور انہیں ہزیمت نہ اٹھانی پڑے۔ چنانچہ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ اپنی ۱۹۵۲ء کی ڈائری میں مورخہ ۱۸ر جنوری کے صفحہ پر لکھتے ہیں:

''علاقہ ساہیوال موضع ''کوٹ چُغَطّہ'' میں شیعہ، سنی مناظرہ ۲۲ر جنوری ۱۹۵۲ء کو ہورہا ہے۔ مولانا ضیائی تشریف لائے ہیں۔ سیال شریف میں اہل علم جمع ہوکر مشورہ کریں گے۔ اللہ کریم فتح ونصرت عطا فرمادیں۔''

پھر ۲۰ر جنوری ۱۹۵۲ء کی ڈائری میں انہوں نے لکھا ہے:

''مولانا ضیائی کی رفاقت میں سفر ہوا۔ آج سیال شریف پہنچے۔ حوالہ جات اور نوٹ انوات لگائے جارہے ہیں۔ مولوی فضل حق ڈیرہ غازی خان سے اور مولوی محمد صدیق وغیرہم کافی علماء تشریف لائے۔''

پھر ۲۱ر جنوری کی تاریخ میں لکھا ہے:

''آج شیعوں نے ایک اشتہار مذبذب لوگوں کی طرف سے بعنوان ''انتشار نہ پھیلایئے'' طبع کردیا

---

[۱] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، ذاتی ڈائری مورخہ ۱۰ تا ۱۲ر دسمبر ۱۹۵۰ء۔

ہے کہ ہم بعض مصالح کے مدنظر اس مناظرہ کو ملتوی کرتے ہیں۔ یہ شیعوں نے برموقع دھوکہ دے کر شرارت کی ہے اور سنی علماء کو محض تکلیف ہوئی۔"

جبکہ ۲۲ رجنوری ۱۹۵۲ء کی تاریخ میں درج ہے:

"آخر کار حکومت کی مداخلت اور شیعہ کے فرار کے بعد یہ طے ہوا کہ تبلیغی اجلاس کر لئے جائیں۔ ۱۲ بجے سیال شریف سے روانگی ہوئی۔ ساہیوال اور لکھی وال برلب سڑک ہم لوگوں نے جناب حضرت سجادہ نشین صاحب (مولانا خواجہ قمرالدین سیالوی) کی سرپرستی و نگرانی میں دو اجلاس قائم کئے۔ پھر رات کو بمقام "وِجھ" علماء کرام تشریف لے گئے۔"

اس مناظرہ کے لئے علماء اہل سنت پوری تیاری کے ساتھ کتابوں کے کئی صندوق بھر کر اور طویل سفر کی مشقت اٹھا کر کوٹ چُغطّہ پہنچے تھے۔ ایسی صورتحال میں مناظرہ کے التوا سے علماء اہل سنت کو دُکھ پہنچنا ایک قدرتی امر تھا۔ چنانچہ اس التوا سے مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے جو تجربہ حاصل کیا اور نتیجہ اخذ کیا اسے "یادداشت" کے عنوان سے ۲۳ رجنوری ۱۹۵۲ء کی تاریخ یوں لکھا ہے:

"جب تک کسی ذمہ دار آدمی کی تحریر باقاعدہ مفصل نہ لے لی جائے، مناظرہ نہ کرنا چاہیے۔ یہ (شیعہ) لوگ برموقع دھوکہ دیتے ہیں اور بلاوجہ تکلیف ہوتی ہے۔ کوٹ چُغطّہ میں تجربہ ہوا ہے۔"[۱]

علاوہ ازیں کہ شیعوں کے تقسیم کردہ اشتہار "انتشار نہ پھیلایئے" کا مولانا محمد نافع نے ایک تفصیلی جواب قلمبند کیا تھا جس میں باحوالہ اور مدلل تاریخی روایات سے ثابت کیا کہ انتشار کون پھیلاتا ہے اور عاشورہ محرم میں ہر سال فسادات کا مرتکب کون ہوتا ہے۔ اس جوابی مضمون کا عنوان "ملت پاکستان میں انتشار پھیلانے والے کون ہیں؟" تھا اور "ہفت روزہ "دعوت" لاہور ۱۹۵۲ء فروری کے دوسرے ہفتہ کی اشاعت میں یہ مضمون شائع ہوا تھا۔

۶۔ مناظرہ موضع "سلُول کے":

موضع "سلُول کے" (تحصیل چنیوٹ) میں ایک مناظرہ بتاریخ ۱۳ رمارچ ۱۹۵۳ء کو ہونا طے ہوا تھا جس کا ذکر مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۱ رفروری ۱۹۵۳ء کی ڈائری میں "ضروری یادداشت" کے عنوان سے لکھا ہے:

"ایک شخص وریام نامی دیوکہ موضع سلول کے سے ایک تحریر لایا ہے اس میں ایک مناظرہ کی بنیاد ڈالی گئی ہے۔ سلطان شاہ ولد نور زمان آف رجوعہ نے اور وریام دیوکہ نے مابین تبدیلیٔ مذہب ایک تحریر لکھی ہے کہ یکم چیت، ۱۳ رمارچ جمعہ کو مندرجہ ذیل مسائل کا ثبوت و تحقیق پیش کرنی لازمی ہے۔ جو سچا ثابت ہوگا اس شخص کے

---

[۱] مولانا محمد نافع، ذاتی ڈائری، ۲۳ رجنوری ۱۹۵۲ء بمطابق ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۷۱ھ، بروز بدھ۔

مذہب پر دوسرے کو آنا ہوگا۔

اول: صحابہ رضی اللہ عنہم نے ناحق حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا باغِ فدک غصب کر لیا۔

دوم: حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنازہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم شریک نہیں ہوئے۔''

لیکن یہ مناظرہ نہ ہو سکا تھا کیونکہ ۱۳/مارچ ۱۹۵۳ء کو مرکز تنظیم اہل سنت ملتان میں تین روزہ سالانہ کانفرنس حضرت خواجہ نظام الدین تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی صدارت میں منعقد ہونا تھی، مگر تحریک ختم نبوت ان دنوں زوروں پر تھی اور اس تحریک کے ڈائریکشن کے سلسلہ میں مذکورہ کانفرنس ملتوی ہوگئی اور دیگر مقررین تنظیم اہلسنت سمیت مولانا نورالحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو ملتان سے اور مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کو چنیوٹ کی شاہی مسجد سے گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا[1] اور پھر ۴/اگست ۱۹۵۳ء کو آپ رحمۃ اللہ علیہ بورسٹل جیل لاہور سے رہا ہوئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمۃ اللہ علیہ، مفتی محمد دین آف مگھیانہ اور دیگر علماء بھی تھے۔

۵۔ مناظرہ بھوانہ، مؤرخہ ۲۵/دسمبر ۱۹۵۳ء:

یہ مناظرہ مؤرخہ ۲۵/دسمبر ۱۹۵۳ء کو اہل تشیع سے ہونا قرار پایا مگر عین موقع پر فریق مخالف کی درپردہ سازش اور پولیس کی مداخلت کے باعث نہ ہو سکا۔ اس کے لئے مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے کیا کردار کیا؟ اس کی تفصیل بھی انہی کی زبانی جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ اس مناظرے کا پس منظر بیان کرتے ہوئے انہوں نے ۱۴/دسمبر ۱۹۵۳ء کی ڈائری میں لکھا ہے:

''میاں سلطان احمد سمندری، میاں نور محمد امام مسجد بھوانہ اور مہر شیر محمد جپہ تشریف لائے۔ انہوں نے ایک مناظرہ شیعوں سے ۲۵/دسمبر ۱۹۵۳ء کو طے کر دیا ہے۔ مولوی چراغ دین کے مواعظ کا یہ نتیجہ ہے۔ اشتام انہوں نے ایک دوسرے سے لکھوا لئے ہیں مگر مسائل مختلفہ کی عبارت مقررہ نہایت ناقص معلوم ہوتی ہے جو انہوں نے اشتاموں پر تحریر کی ہے۔

دعوتی رقعہ جات علامہ قریشی صاحب (علامہ دوست محمد) اور مولوی چراغ دین صاحب کو لکھے گئے ہیں اور چوکیرہ میں سمندری صاحبان جائیں گے اور حضرت سجادہ نشین سیال شریف کو مولانا صاحب کی آمد پر اطلاع موقوف کی گئی ہے۔''[2]

مناظرہ کی مقررہ تاریخ سے ایک روز قبل کی یادداشت میں مناظرہ کی تیاری کے حوالے سے لکھتے ہیں:

---

[1] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، ذاتی ڈائری ۱۹۵۳ء مؤرخہ ۱۳، ۱۵/مارچ۔

[2] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، ذاتی ڈائری ۱۴/دسمبر ۱۹۵۳ء۔

''آج تیاری ہے۔ بھوانہ میں کتب لے کر پہنچنا لازمی ہے۔ اہل بھوانہ نے بڑی تاکید کی ہے۔''[1]

پھر ۲۵ دسمبر (جمعہ) کی تاریخ میں مناظرے کے حوالے سے لکھا ہے:

''رات جمعہ معرکہ اہل علم حضرات مولانا عطا محمد قریشی حکیم، مولانا سید احمد شاہ اجنالوی، مولوی چراغ دین ریتڑی، مولانا احمد بخش ضیائی وغیر ہم پہنچ گئے۔ بروقت مقامی پولیس حائل و مانع ہوئی۔ دراصل ان لوگوں نے حکام بالا کو درخواستیں دے کر اپنی مظلومیت موروثی ظاہر کر کے یہ چالاکی کی۔ آخر کار جمعہ کے بہانے ہمارا اجلاس تبلیغی نہ رک سکا مگر لاؤڈ سپیکر کی رخصت نہ ہوئی کیونکہ دوسری طرف سے نہ تھا۔ مزید پابندی یہ ہوئی کہ اشتعال انگیز اور طعنہ دار تقریر نہ کی جائے۔

ان پابندیوں کے پیش نظر (یہ سب فریق ثانی کی نالش عند پولیس کا نتیجہ ہے) بڑی احتیاط سے ہمارے علماء نے مولانا احمد شاہ اجنالوی مدظلہ اور مولوی عبدالعزیز دریاخانی نے قرآن مجید سے صاف صاف مدح صحابہ خوب بیان کی اور نعت خوان چشتی محمد بخش صاحب عبدالحکیم والے نے مدح صحابہ خوانی خوب کی۔ جلسہ اچھے پیمانہ پر کامیاب رہا۔''

اس کے بعد مولانا نے اس مناظرہ سے جو نتیجہ اور سبق اخذ کیا اسے ان الفاظ میں درج کیا ہے:

''آئندہ: (۱) مناظرہ سے حتی الامکان خصوصاً شریروں سے پرہیز و اجتناب۔
(۲) مناظرہ اگر نہ ہو تو اسی تاریخ کو جلسہ تبلیغی کما حقہ نہیں ہو سکتا۔
(۳) خلوت میں مناظرہ نہ کیا جائے۔
(۴) اگر مناظرہ کرنا مجبوراً ہو تو پہلے حکومت سے اجازت لی جائے۔
(۵) صرف فریق ثانی کی اکساہٹ پر سب کچھ کرنا بروقت بڑا مضر ہوتا ہے۔ خرچ کافی ہو جاتا ہے اور فائدہ ندارد فافہم۔''[2]

۶۔ مناظرہ موضع ''رشیدہ'' جولائی ۱۹۵۴ء:

یہ باقاعدہ مناظرہ نہ تھا بلکہ شیعہ سنی اکٹھے آمنے سامنے دو اجلاس تھے جس کی وجہ یہ ہوئی کہ مشہور شیعہ مناظر مولوی محمد اسماعیل (گوجرہ) نے یہاں آکر جلسہ کیا اور حسب عادت اس میں ڈینگیاں ماریں اور علماء اہلسنت خصوصاً مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کا نام لے کر چیلنج کیا۔ اس کے مقابلے میں علماء اہلسنت نے بھی اس کے مقابلے میں اور سامنے جلسہ کر ڈالا۔ اس اجمال کی تفصیل خود مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

---

[1] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، ذاتی ڈائری ۲۴ دسمبر ۱۹۵۳ء۔
[2] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، ذاتی ڈائری ۲۵ دسمبر ۱۹۵۳ء۔

''سنا گیا ہے کہ آج موضع رشیدہ میں ملا اسماعیل شیعہ کی آمد ہے۔ صبح مولوی عبدالرحمٰن صاحب کی معیت میں چند کتابیں لے کر جانا ہوا۔ گزشتہ رات سے اجلاس جاری تھے۔ مولوی اسماعیل آج ہی آیا۔ ان کا اجلاس بھی ۱۰ بجے سے شروع ہوگیا۔ اس نے اپنی تقریر میں بڑا شور وشرالا پا کون ہے جو میرے مقابلہ میں آئے؟ حوالہ پر حوالہ پیش کرتا ہوں، محمدی والے مولوی نے بڑا شور مچایا ہے کہ اسماعیل نے یہ کر دیا، وہ کر دیا۔ علیٰ ہذا بڑی چالاکی سے اس نے کام لیا۔ ہمارے علماء میں سے مولانا محمد خان اور مولوی عنایت اللہ سانگلہ ہل والے وغیرہم اپنی جگہ بڑے اطمینان سے جلسہ کرتے رہے۔ ایک ڈیڑھ بجے کے قریب ان کے لوگ ہمارے جلسہ میں آئے کہ مناظرہ ہونا چاہئے۔ ہم نے پر امن طریقے سے جواب دیا کہ ہر فریق اپنا اپنا جلسہ کر لے، اس کے بعد اگر ضرورت ہوئی تو ہم کہیں نہیں جا رہے، بات چیت ہو سکتی ہے۔ مگر ہمارا جلسہ خراب اور وقت ضائع نہ کیا جائے۔ ہمارا جلسہ عصر تک جاری رہا۔ عصر کے وقت مولوی اسماعیل واپس چلا گیا اور ہم وہیں رشیدہ میں رہے۔''

یہاں مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے ''وقتی کوتاہیاں'' کے عنوان سے اپنی ڈائری میں مندرجہ ذیل یادداشت بھی نوٹ کی ہے:

''چرب لسان'' کا تقابل لسان سے ضروری ہے تاکہ حوالہ کی کمی نہ رہ جائے کیونکہ اس قسم کی چیلنج بازی کا جواب اس طرح نہ ہو تو اپنے عوام فوراً بڑے بددل ہونے لگ جاتے ہیں۔''[1]

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ ذاتی طور پر چونکہ خاموش طبع، کم گو اور نحیف سی جان کے مالک تھے۔ جہیر الصوت بھی نہ تھے جبکہ ظاہری اور جسمانی اعتبار سے مناظر کا صحتمند اور بلند آواز ہونا قدرتی طور پر زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔ مولوی اسماعیل چونکہ انتہائی چرب زبان، بڑبولا، ہوشیار چالاک بلکہ شاطر آدمی تھا اور اس طرح کے شاطر آدمی کو صرف دلیل اور حوالہ جات سے قابو کرنا مشکل ہوتا ہے اس لئے مولانا نے اپنا یہ تجربہ اور مشاہدہ لکھا ہے۔

شاید یہی وجہ ہے کہ مولانا خود ذاتی طور پر مناظرہ بازی کو پسند نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ ایسی صورت میں عوامی سطح پر فائدہ کی بجائے الٹا نقصان کا خدشہ ہوتا ہے اور شاید اسی لئے اکثر مناظروں میں مولوی اسماعیل کے مقابلے میں علامہ عبدالستار تونسوی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ دوست محمد قریشی رحمۃ اللہ علیہ کو بلایا جاتا تھا۔ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ ذاتی طور پر مناظروں کے دلدادہ نہ تھے۔ صرف ضرورت کے وقت ہی اس میدان میں قدم رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک یادداشت میں لکھتے ہیں:

''ٹھٹھی بالا راجہ سے مستری محمد یار ترکھان اور عبدالحق مہانہ نے اپنے ماحول کے پیش آمدہ حالات تحریری وزبانی ذکر کئے ہیں۔ بڑا دکھ ہوا۔ ان کو چند تجاویز ذکر کر دی ہیں اور وسطِ شوال سے قبل تبلیغی جلسہ حلقہ

---

[1] مولانا محمد نافع، ذاتی ڈائری، ۲۱ رجولائی ۱۹۵۴ء بمطابق ۲۰ رذیقعدہ ۷۳ ۱۳ھ۔

لالیاں میں کرنے کا خیال ہے۔ یہ لوگ مناظرہ کے لئے بڑے مجبور کیئے جا رہے ہیں۔ اللہ کریم رحم فرمائے۔ مگر ہم نے مناظرہ سے الگ رہنے کا مشورہ دے کر تاکید کر دی ہے۔''[۱]

۷۔ مناظرہ ''کالووال'' جون ۱۹۵۵ء:

یہ مناظرہ لالیاں شہر کے قریب قصبہ ''کالووال'' میں ۲۱ رجون ۱۹۵۵ء بمطابق ۲۹ رشوال ۱۳۷۴ھ کو ہوا تھا۔ مولانا کی ڈائری سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ خود اس میں شریک نہ تھے کیونکہ ۲۰ رجون ۱۹۵۵ء کی یادداشت میں لکھا ہے: ''آج سے جسم میں درد شروع ہے۔ اللہ کریم ہی شفا عطا فرماویں۔'' پھر ۲۱ رجون کی تاریخ میں لکھا ہے: ''گزشتہ رات سے بخار درد کی تکلیف ہے۔ ھوالشافی''۔ شاید اسی وجہ سے انہوں نے اس مناظرہ کی بالکل مختصر سی یادداشت لکھی ہے اور الفاظ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ خود اس میں شامل نہ تھے۔ چنانچہ ۲۱ رجون ۱۹۵۵ء کی تاریخ میں لکھا ہے:

''کالووال'' میں آج جلسہ کی بجائے مناظرہ ہے۔ شیعوں کی طرف سے ملا اسماعیل تھا اور سنیوں کی طرف سے مولانا اللہ یار چکڑالہ والے مناظر اور استاذ حضرت مولانا سید احمد شاہ صاحب اجنالوی صدر مناظر تھے۔ ایمان بالقرآن اور خلافت پر مناظرہ ہوا۔''[۲]

مولانا اللہ یار چکڑالوی پر حملہ:

اس مناظرہ سے اگلے دن یعنی ۲۲ رجون ۱۹۵۵ء کو شیعوں نے مولانا اللہ یار خان چکڑالوی رحمۃ اللہ علیہ پر بزدلانہ حملہ کر دیا تھا۔ چنانچہ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی یادداشت میں لکھا:

''کالووال میں آج جلسہ پھر آج شام کو حملہ۔ ہمارے علماء نے تقریریں کیں۔ شام کو رخصت ہوتے وقت مولانا اللہ یار خان صاحب پر شیعوں نے حملہ کر دیا۔ وہ بچ گئے، ان کے ساتھی کو خوب مضروب کیا گیا اور علماء کرام کے میزبان سید محمد شاہ صاحب سکنہ کالووال کا ظالموں نے کلہاڑیوں سے سر پھوڑ دیا۔'' (ترجیع)[۳]

۸۔ مناظرہ موضع بیروالا، جولائی ۱۹۵۵ء:

یہ مناظرہ موضع بیروالا میں ۱۰ رجولائی ۱۹۵۵ء بمطابق ۱۹ رذیقعدہ ۱۳۷۴ھ کو شاید منعقد ہونا طے ہوا تھا مگر کسی شیعہ مناظر کے نہ پہنچنے کے باعث مناظرہ نہ ہو سکا۔ تاہم علماء اہل سنت نے وہاں جلسہ منعقد کر کے اپنا مقصد پورا کر لیا۔ چنانچہ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں:

---

[۱] مولانا محمد نافع، ذاتی ڈائری، ۱۶ رمئی ۱۹۵۴ء بمطابق ۱۲ ررمضان المبارک ۱۳۷۳ھ۔
[۲] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، ذاتی ڈائری مورخہ ۲۱ رجون ۱۹۵۵ء۔
[۳] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، ذاتی ڈائری ۲۲ رجون ۱۹۵۵ء۔

''شیعوں کی جانب سے بحث کے لئے کوئی مناظر نہ آیا۔ ہماری جانب سے مولوی محمد خان صاحب نے تزویج سیدنا عثمان اور بنات اربعہ پر تقریر کی اور قریشی صاحب احمد پوری (علامہ دوست محمد قریشی) بھی تشریف لائے اور تقریر کی۔''[۱]

۸۔ مناظرہ منڈی پھلروان اور اس کا التواء:

مورخہ ۱۴ تا ۱۶/اگست ۱۹۵۵ء بمطابق ۲۵ تا ۲۷/ذوالحجہ ۱۳۷۴ھ کو منڈی پھلروان متصل بھلوال ضلع سرگودھا میں یہ مناظرہ ہونا تھا مگر انہی دنوں بارشوں کا سلسلہ شروع ہوگیا، جو کئی دن تک جاری رہا جس کی وجہ سے مناظرہ نہ ہوسکا تھا۔ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: پھلروان منڈی میں شیعہ سنی مناظرہ ہے۔ مولوی فضل الٰہی صاحب کار مختار ہیں۔ ۱۴، ۱۵، ۱۶/اگست ۱۹۵۵ء تاریخ مناظرہ ہے۔ موضوعاتِ مناظرہ یہ ہیں:

۱: شیعوں کا ایمان بالقرآن — ثبوت بذمہ شیعہ
۲: مذہب اہل بیت کیا ہے؟
۳: خلافت اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہم — ثبوت بذمہ اہل السنۃ
۴: ایمان والدین شریفین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

شیعہ سنی معرکہ اشتہار تیار کیا گیا ہے۔ ملا اسماعیل کے دستخط ثبت ہیں۔ شدید بارشیں شروع ہوگئی ہیں۔ ہمارا جانا نہیں ہوا۔ لاریاں بند ہیں، معلوم نہیں مناظرہ ہوا یا رُک گیا۔[۲]

پھر ۱۵/اگست ۱۹۵۵ء کی ڈائری میں آپ لکھتے ہیں:

''آج بھی شدید بارش شروع ہوگئی ہے۔ ساتھ والا تالاب انتہائی طور پر بھر گیا ہے۔ اللہ کریم رحم فرمائے، آمین۔ مناظرہ بھلوال حکومت نے روک دیا ہے لہٰذا کوئی اجتماع نہ ہوسکا مگر بعد میں پتہ چلا کہ حکومت نے نہیں روکا، بلکہ ملا اسماعیل خود نہیں پہنچ سکا۔ دوسرے ملاں بھیج دیئے جبکہ تنظیم اہل سنت والے اِدھر جمع تھے۔''[۳]

۹۔ مناظرہ جھوک دایہ نزد جہانیاں شاہ (ضلع جھنگ) ستمبر ۱۹۵۵ء:

اس مناظرہ کی مطبوعہ روئیداد (صفحات ۶۴) بعنوان ''معرکۃ الآراء مناظرہ جھوک دایہ'' مؤلفہ حضرت العلامہ مولانا دوست محمد قریشی۔ کتابچہ کے سائز میں اس وقت راقم کے سامنے ہے جسے تنظیم اہلسنت ملتان نے بدون تاریخ طباعت شائع کیا ہے۔ اس مناظرہ کی بنیاد یا وجہ یہ بات بنی کہ وہاں کے ایک رئیس حاجی گہنہ خان کو

---

[۱] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، ذاتی ڈائری مورخہ ۲۲/جون ۱۹۵۵ء۔
[۲] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، ذاتی ڈائری مورخہ ۱۴/اگست ۱۹۵۵ء۔
[۳] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، ذاتی ڈائری مورخہ ۱۵/اگست ۱۹۵۵ء۔

جب علاقہ کے شیعہ رئیسوں نے شیعہ مذہب اختیار کرنے پر راغب ہی نہیں بلکہ مجبور کرنا چاہا تو انہوں نے خانقاہ سیال شریف (ضلع سرگودھا) کے صاحب علم سجادہ نشین خواجہ قمر الدین سیالوی کے نام ایک عریضہ ارسال کیا کہ آپ میری ڈوبتی کشتی کو سہارا لگانا یعنی میرا ایمان بچانا چاہتے ہیں تو حق و باطل کی وضاحت کے لئے میرے ہاں ایک مناظرے کا اہتمام کرائیے۔ اس کے لئے خواجہ صاحب کی نظر انتخاب اپنے مریدین و متوسلین علماء کی بجائے مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ پر پڑی۔ انہیں سیال شریف طلب کر کے مشورہ کیا اور انہیں اہلسنت کے مشہور مناظر مولانا عبدالستار تونسوی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ دوست محمد قریشی کو لینے کے لئے ملتان بھیجا۔ علامہ تونسوی تو سرکاری طور پر جھنگ میں داخلہ پر پابندی کے باعث نہ آسکے البتہ علامہ قریشی صاحب مناظرہ کی مقررہ تاریخ ۱۷ ستمبر ۱۹۵۵ء سے ایک دن پہلے ہی جھوک دایہ پہنچ گئے۔ یہ مناظرہ دو دن مسلسل جاری رہا۔ اس میں مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کا نام اگرچہ بطور مناظر یا معاون مناظر موجود نہیں تاہم اس کے پس منظر میں ان کا نمایاں کردار ہے۔ اس کے لئے انہوں نے خاصی مشقت اٹھائی، سفر کی صعوبتیں برداشت کیں، پھر اہلسنت کے مناظرین کے لئے حوالہ جات کی تلاش اور فراہمی میں بڑی ورق گردانی کی اور رات دن ایک کیا۔ اس اجمال کی تفصیل ہم ان کی ڈائریوں اور تحریری یادداشتوں سے ہی بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

خواجہ قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کی مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ سے مشاورت:

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں:

"جھوک دایہ ضلع جھنگ میں شیعہ وسنی کشمکش بڑی سخت ہوگئی ہے۔ اہل سنت نے سیال شریف حضرت سجادہ نشین صاحب کی خدمت میں اطلاع کی ہے کہ جلد یہاں علماء کے ذریعہ تبلیغ و مناظرہ کرائے جائیں ورنہ رہے سہے لوگ بھی شیعیت کی لپیٹ میں آجائیں گے۔ لہٰذا اس ضرورت کی بنا پر مولانا ضیائی صاحب اور بندہ کو فرمان ہوا کہ تمام کتب شیعہ لے کر سیال شریف پہنچ جائیں۔ بنابریں آج سرگودھا حاضر ہیں اور حوالہ جات دیکھے جارہے ہیں۔"[1]

اہل علم جانتے ہیں کہ خواجہ قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلقین و متوسلین اور مریدین میں ہزاروں علماء موجود تھے۔ اس کے باوجود ان کا مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا احمد بخش ضیائی کو بلا کر اس معاملے میں مشورہ کرنا اور حوالہ جات کی تلاش کرانا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ انہیں مولانا محمد نافع پر پورا پورا اعتماد تھا۔

اس مناظرہ کے لئے ۱۷، ۱۸ ستمبر کی تاریخیں طے تھیں۔ جب مناظرین کے انتخاب کا مرحلہ آیا تو

---

[1] مولانا محمد نافع، ذاتی ڈائری، ۱۱ ستمبر ۱۹۵۵ء بمطابق ۲۲ محرم ۱۳۷۵ھ۔

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے ہی تجویز پیش کی ہوگی کہ چونکہ فریق مخالف کے مناظر مولانا مرزا یوسف حسین لکھنوی (مقیم میانوالی) اور مولوی محمد اسماعیل گوجروی ہیں، اس لئے ہماری طرف سے بھی مناظر جہیر الصوت ہونا چاہئے اور اس مقصد کو مولانا عبدالستار تونسوی یا علامہ دوست محمد قریشی کے ذریعہ پورا کیا جاسکتا ہے۔

خواجہ قمرالدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کا مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کو ملتان بھیجنا:

چنانچہ حضرت خواجہ قمرالدین صاحب سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے اطلاع کی موجودہ اور فوری سہولتیں (فون، ای میل وغیرہ) نہ ہونے کے باعث مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کو پچاس روپیہ دے کر روانہ کیا کہ آپ علامہ تونسوی اور علامہ قریشی صاحب ہر دو حضرات کو، یا ان میں سے جو دستیاب ہو، لے کر واپس پہنچیں۔ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے:

"آنحضور سجادہ نشین صاحب کی جانب سے علامہ قریشی اور تونسہ شریف دستی خط لکھے گئے تاکہ مناظرہ مذکورہ کے لئے قریشی صاحب یا مولانا عبدالستار صاحب تونسوی کو بلایا جائے۔ بندہ ملتان کے لئے روانہ ہوا۔ اس سفر کے لئے خمسین روپے عنایت کئے گئے۔ یہاں سے مگھیانہ اور مگھیانہ سے ملتان جانا ہوا۔"[1]

علامہ دوست محمد قریشی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ مناظرہ بعد میں طبع کروادیا تھا اور مولوی اسماعیل گوجروی نے بھی الگ روئیداد شائع کی تھی۔ مولانا دوست محمد قریشی رحمۃ اللہ علیہ کی مؤلفہ روئیداد کے شروع میں لکھا ہے:

"بنابریں خواجہ صاحب نے حضرت مولانا محمد نافع صاحب مدرس جامعہ محمدی شریف جھنگ کو دفتر تنظیم اہل سنت ملتان میں حضرت مولانا عبدالستار صاحب مناظر تنظیم اہل سنت آف تونسہ اور حضرت العلامہ مولانا دوست محمد قریشی کو لینے کے لئے بھیج دیا۔ مولانا صاحب نے سفر کی کوفت سے قطع نظر کرتے ہوئے حسبۃً للہ جانے سے انکار نہ کیا اور خواجہ صاحب کے حسب الارشاد ملتان پہنچ گئے۔"[2]

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی سفری مشقت:

موجودہ دور کی آرام دہ ٹرانسپورٹ سروس، سفری سہولتوں، تیز رفتار اور ایئر کنڈیشنڈ گاڑیوں کے زمانے میں اندازہ لگانا مشکل ہے کہ ۱۹۵۵ء میں پھٹیچر قسم کی گاڑیوں/ لاریوں اور تانگوں میں سفر کرنا کتنا مشکل اور تکلیف دہ تھا۔ پھر ستمبر کے حبس کے مہینے میں مولانا کو کس طرح پسینے سے شرابور ہونا اور تکلیف اٹھانا پڑی ہوگی۔ اس کے باوجود وہ سفری صعوبتیں برداشت کرنے کے لئے تیار ہوگئے اور پھر یہ بھی یاد رہے کہ ملتان پہنچنے کے بعد جب

---

[1] مولانا محمد نافع، ذاتی ڈائری، ۱۲؍ستمبر ۱۹۵۵ء بمطابق ۲۳ محرم الحرام ۱۳۷۵ھ۔

[2] مولانا دوست محمد قریشی، مناظرہ جھوک دایہ، ۱۳۷۵ھ، ناشر دفتر تنظیم اہل سنت ملتان، طبع قدیم، تاریخ طباعت ندارد۔

پتہ چلا کہ علامہ دوست محمد قریشی اور علامہ تونسوی صاحب دور دراز کہیں جلسوں پر گئے ہوئے ہیں تو مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے دفتر تنظیم کے رجسٹر سے ان کا سفری شیڈول معلوم کیا اور ان تک رسائی حاصل کی۔ چنانچہ مولانا نے اپنے روزنامچے میں لکھا ہے:

''دفتر تنظیم بیرون بوہڑ دروازہ ملتان محلہ فرید آباد سے معلوم ہوا کہ مولانا عبدالستار صاحب تونسوی کا داخلہ جھنگ میں ممنوع ہے اور مولانا دوست محمد قریشی صاحب کا سرگودھا داخلہ ممنوع ہے لہٰذا اب تونسہ مقدسہ جانے کی ضرورت نہیں۔ پھر قریشی صاحب کا پروگرام رجسٹر سے معلوم کر کے مسّو شاہ، شہر سلطان جانا تجویز ہوا۔ ملتان سے مظفر گڑھ اور مظفر گڑھ سے شہر سلطان کا سفر کیا۔ رات بدھ کو (مسّو شاہ) بخاری صاحب (مولانا سید نور الحسن شاہ) اور قریشی صاحب سے ملنا ہوا، معاملہ پیش کیا، تجویز ہوا کہ قریشی صاحب ۱۶ ر ستمبر کی صبح پہنچیں گے۔[1]

۱۴ ر ستمبر بروز بدھ کو آپ کا جہان پور میں جانا ہوا۔ وہاں مولانا تونسوی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی اور تنظیم اہلسنت کے اجلاس میں شریک بھی ہوئے۔ اس اجلاس میں مولانا کی ڈائری کے مطابق تنظیم اہلسنت کے اجلاس میں مندرجہ ذیل فیصلے ہوئے:

۱: تنظیم کا ہر مبلغ اپنی اپنی تصنیفات پر ''مبلغِ تنظیم'' ضرور لکھوائے، جو پہلے صفحہ پر طبع ہو، خواہ چھوٹی تصنیف ہو یا بڑی!

۲: پرچہ ''دعوت'' کی کتابت دیدہ زیب ہو اور یکساں ہو یعنی ایک ہی کاتب کے ہاتھ کی ہو۔

۳: پرچہ تنظیم مدحِ صحابہ رضی اللہ عنہم، ختم نبوت یا حجیت حدیث وغیرہ پر علمی مضامین سے خالی نہ ہونا چاہیے۔

۴: تنظیمی علماء کو مجبور کیا جائے کہ مذکورہ عنوانات کے مضامین پرچہ کو ارسال کریں۔''[2]

اس کے بعد مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ذاتی ڈائری کی تاریخ ۱۵ ر ستمبر ۱۹۵۵ء (جمعرات) سے لے کر ۱۹ ر ستمبر ۱۹۵۵ء کی تاریخ تک ملتان کے سفر سے واپسی کی تفصیل اور زیر بحث مناظرہ کی مختصر روئیداد اپنے قلم سے قلمبند کی ہے۔ وہ روئیداد ذیل میں ملاحظہ ہو:

''جہان پور اجلاس تنظیمی ہوتا رہا۔ وہاں مولانا عبدالستار تونسوی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی۔ خواجہ قمر الدین صاحب والا خط حوالہ کیا گیا ہے۔ ۲ بجے ۱۵ ر ستمبر قریشی صاحب اور بندہ اور صوفی احمد یار نعت خواں ہر سہ ملتان دفتر تنظیم میں پہنچے۔ سردار احمد خان اور مجاہد الحسینی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ پرچہ دعوت اور مرکز کے متعلق گزارشات ذکر کیں۔ پھر علی الصباح براستہ مظفر گڑھ اٹھارہ ہزاری سفر اختیار کیا۔ مولوی منظور احمد شاہ صاحب

[1] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، ذاتی ڈائری مؤرخہ ۱۳ ر ستمبر ۱۹۵۵ء۔

[2] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، ذاتی ڈائری مؤرخہ ۱۴ ر ستمبر ۱۹۵۵ء۔

(قریشی صاحب) بھی ساتھ ہوئے۔ یہ معین مناظر قریشی صاحب ہیں۔

۱۱ بجے مگھیانہ پہنچے۔ ۲ بجے لاری کے ذریعہ عندالعصر جھوک دایہ میں جا پہنچے۔ رات کو یہ حضرت سجادہ نشین صاحب کے پہنچنے کے بعد شرائط مناظرہ طے ہوئے۔ مرزا یوسف لکھنوی ان کی طرف سے اور ہماری طرف سے قریشی صاحب، مولانا دوست محمد صاحب احمد پور شرقیہ بہاولپور والے مناظر مقرر ہوئے۔ شیعہ علماء کے لانے والے میاں خضر حیات شاہ آف شاہ جیونہ گدی والا ہے۔ اہلسنت علماء کے داعی حاجی گہنہ خان گاڈی بلوچ رئیس جھوک دایہ ہے۔

صبح ہفتہ ۱۷ ستمبر کو مولوی اسماعیل کو تلاش کر کے لائیں۔ مرزا یوسف مذکور نے فرار کیا اور مناظرہ سے انکار کیا۔ آخر کار اس سے تحریر لی گئی کہ میں مناظرہ نہیں کرتا بلکہ اسماعیل میری جگہ مناظرہ کرے گا۔ پھر اسماعیل صاحب کے دستخط شرائط والے قرطاس پر کرائے گئے اور مناظرہ شروع ہوا۔

پہلا موضوع مناظرہ ہذا

اول: ایمان بالقرآن شیعہ ثابت کریں۔ (سوال از اہلسنت)

دوم: خلافت خلفاء ثلاثہ سنی ثابت کریں۔ (سوال از شیعہ)

سوم: خلافت مرتضیٰ بلافصل قرآن مجید سے شیعہ ثابت کریں۔ (سوال از اہلسنت)

چہارم: عدم استحقاق فدک میراث سیدہ فاطمہ سنی ثابت کریں۔ (سوال از شیعہ)

ہر موضوع کے لئے ۲ گھنٹے وقت مقرر رہا۔ دو دن ہفتہ ۱۷ ستمبر اور اتوار ۱۸ ستمبر کو مناظرہ ہوتا رہا۔ ان کے صدر مرزا یوسف لکھنوی حال میانوالی تھے اور مناظر اسماعیل اور ہمارے صدر مولانا سید احمد شاہ اجنالوی اور مولانا درویش محمد احمد پوری، مولانا حامد علی شاہ آف گجرات تھے۔ اور مناظر مولانا دوست محمد قریشی صدر مبلغ تنظیم تھے۔ ہمارے مناظر نے خوب دلائل دیئے اور جوابات از اعتراضات نہایت مسکت دیئے۔ لوگوں پر کذبات شیعہ خوب واضح ہوئے۔ بعد از مناظرہ شام کو تمام علماء و مشائخ واپس ہوئے اور بندہ مگھیانہ کے راستے واپس ہوا اور کتب جامعہ ساتھ ہیں۔ وہاں مولانا غلام حسین صاحب سے ملاقات ہوئی۔ ۱۲ بجے تک ان کے ہاں ٹھہرنا ہوا۔ علامہ قریشی صاحب اپنے ساتھیوں سمیت ملتان رخصت ہوئے۔ بندہ ایک بجے مگھیانہ سے چل کر قصبہ محمدی بخیریت پہنچ گیا۔ الحمدللہ علیٰ کل حال۔''

یہ مناظرہ جھوک دایہ کی مختصر روئیداد ہے جو مولانا نے اپنے قلم سے قلمبند کی ہے۔ اس مناظرہ کی تفصیل ۶۴ صفحات پر مشتمل ''معرکۃ الآراء مناظرہ جھوک دایہ'' کے عنوان سے خود علامہ دوست محمد قریشی نے مرتب کر کے شائع بھی کر دی تھی جس کے ٹائٹل پیج کے بعد مناظرہ کا اجمالی تعارف یوں کرایا گیا ہے: ''معرکۃ الآراء مناظرہ

جس میں ہزاروں کی تعداد میں اہلسنت اور شیعہ رؤساء وعمائد علماء مقررین مبلغین مناظرین اور اہل علم جمع تھے۔ یہ وہی مناظرہ ہے جس میں شیعی ذاکر محمد اسماعیل اور مناظر تنظیم اہلسنت حضرت العلامہ مولانا دوست محمد قریشی کے مابین مسئلہ ایمان بالقرآن، خلافت راشدہ، خلافت بلافصل، عدم توارث از مال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے اہم مسائل پر دو دنوں تک پورے آٹھ گھنٹے مناظرہ ہوتا رہا اور شیعوں کا مناظر ۷۵ دلائل کا جواب نہ دے سکا اور پورے پندرہ منٹ پہلے علامہ قریشی صاحب سے شکست فاش کھا کر میدان مناظرہ سے فرار کر گیا۔"

اس کے بعد ۶۴ صفحات میں مناظرہ کے مذکورہ چار موضوعات میں سے ہر موضوع پر سنی اور شیعہ مناظر کی تقریر اور دلائل کی تفصیل درج ہے جو موضوع سے دلچسپی رکھنے والے لوگوں کے لئے بڑی زبردست اور معلوماتی چیز ہے اور دفتر تنظیم اہلسنت چوک نواں شہر ملتان سے یہ مطبوعہ مناظرہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ البتہ ذیل میں مناظرہ ہذا کی تھوڑی سی مزید تفصیل کے لئے ایک اور چشم دید گواہ کی گواہی کا ذکر بے جا نہ ہوگا۔

مناظرہ جھوک دایہ کی کہانی مولانا محمد اشرف سیالوی کی زبانی:

حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مختصر کتابچہ بنام "شیعہ مذہب" لکھا تھا جس کا تردیدی جواب شیعہ عالم محمد حسین صاحب ڈھکو نے بنام "تنزیہہ الامامیہ" لکھا۔ پھر اس کے جواب الجواب میں مولانا محمد اشرف سیالوی نے تین جلدوں پر مشتمل "تحفۂ حسینیہ" لکھی۔ اس میں ایک جگہ مولانا سیالوی نے مذکورہ مناظرہ کا آنکھوں دیکھا حال بتاتے ہوئے لکھا ہے:

"یہ مناظرہ جھوک دایہ کے مقام پر غالباً ۱۹۵۶ء میں ہوا تھا اور بندہ بھی اس میں حاضر تھا جبکہ درسِ نظامی کی ابتدائی کتب کا متعلم تھا اور دار العلوم ضیاء شمس الاسلام سیال شریف میں ہی زیرِ تعلیم تھا۔ خلافت بلافصل کے موضوع پر مناظرہ شروع ہوا جس میں اہل تشیع مدعی تھے تو اہل السنت کے مناظر نے بار بار مطالبہ کیا کہ خلافت بلافصل تمہارا اہم اور بنیادی عقیدہ ہے اور قطعی عقیدہ ہے۔ نیز تمہارے نزدیک خلیفہ امام مقرر کرنا اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری ہے لہٰذا اس موضوع پر لمبی چوڑی بحث کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس امر کا بھی دو منٹ میں فیصلہ ہو سکتا ہے۔ بس تم قرآنِ مجید سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام دکھلا دو اور اس کے ساتھ خلافت بلافصل کا لفظ دکھا دو، کیونکہ دوسرے جتنے قطعی عقائد ہیں مثلاً توحید و رسالت اور قیامت، تو قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے ان کا بڑی صراحت اور وضاحت کے ساتھ ذکر کیا ہے جبکہ تمہارا خلافتِ بلافصل کا عقیدہ سب عقائد کی روح اور جان ہے اور اس کا قرآنِ مجید کہیں ذکر بھی نہ ہو، یہ کیسے ممکن ہے؟ لہٰذا قرآنِ مجید سے علی مرتضیٰ خلیفۃ اللہ بلافصل یا اس مضمون کی کوئی آیت دکھلاؤ؟ شیعی مناظر مولوی محمد اسماعیل گوجروی صاحب پہلے تو ٹال مٹول کرتے رہے، بالآخر یہ آیت پڑھی جو حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے بیان فرمائی ہے یعنی وَإِنَّهُ فِي أُمِّ الْكِتَابِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيمٌ۔ جس پر

عوام اہل تشیع کی طرف سے نعرہ ہائے حیدر یہ کا وہ تسلسل قائم ہو گیا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ بالآخر گہنہ خان گاڈی بلوچ، جس کے ڈیرے پر اور جس کے زیر انتظام یہ مناظرہ تھا، اس کو مناظر اہل سنت مولانا دوست محمد قریشی صاحب نے شیعی ترجمہ مقبول دہلوی دے کر شیعی مناظر کے پاس بھیجا کہ یا تو اپنے ترجمہ کو غلط کہو یا اپنی طرف سے کوئی دوسرا ترجمہ دکھلاؤ اور یا اپنے عوام کو سمجھاؤ اور بتلاؤ کہ یہاں علی بمعنی عالی شان ہے اور اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات مراد نہیں ہے تا کہ یہ نعرہ بازی بند ہو اور مناظرہ جاری رہ سکے۔ لیکن اس دوران شیعی علماء کتابیں باندھ کر لنگوٹ کس کر بھاگنے کے لئے تیار ہو چکے تھے۔ لہٰذا گاڈی صاحب کو خود ہی یہ اعلان کرنا پڑا کہ شیعی ترجمہ مقبول میں بھی علی بمعنی عالی شان ہے اور اس سے قرآن کریم کی توصیف مقصود ہے۔ شیعہ مولوی نے صرف دھوکہ دہی سے کام لیا ہے۔''[1]

۱۰- مناظرہ بستی سیال کوٹ تھانہ گڑھ مہاراجہ ۱۹۵۶ء

مولانا کی ڈائری کے مطابق بنیادی طور پر تو ۵ر جولائی ۱۹۵۶ء کی تاریخ بستی سیال کوٹ میں جلسہ کے لئے مقرر تھی جسے شیعی علماء نے مناظرہ کا رنگ دینے کی کوشش کی مگر پولیس نے ایسا نہ ہونے دیا۔ اس اجمال کی تفصیل لکھتے ہوئے مولانا نے ۴ر جولائی ۱۹۵۶ء کی تاریخ میں لکھا ہے:

''بروقت لاری نہ ملنے کی وجہ سے عشاء کے وقت مگھیانہ پہنچے۔ پھر علی الصبح ۵ بجے احمد پور سیال کی لاری پر سوار ہو کر اڈہ محسو کوٹ پر اترے۔ تھوڑی دیر کے بعد علامہ قریشی اور مولوی قائم الدین وغیرہم معرکہ پہنچ گیا۔''

پھر ۶-۵ر جولائی ۱۹۵۶ء کی تاریخوں میں مزید تفصیل بتاتے ہوئے لکھا ہے:

یہ مناظرہ اہل سنت اور اہل تشیع کے مابین ۵ر جولائی ۱۹۵۶ء بمطابق ۲۵ر ذیقعدہ ۱۳۷۵ھ کو علاقہ بستی سیال کوٹ، متصل شور کوٹ، گڑھ مہاراجہ ضلع جھنگ میں طے پایا۔ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے حسب مزاج علماء اہل سنت کو مطلع کیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے حوالہ جات کی ترتیب دی اور موقع پر پہنچ گئے۔ مگر اہل تشیع کی ہٹ دھرمی اور ان کے وڈیروں کی چاپلوسی نے یہ مباحثہ ہونے نہ دیا۔ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ اس کی روداد مع تجربات اپنی ذاتی ڈائری میں یوں نقل کرتے ہیں:

''مولانا تونسوی پہنچ چکے تھے، مولوی صاحبان شیعی اسماعیل، سیف اللہ اور اکبر عباس وغیرہم بڑی آب و تاب اور سج دھج سے لاریوں اور گاڑیوں میں آئے جبکہ ہمارے علماء اپنی پرانی ہیئت کذائی میں جمع ہوئے۔ فریق ثانی نے بڑے زور و شور سے آوازے کسنے شروع کیئے۔ پولیس حائل ہوئی اور مناظرہ نہ ہونے دیا۔

---

[1] مولانا محمد اشرف سیالوی، تحفہ حسینیہ جلد سوم، ناشر اہل السنۃ پبلی کیشنز، دینہ ضلع جہلم، صفحہ نمبر ۶۴۔

غریبوں کا صرف اللہ کریم ساتھ تھا۔ پسران وگدی نشینانِ سلطان باہو وغیرہم سب کے سب شیعہ رئیسوں کی رعایت کی خاطر سامنے تشریف نہ لائے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔ آخرکار ہر فریق کا اجلاس یعنی (جلسہ) ہوا۔ غریب طبقہ نے بڑی ہمت کر کے یہ مرحلہ تمام کیا۔"

مذکورہ صورت حال کا تجزیہ کرتے ہوئے مولانا نے اپنا تجربہ اور حاصل ہونے والا سبق یوں لکھا ہے:

خیال رہے فریقین اگر متوازی طاقت کے ہوں تو مناظرے کا انجام سبّ وشتم اور گالی گلوچ پہ ہوتا ہے اور اگر فریق غالب طاقتور اور دوسرا کمزور ہو تو مناظرہ کا انجام جھگڑے اور لاٹھی چارج پر ہوتا ہے...... فافہم۔[1]

۱: ہمیشہ مناظرہ کسی محفوظ مقام پر ہونا چاہیے۔ بلکہ ضروری ہے۔

۲: بغیر طاقت کے وقتی جوش کے پیش نظر یہ اقدام (مناظرہ) نہ کیا جائے۔

۳: فریق مخالف سے تحریری چیلنج لینا چاہیے تاکہ انجام کے نتائج سے خود محفوظ رہا جا سکے۔

بعد میں یہ نتیجہ نکلا کہ علماء اہل سنت کو حکومت کی طرف سے ۳، ۳ ماہ کیلئے ضلع جھنگ میں داخل ہونے پر پابندی لگادی گئی اور علامہ قریشی، مولانا تونسوی اور مولانا درویش محمد ہر تین پر تین ماہ کیلئے زبان بندی لگ گئی۔

بہرکیف جمعۃ المبارک کی صبح کو علماء واپس ہوئے۔ خمیس کو تقریریں اچھی ہوگئیں۔ ۵/جولائی اصلاً جلسے کی تاریخ طے تھی مگر شیعوں نے خواہ مخواہ یومِ مناظرہ بنا دیا تھا۔ پھر اہل سنت جوابی آمادگی کے لئے مجبور ہو گئے۔ پھر (وہاں سے واپسی پر) مولانا صاحب مہتمم سے جھنگ صدر میں ملاقات ہوئی۔ یہ دو دن اور یہاں کام کیلئے ٹھہریں گے۔ آج سارا دن مگھیانہ میں لاری نہ ملنے کی وجہ سے صَرف ہوگیا۔ کل واپس گھر جانا ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ[2]

---

[1] مولانا محمد نافعؒ، ذاتی ڈائری، مورخہ ۵/جولائی ۱۹۵۶ء۔

[2] مولانا محمد نافعؒ، ذاتی ڈائری، ۶/جولائی ۱۹۵۶ء۔

باب ششم

جامعہ محمدی کے لئے تعاون وخدمات

عقل ونقل اور تاریخ اس بات پر شاہد ہیں کہ کسی بھی تحریک، تنظیم یا ادارے کی کامیابی، ترقی اور عروج میں باطنی امور پر جہاں اس کے بانی کا اخلاص، ایثار، وفاداری، محنت، قربانی اور لگن درکار ہوتی ہے وہاں اسباب کی دُنیا میں مخلص، وفادار، ایثار پیشہ خیر خواہ، دلیر اور قابل اعتماد قسم کے معاونین بھی ضروری ہوتے ہیں۔ شاید اسی ضرورت کے تحت نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے لئے دعا فرمایا کرتے تھے۔ ان مذکورہ دونوں چیزوں میں سے کسی ایک کا بھی فقدان ہو تو اس تحریک یا ادارے کا زیادہ دیر کامیابی کے ساتھ چلنا مشکل ہو جاتا ہے۔

اس عمومی اصول وقاعدہ کی روشنی میں جب ہم ادارہ جامعہ محمدی شریف کا جائزہ لیتے ہیں تو ایک بالکل پسماندہ، شہروں سے دور اور وسائل سے محروم علاقے میں اس ادارے کی کامیابی اور عروج کا راز ایک تو بانی ادارہ مولانا محمد ذاکرؒ کا حد درجہ اخلاص اور مثالی کمٹمنٹ ہے[۱] دوسرے انہیں بعض بے لوث، مخلص، با اعتماد، وفادار اور خیر خواہ قسم کے معاونین کا مل جانا ہے۔ ادارہ کے ریکارڈ اور تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام معاونین میں مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ جس طرح اس کارِ خیر میں اپنے بھائی کے دست وبازو بنے، جس طرح انہوں نے بھائی کا ہاتھ بٹایا، جس طرح ان کا بوجھ ہلکا کیا اور جس قدر ادارے کے تمام معاملات میں ان سے زندگی بھر تعاون کیا، اتنے خلوص، وفاداری اور بے لوث تعاون کا ثبوت عملی طور پر کوئی بھی نہ دے سکا۔

جامعہ محمدی کیلئے مولانا کے اس تعاون اور خدمات کی تفصیل سے (جس کا بقدرِ ضرورت ذکر آئندہ سطور میں آرہا ہے) یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے پوری زندگی الگ سے اپنی کوئی پہچان یا شناخت بنانے یا نمایاں ہونے کا کبھی سوچا ہی نہیں۔ ایک عام کارکن اور خادم کی حیثیت سے زندگی بھر جامعہ کی خدمت سرانجام دیتے رہے حالانکہ اگر وہ چاہتے تو کہیں بھی کوئی متوازی ادارہ/ مدرسہ بنا کر اپنی علیحدہ شناخت کروا سکتے تھے۔ مگر ایسا نہیں کیا۔

جامعہ محمدی اور مقامی ماحول کی سوچ وفکر کے اختلاف اور تنگ نظری نے بعض مواقع پر مولانا کی جائز خواہشات کی تکمیل اور عزائم کو عملی جامہ پہنانے میں روڑے اٹکائے اور ان کی صائب رائے کو قبول نہ کر کے یا ان کی خدمات کا اعتراف نہ کر کے ناقدری کا مظاہرہ کیا گیا۔ اس کے باوجود مولانا نے صبر وبرداشت کا دامن ہاتھ

---

[۱] اس چیز کی تفصیل ان کے سوانح ''تذکرہ مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ'' مرتبہ راقم الحروف، مطبوعہ مولانا محمد ذاکر اکیڈمی، جامعہ محمدی شریف ۲۰۱۰ء میں دیکھی جا سکتی ہے۔

سے نہ چھوڑا اور ہمیشہ بھائی جان کا ساتھ نبھایا اور انہیں والد کا احترام و مقام دیا۔

جامعہ محمدی کے لئے مولانا کی خدمات اور قدردانی کا تقاضا تھا کہ جامعہ میں دیگر جامعات کی طرح کوئی ''نافع چیئر'' ہی قائم کردی جاتی۔ کوئی ہال ''نافع ہال'' کہلاتا، کوئی شعبہ یا بلڈنگ ہی ان کے نام منسوب کردی جاتی یا کم از کم دارالکتب ہی ''مرکز تحقیقات نافع'' قرار پاتا جو بلاشبہ اور بلا مبالغہ مولانا کے کتابی اور علمی و تحقیقی ذوق کا مرہون منت اور کئی سالوں کی محنت کا ثمرہ ہے۔ مگر افسوس کہ اس طرح کا کوئی بھی عزت افزائی اور قدردانی کا مظاہر آج تک دیکھنے میں نہیں آیا۔ اندرون ملک علمی اداروں، سرکاری جامعات اور دینی حلقوں کے علاوہ بیرون ملک ایران، سعودی عرب اور بیروت تک ان کے کام کی قدردانی اور علمی خدمات کا اعتراف کیا جارہا ہے مگر جامعہ محمدی کا طرزِ عمل ''زمیں جنبد نجنبد نہ جنبد گل محمد'' والا معاملہ ہے۔

بہرحال زیر بحث موضوع کے حوالے سے جب ہم مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو ان کی پوری زندگی خصوصاً بانئ جامعہ کی وفات تک جامعہ محمدی کے ساتھ للہ فی اللہ تعاون سے عبارت نظر آتی ہے۔ یہ تعاون کئی پہلوؤں کے اعتبار سے تھا۔ مثلاً:

دارالعلوم میں تدریس:

اس تعاون کا ایک نمایاں ترین پہلو دارالعلوم جامعہ محمدی میں تدریس کے فرائض سرانجام دینا تھا۔ انہوں نے یہ فریضہ کس ذمہ داری سے سرانجام دیا، اس کی تفصیل درس و تدریس اور فتویٰ نویسی والے مستقل باب میں گزر چکی ہے۔ یہ تدریس کا کام وہ کسی دوسرے دینی ادارے میں بھی کرسکتے تھے، کئی مدارس ان کے لئے چشم براہ تھے اور یوں وہ اچھی خاصی کمائی بھی کرسکتے تھے مگر جامعہ محمدی کے ساتھ تعاون کی خاطر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ ایک طویل عرصہ تک جامعہ محمدی میں پڑھاتے رہے۔

افتاء کی ذمہ داری:

جامعہ محمدی کے ساتھ تعاون کی ایک شکل جامعہ کے دارالافتاء میں افتاء کی ذمہ داری نبھانا بھی تھا۔ یہ کام کتنا ذمہ دارانہ ہے اور اس کے لئے مفتی کو کتنی ورق گردانی اور محنت کرنا پڑتی ہے؟ اہل علم سے مخفی نہیں۔ اس کے باوجود مولانا نے زندگی بھر اس خدمت کو بھی سرانجام دیا۔ جس کی قدرے تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

شعبہ تصنیف و تالیف کی نگرانی:

جامعہ محمدی کے شعبہ تصنیف و تالیف کے مولانا صرف نگران ہی نہ تھے بلکہ سب کچھ وہی تھے۔ اس شعبہ میں باقاعدہ کوئی معاون یا ملازم ان کے ساتھ نہ تھا۔ اس انتہائی محنت طلب کام سے متعلقہ تمام امور وہ خود ہی

سرانجام دیتے تھے۔اس اکیلے آدمی نے اس میدان میں کیا کارنامہ سرانجام دیا، کتنی گرانقدر تحقیقی کتابیں معرض وجود میں آئیں، اس کی تفصیل تصنیفات وتالیفات کے باب میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ مقامی لوگوں کو علمی تحقیق و ایجادات کا ذوق تو دور کی بات ہے ان چیزوں سے کوئی سروکار ہی نہ تھا۔اس لئے انہیں اس کام کی قدر و قیمت کا کیا اندازہ ہوسکتا تھا۔

دارالکتب کی تنظیم:

جامعہ محمدی کے لئے مولانا محمد نافع رحمۃاللہعلیہ کی گونا گوں خدمات میں ایک بہت بڑی خدمت دارالکتب کا قیام اوراس کی تنظیم ہے۔ایک دیہاتی علاقے میں جہاں مطالعہ وتحقیق کا دور دور تک کوئی ذوق نہیں، ہرفن سے متعلق امہات الکتب قسم کی کتابیں اندرون ملک اور بیرون ملک سے منگا منگا کر اکٹھی کر دینا مولانا کے کتابی ذوق کا آئینہ دار ہے۔مولانا نے لائبریری سائنس میں کوئی ڈپلومہ یا ماسٹر نہیں کر رکھا تھا اس کے باوجود ہرفن کی کتابوں کا علیحدہ علیحدہ کیٹلاگ ان کے ذاتی ذوق کا مرہون منت ہے۔ اس دارالکتب میں موجودہ کتابوں کا ذخیرہ مولانا کے علمی وتحقیقی ذوق کا منہ بولتا ثبوت ہے۔یہ دارالکتب جامعہ محمدی اور اصحاب تحقیق پر مولانا کا ایک بہت بڑا احسان ہے جس کی قدر ''قدر جوہر جوہری بشناسد'' کے مصداق کوئی محقق آدمی ہی جان سکتا ہے۔ مقامی لوگ کیا جان سکتے ہیں۔

بھائی کی الیکشن مہم میں بھرپور کردار:

جامعہ محمدی کے بانی اور مولانا محمد نافع رحمۃاللہعلیہ کے بڑے بھائی مولانا محمد ذاکر رحمۃاللہعلیہ کو جب حلقہ کے لوگوں نے عام انتخابات ۱۹۵۱ء برائے ممبران لیجسلیٹو اسمبلی (مغربی پاکستان) میں حصہ لینے پر مجبور کر دیا تو انہوں نے جامعہ کی انتظامی وتعلیمی مصروفیات کے باعث خود تو الیکشن مہم میں حصہ لینے سے معذرت کر لی البتہ اپنے بھائی مولانا محمد نافع رحمۃاللہعلیہ کو اس معاملے میں ان لوگوں کی مدد کرنے کی اجازت دے دی۔

ان انتخابات کی پولنگ حکومتی اعلان کے مطابق ۱۰ تا ۱۹ مارچ ۱۹۵۱ء کی تاریخوں میں ہونا تھی مگر انتخابی مہم تین چار ماہ پہلے ہی شروع ہوگئی۔مولانا محمد نافع رحمۃاللہعلیہ نے اس انتخابی مہم میں کتنی بھاگ دوڑ کی، کتنے چکوک اور دیہاتوں کے دورے کئے، کتنے لوگوں سے ملاقاتیں کیں، ایک لمبے چوڑے حلقے میں مسلسل سفر کی کتنی مشقت انہوں نے اٹھائی، اس انتخابی مہم میں لوگوں کا کیا رویہ تھا، پولنگ اور ووٹوں کی تفصیل وغیرہ وغیرہ ان ساری چیزوں کی تفصیل مولانا کی ذاتی ڈائری ۱۹۵۰ء کے آخری دو مہینوں اور ۱۹۵۱ء کی ڈائری کے ابتدائی تین ماہ کی تاریخوں

میں موجود ہے مگر اس کی تفصیل خواہ مخواہ طوالت کا باعث ہوگی۔[1]

ڈائری سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بھائی صاحب کی الیکشن مہم کے لئے تدریس سے دو ماہ کی چھٹی کی۔ دو مہینے مسلسل سفر میں گزارے۔ اس دوران ان کی جگہ تدریس کے فرائض مولانا نذر محمد لالی نے سرانجام دیئے۔ (۲۶ رجنوری ۱۹۵۱ء)۔ مذکورہ الیکشن کے بعد دوبارہ تدریس کا سلسلہ شروع ہوا تو اپنی یادداشت میں لکھا:

"تعلیمی شغل بفضلہٖ وکرمہٖ تعالیٰ۔ دو ماہ کے بعد آج تعلیم وتدریس کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ برکت فرماویں۔ ھو المعین ھو الناصر لاغیر" (ذاتی ڈائری مؤرخہ ۲۴ مارچ ۱۹۵۱)۔

مقدمہ پٹیشن میں بھائی کی معاونت:

مذکورہ انتخابات میں مولانا محمد ذاکر کے مقابلے میں ہارنے والے امیدوار سید غلام محمد شاہ ولد سید حسین شاہ (رئیس اعظم رجوعہ سادات چنیوٹ) نے مولانا کے خلاف انتخابی عذرداری کا مقدمہ دائر کر دیا تو اس مقدمہ کی کاروائی تین چار سال تک چلتی رہی۔ اس میں بھی مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے بھائی جان کا خوب ساتھ دیا۔ مولانا نے ۲۱ رجولائی ۱۹۵۲ء کی یادداشت میں لکھا ہے:

"تاریخ مقدمہ پٹیشن" ۲۱ رجولائی ۲۶ رجولائی تک۔ بنگلہ امین پور مقام سماعت طے ہوا۔ بعد میں بمقام چنیوٹ سماعت مقرر ہوئی۔ اب یہ مقدمہ چنیوٹ پیش ہوگا۔ بعد ازاں خود جج صاحبان نے لائل پور مقام سماعت تجویز کیا ہے۔"

جبکہ ۲۶ رجولائی ۱۹۵۲ء کی یادداشت میں لکھا ہے:

"سماعت مقدمہ شروع ہے اور فریق مقابل کی جانب بڑی دھوم سے لوگ پہنچ رہے ہیں۔ ان اللہ معنا۔ آج ۲۴ گواہان نے اپنے اکاذیب بیان کئے۔"

۲۵ رجولائی تک اس مقدمہ کی سماعت ہوئی۔ اس کے بعد اگلی تاریخ سماعت ۲۵ راکتوبر ۱۹۵۲ء لاہور میں مقرر ہوئی۔ المختصر اس دیوانی مقدمہ کی متعدد پیشیاں ہوئیں۔ کبھی لاہور میں، کبھی لائل پور اور کبھی سرگودھا میں۔ آخر ۲۶ رفروری ۱۹۵۵ء کو الیکشن ٹریبونل نے مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ تمام پیشیوں میں موجود ہوتے۔

---

[1] اس الیکشن کی تفصیل بھی بڑی ایمان افروز ہے۔ علاقے کے ایک بہت بڑے رئیس، جاگیردار اور جدی پشتی سیاسی اثر ورسوخ کے حامل امیدوار کے مقابلے میں مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ جیسے درویش آدمی کا جیت جانا کسی معجزہ سے کم نہ تھا۔ یہ ایمان افروز تفصیل "تذکرہ مجاہد ملت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ" مطبوعہ مولانا محمد ذاکر اکیڈمی محمدی شریف ۲۰۱۰ء میں دیکھی جا سکتی ہے۔

جامعہ محمدی کے لئے چندہ اکٹھا کرنا:

ہر صاحب دانش پر مخفی نہیں کہ چندہ مانگنا کتنا مشکل کام اور انسان کے نفس پر کتنا گراں گزرتا ہے مگر مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے جامعہ محمدی کے لئے یہ کام بھی کیا۔ ۲۹؍دسمبر ۱۹۵۵ء کی یادداشت میں لکھا ہے:

''ظہر کے وقت اللہ کا نام لے کر چندہ جامعہ کے لئے مولوی محمد خان کے ہمراہ روانگی ہوئی ہے۔ رات جمعہ سمندر میں گزاری۔ میاں حسام الدین اور اکبر شاہ صاحب سے ملاقات ہوئی ہے۔''

۳۰؍دسمبر ۱۹۵۵ء: پھر برخوردار میں چندہ کی تحریک کی۔ انہوں نے بالکل معمولی توجہ دی۔ کچھ وعدے ہوئے۔ پھر سکھر والا سے ۵۰ روپیہ چندہ کیا گیا۔ مولوی منظور عالم، میاں حسام الدین، مولوی محمد خان ہم سب وفد بنے ہوئے تھے۔ رات خان داکوٹ میں جاٹھہرے۔ یہاں سے ---- کے قریب چندہ ہوا۔ کچھ وعدہ ہوا۔ مہر پہلوان وغیرہ نے توجہ کی۔ الحمد للہ، الحمد للہ، الحمد للہ۔''

۵ تا ۲۱؍جنوری ۱۹۵۶ء۔ چندہ دورہ:

اسی طرح کا ایک اور طویل دورہ برائے چندہ جامعہ کی روئیداد مولانا کی زبانی ملاحظہ ہو:

۵؍جنوری ۱۹۵۶ء: الیوم بعد از ظہر کوٹ وساوا میں میاں محمد علی شاہ کے پاس جانا ہوا۔ مولوی محمد خان صاحب جہلمی ساتھ ہیں۔ تحصیل دراھم برائے جامعہ مقصود ہے۔

۶؍جنوری ۱۹۵۶ء: آج کوٹ وساوا میں چکر لگایا جا رہا ہے۔ ملکہ کھوکھر وغیرہ سے ملنا ہوا۔ حسب استعداد امداد ہو رہی ہے۔ رات شنبہ کو گھڑانوالہ میں میاں غلام محمد کے ہاں قیام ہے۔ چوہدری عنایت خان چدھڑ پٹواری نے بھی ہمت کی۔ ---- کے قریب ان کا چندہ ہو گیا ہے۔ جزاھم اللہ تعالیٰ۔

۷؍جنوری ۱۹۵۶ء: اتوار کی شام چک بخاری نمبر ۱۵۶ میں ملک شیر ولد شہابل کے ہاں قیام ہے۔

۸؍جنوری ۱۹۵۶ء: ملکاں نے اچھی کوشش کی۔ مأتان وخمس وعشرین (۲۲۵) روپے کے قریب انہوں نے جمع کئے۔ پھر چک ساہمل میں ہمارے ساتھ ملکاں گئے۔ وہاں انہوں نے خوب سعی کی۔ مگر آباد گر معرکہ (امام دین و پسرش عبداللہ، عمر دین وغیرہ) کے دوسرے ساہمل لوگوں نے بالکل کچھ نہ دیا۔ الاخمسہ ایک فرد سے۔

۹؍جنوری ۱۹۵۶ء: رات کو یوم الاثنین چک بجنکا نمبر ۱۵۵ میں صوفی اسماعیل کے ہاں قیام ہوا۔ غریب طبقہ حسب استعداد مدد کر رہے ہیں۔ جزاھم اللہ تعالیٰ۔ مأۃ وخمسہ کے قریب چندفراہم ہوا۔

۱۰؍جنوری ۱۹۵۶ء: قیام شبینہ مہر غلام فرید سپر اولد احمد و پسرش کے ہاں ہے۔ صبح بصد مشکل کا نیانوالی کے معرکہ نے ایک ماۃ کے قریب جمع کیا۔ صبح کھانا شیر کے ہاں ہے۔ ملک شیر ولد شہابل ساتھ ہے۔ مذکورہ نمبرداروں نے ۲۶ روپے ماۃ واحدہ میں شامل کئے۔

پھر واپس ہو کر چک لدیانہ نمبر ۱۵۴ مین میاں علاول کے ہاں قیام ہے۔ پسرش اللہ یار نے رہائش کا انتظام کیا ہے۔

۱۱؍جنوری ۱۹۵۶ء: صبح ان لوگوں نے بھی نہایت اچھی ہمت کر کے ماُتان و اربعہ کے قریب جمع کیا۔ میاں برہان کے انہوں نے ماۃ واحدہ دے دیا۔ باقی ثمان وعشرین اللہ بخش واحمد پسران محمد عرف ممریج نے دیا اور بقیہ تمام چک سے خوب فراہمی کی۔

بعد از ظہر یہاں سے فراغت ہوئی۔ عصر جا کر چک ماہوں نمبر ۱۵۱ میں پڑھی۔ میاں معظم شاہ صاحب و پہلوان ولد آگرہ ماہوں وغیرہ و گہنہ ملک سے ملنا ہوا۔ بات چیت ہوئی کہ جمعرات کو آپ کے ہاں قیام ہوگا۔ آج چک بھٹہ نمبر ۱۸۵ میں مولانا حکیم عطا محمد قریشی کے ہاں جانے کا ارادہ ہے۔

۱۲؍جنوری ۱۹۵۶ء: رات خمیس مغرب کو یہاں پہنچے۔ حسن اتفاق سے مولانا صاحب موصوف گھر پر ہی موجود تھے۔ صبح چک بھٹیانوالہ کا چندہ فراہمی انہوں نے شروع کروائی۔ ۶-۱۴-۲۰۵ روپے فراہم کر رہے ہیں۔ یہ وعدہ جات انہوں نے لکھے ہیں۔ چک نمبر ۱۸۵ بھٹیانوالہ سے قبل اس دورہ میں جو کوٹ وساوا نمبر ۱۲۲ سے شروع ہوا ۷۰۹ روپے اور چار آنہ ہمارے ہاں موجود ہیں اور آج یہاں اس وقت ۱۴-۲۰۵ کے قریب مہیا ہیں۔ یہ تمام رقم تقریباً چک نمبر ۱۸۵ کی جمع شدہ ہے۔

۱۳؍جنوری ۱۹۵۶ء: رات جمعہ سے چک جارہاں ہوں نمبر ۱۰۱ کل فراہمی چک نمبر ۱۰۱: ۲۴۶۔ رات جمعہ سے یہاں چک مونیانوالہ چک ۱۵۱ میں قیام ہے۔ صبح مساعی شروع ہے۔ نماز جمعہ کے موقع پر مولانا حکیم عطا محمد قریشی نیز تشریف لائے۔ پرزور انہوں نے اپیل کی ملک امیر یہاں نہیں تھے وہ بھی جمعہ کو دوپہر پہنچ گئے۔ مشترکہ پہلوان ملک امیر میاں معظم شاہ کوشش کر رہے ہیں۔ ان شاءاللہ حسب مقدور فراہمی ہو جائے گی۔ لیلۃ السبت پھر یہیں قیام ہوگا۔ کل فراہمی از چک نمبر ۱۵۱: ۲۴۶ روپے ۱۰ آنہ۔

۱۴؍جنوری ۱۹۵۶ء: چونکہ کل چندہ تمام نہ ہو سکا لہٰذا رات ثانیہ بھی ملک امیر ملک باجھل کے ہاں قیام

کیا۔ صبح پھر فراہمی کی تحریک جاری ہے۔---روپے خیر وآنہ نمبر ۱۵۰ سے میسر شدہ۔ خیر وآنہ مولانا حکیم صاحب موصوف اور ملک پہلوان ماہوں، سید معظم شاہ، ملک امیر بھی ہمراہ تشریف لائے۔ تمام نے پرزور اپیل کی۔ پہلوان ماہوں نے شدید سعی کی مگر کارگر نہ ہوئی۔ کل وعدہ ملک یعقوب، نور محمد اور بختاور ملک نے پیش کر کے معذرت کر دی کہ ہم فراہمی اپنی برادری سے نہیں کر سکتے باقی معرکہ واپس ہوئے اور مولانا محمد خان صاحب اور بندہ میاں غلام ولد مہابت کے ہاں رات یک شنبہ کو گٹی کموکہ نمبر ۱۵۲ میں جا پہنچے۔

۱۵/جنوری ۱۹۵۶ء: صبح ان لوگوں کے ہاں اپیل کی اور ملک امیر، ملک پہلوان بھی آ گئے۔ کولی معرکہ سے---روپیہ وصول ہوئے اور کموکہ معرکہ اور رعایا وغیرہ میں کوشش جاری ہے۔ بندہ آج ہی میاں محمد علی شاہ کے ہاں پہنچا کہ کچھ امداد فرما دیں۔ انہوں نے---روپے عنایت فرما کر ساتھ چلنے سے معذرت کر دی۔ اللہ تعالیٰ بھلا کرے میاں شیر علی شاہ کا وہ تیار ہو گئے۔ ہم چک مونیاں و پٹھنیکا وغیرہ کے لئے چلتے ہیں۔ پھر مذکورہ بالا امانت (الف ما تان-۱۲۰۰ روپے) ان کی موجودگی میں ان کے پسر میاں غلام محمد شاہ کے حوالے کی گئی تا کہ بحکم خدا واپسی پر آپ سے وصول کریں گے۔ چل کر رات گٹی میں ہم پہنچ گئے۔

۱۶/جنوری ۱۹۵۶ء: فی الحال فراہمی کموکہ گٹی نمبر ۱۵۲ ہے اور رسیدہ شدہ ۹-۱۶۰ ہے۔ یہاں سے آج ہر سہ احباب شاہ صاحب، بندہ، مولوی محمد خان چک مونیانوالہ وارد ہوئے ہیں۔ مولوی محمد طالب اور میاں صاحب حکیم و دوست محمد ولد متھیلا نمبر دار وغیرہ سے ملے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کو منظور ہو۔ رات سہ شنبہ اور یوم دوشنبہ یہاں گزرا مگر ان لوگوں نے صفر سعی کی۔ علی الصبح میاں شیر علی شاہ اور ہم پٹھنیکا خالی ہاتھ جا پہنچے۔ مونے معرکہ نے خالی ہاتھ روانہ کیا۔ اللہ ان پر رحم کرے۔

۱۷/جنوری ۱۹۵۶ء: چک نمبر ۱۴۲ پٹھنیکا کے معرکہ سے مسجد میں ملاقات ہوئی (لال محمد، رائے غلام علی، حاجی سمند، مولوی عبدالمجید و عبدالحمید صاحب) رات قیام برادران چوہدری لال محمد و فتح محمد کے ہاں ہے۔ رات چہار شنبہ ان لوگوں نے مسجد میں اجتماع کر کے وعظ کے بعد چندہ لکھوانا شروع کیا۔ چہار صد کے قریب جمع کر رہے ہیں۔ جزاھم اللہ اور وعدہ یکم فروری کا کر رہے ہیں کہ اس وقت جمع وفراہم کر کے پیش کریں گے۔ لسٹ ۱۰ اعداد امداد کنندگان انہوں نے ہمیں ساتھ دے دی ہے۔

۱۸/جنوری ۱۹۵۶ء: الیوم گٹی سیداں چک نمبر ۱۵۳ میں ہم لوگ پہنچے۔ دیر کے بعد میاں چوہدری غلام

ولد مراد سے ملاقات ہوئی۔ ظہر کے بعد انہوں نے برادری جمع کر کے چندہ کرایا۔ میاں اللہ داد صوفی بھی تشریف لائے۔ خود میاں غلام مذکور نے اربعین (۴۰) روپے از قبیل عشر چندہ دیا۔ پھر دوسرے لوگوں نے دینا شروع کیا۔

۱۹ر جنوری ۱۹۵۶ء: ان لوگوں نے کافی ہمت کر کے ماۃ واحدہ جمع کر دیا۔ میاں غلام مذکور کے عشر والے ۴۰ روپے سمیت ۴-۸-۱۳۱ روپے گٹی سیداں نمبر ۱۵۳ سے نقد وصولی ہوئی۔

۲۰ر جنوری ۱۹۵۶ء: ''گٹی سیداں کے بعد کھائی ہیراں نمبر ۱۴۲ میں جانا ہوا۔ کھائی ہیراں میں کل ۱۴۴ روپے نقد چندہ ہوا ہے۔ اس میں یک صد روپیہ ملک حکیم صالح محمد ولد برخوردار نمبردار نے یکمشت چندہ دیا ہے۔ جزاہ اللہ تعالیٰ۔ انہوں نے مسجد بڑی عمدہ تیار کی ہے۔ وہ سب اس کی ہمت ہے۔ رات جمعہ کو واپس کوٹ وساوا نمبر ۱۴۴ میاں شیر علی شاہ کے ہاں ان کی معیت میں پہنچے۔ صبح جمعہ واپس ہو کر عدلانہ سے ہوتے ہوئے ان سے بات چیت کر کے محمدی (شریف) جمعہ کے وقت پہنچ گئے۔ الحمد للہ، الحمد للہ، الحمد للہ۔

نوٹ: سمندر برخوردار سکھر والا چندہ ملا کر کل اثمان تسعۃ عشر ماۃ (الف وتسع ماۃ وخمسین) کے قریب ہے۔''

جامعہ محمدی کے لئے چندہ فراہمی کی اس مہم میں مولانا نے اپنے علمی اور معاشرتی مقام ومرتبہ کی پروا کئے بغیر جس طرح سفری صعوبتیں اٹھا کر اور گاؤں گاؤں جا کر پھر ہر گاؤں میں ڈیرہ ڈیرہ، گلی گلی، گھر گھر جا کر اپنی عزت نفس کو مجروح کر کے، لوگوں کا احسان اٹھا اٹھا کر اور وہ بھی کسی ذاتی یا مالی مفاد کے بغیر جامعہ کے لئے چندہ اکٹھا کیا ہے یہ ہر آدمی کے بس کا روگ نہیں۔ یہ دینی خدمت اور جامعہ محمدی کے ساتھ تعاون کا بے پایاں جذبہ ہی تھا جو مولانا کو گلی گلی اور کوچے کوچے میں لئے پھرتا رہا۔ یقیناً اللہ کریم نے انہیں اس فی سبیل اللہ سعی کا ڈھیروں صلہ عنایت فرمایا ہوگا۔

چنیوٹ شہر میں جامعہ کی شاخ قائم کرنے کے لئے بھاگ دوڑ:

جامعہ محمدی میں ایک دیہات میں واقع ہونے کے باعث کئی شہری سہولتیں نہیں پائی جاتی تھیں اس لئے کئی خواہشمند لوگ بھی یہاں رہ کر تعلیم حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ بنابریں اہل جامعہ نے چنیوٹ شہر میں جامعہ کی ایک ذیلی شاخ کھولنے کا پروگرام بنایا۔ اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ضروری کاروائی اور بھاگ دوڑ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی سپرد ہوئی۔ اس بھاگ دوڑ کی روئیداد مولانا کی اپنی زبانی ہی ملاحظہ ہو:

''یکم اکتوبر ۱۹۵۳ء: چنیوٹ میں جامعہ کی شاخ کے سلسلہ میں سعی جدوجہد مقصود ہے۔ حافظ مشتاق احمد ولد میاں کرم الٰہی نے پیر یعقوب مرحوم کی خانقاہ کی ملحقہ زمین آباد کی ہوئی ہے۔ چاہ باغیچہ،

مسجد و کمرے (۴) عدد وغیرہ موجود ہیں۔ ان کی حسب خواہش یہ تحریک کی گئی کہ اس جگہ جامعہ کے دینی و تعلیمی کام کے لئے شاخ قائم ہو جائے۔ پہلے یہ زمین ''وقف اہل اسلام مقبوضہ اقوام کھوکھراں زیر اہتمام حافظ صاحب مذکور'' خسرہ گرداوری میں درج ہے۔ جمع بندی میں مقبوضہ اہل اسلام اقوام کھوکھراں ہے۔ اپنی تولیت واہتمام حافظ صاحب چاہتے ہیں قومی دینی ادارہ جامعہ محمدی کو سپرد کر دی جائے۔

اس سلسلہ میں تحصیلدار کو ملنا ہوا۔ سردار محمد ناظم ان کا نام ہے۔ بڑے اچھے خیالات کے اور نہایت شریف آدمی ہیں اور بڑی ہمدردی کا اظہار کر رہے ہیں۔ پاکستانی اشیاء کے استعمال کے حامی ہیں۔

۲/اکتوبر ۱۹۵۳ء: قاضی شیخ منیر اور حلقہ پٹواری محبوب الٰہی سے ملنا ہوا۔ اسی رقبہ جات کے سلسلہ میں دریافت جاری ہے۔ مولانا حبیب الغفور مسجد ---- میں مقیم ہیں۔ ان کے ہاں فروکش ہیں۔ ان کے مفید مشورہ جات اور مساعی سے فائدہ ہو رہا ہے۔ جزاہ اللہ تعالیٰ۔ ساقی صاحب بھی معاون و ممد ہیں۔ اللہ رحم فرمائے۔

۳/اکتوبر ۱۹۵۳ء: اہالیان چنیوٹ کی طرف سے شاخ جامعہ محمدی چنیوٹ میں کھولنے کی تجویز کی درخواست بنا کر معاونین صاحبان سے دستخط لئے جا رہے ہیں۔ یہ تحصیلدار کے ہاں درخواست ہوگی۔ یہ بھی خاص لوگوں کی تجویز تیار کی ہوئی ہے۔ ادھر حافظ صاحب کو والد صاحب اور اقارب اس معاملہ میں پوری مخالفت کر کے ان کو سختی سے روکنے کے درپے ہیں۔ (ماشاء اللہ دیکون)

۴/اکتوبر ۱۹۵۳ء: حاجی میاں محمد اشرف کراچی والے نے دوصد روپے نقد زکوٰۃ جامعہ کو دیا اور ایک شکایت بھی متعلق سفارت موصول ہوئی۔ فافہم۔

- میاں دوست محمد صاحب سبھر اڑو نے دعوت طعام کی۔
- مولوی حبیب الغفور صاحب اور دوست محمد ساقی بڑی ہمدردی سے کام میں جدوجہد میں حصہ لے رہے ہیں۔

۵/اکتوبر ۱۹۵۳ء: واپس محمدی آج ہو رہا ہوں۔ پانچ دن صرف ہو گئے۔ تحصیلدار محمد ناظم کے ہاں کاغذات، درخواست معززین شہر اور نقل جمع بندی نقل خسرہ گرداوری ہر دو شامل ہیں۔ انہوں نے اپنی تکلیف طبعی کی شکایت کی کہ آپ جلدی نہ کریں۔ دس تاریخ (اکتوبر) کو پھر آ کر یہ کام تمام کرا لیں۔ ان کا خیال ہے کہ فریق مخالف وموافق سے معلوم کر لیا جائے تا کہ بعد میں حیل وحجت نہ نکال سکیں۔ اس کے بعد اصرار مناسب معلوم نہ ہوا۔

۱۰/اکتوبر ۱۹۵۳ء: تحصیلدار سے حسب وعدہ ۱۰ تاریخ کو ملنا ہوا۔ حلقہ پٹواری جھنگ گیا ہوا تھا اس کی وجہ سے کام کو ۱۵-۱۶/اکتوبر تک ملتوی کر دیا گیا۔ ۱۵/اکتوبر کو پھر آنا ہوگا۔ چوہدری صاحبان کی حمایت و تعاون کی سخت ضرورت۔ حافظ مشتاق احمد صاحب کے لئے ہے۔ (ذاتی ڈائری مؤرخہ یکم تا ۱۵/اکتوبر + ۱۰/اکتوبر ۱۹۵۳ء)

بانیٔ جامعہ کا اعتراف:

جامعہ محمدی کے لئے مولانا کا یہ بے لوث مخلصانہ اور ہمدردانہ تعاون اور خدمات بانیٔ جامعہ سے مخفی نہیں تھیں۔ اسی خلوص و بے لوث تعاون کی بنیاد پر انہیں جتنا اعتماد اپنے اس مخلص اور چھوٹے بھائی پر تھا اتنا اعتماد اپنے خاندان، برادری اور اہلکاران جامعہ میں سے کسی پر بھی نہ تھا۔ انہیں اپنے اس بھائی کی جامعہ کے لئے خدمات کا اعتراف بھی تھا۔

چنانچہ مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک خط بنام حکیم (عطا محمد) اس وقت راقم کے سامنے ہے جو مولانا کے بقول حکیم صاحب کے "گرامی نامہ (یا صحیح معنوں میں ہمدرد نامہ)" کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ لگتا ہے کہ یہ گرامی نامہ حکیم صاحب نے جامعہ محمدی کی انتظامی معاملات میں کوئی رد و بدل یا نظر ثانی کرنے یا اس معاملے میں مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ تحفظات سے متعلق لکھا ہوگا۔ اس کے جواب میں یہ طویل خط ہے جس میں زیادہ تر امور پر گفتگو یا کوئی حتمی فیصلہ تو ملاقات پر چھوڑا گیا ہے تاہم ایک جگہ مولانا نے لکھا ہے:

"---ایک بھائی (اور لائق و نیک بھائی) پہلے رخصت ہو چکا ہے، بقضائے الٰہی۔ اب اگر دوسرا بھی (خدانخواستہ) جدا ہو جائے تو احقر زندہ درگور ہو جائے گا۔ اگرچہ اب بھی تقریباً یہی حالت ہے۔ تاہم بفضلہ تعالیٰ اس مخلص اور قابل بھائی سے (جسے اللہ کریم نے وسیع صلاحیتیں ودیعت فرمائی ہیں) کافی توقعات وابستہ ہیں۔ اس لئے اشد ضرورت ہے کہ آپ اور وہ ان اہم معاملات پر مزید ہمدردانہ غور فرمائیں اور قوی توقع ہے کہ آپ دونوں یہ غور و فکر خاص عمیق نظری سے غور فرمائیں گے۔ اشتراک عمل اور جامعہ کی بہتری کے لئے مفید ترین لائحہ عمل بروئے کار لا کر عنداللہ الکریم ماجور ہوں گے۔"

علاوہ ازیں مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے نام مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے چند خطوط اس وقت راقم کے سامنے ہیں۔ ان سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انہیں اپنے اس مخلص بھائی پر کتنا اعتماد تھا اور ان کی مخلصانہ تعاون کے تسلسل کو کس قدر ضروری سمجھتے تھے۔ یہ خطوط ان دنوں میں لکھے گئے جن دنوں میں مولانا مہتمم صاحب کسی ضروری کام کے سلسلے میں کچھ دنوں کے لئے مگھیانہ، لاہور یا کسی اور جگہ مقیم تھے یا مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ جامعہ سے باہر تھے۔ ان خطوط سے یہ اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے کہ مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کو سب سے زیادہ

فکر جامعہ کے معاملات کی تھی۔ ہمہ وقت سفر اور حضر میں جامعہ ہی ان کے ذہن پر سوار تھی۔ کسی خط میں اپنے اہل خانہ، بیوی، واحد بیٹے یا کسی گھریلو مسئلہ کا ذکر تک نہیں۔

ان خطوط میں اپنے بھائی کو ''اخی المکرم سلمہ اللہ الکریم، اخی المخلص سلمہ اللہ العزیز، ہمدرد نافع جامعہ، اخی المخلص العزیز سلمہ اللہ العزیز'' جیسے پیار بھرے الفاظ سے مخاطب کیا گیا ہے۔ ایک پوسٹ کارڈ جو لاہور سے مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے نام بھیجا گیا ہے۔ اس کے ایڈریس میں مولانا محمد نافع کے نام کے ساتھ ''ناظم جامعہ محمدی شریف'' لکھا گیا ہے۔ یہاں ذیل میں چند خطوط کا اندراج بے فائدہ نہ ہوگا کیونکہ ان سے ایک تو مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کے قومی ملی اور جامعہ محمدی کے ہمہ وقت احساس کا اندازہ ہوگا۔ دوسرے اپنے بھائی مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ پر اعتماد کا بھی پتہ چلے گا۔ ذیل میں چند اہم خطوط ملاحظہ ہوں۔ پہلے کمپوز شدہ اور پھر اصل:

از لاہور (۹ / ۳)

اخی المکرم سلمہ اللہ الکریم

سلام مسنون۔!

چلتے وقت ملاقات نہ ہوسکی، چند بہی خواہان جامعہ کے اصرار پر یہ سفر ناگزیر ہوا۔ عملہ دفتر سے کہا جائے کہ چودھری شمیم صاحب لائل پور والوں کو جلدی اطلاع دے دیں کہ اچانک لاہور جانا پڑا اس لئے سابقہ مجوزہ تاریخوں میں (۲۳، ۲۴ رجون) وہ تکلیف نہ کریں۔ پھر عنقریب نئی تاریخ لکھی جاسکے گی۔ دفتر کی تمام ڈاک آپ ہی کے پاس پہلے پہنچے۔ پھر حسب حالات تعمیل کرائی جائے۔ مسجد کا کام بتوکل الٰہی جاری رکھا جائے۔ مستری کو خاص تاکید کی جائے۔ بھٹہ کا کام بھی بتوکل الٰہی جلد جاری چاہے ویسے ہر قسم کا خیال رکھا جائے۔ مساجد (جامعہ، جامعہ آباد، گاؤں) میں اہم مسئلہ بیت المقدس، فلسطین جامعہ کے تعلیمی عزائم کے لئے دعاء خیر کا سلسلہ جاری رہے۔ سب سے سلام مسنون۔ ابھی یہاں پہنچا ہوں اور پہلے یہ کارڈ لکھا جارہا ہے۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

خیر اندیش

دستخط (مولانا محمد ذاکر) (۱۸ / ۶) ۱ بجے دن

پوسٹ کارڈ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کو ۲۶-۶-۶۷ کو موصول ہوا۔ (۶۷-۶-۲۶ بعد العصر خط ملا ہے۔)

محترم مولانا محمد نافع صاحب ناظم

جامعہ محمدی شریف براستہ جھنگ

۸۶ے

۱- کیو، گلبرگ، لاہور

۸۲/۶/۲۱ھ

۷۰/۱۱/۵ء

اخی المخلص المکرم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس وقت قلم (روشنی دار) پاس نہیں۔ پنسل پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔ غالباً ۱۶-۶-۸۲ھ کو جامعہ سے چل کر چوہدری صاحب مرحوم مغفور کی فاتحہ خوانی جھنگ کرتے ہوئے لائل پور پہنچنا ہوا۔ مختصر وقفہ کے بعد لاہور پہنچنا ہوگیا۔ یہاں جامعہ کے مختلق قسم کے چند نہایت ہی ضروری اور فوری امور میں شدید مصروفیت ہے۔ خدا معلوم مزید کتنا ٹھہرنا پڑے۔

اگرچہ قوی امید ہے آپ جامعہ کے جملہ ضروری کاموں کا پورا خیال اور نگرانی کر رہے ہوں گے تاہم احتیاطاً وتاکیداً عرض ہے کہ مزید خاص ہمدردانہ توجہ ہر کام میں چاہئے۔ روزانہ دفتر میں کچھ خاص وقت مقررہ ضرور دینا چاہئے اور خاص کر ڈاک خاص حفاظت سے آپ نے ہی رکھنی ہے۔ جو جلدی قابل جواب لکھنے کا ہو وہ دفتر والوں سے جلدی لکھوا دینی چاہئے اور جو بعض یہاں بھیجنے کا ہو وہ یہاں بھجوا دینا چاہئے اور کئی خود لکھیں۔ نیز وہاں دعاءِ خیر کا سلسلہ بھی ضرور جاری رکھا جائے اور رکھوایا بھی جائے۔

خیر اندیش

دستخط (مولانا محمد ذاکر)

۱۹/۱۱

۷۸۶

از جامعہ

۸۶/۹/۱۸ھ

اخی المخلص العزیز سلمہ العزیز وعلیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عافیت نامہ ملا۔ مصروفیات کے باعث لکھنے میں تاخیر ہوگئی۔ عزیزی ابوبکر پہنچ گیا اور پڑھائی میں شوق سے لگا ہوا ہے۔ عزیز مختار تعطیلات کی وجہ سے کچھ بے کار سا پھر رہا تھا۔ سکول میں بھی تعطیل ہوگئی تھی۔ انگلش پڑھانے والا کوئی نہ تھا اس لئے اسے جماعت ہشتم کی تیاری کے لئے چوہدری عزیز الدین سے کہا گیا۔ انہوں نے پوری محنت اور ہمدردی کے ساتھ ریاضی وغیرہ مضامین کی تیاری شروع کرادی ہے اور دن رات خاص شفقت سے کوشش میں لگ گئے ہیں۔ مختار نے بھی محنت شروع کر دی ہے۔ پھرنا گھومنا چھوڑ دیا ہے۔ پرائیویٹ داخلہ کے ذریعے امتحان ہوگا۔ بعونہ تعالیٰ

(ویسے تو ہمیشہ چاہئے لیکن رمضان المبارک کے مبارک اوقات میں خصوصاً جامعہ کے تعلیمی اسلامی مقاصد کی ظاہری باطنی تکمیل کے لئے خاص دردِ دل سے دعاخیر ضروری چاہئے۔)

اگرچہ جامعہ کے تعلیمی عزائم کے متعلق کسی مزید وضاحت کی حاجت نہیں تاہم مختصراً کہا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ محض دینی اسلامی تعلیمات کی حفاظت اور توسیع اشاعت کے لئے ہی ہے۔اس میں اور کوئی دنیوی غرض نہیں۔عام دنیوی علوم ہیں تو وہ بھی دینی مقاصد کی بہتری اور ترقی کے لئے ہیں۔آج دنیا تعلیمی لحاظ سے جس قدر تیزی کے ساتھ مختلف سمتوں میں جاری ہے اگر دیندار (دین پسند) افراد نے دینی مقاصد کی حفاظت کے لئے ساتھ ساتھ مناسب اصلاحی اقدامات نہ کئے تو اس کے نتائج نہایت ہی خطرناک ہوں گے۔(العیاذ باللہ العظیم)

سلف صالحین، علماء کرام اور صوفیاء عظام اور تجار صدوق کی مخلصانہ مساعی (خاص حسبۃً للّٰہ جدوجہد) سے اقطار عالم میں اسلام اپنی صداقتوں کے ساتھ بڑی شان سے پہنچا تھا۔اگر بعد کے افراد حالات حاضرہ پر قابو پانے کی غرض سے مناسب علمی عملی اقدامات بروقت جاری رکھتے تو دینی کمزوری کی یہ حالت ناگفتہ بہ نہ ہوتی۔

حضرات اصفیا اور علماء کی قربانیوں سے تحریک آزادی ۱۸۵۸ء سے منظم شروع ہوئی تھی۔مختلف وقتوں میں مدوجذر رہا۔پھر تحریک خلافت موالات مسلم لیگ وغیرہ مختلف تنظیموں میں کام ہوتا رہا آخر کار اللہ کریم کے خاص کرم سے ایک قطعہ اراضی مسلمانوں کو اسلامی نظام کے قیام کے لئے ملا لیکن افسوس علماء کی محدود خیالی کے باعث آج علماء (یا دین پسند افراد) بے بسی کی حالت میں ہیں اور نظریۂ قیام پاکستان فوت ہو رہا ہے۔اگر علماء دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عام ضروری تعلیمات میں دسترس رکھنے کی کوشش کرتے تو آج پاکستان کا نظام حکومت علماء کے ہاتھ میں ہوتا اور نظریۂ قیام پاکستان کی تکمیل میں آسانی ہوتی۔بعونہ تعالیٰ۔اگرچہ وقت بہت نکل گیا ہے تاہم اب بھی بتوکل الٰہی مخلصانہ سعی ہو تو کچھ تلافی آفات ہو سکتی ہے اور یہی مقصد جامعہ محمدی کی تعلیمی تحریک کا ہے۔وباللہ التوفیق۔ہاں مخلص دیندار عملہ کی تلاش جاری چاہئے۔

خلاصہ یہ کہ جامعہ کے تعلیمی عزائم خالص دین قیم کے عمومی مفاد اور خاص حصول رضا الٰہی کے لئے ہیں وہی موسس اور وہی مکمل ہیں۔بکرمہ تعالیٰ

البتہ اس میں جس قدر بلند فکر مخلص رفقاء کی ضرورت ہے اس سلسلہ میں آپ پر ہی پہلی نظر پڑتی ہے اور آپ ہی سے خاص توقعات وابستہ ہیں لیکن جب آپ کی طرف سے کچھ کمی یا تذبذب پایا جاتا ہے تو روحانی صدمہ کی انتہا نہیں رہتی۔بس افسوس امری الی اللہ۔والسلام۔ایک پریشان حال قال (محمد ذاکر) ۱۸-۱۲-۸۶ھ

۸۶ء

مکرر السلام علیکم

کل پنسل سے لکھا گیا، آج میسر ہونے پر مزید تتمہ عرض ہے کہ مولا بخش ملک کو خاص تاکید کی جائے اور صرف تاکید زبانی ہی نہیں کہ سال گزشتہ (۱۳۸۱ھ) کی روئیداد مکمل کر کے جلدی لاہور لے جائے، وہاں (لاہور) آڈٹ (حساب کی پڑتال) کرالیجئے اور طبع بھی کرائیے۔ پہلے ہی لیٹ ہوگئی ہے۔

اول تو یہ محرم یا صفر میں چھپ جانی چاہئے تھی یا کم از کم جمادی الثانی کے وسط تک ضرور طبع ہو جانی چاہئے تاکہ رجب سے پہلے یہ کم از کم پہلے ہفتے میں مدرسین جامعہ کے پاس پہنچ سکے۔ اس لئے جس قدر بھی جلد ممکن ہو سکے وہ مکمل تیار کر کے یہاں جلدی لائیں بشرطیکہ حکیم نور زمان حسابات کی تصدیق کر کے مسودہ پر دستخط کر دیں۔ اگر حکیم صاحب نے ابھی تصدیق نہ کیا ہو تو انہیں خاص طور پر بلا کر یہ کام اپنے سامنے مکمل کرا کر جلدی یہاں بھجوانے کی کوشش کی جائے۔

تعمیرات کے کام کے سلسلہ میں مستری نور محمد اور ولی محمد ترکھان کو خاص تاکید کی جائے کہ دارالحدیث سے ملحقہ تین کمروں کی چھت بھی مکمل کریں۔ سردی کا موسم آ گیا ہے جلدی جلدی یہ کام کر دیا جائے۔ اس ضمن میں انہیں لکڑی کی ضرورت تھی اس کے لئے انہیں کہا گیا تھا کہ کڑیوں کا انتظام کریں، غالباً انہوں نے کیا ہوگا، اب مزید خاص تاکید کی ضرورت ہے۔

۲۔ متروکہ وقف اراضی کے کیس جامعہ کی فائل کو جھنگ سے لاہور بھجوانے کے لئے چند مرتبہ کہا جا چکا ہے مگر تا حال اس کی اطلاع نہیں پہنچ سکی، شدید انتظار ہو رہا ہے۔ روز روز لاہور آنا مشکل ہوتا ہے۔ جن افسران کے ہاں اور جس دفتر میں جامعہ کا یہ کیس آتا ہے وہ کہتے ہیں نیچے سے کیس پہنچے تو ہم کرنے کو تیار ہیں۔ اب صرف یہی تاخیر ہو رہی ہے۔

پہلے چوہدری مشتاق احمد صاحب اور مولا بخش کو یہ سب علم ہے اب انہیں مزید تاکید کرنے کی اشد ضرورت ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے دفتر جھنگ سے مکمل تسلی بخش رپورٹ کے ساتھ یہ کیس جلد تر لاہور بھجوایا جائے اوور اس کی روانگی جھنگ سے لاہور کا ڈسپیچ نمبر حاصل کر کے الگ ہمیں یہاں ۱۔ کیو گلبرگ کے پتہ پر بھیجا جائے یا مولا بخش ساتھ لائے اور روئیداد بمعہ نمبر مذکور حاصل کر کے جلدی یہاں بھیجنے کی کوشش کی جائے۔

روئیداد کا سامان وغیرہ جامعہ کے ذیلی دفتر متصل اکبری سٹور اندرون اکبری منڈی اندرون اکبری دروازہ بمعرفت شوکت صاحب (جو شیخ سراج الدین صاحب کے بھتیجے ہیں) لکھا جائے اور وہیں سے بذریعہ ٹیلی فون یہاں مطلع کیا جائے۔ والسلام

نوٹ: لائل پور سے چوہدری تاج دین کا خط آیا ہے کہ بھائی صالح محمد صاحب کی صحت اچھی ہے لیکن حکیم صاحب کی رائے ہے کہ ابھی کچھ دن اور ٹھہریں۔ مولا کریم بہتری فرمانے والے ہیں۔ آپ ایک دفعہ لائل

پور کا چکر لگائیں۔

دعا گو و دعا جو

دستخط (مولانا محمد ذاکر) (۲۲-۱۱-۶۲)

درج ذیل طویل خط اگرچہ جناب حکیم (عطا محمد قریشی) کے نام ہے تاہم اس میں ایک تو مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی جامعہ محمدی کے لئے خدمات اور صلاحیتوں کا اعتراف ہے، دوسرے خود مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کے جامعہ کے حوالے سے انتہائی خلوص، فکر وغم اور ان کی اخلاقی عظمت کا شاہکار ہے۔ اس لئے اس کا اندراج بھی یہاں فائدہ سے خالی نہیں ہوگا۔

۷۸۶

از جامعہ

۳-۸-۸۴ھ

۴-۱-۶۰

خصوصی بہی خواہ جامعہ اخی المکرم جناب حکیم صاحب، زیدت حسناتہم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، گرامی نامہ (یا صحیح معنوں میں ہمدردنامہ) ملا، شکریہ، جس طرح آپ کو جامعہ محمدی کی ضروریات ومشکلات کا واقعتاً صحیح ہمدردانہ احساس ہے کاش چند ایک یا ایک آدھ کسی اور صاحب کو بھی ہوتا۔ عزیز بھائی صاحب کے متعلق جو آپ نے تحریر فرمایا ہے اس سے تشویش میں اضافہ ہوا ہے۔ اب ان چیزوں کے متعلق تفصیلاً اس مختصر عریضہ میں کچھ لکھنا مشکل ہے لیکن ملاقات میں ان شاء اللہ العزیز مفصل عرض ہوسکتا ہے اور جو بھی خیال (یا اعتراض) ہو بلا تکلف واضح بیان ہونا چاہئے۔ سب کے متعلق تفصیلات کے ساتھ عرض ہوسکتا لیکن یہ باتیں صرف بحیثیت اعتراض یا بہ نوعیت اعتراض ہی نہیں مفید ہوتیں بلکہ یہ چیزیں باہمی مخلصانہ تعاون اور باہمی ہمدردانہ اشتراک عمل سے ہی بآسانی مکمل ہوسکتی ہیں۔ اگر ایسے معاملات کے متعلق صرف اپنے ہی دل میں ایک خیال رکھا جائے اور عملدرآمد کے لئے ظاہر نہ کیا جائے یا اس کے لئے خود عمل بھی نہ کیا جائے تو اصلاح وتکمیل مشکل ہوتی ہے۔

بھائی صاحب موصوف یا آپ یا کوئی ہمدرد رفیق ایسے معاملات جامعہ میں جو بھی ہمدردانہ مشورہ دیں احقر دل کی عمیق گہرائیوں سے بصد شوق قبول کرنے اور عمل کرنے کے لئے آمادہ ہے بشرطیکہ معاملہ کی نوعیت پر باہمی مخلصانہ تبادلہ خیالات ہوجائے کیونکہ اس طرح متعلقہ معاملہ کے لئے کسی تسلی بخش نتیجہ پر پہنچنے میں آسانی ہوتی

ہے۔ جن چیزوں کے متعلق آپ نے اشارہ فرمایا ہے وہ تقریباً ایسی ہی تفصیل طلب ہیں، احقر اس کے لئے حاضر ہے۔ واللہ احقر تو صدق دل سے ایسے باہمی اشتراک عمل کا خواہشمند ہے بلکہ یہ بندہ کی دلی درمندانہ تمنا اور دیرینہ آرزو ہے کہ ایسے مخلص ہمدرد رفقاء کار کی مجلسِ شوریٰ اور ایسی ہی مجلسِ منتظمہ اور ایسی ہی مجلس عاملہ میسر ہو جو خلوص دل سے جامعہ کے تعلیمی وانتظامی اموراور جامعہ کی مہمات میں ہمدردانہ حصہ لے۔

جس روز بھی ایسے ہمدرد غمخوار مخلص رفقاء کار مہیا ہو جائیں گے تو احقر کے لئے یہ انتہائی خوشی اور دلی مسرت کا مقام ہوگا اور مالک جامعہ جل جلالہ کا یہ احسان عظیم ہوگا بلکہ دوسرے لفظوں میں یہ جامعہ کی تکمیل کا دور سعید تصور ہوگا۔

آپ یقین فرمایئے احقر کو چودھراہٹ (نظامت) کی ضرورت نہیں۔ جس وقت بھی مجھے اعتماد (کسی صاحب کے متعلق) ہو جائے تو اسی وقت مستعفی ہو کر اس کے ساتھ بطور خادم تعاون کرنے میں راحت محسوس ہوگی۔

ایک بھائی (اور لائق و نیک بھائی) پہلے رخصت ہو چکا ہے۔ بقضائے الٰہی۔ اب اگر دوسرا بھی (خدانخواستہ) جدا ہو جائے تو احقر زندہ درگور ہو جائے گا۔ اگرچہ اب بھی تقریباً یہی حالت ہے تاہم بفضلہٖ تعالیٰ اس مخلص اور قابل بھائی سے (جسے اللہ کریم نے وسیع صلاحیتیں ودیعت فرمائی ہیں) کافی توقعات وابستہ ہیں۔ اس لئے اشد ضرورت ہے کہ آپ اور وہ ان اہم معاملات پر مزید ہمدردانہ غور فرمائیں اور قوی توقع ہے آپ دونوں یہ غور وفکر خاص عمیق نظری سے غور فرمائیں گے۔ اشتراک عمل اور جامعہ کی بہتری کے لئے مفید ترین لائحہ عمل بروئے کار لاکر عنداللہ الکریم ماجور ہوں گے۔

اور بھی کچھ ایسے حالات پیدا ہو گئے ہیں (یا کرم فرماؤں نے پیدا کر دیئے ہیں) جن پر باہمی مشورہ کی ضرورت ہے۔ جو باہمی زبانی ذکر سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔

کیا یہ امید کی جاسکتی ہے کہ آپ رمضان شریف کے وسط میں کوئی تاریخ مقرر کر کے یہ تکلیف سفر پھر کرسکیں گے تاکہ کچھ باہمی سوچا جاسکے۔ بکرمہ تعالیٰ

یہ بھی امید ہے آپ رمضان شریف کے مبارک لمحات میں جامعہ کے اہم تعلیمی عزائم کی تکمیل ظاہری وباطنی کے لئے خاص درددل سے دعاء خیر فرماتے رہیں گے۔

والسلام، دعاگو--- دعاجو دستخط (مولانا محمد ذاکر)

دل میں ایک خیال رکھا جائے۔ اور عملی درآمد کے طور پر نہ کیا جائے یا رکھا گیا
چند عملی سعی نہ کی جائے تو اصلاح و تکمیل مشکل ہوتا ہے۔

بھائی صاحب موصوف! آپ یا کوئی ہمدرد رفیق ایسے معاملات جا لیں
جو بھی بہبود مشورہ دیں احقر دل کی عمیق گہرائیوں سے بصد شوق قبول کرے گا
اور عمل کرنے کی سعی کرے گا دوسرے بشرطیکہ معاملہ کی نوعیت پر باہمی تفصیلی
تبادلہ خیالات ہو جائے۔ کیونکہ دل کی طرح متعلقہ معاملہ کی تکمیل تسلی بخش
نتیجہ پر پہنچنے میں آسانی ہوگی۔ جب کچھ دن پیشتر آپ نے ارشاد فرمایا
ہو تو یہ سب ایسی ہی تفصیل طلب ہیں۔ احقر سے بہ ملاحظہ حاضر ہوں
واللہ احقر تو صدق دل سے ایسے باہمی اشتراک عمل کا خواہشمند ہے
بلکہ یہ بندہ کی دلی دیرینہ تمنا اور دیرینہ آرزو ہے کہ ایسے مخلص
ہمدرد رفقاء کار کی مجلس شوریٰ ہو ایسی ہی مجلس منتظمہ اور ایسی ہی مجلس عاملہ متعین ہو
جو خلوص دل کے ساتھ تعلیمی و انتظامی امور مدرسہ کی بہبود میں ہمہ وقت حصہ لے

پوسٹ کارڈ

POST CARD

THE ANNEXED CARD IS INTENDED FOR THE ANSWER

ADDRESS ONLY

PAKISTAN POSTAGE 9 Ps

مولانا محمد نافع

ناظم جامعہ محمدی

محلہ جامعہ محمدی شریف

ضلع جھنگ

باب ہفتم

تحریک تحفظ ختم نبوت اور سانحہ حسّو بلیل میں کردار

تحریک تحفظ ختم نبوت کا تاریخی پس منظر:

پاکستانی تاریخ کی قومی سطح کی مذہبی وملی تحریکوں میں ایک مشہور اور زوردار تحریک ''تحریک ختم نبوت'' ہے جس کا واحد محرک اہل پاکستان کی ایمانی حمیت، حرمت رسول کی پاسبانی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت نبوی کے ساتھ والہانہ محبت، بنیادی عقائد اسلام خصوصاً عقیدۂ ختم نبوت کا تحفظ اور سب سے بڑھ کر ''فتنۂ قادیانیت'' کا قلع قمع کرنا اور دانستہ یا غیردانستہ طور پر حکومتی شہ اور عملاً تائید سے قادیانیوں/مرزائیوں کی بڑھتی ہوئی ریشہ دوانیوں، کفریہ عقائد کی تبلیغ وترویج اور مذہبی سرگرمیوں کو روکنا تھا۔

اس تحریک میں ہمارے ممدوح حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے کیا مجاہدانہ کردار ادا کیا؟ کس طرح ایمانی جرأت وغیرت کا مظاہرہ کیا؟ کس خندہ پیشانی سے اس میں قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں؟ تحریک کے مراکز شہروں سے دور دراز ایک دیہات میں ہونے اور دیگر تدریسی، تبلیغی، تالیفی مصروفیات کے باوجود کس طرح اس تحریک میں اپنا حصہ ڈالا؟ ان سب چیزوں کی تفصیل میں جانے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ''فتنۂ قادیانیت'' (جس کے خاتمہ کے لئے یہ تحریک چلی اور ہزاروں نوجوانوں اور عاشقانِ رسول نے سینوں پر گولیاں کھائیں، جیلوں میں بند رہے اور جام شہادت نوش کیا) کے پس منظر کی طرف نوجوان نسل کے لئے تھوڑا سا اشارہ کر دیا جائے۔

چنانچہ اہل علم اور بڑی عمر کے لوگوں سے مخفی نہیں کہ انیسویں صدی کے ربع آخر میں متحدہ ہندوستان میں دیدہ دانستہ اور سوچی سمجھی سازش کے تحت یہ فتنہ کھڑا کیا گیا۔ یہ صرف فتنہ ہی نہیں تھا بلکہ دین اسلام کی منجانب اللہ مکمل شدہ عمارت میں نقب زنی اور عقائد اسلام خصوصاً عقیدۂ ختم نبوت پر دن دیہاڑے ڈاکہ ڈالنے کے مترادف تھا۔ اس ڈاکے کا بڑا سبب یا مقصد یہ تھا کہ ۱۸۵۷ء میں انگریز حکومت سے چھٹکارے کے لئے شروع کی جانے والے ''تحریک ریشمی رومال''/تحریک آزادی کے شومیِ قسمت سے ناکام ہو جانے اور اس تحریک کے نامور مجاہدین کے تہہ تیغ کر دیئے جانے کے بعد اگرچہ ہندوستان پر انگریزوں/حکومت برطانیہ کا تسلط مکمل طور پر قائم ہو گیا تھا اور ان کا پنجۂ ظلم واستبداد پورے ملک کو اپنی گرفت میں لے چکا تھا۔ اس کے باوجود حکومت برطانیہ اس خطرے اور اندرونی خوف سے بے نیاز نہیں تھی کہ ہندوستانی قوم خصوصاً مسلمان جن سے انگریزوں نے زمام اقتدار چھینی تھی، اگر متحد ومتفق ہو گئے تو اس غاصبانہ تسلط کو قائم وبرقرار رکھنا مشکل ہو جائے گا۔ اس لئے انگریزوں

کی نگاہ دوربین نے سیاسی میدان کی طرح مذہبی میدان میں بھی اہل اسلام میں سے کسی ننگ دین، ننگے وطن میر جعفر اور میر صادق کی تلاش شروع کر دی جو مسلمانوں کے اندر جذبہ جہاد ختم کرنے میں اپنا کردار ادا کرے۔ دوسرے ان کے درمیان مذہبی اور اسلامی عقائد کے حوالے سے افتراق و انتشار پیدا کر دے اور پہلے سے کئی مسالک اور طبقات میں بٹی ہوئی یہ قوم مزید بٹ کر ٹکڑوں میں تقسیم ہو جائے اور یوں ان کی سیاسی و ملی طاقت کا شیرازہ بکھر جائے تا کہ ''نہ رہے بانس نہ بجے بانسری'' کے مصداق ان کے خلاف کوئی صدائے احتجاج بلند نہ کر سکے اور وہ اپنے آرام سے آزمودہ حربہ تقسیم کرو اور حکومت کرو''Devide and Rule'' پر عمل پیرا ہو کر ان کا ہر طرح استحصال کرتے رہیں۔

اس تلاش میں بالآخر انہیں مشرقی پنجاب کے ضلع گورداسپور کے قصبہ ''قادیان'' سے اپنے ایک نمک خوار اور مسلمانوں کے غدار خاندان سے آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی جہنم مکانی (۱۸۴۰ء-۱۹۰۸ء) نام کا ایک دین فروش، مکار اور عیار آدمی ہتھے لگ گیا جو اس وقت سیالکوٹ ڈی سی آفس میں معمولی درجہ کا کلرک تھا۔ اس سے سودے بازی کی گئی اور اس سودے بازی اور دین فروشی کے بدلے میں در پردہ اسے ہر قسم کی مراعات اور حکومتی تعاون سے نوازا گیا۔ (جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں اور یہ تفصیل مرزائی لٹریچر میں موجود ہے) انگریز حکومت کی طرف سے مکمل سرپرستی اور تحفظ و تعاون کے بعد مرزا صاحب پر ''آسمان مغرب'' سے ''وحی والہام'' کا ''ولایتی سلسلہ'' شروع ہو گیا۔ چند پادریوں سے مناظرہ کے بعد اس نے پہلے مذہبی حلقوں میں شہرت حاصل کی۔ پھر مجدد و مصلح ہونے کا دعویٰ کیا۔ مجددیت سے ترقی کر کے مہدی مثیل مسیح اور مسیح موعود بنا اور آخر میں ظلی و بروزی اور پھر مستقل نبی ہونے کا دعویٰ کر دیا اور یوں فرنگی نبوت اور ولایتی نفسانی وحی کی بنیاد پر اسلامی تعلیمات اور بنیادی عقائد میں من مانی کتر بیونت شروع کر دی اور قطعی نصوص میں فاسد تاویلات سے شکوک و شبہات پیدا کرنا اور اہل ایمان کو گمراہ کرنا شروع کر دیا۔ جہاد کو حرام اور انگریز حکومت کی اطاعت کو لازم ٹھہرایا۔ ختم نبوت کے قطعی و اجماعی عقیدہ کا اُس مردود نے جب انکار کیا اور علماء حق نے اس کا علمی تعاقب و محاسبہ کیا تو من گھڑت تاویل کا سہارا لیتے ہوئے نبوت کو تشریعی و غیر تشریعی، ظلی، بروزی، لغوی، مجازی وغیرہ میں تقسیم کر دیا اور یہ بات چنداں محتاج دلائل نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت پر ایمان رکھنا مسلمانوں کا متفقہ، اجماعی، اصولی اور بنیادی عقیدہ ہے۔ اس عقیدے سے سر مو انحراف کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہوتا ہے اور اس عقیدے کے بغیر کوئی عبادت حتیٰ کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ بھی قابل قبول نہیں۔ غالباً اسی لئے مولانا ظفر علی خان مرحوم نے فرمایا تھا:

نماز اچھی، حج اچھا، روزہ اچھا، زکوٰۃ اچھی　　مگر میں باوجود اس کے مسلماں ہو نہیں سکتا
نہ جب تک کٹ مروں میں خواجہ بطحا کی حرمت پر　　خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

اس صورت میں غیور اہل اسلام خصوصاً انبیاء کرام کے وارث علماء حق کیسے خاموش بیٹھ سکتے تھے۔ وہ مرزا قادیانی جہنم مکانی کے کفریہ عقائد ونظریات، انبیاء کرام، صحابہ کرام، اہل بیت عظام، امہات المؤمنین کی شان میں گستاخیوں، قرآن وحدیث کی قطعی اور صریح نصوص کی من مانی تاویلات اور مہدی، مسیح موعود اور نبی ہونے کے جھوٹے دعوے اور اسلام کے مسلمہ عقائد میں شکوک وشبہات اور طرح طرح کے مغالطوں (جن کی تفصیلات زیر نظر تالیف کا موضوع نہیں) کا علمی جواب دینے، اس کی طرف سے پیدا کردہ تمام شکوک وشبہات اور نام نہاد دلائل کا رد کرنے اور اس کے سب دعاوی کو جھوٹ، دھوکہ، دغابازی، مکاری اور چالاکی ثابت کرنے اور سادہ لوح مسلمانوں کو مرزا کے دام تزویر سے بچانے کے لئے اس وقت کے مشہور مشائخ عظام اور تمام مکاتب فکر (دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث، اہل تشیع) کے علماء حق کھل کر میدان میں آ گئے۔ قطب عالم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بصیرت اور مومنانہ فراست سے مرزا قادیانی کے عملی طور پر دعوئے نبوت کرنے سے بہت پہلے پنجاب کی معروف خانقاہ گولڑہ شریف کے سجادہ نشین مشہور روحانی بزرگ اور اپنے وقت کے جید عالم دین حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی سے حجاز مقدس میں ارشاد فرمایا کہ پنجاب میں ایک فتنہ اٹھنے والا ہے۔ اللہ کریم اس کے خلاف آپ سے کام لیں گے۔ اس پیشین گوئی کے بعد انہیں صرف خلافت سے سرفراز فرمایا اور اس فتنہ کے خلاف کام کرنے کی تلقین فرماتے ہوئے انہیں حجاز مقدس سے واپس ہندوستان بھیجا۔

حضرت پیر مہر علی شاہ نے جس جرأت ایمانی اور منفرد انداز میں مرزا قادیانی کو مباہلے کا چیلنج کیا اور ''شمس الہدایہ'' کی شکل میں علمی سطح پر اس کے تمام عقائد کا رد کیا وہ ایک الگ ایمان افروز داستان ہے۔ المختصر علماء و مشائخ نے مرزا قادیانی کے ہوائی مناظروں اور مباہلوں کا چیلنج قبول کیا، ملک بھر میں تقریر وتحریر سے اس کا تعاقب کیا اور اس کے کفریہ عقائد نیز تمام شبہات، تاویلات اور مغالطوں کو قرآن وسنت، آثار صحابہ اور اقوال ائمہ کی روشنی میں بے نقاب کیا (جس کی تفصیلات زیر نظر کتاب کا موضوع نہیں)۔

اس سلسلے میں مشائخ عظام اور علماء کرام کی خلوص بھری اور ایمان افروز تبلیغی مساعی رنگ لائیں اور اِکا دُکا بدبخت، عقل وشعور سے بے گانہ اور مفاد پرست لوگوں کے سوا اہل اسلام کی اکثریت مرزا قادیانی جہنم مکانی کے دام تزویر میں پھنسنے سے بچ گئی اور یہ فتنہ انگریز حکومت کی بھرپور تائید وحمایت کے باوجود محدود ہو کر رہ گیا۔

ختم نبوت اور سلف صالحین کی تالیف: قادیانیت کے خلاف علماء ومشائخ کے اس علمی وتحقیقی جہاد میں ہمارے ممدوح حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے ''مسئلہ ختم نبوت اور سلف صالحین'' کے عنوان سے ایک مختصر مگر مدلل کتاب مرتب فرمائی جس میں انہوں نے (جیسا کہ تصنیفات نافعہ کے باب میں گزرا) مرزائیوں کے اس مغالطہ یا الزام کا مدلل جواب دیا کہ ''اسلام کے بعض اکابرین حضرات مثلاً ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، سیدنا علی

المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، شیخ اکبر محی الدین، ابن عربی، مولانا رومی، امام راغب اصفہانی، امام عبدالوہاب شعرانی، حضرت مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی وغیرھم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اجرائے نبوت کے قائل ہیں۔''

مؤلف موصوف نے ان اکابرین کے حوالے سے مرزائیوں کے پھیلائے گئے ایک مغالطے اور ایک ایک شوشے کا جواب دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ ان اکابر کی جن عبارات میں تحریف و تاویل کے ذریعے مرزائیوں نے شکوک وشبہات پیدا کرنے اور اپنا غلط مدعا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ فاضل مؤلف نے سیاق وسباق اور دلائل سے ان کا صحیح مفہوم متعین کیا۔

تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء کا آغاز:

برطانوی سامراج/حکومت سے آزادی کی کامیاب تحریک کے نتیجے میں متحدہ ہندوستان کی تقسیم اور پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد بدقسمتی سے اسلامی مملکت پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ مشہور قادیانی سر ظفر اللہ خان کو بنایا گیا۔ علاوہ ازیں کئی اہم سرکاری عہدوں پر قادیانی/مرزائی تعینات تھے۔ مزید برآں یہ کہ انہیں سامراجی آقاؤں کی سرپرستی اور آشیرباد بھی حاصل تھی۔ اس صورت حال میں مرزائیوں نے نوزائیدہ مملکت خداداد پاکستان کو قادیانی اسٹیٹ بنانے کے خواب دیکھنے شروع کر دیئے اور اس ناپاک خواب کی تعبیر دیکھنے کے لئے در پردہ عملی اقدامات اور سازشیں شروع ہوگئیں۔ اس خطرناک صورتحال میں اندر کے ایک حالات سے واقف چند ایماندار اور محب وطن فوجی وسول افسران اعلیٰ نے مشہور احراری لیڈر سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے غالباً دسمبر ۱۹۴۸ء میں ملاقات کی۔ اس ملاقات کی تفصیل اس وقت کے مشہور صحافی، ادیب، خطیب اور اہل قلم آغا شورش کاشمیری نے یوں لکھی ہے:

''لیفٹیننٹ کرنل نے اپنے ایک سی ایس پی دوست کے ہمراہ شاہ جی سے ملاقات کی اور بیان کیا کہ ہم پاکستان سے پہلے قادیانیت سے متعلق علماء کے تعاقب کو فی الواقعہ ایک فضول مذہبی جھگڑا سمجھتے تھے۔ آپ لوگ جب قادیانیت کے متعلق لمبے لمبے وعظ کرتے تو خیال آتا کہ یہ جھمیلے ملائیت کی خصوصیت ہیں یا احرار کی افتاد طبیعت کہ وہ ذہنی طور پر مشغول رہنا چاہتے ہیں لیکن پاکستان بن جانے کے بعد جو حقائق ہمارے مشاہدے میں آئے اور جن تجربوں سے ہم گزرے ہیں وہ اتنے سنگین ہیں کہ پاکستان درجہ اول کی لیڈرشپ کے بعد:

① اپنی موجودہ اہمیت کھو بیٹھے گا اور اس کا کوئی دوسرا نقشہ ہوگا۔
② یا ہندوستان کی طرف کسی نہ کسی شکل میں پلٹ جائے گا۔
③ یا اس کی حیثیت ایک مرزائی ریاست کی ہوگی۔

ان تینوں میں جو شکل جس طرح قائم ہوگی اس کے پس منظر میں مرزائی ہوں گے۔''[۱]

ان افسران کا یہ خدشہ غلط نہ تھا۔ چنانچہ قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا بشیر الدین نے اپنے سالانہ جلسہ دسمبر ۱۹۵۱ء میں باقاعدہ اہل پاکستان اور علماء کو دھمکیاں دیں اور وزیر خارجہ سر ظفر اللہ نے ۱۷ رمئی ۱۹۵۲ء کو جہانگیر پارک کراچی کے جلسہ میں یہ دعویٰ بھی کر دیا کہ

''احمدیت ایک ایسا پودا ہے جو اللہ تعالیٰ نے خود لگایا ہے۔ اب یہ جڑ پکڑ چکا ہے۔ اگر یہ پودا اکھاڑ پھینکا گیا تو اسلام ایک زندہ مذہب کی حیثیت سے باقی نہ رہے گا بلکہ ایک سوکھے درخت کی مانند ہو جائے گا۔ دوسرے مذاہب پر اپنی برتری کا ثبوت مہیا نہ کر سکے گا۔''[۲]

وزیر خارجہ کی اس تقریر پر ردِّ عمل ہوا اور ملک بھر میں جلسے جلوسوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ کراچی میں مؤرخ اسلام سید سلیمان ندوی کی زیر صدارت تمام مکاتب فکر کے مشہور علماء کا ایک اجلاس ۳ رجون ۱۹۵۲ء کو سوفیکل ہال میں منعقد ہوا۔ شرکاء اجلاس نے متفقہ طور پر حکومت سے مطالبہ کیا کہ

① قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا جائے۔
② سر ظفر اللہ خان کو وزارت خارجہ سے الگ کیا جائے۔
③ تمام کلیدی اسامیوں سے قادیانی افسروں کو علیحدہ کیا جائے۔

۱۳ رجولائی ۱۹۵۲ء کو برکت علی محمڈن ہال لاہور میں پنجاب کی دینی و سیاسی جماعتوں کا بہت بڑا اجتماع منعقد ہوا جس میں ۳ رجون کے مذکورہ بالا مطالبات کی حمایت کی گئی اور ایک آل پارٹیز مسلم کنونشن بلائے جانے پر زور دیا گیا۔ بالآخر یہ مجوزہ آل پارٹیز کنونشن ۱۶ تا ۱۸ رجنوری ۱۹۵۳ء کو کراچی میں منعقد ہوا جس میں ملک بھر کے تمام مکاتب فکر کے جید علماء نے شرکت کی۔

مطالبات مسترد ہونے کی صورت میں راست اقدام کے لئے ''مجلس عمل تحفظ ختم نبوت پاکستان'' قائم کی گئی جس کے صدر بریلوی مکتبہ فکر کے مشہور عالم دین اور دار العلوم حزب الاحناف لاہور کے بانی مولانا سید ابو الحسنات قادری اور جنرل سیکرٹری اہل حدیث مکتب فکر کے رہنما مولانا محمد داؤد غزنوی منتخب ہوئے۔[۳]

مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے نامزد کردہ چار رکنی وفد نے ۲۲ رجنوری ۱۹۵۳ء کو خواجہ ناظم الدین (وزیر اعظم پاکستان) سے ملاقات کی اور مجلس عمل کے مذکورہ بالا مطالبات پیش کئے اور ایک ماہ کا الٹی میٹم دیا کہ اگر

---

[۱] تحریک ختم نبوت ص ۸۷، بحوالہ مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی: سید عطاء اللہ شاہ بخاری، ص ۱۷۱، مطبوعہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان، مارچ ۲۰۰۵ء۔
[۲] منیر انکوائری رپورٹ (اردو) ص ۷۷، بحوالہ مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی، سید عطاء اللہ شاہ بخاری (سوانح و افکار)، ص ۲۷۲۔
[۳] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء از مولانا اللہ وسایا۔

یہ مطالبات تسلیم نہ کئے گئے تو حکومت کے خلاف ''راست اقدام'' کیا جائے گا۔ وزیر اعظم نے مطالبات سے بظاہر ہمدردی ظاہر کی مگر انہیں تسلیم کرنے سے معذوری ظاہر کر دی جس پر مرکزی مجلس عمل نے منظم تحریک اور راست اقدام کے لئے ملک بھر سے کارکنوں کی بھرتی شروع کر دی۔ یہ تحریک پاکستان کی اس وقت سب سے بڑی دینی اور عوامی تحریک تھی جو بڑے بڑے شہروں کے علاوہ قصبات تک پھیل گئی جس میں خواجہ خان محمد (سابقہ امیر مجلس عمل تحفظ ختم نبوت) کے بقول ''دس ہزار مسلمانوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ ایک لاکھ مسلمانوں نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں اور دس لاکھ مسلمان اس تحریک سے متاثر ہوئے۔''[1] (جس کی تفصیل یہاں ممکن نہیں)

تحریک تحفظ ختم نبوت میں حکومتی تشدد کی کہانی مولانا کی زبانی:

زیر بحث تحریک میں مسلمانان پاکستان اور فدایان رسول پر جو تشدد اور ظلم کیا گیا اس کی کچھ تفصیل بیان کرتے ہوئے مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ۱۹۵۳ء کی ڈائری میں ایک جگہ لکھا ہے:

''ضروری یادداشت: تحریک تحفظ ختم نبوت کے سلسلہ میں پنجاب غربی کے تمام اضلاع میں شور شرابا (شروع) ہو گیا ہے۔ ان میں لاہور اور سیالکوٹ میں جلسے جلوس زوروں پر ہیں اور پولیس و فوج سخت تشدد کر رہی ہے۔ ۵-۶/ مارچ کو لاہور میں متعدد دفعہ گولی چلائی گئی اور سینکڑوں لوگ شہید ہو گئے ہیں اور حکومت اخفاء کر کے صرف چند آدمیوں کی موت ظاہر کر رہی ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ مسلمانوں کی لاشوں کو ٹرکوں پر لاد کر حکومت ادھر اُدھر کر رہی ہے۔ بڑا ظلم عظیم ہو رہا ہے اور مصیبت یہ ہے کہ لیڈر گرفتار کر لئے گئے اور وہ کوئی طریقہ کار پیچھے نہیں چھوڑ گئے جس کے موافق عمل درآمد جاری رہے۔ ۶/ مارچ حکومت پنجاب نے یہ چالاکی کی ہے کہ اعلان کرا دیا کہ حکومت پبلک کے ان مطالبات کو صحیح تسلیم کر کے مرکز سے سفارش کرتی ہے کہ ان مطالبات کو منظور کیا جائے۔ اب حکومت نے گرفتاری یکدم بند کر دی ہے کہ ہم آپ کے حق میں ہیں۔

اللہ اکبر!! اگر یہی بات تھی تو گرفت وکشت وخون غارت مظالم کیوں۔ اب مسلمان پریشان ہیں۔ اب کیا کریں۔ مطالبہ منظور بھی نہیں ہوا اور حکومت چالاکی کر گئی ہے۔

میاں صاحب دولتانہ نے دوسرے دن بیان بدل دیا جبکہ جنرل محمد اعظم کی قیادت میں واختیار میں لاہور سپرد ہو چکا ہے اور خوب مظالم وقتل وغارت ہوئی ہے اور فوجی لاء نے ظلم برسا دیا ہے۔''[2]

پھر ان مظالم اور حکومتی تشدد اور حکمرانوں کی بے بسی کی مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے مولانا نے اپنی

---

[1] تحریک ختم نبوت، منزل بہ منزل، ص ۸، مرکز سراجیہ لاہور۔
[2] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، ذاتی ڈائری مؤرخہ ۴ تا ۶/ مارچ ۱۹۵۳ء۔

یادداشتوں میں لکھا ہے:

''چند معلومات یہاں ضروری درج کیے جاتے ہیں:

(۱) ۱۳/اپریل ۱۹۱۹ء کو جلیانوالہ باغ (امرتسر) میں پانچ سو افراد انگریز ڈائس کے حکم سے ہلاک کر دیئے گئے اور مارشل لاء لگایا گیا۔ قریباً ایک ماہ وہاں امرتسر میں مارشل لاء رہا، اس کے بعد ختم کر دیا گیا۔ پھر اس ختم نبوت تحریک میں آ کر مسلمانوں نے مسلمانوں کو ہلاک کرنے کے لئے ستر دن (سوا دو مہینے) مارشل لاء ۶/مارچ ۱۹۵۳ء سے لے کر ۱۴/مئی تک نافذ کیا۔ اس دوران میں مسلمانان لاہور کو کچل کر رکھ دیا۔ ہند کی تاریخ میں مارشل لاء یا امرتسر میں انگریز دشمن ملک نے لگایا تھا یا ان پاکستانی حضرات نے لگایا ہے۔ جس میں مظالم وشدائد کی نظیر ملنی دنیا بھر میں مشکل ہے۔

(۲) یادر ہے مارشل لاء کے حکمران میجر جنرل اعظم اور گورنر چندریگر (اسماعیل) صاحب اور دولتانہ وزیراعلیٰ ہرسہ کے بیانات اور اعلانات جو وقتاً فوقتاً انہوں نے پبلک میں نشر کئے ان میں مارشل لاء کے اموات (شہداء) کی شمار وتعداد صرف گیارہ آدمی تک پہنچتی ہے اور چند آدمی زخمی ہوئے حالانکہ شہداء تحریک ختم نبوت صرف لاہور کی تعداد ہزاروں کی ہے اور یہ سب حکام کی غلط بیانی اور اسلام وقوم دشمنی ہے۔

(۳) مارشل لاء کے مظالم حد سے زیادہ ہوئے ہیں، بیان سے باہر ہیں۔ اس زمانہ میں جو دس بارہ سال عمر کے بچے جلسے جلوسوں میں نعرے لگاتے اس پر سزا ان کو بید لگائی جاتی تھی۔ جہاں نعرۂ تکبیر کی آواز بلند ہوتی وہاں فوراً گولیوں کی بارش برسا دی جاتی۔ مساجد برباد ہوئیں۔ اذانیں جرم تصور ہوئیں۔ کسی شہید کی نعش فوج نے مسلمانوں کو نہیں دی۔ مار کر خود فوراً قبضہ کرتے اور ٹرکوں میں لاد کر خدا جانے کہاں کہاں خورد برد کر دیتے یا جلا دیتے۔ مسجد وزیر خان، چوک دالگراں، مزنگ وغیرہ میں کثرت سے ہزاروں کی تعداد میں مسلمانوں کو مارا گیا۔

(۴) یادر ہے کہ ۲۳/مئی ۱۹۵۳ء وزیراعظم پاکستان مسٹر محمد علی صاحب جب ملکہ الزبیتھ کی رسم تاج پوشی میں شرکت کے لئے لندن گئے تو ان کا قائم مقام وزیراعظم ظفر اللہ خان مرزائی کو بنایا گیا تاکہ مسلم مطالبات کی عملاً پوری طرح تذلیل ہو۔ پھر لطف یہ ہے کہ ظفر اللہ چارج لینے کے بعد فوراً لاہور کا دورہ تجویز کر کے پہنچتے ہیں اور تمام مرزائی جو مارشل لاء میں برائے نام سزا یافتہ قیدی تھے ان کو اسی روز بلا تاخیر رہا کرا دیتے ہیں۔ یہ سب کچھ علی الاعلان ہوا ہے۔ مرزائی کی جرأت اور اپنی پارٹی کی حمایت پر داد دیجئے۔ مارشل لاء کے سزا یافتہ مرزائی تو فوراً رہا ہوں اور مسلمان بے چارے ہزاروں مصیبتوں میں پڑے جیلوں میں سڑ رہے ہیں۔ پھر بھی کہا جاتا ہے کہ ملّاں متعصب ہے، پارٹی باز ہے، حکومت کو

خواہ مخواہ پریشان کرتا ہے۔ (سبحان اللہ)

(۵) قابل لحاظ امر یہ بھی ہے کہ ۲رجون ۱۹۵۳ء کو مسٹر محمد علی وزیر اعظم کی جانب سے گیارہ ہزار پاؤنڈ کی آتشبازی لندن شریف میں تاجپوشی کی خوشی میں جلائی گئی ہے اور کراچی لاہور (جواب حقیقتاً ماتم کدہ ہیں) میں توپوں کی سلامی اسی تاریخ کو بطور خوشی دی گئی ہے حالانکہ سیالکوٹ، راولپنڈی، گوجرانوالہ، لائل پور، لاہور سمیت سب جگہ تحریک میں جان دینے والوں کے گھر تو آہ و بکا ہے، یاس اور حسرت طاری ہے اور کوئی پرسان حال نہیں کہ تم پر یہ مظالم کیوں ہوئے۔ انگریزی ملکہ کی خوشی پر سب کچھ قربان ہو رہا ہے۔

(۶) نیز یہ بھی یاد رہے کہ اسی سال جولائی ۱۹۵۳ء کلکتہ میں پبلک اور حکام کے مابین سخت مقابلہ ہوا، جھڑپیں ہوئی ہیں، پولیس مجروح اور زخمی ہوئی۔ ان فسادات کے باوجود مارشل لاء نہیں لگایا گیا۔ اس لئے کہ اپنی قوم کی خیرخواہی ہر قیمت پر ضروری ہے اور ہر حال میں لازمی ہے۔ مگر لاہور میں یہ قیامت مسلمانوں نے مسلمانوں پر کیوں قائم کر دی۔ کیا ''مسئلہ ختم نبوت'' اسلام میں جرم ہے؟''[۱]

تحریک تحفظ ختم نبوت ۱۹۵۳ء اور مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی گرفتاری:

اس تحریک میں جب ملک بھر سے عام گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہوا تو چنیوٹ کے علاقہ سے بھی متعدد فدایان رسول نے ازخود گرفتاری دی۔ مولانا نے اپنی ۱۹۵۳ء میں ۱۰رمارچ کی تاریخ میں لکھا ہے'' آج مولانا صاحب کی گرفتاری مع دس عدد ہمراہیاں چنیوٹ میں ہوئی۔ مولانا (محمد ذاکر) صاحب نے گرفتاری دے دی۔''
پھر ۱۱رمارچ کی یادداشت میں لکھا ہے: ''عشرہ عدد آج گرفتاری پیش کی گئی ہے۔ امیر قافلہ مولوی منظور احمد چنیوٹی ہیں۔''
۱۲رمارچ کی تاریخ میں درج ہے: ''سترہ آدمی گرفتار ہوئے۔ امیر قافلہ حافظ محمد احسن ہے۔''

جبکہ ۱۵رمارچ ۱۹۵۳ء کی یادداشت میں اپنی گرفتاری کی تفصیل یوں درج کی ہے:

''بندہ کی گرفتاری: ۱۵-۱۶رمارچ ۱۹۵۳ء کی درمیانی شب کو جامع مسجد چنیوٹ سے رات کے ۱۲ بجے اریسٹ کر کے تھانہ پہنچایا گیا۔ ۱۷رمارچ کو جھنگ جیل میں باقی احباب کے ساتھ جا شریک سجن ہوئے۔ پھر ۲۵راپریل ۱۹۵۳ء کو ہماری (مولانا مہتمم صاحب اور بندہ کی) شہادت مقدمہ پٹیشن کے سلسلہ میں ہوئی۔ اس کے بعد اسی رات کو لاہور مولانا موصوف کو سنٹرل جیل اور مجھے بورسٹل جیل میں بطور ٹرانسفر (تبادلہ) منتقل کیا گیا۔ جیل میں بڑی تسلی سے ایام گزر رہے ہیں۔ ذکر اذکار کا شغل فکر بہتر ہی ہوتے رہے ہیں۔ مزید تفصیلات دوسری جیل

[۱] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، ذاتی ڈائری مؤرخہ ۱۶ تا ۱۹رمارچ ۱۹۵۳ء۔

والی کاپی میں درج ہیں۔''[1]

مولانا مذکورہ جیل میں کوئی ساڑھے چار ماہ گزار کر رہا ہوئے۔اپنی رہائی کی یادداشت یوں قلمبند کی ہے:

''قید تحریک سے رہائی: بندہ آج ۴راگست ۱۹۵۳ء کی شام کو بمع چودہ افراد (مفتی محمد دین مگھیانہ، مفتی عبدالحلیم، مولوی منظور احمد وغیرھم) لاہور بورسٹل جیل سے رہا ہوئے۔باقی چند آدمی ضلع ہذا کے رہ گئے ہیں۔چار ماہ اٹھارہ دن کل ایام جیل ہیں۔

یاد رہے مولانا مہتمم صاحب کو ۱۵رجون ۱۹۵۳ء کو سنٹرل جیل لاہور سے رہا کر دیا گیا تھا اور باہر تشریف لا کر (انہوں نے) باقی احباب ضلع کے لئے سعی کی۔آہستہ آہستہ تمام رہا ہو رہے ہیں۔''[2]

مرزائیت کا تعاقب:

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں تحریک تحفظ ختم نبوت میں مجاہدانہ کردار ادا کیا اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں وہاں علمی اور عوامی سطح پر مرزائیت کا تعاقب اور مرزائی عقائد و نظریات کی تردید کے لئے جلسوں اور کانفرنسوں کا بھی اہتمام کرتے رہے۔اس قسم کے متعدد اجلاسوں کی روئیداد اور کاروائی کی تفصیل کتاب ہذا کے دعوت و تبلیغ والے باب میں دیکھی جاسکتی ہے۔

اسی طرح مرزائیوں کی جانب سے ''خاتم الانبیاء'' کے عنوان سے ایک چھوٹا سا اشتہار تقسیم ہوتا ہوا مولانا تک پہنچا جس میں مولانا قاسم نانوتوی کی عبارت کو غلط رنگ دے کر اپنے عقیدہ کی تائید میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔(ذاتی ڈائری ۲۶رجولائی ۱۹۵۲ء)

تو اس کے جواب میں مولانا نے بھی ایک اشتہار طبع کرانے کا منصوبہ بنایا۔اس کے لئے باقاعدہ حوالہ جات اکٹھے کئے۔چنانچہ ۱۰راگست ۱۹۵۲ء کی یادداشت میں لکھتے ہیں:

''حوالہ جات برائے تردید مرزائیت جمع کئے جا رہے ہیں۔مسند امام احمد، ملا علی قاری کی تصانیف اور مولانا نانوتوی کے رسائل وغیرہ وغیرہ کتب برائے تیاری دیکھی جا رہی ہیں۔''

اس سلسلے میں انہوں نے چنیوٹ میں مولانا محمد یار اور مولانا دوست محمد ساقی سے ملاقات کر کے مشورہ اور مزید حوالہ جات بھی اکٹھے کئے۔(ذاتی ڈائری ۱۱راگست ۱۹۵۲ء)

بالآخر ''خلیفہ قادیانی کی تازہ کذب بیانی'' کے عنوان سے ایک اشتہار طبع کرا کر آل پارٹیز ختم نبوت کانفرنس (۲۶ تا ۲۸ردسمبر ۱۹۵۲ء) میں تقسیم کرایا۔(ملاحظہ ہو ذاتی ڈائری مؤرخہ ۲۵ تا ۲۷ردسمبر ۱۹۵۲ء)

---

[1] صاحبزادہ ابوبکر صدیقی کے مطابق حضرت مولانا کے ریکارڈ میں یہ کاپی کہیں نظر نہیں آئی۔

[2] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، ذاتی ڈائری مؤرخہ ۱۴راگست ۱۹۵۳ء/ ۲۲رذیقعدہ ۷۲ ۱۳ھ۔

علاوہ ازیں وقتاً فوقتاً اور موقع بموقع دور دراز دیہات میں بیٹھ کر بھی مرزائیوں کے خلاف قرار دادیں پاس کراتے رہتے۔ مثلاً ۱۷ر مئی ۱۹۵۲ء کو کراچی میں سر ظفر اللہ خان مرزائی وزیر خارجہ پاکستان کی تقریر کے خلاف نعرہ لگانے والے مسلمانوں پر تشدد کیا گیا تو جمعۃ الوداع ۱۷ ۱۳ھ/ ۲۰ر جون ۱۹۵۲ء کے دن محمدی شریف میں اس واقعہ کے خلاف تقریریں کی گئیں اور درج ذیل قرارداد پاس کی گئی جس کی کاپی وزیر اعظم پاکستان، وزیر اعلیٰ پنجاب اور قومی اخبارات کو بھیجی گئی۔

① مرزائیوں کو جداگانہ اقلیت قرار دیا جائے۔

② ظفر اللہ خان کو وزارت خارجہ سے الگ کیا جائے۔

③ مسٹر نقوی (کمشنر کراچی) کے بیان کی بھی مذمت کی گئی۔

اسی طرح ایک اور موقع پر تنظیم اہلسنت محمدی (شریف) کے اجلاس میں درج ذیل قرارداد پاس کی گئی:

① مرزائیوں کو اقلیت قرار دیا جائے۔

② چوہدری ظفر اللہ خان کو وزارت خارجہ سے علیحدہ کیا جائے۔

③ کلیدی اسامیوں سے مرزائیوں کو ہٹایا جائے۔

مولوی محمد خان اور محمد نافع نے تقریر کی اور بالاتفاق درج بالا قرارداد پاس ہوئی۔

(ذاتی ڈائری مؤرخہ ۱۸ر جولائی ۱۹۵۲ء)

سانحۂ حسّو بلیل اور مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ:

سانحہ حسّو بلیل ایک مقامی اور ضلعی سطح کا بڑا اشتعال انگیز بلکہ انتہائی شرمناک سانحہ تھا جس میں ہمارے ممدوح مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بڑے بھائی مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مل کر سوڈیڑھ سو میل کے فاصلے پر ہونے کے باوجود اپنی غیرت ایمانی کا ثبوت دیتے ہوئے اس میں بھرپور حصہ لیا۔ اس اجمال کی تفصیل لکھتے ہوئے بھی ایک مسلمان کا کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے تاہم "نقل کفر کفر نہ باشد" کے طور پر عرض ہے کہ ضلع جھنگ کی تحصیل شورکوٹ کے موضع حسّو بلیل میں ۴ر اکتوبر ۱۹۵۷ء کی شام کو اسلام کی نامور شخصیت، مراد رسول اور دوسرے خلیفہ راشد سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا پتلا تیار کر کے گدھے پر سوار کرا کر اور لمبی داڑھی بنا کر حسّو بلیل کی گلیوں میں ایک جلوس کی شکل میں پھرایا گیا اور "عمر بن خطاب مردہ باد" کے نعرے لگائے گئے۔ پھر ظلم یہ کہ صرف اسی گستاخانہ اور توہین آمیز حرکت پر اکتفا نہ کی گئی بلکہ اس پتلے اور دیگر خلفاء راشدین کو بھی گالیاں دی گئیں اور جوتے مارے گئے۔ یہ ساری کاروائی ایک شیعہ رئیس مخدوم نذر حسین نامی کے ڈیرے اور اس کی موجودگی میں کی گئی۔

اس انتہائی گستاخانہ، ہتک آمیز اور ناقابل معافی حرکت کو دیکھ کر اہلسنت والجماعت کا اشتعال میں آنا

قدرتی امر تھا۔ چنانچہ احتجاج ہوا اور وہاں کے سرکردہ لوگوں نے جھنگ صدر کے مشہور عالم دین مولانا غلام حسین خطیب مسجد دھجی کو اس کفریہ حرکت سے آگاہ کیا۔ اب مولانا موصوف نے شہر کے علماء و صلحاء کے تعاون سے ''مجلس تحفظ ناموس صحابہ'' کے نام سے ایک جماعت بنائی۔

اس مجلس کی طرف سے ملزمان واقعہ حسو بلیل کے خلاف استغاثہ دائر کرانے اور شہر بھر میں احتجاج کے باوجود جب ضلعی انتظامیہ اس وقت کے وزیر کرنل عابد حسین کے دباؤ کے باعث ٹس سے مس نہ ہوئی اور ملزمان کے خلاف کوئی کاروائی نہ کی گئی تو مجلس مذکور نے شہر میں پرانی عیدگاہ کے مقام پر ایک بہت بڑی احتجاجی کانفرنس منعقد کرنے کا پروگرام بنایا جس کی صدارت کے لئے اس وقت میں پنجاب کی چار اہم درج ذیل روحانی شخصیات کا انتخاب کیا گیا:

① خواجہ خواجگان حضرت خواجہ نظام الدین محمودی سلیمانی تونسوی رحمۃ اللہ علیہ (زیب سجادہ خانقاہ تونسہ شریف، ضلع ڈیرہ غازی خان)

② شیخ الاسلام حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی (زیب سجادہ خانقاہ سیال شریف، ضلع سرگودھا)

③ حضرت قبلہ بابو جی پیر محی الدین گولڑوی (زیب سجادہ خانقاہ گولڑہ شریف، اسلام آباد)

④ حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ (زیب سجادہ خانقاہ آلومہار شریف)

اس مجوزہ کانفرنس کے انعقاد کے ضمن میں ۲۲ر فروری ۱۹۵۸ء کو خانقاہ سیال شریف میں ایک میٹنگ منعقد کی گئی جس میں درج بالا مشائخ کرام کے علاوہ چند اور معززین نے بھی شرکت کی اور مجوزہ احتجاجی کانفرنس کے مختلف پہلوؤں پر غور وخوض کیا گیا۔

یہ مجوزہ کانفرنس نقص امن کے بہانے یا نام پر حکومت نے نہ ہونے دی اور مجلس تحفظ ناموس صحابہ کی طرف سے واقعہ کے ملزمان کے خلاف استغاثہ درج کرانے اور مقدمہ کی مقدور بھر پیروی کے باوجود ملزمان کے سیاسی اثر ورسوخ، حکومتی دباؤ اور عدالت میں ان کے سفید جھوٹ بولنے کے باعث اگرچہ ملزمان بری ہوگئے۔[1]

تاہم ہمارے ممدوح مولانا محمد نافع نے اپنے تئیں اس میں کیا حصہ ڈالا اس کی وضاحت کے لئے ان کی ڈائری کی چند یادداشتیں ملاحظہ ہوں:

چنانچہ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ذاتی ڈائری میں بعنوان ''رافضیوں کا خطرناک اقدام'' لکھا ہے:

''آج ۴ر اکتوبر ۱۹۵۷ء کو موضع حسو بلیل تحصیل شورکوٹ میں ماسٹر نذر عباس شیعہ مہاجر نے اپنے ہم

---

[1] اس اجمال کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: حکیم حافظ محمد سلطان محمود جھنگوی کا مرتب کردہ مطبوعہ کتابچہ ''حضرت مولانا محمد ذاکرؒ آپ بیتی''، مسجد دھجی مگھیانہ۔ س۔ ن۔

خیالوں کے ساتھ مل کر سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا ایک پتلا تیار کر کے اس کو جوتوں کا ہار پہنایا اور جلوس نکال کر سارے قصبہ میں پھرایا اور جگہ جگہ توہین آمیز نعرے لگا کر اس کو جوتے مارے آخر کار یہ جلوس مخدوم نذر حسین قریشی رئیس موضع حسو بلیل کے ڈیرہ پر ختم کر کے پتلا مذکور جلا دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ یہ واقعہ ہفت روزہ ''دعوت'' میں پہلے کسی نے اطلاع دے کر شائع کرا دیا۔ پھر دوسرے اخبارات لائل پور اور لاہور وغیرہ نے بھی مذمت کی اور ہتک عزت کا مقدمہ بھی عدالت ای ڈی ایم میں دائر کیا گیا۔ مولانا محمد ذاکر صاحب اور شیر محمد بلوچ کی جانب سے یہ پیروی ہوگی۔ ۲۰ رنومبر ۱۹۵۷ء کو اس کی پہلی سماعت جھنگ میں ہوگی۔''[1]

چنانچہ اس مقدمہ کی پہلی پیشی پر جب مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ جھنگ تشریف لے گئے تو اس کی یادداشت میں مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا:[2]

''مولانا (محمد ذاکر صاحب) مہتمم، جھنگ صدر سے واپس ہوئے۔ آج مقدمہ کی پیشی تھی۔ پھر آئندہ ۱۹ ردسمبر ۱۹۵۷ء کی تاریخ متعین ہوئی ہے۔''

سانحہ حسو بلیل کے سلسلہ میں مجوزہ احتجاجی کانفرنس پر پابندی کے حوالے سے مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ ۲۲ رفروری ۱۹۵۸ء کی ڈائری میں لکھا ہے:

''آج جھنگ میں ایک احتجاجی کانفرنس منعقد ہونا تھی جس کا مقصد حسو بلیل والے مقدمہ کی اجازت کا نہ ملنا ہے، مگر حکومت نے دفعہ ۱۴۴ سارے ضلع میں نافذ کر دی ہے اور کانفرنس میں شامل ہونے والوں کا ضلع میں داخلہ بند کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ تونسہ شریف، سیال شریف اور گولڑہ شریف کے مشائخ سب کو ضلع کی حدود میں داخل نہیں ہونے دیا گیا اور مقامی علماء و کارکنان سب کو نظر بند کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا یہ کانفرنس منعقد نہ ہو سکی اور ساتھ ہی جامعہ کا جلسہ بھی نہ ہو سکا۔''

عید کے اجتماع میں مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کا احتجاج:

ہمارے وطن عزیز کا حکومتی ماحول یا حکومتی روش شروع سے کچھ اس قسم کی ہے کہ کسی بھی مطالبہ پر جب تک احتجاج اور جلسے جلوس نہ کئے جائیں، اخبارات میں واویلا نہ کیا جائے اس وقت تک حکومت ٹس سے مس نہیں ہوتی۔ شاید اسی حکومتی مزاج کے پیش نظر مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عید کے اجتماع میں بھی مذکورہ سانحہ کے سلسلے میں احتجاج ریکارڈ کرایا۔ چنانچہ یکم شوال ۱۳۷۷ھ کو عید الفطر کے اجتماع میں آپ نے احتجاج کیا اور یادداشت/ریکارڈ کے طور پر اپنی ذاتی ڈائری میں لکھا:

---

[1] مولانا محمد نافعؒ، ذاتی ڈائری، ۴ راکتوبر ۱۹۵۷ء بمطابق ۴ رربیع الاول ۱۳۷۷ھ۔

[2] اس کی تفصیل حضرت کے بڑے بھائی حضرت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

''کل چاند نظر نہ آنے کی وجہ سے عید نہ ہو سکی تھی۔ آج بحمد للہ عید ہے۔ حسبِ دستور ۸ بجے صبح کے قریب عید پڑھائی گئی۔ حسب حال بیان کیا گیا۔ مزید مولانا غلام حسین صاحب صدر انجمن تحفظ ناموس صحابہ رضی اللہ عنہم مگھیانہ اور سیکرٹری کی گرفتاری پر احتجاج کیا گیا۔ باوجود فصلوں کی مشغولیت کے لوگ کافی جمع ہو گئے۔''

شاید اس کے ایک ماہ بعد مولانا غلام حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو رہا کر دیا گیا تھا کیونکہ ڈائری کے مطابق مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ ان سے ملاقات کرنے کے لئے مگھیانہ تشریف لے گئے تھے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

''آج مگھیانہ میں مولانا غلام حسین صاحب کے ہاں قیام ہے۔ آج انہوں نے صبح کا درسِ قرآن مجید میرے ذمہ کر دیا۔ حالانکہ بندہ اس کا اہل نہیں ہے۔''[1]

---

[1] مولانا محمد نافعؒ، ذاتی ڈائری، ۲۱ رجون ۱۹۵۸ بمطابق ذوالحجہ ۱۳۷۷ھ۔

تصانیف--تعارف وتبصرہ

جب بھی کوئی کتاب مطبوعہ صورت میں قارئین کے سامنے آتی ہے تو گویا ایک تیار لوازمہ اور تحقیق کا حاصل تنقیح کے ساتھ قاری کو مل گیا۔ جو لوگ تصنیف و تحقیق کے شعبے سے عملاً وابستہ نہیں ہوتے انہیں کسی محقق کی محنت اور مساعی کا اندازہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ایک مسودہ ترتیب و تحریر سے لے کر طباعت تک کتنے مراحل سے گزرتا ہے۔ حوالہ جات کی تلاش میں مصنف یا مؤلف کو کتنی ورق گردانی کرنی پڑتی ہے، کتنی لائبریریوں کی خاک چھاننا پڑتی ہے، ایک ایک کتاب کے لئے کتنے میلوں کی مسافت طے کرنی پڑتی ہے اس راہ میں کتنی محنت، مشقت اور صعوبتیں اٹھانی پڑتی ہیں، ان امور کا اندازہ وہ ہی شخص کر سکتا ہے جسے صحیح معنوں میں تحقیق و تصنیف سے پالا پڑا ہو۔ سارقین اور مارقین کا معاملہ اس سے الگ اور نہایت آسان ہے۔ پھر جو مصنف ایک دور دراز دیہات میں بیٹھا ہے، بڑے شہروں کی طرح وہاں دور دور تک کتب خانوں اور لائبریریوں کا وجود ہی نہیں۔ نیٹ پر کتاب اور حوالہ سرچ کرنے کے فن سے واقف نہیں۔ اس کے پاس ریسرچ کے لئے کوئی معاون عملہ نہیں تو اس کو کتنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہوگا؟ اس کی وضاحت کی چنداں ضرورت نہ ہے۔

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کو ''کثیر التصانیف'' بننے یا کہلانے کا شوق نہیں تھا۔ مگر دفاع صحابہ کے موضوع پر ان کی کوئی درجن بھر کتابوں کو تحقیق و تدقیق کے ترازو میں رکھا جائے تو اس دور کی سینکڑوں کتابوں سے زیادہ وزنی ہیں۔ یہ ساری کتابیں اکیلے آدمی کی عرق ریزی، محنت شاقہ اور کمال صبر و استقامت کا ثمرہ ہیں۔ مولانا نے ایک پسماندہ قسم کے دیہات میں بیٹھ کر جہاں تصنیف و تالیف کے لئے درکار سہولیات کا نام و نشان تک نہیں، جس کے پاس حوالہ تلاش کرنا تو درکنار دراز اور شیلف سے کتاب نکال کر دینے کے لئے بھی کوئی آدمی مقرر نہیں تھا۔ اس آدمی کے ہاتھ سے اِن شاہکار قسم کی کتابوں کا معرض وجود میں آجانا معمولی بات اور خالہ جی کا گھر نہیں۔

ایک اور پہلو سے بھی مولانا کی تصنیفات کا جائزہ غیر مناسب نہیں ہوگا۔ وہ یہ کہ صاحب علم کا عقیدہ و نظریہ اور سوچ و فکر کا زاویہ اگر صحیح سمت میں ہو تو وہ علم صاحب علم ہی نہیں بلکہ اس کے قارئین، متوسلین بلکہ عام لوگوں اور ملک و ملت کے لئے نفع بخش ثابت ہوتا ہے ورنہ وہی علم خود عالم کے علاوہ اس کے تمام متعلقین ہی نہیں بلکہ آنے والی ساری نسلوں کے لئے بھی نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔ شاید اسی لئے بعض احادیث میں ''علم نافع''

کی دعا مانگنے کی ترغیب آئی ہے۔

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کا علم بھی بلاشبہ نام کی مثل نافع تھا۔ تعلیم وتدریس کی صورت میں ہزاروں طلبہ نے وعظ و بیان کی صورت میں ہزاروں سامعین نے تبلیغ اور خطبات جمعہ وعیدین کی شکل میں ہزاروں مقتدیوں اور عقیدت مندوں نے اور تصنیفات کی صورت میں ہزاروں بلکہ لاکھوں قارئین نے ان سے نفع اٹھایا اور مدتوں اٹھاتے رہیں گے۔

پنجاب یونیورسٹی کی پذیرائی:

پنجاب یونیورسٹی لاہور نے ''تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان وہند'' کے عنوان سے کئی جلدوں پر مشتمل ایک ضخیم کتاب ترتیب دی ہے جس میں فاضل مقالہ نگاران اور ماہرین فن نے پاک وہند کے مسلمان اہل علم کی طرف سے گزشتہ کئی صدیوں میں مختلف اصناف ادب پر سامنے آنے والے لٹریچر کا ناقدانہ جائزہ لیا اور تعارف کرایا ہے۔ دینی ادب کے تعارف میں مشہور مذہبی مکاتب فکر کے جن علماء اور مصنّفین کی تصانیف اور علمی وتحقیقی کام کو لائق اعتنا سمجھا گیا ہے ان میں مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کا نام بھی شامل ہے۔

شعبہ اردو پنجاب یونیورسٹی کے لائق صد احترام استاذ اور نامور ادیب وشاعر اور محقق جناب پروفیسر ڈاکٹر زاہد منیر عامر نے بیسویں صدی میں منظر عام پر آنے والے مستند قسم کے دینی ادب کا ناقدانہ اور محققانہ جائزہ لیتے ہوئے مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے منفرد علمی کام کا درج ذیل الفاظ میں تعارف کرایا ہے:[1]

''زمانہ زیر بحث میں مولانا محمد نافع کا کام بھی قابل ذکر ہے جنہوں نے ''رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ'' کے قرآنی عنوان سے چار جلدوں میں خلفاء راشدین کی نسبت سے معیاری تحقیقی تصانیف پیش کیں جن کا پہلا حصہ صدیقی، دوسرا فاروقی، تیسرا عثمانی اور چوتھا مسئلہ اقربا نوازی (اس جلد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اقربا نوازی کے الزامات کا جائزہ ہے) اور اس کے بعد سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔ ان کتب میں فاضل مصنف نے کتاب وسنت اور تاریخ اسلام کی روشنی میں حضرات خلفاء راشدین اور سیدۃ النساء حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے باہمی روابط کے حسن کو جدید انداز میں پیش کیا ہے اور کتاب کا عنوان قرآنی آیت ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ''[2] سے لینا ہی مصنف کے نقطۂ نظر اور کتاب کے مطالب کی نشاندہی کر دیتا ہے جس کا مطلب ہے کہ وہ کفار کے مقابلے میں شدید اور آپس میں رحم دل ہیں۔ اس لئے مصنف نے اپنے اس چار جلدی

---

[1] دیکھئے: تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان وہند، اردو ادب (جلد ششم) بیسویں صدی (دیگر اصناف)، پنجاب یونیورسٹی لاہور، اشاعت اول، اگست ۲۰۱۴ء، ص ۲۹۰-۲۹۱۔

[2] القرآن (۴۸:۲۹)۔

کام کی ابتدا ہی میں یہ وضاحت کردی ہے کہ اس کتاب میں ''ہمارا روئے سخن اپنے احباب اہل السنۃ والجماعت کی طرف ہے اور اپنے کم علم اور ناواقف دوستوں کو ہی سمجھانا مقصود ہے۔[1] تاہم اس کتاب کو بعض دوسرے مسالک کے علماء نے بھی سراہا ہے جس سے مصنف کی سنجیدگی اور محنت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ ان سے پہلے بھی اس موضوع پر کام موجود تھا لیکن وہ زیادہ تر عربی اور مذاق زمانہ سے مختلف انداز میں تھا مثلاً حافظ دارقطنی (م ۳۸۵ھ) کی ثناء الصحابة علی القرابة و ثناء القرابة والصحابة اور ابوسعید اسماعیل بن علی بن الحسن السمان (م ۴۴۵ھ) کی کتاب ''الموافقة بین اهل البیت والصحابة ''اور عنوان بالا ہی پر ابوالقاسم محمود بن عمرو جاراللہ زمخشری (م ۵۳۸ھ) کی کتب کا فاضل مصنف نے خود ذکر فرمایا ہے۔ فاضل مصنف نے اپنی روش اور طریق کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا ہے کہ انہوں نے اس کتاب میں بنیادی استدلال قرآن حکیم سے کیا ہے باقی روایات اور تاریخی واقعات اور مسلمہ حقائق سب نصِ قرآنی کی تائید وتصدیق کے طور پر لائے گئے ہیں۔ مصنف کے نزدیک ان کی حیثیت مستقل دلیل کی نہیں ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ اس کتاب کے قارئین اس اصول کو اچھی طرح ذہن نشین کر کے اس کتاب کا مطالعہ کریں کہ یہ اصول موضوعہ میں سے ہے۔[2]

مولانا محمد نافع نے سیرت وسوانح پر اس سلسلہ کتب کے علاوہ بھی قلم اٹھایا ہے جس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سوانح 'سیرت حضرت امیر معاویہؓ' کے عنوان سے دو جلدوں میں قلمبند کئے ہیں۔ اس سے پہلے مولانا تقی عثمانی نے بھی مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی خلافت وملوکیت کے حوالے سے اس موضوع پر ایک کتاب شائع کی تھی۔ مولانا نافع کی یہ کتاب جامع اور مبسوط ہے۔ آغاز میں چوّن (۵۴) صفحات کا مقدمہ اور پھر حضرت امیر معاویہؓ کی زندگی کو چار ادوار میں تقسیم کر کے محققانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔[3] دوسری جلد سراسر ان الزامات کا جواب ہے جو عام طور پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر عائد کئے جاتے ہیں۔ اسی لئے اس حصے کا ضمنی عنوان 'جواب المطاعن'' رکھا گیا ہے۔[4] نیز رسول اللہ کی چار صاحبزادیوں حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ، حضرت امِ کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ کے احوال وسوانح پر ایک عمدہ کتاب 'بنات اربعہؓ'' بھی تحریر کی ہے۔ نیز دو جلدوں میں کتاب 'فوائد نافعہ'' بھی تحریر کی ہے جس کی پہلی جلد میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے سوانح وغیرہ شامل ہیں جبکہ دوسری جلد حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے سوانح پر مشتمل ہے اور مشہور

---

[1] رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ 'حصہ اول صدیقی، مولانا محمد نافع تخلیقات، لاہور (س۔ن) ص ۱۷۔

[2] ایضاً ص ۱۹۔

[3] سیرت حضرت امیر معاویہ، جلد اول، مولانا محمد نافع تخلیقات، لاہور، ۱۹۹۵ء

[4] سیرت حضرت امیر معاویہ، جلد دوم، مولانا محمد نافع تخلیقات، لاہور، ۱۹۹۵ء

حدیث ترکت فیکم الثقلین.... الخ سے متعلق بحث وتحقیق پر مبنی ایک اور کتاب 'حدیث ثقلین' بھی ان کے رشحات قلم کا نتیجہ ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ اہل بیت النبی اہل سنت کے نزدیک واجب المحبت ہیں اور عترت اہل بیت کی فضیلت میں تمام اہل بیت شامل ہیں صرف بارہ افراد نہیں اور یہ ثابت کیا ہے کہ اس روایت میں آنے والے لفظ ثقلین میں ثقل ثانی سنتی ہے اور اس روایت کے طریق کا معتد بہ ذخیرہ فراہم کر دیا گیا ہے۔[1] مسئلہ ختم نبوت پر ایک کتاب 'مسئلہ ختم نبوت اور سلف صالحین' بھی ان کے نتائج قلم سے ہے۔ عصر حاضر کے مدعیان نبوت اور ان کے پیروکار بعض اکابرامت کی تحریروں سے ختم نبوت کے باب میں التباس پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کا ایک نمونہ ۱۹۵۲ء میں اس وقت سامنے آیا جب قادیانی اخبار 'الفضل' نے خاتم النّبیین نمبر شائع کیا اور اس میں بعض صحابہ اور بعض بزرگان دین سے متعلق اجرائے نبوت کا مؤقف منسوب کرنے کی کوشش کی۔ اس نمبر کے جو جواب لکھے گئے ان میں مولانا محمد نافع کا مفصل جواب بھی شامل تھا۔ اسی جواب کو اضافوں اور نظرِ ثانی کے بعد مولانا مشتاق احمد قاسمی کی ترتیب نو کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔''[2]

تصانیف کا تعارف:

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے ایک عقیدت مند اور شاگرد مولانا مشتاق احمدؒ، جامعہ عربیہ چنیوٹ (جنہیں ۲۰۱۵ء میں طواف کے دوران حرم شریف مکہ مکرمہ میں موت کی سعادت نصیب ہوئی) نے آپ کی زندگی میں ہی آپ کی تصانیف وتالیفات نافعہ کا ایک تعارف لکھا تھا۔ اس میں اگرچہ زمانی ترتیب کو ملحوظ نہیں رکھا گیا اور کتابوں کی قدر و قیمت نیز اہمیت کے حوالے سے مزید بھی کچھ لکھنے کی گنجائش ہے۔ تاہم تمام تصانیف کا بقدر ضرورت تعارف آ گیا ہے۔ اس لئے بعض ضروری اضافہ جات، قطع و برید اور وضاحتوں کے ساتھ اسی تعارف کو یہاں درج کرنے پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔ البتہ سیرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے تعارف میں خاصی تشنگی تھی اس لئے اسے نئے سرے سے قلمبند کیا گیا ہے۔

---

[1] حدیث ثقلین، مولانا محمد نافع، دارالکتاب، لاہور، (۲۰۱۲ء) ص ۲۸۔

[2] مسئلہ ختم نبوت اور سلف صالحین، مولانا محمد نافع، دارالکتاب، لاہور، ۲۰۰۷ء۔

رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ (چار جلدیں)

کتاب کی وجہ تسمیہ:

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ''اَشِدَّآءُ عَلَی الۡکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ ''یعنی صحابہ کرامؓ کافروں پر سخت اور آپس میں رحم دل ہیں۔(سورۃ الفتح:۴۹-۴۸)۔
اس آیت کی مناسبت سے حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب کا نام ''رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ'' تجویز کیا۔

کتاب کے موضوع کی وضاحت:

کتاب کا یہ عنوان سورۃ الفتح کی مذکورہ آیت کے جس لفظ سے ماخوذ ہے اس کے سیاق وسباق سے واضح ہے کہ اللہ کریم کی طرف سے یہ سرٹیفکیٹ یا تصدیق نامہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم خصوصاً بیعت رضوان میں شامل سب صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے ہے یعنی چھوٹے بڑے سب کے دل اور باطن ایک دوسرے کے لئے صاف ہیں۔کسی قسم کی باہمی رنجش، عداوت، بغض، کینہ اور نفرت کی بجائے ایک دوسرے کے لئے برادرانہ اور رحمدلانہ جذبات رکھتے ہیں۔ بھائیوں کی طرح ایک دوسرے کے ہمدرد، مہربان، خیرخواہ، شفیق اور نیک جذبات رکھنے والے اور ''ہو حلقۂ یاراں تو ابریشم کی طرح نرم'' کا عین مصداق ہیں۔

مگر مصنف علیہ الرحمۃ نے اس موضوع کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور دیگر اہل بیت رسول کے ساتھ خلفاء ثلاثہ کے برادرانہ تعلقات اور مشفقانہ وعادلانہ رویہ تک محدود رکھا ہے کیونکہ اہل تشیع کی طرف سے انہی خلفاء ثلاثہ کے خلاف یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ انہوں نے ہمیشہ خانوادۂ رسول کی حق تلفی کی اور حکومت واختیار کے بل بوتے پر ان سے زیادتی اور ناروا سلوک کرتے رہے۔ چنانچہ فاضل مصنف نے ''رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ'' حصہ اول کے تمہیدی امور میں ''تحریر مدعیٰ'' کے عنوان کے تحت بڑے زوردار الفاظ اور ادیبانہ انداز میں اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اس کے بعد تحریر مدعا کے درجہ میں ہم ناظرین کرام پر یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ مذکورہ صفت (رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ) میں بے شک تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شریک ہیں۔مہاجر ہوں یا انصار، مکی ہوں یا مدنی، قریشی ہوں یا غیر قریشی۔اور ان تمام بزرگوں کی باہمی خوش خلقی وخیر خواہی وہمدردی اور غم خواری کے واقعات سے اسلامی کتب لبریز ہیں۔اس چیز میں کوئی خفاء اور اشتباہ نہیں ہے لیکن ہم اس کتاب میں خصوصی طور پر خلفاء ثلاثہ (سیدنا ابوبکر الصدیق وسیدنا عمر بن الخطاب وسیدنا عثمان رضی اللہ عنہم) اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے درمیان رحمت وشفقت و

اُلفت ومحبت کے واقعات مسلمانوں کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ان حضرات (یعنی خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم اوران کے خاندانوں) کے درمیان خاص طور پر عداوت،نفرت، اختلاف، انتشار اور افتراق کو پبلک میں پھیلایا گیا ہے۔عوام الناس اور جاہل طبقہ میں تو بڑی کوشش سے یہ پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ یہ سب حضرات آپس میں مخالف تھے،ان کی باہمی سخت عداوت تھی اورایک دوسرے کے حق میں جوروظلم روا رکھنے والے تھے اور اُنہوں نے ایک دوسرے کے جائز حقوق کو ضائع کر ڈالا ہے۔خاندانِ نبوت پر انہوں نے بڑے بڑے مظالم ڈھائے ہیں جو زبانِ بیان سے بالاتر ہیں اور دید وشنید سے بلندتر ہیں۔فلہٰذا اس صورتِ حال کی بنا پر ہم نے یہ ارادہ کیا ہے کہ:

۱۔ لوگ خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم حضرات کی باہم دشمنی اور ناچاکی وغضبنا کی بیان کیا کرتے ہیں ہم ان کی آپس میں دوستی وصلح وآشتی ورضامندی مدلل طریقہ سے ذکر کریں گے۔(ان شاء اللہ)

۲۔ لوگ ان بزرگوں کی آپس کی کشیدگی، رنجیدگی، آزردگی، آزردہ دلی کے عجیب عجیب قصے تصنیف کر کے شائع کرتے ہیں۔ہم ان کی باہمی خوشدلی وخورسندی اور نزدیکی (یعنی قرابت کے تعلقات) پیش کریں گے۔

۳۔ دوست ان کی باہمی ناراضگی، خفگی، ناخوشگواری، ستیزگی اور چپقلش وغیرہ کے بیانات وضع کر کے نشر کیا کرتے ہیں۔ہم ان کی باہم خیرخواہی، دوستداری، رحمدلی، پاسداری، نرم مزاجی، ہم نوائی اور خوشنودی کے واقعات منضبط کریں گے۔

۴۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ مہربان ان خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کے مابین کینہ وری، خشمگینی اور درشتگی، جوروظلم و تعدی کے فرضی[1] قصے گن گن کر ارشاد فرماتے اور سناتے ہیں۔ہم ان شاء اللہ العزیز ان پاک طینت بزرگوں کے متعلق باہم غم خواری، غم گساری، ہمدردی، عدل گستری، انصاف پسندی اور حقوق کی ادائیگی کے حالات اور واقعات چن چن کر قوم کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں۔بعونہٖ تعالیٰ[2]

---

[1] ناظرین کی خدمت میں عرض ہے کہ اس مقام پر مناسب تھا کہ عداوت ونفرت، ظلم وتعدی کے جو قصے انہوں نے تراش وخراش کر کے تیار کئے ہوئے ہیں ان کا کچھ قلیل سا نمونہ ان دوہستیوں کے کلام میں سے من وعن پیش کیا جاتا لیکن تقاضائے وقت اس کے خلاف ہے۔ اس پرآشوب وپرفتن دور میں شدید ضرورت ہے کہ مسلمانوں کے درمیان صلح وآشتی کی فضا پیدا کی جائے اور اخوت وبرادری کی راہ ہموار کی جائے نہ کہ ان کے مابین اختلاف وانتشار کی آتش کو بھڑکایا جائے۔ان ملی مفاد وقومی منافع وملکی مصالح کے پیش نظر ہم نے ان حوالہ جات کو پیش کرنے سے قصداً گریز کیا ہے۔

[2] رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ (حصہ اول)، دارالکتاب، لاہور، ستمبر ۲۰۰۶ء ص ۳۶-۳۸۔

کتاب کی اہمیت وضرورت:

کتاب کی اہمیت وضرورت پر پیش لفظ میں عمدہ انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے جس پر مزید اضافے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ ملاحظہ ہو:

''اسلام کی محیر العقول ترقی کی رفتار کے سامنے جب باطل قوتیں بے بس ہوگئیں اور اس کی روزافزوں قوت وطاقت کے مقابلہ کی تاب نہ لاسکیں تو یہ دشمنانِ دین متین کھلی دشمنی کے بجائے زیرزمین سازشوں کا جال بچھانے لگ گئے۔ انہوں نے اپنی منافقانہ حیلہ سازیوں سے مسلمانوں کی اجتماعی قوت کا شیرازہ بکھیرنے کو مؤثر اور کارگر حربہ سمجھا۔ شیخینؓ کے دورِ خلافت تک تو ان کا کوئی بس نہ چل سکا۔ فاروق اعظمؓ کے دور حکومت کی بے پایاں وسعتوں سے جہاں ان کی آتشِ غیظ وغضب نار جہنم کی طرح بھڑک رہی تھی وہیں اس وسیع قلمرو کے دور دراز علاقوں میں انہیں سازشوں کا جال پھیلانے کا موقع میسر آگیا۔ فاروقی دور ختم ہوتے ہی یہ فتنے ہم رنگِ زمیں جال لے کر کونے کھدروں سے باہر نکل آئے، جن کا سرخیلِ لشکر عبداللہ ابن سبا یہودی تھا۔ حضرت علی المرتضیٰؓ، اولادِ علیؓ اور آلِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حق تلفیوں، مظلومیت اور محرومیوں کی جھوٹی من گھڑت داستانیں سنا سنا کر مسلمانوں کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنے لگے۔ منافقین کے اس ٹولہ نے جھوٹے پروپیگنڈے کا وہ چکر چلایا کہ کئی سادہ دل مسلمان بھی اس جال میں پھنس گئے اور تفرقہ کے دروازے کھل گئے۔

کتاب ''رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ'' کے مؤلف نے سالہا سال کے مطالعہ وتحقیق، تلاش وجستجو اور ریسرچ سے اس عجمی سازش کو بے نقاب کیا ہے اور اسلامی اتحاد واخوت کی بنیان مرصوص میں پڑنے والے ان رخنوں کی صحیح نشاندہی کی ہے کہ کہاں کہاں سے، کن لوگوں کے ہاتھوں اور کس انداز سے یہ مذموم کوششیں ہوئی ہیں اور واضح کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، نیز اہل بیت کرام نے کس اخلاص، جرأت اور تدبیر سے اس خلیج کو پاٹنے کی کوشش کی۔

مؤلف کتاب حضرت مولانا محمد نافع صاحب نے صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ اور سیدنا عثمان غنیؓ تینوں خلفاء کے ساتھ حضرت علیؓ اور اولاد علی کے حسن سلوک، باہمی تعاون، خانگی مراسم، نسبی تعلقات اور اُمور خلافت میں بھرپور اعانت کو کم وبیش دوسو سے زائد قدیم وجدید کتب کے حوالہ جات سے روز روشن کی طرح واضح کیا ہے۔ یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ اس موضوع پر سادہ، رواں اور عام فہم اردو میں لکھی جانے والی یہ پہلی مدلل اور تحقیقی کتاب ہے۔

اتحاد بین المسلمین اور اتحاد عالم اسلام کے ضمن میں اس کتاب کو اس لحاظ سے اساسی اور بنیادی حیثیت حاصل ہے کہ موصوف نے مخالفینِ اسلام کے تفرقہ اندازی کی اصل بنیادوں کی نشاندہی کر کے اس سازش کے تار و پود بکھیر دیئے ہیں۔ کتاب کے مطالعہ سے جہاں یہ اطمینان قلبی حاصل ہوگا کہ تمام صحابہ کرام، اہل بیت عظام سمیت باہم شیروشکر تھے۔ ان میں اختلاف کا شائبہ تک نہ تھا وہیں یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ اسلام کی صداقت

وحقانیت، عالمگیر حیثیت اور غلبہ کے سامنے باطل کبھی ٹھہر نہیں سکا اور جب بھی اسے ضعف پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے اس کے لئے افتراق وتشتت ہی کا حربہ استعمال میں لایا گیا۔

جس طرح تفرقہ اندازی سے یہودی شاطروں نے اس دور میں اسلام سے اپنی شکستوں کا بدلہ لیا اسی طرح آج کے دور میں بھی باطل قوتیں اسی چال سے مسلمانوں کو کمزور کرنے کی مذموم کوششیں کر رہی ہیں۔ جس سے ہر حساس، دردمند اور صاحب فکر مسلمان کو باخبر رہنا لازم ہے اور اپنے شیرازہ کو بکھرنے سے بچانے کے لئے سعی بلیغ کرنا فرض ہے۔

زیر نظر کتاب کا یہ حصہ ''صدیقی'' ہے، حصہ ''فاروقی'' اور حصہ ''عثمانی'' مدوّن ومرتب ہو کر شائع ہو چکا ہے۔ ''رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ'' اپنی مکمل صورت میں تاریخ اسلام کے اہم ترین موضوع پر سب سے زیادہ مبسوط اور مدلل کتاب ہے اور اس کتاب کی اشاعت سے ان شاء اللہ اہل انصاف کے ذہنوں سے بہت ساری غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی اور تاریخ اسلام کے پہلے مرحلے میں اکابر صحابہ کرامؓ کے درمیان تعلقات کی نوعیت پوری طرح واضح ہو کر سامنے آ جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو عامۃ المسلمین کے لئے نافع بنائے۔''[1]

سن تصنیف:

اس تصنیف کی تکمیل شعبان ۱۳۹۱ھ بمطابق اکتوبر ۱۹۷۱ء میں ہوئی۔

رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ حصہ اول صدیقی کے مضامین پر ایک نظر:

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب کے آغاز میں پانچ تمہیدیں قائم کی ہیں، جس میں کتاب کے اسلوب تحریر اور مقاصد تصنیف بیان کئے گئے ہیں۔ اس کے بعد شروع مقاصد کا عنوان قائم کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت اور ان کے باہمی اتفاق واتحاد پر قرآن مجید سے استدلال کرتے ہوئے پانچ آیات تحریر کی ہیں اور مدلل ومربوط انداز میں اپنا مدعا بیان کیا ہے۔

پہلا باب:

اس باب کے تحت حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ وحضرت فاطمہؓ کے باہمی اعتماد اور حسن سلوک کو کتب شیعہ سے ثابت کیا گیا ہے۔ اس بحث میں درج ذیل نکات قابل ذکر ہیں:

۱۔ حضرت علیؓ وفاطمہؓ کے نکاح میں حضرت ابوبکرؓ کا کردار۔

۲۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت فاطمہؓ کے باہمی روابط۔

---

[1] رحماء بینھم (حصہ اول) دار الکتاب، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص ۱۱-۱۳۔

۳- مسئلہ فدک اور آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مالی حقوق۔

۴- سیدہ فاطمہؓ کی بیماری کے دوران حضرت ابوبکرؓ کی بیوی اسماء بنت عمیس کی تیمارداری اور خدمت گزاری۔

۵- سیدہ فاطمہؓ کی وصیت، ان کی وفات اور نماز جنازہ۔

امور مذکورہ پر بحث کے دوران ضمنی طور پر مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ایک طویل حاشیہ لکھا ہے جس کا عنوان ہے ''اخطب خوارزم کا درجۂ اعتماد''۔ آپ نے ثابت کیا ہے کہ یہ شخص ایک غالی شیعہ تھا اور جعلی روایات وضع کر کے پھیلایا کرتا تھا۔ اس بحث کے آخر میں آپ نے ایک عالمانہ نکتہ رکھا ہے کہ رطب و یابس جمع کرنے والے علماء اور ان کی تصنیفات کے متعلق پانچ قسم کی صورتیں پیش آتی ہیں۔ ہر قسم کے علماء اور ان کی تصنیفات کی آپ نے متعدد مثالیں دے کر اپنے موقف کو واضح کیا ہے۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ یہ تنبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ صرف الشیخ الحبر الکبیر وغیرہ الفاظ دیکھ کر کسی پرانے عالم کو معتبر نہ سمجھا جائے جب تک اس کے عقائد ونظریات کی صحت اور اس کی تصنیفات کا پایۂ اعتبار معلوم نہ ہو جائے۔ اس لئے کہ علمائے سوء ہر دور میں موجود رہے ہیں اور انہوں نے بہت کچھ رطب و یابس اکٹھا کر دیا ہے۔

شیعہ علماء اور ذاکر حضرت ابوبکرؓ، حضرت عائشہؓ اور اہل بیت کے درمیان لڑائی ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہتے ہیں، ان کا یہ مذموم پروپیگنڈہ چودہ صدیوں سے جاری ہے اور دورِ حاضر میں یہ پروپیگنڈہ کچھ اور رُخ اختیار کرتا جا رہا ہے۔ فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ اور حضرت فاطمہؓ کے خوشگوار تعلقات پر مبنی متعدد واقعات مستند حوالوں کے ساتھ ذکر کئے ہیں اور مخالفین کے زہریلے پروپیگنڈہ کا مؤثر جواب دیا ہے۔

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا و حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک دوسرے سے دینی امور میں رہنمائی حاصل کرنا بھی مستند روایات سے ثابت ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ کے دفنانے میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمات پر بھی آپ نے روشنی ڈالی ہے۔

ایک تنبیہ:

حضرات صحابہ کرامؓ اور اہل بیت میں عناد، دشمنی اور قطع تعلقی کی روایات درجۂ استناد رکھتی ہیں یا نہیں؟ فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ان روایات کی تین صورتیں تحریر فرمائی ہیں جو کہ اہل علم کے لئے لائق مطالعہ ہیں۔

مسئلہ فدک کی بحث:

سنی شیعہ کے درمیان اختلافی مسائل میں مسئلہ فدک کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ

نے مدلل انداز میں ثابت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے زمانۂ خلافت میں باغِ فدک سے سیدہ فاطمہؓ اور اہل بیت کو ان کا حق دیا کرتے تھے۔

اس سلسلے میں پھیلائے گئے تمام شبہات بے بنیاد اور سفید جھوٹ پر مبنی ہیں...... آپؒ نے اس سلسلہ میں ایک مدلل اور طویل بحث کی ہے اور صحیح بخاری کی بعض روایات کا غلط مطلب پیش کر کے مخالفین حضرت ابوبکرؓ پر جو طعن و تشنیع اور سب وشتم کرتے ہیں ان روایات کا صحیح مطلب عالمانہ ومحققانہ انداز میں بیان کیا ہے کہ ایک منصف مزاج اور خوفِ خدا رکھنے والا شخص ان شبہات کو اپنے دل ودماغ سے پاک کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ایک عجیب لطیفہ:

فاضل مصنف نے ایک عجیب لطیفہ نقل کیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت علیؓ و فاطمہؓ کی باہمی ناراضگی کے ایک موقع پر ان کے درمیان صلح کراتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا: ''انما ھی بضعة منی و من اذاھا فقد اذانی...... '' لیکن یار لوگ کمال ہنرمندی سے اس حدیث کو حضرت ابوبکرؓ پر منطبق کر دیتے ہیں۔

مسئلہ فدک پر اگرچہ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے ایک طویل بحث کی ہے تاہم آپ نے اس مسئلہ پر اپنے استاذ مکرم حضرت مولانا سید احمد شاہ چوکیروی مرحوم کی کتاب ''تحقیق فدک'' کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک جامع کتاب ہے جو کہ جامعہ مسجد ثانی اثنین بشیر کالونی سرگودھا کے پتہ سے منگوائی جاسکتی ہے۔

حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیس نے جس طرح حضرت فاطمہؓ کی مرض الوفات میں تیمارداری کی، آپ کی وصیتوں کو پورا کیا وہ جانبین کے باہمی خلوص پر دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح شیعہ مذہب کی کتابوں سے آپ نے ثابت کیا کہ حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے نمازیں ادا کیں۔ حضرت فاطمہؓ کا جنازہ حضرت ابوبکرؓ نے پڑھایا۔

ضمنی طور پر یہ بحث بھی قابل دید ہے کہ نماز جنازہ چار تکبیروں کے ساتھ جائز ہے، پانچ کے ساتھ نہیں۔

دوسرا باب:

افسانہ نویس قسم کے لوگوں نے درج ذیل غلط فہمیاں پھیلا رکھی ہیں:

۱- حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیعت بہت دیر سے کی۔

۲- حضرت علیؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پیچھے نمازیں نہ پڑھتے تھے۔

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب کے دوسرے باب میں ان دونوں غلط فہمیوں کا ازالہ کیا ہے۔ یہ بحث

ستر صفحات پر مشتمل ہے جو کہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

تیسرا باب:

اس باب میں فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے باہمی خوشگوار تعلقات اور امور مملکت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے تعاون کو جانبین یعنی سنی وشیعہ کتب سے مدلل اور جامع انداز میں ذکر کیا ہے اور دونوں بزرگوں کے باہمی خوشگوار تعلقات کے ثبوت میں متعدد واقعات ذکر کئے ہیں۔

چوتھا باب:

اب باب کا عنوان ہے ''فضائل سیدنا ابوبکر الصدیقؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ، حضرت علی مرتضیٰؓ کی زبانی''۔ یہ عنوان اس قدر واضح ہے کہ تفصیلات کا تعارف کرانے کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

پانچواں باب:

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور دیگر اہل بیت کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خوشگوار تعلقات اس باب میں شرح وبسط کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ اس میں سات فصلیں ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اہل بیت سے رشتہ داریاں:

اس باب کی چھٹی فصل میں مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوبکرؓ کی اہل بیت سے درج ذیل رشتہ داریاں تفصیل سے ذکر کی ہیں:

۱- ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے نکاح۔
۲- حضرت جعفر طیار کی بیوہ حضرت اسماءؓ بنت عمیس کا حضرت صدیق اکبرؓ سے نکاح۔
۳- حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کی زوجہ قریبۃ الصغریٰ ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کی بہن اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سالی ہیں۔ بالفاظ دیگر حضرت ام سلمہؓ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کی سالی ہیں۔
۴- حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کی صاحبزادی حفصہ بنت عبدالرحمٰن جو کہ ان کی زوجہ قریبۃ الصغریٰ سے پیدا ہوئی تھی، ان کا نکاح یکے بعد دیگرے ذیل حضرات سے ہوا:

الف: حضرت منذر بن زبیر بن عوام۔
ب: حضرت حسین بن علی بن ابی طالب۔
ج: حضرت عاصمؓ بن عمرؓ بن خطاب۔

۵- سیدنا صدیق اکبرؓ کے پوتے قاسم بن محمد بن ابی بکر اور حضرت علیؓ کے پوتے علی بن حسین المعروف زین العابدین باہم سگے خالہ زاد بھائی ہیں۔ یزدجرد شاہ فارس کی ایک لڑکی محمد بن ابی بکر کے نکاح میں اور دوسری لڑکی حضرت حسینؓ کے نکاح میں تھی۔

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یزدجرد کی بیٹیوں کے قیدی بن کر آنے کی روایات تسلیم کرنے کی صورت میں یہ پانچویں رشتہ داری لکھی گئی ہے ورنہ حقیقت حال یہ ہے کہ ان روایات پر اہل علم کی خاصی وزنی جرح ہے جو کہ لائق توجہ ہے۔

۶- حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ کے پوتے قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ کی لڑکی ام فروہؓ، امام محمد باقرؒ کے نکاح میں تھیں اور ام فروہ کے بطن سے امام جعفر صادق پیدا ہوئے۔

یہ بھی واضح رہے کہ ام فروہؓ کی والدہ کا نام اسماء بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر ہے اور والد کا نام قاسم بن محمد بن ابی بکر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر کے پوتا اور پوتی دونوں کی شادی ہوئی، ان سے ام فروہ پیدا ہوئی جو حضرت جعفر صادق کی والدہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت جعفر صادق فرمایا کرتے تھے کہ حضرت ابوبکرؓ نے مجھے دو بار جنا ہے یعنی میرے دوہرے نانا ہیں۔ یہ تمام رشتہ داریاں شیعہ مذہب کی معتبر کتابوں سے ثابت ہیں جنہیں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے باحوالہ جامع انداز میں لکھا ہے۔

ساتویں فصل بھی قابل دید اور قابل غور ہے جس میں اہل تشیع کی معتبر کتابوں سے ثابت کیا ہے کہ اہل بیت میں حضرات خلفائے ثلاثہ کے نام پر اپنے بچوں کے نام رکھنے کا رواج تھا۔اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱- حضرت سیدنا علیؓ کے تین بیٹوں کے نام ابوبکر، عمر، عثمان تھے۔

۲- حضرت سیدنا حسنؓ کے دو بیٹوں کے نام ابوبکر اور عمر تھے۔

۳- امام زین العابدین کے بیٹے کا نام عمر تھا۔

۴- حضرت امام حسینؓ اور امام موسیٰ کاظم کی اولاد میں بھی ابوبکر نام پایا جاتا ہے۔

۵- حضرت موسیٰ کاظم اور حضرت علی رضا کی ایک ایک بیٹی کا نام عائشہ تھا۔

نتائج بحث:

۱- حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کے ساتھ تعلقات خوشگوار تھے، باہم رشتہ داریاں تھیں اور اہل بیت نبوی نسل در نسل اپنے بچوں کے نام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور بچیوں کے نام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نام پر رکھتے تھے۔

۲۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور اہل بیت میں باہمی دشمنی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اہل بیت پر ظلم و ستم کی داستانیں محض افسانے ہیں، کوئی شخص اپنے دشمنوں کے ساتھ نسل در نسل رشتہ داریاں قائم نہیں کرتا اور نہ ہی اپنے بچوں کے نام اپنے دشمنوں کے نام پر رکھتا ہے۔

رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ (حصہ دوم فاروقی)

وجہِ تصنیف:

"رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ" جلد دوم لکھنے کی کیوں ضرورت پیش آئی۔ اس کے متعلق کتاب کے آغاز میں ناشر نے بہت عمدہ انداز میں تحریر کیا ہے۔ ہم اسے نقل کرنا کافی سمجھتے ہیں:

خلیفہ ثانی سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شخصیت ہمیشہ سے معرکۃ الآراء رہی ہے۔ آپ کا اسلام لانا جس قدر اہلِ اسلام کی توقیر، اسلامی قوت کے لئے استحکام اور اعلاء کلمۃ اللہ کی مساعی میں مؤثر ترین ذریعہ ثابت ہوا اسی قدر خرمن باطل کے لئے برق جہاں سوز اور کفر وضلالت کی کھیتی کے لئے تباہ کن ثابت ہوا۔ ایک فرد کے دل کی دنیا کیا بدلی کہ مکہ کی پوری آبادی ایک نئے انقلاب سے روشناس ہوئی۔

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم!
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

گلشنِ اسلام کے باغباں نے جس سدا بہار پودے کو خالق کائنات سے تزئینِ گلشن کی خاطر مانگ کر لیا تھا اور جس کی دیکھ بھال، تربیت اور نشوونما خصوصی توجہ سے فرمائی تھی، وہ عمر بن الخطاب، جسے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرب خاص عنایت فرمایا، تعلیم آیاتِ الٰہی اور حکمت سے آراستہ کیا، تزکیہ نفس سے اس کے دل کو منور کیا اور اس جوہر قابل کا ہر پہلو درخشندہ فرمایا تھا، خلیفہ اول علیہ افضل التحیات والتسلیمات صدیق اکبرؓ نے اپنی وفات کے وقت قوم کی باگ ڈور انہی کے سپرد کی۔

تاریخ اسلام شاہد ہے کہ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے لگائے ہوئے گلزار کو حضرت فاروق اعظمؓ نے محیر العقول توسیع دی، تزئین وترتیب سے رشکِ جنت بنایا، امن وآشتی کے لحاظ سے بہشت کا نمونہ پیش کر دیا۔ حسنِ انتظام سے پوری دنیائے اسلام کو ایک خوشحال گھرانے کی صورت عطا کی۔ اسلامی سلطنت کو قوت واستحکام میں ایک ناقابل تسخیر قلعہ بنا ڈالا۔

دنیا کی عظیم سلطنتوں (ایران وروما) کی مادی طاقتوں اور یہودیت ونصرانیت، بت پرستی اور ستارہ پرستی کی مذہبی قوتوں کو فاروق اعظم کی پر جلال شخصیت کے ہاتھوں وہ ضرب لگی کہ مدتوں سر نہ اٹھا سکیں۔ مسلمانوں کے مثالی اتحاد، اخوت اور باہمی تعاون کے باعث اس بنیانِ مرصوص میں یہ باطل قوتیں رخنہ نہ ڈال سکیں۔ اپنی عبرتناک شکستوں کا بدلہ لینے میں مکمل طور پر ناکام ہوگئیں اور مدافعت کی ہر کوشش سے کلیۃً مایوس ہوگئیں تو فاروقِ اعظم کی وفات کے بعد سازشی لوگوں نے اپنی ناکامیوں کا بدلہ چکانے کے لئے جھوٹے پروپیگنڈے کا سہارا لیا اور سازشوں کا جال بننا شروع کر دیا۔

چونکہ عرب وعجم کی باطل قوتوں نے سیدنا صدیق اکبرؓ اور سیدنا عمرؓ بن الخطاب کے ہاتھوں زک اٹھائی تھی، اس لئے ان کی زہر افشانی کا سارا زور انہی دونوں باطل شکن شخصیتوں کے خلاف صرف ہوا لیکن ان کے سیرت و کردار، بے داغ سیاست، حکومت کے حسن انتظامات، مثالی عدل وانصاف اور زہد واتقاء پر تو حرف نہیں لا سکتے تھے کہ ان کا جھوٹ کھلتا تھا، کسی پہلو بھی انگلی نہیں رکھ سکے تو شیطان نے انہیں نئی چال سکھلائی کہ حبِ اہل بیت کا ڈھنڈورا پیٹ کر، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حسنین کریمینؓ اور ان کی اولاد کی محرومیوں اور مظلومیوں کی فرضی داستانیں گھڑ گھڑ کر نشر کرنے لگے اور غلط مفروضے بنا بنا کر انہیں الگ فریق ثابت کرنے کی ناپاک کوششیں کرنے لگے۔

اس تمام جدوجہد سے ان کا مقصد اسلام کے شیرازہ کو پارہ پارہ کرکے اسلامی غلبہ وقوت کو کمزور کرنا تھا لیکن حضور رحمۃ للعالمین، رؤف ورحیم کے تمام جاں نثار "رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ" (آپس میں مہربان) اور "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ" کا مثالی نمونہ تھے۔ وہ اپنی مخلصانہ اور بے غرضانہ محبت ومودت میں رخنہ اندازی کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے جس طرح صدیقی وفاروقی دور خلافت میں انتظامی معاملات، مشوروں اور عملی تعاون سے حق اخوت ومودت ادا کیا تھا اسی طرح اپنے دورِ خلافت میں عام خطابات، پرائیویٹ مجلسوں اور کھلی گفتگوؤں میں شیخینؓ کے حق میں کلمات خیر فرمائے اور خلاف پروپیگنڈا کرنے والوں کو سزائیں دیں، انہیں جلاوطن کیا اور بڑی وضاحت کے ساتھ ایسے لوگوں سے اپنی برأت ظاہر کی۔

یہ کتاب اسی زہر کا تریاق ہے۔ اس پروپیگنڈے کی قلعی کھولنے کی کوشش ہے۔ اسلام کے بکھرتے ہوئے شیرازہ کی شیرازہ بندی کی سعی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان "رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ" کی تفسیر وتشریح اور توثیق ہے۔

کتاب "رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ" کے حصہ فاروقی میں حضرت علیؓ اور حسنین شریفینؓ اور عمِ رسول حضرت عباسؓ، ابن عباسؓ اور فاروق اعظمؓ کے مابین روابط وتعلقات، باہمی حسن تعاون، آپ کی قدردانی اور ہر دو خانوادوں کی آپس کی رشتہ داریاں، شفقت و پیار اور ادب واحترام کے تاریخی واقعات وحقائق اور فرامین و بیانات کو بہت سی کتب سے جمع کیا گیا ہے۔

اس بات کا التزام پیش نظر رکھا گیا ہے کہ ہر دو خانوادوں کے مراسم اور تعلقات کا کوئی پہلو تشنہ تکمیل نہ رہ جائے اور اس کے ثبوت میں ہر دور کی قدیم وجدید کتب سے استفادہ کیا جائے۔ واقعات کی توثیق وتائید کے لئے صحابہ کرام پر اعتراض کرنے والے گروہ کی مشہور ومستند کتب سے حوالے عوام کے سامنے لائے گئے ہیں کہ حقیقت عیاں ہونے پر ان کی صحابہ دشمنی کی بنیادیں منہدم ہوجاتی ہیں۔

مزید برآں بعض اُن الزامات کے تحقیقی جوابات بھی دیئے گئے ہیں جو فاروق اعظمؓ کے بے داغ دامن پر تھوپنے کی ناپاک کوشش کی گئی ہے۔

کتاب کے مطالعہ سے ان شاء اللہ العزیز ہر منصف مزاج اور متلاشیِ حق وصداقت فرد کے دل کو تسکین ہوگی اور شکوک وشبہات کے بادل خود بخود چھٹ جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ مصنف کتاب کی مساعی کو شرفِ قبولیت بخشے اور قارئین کرام کو اپنے اسلاف صالحین کے نقش قدم پر چلنے اور باہمی حسنِ تعلق وحسنِ معاشرت کی توفیق عنایت فرمائے۔

مضامین کا تعارف

پہلا باب:

اس باب میں متعدد فصلیں ہیں:

پہلی فصل: اس فصل میں حضرت فاروق اعظمؓ کے ہاتھ پر حضرت علی المرتضیٰؓ کا بیعت کرنا سنی وشیعہ ہر دو فریق کی معتبر کتابوں سے ثابت کیا گیا ہے۔

دوسری فصل: حضرت علیؓ کی زبانی حضرت فاروق اعظمؓ کے فضائل ومناقب نقل کئے گئے ہیں اور اعتراضات کا ازالہ کیا گیا ہے۔

اس سلسلہ میں ۹ عنوانات قائم کر کے بیسیوں روایات نقل کی گئی ہیں۔

دوسرا باب:

پہلی فصل: اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عمر فاروق کے زمانہ خلافت میں حضرت علیؓ قاضی تھے اور لوگوں کے معاملات کے متعلق فیصلے کیا کرتے تھے۔ اگر حضرت علیؓ کا کسی سے کوئی جھگڑا ہوتا تو وہ اپنا مقدمہ حضرت فاروق اعظمؓ کے سامنے پیش کرتے تھے۔ متعدد مثالیں دے کر مدعا ثابت کیا گیا ہے۔ ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علیؓ نیک دل پاک فطرت اور باہمی خوشگوار تعلقات رکھنے والے تھے۔

دوسری فصل: میں یہ ثابت کیا ہے کہ شرعی مسائل میں حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علیؓ ایک دوسرے سے مشورہ کیا کرتے تھے۔اس دعویٰ کو سنی شیعہ کتب سے دلائل کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے اور ساتھ ساتھ شبہات کے جوابات بھی دیئے گئے ہیں۔

تیسری فصل: اس میں انتظامی معاملات کے متعلق ہر دو بزرگوں کا باہم مشورہ کرنا ثابت کیا گیا ہے۔ان مشورہ طلب امور کے ۹ عدد واقعات ذکر کئے گئے ہیں۔ نیز یہ بھی بتایا گیا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے کئی مواقع پر حضرت سیدنا علیؓ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام مقرر کیا ہے۔

چوتھی فصل: اس فصل میں معتبر دلائل سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علیؓ نہ صرف شیر وشکر تھے بلکہ حضرت علیؓ اموالِ غنیمت میں سے اپنا حصہ بھی دور فاروقی میں وصول کیا کرتے تھے اور حضرت عمر فاروقؓ حضرت علیؓ کو عطیات بھیجا کرتے تھے جو وہ قبول کر لیتے تھے۔

تیسرا باب:

اس باب میں بھی چار فصلیں ہیں:

پہلی فصل: حضرت فاروق اعظمؓ کا حضرت سیدہ امِ کلثوم بنت علی المرتضیٰؓ سے نکاح اس فصل میں ثابت کیا گیا ہے اور مخالفین کے شبہات کے مفصل جوابات دیئے گئے ہیں۔خصوصاً یہ جو بے بنیاد پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت سیدہ فاطمہ کا گھر جلا دیا، ان سے سخت کلامی کی، وغیرہ......ان غلط اور ناپاک الزامات کا مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے تسلی بخش جواب اس فصل میں دیا ہے۔

دوسری فصل: اس فصل میں سیدنا عمر فاروقؓ اور سیدنا علیؓ کے باہمی تعلقات کے اثبات کے لئے مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد تاریخی واقعات مستند حوالہ جات کے ساتھ تحریر کئے ہیں۔صفحہ ۲۱۸ کے حاشیہ میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک عظیم بہتان کا آپ نے تسلی بخش جواب دیا ہے۔اسی طرح علمائے انساب کی پانچ معتبر کتابوں کے آپ نے حوالے دیئے ہیں کہ وہ بھی حضرت عمرؓ کا حضرت ام کلثومؓ سے نکاح تسلیم کرتے ہیں۔ آپ نے شیعہ مذہب کی معتبر کتابوں سے سترہ (۱۷) حوالہ جات نقل کر کے حضرت ام کلثومؓ کے نکاح کو ثابت کیا ہے اور فائدہ ثانیہ کے عنوان سے مخالفین کے اس الزام کو مدلل طور پر ردّ کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے نکاح میں ام کلثوم بنت ابی بکر تھیں، ام کلثوم بنت علی المرتضیٰ نہ تھیں۔آپ نے مدلل انداز میں ثابت کیا ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ کے نکاح میں ام کلثومؓ بنت علی المرتضیٰؓ ہی تھیں......نہ کہ ان کی ہم نام کوئی اور عورت۔

کتاب کے صفحہ ۲۷۴ پر حضرت سیدنا عمر فاروقؓ کے اسلام، ہجرت، خلافت اور دیانت داری کے متعلق حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی گواہی نقل کی گئی ہے۔یہ گواہی اس لئے نقل کی گئی ہے تاکہ

مخالفین پر سند رہے۔ واضح رہے کہ مخالفین حضرت عمرؓ کے اسلام، خلافت اور محاسن حسنہ کے منکر ہیں۔

حضرت عمر نے اپنے انتقال کے وقت جو مجلس شوریٰ منتخب کی تھی اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی شامل کیا تھا۔ یہ بات فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے شیعہ مذہب کی چھ کتابوں سے باحوالہ ثابت کی ہے۔

کتاب کے صفحہ ۲۹۲ پر حضرت فاروق اعظمؓ کی تدفین میں حضرت علی کی شمولیت باحوالہ ثابت کی ہے۔

چوتھا باب:

اس باب کی پہلی فصل میں حضرت سیدنا عباس بن عبدالمطلب کے ساتھ فاروق اعظم کے تعلقات اور باہم عقیدت مندی کے واقعات ذکر کئے گئے ہیں۔ دوسری فصل میں حضرت علیؓ کے چچازاد بھائی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عمرؓ کے باہمی روابط اور مراسم درج ہیں۔

پانچواں باب:

اس باب میں پانچ فصلیں قائم کر کے حضرت سیدنا عمر فاروقؓ کے متعلق حضرت علیؓ کی آل اور اولاد میں سے امام زین العابدین اور ان کے بیٹے زید، امام محمد باقر، امام جعفر صادق کے فرمودات اور تعریفی کلمات مدلل انداز میں لکھے گئے ہیں۔

پانچویں فصل میں مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے اہل بیت کے نوزائیدہ بچوں کے نام سیدنا عمر فاروقؓ کے نام پر رکھنا مخالفین کی معتبر کتابوں سے ثابت کیا ہے۔

۱- حضرت علیؓ کے ایک بیٹے کا نام عمر تھا۔

۲- حضرت حسنؓ کے آٹھ بیٹے تھے، ایک کا نام عمر تھا۔

۳- حضرت زین العابدینؒ کے ایک بیٹے کا نام عمر تھا۔

نتیجہ بحث:

مباحث مذکورہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اہل بیت خصوصاً حضرت سیدنا علیؓ کی حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوئی مخالفت اور دشمنی نہ تھی ورنہ وہ اپنے بیٹے کا نام عمر نہ رکھتے۔ حضرت عمرؓ کی قائم کردہ مجلس شوریٰ کے رکن نہ بنتے اور حضرت عمرؓ کی سپرد کردہ ذمہ داریاں نہ نبھاتے اور خصوصاً صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ حضرت عمرؓ کے نکاح میں نہ دیتے۔

رُحَمَآءُ بَیۡنَهُمۡ (حصہ سوم عثمانی)

اس کتاب میں حضرت سیدنا عثمان غنیؓ اور حضرت سیدنا علیؓ بن ابی طالب اور ان کے خاندان کے درمیان خوشگوار تعلقات ذکر کئے گئے ہیں اور جا بجا مخالفین کے شبہات کا ازالہ بھی کیا گیا ہے۔

تمہیدات:

اس عنوان کے تحت قبول روایت کے متعلق اہل سنت کے چند قواعد وضوابط بتائے گئے ہیں اور اس کی تائید میں علمائے شیعہ کے بیان کردہ اصول بھی نقل کئے گئے ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت امام محمد باقر فرماتے ہیں کہ جو چیز کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برخلاف ہو اس کو ہماری طرف منسوب سمجھ کر قبول مت کرو۔

خاندان بنی ہاشم اور خاندان حضرت عثمان کی رشتہ داریاں ایک نظر میں:

یہ عنوان قائم کر کے حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں خاندانوں کی باہمی سات رشتہ داریاں نقل کی ہیں جن میں سے تین رشتے تو بہت مشہور ومعروف ہیں:

۱۔ اروی بنت کریز بنت ام حکیم البیضاء بنت عبدالمطلب بن ہاشم جو حضرت علیؓ کی پھوپھی زاد بہن ہیں، حضرت عثمان غنیؓ کی والدہ ہیں۔

۲، ۳ حضرت سیدہ رقیہؓ اور حضرت سیدہ ام کلثومؓ جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں ہیں، یکے بعد دیگرے حضرت عثمانؓ کے نکاح میں آئیں۔ اس طرح حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ ایک دوسرے کے ہم زلف تھے۔

ان سات رشتہ داریوں کی کتب شیعہ سے باحوالہ تفصیلات کتاب کے پہلے باب میں موجود اور لائق مطالعہ ہیں۔

دعوت غور وفکر:

تاریخی رطب و یابس کے سیلاب میں بہنے والے اور صحابہ کرامؓ خصوصاً خلفائے ثلاثہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے متعلق منفی آراء وافکار رکھنے والے حضرات غور فرمائیں کہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے خاندان کی باہم رشتہ داریاں ان دونوں بزرگوں اور ان کے خاندانوں کی قطع تعلقی پر دلالت کرتی ہیں یا باہمی کمال درجہ کے اعتماد ومحبت پر؟

حضرت علیؓ کے ایک صاحبزادہ کا نام عثمان تھا۔ اگر عثمانؓ خدانخواستہ ان ناپسندیدہ کاموں میں واقعۃً

مشغول ہوتے جوان کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں تو حضرت علیؓ اپنے بیٹے کا نام عثمان نہ رکھتے اور عہد عثمانی میں امور دینیہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ نہ لیتے اور حضرت عثمانؓ کی معاونت نہ کرتے۔

وہ حضرات جو غلط پروپیگنڈہ سے متاثر ہیں ان کیلئے یہ سوالات لمحہ فکریہ ہیں؟ الیس منکم رجل رشید؟

دوسرا باب:

اس باب میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت علیؓ نے کسی قسم کے جبر و اکراہ کے بغیر جس طرح حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی بیعت کی تھی اسی طرح اپنی رضامندی سے حضرت عثمانؓ کی بھی بیعت کی تھی۔

تیسرا باب:

اس باب میں متعدد موضوعات پر بحث کی گئی ہے۔

۱- حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح اور شادی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے مخلصانہ اعانت اور امداد۔

۲- حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مومن، صالح، متقی اور محسن ہونے کی گواہی۔

۳- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے باہمی مراسم۔

۴- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں بنی ہاشم کے بیانات۔

چوتھا باب:

چوتھے باب میں حضرت عثمان غنیؓ کے سیدنا علی المرتضیٰؓ اور دوسرے ہاشمی بزرگوں کے ساتھ مختلف قسم کے تعلقات کا ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً باہمی مشورہ سے احکام شرعی کا نفاذ، حضرت عثمانؓ کی جانب سے مختلف عہدوں پر ہاشمی بزرگوں کی تقرری۔ حضرت عثمانؓ کا ہاشمی جنازوں کا پڑھانا، خلافت عثمانیہ کے دور میں بنی ہاشم کی جہاد میں شرکت، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اہل بیت کے مالی حقوق کی ادائیگی کا خیال رکھنا۔

فاضل مصنف نے ان تمام عنوانات کو سنی وشیعہ کتب سے ثابت کیا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کا حضرت علیؓ اور دیگر اہل بیت کے ساتھ کوئی لڑائی جھگڑا نہیں تھا۔ جو افسانے یار لوگ بیان کرتے ہیں اور اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں وہ محض جھوٹ بلکہ سفید جھوٹ ہیں۔

پانچواں باب:

اس باب میں مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے مدلل بحث کی ہے کہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ حضرت علیؓ کے ان کی شہادت تک خوشگوار تعلقات رہے اور جب باغیوں نے حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کر رکھا تھا تو حضرت علیؓ نے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کی حضرت عثمانؓ کے گھر کا پہرہ دینے پر ڈیوٹی لگا دی تھی۔ اس پہرہ کی وجہ سے

باغی دروازہ سے اندر داخل نہ ہو سکے تو وہ دیوار پھلانگ کر اندر گھسے اور حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا۔

حضرت علیؓ کی اولاد میں سیدنا عثمانؓ کا نام مروج تھا:

حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ کو اتنا محبوب رکھتے تھے کہ آپ کے ایک صاحبزادے کا نام عثمان بن علی بھی ہے جو کہ میدان کربلا میں حضرت حسین کے ساتھ شہید ہوئے۔

اس کتاب کی تکمیل ربیع الاول ۱۳۹۸ھ میں بمطابق مارچ ۱۹۷۸ء میں ہوئی۔

مسئلہ اقرباء نوازی ملحق بہ رُحَمَآءُ بَیۡنَھُمۡ (حصہ عثمانی)

اس کتاب میں حضرت سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ سے اقرباء نوازی کے طعن کو صاف کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دامن خلافت اس میں داغدار نہیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حد جواز سے متجاوز نہیں۔ نیز عثمانی خلافت کی ایک گونہ مختصر تاریخ اس میں آ گئی ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدہ دار رشتہ داروں کی خدمات اور کردار کو صحیح طریقے سے پیش کیا گیا ہے۔

کتاب کے مضامین کا تعارف:

اس کتاب کے پانچ ابواب ہیں۔ ہر باب کو بحث کا نام دیا گیا ہے۔ ہر بحث ایک جداگانہ موضوع سے متعلق ہے۔

بحث اول:

اس میں عہد عثمانی کے حکام اور مناصب پر ان کا باہمی تناسب ذکر کیا گیا ہے۔ ۱۷ مقامات میں بیس عدد غیر اموی حکام تھے اور صرف چار مقامات پر چند اموی حاکم تھے۔

بحث ثانی:

اس بحث میں عہد عثمانی کے حکام کی صلاحیت واہلیت کا تذکرہ ہے جن پر معترضین نے عثمانی رشتہ دار ہونے کی وجہ سے اعتراض وارد کیا۔ مثلاً ولید بن عقبہؓ، سعید بن العاصؓ، عبداللہ بن عامر، امیر معاویہؓ، عبداللہ بن سعد بن ابی سرح اور مروان بن حکم۔ مؤلف نے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ لوگ پختہ مزاج حاکم عالم باعمل اور انصاف پسند تھے اور امت کے ممتاز دانشور اور باصلاحیت منتظم تھے۔

بحث ثالث:

اس میں اس چیز کا بیان ہے کہ صرف عہد عثمانی میں ہی اقرباء کو مناصب نہیں دیئے گئے بلکہ عہد رسالت، عہد فاروقی اور عہد مرتضوی میں بھی اپنے اپنے اقرباء کو مناصب دیئے گئے جن کو واقعات کے ذریعے ثابت کیا گیا ہے۔

بحث چہارم:

اس بحث میں یہ وضاحت معتبر اسناد کے ساتھ کر دی گئی ہے کہ حضرت عثمانؓ اپنے رشتہ داروں کو اپنی جیب سے عطیات دیتے تھے، بیت المال سے نہیں دیتے تھے۔

بحث پنجم:

میں اس اعتراض کی صفائی پیش کی گئی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد کے آخری مراحل میں شرعی احکام کی خلاف ورزی کی اور حدود اللہ کو پامال کیا تھا۔ اس سلسلہ میں امام بخاریؒ، علامہ ابن عربیؒ اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ وغیرہم کے صفائی کے بیانات پیش کی گئے ہیں۔ نیز شہادت عثمانی کے اصل اسباب کو واضح کیا گیا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ اعدائے اسلام کو دشمنی تھی جس کو انہوں نے قتل عثمان کے ذریعے پورا کیا۔

مسئلہ اقرباء نوازی کا طرز استدلال اور انداز بیان اتنا واضح ہے کہ اہل سنت اس کے مطالعہ سے مزید شرح صدر حاصل کریں گے اور معترض یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ ہم نے ذوالنورینؓ کے روحانی کردار کو دھندلکے میں ڈالنے کی جسارت کیوں کی۔ وباللہ التوفیق۔

ان تمام مباحث میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنوں اور غیروں کے بیان کردہ شکوک وشبہات کا جابجا ازالہ کیا ہے اور علمی تحقیقات کے موتی بکھیرے ہیں جو کہ پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔

مروان بن الحکم کا تعارف:

مروان بن الحکم کے متعلق تاریخ میں اتنا رطب ویابس جمع کیا گیا ہے کہ بہت سے سنی حضرات بھی ان کے بارے میں ذہن صاف نہیں رکھتے۔ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً ساٹھ صفحات مروان بن الحکم کی شخصیت اور کردار پر لکھے ہیں جس میں انہوں نے مستند کتابوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ مروان اعلیٰ درجے کی علمی قابلیت اور فقاہت رکھتے تھے اور انہیں فقہاء میں شمار کیا گیا ہے۔ ان کی روایات موطا امام مالک اور موطا امام محمد، مصنف عبدالرزاق، مسند امام احمد اور صحیح بخاری میں موجود ہیں، وہ دینی مسائل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرتے تھے۔ مروان کی اقتدا میں حسنین شریفین رضی اللہ عنہما نمازیں ادا کرتے رہے ہیں۔ مروان کا علمی مقام واضح کرنے کے بعد مصنف رحمۃ اللہ علیہ مروان کے متعلق شبہات کے ازالہ کی طرف متوجہ ہوئے جن میں مروان کو مطعون کرنے والی تاریخی

روایات کا ایک جائزہ بھی تحریر کیا گیا ہے۔ بنوامیہ کے حق میں حضرت علی کے اقوال اور مروان کی مذمت کی روایات علماء کی نظروں میں بحث کے اہم عنوانات ہیں۔ یہ کتاب چار سو صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب کے پایۂ تحقیق کا اس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس میں ۹۰ سنی کتابوں اور تیئیس شیعہ کتابوں کے حوالے دیئے گئے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد اور مروان کے خاندان کے باہمی رشتے:

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے معتبر حوالہ جات سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد اور مروان کے خاندان کی پانچ باہمی رشتے داریاں ثابت کی ہیں جن میں سب سے اہم رشتہ داری یہ ہے کہ حضرت علی کی صاحبزادی ''رملہ'' مروان بن حکم کے لڑکے معاویہ کے نکاح میں تھی۔

رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ پر اکابر علماء کی آراء اور تبصرے

کسی کتاب کا علمی وتحقیقی معیار کیا ہے؟ اس میں مندرج مواد کس پائے کا ہے؟ اس کے حوالہ جات کس حد تک مستند ہیں؟ اس کے مآخذ کس درجے کے ہیں؟ اس کا طرز استدلال کتنا قوی ہے؟ اس میں شامل واقعات و روایات صحت وضعف کے اعتبار سے کس درجہ کی ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کی چیزوں کا اندازہ علماء اور محققین ہی کر سکتے اور ان کے معیار کا تعین کر سکتے ہیں عام قارئین نہیں کر سکتے۔

زیر تعارف کتاب ''رحماء بینھم'' کو وطن عزیز کے اصحابِ علم وتحقیق نے کس نظر سے دیکھا اور اس کے بارے میں کیا تاثر اور رائے رکھتے ہیں اس کا اندازہ درج ذیل چند اکابر علماء کے مراسلہ جات میں درج تاثرات اور رسائل وجرائد کے تبصروں سے لگایا جاسکتا ہے۔

مولانا محمد تقی عثمانی (مدیر ''البلاغ'' واستاذ حدیث دار العلوم کراچی) کا مکتوب:

مخدومی المعظم دامت الطافہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

گرامی نامہ باعث صد مسرت وافتخار ہوا۔ ''رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ'' باقی دو حصوں کی تکمیل سے بے حد مسرت ہوئی۔ پہلے حصے سے احقر نے کافی استفادہ کیا تھا اور اسے اپنے موضوع پر لاجواب پایا تھا۔ ان شاء اللہ باقی حصے بھی اسی شان کے ہوں گے۔ ان کا اشتیاق کرتے انتظار لگ گیا ہے۔

کتاب ''اقربا نوازی'' کے بارے میں آپ نے جو تحریر فرمایا ہے اسے پڑھ کر حیرت بھی ہوئی اور آپ

کی تواضع پر رشک بھی آیا۔ میں اس بارے میں آنجناب کو کیا کوئی مفید مشورہ دے سکتا ہوں؟ آپ نے اس موضوع پر محنت کی ہے اور ماشاء اللہ بڑا مفید مواد جمع فرمایا ہے۔ اس لئے میں جناب کی معلومات میں کیا اضافہ کرسکتا ہوں؟ البتہ اپنے بزرگوں کے مذاق کے مطابق اس بات کا خیال ضرور رہتا ہے کہ ایک صحابی کا دفاع کرتے ہوئے کسی دوسرے صحابی کی شان میں کوئی ادنیٰ گستاخی یا اس کا شائبہ نہ ہونے پائے۔ امید ہے کہ اس کا آنجناب نے بھی پورا لحاظ رکھا ہوگا۔ تاہم اگر حکم ہوگا تو بہ نیت استفادہ مسودہ کو دیکھنا اپنی سعادت سمجھوں گا۔ البتہ مسودہ منگواتے ہوئے اس لئے ڈرتا ہوں کہ یہ بڑی قیمتی چیز ہوتی ہے جس کا کوئی بدل نہیں ہوتا۔ اس لئے اگر اس کی نقل شدہ یا مصوّر کاپی ارسال فرمائیں تو زیادہ بہتر ہوگا اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو میں ان شاء اللہ اشاعت کے بعد کتاب سے استفادہ کرلوں گا۔ مسودہ کہیں ڈاک وغیرہ میں ضائع نہ ہوجائے۔ دعاؤں کا بے حد محتاج ہوں۔ والسلام، دستخط مولانا محمد تقی عثمانی۔

مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ (مدیر ماہنامہ ''بینات'' نیوٹاؤن کراچی) کا مکتوب:

مخدوم و معظم زیدت محاسنکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ

''رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ'' اور ''مسئلہ اقربا نوازی'' کا ایک ایک نسخہ موصول ہوا۔ اوّل کو تو ایک ہی دن میں ختم کر کے دم لیا۔ دوسرے کا دو تہائی پڑھ چکا ہوں۔ حق تعالیٰ شانہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آپ نے بڑی متانت و اعتدال کے ساتھ لکھا ہے جس میں نہ کسی کی دل آزاری ہے، نہ مسلک اہل حق سے انحراف اور سب سے بنیادی نکتہ جس پر نظر مرکوز رہی ہے قبائلی تعصب سے اس معاشرے کا پاک ہونا۔ یہ ہر جگہ نمایاں ہے۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء

قاضی ابوبکر بن عربی کو بعض لوگوں نے نواصب میں شمار کیا ہے۔ اگرچہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ان سے استشہاد کرنا کافی ضمانت ہے۔ تاہم بہتر ہوگا کہ ان کے حوالوں کے ساتھ تائیدی حوالے بھی نقل کروائے جائیں۔ آپ کی کتابیں کیا کراچی میں دستیاب ہیں؟ ہیں تو کہاں سے ملیں گی؟ دعوات صالحہ کی درخواست ہے۔ والسلام

دستخط

(مولانا محمد یوسف، ۲۴،۸،۱۴۰۱ھ)

مولانا محمد چراغ رحمۃ اللہ علیہ (استاذ گرامی مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ) کا تبصرہ:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱:...... میں نے کتاب ''مسئلہ اقربا نوازی'' ضمیمہ ''رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ'' تصنیف عزیزم مولانا محمد نافع سلمہ اللہ تعالیٰ کا اوّل سے آخر تک مطالعہ کیا۔

۲:...... کتاب نہایت آسان اور سادہ زبان گویا ''سہل ممتنع'' ہے۔کوئی الجھن، گنجلک نہیں۔اپنے مطالب میں بالکل واضح ہے۔

۳:...... عزیز مؤلف کی محنت اور تلاشِ کتب نہایت ہی قابل قدر ہے اور اس میں کافی جدوجہد کرنی پڑی ہے۔

۴:...... کتاب میں مناظرانہ رنگ نہیں، کوئی پروپیگنڈہ یا مخالف کی توہین وتقبیح نہیں کی گئی، نہایت نرم زبان بغیر تشدد وجارحیت کے تحریر کی گئی ہے بلکہ مخالف کو ''دوست، احباب'' اور ''بزرگ'' جیسے الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو (ص ۳۵، سطر ۷) ''معترض دوست کہتے ہیں'' (ص ۵۵، سطر ۱۰) ''معترضین احباب کی طرف سے'' (ص ۶۹، سطر ۵) ''معترض احباب کو اللہ ہدایت بخشے'' (ص ۷۲، آخری سطر) ''معترض احباب نے'' (ص ۷۷، سطر ۲) ''معترض دوستوں نے لکھا ہے'' (ص ۲۱۰، سطر ۸) ''معترض بزرگوں کی جانب سے'' (ص ۲۸۶، سطر ۳۳) ''معترض بزرگوں نے'' وغیرہم ایسے ہی الفاظ اور مقامات میں بھی ملتے ہیں۔

۵:...... پانچ بحثوں میں مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

۶:...... پہلے اپنے مضمون کو لکھتے ہیں، پھر اس پر حوالہ جات کی بھرمار کرتے ہیں، پھر اس کے نتائج کو زیر قلم لاتے ہیں۔درمیان میں کوئی مخالف کی توہین وتقبیح نہیں کی گئی۔

۷:...... خود عزیز مؤلف کہتے ہیں: ص ۲۳ ''عام متداول طرزِ تصنیف کے خلاف اس کتاب میں یہ صورت اختیار کی گئی ہے کہ عموماً ایک مضمون ومفہوم کو عام ناظرین کرام کے لئے حوالہ کتاب کی عبارت سے پہلے خلاصہ کے طور پر درج کر دیا ہے۔ پھر اس کے بعد اصل حوالہ کی عبارت عموماً درج کی گئی ہے تاکہ اہل علم حضرات عبارت ملاحظہ فرما کر مضمون کی تسلی حاصل کر لیں۔'' میرے نزدیک یہ طرز تصنیف بہت اچھا ہے۔کوئی معذرت کی ضرورت نہیں۔

۸:...... اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ میری طرف سے اور دیگر اہل اسلام کی طرف سے مؤلف کو اس محنت کی جزاء خیر دے۔آمین۔

(دستخط)

(مولانا) محمد چراغ، مہتمم جامعہ عربیہ، جی ٹی روڈ، گوجرانوالہ

مؤرخہ ۱۰رجولائی ۱۹۸۱ء/ ۱۲ر رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ

----*--*--*--*--*

مولانا قطب الدین اُچھالوی رحمۃ اللہ علیہ (استاذ گرامی مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ) کا مکتوب:

باسم اعظم

''محترمی جناب مولانا محمد نافع صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ غریب خانہ پہنچ کر سب سے پہلے کتاب اقربا نوازی کا مطالعہ کیا۔ ہر دور میں حضرت امیر عثمان رضی اللہ عنہ پر جو مطاعن کئے گئے ان کے اہل حق نے تسلی بخش جواب دیئے لیکن مطاعن کے دفع کرنے کا جو اسلوب کتاب ہذا میں اختیار کیا گیا نہایت مستحسن ہے کہ اس کا تجزیہ کر کے پہلے عثمانی دور کے عہدے داروں کا مفصل بیان ہے کہ وہ کون تھے۔ بعض وہ تھے کہ دورِ نبوی سے دورِ عثمانی تک اپنے عہدوں پر بغیر کسی تبدل وتغیر کے فائز رہے اور بعض عہدوں پر تبدیلی بمصلحتِ وقت اور رعایا کی اقتضا پر بجائے غیر اموی کے اموی جو قلیل کالمعدوم تھے اور بجائے اموی کے غیر اموی ہوتی لیکن یہ تبدیلی گمراہی اور قومی تعصب سے بالاتر تھی اور یہ تمام صاحب عہدہ اشخاص کچھ رشتہ دار اور کچھ غیر رشتہ دار اپنی نیکی اور تقویٰ کے لحاظ سے ان عہدوں کے اہل اور صلاحیت رکھنے والے تھے۔ لہٰذا یہ بات حضرت امیر عثمان رضی اللہ عنہ پر اعتراض کے قابل نہیں۔ جیسے کہ بعینہٖ یہی صورت بلاشبہ عہد نبوی، عہد فاروقی اور عہد مرتضوی میں قابل اعتراض نہیں سمجھی جاتی۔ نیز حضرت امیر عثمان رضی اللہ عنہ کا صحابہ کرام کی ایک جماعت کے روبرو مالی عطیات اور اموال بیت المال کا تقسیم کرنا اعتراض کی جڑ کاٹ دیتا ہے اور مروان بن حکم اور بنوامیہ کی حقیقت اور اصلی کیفیت کو اقوالِ ضعیفہ اور روایات موضوعہ برخلاف اقوال قویہ اور روایات صحیحہ کے گرچہ مکدر کرتی ہیں لیکن کسی شخص کے اوصاف متضاد میں سے ترجیح ان اوصاف کو ہوتی ہے جن کی اصولی قواعد اور ضوابط تائید کریں۔ جیسے کہ اس کتاب کے ہر مقام اور ہر بحث میں اس کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ خلاصۃ المرام کتاب اقربا نوازی کی ہر بحث باحوالہ اور دلائل صحیحہ سے مزین ہے۔ اللہ تعالیٰ مصنف کی تفتیش اور سعی بلیغ کو منظور فرمائے اور جزاء خیر عطا فرمائے۔ بندہ بخیریت ہے۔ آپ کی خیریت مطلوب ہے۔ میری طرف سے عزیزوں کو السلام علیکم عرض کر دیں۔ فقط والسلام۔''

(دستخط)

(مولانا قطب الدین اُچھالوی رحمۃ اللہ علیہ)

نوٹ: استاذ گرامی کے اس مراسلہ پر تاریخ درج نہیں تھی۔ اس لئے مولانا نے اسی مراسلہ کے نیچے ایک جانب بطور یادداشت لکھا ہے:

یہ والا نامہ حضرت الاستاذ مولانا قطب الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے کتاب ''مسئلہ اقربا نوازی'' کے مطالعہ کے بعد موصول ہوا تھا۔ الحمد للہ اکابر علماء کی تصدیق حاصل ہوگئی ہے۔ گرامی نامہ ہذا ۳/شعبان ۱۴۰۱ھ، ۶/جون ۸۱ء کو موصول ہوا۔

مولانا محب اللہ شاہ (پیر آف جھنڈا) کا مکتوب[1]:

حضرت الفاضل الکریم مولانا محمد نافع صاحب حفظہ اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج عالی بخیریت تامہ ہوگا۔

امابعد! چند ایام پہلے جناب کا والا نامہ جو میرے عریضے کے جواب میں ارسال فرمایا تھا، موصول ہوا تھا۔ مسرت ہوئی! مہربانی...... کتاب "رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ" حصہ چہارم پورا دیکھ لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سیّدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ وارضاہ کے متعلق (خصوصاً) آج کل کے فریقین نے انصاف سے بالکل کام نہیں لیا۔ شیعہ حضرات سے توقع عدل وانصاف کی تھی ہی نہیں لیکن افسوس صد افسوس کہ اہل سنت والجماعت کے عوام وخواص بلکہ چند علماء تک نے بھی تحقیق سے کام نہیں لیا اور عدل وانصاف کا دامن نہیں تھاما اور محض تاریخی مواد کو جن میں رطب ویابس بلکہ خرافات تک موجود ہیں، ان کو بلاتحقیق از روئے روایت ودرایت نہیں پرکھا بلکہ ان اساطیر کو جس طرح دیکھا نقل کر دیا اور مکھی پر مکھی مارتے چلے گئے اور مارتے رہتے ہیں اور ستم بالائے ستم کہ ان واہی روایات کو لے کر سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ جیسی متبرک ہستی پر اپنی کتب میں اعتراضات کا انبار لگا دیا ہے اور بے ہودہ باتوں کا طومار باندھ دیا ہے۔ اس بات کا جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔ پھر اسے تحقیق کا نام دیا جاتا ہے خواہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک جلیل القدر والمقام صحابی پر کتنا عظیم ظلم ہو رہا ہو لیکن ان کی بلا سے۔ وہ بھی جس کو "بے نزاع" تحقیق تصور فرماتے ہیں اور قلمبند فرماتے جاتے ہیں حالانکہ قرآن وحدیث بلکہ سارے اسلام کا دار ومدار صحابہ کی عدالت پر ہی ہے۔ اگر یہ باقی نہ رہے تو کوئی ایک چیز باقی نہیں رہ سکتی۔

اس لئے واقعی یہ اس قدر ضرورت تھی کہ کوئی اللہ کا بندہ اہل علم میں سے اس پر قلم اٹھائے اور اصل حقیقت جو ان اساطیر وخرافات کے طوفانِ بدتمیزی میں دب گئی تھی اس سے ان حجابات کو دور کر دے اور اصلی حقائق سے

---

[1] مولانا محب اللہ شاہ (پیر آف جھنڈا، سندھ) اہل حدیث مکتبہ فکر کے نہ صرف پیر اور گدی نشین تھے بلکہ علمی وتحقیقی ذوق کے حامل عالم دین بھی تھے۔ اسی ذوق کے پیش نظر پیر آف جھنڈا میں مدرسہ کے ساتھ ساتھ نادر اور امہات الکتب پر مشتمل ایک کتب خانہ بھی قائم کر رکھا تھا۔ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے بھی وہاں جا کر اس کتب خانہ سے استفادہ کیا۔ پیر صاحب مذکور کی ایک خوبی یہاں بطور خاص قابل ذکر ہے وہ یہ کہ عام اہل حدیث حضرات کے برعکس انتہائی معتدل مزاج کے حامل تھے۔ حتیٰ کہ حنفی علماء بھی ان کے مدرسہ میں تدریسی فرائض سرانجام دیتے تھے۔

پیر صاحب کا زیر نظر مکتوب سات صفحات پر مشتمل ہے جس میں انہوں نے "رحمآء بینہم" حصہ چہارم (مسئلہ اقرباء نوازی) پر اپنے جذبات اور رائے کا اظہار کیا ہے۔ طوالت کے خوف سے یہاں اس کا خلاصہ دیا جاتا ہے۔ یہ طویل مکتوب صاحبزادہ ابوبکر صدیقی کے پاس ریکارڈ میں موجود ہے، تفصیل درکار ہو تو دیکھا جاسکتا ہے۔

پردہ اٹھادے تاکہ جو صحیح حقیقت اور امر واقع ہے وہ منظر عام پر آجائے تاکہ عوام اور خواص اس سے مستفید ہوں اور جن بے جا شکوک وشبہات کے وہ شکار ہو رہے ہیں ان سے بھی ان کو نجات مل جائے۔

الحمدللہ! ثم الحمدللہ! آنجناب کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کس عظیم الشان فرض کی ادائیگی کی توفیق مرحمت فرمائی اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے آنجناب نے اس ضرورت کو پورا فرمادیا ہے اور اس کتاب ''رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ'' کے حصہ چہارم میں مستند تاریخی کتب واحادیث صحیحہ واقوال صحابہ ومستند علماء امت سے اصل حقیقت اچھی طرح واضح فرما دی ہے اور جو اساطیر کتب تاریخ میں روایت کی گئی تھیں اور جن کی تحقیق کرنے سے بہت سے علماء قاصر رہے ان سب کے متعلق بھی آنجناب نے روایتاً ودرایتاً بحث کر کے ان کی اصل حیثیت واضح کر دی ہے جس سے ان کی صحیح پوزیشن سامنے آجاتی ہے۔ اب حق پسند، منصف مزاج حضرات کے سامنے حق روزِ روشن کی طرح ظاہر ہو گیا اور ان کے دلوں میں سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی عظمت، صداقت، امانت ودیانت اور ان کا حق پر ہونا جاگزین ہو گیا ہے بلکہ ان کا احترام اور بھی دوبالا ہو گیا ہے۔

بہرحال کتاب پڑھ کر میں بے حد مسرت محسوس کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ عوام وخواص، علماء وفضلاء بھی اس کا مطالعہ کریں اور اپنے ایمان کو تازہ کریں۔ ماشاء اللہ آپ نے اس کا نام بھی خوب رکھا ہے ''رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ'' واقعی یہ کتاب اسم بامسمی ہے۔ قرآنِ حکیم کی سورۃ فتح کی آخری آیت کریمہ میں صحابہ سے متعلق جو ''رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ'' آیا ہے اس کی تفسیر یا اس کا بخوبی نقشہ اس کتاب میں دیکھا جا سکتا ہے اور اس طرح اس آیت کی گونہ صداقت بھی ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔

جزاکم اللہ خیر الجزاء فی الدنیا والآخرۃ۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔ والسلام

(دستخط)

(مولانا) محب اللہ شاہ، درگاہ شریف (پیر جھنڈا) حیدرآباد، سندھ

۱۰-۱۱-۱۹۸۳ء/ ۴-۲-۱۴۰۴ھ

میاں رب نواز (خواجہ قمرالدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے چچازاد بھائی) کا مکتوب گرامی:

مکرم ومحترم جناب مولانا محمد نافع صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ.........مزاج بخیر!

مولوی عبدالرحمٰن صاحب کے ہاتھوں آپ کی مرسلہ کتاب موصول ہو کر موجب تشکر وامتنان ہوئی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ بجاہ حبیبہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وبہ طفیل بزرگانِ دین متین رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ کو صحت وعافیت کے

ساتھ دین قیم کی مزید خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

واقعی نہایت ہی عمدہ اور خوشگوار انداز سے اصحابِ کبار بالخصوص خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے باہمی محبت بھرے تعلق کو پرانی مستند کتب سے ثابت کیا گیا ہے اور کہیں بھی قَوْلًا لَّیِّنًا کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹنے پایا۔

یہ آپ کی ذاتی مہربانی اور آبائی تعلق کا اظہار ہے کہ مجھ کم استعداد بلکہ ہیچ مداں کو اپنی عالمانہ تالیفات سے نوازتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو دارین میں جزائے خیر سے بہرہ ور فرمائے، آمین۔

دعا گو

(دستخط) میاں رب نواز

پروفیسر محمد اسلم (صدر شعبہ تاریخ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور) کا مراسلہ:

۲۴ر صفر ۱۳۹۶ھ قبلہ محترم زید مجدکم!

سلام مسنون کے بعد معروض ہوں کہ آنجناب کی تصنیف ''رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ'' پڑھنے کا موقع ملا۔ آپ نے جس کاوش اور دیدہ ریزی سے یہ کتاب مرتب کی ہے اس کی داد نہ دینا سخت ناانصافی ہوگی۔ آپ نے یہ کتاب لکھ کر اہل سنت والجماعت پر بڑا کرم فرمایا ہے۔ خدا تعالیٰ اس کتاب کو آپ کے لئے ذریعہ نجات بنائے۔ آمین

آنجناب نے کتاب کے آخری باب میں مولانا فضل اللہ بن روز بھان اصفہانی الخجنی الشافعی کی تصنیف کتاب ابطال نہج الباطل واہمال کشف العاطل کا ذکر فرمایا ہے۔ موصوف نے یہ کتاب حسن مطہر الحلی کی تصنف ''نہج الحق'' کے رد میں لکھی تھی، بعد ازاں نور اللہ شوستری نے اس کا رد تحریر کیا تھا۔ میرے علم میں مولانا فضل اللہ کی ابطال نہج الباطل کا کوئی نسخہ دنیا میں موجود نہیں۔ کیا آپ کے علم میں اس کا کوئی نسخہ ہے؟

میں نے مولانا فضل اللہ بن روز بھان رحمۃ اللہ علیہ پر کیمبرج یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی کے لئے چار سال کام کیا تھا اور ان کی تصنیف ''سلوک الملوک'' کا انگریزی میں ترجمہ بھی کیا ہے جسے ۷۴ء میں اسلام آباد یونیورسٹی نے شائع کیا ہے۔ اس ترجمہ کی ضخامت ۵۴۸ صفحات ہوگئی ہے۔ فضل اللہ رحمۃ اللہ علیہ پر میں نے ایک تفصیلی مضمون لکھا تھا جو انگریزی مجلہ جنرل ایشیاٹک سوسائٹی آف پاکستان، ڈھاکہ میں شائع ہوا تھا۔ اس کا اردو ترجمہ ماہنامہ المعارف لاہور میں اور میری تصنیف ''تاریخی مقالات'' میں طبع ہو چکا ہے۔ میں نے ان کی تمام تصانیف کا اجمالی تعارف کرایا ہے۔ امید ہے کہ آنجناب مع الخیر ہوں گے۔ والسلام مع الاکرام۔

نیاز کیش

محمد اسلم، استاذ شعبہ تاریخ، پنجاب یونیورسٹی

مولانا ظہور احمد (بریلی شریف) کا تبصرہ:

بخدمت جناب مولانا محمد نافع صاحب، مؤلف کتاب "رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ"

ہدیۂ مسنونہ۔　　　آپ کی تحریر کردہ کتاب "رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ" ضمیمہ اقرباء نوازی کا مطالعہ منجملہ کیا۔ اس موضوع پر اردو میں یہ پہلی کتاب ہے۔ جس جانفشانی اور عرق ریزی سے یہ کتاب آپ نے لکھی ہے، قابل صد تحسین ہے بلکہ آپ کا اہلسنت پر عظیم احسان ہے۔ الفاظ آپ کی اس دینی خدمت کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ جزاک اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔ اسی طرح حضرات خلفاء راشدین واہل بیت کرام خصوصاً سانحۂ کربلا پر فضائل کی صورت میں ایک کتاب لکھیں جس سے واعظ فائدہ حاصل کریں۔ آپ صاحب قلم ہیں۔ فقیر امید کرتا ہے کہ مندرجہ بالا معروضات کو بغور مطالعہ فرماویں گے۔

فقط والسلام

دعا گو (مولانا) محمد ظہور احمد

فاضل جامع رضویہ بریلی شریف (بھارت)

سن فراغت ۱۹۴۶ء

ساکن سیبھرے، ڈاکخانہ خاص، تحصیل پھالیہ، ضلع گجرات

نوٹ: آپ کے مدرسہ کے فارغ التحصیل مولانا محمد عبداللہ مرحوم ۴۶ء میں فقیر کے ہم سبق تھے۔ اس وقت سے آپ کا غائبانہ تعارف ان کے ذریعہ سے ہوا تھا۔ اب "رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ" پڑھ کر گویا کہ بالمشافہ ملاقات ہوگئی ہے۔

فقط والسلام

دستخط مولانا ظہور احمد

۸۱ء-۱۱-۱۱

مشاہیر حضرات علماء کرام کے تاثرات وآراء سے چند اقتباسات:

کتاب "رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ" کے پہلے حصے (صدیقی) کا مسودہ ترتیب وتدوین کے مرحلہ سے گزرا تو فاضل مصنف نے مشورہ ورہنمائی اور تصدیق وتوثیق کے لئے اکابر علماء کرام اور اس فن کے مشاہیر حضرات کی خدمت میں پیش کیا۔ ضروری خیال کیا گیا کہ ان یگانہ عصر علماء کرام کی آراء سے قارئین آگاہ ہوں۔ بہتر تو یہ تھا کہ ان حضرات کی آراء بلا کم وکاست شامل کی جائیں لیکن خوف طوالت سے چند اقتباسات پر اکتفا کیا جارہا ہے۔

۱۔ حضرت علامہ مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت مولانا شمس الحق افغانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور) نے تبصرہ فرماتے ہوئے لکھا:
کتاب نہایت محققانہ بسط وتفصیل اور حجت ودلیل کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ مآخذ وحوالہ جامع، موثق و معتمد ہیں۔ میرے ذہن میں جو کچھ تھا آپ نے تفصیل کے ساتھ اسے تحریر میں لا دیا ہے...... یہ کتاب ان شاء اللہ حرف آخر ثابت ہوگی۔

۲۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ (دارالعلوم کراچی) رقمطراز ہیں۔ ماشاء اللہ مستند معلومات جمع فرمائی ہیں جو منصف کے لئے باعث سکون واطمینان اور معاند کے لئے ان شاء اللہ مسکت ہوں گی۔

۳۔ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ (مدرسہ نیوٹاؤن کراچی) نے تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:
ماشاء اللہ اپنے موضوع پر ایک محققانہ تالیف ہے...... موصوف کی یہ کتاب اہم دستاویز اور کامیاب کوشش ہے اور اہل علم وارباب تحقیق اس کی قدر کریں گے۔

۴۔ حضرت علامہ پیر محمد کرم شاہ رحمۃ اللہ علیہ، مدیر رسالہ ضیائے حرم:

حضرت علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ (دارالعلوم غوثیہ، بھیرہ) نے لکھا ہے:
حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے "رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ" لکھ کر انتشار وافتراق کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے سامنے بند باندھنے کی پرخلوص کوشش فرمائی ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے اس پروپیگنڈہ کی قلعی کھل جاتی ہے جو صحابہ کرامؓ اور اہل بیت اطہار کے تعلقات کو معاندانہ ثابت کرنے کے لئے کیا جا رہا ہے۔

۵۔ مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ (آف چکڑالہ) نے تبصرہ عربی زبان میں لکھا۔ چند اقتباسات کا ترجمہ دیا جاتا ہے:

"اللہ کی قسم میں نے اس قدر قلیل حجم میں کثیر المنفعت کتاب نہیں دیکھی۔"
"یہ کتاب زریں حروف میں لکھنے کے قابل ہے۔"
"یہ کتاب اپنی قسم میں نئی اور نرالی ہے۔"

۶۔ علامہ مولانا عبدالستار تونسوی رحمۃ اللہ علیہ:

مناظر اہل سنت مولانا عبدالستار تونسوی نے اپنے تبصرے میں ذیل کے ارشادات رقم فرمائے ہیں:

''مسائل پر بہترین دلائل جمع کئے ہیں اور اثبات مسائل پر قیمتی مواد جمع کیا ہے۔ مجھے مؤلف کے بیان کردہ حوالہ جات پر اعتماد ہے۔''

۷۔ مولانا دوست محمد قریشی رحمۃ اللہ علیہ:

مبلغ اسلام مولانا دوست محمد قریشی صاحب (مرحوم ومغفور) نے ذیل کے الفاظ رقم فرمائے:

مولانا صاحب نے امت مسلمہ پر احسان عظیم فرمایا ہے۔ رفع تعارض اس طرح فرمایا کہ مذہب بھی اجاگر ہوگیا اور شبہات بھی مندفع ہوگئے۔ کتاب افراط وتفریط سے پاک ہے۔

تبصرہ جات

زیر نظر کتاب (رحماء بینھم) جب شائع ہوگئی تو مشاہیر اہل علم کے ساتھ ساتھ تبصرہ کے لئے بعض معروف رسائل وجرائد کو بھی بھیجی گئی۔ ان رسائل وجرائد میں تبصرہ نگار حضرات نے کتاب کے بارے میں اپنے جن تاثرات وجذبات اور آراء کا اظہار کیا ان سے کتاب کی قدر و قیمت کا کچھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ عام قارئین کی معلومات کے لئے وہ تبصرہ جات ذیل میں درج کئے جارہے ہیں۔

''رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ'' (حصہ اوّل)

ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی کا تبصرہ از قلم مولانا محمد تقی عثمانی:

قرآنِ کریم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اوصاف بیان کرتے ہوئے انہیں ''رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ'' قرار دیا ہے یعنی وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت ورحمت کا برتاؤ رکھتے ہیں لیکن صحابہ کے مخالفین نے ان میں سے بعض حضرات کے درمیان ناخوشگوار تعلقات کی اس انداز سے تشہیر کی ہے کہ الامان! خاص طور سے خلفائے ثلاثہ اور حضرات اہل بیت کے تعلقات کو اس پروپیگنڈے کا ہدف بنایا گیا ہے اور یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ (معاذ اللہ) یہ دو مخالف کیمپ تھے جن میں ہمیشہ نزاع وجدال کا بازار گرم رہا ہے۔ حضرت مولانا محمد نافع صاحب نے یہ کتاب اسی پروپیگنڈے کے جواب میں تحریر فرمائی ہے۔ یہ کتاب کی پہلی جلد ہے جس میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کے باہمی تعلقات واضح کئے گئے ہیں۔

فاضل مصنف نے پہلے مثبت طور پر وہ روایات بڑی محنت سے یکجا کی ہیں جن سے حضرت صدیق

اکبرؓ اور حضرات اہل بیت کے خوشگوار تعلقات پر روشنی پڑتی ہے۔ یہ روایات صرف اہلسنت ہی کی کتابوں سے نہیں لی گئیں بلکہ شیعہ حضرات کی مستند ترین کتابوں سے بھی ان کی بے شمار تائیدات جمع کی گئی ہیں۔اس کے بعد فاضل مؤلف نے ناخوشگوار تعلقات کے ان قصوں کی حقیقت واضح فرمائی ہے جنہیں رائی کا پہاڑ بنا کر مشہور کر دیا گیا ہے۔اس ضمن میں انہوں نے مستند کتب احادیث وکتب تاریخ سے ثابت کیا ہے کہ باغِ فدک کے مسئلہ میں حضرت فاطمہؓ اور حضرت صدیق اکبرؓ کے درمیان کوئی تکدر باقی نہیں رہا تھا۔حضرت فاطمہؓ کی نماز جنازہ پر خود حضرت علیؓ نے باصرار صدیق اکبرؓ کو امام بنایا تھا۔ نیز حضرت علیؓ نے صدیق اکبر کے ہاتھ پر چھ ماہ بعد نہیں بلکہ ابتدا ہی میں بیعت فرمالی تھی۔ان تینوں باتوں کے برخلاف جو روایات کتب حدیث وتاریخ میں پائی جاتی ہیں فاضل مصنف نے ان کی تحقیق کا حق ادا کیا ہے اور غلط فہمی کے اصل منشاء کی ایسی نشاندہی کی ہے جس پر عقل اور دل دونوں مطمئن ہو جاتے ہیں۔

تیسرا باب ''حضرت علی مرتضیٰؓ کا امور مملکت میں صدیق اکبرؓ سے مکمل تعاون'' ہے اور چوتھا باب ''فضائل حضرت صدیق اکبر وعمرؓ حضرت علیؓ کی زبانی'' اور ان دونوں ابواب میں بھی فاضل مصنف نے بڑی تحقیق وجستجو سے موضوع کے متعلق واضح وروشن روایات جمع فرمائی ہیں جن سے صحابہ کرامؓ کی زندگی کا حقیقی رُخ سامنے آتا ہے اور دل میں ایمان ویقین کا نور پیدا ہوتا ہے۔

بلاشبہ ''رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ'' علم وتحقیق کے اعتبار سے انوکھی اور نہایت بلند پایہ کتاب ہے جس نے اس موضوع پر ہمارے علمی وتحقیقی سرمایہ میں گراں قدر اضافہ کیا ہے۔فاضل مؤلف کی نظر صرف سنی مآخذ ہی پر نہیں شیعہ مآخذ پر بھی نہایت وسیع وعمیق ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اندازِ بیان مناظرانہ نہیں دوستانہ اور مشفقانہ ہے۔ کاش کہ شیعہ حضرات اس کتاب کو ٹھنڈے دل کے ساتھ مطالعہ فرمائیں تو نہ جانے شکوک وشبہات کے کتنے کانٹے ان کے دل سے نکل جائیں۔ہم عام مسلمانوں سے بھی اس کے مطالعہ کی سفارش کرتے ہیں۔

(ماہنامہ البلاغ کراچی از حضرت مولانا تقی عثمانی، ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ)

''رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ'' (حصہ دوم، سوم)

ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی کا تبصرہ از قلم مولانا محمد تقی عثمانی:

اس کتاب کی پہلی جلد پر تبصرہ ''البلاغ'' میں شائع ہو چکا ہے۔یہ دوسرا اور تیسرا حصہ ہے۔کتاب کا موضوع یہ ہے کہ حضرات خلفائے راشدینؓ کے درمیان محبت ومودت اور اخلاص واخوت کا جو رشتہ تھا اس کو واضح کرنے والے واقعات جمع کئے جائیں اور خاص طور پر حضرت علیؓ اور خلفائے ثلاثہؓ کے باہمی تعلقات کو

طرح طرح کی داستانوں کے ذریعے مکدر ثابت کرنے کی جو کوششیں کی گئی ہیں ان کا جواب دیا جائے۔ چنانچہ پہلی جلد میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرات اہل بیت کے باہمی تعلقات اور روابط کو واضح فرمایا گیا ہے۔ دوسری جلد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کے اور تیسری جلد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کے تعلقات پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اس سلسلے میں جتنے شکوک وشبہات پیدا کیے گئے ہیں ان کا مدلل اور محققانہ جواب دیا گیا ہے۔

افسوس ہے کہ آج اس مسئلے میں شدید افراط وتفریط کا دور دورہ ہے۔ شیعیت اور ناصبیت کی کشمکش نے معتدل حقائق پر کذب وافتراء اور اشکال کی غلط تہیں چڑھا دی ہیں لیکن فاضل مؤلف نے محض اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہر موقع پر اعتدال اور علمی وقار کو پوری طرح برقرار رکھا ہے۔

یہ کتاب صرف اردو ہی میں منفرد نہیں بلکہ عربی لٹریچر میں بھی اس قسم کی کوئی مفصل کتاب احقر کے علم میں نہیں ہے اور واقعہ یہ ہے کہ فاضل مؤلف نے اس اچھوتے مگر ضروری موضوع پر تحقیق کا پورا حق ادا کیا ہے اور یہ کتاب لکھ کر تاریخ ومناظرے کے لٹریچر میں انتہائی گراں قدر اضافہ فرمایا ہے۔ ہماری رائے میں کوئی بھی علم دوست آدمی اس کے مطالعے سے محروم نہ رہنا چاہیے۔

یہ بات اردو زبان اور اردو خواں حضرات کے لئے مایہ افتخار ہے کہ ایسی کتاب پہلی بار منظر عام پر آئی ہے۔

(ماہنامہ البلاغ کراچی، از مولانا تقی عثمانی......محرم الحرام ۱۴۰۱ھ)

مسئلہ اقربا نوازی

ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی کا تبصرہ از قلم مولانا محمد تقی عثمانی:

''حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ ہمارے دور کے ان علماء میں سے ہیں جن پر اس ملک کو علم وتحقیق کے اعتبار سے فخر کرنا چاہیے۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے مطاعن کے جواب اور ان کے باہمی تعلقات پر ''رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ'' کی متعدد جلدوں کا ذکر خیر ان صفحات میں آچکا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اپنے موضوع پر علم وتحقیق کا ایسا شاہکار ہے کہ صرف اردو ہی میں نہیں شاید عربی اور فارسی میں بھی اس پائے کی دوسری کتاب اس موضوع پر نہیں ملے گی۔

زیر نظر کتاب کو ''رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ'' ہی کی چوتھی جلد کہنا چاہیے لیکن یہ پوری جلد چونکہ صرف ایک ہی مسئلے کی تحقیق کے لئے وقف ہے اس لئے اس کا مستقل نام رکھ دیا گیا ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف یہ اعتراض بڑے زور وشور کے ساتھ پھیلایا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے دور حکومت میں اپنے رشتہ داروں کو بڑے

بڑے عہدے دیئے۔اس اعتراض کی علمی تحقیق اس کتاب کا موضوع ہے اور حقیقت یہ ہے کہ فاضل مؤلف نے اس مسئلے کی تنقیح وتحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔

انہوں نے پہلے یہ بتایا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد میں کتنے عامل اور اونچے عہدہ دار تھے اور ان میں سے کتنے بنوامیہ سے تعلق رکھتے تھے۔پھر یہ بتایا ہے کہ ان چند بنواُمیہ کے حضرات کو کن حالات میں اور کیوں والی مقرر کیا گیا؟ اس کے بعد ان میں سے ایک ایک کے ذاتی حالات کی تحقیق کی ہے اور ان پر لگائے جانے والے الزامات کا محققانہ جائزہ لیا ہے جس سے ایک انصاف پسند انسان پر یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان عمال کا تقرر (معاذ اللہ) خویش پروری یا اقربا نوازی کی بنیاد پر نہیں تھا بلکہ ان کو خاص حالات میں ان صلاحیتوں کے پیش نظر مقرر کیا گیا تھا۔اس فیصلے سے اگر بعض صحابہ کرام کو کوئی اختلاف ہوا تو وہ رائے کا اختلاف ہوسکتا ہے لیکن اس کو ''اقربا نوازی'' قرار دینا اس پروپیگنڈے کا شاخسانہ ہے جس کے ذریعے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم پر اتہام طرازی کو بعض حلقوں کی طرف سے مستقل مشن بنا لیا گیا تھا۔

بہرصورت! یہ اپنے موضوع پر نہایت بلند پایہ کتاب ہے اور معیار تحقیق کی بلندی کے ساتھ ساتھ دامن اعتدال کو کسی جگہ ہاتھ سے نہیں جانے دیا گیا۔آج کل جو لوگ ''دفاعِ صحابہ'' کے نام پر ناصبیت کے فروغ میں مشغول ہیں۔یہ کتاب ان کے لئے بھی سرمہ بصیرت کی حیثیت رکھتی ہے۔البتہ صفحہ ۱۰۰ پر محمد بن اسحاق کے سلسلہ میں جو تنقید نقل کی گئی ہے اور ان کے ناقابل اعتبار ہونے کی طرف جس طرح میلان ظاہر کیا گیا ہے وہ فاضل مصنف کی نظرثانی کا مستحق ہے کیونکہ محدثین اور علمائے جرح وتعدیل کے تمام اقوال کو اگر سامنے رکھا جائے تو محمد اسحاق کے بارے میں معتدل بات وہی معلوم ہوتی ہے جو حضرت علامہ انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہے [illegible]ہ رواۃ حسان میں سے ہے۔ان کا تفرد اور عنعنہ بے شک صحت کے اعلیٰ معیار پر نہیں پہنچتا لیکن ان کی رو[illegible]ت کو بالکلیہ ردّ کرنے کے لئے بھی کافی معلوم نہیں ہوتا اور محدثین نے جس کثرت کے ساتھ ان کی روایات لی ہی[illegible] اور بالخصوص سیر ومغازی میں ان پر جس طرح انحصار کیا ہے اس کے پیش نظر ان کو بالکلیہ ساقط الاعتبار قرار دینا م[illegible]غہ معلوم ہوتا ہے۔واللہ سبحانہ اعلم۔

اس جزوی مشورے سے قطع نظر یہ کتاب اس عہد کی بہترین کتابوں میں سے ہے۔اللہ تعالیٰ فاضل مؤلف کو اس کی تالیف پر جزائے خیر عطا فرمائیں۔

(تبصرہ: ماہنامہ البلاغ کراچی، ازمولانا تقی عثمانی......ربیع الاول ۱۴۰۲ھ)

سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ واہل بیت میں سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ اللہ کریم نے انہیں بعض ایسے خصائص و امتیازات عنایت فرمائے جو دوسرے صحابہ کے حصے میں کم ہی آئے۔ مثلاً خانہ کعبہ کے اندر ولادت، بچپن سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آغوش میں تربیت، بعثت نبوی کے بعد دعوتِ ایمان پر بچوں میں سب سے پہلے ایمان لانا۔ ہجرت نبوی کے وقت بستر نبوی پر لیٹنے کا اعزاز، نسبی بھائی ہونے کے ساتھ مؤاخاۃ مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دینی بھائی قرار پانا، حضور کی لخت جگر سیدۃ نساء اہل الجنۃ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا ان کے عقد نکاح میں آنا، ذریت رسول کا جدامجد ٹھہرنا، تمام غزوات میں مردانہ وار شرکت اور ان غزوات میں مردانگی، دلیری اور جرأت وشجاعت کا ثبوت دے کر حیدر کرار اور اسد اللہ الغالب کے القاب کا مستحق ٹھہرنا، غزوۂ خیبر کے موقع پر زبان نبوت سے اللہ اور اس کے رسول کا محبوب ہونے کا اقرار، پھر اس غزوۂ میں نا قابل شکست قلعہ کا ضرب حیدری سے فتح ہوجانا، غزوۂ تبوک کے موقع پر بارگاہ رسالت مآب سے ''انت منی بمنزلۃ ھارون من موسٰی'' کا مقام پانا۔ حجۃ الوداع سے واپسی پر غدیر الخم کے مقام پر زبان نبوی سے ''من کنت مولاہ فعلیٌ مولاہ'' کی بشارت سننا، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں نبوت کی زبان سے ''اقضاھم علیٌ'' کے اعزاز کا ملنا وغیرہ کے علاوہ صحابہ میں ان کا بلند علمی وروحانی مرتبہ ومقام اسلام میں ان کی گوناں گوں خدمات اور ان کی ذاتی فضیلت ومنقبت کی تفصیل کا یہ مقام متحمل نہیں ہوسکتا۔

اس ساری عظمت شان کے باوجود جمہور ائمہ دین اور علماء عقائد کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اسلام میں مجموعی طور پر خدمات اور ذاتی فضائل ومناقب کے پیش نظر جو مرتبہ ومقام سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے وہ کسی دوسرے کو حاصل نہیں اور خود سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھی اس بات کا اعتراف تھا جس کی تفصیل زیر تبصرہ کتاب میں دیکھی جاسکتی ہے۔

اس سب کچھ کے باوجود دشمنان اسلام خصوصاً یہود ونصاریٰ نے جب سیاسی وعسکری میدان میں اہل اسلام کے مقابلے میں اپنے آپ کو بے بس پایا تو مسلمانوں میں مذہبی ونظریاتی تفرقہ پیدا کرنے کا باقاعدہ منصوبہ بنایا۔ اس سازش کو عملی جامہ پہنانے کے لئے عبد اللہ ابن ''سباع'' نامی یہودی نے اسلام کا منافقانہ لبادہ اوڑھ کر اہل بیت رسول کے ساتھ مسلمانوں کی والہانہ عقیدت ومحبت کو ایکسپلائٹ (Exploit) کرتے ہوئے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پر افضلیت اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلیفہ بلافصل ہونے کا عقیدہ ہی نہیں بلکہ

معاذ اللہ ان کی الوہیت کے نظریہ کا بھی پرچار کرنا شروع کیا اور وہ اپنے مذموم مقاصد میں اتنا کامیاب ہوا کہ پہلے تو خلیفہ ثالث سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا المناک واقعہ پیش آیا اور اس کے بعد مسلمانوں کی متحدہ خلافت وسیاسی طاقت دو علاقوں اور دو مستقل حکومتوں میں بٹ کر کمزور ہی نہیں بلکہ باہمی مسلح کشمکش اور خون ریزی میں الجھ کر رہ گئی جس کا خمیازہ امت مسلمہ آج تک بھگت رہی ہے۔

اسی سیاسی و مذہبی کشمکش اور اختلاف کے نتیجے میں امت مسلمہ میں کئی نظریاتی فرقے وجود میں آئے جن میں سے بعض نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے معاملے میں حد درجہ افراط اور بعض نے مقابلے میں آ کر حد درجہ تفریط سے کام لیتے ہوئے ان کی تنقیص و تحقیر اپنا وطیرہ بنا لیا۔ اس صورتحال کے نشاندہی کرتے ہوئے مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے زیر تبصرہ کتاب کے بالکل آغاز میں ''سوانح میں افراط و تفریط'' کے عنوان سے لکھا ہے:

''جناب سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ذات والا صفات کے حق میں بعض لوگ افراط کیے ہوئے ہیں۔ یہ اپنے طبقہ کو شیعیان علی سے تعبیر کرتے ہیں، ان کو روافض کہا جاتا ہے اور بعض لوگ تفریط اور کوتاہی کرتے ہیں ان کو نواصب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور یہ سلسلہ پوری تاریخ میں برابر چلا آیا ہے۔ اس دور میں بھی ہمارے ملک میں یہ افراط و تفریط موجود ہے اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی پیش گوئی کی تھی کہ میرے بارے میں دو طرح کے گروہ پیدا ہو جائیں گے اور صحیح لوگ ان میں درمیانے درجے میں ہوں گے۔

ان احوال کے پیش نظر کوشش کی ہے کہ جادۂ اعتدال پر چل کر حتی المقدور صحیح چیزیں مرتب کی جائیں۔''[1]

فاضل مصنف نے درج بالا عبارت کے خط کشیدہ لفظ (تفریط) پر ایک حاشیہ کے تحت اس تفریط کی نشاندہی اور ایک مثال دیتے ہوئے لکھا ہے:

''قولہ تفریط: پاکستان میں ''شمائل علی'' کے نام سے حال ہی میں ایک کتاب کراچی میں نذیر احمد شاکر کی جانب سے شائع ہوئی ہے جس میں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حد درجہ تحقیر و تنقیص کی گئی ہے اور آنجناب رضی اللہ عنہ کے مرتبہ و مقام کو گرانے کے لئے بڑی بے باکی کے ساتھ واقعات کی قطع و برید کی گئی ہے اور انہیں نہایت قبیح شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اولاد حضرت حسنین شریفین کے ساتھ بھی ان کو قلبی عناد ہے جیسا کہ اس کے مندرجات سے ظاہر ہے۔ قیام پاکستان کے بعد یہ لوگ کراچی میں نمودار ہوئے اور اب یہ دیگر شہروں میں پھیلتے جا رہے ہیں۔ ان ہر دو فرقوں ''نواصب'' اور ''روافض'' کا تقابل بڑا خطرناک اور عبرتناک ہے۔ دونوں طبقے تفریط و افراط کی راہ لئے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے اہل اسلام کو نقصان عظیم پہنچ رہا ہے۔''[2]

---

[1] سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، مطبوعہ دار الکتاب لاہور جولائی ۲۰۱۳ء، ص ۱۸۔
[2] حوالہ مذکور۔

بہر کیف زیر تبصرہ کتاب میں مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے جادۂ اعتدال پر چلتے ہوئے ''سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' مرتب کر کے بہت بڑی علمی خدمت سرانجام دی ہے۔ زیر نظر کتاب میں انہوں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے نسب وخاندان کی بقدرے ضرورت تفصیل کے بعد ان کی سوانح کو چار ادوار میں تقسیم کیا ہے۔

پہلا دور:

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ولادت سے لے کر ہجرت نبوی سے قبل کے زمانے پر مشتمل ہے جس میں ان کی ولادت، سن ولادت، صغر سنی کے ایام، اسلام لانا، واقعہ دعوت عشیرہ وغیرہ کی تفصیل سنی وشیعہ کتب سے درج ہے۔

دوسرا دور:

یہ دور واقعہ ہجرت سے شروع ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات تک کے عرصہ کو محیط ہے۔ جس میں واقعہ ہجرت، مؤاخات، غزوۂ بدر اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، سیدنا فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ان کا نکاح، مراسم شادی کی تفصیل، غزوۂ احد اور سیدنا علی، غزوۂ خندق اور غزوۂ بنی قریظہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شرکت، صلح حدیبیہ، غزوۂ خیبر کے متعلقات، عمرۃ القضا، فتح مکہ، غزوۂ تبوک میں حضرت علی کی جانشینی، واقعہ مباہلہ، حضرت علی کی یمن روانگی، متعلقہ غدیر خم اور وفات نبوی کے موقع پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمات کی تفصیل درج ہے۔

تیسرا دور:

تیسرا دور خلفاء ثلاثہ کے ایام خلافت میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے کردار اور خلفاء ثلاثہ کے ساتھ حکومتی معاملات میں ان کے بھرپور تعاون، خلفاء ثلاثہ کے ان پر مکمل اعتماد اور بعض دیگر خدمات کی تفصیل پر مشتمل ہے۔

چوتھا دور:

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اپنی خلافت کے زمانے کے واقعات، ان کے اپنے نظام حکومت، عدل وانصاف، افتاء قضا، جنگ جمل وصفین کے اسباب وواقعات، بعض شبہات کا ازالہ، ان کے ذاتی فضائل ومناقب، بعض فقہی مسائل میں ان کی رائے اور آخر میں ان کی شہادت کا واقعہ اور ازواج واولاد کے مختصر تذکرہ پر مشتمل ہے۔

تعارف بالفاظ دیگر:

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داماد اور چوتھے خلیفہ ہیں۔ بچوں میں آپ سب سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ تمام غزوات میں برابر شریک رہے۔ غزوۂ خیبر میں ایک قلعہ آپ کے ذریعہ فتح ہوا جس کی وجہ سے فاتح خیبر کے لقب سے مشہور ہوئے۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان حضرات میں سے ہیں جن کے متعلق امت کے بعض طبقات نے کافی افراط و تفریط سے کام لیا ہے۔ بعض حب علی کی آڑ میں صحابہ کرامؓ پر سب وشتم کرتے ہیں تو بعض حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق بدگمانی رکھتے ہیں۔ افراط وتفریط سے الگ ہو کر درمیانی راستہ اختیار کر کے آپ نے زیر نظر کتاب لکھی ہے جس کے عنوانات ہیں: حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب اور حالات زندگی، عہد نبوی اور حضرات خلفائے ثلاثہؓ کے عہد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمات...... حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت کے احوال، جنگ جمل اور صفین کے پس منظر اور پیش منظر پر غیر جانبدارانہ اور محققانہ گفتگو، اپنوں اور غیروں کے پھیلائے ہوئے شبہات کا ازالہ، مسئلہ خوارج، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فتوے، معاملات میں عدل وانصاف، معاشرتی ومعاشی حالات، خصوصی امامت کا مسئلہ اور ائمہ کا مقام، بعض نصائح اور وصایا...... سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور بعض فقہی مسائل، سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ...... تردید مسئلہ رجعت، آپ رضی اللہ عنہ کی اولاد۔

اس کامیاب کاوش پر حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی کتابوں کے ناشر مبارک باد کے مستحق ہیں۔

چند تبصرہ جات

اہل علم نے زیر نظر کتاب ''سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' کو کیسا پایا اور کن نظروں سے دیکھا؟ اس کے لئے چند حضرات کے تبصرے ذیل میں ملاحظہ ہوں۔

تبصرہ ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی:

سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ ہمارے زمانے کے ان علماء اور محققین میں سے ہیں جن کے تصور سے قحط الرجال کے ہولناک تاثر میں کمی آتی ہے۔ شیعیت ان کا خاص موضوع ہے لیکن شیعیت کی تردید میں انہوں نے مناظرانہ انداز اختیار کرنے کے بجائے مفاہمانہ روش اختیار کی ہے اور اپنے مخالفین کے لئے کبھی کوئی ثقیل لفظ استعمال نہیں کیا اور اس کے باوجود خالص علمی اور تحقیقی بنیادوں پر بلا مبالغہ شیعہ مفروضات کے پرخچے اڑا دیئے۔

یوں تو مولانا کی ہر تالیف قابل ستائش ہے لیکن خاص طور سے ان کی کتاب ''رحماء بینھم'' اپنے موضوع پر ایسی لاجواب کتاب ہے کہ اردو اور فارسی تو کجا، عربی میں بھی اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔

زیر نظر کتاب بھی ان کی تحقیق ونظر کا شاہکار ہے۔ اس کا مرکزی موضوع حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سوانح حیات

ہے لیکن اس کے ضمن میں بہت سے عقائد اور تاریخی نظریات کے مسائل تحقیقی انداز میں زیر بحث لائے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ کتاب ہر مسلمان کے گھر میں پہنچنی چاہیے۔ احقر نے فاضل مؤلف کی خدمت میں بعض طالب علمانہ مشورے بھی پیش کیے ہیں جو انہوں نے فراخ دلی سے قبول فرمائے ہیں۔ بہرصورت! یہ کتاب اپنے موضوع پر بلند پایہ کتاب ہے۔

(ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی، از مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، شوال المکرّم ۱۴۱۳ھ)

روزنامہ ''مشرق'' میں عابد انصاری کا تبصرہ:

سوانح یا سیرت نگاری، تحریر اور انشاء پردازی میں غالباً سب سے زیادہ مشکل اور محنت طلب صنف ہے۔ اس راہ میں قدم قدم پر سیرت نگار کو ایسے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے جو اکثر بہت صبر آزما اور حوصلہ شکن ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ یہاں تخیل کی پرواز نہیں بلکہ واقعات اور معاملات کی صداقت کو پیش نظر رکھنا ہوتا ہے اور اگر یہ سیرت خلیفہ چہارم حضرت امیر المؤمنین سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ہو تو سیرت نگار کی مشکلات میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے کیونکہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ذات والا صفات کے بارے میں عالم اسلام کی اکثریت افراط وتفریط میں مبتلا نظر آتی ہے۔ ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے جو اس سلسلے میں اعتدال سے کام لیتے ہیں۔ حالانکہ خود سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ میرے بارے میں دو طرح کے گروہ پیدا ہو جائیں گے لیکن صحیح لوگ ان میں سے وہ ہوں گے جو درمیانی درجہ میں ہوں گے۔

سیّدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی سوانح عمری لکھنے کے بارے میں مشہور دانشور اور صاحبِ علم ڈاکٹر حمید اللہ تحریر فرماتے ہیں: ''تاریخ اسلام کے کسی شخص کی سوانح عمری لکھنا غالباً اتنا دشوار نہیں ہوتا جتنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی۔ کیونکہ بدقسمتی سے اس میں عقائد سے تعلق پیدا ہو گیا ہے اور سنی وشیعہ معتزلی اور خارجی مؤرخ بھی بے شعوری میں جذبات سے اتنے متاثر ہو جاتے ہیں کہ آج ساڑھے تیرہ سو سال کے بعد بھی دامن سمیٹ کر کوئی ایسی چیز لکھنا آسان نہیں ہے جسے سب قبول کر سکیں۔''

مگر مشکل کو آسان بنانا ہی مردانِ حق کا شیوہ رہا ہے اور الحمد للہ آج اس نفسا نفسی کے دور میں بھی مردانِ حق، صاحبانِ بصیرت اور اربابِ علم ودانش موجود ہیں جو نوع انسانی کی فلاح کے لئے مشکل کاموں کو آسان بنانے میں شب وروز مصروف رہتے ہیں۔ مولانا محمد نافع جو ایک نامور محقق اور عالم دین ہیں ان کا شمار بھی انہی مخلص اور دینی خدمت کے جذبہ سے سرشار حضرات میں ہوتا ہے۔ مولانا نے بڑی تحقیق وجستجو اور مطالعہ کثیر کے بعد ''سیرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ'' کو مرتب کیا ہے۔ اس کتاب کو مرتب کرنے کے لئے انہوں نے دنیائے اسلام کی مستند ترین کتابوں کا عمیق مطالعہ کیا ہے اور بے شمار شہرہ آفاق تاریخی دستاویزات سے استفادہ کیا ہے۔ مولانا محمد نافع

جامعہ محمدی شریف، چنیوٹ، ضلع جھنگ کے نائب ناظم اور ادارہ تحقیق و تالیف اور دارالافتاء کے مہتمم بھی ہیں۔ انہوں نے قبل ازیں کئی دینی تحقیقی کتب مرتب کی ہیں اور علمی و دینی حلقوں میں خاصی شہرت رکھتے ہیں۔

سیرت سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو تحریر کرتے ہوئے مولانا محمد نافع نے جن عظیم اور گرانقدر کتب سے استفادہ کیا ہے ان میں سے چند ایک کے نام یوں ہیں: سیرت ابن ہشام، طبقات ابن سعد، تاریخ الخمیس، تاریخ ابن خلدون، مسند امام احمد، صحیح بخاری شریف اور البدایہ لابن کثیر۔ ان شہرۂ آفاق تصانیف کے نام ہی اس بات کی ضمانت کے لئے کافی ہیں کہ مولانا کی سیرت نگاری میں کتنی جامعیت ہے اور جو واقعات اور بیانات انہوں نے اپنی کتاب میں تحریر کئے ہیں ان کی صداقت ہر قسم کے شکوک وشبہات سے بالاتر ہے۔

سیرت سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مولانا نے قاری کی آسانی کے لئے چار ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ دورِ اوّل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولادت کے ذکر سے شروع ہوتا ہے اور ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام ہوتا ہے۔ دوسرا دور واقعہ ہجرت سے لے کر انتقال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے دوران پیش آئے اہم واقعات پر مشتمل ہے۔ دور سوئم خلفائے راشدین ماسوائے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سب کے حالات اور اذکار کے بیان پر مبنی ہے۔ دور چہارم کا عنوان عہد علوی ہے اور اس کا آغاز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بحیثیت خلیفہ ہونے کے واقعات کے بیان سے ہوتا ہے۔ اس باب میں مصنف نے ان کے عہد خلافت کے تمام اہم واقعات بالخصوص جنگ جمل اور جنگ صفین کے حالات پر بہت تفصیل سے لکھا ہے۔ انہوں نے ان عوامل اور تحریکات پر بھی روشنی ڈالی ہے جو مذکورہ جنگوں کی اصل بنا قرار دی جاتی ہیں۔ اس سلسلے میں مولانا نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کی ایک خاص تعداد اس وقت بلادِ شام میں موجود تھی، کے ارشادات کے حوالے دیئے ہیں۔ انہوں نے علماء کبار سے منقول بہت سی روایات کا بھی ذکر کیا ہے اور یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ جنگ وقتال بر بنائے عناد وفساد ہرگز نہیں تھے۔ جیسا کہ بعض زائغ عن الحق ناقلین نے لوگوں میں رائج کرنے کی کوشش کی تھی۔

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں جو اہم اور منفرد کام انجام دیا ہے وہ یہ ہے کہ ہر اہم اور قابل ذکر واقعہ کے ذکر کے ساتھ ساتھ جو شکوک وشبہات صدیوں سے منسوب چلے آرہے ہیں ان کے ازالے کے سلسلے میں مستند اقوال اور روایات نقل کر دی ہیں تا کہ قاری کو صحیح نتیجہ اخذ کرنے میں قدرے آسانی میسر آجائے۔

سیرت سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مطالعہ سے ان شکوک وشبہات کا بخوبی ازالہ ہو جاتا ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بارے میں ایک عرصہ سے دلوں میں گھر کر چکے ہیں۔ مولانا محمد نافع نے اپنی اس قدرے ضخیم تالیف میں تمام متنازعہ فیہ مسائل کا تذکرہ کر دیا ہے جو عامۃ المسلمین کے ذہنوں میں صاحبان عناد راویوں کی کتب پڑھ کر پیدا ہو گئے ہیں اور جس کی بنا پر سادہ دل مسلمانوں کی اکثریت صحابہ

کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سلسلے میں ظن وتخمین اور افراط وتفریط میں مبتلا ہوگئی ہے۔اس کتاب کے مطالعہ سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اس تالیف کا مقصدِ اولیٰ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عظمت اور ان کے صحیح مقام کی شناخت کرانا اور ان برگزیدہ ہستیوں سے قلبی ارادت وعقیدت کو دوبارہ دلوں میں پیدا کرنا ہے۔اس دینی خدمت کے لئے جو مساعی جمیلہ مولانا محمد نافع نے فرمائی ہیں اس کے لئے وہ یقیناً قابل ستائش ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر مرحمت فرمائے۔آمین

(روزنامہ مشرق لاہور، ۲ رنومبر ۱۹۹۲ء)

ہفت روزہ ''زندگی'' لاہور کا تبصرہ:

''خلفائے راشدین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ ترتیب کے لحاظ سے چوتھے نمبر پر ہیں۔اہل سنت کے نزدیک کبار صحابہ میں یہ چاروں نفوس قدسیہ مقام ومرتبہ میں برابر درجہ رکھتے ہیں۔ان چاروں کو اسلام میں ممتاز ترین مقام اس لئے بھی حاصل ہے کہ اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جنت کی بشارت دی اور یہ عشرہ مبشرہ میں خدا کے حکم سے شامل کئے گئے۔حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اسلام میں انتشار اور اسے زک پہنچانے والوں کی کمی نہیں رہی۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دور مبارک ایسے ہی مفسد لوگوں کی سرکوبی کرتے گزر گیا۔اس زمانے میں خوارج اور اسلام دشمنوں کو اسلام کے مضبوط قلعے میں نقب لگانے کا موقع ملا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بڑی بصیرت اور جرأت کے ساتھ ان لوگوں کی شرارت اور فتنہ پردازیوں کا مقابلہ کیا اور بیشتر میں کامیاب بھی رہے۔ شیعان علی کے بطور ایک فرقہ اٹھ آنے پر معاملات خاصے الجھ سے گئے۔ایک فرقہ واضح طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بقیہ تینوں خلفائے راشدین پر متقدم، محترم اور برتر ثابت کرنے پر تل گیا اور اس کے لئے دور دور سے کوڑیاں لائی گئیں۔اسی زمانے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ تاریخی فقرہ کہنا پڑا: ''میری وجہ سے اسلام کے دو فرقے جہنم میں جائیں گے: ایک وہ جو محبت میں غلو کرتے ہوئے بے جا تعریف وتوصیف کرنے پر اتر آئے ہیں اور دوسرا وہ جو میری دشمنی میں بے جا تنقید وتنقیص کا درجہ اختیار کر لیتے ہیں۔''

اہل سنت اور اہل تشیع کی سینکڑوں سال کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ دونوں گروہ کئی مقامات پر آمنے سامنے کھڑے نظر آتے ہیں۔خلافت کا مسئلہ ہو، چاہے باغِ فدک، انت منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ علیہ السلام کا مسئلہ ہو، چاہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تراویح پڑھانے کا، چاہے خیبر کے موقع پر علم نبوی حاصل کرنے پر، ہر ہر گروہ اپنی بات ثابت کرنے پر تلا نظر آتا ہے۔بعض کتابیں ایسی بھی منظر عام پر آئیں جو افراط وتفریط کا شکار تھیں۔جن کی بدولت معاملات ومسائل مزید الجھن کا باعث بن گئے۔ایسے میں کسی ایسی تصنیف کا معرض عمل میں لانا جس میں نہایت احتیاط اور تحقیق کے واقعی اصولوں کو مدنظر رکھا گیا ہو اور جس کی بدولت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات مبارک کی ایسی

تصویر کشی کی گئی ہو جو اہل تشیع و اہل سنت ہر دو فرقوں کے لئے قبول ہو۔ ایک عظیم کارنامہ قرار دیا جانا چاہیے اور یہ کارنامہ معروف عالم دین اور محقق جناب مولانا محمد نافع نے اپنی تازہ ترین تصنیف ''سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' کی شکل میں انجام دیا ہے۔

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے اسلام کے لئے نفع بخش قلم نے حیات علی رضی اللہ عنہ سے وابستہ بہت سے تاریخی واقعات کی پہلی مرتب نہایت صحت کے ساتھ گرہ کشائی کی ہے۔ جنگ صفین کا سانحہ ہو یا واقعہ مطالبہ قصاص، ہر ہر واقعہ کا تاریخی سند کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے نہایت حکیمانہ انداز میں صلح جوئی کی نیت کے پیش نظر اپنا تشریح کی ہے اور شیعوں اور سنیوں دونوں گروہوں کے مستند ترین اور وقیع محققوں اور مؤرخوں کی کتابوں کے حوالے دیئے ہیں۔ مولانا محمد نافع صاحب نے اہل تشیع کی ۷۳ کتابوں کے حوالے شامل کتاب کر کے اسے مزید وقیع اور دلکش بنا دیا ہے۔ کتاب کی تیاری میں جناب نصرت علی اثیرؔ نے بھی اپنا مؤثر اور تحقیقی کردار ادا کیا ہے۔ اللہ دونوں حضرات کی عمر دراز کرے۔ واقعہ یہ ہے کہ موجودہ دور انتشار وافتراق کا دور ہے۔ اب یہ بات شدت سے محسوس کی جا رہی ہے کہ فرقہ واریت سے بلند تر ہو کر تصنیف و تالیف کے میدان میں ایسے کام کئے جائیں جو اتحاد امت کا باعث بن سکیں اور الجھنے اور نزاعی مسئلوں کی تشریح بھی اتحاد و یکجہتی کے اصولوں کے پیش نظر کی جائے تا کہ امت محمدیہ کی عظمت کا گمشدہ لعل ایک بار پھر مل جائے۔ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' اس کوشش وسعی کا بہترین ثبوت ہے۔

تبصرہ: (تنویر قیصر شاہد...... ہفت روزہ ''زندگی'' لاہور، ۸ تا ۱۴ اگست ۱۹۹۲ء)

مولانا قطب الدین اُچھالوی کا تأثر:

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی زیر تعارف کتاب چھپ کر محترم مولانا قطب الدین اُچھالوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچی تو انہوں نے اپنے قابل فخر شاگرد کی یہ کتاب پڑھ کر کس تأثر کا اظہار کیا ملاحظہ ہو:

محترمی جناب مولانا محمد نافع صاحب زید مجدکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ! گرامی نامہ پہنچا، مافیہا سے آگاہی ہوئی یاد آوری کا شکریہ...... بندہ کی پہلے کی بہ نسبت طبیعت اچھی ہے۔ کسی نہ کسی وقت مسجد میں بھی چلا جاتا ہوں لیکن نماز کھڑے ہو کر ابھی نہیں پڑھی جاتی ہے۔ آپ کی دعا کی ضرورت ہے۔ سیرت سیدنا حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ جو جناب نے عطا فرمائی، اسی دن اس کا مطالعہ شروع کر دیا تھا اور اب مکمل پڑھ لی ہے۔ مجھے اس کی کوئی بات خلافِ واقعہ نظر نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ آپ کی محنت اور سعی کو قبول فرمائے اور لوگوں کو اس کے پڑھنے اور اپنی اصلاح کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔

العبد الضعیف قطب الدین عفا اللہ عنہ

بمقام اُچھالہ، تحصیل وضلع خوشاب

دیگر کتابوں کی طرح مولانا کی اس کتاب نے بھی اپنے علمی و تحقیقی معیار کا لوہا منوایا۔ اہل سنت و الجماعت کے تمام مکاتب فکر نے بنظر استحسان دیکھا۔ اپنی لائبریریوں کی زینت بنایا اور قدردانی کا حق ادا کیا جبکہ اہل تشیع کے انصاف پسند طبقات کو غور کرنے کا موقع ملا اور کوئی بھی عالم آج تک کتاب ہذا کے مندرجات میں سے کسی ایک پر بھی انگشت نمائی کرنے کی ہمت نہ کرسکا۔ الحمد للہ علی ذالك

سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (جلد اوّل)

اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوئی تقابل نہیں۔ جمہور ائمہ دین کے مطابق ان کی خلافت بھی خلافت راشدہ نہیں تھی۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ صفین اور دوسرے سیاسی اختلافات میں وہ صواب پر نہیں بلکہ خطا پر تھے۔ مگر یہ بات بھی مسلم حقیقت ہے کہ وہ صحابی رسول تھے اور قرآن وحدیث کی رو سے صحابی کا مرتبہ ومقام اور تعظیم وتوقیر اہل علم سے مخفی نہیں۔ صحابی ہونے کے ساتھ ساتھ وہ کاتب وحی اور حضور کے برادر نسبتی بھی تھے۔ ائمہ کبار کی صراحت کے مطابق سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ان کا اختلاف کسی عناد یا ذاتی وسیاسی مفاد کی بنیاد پر نہیں بلکہ اجتہاد کی بنیاد تھا اور شرعی نقطہ نظر سے مجتہد اجتہادی خطا پر بھی ایک اجر کا مستحق قرار پاتا ہے۔ اسی طرح ان کے وصال کے بعد ان کے بیٹے یزید نے جو گل کھلائے اس کا بھی انہیں ذمے دار ٹھہرانا انصاف وعقل کے خلاف ہے۔ پھر حضرت امام حسن کا ان سے صلح کر کے ان کی حکومت وخلافت کو تسلیم کر لینا بھی امر واقعہ ہے۔ اس سب کچھ کے باوجود ان سے بے جا تعصب برتا جاتا ہے۔ انہیں نامناسب الفاظ میں یاد کرنا، ان پر الزامات کی بارش برسانا بعض لوگوں کا وطیرہ ہے اور اس سلسلہ میں وہ خوف خدا اور دیانت دونوں کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔ یہ معاملہ انتہائی تکلیف دہ ہے کہ شیعہ تو درکنار اہل السنت کہلانے والے بہت سے عوام وخواص بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں اور ان کے دل اچھے جذبات سے اور ان کی زبانیں اچھے کلمات سے محروم ہیں۔ ان جذبات اور گستاخانہ کلمات کو یہاں دہرانا شاید مناسب نہ ہو۔

کتنے ہی دکھ کی بات ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اس گھرانہ سے اپنا رشتہ جوڑ رہے ہیں۔ حضرت امِ حبیبہ رضی اللہ عنہا کو شرف زوجیت عطا فرماتے ہیں جو کہ حضرت ابوسفیان کی بیٹی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہن ہیں لیکن بہت سے مسلمان کہلانے والے لوگ ان بزرگ ہستیوں کو مورد الزام ٹھہراتے ہوئے ان کی خدمات سے طوطا چشمی اختیار کر لیتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سسرال پر سب وشتم کرنے سے بات کہاں تک پہنچتی ہے اور بالواسطہ طور پر وہ کس عظیم ہستی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کر رہے ہیں؟

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سوانح اور ان کی اجلی سیرت پر ڈالے شکوک وشبہات کے پردوں کو ہٹانے کی سعادت امت محمدیہ میں سے بہت سے بزرگوں نے حاصل کی ہے۔ ہمارے مخدوم، محقق العصر حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہیں۔

مضامین کتاب پر ایک نظر:

کتاب کے ابتدائی ۳۲ صفحات بطور تمہید کے صحابہ کرامؓ کے عمومی فضائل پر مشتمل ہیں۔ فاضل مصنف نے مقام صحابہ کرام کو واضح کرنے کے لئے درج ذیل آیات سے استدلال کیا ہے:

۱- كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ ○

۲- وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ○

۳- يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ ○

۴- لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ...... وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

۵- وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَّنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ أُولٰٓئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ○

آیات مذکورہ سے عظمت صحابہؓ ثابت کرنے کے بعد مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے پانچ احادیث اس موضوع پر پیش کی ہیں۔ پھر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال تحریر کئے ہیں۔

بعدازاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معیارِ حق ہونے کی شاندار تشریح کی ہے اور عدالتِ صحابہؓ پر منکرین جو اعتراضات وارد کرتے ہیں، ان کا گیارہ صفحات پر مسکت جواب دیا گیا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے چار دور

پہلا دور: (ولادت تا آخر عہد نبوی)

اس دور کی تفصیلات صفحہ ۵۷ تا ۱۳۳ پر پھیلی ہوئی ہیں۔

سب سے پہلے بنی امیہ کا امتیازی مقام بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرح بنی امیہ کا خاندان بھی مظلومیت کا شکار ہے۔

بعض تاریخ نویسوں نے بنی امیہ کے روشن کردار کو داغ دار کرنے کی کوشش کی ہے۔ فاضل مصنف ناقابل تردید دلائل کے ساتھ بنی امیہ کا اصل مقام اجاگر کرتے ہیں اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی قبل از اسلام کی زندگی کے حوالہ سے ایک شبہ کا ازالہ کرتے ہیں۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ہند رضی اللہ عنہا بنت عتبہ کی بعد از اسلام کی خدمات کو تفصیل سے اجاگر کیا ہے جو کہ تقریباً دس صفحات پر مشتمل ہے۔

بنی ہاشم اور بنی امیہ کی رشتہ داری:

صدیوں سے بنی ہاشم اور بنی امیہ کی باہمی عداوت کا چرچا جاری ہے حالانکہ حقائق اس کے برعکس ہیں۔ باہمی عداوت کے پروپیگنڈہ کے برعکس ان دونوں خاندانوں میں محبت و الفت کے روابط تھے اور باہم رشتہ داریاں تھیں۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصانیف میں جابجا ان رشتہ داریوں پر روشنی ڈالی ہے۔ زیر نظر کتاب میں آپ نے باحوالہ ثابت کیا ہے کہ:

۱- ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ بنت ابی سفیان نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ تھیں اور اس طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے برادر نسبتی تھے۔

۲- حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم زلف تھے۔ وہ اس طرح کہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ کی بہن قریبۃ الصغریٰ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔

۳- حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ ہند بنت ابی سفیان، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی حارث بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کے نکاح میں تھیں۔

۴- حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے فرزند علی اکبر کی نانی حضرت میمونہ حضرت ابوسفیان بن حرب کی بیٹی تھیں۔ بالفاظ دیگر حضرت امام حسین کی زوجہ لیلیٰ بنت ابی مرہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بھانجی ہیں۔ بالفاظ دیگر حضرت امام حسین کی ساس، حضرت امیر معاویہ کی ہمشیرہ ہیں۔

۵- حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب کی پوتی لبابۃ بنت عبیداللہ بن عباس حضرت امیر معاویہ کے بھتیجے ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کے نکاح میں تھیں۔

ان رشتہ داریوں کو باحوالہ لکھنے کے بعد فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں:

''مندرجات بالا سے معلوم ہوا کہ خاندان امیر معاویہ خاندان بنو ہاشم کے قریب تر ہے اور یہ کوئی غیر قبیلہ نہیں بلکہ سب اولاد عبد مناف ہیں۔ نیز یہ بات بھی واضح ہوئی کہ ان ہر دو خانوادوں میں قبائلی عصبیت اور نسلی

تعصب نہیں تھا۔ اسلام کے آنے کے بعد دیرینہ عداوتیں اور دھڑے بندیاں ختم ہو چکی تھیں۔ جو لوگ ان دونوں قبیلوں کے درمیان قبل الاسلام والی عداوت اور عناد کو بعد الاسلام بھی قائم اور ثابت رکھنا چاہتے ہیں اور وہ حضرات اسے پھر سے قائم کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں وہ قبائلی تعصب کا پرچار کرتے ہیں اور یہ درست نہیں۔ حقیقت واقعہ کے برخلاف ہے اور یہ رشتہ داریاں اس تخیل کے غلط ہونے پر بطور واقعات کے شاہد عادل ہیں۔ اسلام نے ان قبائل کو ایک دوسرے کے قریب تر کر دیا تھا اور انہیں جاہلی تعصب سے دور کر دیا تھا اور دینی روابط ان پر غالب آگئے تھے۔'' (ص ۸۰)

اس کتاب میں درج ذیل عنوانات پر مدلل انداز میں گفتگو کی گئی ہے:

۱- حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام
۲- دورِ نبوت میں غزوات میں شرکت اور حصول غنائم
۳- عہد نبوی میں مناصب
۴- حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خصوصی واقعات وفضائل
۵- حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی عدم فضیلت کے شبہ کا ازالہ
۶- امارت وخلافت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
۷- حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے منکرین کا رد

دوسرا دور:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے دوسرے دور میں فاضل مصنف نے ثابت کیا ہے کہ خلفائے راشدینؓ کے دور میں بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اہم منصب ملتے رہے اور آپ اہم خدمات سرانجام دیتے رہے مثلاً منصب کتابت اور وثیقہ نویسی۔

اور آپ غزوات میں بھی شریک ہوتے رہے۔ صفحہ ۱۳۹ پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ایک جنگی حکمت عملی پر بحث کی گئی ہے کہ وہ اکابر صحابہ کو چھوڑ کر اصاغر کو کیوں عامل بنایا کرتے تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اردن، دمشق، قیساریہ، عسقلان کی مہمات میں دوسرے صحابہ کرام کے شانہ بشانہ حصہ لیا اور ان علاقوں کو فتح کر کے اسلام کا جھنڈا لہرایا۔ حضرت امیر معاویہ جب گورنر شام تھے تو حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ انہیں وقتاً فوقتاً امور سلطنت کے متعلق ہدایات بھیجا کرتے تھے۔ کتاب ہذا کے صفحہ ۱۵۳ تا ۱۶۰ میں ان ہدایات واحکامات کو نقل کیا گیا ہے۔

تیسرا دور (عثمانی):

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب شہید ہو گئے اور حضرت سیدنا عثمان غنی خلیفہ منتخب ہوئے تو انہوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو نہ صرف امارت شام پر برقرار رکھا بلکہ انہیں بحری بیڑہ تیار کرنے اور رومی سلطنت کے ماتحت علاقوں کو فتح کرنے کی بھی اجازت عنایت فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میری امت میں سے پہلا لشکر جو بحری جنگ لڑے گا وہ جنتی ہے۔ حضرت ام حرامؓ بھی اس لشکر میں شامل تھیں جس نے سب سے پہلے بحری معرکہ لڑا اور قبرص کو فتح کیا اور بے شمار مال غنیمت حاصل کیا۔ یہ معرکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں لڑا گیا تھا۔ حضرت ام حرامؓ اس غزوہ میں شہید ہوئیں اور جزیرہ قبرص میں ان کی قبر بنی۔

صفحہ ۱۷۹ تا ۱۸۵ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی جلاوطنی کے حوالہ سے حقیقت حال واضح کی گئی ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے اختلاف دراصل فقہی اختلاف تھا۔ اس سلسلہ میں ہر دو مذکورہ بزرگوں پر جو طعن کیا جاتا ہے اس کا مدلل جواب دیا گیا ہے۔ اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے طویل عرصہ گورنر شام رہنے کے حوالہ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر مشترکہ طعن کیا جاتا ہے، اس طعن کا مسکت جواب دیا گیا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دفاع:

خلافت عثمانیہ کے آخر چند سال جو شورش برپا رہی اور مفسدین سر اٹھاتے رہے۔ ان کی سرکوبی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دفاع کے لئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو حفاظتی تدابیر اختیار کی تھیں ان کا مفصل تذکرہ کتاب میں موجود ہے۔

قاتلین عثمان کیسے افراد تھے؟

کیا قتل عثمان پر صحابہ رضی اللہ عنہم راضی تھے؟

کتاب میں ان سوالات کا مدلل جواب موجود ہے۔

جنگ صفین کا پس منظر و پیش منظر:

حضرت مولانا محمد نافع نے صفحہ ۱۸۲ تا ۲۹۱ جنگ صفین کے پس منظر و پیش منظر پر انتہائی فاضلانہ گفتگو کی ہے۔ آپ کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ ہمیشہ افراط و تفریط سے ہٹ کر مسلک اعتدال کو اپناتے ہیں اور جمہور علماء کرام کی رائے اختیار کرتے ہیں۔ جنگ صفین کے اسباب و نتائج محتاط انداز میں اور اس طریقہ سے تحریر کئے گئے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کی محبت میں قاری اضافہ محسوس کرتا ہے۔ جنگ صفین کے ثالث

حضرات حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حضرت مغیرہ بن شعبہ کا بعض مؤرخین نے نازیبا اوصاف سے تذکرہ کیا ہے، دکھ تو یہ ہے کہ ان مؤرخین میں اہل السنت کہلانے والے بعض نادان دوست بھی ہیں۔ حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی، حضرت امیر معاویہ، حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم اجمعین پر سے مؤرخین کے لکھے ہوئے الزامات کو مدلل اور مؤثر انداز میں دُور کیا ہے۔ حضرات صحابہ کرام کا کامیاب دفاع کرنے پر آپ تمام امت محمدیہ کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں۔ آپ کو بجاطور پر وکیل صحابہؓ کا لقب دیا جا سکتا ہے۔

مزید عنوانات:

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے جنگ صفین کے متعلقات لکھنے کے بعد درج ذیل عنوانات پر قلم اٹھایا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ شہادت، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت اور ان کی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دست برداری، صلح کا واقعہ اور صلح کے متعلق شبہات کا ازالہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا متفقہ طور پر خلیفہ منتخب ہونا۔

چوتھا دور:

اس دور میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت کے حالات لکھے گئے ہیں۔ مختلف بغاوتوں کا سدباب، غزوہ قسطنطنیہ اور بعض دیگر مہمات، آپ کے زمانہ خلافت کے عہدہ داروں، ولاۃ واحکام، قضاۃ وفقہاء و معلمین کے حالات درج ہیں اور یہ مفصل تذکرہ کیا گیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا حکومتی نظام کس طرز کا تھا۔ پانچویں فصل میں آپ کے علمی وثقافتی کارناموں کا حال لکھا گیا ہے۔ چھٹی فصل میں آپ کے مکارم اخلاق اور معمولات زندگی اور ساتویں فصل میں آپ کے زہد وتقویٰ کا حال مفصل درج کیا گیا ہے۔ آٹھویں فصل میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بعض کرامتوں کا تذکرہ ہے۔

فصل نمبر ۹ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بنی ہاشم کے ساتھ تعلقات کا جائزہ لیا گیا ہے اور مدلل طور پر شیعہ وسنی حضرات کی کتابوں سے ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہاشمی حضرات خصوصاً حضرت عقیلؓ، حضرت حسنؓ وحسینؓ، محمد بن الحنفیہ، عبداللہ بن جعفر اور حضرت زین العابدین کو بیت المال سے عطیات دیا کرتے تھے۔

فصل نمبر ۱۰ میں مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے امہات المؤمنین خصوصاً سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خوشگوار تعلقات کو ثابت کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دینی امور میں امہات المؤمنین سے رہنمائی حاصل کرتے تھے۔

فصل نمبر ۱۱، اس فصل میں اسلامی حکومت کی وسعت، بیعت یزید کا مسئلہ، مقام ابواء کا خطبہ شام میں

نصف مال دینا، آثار نبوی سے تبرک، وصیتیں، وفات، جنازہ، کفن ودفن، مزار حضرت امیر معاویہ سے شیعوں کا سلوک، ازواج واولاد جیسے عنوانات پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔

فصل نمبر ۱۲ کتاب کی آخری فصل ہے جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لے کر مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا احمد رضا خان بریلوی تک بیسیوں مشاہیر امت، کی زبانی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب تحریر کئے گئے ہیں۔

تبصرہ جات

گزشتہ تفصیل کے مطابق یہ معرکۃ الآراء کتاب زیور طبع سے آراستہ ہوئی تو اہل علم نے اسے کیسا پایا۔ ان کے اس کے بارے میں کیا تاثرات تھے۔ چند تبصرہ جات ملاحظہ ہوں۔

ماہنامہ ''بینات'' کا تبصرہ:

علمی میدان میں حضرت مولانا محمد نافع صاحب دامت برکاتہم کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ کے قلم حقیقت رقم سے متعدد شاہکار کتابیں نکل کر علماء وعوام سے دادِ تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ حال ہی میں آپ نے کاتب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلیل القدر صحابی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت پر دو ضخیم جلدوں میں کتاب مرتب فرمائی ہے۔ یہی کتاب اس وقت ہمارے پیش نظر ہے۔ اس کتاب کی جلد اول میں تفصیل کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت کو بیان کیا گیا ہے جبکہ جلد دوم میں آپ رضی اللہ عنہ پر کئے جانے والے تقریباً اکتالیس اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔

مولانا موصوف نے جلد اول میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت کو چار ادوار میں تقسیم کیا ہے:

دورِ اوّل میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ولادت سے لے کر عہد رسالت کے اختتام تک کے حالات ہیں۔

دور دوم میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد سے لے کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت تک کے حالات ہیں۔ دور سوم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد سے لے کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے صلح کے زمانے تک کے حالات ہیں۔ دور چہارم میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اپنے دور خلافت کے حالات ہیں۔

دور چہارم بارہ فصلوں پر مشتمل ہے جن میں سے ہر فصل میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت سے متعلق بیش قیمت معلومات درج ہیں۔ شروع کتاب میں ایک انتہائی وقیع مقدمہ ہے جس میں کتاب وسنت کی روشنی میں مقام صحابہ کرام کو واضح کیا گیا ہے۔ مولانا موصوف نے اپنی دیگر کتب کی طرح اس کتاب میں بھی مناظرانہ رنگ سے ہٹ کر ناصحانہ طرز کو اپناتے ہوئے اکابر علماء اہل سنت کی تحریرات کو پیش کیا ہے۔ آپ کی سنجیدہ، متین اور

منصفانہ تحریر سے نہ صرف کاتب رسول کی شخصیت نکھر کر سامنے آئی ہے بلکہ آپ کی شخصیت پر جو سبائی غبار کے دھندلے سائے تھے وہ بھی صاف ہو گئے ہیں۔ مزید خوبی یہ ہے کہ مولانا کی اس کتاب سے جہاں روافض و خوارج کی بیخ کنی ہوتی ہے وہیں نواصب کا قلع قمع بھی ہوتا ہے۔ غرضیکہ مولانا موصوف کی یہ کاوش اس سلسلہ کی ایک انتہائی سنجیدہ کاوش ہے جسے پڑھ کر بہت سے غلط فہمیوں کا شکار لوگ اپنے خیالات درست کر سکتے ہیں اور بہت سے گم کردہ راہوں کو راہ ہدایت مل سکتی ہے۔ جزاء اللہ عنا وعن جمیع المسلمین خیر الجزاء۔[1]

ہفت روزہ ''تسخیر'' کا تبصرہ:

مختلف نظاموں کا تقابلی مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ اسلام کے سوا دنیا کا کوئی نظام اپنی حقیقی صورت میں کبھی نافذ نہیں ہو سکا۔ ان کی تھیوری اور پریکٹس میں زمین آسمان کا فرق رہا ہے لیکن اسلام اپنے ابتدائی ۳۶ سال اپنی حقیقی شکل وصورت میں نافذ رہا ہے۔ عرب دنیا کی اکھڑ اور وحشی ترین مخلوق تھے۔ ہر طرف خون ریزی اور جنگ وجدال تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان وحشیوں کو دنیا کی انتہائی مہذب اور متمدن ترین قوم بنادیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے قیصر وکسریٰ کی سلطنتیں ان بادیہ نشینوں کے پاؤں تلے آگئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں پہلی اسلامی ریاست قائم کر کے جہانبانی کے اصول واضح طور پر متعین کر دیئے۔ خلافت راشدہ انہی اصولوں پر استوار اور قائم رہی۔

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ خلفائے راشدین کے بعد یہ سلسلہ برقرار نہیں رہ سکا۔ ایسا کیوں ہوا؟ کیا اسلامی نظام میں کوئی نقص تھا یا افراد سے کوتاہیاں سرزد ہوئیں؟ نظام میں سقم ہوتا تو ۳۶ سال کے دوران واضح ہو چکا ہوتا۔ جب تک خلافت علیٰ منہاج النبوہ قائم رہی ''يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللهِ اَفْوَاجًا'' کا عمل جاری رہا۔ نہ صرف خوشحالی رہی بلکہ امن وامان اس درجے پر پہنچ چکا تھا کہ زیورات سے لدی پھندی عورت تنہا مکہ سے یمن تک سفر کر سکتی تھی۔ اسے خدا کے سوا کسی سے خوف نہ تھا۔ خلیفہ اپنی کمر پر بوری لاد کر ضرورت مندوں کے گھر اناج پہنچاتا تھا۔ زکوٰۃ دینے والے مستحقین زکوٰۃ کو تلاش کرتے پھرتے تھے۔ کسی سے ڈھکے چھپے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا تھا تو وہ خود پیش ہو کر اپنے اوپر شرعی حدود نافذ کراتا تھا۔

اس مثالی نظام کے قائم نہ رہ سکنے اور خلافت کے اندر ملوکیت کے درآنے کی وجہ کیا تھی؟ وجہ شورائیت کا ختم ہو جانا تھا۔ خلیفہ کی جگہ پر رفتہ رفتہ ملوک آتے چلے گئے۔ ان کے آتے ہی امت کی قیادت دو حصوں میں بٹ گئی۔ ایک سیاسی قیادت تھی جس کی زمام کار ملوک امرا اور سلاطین کے ہاتھ آگئی۔ دوسری دینی قیادت تھی جسے

---

[1] ماہنامہ ''بینات'' کراچی، رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ۔

صلحائے امت نے سنبھال لیا۔ یہ تبدیلی کیسے آئی؟ اس سوال کا جواب امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے بھی دیا ہے اور آج کل اردو میں دو کتابوں کو اس موضوع پر خاص شہرت حاصل ہوئی ہے۔ یہ مولانا مودودی کی خلافت وملوکیت (مع اعتراضات اور جوابات از جسٹس ملک غلام علی) اور محمود احمد عباسی کی تصنیف ''خلافت یزید ومعاویہ'' ہیں۔ اہل علم کے مابین ان کتابوں پر طویل بحث وتمحیص ہوتی رہی ہے۔ زیرنظر کتاب میں مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا نقطہ نظر پیش کیا ہے۔

فاضل مصنف نے سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل دو جلدیں مرتب کی ہیں جن میں اس دور میں ہونے والی فتوحات اور دیگر کارناموں کا تفصیلاً احاطہ کیا گیا ہے کیونکہ یہی دور تھا جب اسلامی مملکت کی حدود خراسان ترکستان بخارا اور سمرقند سے لے کر بلاد افریقہ اقصائے یمن سے قسطنطنیہ تک پھیل گئیں۔ ان فتوحات کے نتیجے میں لاکھوں نئے لوگ مسلمان ہوئے لیکن اتنی بڑی تعداد کی اخلاقی اور ذہنی تربیت کا بڑے پیمانے پر انتظام نہ ہوسکا۔ مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کھانے والی قوتوں نے اپنی ہزیمت کا بدلہ لینے کے لئے اندرونی طور پر سازشوں کا جال بن دیا۔ کئی داخلی فتنوں نے جنم لیا جو مسلم اقتدار کو کمزور کرنے کا ذریعہ بنے رہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسلامی مملکت کے استحکام کے لئے بے شمار اچھے اقدامات کئے لیکن وہ اپنے اقدامات کا تسلسل برقرار رکھنے کی خاطر شورائیت کے اس اصول کو ترک کر بیٹھے جو ان کے پیشتر خلفاء نے اختیار کر رکھا تھا۔ جانشینی کے مسئلہ پر شدید اختلاف رونما ہوا۔ فاضل مصنف کے اس ادعا کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بعض جلیل القدر صحابہ کی تائید حاصل ہوگئی تھی تو ان سے اختلاف کرنے والے بھی بلند مرتبہ صحابی تھے۔ مصنف نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل ومنقبت کے لئے بعض روایات واحادیث اور اقوال کا حوالہ دے کر ان کے اقدام کو درست قرار دیا ہے تو دوسری جانب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے حق میں بھی بے شمار روایات واحادیث موجود تھیں ان کا اور دیگر صحابہ کرام کا یزید کی بیعت سے انکار کوئی معمولی بات نہ تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مقررہ اصول اور طریقہ سے ہٹ کر اپنے بیٹے کو نہ صرف خلیفہ نامزد کیا بلکہ اس کے حق میں بیعت لینے کے احکامات بھی جاری کر دیئے۔ تقریباً تین چار سال تک بیعت لینے کا سلسلہ بذریعہ اعیان حکومت جاری رہا۔ اس سے داخلی طور پر اختلافات میں شدت پیدا ہوتی چلی گئی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کاتب وحی رہ چکے تھے، وہ نیک نیتی سے سمجھتے تھے کہ ان کا بیٹا جانشینی کی شرائط پر پورا اترتا ہے۔ وہ اس امر کے بھی قائل تھے کہ کسی کو امیر مقرر کرنا محض بربنائے فضیلت دینی نہیں بلکہ بربنائے اہلیت حکمرانی ہوتی ہے۔ اس نامزدگی کے مخالفین بھی پوری نیک نیتی کے ساتھ اس فیصلے کو غلط سمجھتے تھے۔ علاوہ ازیں دیگر عمال حکومت کے تقرر پر بھی شدید اختلافات پایا جاتا تھا۔ فاضل مصنف نے اس سلسلہ میں پیدا ہونے والے اعتراضات کو رفع کرنے کے لئے حصہ دوم میں

''جواب المطاعن'' کے عنوان سے کافی کاوش کی ہے لیکن اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ سانحہ کربلا آخر وقوع پذیر ہوا تو ہے۔ اس کے نتائج بھی امت مسلمہ نے بھگتے ہیں اور آج تک خلافت کی پٹڑی سے اتری ہوئی حکومت دوبارہ صحیح طور پر نہیں چل سکی۔ اصل کاوش احیائے نظام خلافت کے لئے چاہیئے تھی تاکہ تمام سوالوں کا ملت کو عملی جواب مل سکتا۔[1]

سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (جلد دوم)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وہ مظلوم شخصیت ہیں جنہیں غیر تو غیر ہیں، اپنے بھی معاف کرنے کو تیار نہیں۔ بہت سے سنی کہلانے والے بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر الزامات لگانے میں پیش پیش رہتے ہیں۔ بقول حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اسلامی تاریخ کی مظلوم ترین شخصیت ہیں۔ جسے دیکھو وہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو موردِ الزام ٹھہرانے میں مصروف ہے۔ حالانکہ اگر غیر جانبدارانہ ذہن سے مطالعہ کیا جائے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دامن صاف نظر آتا ہے۔

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے سیرۃ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حصہ دوم میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر کئے گئے ۴۱ مشہور اعتراضات کا فاضلانہ جوابات دیئے ہیں۔ ان جوابات کو لکھتے وقت اہل تشیع کی مستند عربی، فارسی اور اردو تصانیف کے جابجا حوالے دیئے گئے ہیں جس کے بعد ایک منصف مزاج شیعہ کے لئے بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی عظمت تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ کار نہیں رہتا۔ یہ واضح رہے کہ حصہ دوم پہلے اور حصہ اول بعد میں لکھا گیا۔ حصہ دوم اگست ۱۹۹۰ء میں اور حصہ اول مئی ۱۹۹۲ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

حصہ دوم کی ابتداء میں صفحہ ۵-۲۹ میں ایک تمہید برائے جواب المطاعن ہے جس کے عنوانات درج ذیل ہیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام، بدگوئی اور بدزبانی کرنے والے کا حکم
مندرجات بالا کی روشنی میں ایک تاریخی جائزہ
کثرت اعتراضات کی وجوہ، نفسیاتی ضابطہ
تاریخ کے راویوں کے نظر و کردار، بعض قواعد وضوابط
ایک اصول (متعلق معصومیت) طاعنین کی اصناف واقسام

---

[1] ہفت روزہ ''تسخیر''، لاہور، یکم جنوری تا ۷ جنوری ۱۹۹۶ء، ص ۴۸-۵۰۔

عنوانات مذکورہ کے تحت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے بہت مفید معلومات یکجا کی ہیں جو کہ عام کتابوں میں دستیاب نہیں ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر کئے گئے اہم اعتراضات:

۱- روایت الفئۃ الباغیہ ۲- لا اشبع اللہ بطنہ ۳- قصاص عثمان کے مطالبے کا طعن
۴- محمد بن ابی بکر کے متعلقات ۵- حجر بن عدی وغیرہ کا قتل ۶- عمرو بن الحمق کا قتل
۷- قطع ایدی کا طعن ۸- حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر خورانی کا طعن ۹- استلحاق زیاد
۱۰- مسئلہ استخلاف یزید ۱۱- اسم معاویہ پر طعن ۱۲- حق گوئی اور آزادی رائے کے خاتمہ کا جواب
۱۳- بیت المال کے اموال کی بحث ۱۴- توریث مسلم وکافر کا مسئلہ ۱۵- بیٹھ کر خطبہ دینے کی بحث
۱۶- مقصورہ میں نماز ادا کرنا ۱۷- منبر نبوی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ۱۸- حضرت صدیقہ کے قتل کا الزام
۱۹- برہنہ لونڈی پیش کرنے کا اعتراض ۲۰- علامت نفاق پر موت کا طعن

یہ چند الزامات بطور نمونہ نقل کئے گئے ہیں۔ مکمل فہرست کے لئے اصل کتاب ملاحظہ فرمائی جائے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے جوابات حرف آخر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ راقم الحروف کو الفئۃ الباغیۃ والی روایت پر بہت اشکال تھا۔ کئی ایک اہل علم سے رابطہ کیا، تسلی نہ ہوئی۔ آخر کار استاذ محترم حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے رجوع کیا تو شافی جواب پایا۔ تمام شکوک وشبہات کٹی ہوئی پتنگ کی مانند اُڑ گئے۔ آخر میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اہم نصیحت نقل کی جاتی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حسن ظن کا حکم:

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق اکابر علماء امت نے ایک ضابطہ بیان کیا ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق حسن ظن رکھنا چاہئے اور ان سے اعتراضات اور رذائل کی نفی کرنی چاہئے۔ یہ دین اسلام کی طرف سے ہمیں حکم ہے۔

اور اس باب میں اگر کوئی اعتراض پایا جائے اور اس کی کسی تاویل کی گنجائش نہ مل سکے تو اس صورت میں اس روایت کے راویوں کی طرف جھوٹ کی نسبت کریں گے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف غلط امر کا انتساب نہیں کیا جائے گا۔ علامہ عبدالعزیز پرھاروی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ **الناھیۃ عن طعن معاویۃ** میں یہی ہدایت فرمائی ہے اور بہت عمدہ نصیحت کی ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حسن ظن رکھنا اور ان کے ادب کو ملحوظ رکھنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔ سلف صالحین، اہل حدیث اور اہل اصول (اہل فقہ) کا یہی مذہب ہے اور ہم اللہ تعالیٰ

سے اسی پر ثابت قدمی کی التجا کرتے ہیں۔ (سیرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، جلد دوم ص ۱۱، ۱۲)

یزید اور اس کی نامزدگی کے معاملے میں مولانا کا نقطۂ نظر:

سیرت امیر معاویہ جلد دوم میں مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلہ استخلاف یزید کے عنوان سے یزید کی نامزدگی کے شرعی نقطۂ نظر سے جائز ہونے پر تفصیل سے بحث کی ہے اور اس دور کی ایک سیاسی ضرورت تھی اور فقہی قاعدہ ہے کہ ''الضرورات تبیح المحظورات'' ضرورت ممنوع چیز کو جائز قرار دیتی ہے۔ اسی ضرورت کے تحت متعدد صحابہ نے اس کی بیعت کر لی تھی ورنہ اسے خلافت کا اہل نہیں سمجھتے تھے۔

اس علمی بحث سے ممکن ہے کوئی آدمی فاضل مصنف پر ناصبیت کا شبہ کرنے لگے تو مولانا نے پیشگی اس شبہ کا ازالہ کر دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

''یہ چیز بھی مسلمات میں سے ہے کہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شیرازۂ امت کو منتشر ہونے سے بچانے کے لئے یزید کی حکومت کو تسلیم کر لیا تھا، یہ بیعت اس لئے نہ تھی کہ وہ یزید کو ہر طرح سے حق دار خلافت سمجھتے تھے بلکہ اس لئے کہ امت مسلمہ میں خوں ریزی نہ ہو اور جس طرح بھی بن پڑے مسلمان ایک جھنڈے کے نیچے مجتمع رہیں۔ یزید کی حکومت کو تسلیم کرنا اس شرط کے ساتھ تھا کہ ان کی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت برقرار رہے گی اور وہ حکومت کی کسی ایسی بات کو ہرگز نہیں مانیں گے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ہو۔ بایعنا هذا الرجل علی بعیة الله ورسوله (بخاری)۔ مذکورہ بالا اشیاء اس چیز کی نشاندہی کرتی ہیں کہ اس دور میں یزید کے ظاہری اعمال واحوال عموماً اس درجہ کے نہ تھے کہ اس کی مخالفت ضروری ہو اور اسلام کے خلاف اس کا کردار نہیں تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جس دور میں اس کا انتخاب کیا یا اس کی نامزدگی کی تو اس میں اہلیت سمجھ کر ہی ایسا کیا گیا تھا، آئندہ کے لئے کسی کو کیا معلوم ہوتا ہے کہ کیا حالات پیش آئیں گے؟ والغیب عند الله تعالی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے بعد جو یزید کے کارنامے مثلاً واقعہ کربلا، واقعہ حرہ اور مکہ شریف پر چڑھائی وغیرہ جو کتابوں میں پائے جاتے ہیں اُن کا ذمہ دار خود یزید ہے نہ کہ جناب معاویہ رضی اللہ عنہ! ان کی وجہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مطعون کرنا بڑی زیادتی ہے اور آنجناب اس کے ذمہ دار نہیں۔''[1]

---

[1] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، دار الکتاب، لاہور، صفحہ نمبر ۲۳۵، جلد نمبر ۲۔

کتاب کے متعلق اکابر علماء کی آراء اور دینی رسائل کے تبصرے

ا۔ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ:

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے اس بات کی خصوصی توفیق عطا فرمائی ہے کہ انہوں نے اپنی متعدد تالیفات کے ذریعہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حقیقی سیرت و کردار کو مستحکم علمی اور تاریخی دلائل کے ساتھ واضح فرمایا ہے۔ جن انصاف نا آشنا حلقوں نے ان حضرات پر طرح طرح کے اعتراضات و مطاعن کی بھرمار کی ہے ان کے اعتراضات کا شافی اور اطمینان بخش جواب دیا ہے اور حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان جو علمی اور سیاسی اختلافات پیش آئے ان کے حقیقی اسباب کی دل نشین وضاحت فرمائی ہے۔

مولانا محمد نافع صاحب کی کتاب ''رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ'' جو تین جلدوں میں شائع ہوئی ہے اپنے موضوع پر ایسی نادر کتاب ہے کہ اس کی نظیر عربی زبان میں بھی موجود نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ''مسئلہ اقربا نوازی''، ''بنات اربعہ'' اور ''حدیث ثقلین'' پر ان کی کتابیں انتہائی مفید اور قابل قدر ہیں۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے ان کی کتاب ''سیرتِ سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' منظر عام پر آچکی ہے جس میں انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سیرت بڑے دل آویز انداز میں تحریر فرمائی ہے۔

اب ان کی تازہ کتاب ''سیرتِ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ'' اسی مبارک سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

''سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ'' میں مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت کے حقیقی روشن پہلوؤں کو مضبوط دلائل کے ساتھ اجاگر کیا ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جن کے خلاف اعتراضات و مطاعن کے ترکش سے کوئی تیر بچا کر نہیں رکھا گیا۔

پہلی جلد کے پہلے حصے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سوانح، عہد رسالت میں ان کے منصب و مقام اور کارنامے اور ان کے مناقب کی احادیث کو پوری تحقیق کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ دوسرے حصے میں حضرات خلفائے ثلاثہ کے عہد مبارک میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمات، ان کی جنگی مہمات اور دیگر کارناموں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ تیسرے حصے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کے واقعات زیر بحث لائے گئے ہیں۔

چوتھے اور آخری حصے میں فاضل مؤلف نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے کارناموں، ان کی فتوحات، ان کے قائم کئے ہوئے انتظامی ڈھانچے، ان کی رفاہی اور ترقیاتی خدمات، ان کی علمی کاوشوں، ان کے

مکارم اخلاق، ان کے فقہی اجتہادات، اہل بیت کے ساتھ ان کے خوشگوار تعلقات اور ان کے اعزاز واکرام کے واقعات کا انتہائی مبسوط جائزہ لیا ہے جو اس کتاب کی جان ہے۔ آخر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے عشق ومحبت کے مظاہر اور ان کے بارے میں اکابر اُمت کی آراء نہایت تفصیل اور استقصاء کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔

کتاب کی دوسری جلد خاص طور پر ان مطاعن کے جواب کے لئے مخصوص ہے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر مختلف حلقوں کی طرف سے وارد کئے گئے۔ فاضل مؤلف نے ان مطاعن میں سے ایک ایک کو موضوع بحث بنا کر بڑی جانفشانی کے ساتھ حقائق کی تحقیق کی ہے اور مستحکم دلائل سے اپنے مؤقف کو ثابت کیا ہے۔

ہوسکتا ہے کہ کسی صاحب علم محقق کو مؤلف کے اخذ کردہ نتائج سے کسی مقام پر جزوی اختلاف ہو، لیکن یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ موصوف نے افراط وتفریط سے الگ رہ کر اہل سنت کے صحیح مؤقف کی ترجمانی کی ہے اور اس موضوع پر تحقیق کا حق ادا کردیا ہے۔ ان کی ہر بات تاریخی حوالوں سے مزین ہے بلکہ انہوں نے صرف اہل سنت ہی کے نہیں اہل تشیع کے مآخذ سے بھی اپنے مؤقف کو ثابت کیا ہے جن پر ان کی بڑی وسیع اور گہری نظر ہے۔

پھر قابل تعریف بات یہ ہے کہ فاضل مؤلف کا اندازِ بیان مناظرانہ اور جارحانہ نہیں بلکہ باوقار اور متین ہے اور سنجیدہ علمی تحقیق کے معیار پر پورا اترتا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت پر جو کتابیں اب تک میری نظر سے گزری ہیں یہ کتاب ان سب میں بہتر ہے اور ان شاء اللہ طالبان علم وتحقیق کی عرصے تک رہنمائی کرے گی۔

(ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی، جمادی الاولیٰ، ۱۴۱۷ھ)[1]

مناظر اسلام حضرت علامہ عبدالستار تونسوی رحمۃ اللہ علیہ:

فاضل محقق نے مقام صحابہ اور مقام اہل بیت کی وضاحت کرکے نہ صرف مسلک حقہ کو واضح کیا ہے بلکہ روافض کے اعتراضات اور شکوک وشبہات کا خوب استیصال کیا گیا ہے۔ مولانا کی تالیفات روافض کے خود ساختہ نظریات پر ضرب کاری ہیں۔ ردّ مطاعن میں ان کا انداز تحریر عالمانہ، محققانہ اور مصلحانہ ہے۔ یہ کتب عقل سلیم و فہم سلیم رکھنے والے حضرات کے لئے باعث ہدایت اور اہل باطل پر اتمام حجت ہیں۔ لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ۔ احقر اپنے حلقہ کے علماء کرام وطلباء کو مشورہ دیتا ہے کہ مذکورہ کتب سے ضرور استفادہ کریں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مصنف کی یہ عظیم کاوش قبول فرمائے اور اسے مسلمانوں کے لئے ثمر نافع بنائے، آمین یارب العالمین۔

---

[1] مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، ہفت روزہ ''اخبار المدارس''، ۷ تا ۱۳ ر جنوری ۲۰۱۵ء، ص ۲۔

مولانا نذیر احمد، شیخ الحدیث جامعہ امدادیہ فیصل آباد:

زینۃ خدام الصحابہ محقق العصر حضرت مولانا محمد نافع صاحب دامت برکاتہم کی مبارک تحریرات حدیث القرطاس کے متعلق نہایت شوق اور عنایت سے دیکھنے کا موقع ملا۔

حضرت اقدس موصوف نے نہایت عمدہ ترتیب، بہترین تعبیر، مزاج سلف کے مطابق انداز تحقیق، حقائق کی اذھان عامہ کے مطابق تسہیل، خصوم کے مطاعن کی تقریر کر کے شافی جوابات کی لطیف تقریر وتبیین، الفاظ نرم دلائل گرم کا اسلوب محفوظ رکھنے کی سعی، پھر ان جوابات کی خصوم کی عبارات سے تائید۔ غرض یہ کہ اس نوعیت کے تمام محاسن کو بجا طور پر ملحوظ رکھنے کی نہایت کامیاب کوشش فرمائی ہے۔

حضرت والا کی اس نوعیت کے موضوعات پر تصانیف ماشاء اللہ کثیر ہونے کے ساتھ ساتھ صحیح اور متین اور انتہائی نافع ہیں۔ حضرت کی تالیفات کا نفع عوام وخواص سب کے لئے ہے۔ ہر طبقہ بشرط انصاف ان سے نہ صرف مستفید ہوتا ہے بلکہ لطف اندوز بھی ہوتا ہے۔ عوام ان کی متانت کے ساتھ ساتھ سہولت سے فائدہ اٹھا لیتے ہیں۔ خواص انداز تشریح وتحقیق سے اپنا دامن لبریز کر لیتے ہیں۔

حضرت کا اسلوبِ تصنیف اشتعال انگیزی سے دور، اعتدال کا حامل اور نمونہ سلف صالحین کے مطابق رہتا ہے۔ یہ اس دور میں عظیم کامیابی ہے۔

ایسی محقق شخصیت اور یہ پُرکشش سادگی یہ بھی اس دور میں نعمت عظیمہ اور حسین آمیزش ہے۔ دل سے دعائیں ہیں کہ حق تعالیٰ حضرت کو صحت کاملہ اور عافیت دائمہ کے ساتھ ان لطائف کی توفیق مرحمت فرمائے رکھیں۔ ہر طبقہ کو ان کے جواہر کی قدر دانی کی صلاحیت عطا فرمائیں تا کہ ان کا نفع عام بھی ہو اور تام بھی۔ آمین

کتبہ: احقر نذیر احمد غفرلہ، خادم جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد

مولانا نذیر احمد موصوف ایک دوسرے مکتوب میں مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات اور تحریر پر تبصرہ و تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ امابعد

اسلام میں جو بھی بڑے بڑے فتنے ظاہر ہوئے ان کا سرا کسی نہ کسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بدگمانی اور ان کے خلاف بدزبانی سے جا کر ملتا ہے۔ آج کے پُرفتن دور میں یہ فتنہ بالخصوص عروج پر ہے بلکہ اس پر ''تحقیق'' کا خوشنما لیبل بھی لگانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

حضرت مولانا محمد نافع صاحب مداللہ ظلہ ودام برکاتہ علینا جو ملک کی نمایاں علمی شخصیات میں سے ہیں اس لحاظ سے قابل مبارکباد اور قابل رشک ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی توانائیاں اور توجہات اس فتنہ کی تردید کی

طرف مبذول کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔اس موضوع پر ان کی متعدد کتابیں سامنے آچکی ہیں۔ان کی کتاب ''رُحَمَآءُ بَیۡنَھُمۡ ''عرصے سے علمی حلقوں میں دادِ تحسین وصول کر چکی ہے۔اس سے پہلے شاید عربی زبان میں بھی اس موضوع پر ایسی ضخیم اور وقیع علمی کتاب موجود نہ ہو۔

حضرت دامت برکاتہم نے ذرہ نوازی فرماتے ہوئے اپنی کتابیں سیرت حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور سیرت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ بھی احقر کو عطا فرمائیں۔ان کے علاوہ واقعہ قرطاس، حضرت مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر ایک الزام کا جواب، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بظاہر قابل اشکال الفاظ پر اور حضرت ابن عباس کی ایک روایت کی تحقیق پر مشتمل مسودے بھی اپنے حسن ظن کی بنا پر احقر کو دیکھنے کا حکم فرمایا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا کتب اور تحریرات متعدد جگہوں سے دیکھنے اور استفادہ کرنے کی توفیق ہوئی۔ماشاء اللہ ساری تحریرات وسعت مطالعہ اور ٹھوس تحقیقی ذوق کی شاہکار ہیں۔اندازِ بیان بھی خالصتاً وقیع علمی وتحقیقی ہے۔بوقت ضرورت خود اہل تشیع کی کتابوں کے حوالہ جات سے بات کو مزید پختہ کیا گیا ہے۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ایسے موضوعات پر بسا اوقات جادۂ اعتدال سے نکل کر ایسا انداز اختیار کر لیا جاتا ہے جس سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت کی تائید میں صحابہ کی دوسری جماعت کی تنقیص لازم آجاتی ہے یا کم از کم اہل سنت والجماعت کے نزدیک نصوص سے ثابت شدہ فضائل میں کمی واقع ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ حضرت مولانا محمد نافع دامت برکاتہم کی تحریرات اور کتابیں اس قسم کی بے اعتدالی سے پاک ہیں۔علمی ذوق رکھنے والے عام مسلمانوں کے لئے عموماً اور علماء وطلبہ کے لئے خصوصاً یہ کتابیں ان شاء اللہ بہت مفید ثابت ہوں گی۔حق تعالیٰ حضرت کی ان خدمات میں برکت اور نافعیت عطا فرمائیں۔

از: احقر نذیر احمد غفرلہ، خادم جامعہ اسلامیہ امدادیہ، فیصل آباد، ۱۴ر جمادی الاخریٰ ۱۴۱۷ھ

ماہنامہ انوار مدینہ لاہور کا تبصرہ:

علمی میدان میں حضرت مولانا محمد نافع صاحب دامت برکاتہم کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ کے قلم حقیقتِ رقم سے متعدد شاہکار کتابیں نکل کر علماء وعوام سے دادِ تحسین حاصل کر چکی ہیں۔حال ہی میں آپ نے کاتب رسول صلی اللہ علیہ وسلم جلیل القدر صحابی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت پر دو ضخیم جلدوں میں کتاب مرتب فرمائی ہے۔یہی کتاب اس وقت ہمارے پیش نظر ہے۔اس کتاب کی جلد اول میں تفصیل کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت کو بیان کیا گیا ہے جبکہ جلد دوم میں آپ رضی اللہ عنہ پر کئے جانے والے تقریباً اکتالیس اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔

مولانا موصوف نے جلد اول میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت کو چار ادوار میں تقسیم کیا ہے:

دورِ اوّل میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ولادت سے لے کر عہد رسالت کے اختتام تک کے حالات ہیں۔

دورِ دوم میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد سے لے کر حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت تک کے حالات۔

دورِ سوم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد سے لے کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے صلح کے زمانے تک کے حالات ہیں۔

دورِ چہارم میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اپنے دورِ خلافت کے حالات ہیں۔

دورِ چہارم بارہ فصلوں پر مشتمل ہے جن میں سے ہر فصل میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت سے متعلق بیش قیمت معلومات درج ہیں۔ شروع کتاب میں ایک انتہائی وقیع مقدمہ ہے جس میں کتاب وسنت کی روشنی میں مقام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو واضح کیا گیا ہے۔

مولانا موصوف نے اپنی دیگر کتب کی طرح اس کتاب میں بھی مناظرانہ رنگ سے ہٹ کر ناصحانہ طرز کو اپناتے ہوئے اکابر علماء اہل سنت کی تحریرات کو پیش کیا ہے۔ آپ کی سنجیدہ متین اور منصفانہ تحریر سے نہ صرف کاتب رسول کی شخصیت نکھر کر سامنے آئی ہے بلکہ آپ کی شخصیت پر جو سبائی غبار کے دھند لکے تھے وہ بھی صاف ہو گئے ہیں۔

مزید خوبی یہ ہے کہ مولانا کی اس کتاب سے جہاں روافض وخوارج کی بیخ کنی ہوتی ہے وہیں نواصب کا قلع قمع بھی ہوتا ہے۔

غرض یہ کہ مولانا موصوف کی یہ کاوش اس سلسلہ کی ایک انتہائی سنجیدہ کاوش ہے جسے پڑھ کر بہت سے غلط فہمیوں کا شکار لوگ اپنے خیالات درست کر سکتے ہیں اور بہت سے گم کردہ راہوں کو راہ ہدایت مل سکتی ہے۔

جزاہ اللہ عنا وعن جمیع المسلمین خیر الجزاء۔

عمدہ کتابت وطباعت اور خوبصورت لیمینیشن جلد کے ساتھ یہ کتاب مارکیٹ میں دستیاب ہے۔ قارئین اس سے ضرور استفادہ فرمائیں۔ (ماہنامہ ''انوار مدینہ'' لاہور شمارہ رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ)

بنات اربعہؓ

یہ بات کئی مقامات پر عرض کی جا چکی ہے کہ صحابہ واہل بیت رسول کی حرمت وتقدس کا قلمی دفاع مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا مشن تھا۔ان کی ساری زندگی اور تمام توانائیاں اسی کام کے لئے وقف تھیں۔ چنانچہ اہل تشیع کے ایک دو حضرات نے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار صلبی بیٹیوں کا انکار کرتے ہوئے صرف ایک بیٹی (سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا) ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی تو مولانا کی غیرت جوش میں آئی اور ساڑھے چار سو صفحات پر مشتمل ''بنات اربعہ'' کے نام سے کسی شیعہ عالم یا اس کی کتاب کا نام لئے بغیر ایک کتاب لکھ ڈالی جس میں نہ صرف یہ ثابت کیا کہ حضور کی چاروں بیٹیاں (سیدہ زینب رضی اللہ عنہا، رقیہ رضی اللہ عنہا، ام کلثوم رضی اللہ عنہا، فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا) آپ کی صلبی اولاد تھیں بلکہ ان کے سوانح اور فضائل ومناقب بھی جمع کر ڈالے۔اس پر ایک شیعہ عالم ومصنف کا مراسلہ بنام مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ ملاحظہ ہو:

سیّد خادم حسین صاحب کا خط بنام مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ:

محترمی بزرگوارم جناب مولانا محمد نافع دام عزہ۔

سلام مسنون! امید ہے کہ مزاج گرامی بخیریت ہوگا۔

ابھی سید محمد قاسم شاہ صاحب کا سرگودھا سے ایک خط موصول ہوا ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ آپ نے میری کتاب ''الاصول فی توحد بنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کا جواب لکھا ہے۔ چنانچہ گزارش ہے کہ مذکورہ کتاب بندہ کے نام وی پی کر کے ارسال فرمائیں۔ نیز اطلاعاً عرض خدمت ہے کہ میں نے ایک کتاب ''جوازِ متعہ'' کے نام سے تصنیف کی ہے اور یہ کتاب میں نے مدرسہ ابراہیمیہ ناصر روڈ سیالکوٹ کے صدر مدرس مولانا محمد علی جانباز کی کتاب ''حرمتِ متعہ'' کے جواب میں لکھی ہے۔ اگر ضرورت ہو تو آپ کو ''جوازِ متعہ'' ارسال کرنے میں سعادت سمجھوں گا۔ بہر حال ''الاصول'' کا جواب ضرور ارسال فرمائیں۔ والسلام مع الاحترام

مخلص السید خادم حسین

صدر مبلغ ادارہ تبلیغ شیعہ پاکستان، جعفریہ کالونی، وزیر آباد

مورخہ ۲۴ر مئی ۱۹۸۵ء

بنات اربعہ کی تالیف کی وجہ:

مولانا کو ’’کثیر التصانیف‘‘ بننے اور کہلانے کا قطعاً شوق نہ تھا۔ جو بھی کتاب تصنیف کی کسی علمی دینی شرعی اور ملی ضرورت کے ماتحت کی۔ بنات اربعہ ترتیب دینے کی ضرورت کیوں پیش آئی اس کی مزید وضاحت خود انہی کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

’’معترض دوستوں نے ایک یہ اعتراض بھی نشر کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ان تینوں صاحبزادیوں (حضرت زینب، حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہن) کی کوئی فضیلت کی چیز اسلامی کتب میں نہیں پائی جاتی۔ شیعہ وسنی کی تصانیف کا ہر صفحہ ان کے ذکر فضیلت سے کورا نظر آیا، اور نبی پاک ﷺ اور ان بیٹیوں کے درمیان الفت و محبت کا مظاہرہ کبھی نظر نہیں آتا وغیرہ وغیرہ۔ اس اعتراض کے جواب کے لئے اس چیز کی ضرورت ہے کہ ہر سہ صاحبزادیوں کے مذکور سوانح پر ایک نظر ڈالی جائے اور ایک ایک عنوان کو سامنے رکھا جائے تو یہ مسئلہ صاف ہو جاتا ہے اور اس اعتراض کے بے بنیاد ہونا از خود واضح ہو جاتا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ان تینوں صاحبزادیوں کے احوال و سوانح ہم نے قریباً اڑتیس عدد اپنی کتب سے اور ساتھ ہی کم و بیش چوبیس عدد شیعہ اکابر علماء کی کتب سے پیش کئے ہیں۔ ان کتابوں کے ذخیرہ سے ہر سہ صاحبزادیوں کے احوال بقدر ضرورت ہم نے نقل کر دیئے ہیں اور بیشتر مقامات میں ان کی اصل عبارات بھی ذکر کر دی ہیں تاکہ ناظرین کرام کے لئے پوری طرح تسلی کا سامان ہو جائے۔ اہل علم و دانش ان تفصیلات کے مطالعہ سے بخوبی معلوم کر سکتے ہیں کہ معترضین کا یہ دعویٰ کہ ’’سنی و شیعہ کتب ان کے ذکر فضیلت سے خالی ہیں‘‘ کہاں تک درست ہے؟ اور ’’بناتِ ثلاثہ‘‘ کے ذکر فضیلت کا کتب تاریخ و روایات میں نہ پائے جانے کا بلند بانگ دعویٰ کتنا قدر صحیح ہے؟ اور اس میں کیا کچھ صداقت ہے؟[1]

کتاب ہذا کی وجہ تالیف اور ضرورت تالیف کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’ان صاحبزادیوں رضی اللہ عنہن کے حق میں بعض لوگ اس دور میں زبانِ طعن دراز کئے ہوئے ہیں اور لکھتے ہیں کہ یہ نبی کی روایتی بیٹیاں تھیں، یہ نبی کی رواجی بیٹیاں تھیں اور ان کے حق میں کوئی فضیلت قرآن و حدیث سے نہیں ملتی۔ مطلب یہ ہے کہ صاحبزادیاں (حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہن) نبی اقدس ﷺ کی اولاد نہیں ہیں اور ان کی کوئی فضیلت کتابوں میں مذکور نہیں۔ (استغفر اللہ العظیم)

ناظرین کرام! اپنے مہربان پیغمبر کریم ﷺ کی اولاد شریف کے حق میں ان لوگوں کا یہ نہایت نازیبا سلوک ہے، یہ لوگ بڑی بے باکی کے ساتھ ان صاحبزادیوں سے آنجناب ﷺ کے نسب شریف کی نفی کرتے

---

[1] مولانا محمد نافع، بناتِ اربعہ، صفحہ نمبر ۲۵۲۔

ہیں اور اللہ سے بالکل نہیں ڈرتے اور ساتھ ہی ساتھ دعویٰ یہ ہے کہ ان بیٹیوں کی کوئی فضیلت کتابوں میں نہیں ملتی۔ نہ شیعہ کی کتاب میں، نہ کسی سنی کتاب میں۔ بندہ نے یہ چند واقعات اسلامی کتب سے جمع کر کے ناظرین کی خدمت میں پیش کر دیئے ہیں۔ ساتھ ساتھ شیعہ معتبرات کے بھی حوالے دے دیئے ہیں۔ اب باانصاف اور شریف باشعور آدمی اس چیز کا فیصلہ خود کر لیں کہ حق بات کون سی ہے؟ اور از خود تراشیدہ چیزیں کون سی ہیں۔ مزید کسی تبصرہ وتشریح کی حاجت نہیں رہے گی۔ قلیل سی خوفِ خدا کی حاجت ہے۔ اگر کہیں سے دستیاب ہو جائے تو ''سبحان اللہ'' وہ ساتھ ملالیں۔[1]

قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ، چکوال (خلیفہ مجاز مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ) کے تاثرات:

قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مکتوب میں مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی زیر بحث تصنیف ''بنات اربعہ'' پر اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

۲۶ر شعبان ۱۴۰۵ھ
حضرت مولانا المکرم زید فضلہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! طالب خیر بخیر ہے۔ آنجناب کی کتاب ''بناتِ اربعہ'' مع گرامی نامہ موصول ہوئی۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔ آپ کی تصنیف ماشاء اللہ اپنے موضوع پہ منفرد ہے۔ آپ نے محکم دلائل سے بناتِ اربعہ کا اثبات کر کے شیعی اوہام ووساوس کا قلع قمع کر دیا ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ نبی کریم، رحمۃ اللعالمین، خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بناتِ طاہرات کے اس میں احوال وفضائل بھی درج کر دیئے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ کتاب اس موضوع پر ایک جامع تصنیف ہے۔ حق تعالیٰ آپ کی یہ عظیم خدمت قبول فرمائے اور اس کتاب سے مخالفین وموافقین اور ہر قسم کے تعلیم یافتہ طبقات کو مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(۲) آپ نے غالباً ایک شیعی مؤلف خادم حسین بخاری کی تازہ تصنیف کے پیش نظر یہ ضخیم کتاب لکھی ہے اور اس کی ضرورت بھی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بناتِ طاہرات کا دفاع اہم دینی فریضہ ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ اس شیعی مصنف کی کسی جگہ نشاندہی بھی کر دیتے تو اس کی افادیت بڑھ جاتی۔ یہ بندہ کی رائے ہے۔ آپ کے گرامی نامہ کے جواب میں زیادہ تاخیر پہ بندہ معذرت خواہ ہے کیونکہ اپنی نئی کتاب ''کشف خارجیت'' کی تکمیل میں مصروف رہا ہوں۔

---

[1] بنات اربعہ، صفحہ ۱۲۶۔

اس کی کتابت بھی مکمل ہو چکی ہے، تصحیح باقی ہے۔ان شاء اللہ تعالیٰ طبع ہوتے ہی ارسالِ خدمت کردوں گا۔ قاری شیر محمد صاحب (لاہور) آپ کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہم سب کو مذہبِ اہل السنت والجماعت کی اتباع ونصرت کی توفیق دے اور اہل السنت والجماعت کو کامیابی نصیب ہو۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

نوٹ: کتاب کا ابھی بالاستیعاب تو مطالعہ نہیں کرسکا، البتہ عنوانات اور جستہ جستہ مقامات سے استفادہ کیا ہے۔

والسلام طالب دعا

(دستخط قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ)

ماہنامہ ''بینات'' کراچی (شمارہ اگست ۱۹۸۵ء/ ذیقعدہ ۱۴۰۵ھ) کا تبصرہ:

بناتِ اربعہ: یعنی چار صاحبزادیاں: مولانا محمد نافع (جامعہ محمدی جھنگ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت سے محبت وعقیدت جزءِ ایمان ہے لیکن اہل بیت کون ہیں؟ ایک گروہ کا نظریہ یہ ہے کہ ''اہل بیت'' کا مفہوم صرف چار افراد تک محدود ہے۔ یعنی ایک صاحبزادی (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا)، ایک داماد (حضرت علی کرم اللہ وجہہ) اور دونواسے (حضرات حسنین رضی اللہ عنہما) اس نظریہ کا نتیجہ یہ ہے کہ:

''(الف) ازواج مطہرات جن کو قرآن کریم میں ''یا اہل بیت'' سے خطاب کر کے ان کی کامل تطہیر کا وعدہ کیا گیا ہے۔ قرآنی تصریح کے علی الرغم انہیں ''اہل بیت'' کے مفہوم سے خارج کر دیا گیا اور ان کو کسی احترام کا مستحق نہیں سمجھا گیا۔ حالانکہ قرآن کریم میں ان کو ''امہات المؤمنین'' قرار دے کر تمام اہل ایمان کے لئے حد درجہ لائق احترام قرار دیا گیا ہے۔

(ب) قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک سے زائد صاحبزادیوں کی صراحت کی گئی ہے۔ یٰایھا النبی قل لازواجك وبناتك...الایہ، لیکن اس گروہ نے قرآن کریم کے صریح اعلان کی مخالفت کرتے ہوئے حضرت فاطمہؓ کی باقی تین بہنوں کا نسب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کاٹ ڈالا اور انہیں کسی عزت و احترام کا مستحق نہیں سمجھا۔

(ج) قرآن کریم نے اصحاب النبی خصوصاً مہاجرین وانصار کے فضائل ومناقب بیان فرمائے اور ان کی پیروی کو شرط ایمان ونجات قرار دیا لیکن اس گروہ نے ایک داماد (حضرت علی رضی اللہ عنہ) اور ان کے دو چار رفقاء کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے باقی خویش واقارب، مہاجرین وانصار اور پوری جماعت صحابہ کو (نعوذ باللہ) ظالم و خائن اور منافق و بے ایمان قرار دے کر ان سے برأت کا اظہار کر دیا۔ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حبِ اہل بیت کے پردے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خویش واقارب آپ کے اعوان وانصار اور آپ کے

رفقاء ومصاحبین کے ساتھ دشمنی کا یہ مظاہرہ آنحضرت ﷺ کے لئے کس قدر تکلیف دہ اور ایذا رساں ہوگا اور آنحضرت ﷺ حب اہل بیت کے ان برخود غلط دعویداروں سے کس قدر بیزار ہوں گے جنہوں نے نہ آپ ﷺ کی بیویوں کو معاف کیا، نہ بیٹیوں کو چھوڑا اور نہ آپ ﷺ کے خویش واقارب اور رفقاء ومصاحبین کا کوئی لحاظ کیا۔ زیرنظر کتاب اسی گروہ کی اصلاح کیلئے لکھی گئی ہے جس میں قرآن کریم، احادیث صحیحہ اور فریقین کے اکابر کی تصریحات سے ثابت کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی چار صاحبزادیاں تھیں۔ حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن۔ نیز ان چاروں کے حالات وسوانح مستند مآخذ سے جمع کئے گئے ہیں اور ہر صاحبزادی کے بارے میں فریق مخالف کے شبہات واوہام کو دلائل کی روشنی میں رفع کیا گیا ہے۔ اس موضوع پر رسائل تو متعدد لکھے گئے ہیں لیکن یہ کتاب اپنی متانت وجامعیت کے لحاظ سے منفرد ہے۔ (ادارہ)

فوائد نافعہ (حصہ اول)

حضور اکرم ﷺ کے جاں نثار ووفادار اور اسلام کے سب سے بڑے اور اولین خدمت گزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت رسول کی عزت وحرمت اور تقدس کا تحفظ ودفاع مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد بلکہ مشن تھا۔ ان کی زندگی میں جب بھی اور کہیں سے بھی صحابہ واہل بیت رسول کے خلاف کوئی آواز اٹھی ان کے مرتبہ ومقام کو گرانے کی کوشش کی گئی یا ان کی پاکیزہ سیرتوں کو کسی بدبخت نے داغدار کرنے کی جسارت کی یا کسی نے اپنے دجل وفریب، تلبیس اور تاویلات رقیقہ کے ذریعے اس معاملے میں شکوک وشبہات پیدا کرنے اور مغالطہ دہی کی کوشش کی یا زبانِ طعن دراز کی تو مولانا کی غیرت ایمانی فوراً جوش میں آجاتی تھی اور انہیں اس وقت تک چین نہیں آتا تھا جب تک کہ اس کا جواب مدلل مضمون کی شکل میں نہ لکھ لیں۔

پونے سات سو صفحات پر زیرنظر ضخیم کتاب (فوائد نافعہ حصہ اول) کچھ اسی قسم کے مضامین اور بحثوں پر مشتمل ہے۔ مثلاً اس کتاب میں ایک مضمون ''واقعہ قرطاس اور اس کا پس منظر'' کے عنوان سے ہے۔ اس مضمون کو زیربحث لانے کی فوری وجہ کا ذکر کرتے ہوئے مولانا نے لکھا ہے:

''جناب نبی اقدس ﷺ کے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً خلفاء ثلاثہ اور امہات المومنین رضی اللہ عنہم اجمعین پر طعن قائم کرنا کچھ لوگوں کی زندگانی کا محبوب مشغلہ ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مطاعن قائم کرنا ہر دور میں ایسے مؤلفین ومصنفین کا مرغوب شیوہ رہا ہے۔ اہل السنہ علماء کرام بھی ہمیشہ ان کے جوابات اپنے اپنے دور میں پیش کرتے رہے ہیں۔

چنانچہ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر مطاعن کا ایک وسیع سلسلہ قائم کیا گیا ہے۔ موجودہ دور میں بھی ''یادفاروق'' کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا گیا ہے جس میں دیگر مطاعن کے علاوہ قرطاس کا طعن حسب عادت

بعنوان ''حضرت فاروق کی اطاعت، خدا اور سول کا قیاس در ضمن شرح حدیث قرطاس'' نشر کیا ہے۔

آئندہ صفحات میں طعن ہذا کے ازالہ کے لئے کلام کیا گیا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے صفائی پیش کی گئی ہے۔[1]

اسی طرح زیر نظر کتاب کے آخری مضمون کا عنوان ہے ''شیعہ افلح اکیڈمی کراچی کے اشتہار کا جواب''۔ ابتداء میں اس کی وجہ تالیف کا ذکر کرتے ہوئے مولانا رقمطراز ہیں:

''شیعہ کی طرف سے سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق بیشتر مطاعن نشر کئے جاتے ہیں جس کی وجہ سے اہل اسلام کے قلوب پریشان اور مجروح ہوتے ہیں۔ یہی چیز باہمی انتشار کا باعث بنتی ہے اور وحدت اسلامی کو پارہ پارہ کر دیتی ہے۔ یہ ان لوگوں کا دیرینہ شیوہ چلا آرہا ہے۔

اب حال ہی میں شیعوں نے ''افلح اکیڈمی پاکستان یونٹ کراچی'' کی طرف سے ایک اشتہار شائع کیا ہے۔ اس میں اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر شدید طعن وارد کر کے مسلمانوں کے دلوں کو دُکھایا ہے اور ان کے حق میں بدظنی پھیلائی ہے۔ اس کے جواب کے لئے یہ چند کلمات تحریر کئے گئے ہیں تا کہ اس مفسدہ کا ازالہ ہو اور مسلمانوں سے پریشانی برطرف ہو سکے۔''[2]

الغرض زیر نظر کتاب زیادہ تر ایسے ہی مضامین کا مجموعہ ہے جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر کئے گئے اعتراضات اور مطاعن کا انتہائی علمی، مدلل اور شائستہ انداز میں جواب دیا گیا ہے۔ ضمناً بعض صحابہ کی مختصر سوانح اور چند دیگر بحثیں آگئی ہیں۔ چنانچہ فاضل مصنف نے پیش لفظ میں بھی یہ صراحت کی ہے کہ:

''......کتاب ہذا میں مضامین کی نوعیت سے چند فصل قائم کر دیئے ہیں۔ ان میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دفاع کرنا مقصود ہے، کوئی بحث مباحثہ کا آغاز کرنا منظور نہیں۔''[3]

اب اس اجمال کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ کتاب کے تمام مضامین کو ترتیب ذیل سے پانچ فصلوں کے ماتحت لایا گیا ہے۔

فصل اول:

اس فصل میں سب سے پہلے ''سوانح صدیق اکبر'' کے عنوان سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بڑے اختصار کے ساتھ ولادت سے لے کر وفات تک کے حالات درج ہیں۔ پھر ''سیرت صدیقہ'' کے عنوان سے سیدہ

---

[1] فوائد نافعہ (حصہ اول) مطبوعہ تخلیقات لاہور، جنوری ۲۰۰۲ء ص ۱۶۶۔

[2] فوائد نافعہ (حصہ اول) مطبوعہ تخلیقات لاہور، جنوری ۲۰۰۲ء ص ۶۴۵۔

[3] فوائد نافعہ (حصہ اول) مطبوعہ تخلیقات لاہور، جنوری ۲۰۰۲ء ص ۲۰۔

عائشہ کے حالات زندگی اور چند فضائل ومناقب کا ذکر ہے۔آیت نماز اور صدیق اکبر کے خصوصی فضائل' اور'' ثانی اثنین کا لقب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں'' کی مباحث بھی اسی فصل میں شامل ہیں۔علاوہ ازیں حضرت ابوبکر صدیق پر درج ذیل اعتراضات اور مطاعن کا مدلل جواب ہے۔شعب ابی طالب کے متعلق اعتراض،عدم شرکت جہاد کا اعتراض،محاذ جنگ سے فرار کا جواب،خلیفہ رسول ہونے سے انکار کا طعن،جنازہ نبوی میں شیخین کی عدم شمولیت (کے طعن کا مدلل ومفصل جواب)،کانت بیعۃ ابی بکر فلتۃ کا طعن،مانعین زکوٰۃ سے جنگ کرنے کا طعن،جیش اسامہ بن زید کے متعلق طعن،مالک بن نویرہ کے قتل کا اعتراض اور اس کی وضاحت،اعتراف خطاء وذنوب کا طعن۔

الغرض حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اہل تشیع کے تمام شکوک وشبہات،اعتراف اور مطاعن کا مسکت جواب دے کر مولانا نے ان کے دفاع کا حق ادا کیا ہے۔

فصل دوم:

یہ فصل درج ذیل مضامین اور اہم مباحث پر مشتمل ہے:واقعہ قرطاس اور اس کا پس منظر،تصدیق ایمانی میں شک کا طعن،قابل اعتراض روایت کا جواب،لولا علی لہلک عمر،مسئلہ تراویح،عہد عثمان میں تراویح کا اہتمام، متعۃ النساء کا مسئلہ(اسلامی ہدایات کی روشنی میں)(تقریباً سو صفحات پر مشتمل مدلل بحث)،طلاق ثلاثہ کا مسئلہ (اسلامی روایات کی روشنی میں)،مغیرہ بن شعبہ پر الزام کا دفاع،عمرو بن العاص اسلام کی نظر میں(حضرت عمرو کے حالات زندگی اور خدمات کی تفصیل)۔

فصل سوم:

یہ فصل حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ پر درج ذیل مطاعن کے مدلل اور مسکت جوابات پر مشتمل ہے۔

غزوۂ بدر میں عدم شرکت کے اعتراض کا جواب،غزوۂ احد سے فرار کا جواب،بیعت رضوان میں عدم شمولیت کے اعتراض کا جواب،منیٰ میں چار رکعت نماز کے اعتراض کا جواب،جمعہ میں اذان ثانی کے ایزاد کا جواب،مدینہ کی چراگاہیں مخصوص کر لینے(کے طعن)کا جواب،حکم بن العاص کی جلاوطنی کے اعتراض کا جواب، احراق مصاحف کے طعن کا جواب،صحابہ سے بدسلوکی ومظالم کے اعتراضات کا جواب،اجرائے حدود میں کوتاہی کا الزام(اور اس کا جواب)،فجوہ کے اعتراض کا جواب۔

فصل چہارم:

یہ فصل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالے سے درج ذیل مطاعن کے جوابات وتوضیحات کو محیط ہے۔صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم معیارِ حق اور مدارِ دین ہیں، حدیث حوض کے متعلق طعن، تاریخ طبری میں منقول معتضد باللہ کے رسالہ کا جواب (تقریباً ۷۰ صفحات پر مشتمل)۔

فصل پنجم:

افلح اکیڈمی کراچی کے اشتہار کا جواب، جس میں درج ذیل شکوک وشبہات کا ازالہ کیا گیا ہے:

حضرت ابوبکر میں شرک چیونٹی کی چال چلتا تھا، حضرت عمر کا اقرار کہ خدا کی قسم میں منافقین میں سے ہوں، حضرت عائشہ صدیقہ نے فتویٰ دیا کہ عثمان کافر ہوگیا ہے اس کو قتل کرو، طلحہ وزبیر عثمان کے قاتل ہیں اوران کا خون بہایا ہے، عبداللہ بن مسعود قرآن کی بعض سورتوں کا رد کرتا تھا۔

درج بالا تفصیل اور پانچ فصلوں کے مفروضات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کرام پراٹھنے والے ایک ایک اعتراض اورشبہ کا کس طرح جواب دیا ہے۔ المختصر کتاب صحابہ رضی اللہ عنہم پر کئے گئے چھوٹے بڑے تمام اعتراضات، شکوک وشبہات اور مطاعن کے جوابات کا ایک ایمان افروز گلدستہ اور انسائیکلوپیڈیا سے کم نہیں۔

فوائد نافعہ (حصہ دوم)

(حسنین کریمین رضی اللہ عنہما)

سیدنا امام حسن اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہما ہر دو بھائیوں کی ذات، صفات اور فضائل ومناقب محتاج بیان نہیں۔ اللہ کریم نے انہیں جو وھبی اور کسبی کمالات اور عظمت شان عنایت فرمائی اسے "ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ" (یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے اسے عطا فرماتا ہے) ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔ ان دونوں جلیل القدر حضرات کا صرف صحابی اور اہل بیت رسول میں سے ہونا ہی نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا براہ راست نواسہ ہونا، خاتون جنت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اور حیدر کرار سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا صلبی بیٹا ہونا، نوجوانان جنت کا سردار ہونے کی بشارت، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بے پایاں محبت، شفقت اور دعاؤں کا ملنا خالق کائنات کی وھبی و خصوصی عنایت نہیں تو کیا ہے۔

اس سب کچھ کے باوجود خلفاء ثلاثہ (سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا عمر فاروق اور سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم) اور دیگر کبار صحابہ کو اسلام میں جو بلند مرتبہ حاصل ہے اور اسلام کے لئے ان کی جو گرانقدر خدمات ہیں وہ ڈھکی چھپی نہیں جس کا اعتراف خود خانوادۂ رسول کو بھی تھا۔ اس کے باوجود بعض طبقات نے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرح ان کی اولاد کے معاملے میں انتہائی غلو سے کام لیا جبکہ بعض بدبختوں نے مقابلۃً ان کی حد درجہ تنقیص و تحقیر اوران کے خداداد مرتبہ ومقام کو گرانا اپنا وطیرہ بنالیا۔ یہ افسوسناک اور شرعی نقطۂ نظر سے بڑا خطرناک سلسلہ

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد شروع ہوا اور آج تک کسی نہ کسی شکل میں جاری ہے۔ البتہ سوادِ اعظم اہل السنۃ والجماعت نے ہمیشہ قرآن وسنت کی روشنی میں اعتدال کی روش اپنائی۔ ائمہ اہل بیت کے معاملے میں کبھی غلو سے کام لیا اور نہ کبھی ان کی شان گھٹانے کی کوشش کی۔

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تصنیف بھی اسی معتدل روش کی ایک انتہائی معلوماتی، تحقیقی اور منفرد مثال ہے۔ انہوں نے پیش لفظ میں ''عرض داشت'' کے تحت اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''مبادیات میں یہ بات ذکر کر دینی مفید ہے کہ دونوں حضرات سیدنا امام حسن وسیدنا امام حسین کے یہ حالات ہم اہل السنۃ والجماعت کے نظریات کے موافق بیان کر رہے ہیں۔ شیعہ صاحبان کے معتقدات کے مطابق نہیں۔ اسی طرح خوارج ونواصب کے جو اس مقام کے نظریات ہیں وہ بھی افراط وتفریط سے خالی نہیں۔ ان کو ہم صحیح نہیں سمجھتے۔ بین الافراط والتفریط جو جمہور اہل السنۃ کا موقف ہے وہ درست ہے۔ اسی کے مطابق کلام پیش کیا جائے گا۔ (بعونہ تعالیٰ)''[1]

بہرکیف یہ گرانقدر تالیف اہل السنۃ والجماعۃ کے تقریباً ۸۰ اور اہل تشیع کے اٹھارہ ۱۸ عدد بنیادی مآخذ و مراجع سے ماخوذ مستند مواد کی حامل ۲۹۲ صفحات پر مشتمل عام سائز کی کتاب ہے جس میں حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی سوانح فضائل و مناقب اخلاق و عادات اور خدمات کو بڑے مدلل اور انتہائی سادہ و آسان اسلوب تحریر میں قارئین کے سامنے لانے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ تمام متعلقات کو پانچ فصلوں میں سمیٹا گیا ہے۔

دونوں صاحبزادگان کی ولادت کے بعد ان کے کانوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خود زبان نبوت سے اذان دینے، تحنیک (گھٹی ڈالنے)، عقیقہ کرنے، نام تجویز کرنے، پھر ان نواسوں پر نانا جان علیہ السلام کی شفقتوں کی تفصیل الفصل الاول (عہد نبوی) میں لائی گئی ہے۔ اسی فصل میں آیت تطہیر اور دعوت مباہلہ کی بحث بھی موجود ہے۔ دوسری فصل خلفاء ثلاثہ کے عہد میں ان دونوں صاحبزادگان کے ساتھ پیش آنے والے حالات وواقعات کے لئے مختص ہے۔ تینوں خلفاء امیر المؤمنین اور خلیفۃ المسلمین کے بلند منصب پر فائز ہونے کے باوجود جس طرح ان کی مالی خدمت کرتے رہے، عزت افزائی کرتے رہے، ان کے حقوق کا خیال کرتے رہے۔ اس کی ایمان افروز تفصیل درج ہے۔ عہد عثمانی میں دونوں حضرات کی بعض جنگوں میں شرکت اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کے محاصرہ کئے جانے کے وقت دونوں کی خدمات کا تذکرہ بھی اسی فصل میں ہے۔

تیسری فصل حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران دونوں حضرات کے متعلق حالات وواقعات

---

[1] فوائد نافعہ (حصہ دوم)، تخلیقات لاہور، ۲۰۰۱ء، ص ۲۱۔

پر مشتمل ہے۔ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت اور دارالخلافہ تبدیل کرنے کے معاملے میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی کیا رائے تھی، جنگ جمل وصفین میں ان کا کردار کیا تھا، پھر کوفہ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت، تکفین وتدفین اور حضرت امام حسن کی بیعت سے متعلق امور زیر بحث لائے گئے ہیں۔

چوتھی فصل ''عہد خلافت سیدنا حسن'' کے عنوان سے ہے جس میں امام حسن کی اہل عراق سے ناراضگی، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح، شرائط صلح، مقاصد صلح، پھر عراق سے مدینہ واپسی، مدینہ میں قیام کے دوران ان کے عام معمولات، اخلاق و عادات، خلق خدا کی خدمت کے واقعات اور ''احوالِ سفر آخرت'' کے عنوان سے ان کی وفات، جنت البقیع میں تدفین اور ازواج واولاد کی تفصیل آ گئی ہے۔

جبکہ پانچویں فصل میں سیدنا حسین بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے حالات زندگی لائے گئے ہیں۔ ولادت سے لے کر حضرت امیر معاویہ کے زمانہ خلافت تک ان کے ساتھ پیش آنے والے واقعات، ان کے ذاتی فضائل و محامد، اخلاق و عادات، عام معمولات، پھر استخلاف یزید کے عنوان سے یزید کی بطور خلیفہ نامزدگی، حضرت امام حسین اور عبداللہ بن زبیر کا بیعت سے انکار، مکہ روانگی، اہل کوفہ کا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو دعوت دینا، تحقیق حال کیلئے مسلم بن عقیل کو بھیجنا، مسلم بن عقیل کی دردناک شہادت وغیرہ کی تفصیل کے بعد ''واقعہ کربلا کے متعلق چند مباحث'' کے عنوان سے تاریخ اور حقائق کے تناظر میں واقعہ کربلا پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ''ماتم کا مسئلہ اسلام کی نظروں میں''، ''احوال امام زین العابدین''، اور ''قاتلانِ حسین کا انجام'' وغیرہ کی تفصیل بھی اس آخری فصل میں موجود ہے۔

کتاب کی عظمت واہمیت:

کسی بھی کتاب کی اہمیت، عظمت، ضرورت اور اس کے علمی وتحقیقی معیار کا اندازہ اس موضوع/فن کا کوئی ماہر ہی لگا سکتا ہے۔ علامہ خالد محمود (مانچسٹر) کا شمار یقیناً زیر بحث مضمون کے ماہرین میں کیا جاسکتا ہے۔ علامہ صاحب کے نزدیک کتاب کا کیا مقام ہے اس کا اندازہ کتاب میں موجود ان کی تقریظ کے درج ذیل اقتباسات سے لگایئے:

: ''یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما کی شخصیات امت میں کبھی مختلف فیہ نہیں سمجھی گئیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت سے دستبردار ہونا پسند کیا مگر امت میں فریق بننے کو پسند نہیں کیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ گو کربلا میں اکیلے تھے اور یہ واقعہ آناً فاناً اپنے منطقی انجام کو پہنچ گیا لیکن یہ حقیقت ہے کہ اہل سنت کی کتب حدیث میں شاید ہی کوئی کتاب ہو جس میں اہل بیت کی منقبت اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے فضائل کے باب نہ بندھے ہوں۔ سانحۂ کربلا کے بعد زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہ جب مدینہ منورہ میں اقامت پذیر ہوئے تو امت کے علماء اور محدثین کس طرح فرط عقیدت میں

آپ کے حلقے میں آتے رہے اور ان سے علمی اور روحانی فیض پاتے رہے یہ اہل علم سے مخفی نہیں۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت کے بغیر کوئی شخص کامل الایمان نہیں ہوسکتا تو جس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم محبت فرمائیں اس سے محبت رکھے بغیر کوئی شخص کیسے کامل ایمان ہوسکتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی اس محبت کی اساس پر چاہتے ہیں کہ دوسرے بھی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے محبت ومودت رکھیں۔''

۲: ''حضرت مولانا محمد نافع صاحب نفعنا اللہ بعلومہ مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس عظیم کام کا بیڑا اٹھایا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی زندگی کو مختلف ادوار میں لاکر سمجھانے کی کوشش کی۔ آپ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر اس انداز سے لکھا کہ اس میں کوئی فرقہ وارانہ جھلک دکھائی نہیں دیتی۔ آپ کا فاضلانہ قلم ہے جو حقائق وواقعات کے بہاؤ میں اس بات کی پروا کیئے بغیر کہ کوئی کیا کہے گا، بڑے سکون وطمانیت کے ساتھ چلتا جارہا ہے۔ مصنف نے ان بیانات میں بڑی بڑی کٹھن گھاٹیاں عبور کی ہیں اور پتہ چلنے نہیں دیا کہ آپ نے ان میں کس طرح شکوک وشبہات کے بڑے کانٹے اکھاڑ دیئے ہیں۔''

۳: راقم الحروف ان دنوں پاکستان آیا ہوا تھا کہ اچانک فون آیا کہ مولانا محمد نافع صاحب آپ کو ملنے کے لئے لاہور آرہے ہیں۔ مولانا تشریف لائے اور پورے دو دن ہمارے اس موضوع پر مذاکرات رہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جہاں تک اس کتاب کا تعلق ہے مولانا نے اس میں موتی پرو دیئے ہیں اور سنی وشیعہ کی پرانی آویزش سے ہٹ کر فریقین کو نہایت معتدل پیرائے میں سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی فکر وبصیرت اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی علمیت وعقیدت پر غور وفکر کی دعوت دی ہے۔ یہ تحقیق انیق اس فاضلانہ قلم اور ناقدانہ علم کے ساتھ ہمیں صدیوں پیچھے کہیں نہ ملے گی۔[1]

حدیث ثقلین

(سن تالیف: ۱۳۸۲ھ بمطابق ۱۹۶۲ء، ۱۹۶۳ء)

احادیث نبوی سے شغف رکھنے والے اہل علم سے مخفی نہیں کہ بعض احادیث اپنے اندر موجود کسی لفظ یا واقعہ کی طرف منسوب ہونے کے باعث اسی لفظ یا واقعہ سے مشہور ہیں مثلاً ''حدیث جبریل'' جس میں بارگاہ نبوی میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کی آمد اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے چند سوالات وجوابات کا ذکر موجود ہے اور ''حدیث قرطاس'' جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مرض الوفات کے دوران ایک دن موجود صحابہ سے قرطاس طلب کرنے کا واقعہ آتا ہے۔ اسی طرح ''حدیث ثقلین'' وہ حدیث ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی امت سے فرمایا تھا ''میں تمہارے

[1] علامہ ڈاکٹر خالد محمود، تقریظ برکتاب ''فوائد نافعہ'' جلد دوم، دار الکتاب لاہور، اگست ۲۰۰۵ء، صفحہ نمبر ۱۴ وصفحہ نمبر ۱۷۔

درمیان دو ثقلین چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ یہ قیامت تک ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے۔ ان سے تمسک کرتے رہو گے تو گمراہ نہیں ہو گے۔'' ان دو ثقلین میں سے ایک تو قرآن مجید یعنی اللہ کی کتاب ہے جبکہ دوسرے ثقل کے حوالے سے بعض روایات میں سُنَّتِیْ (میری سنت) اور بعض میں ''عترتی اھل بیتی'' کے الفاظ آئے ہیں۔

ان روایات کی روشنی میں اہل السنۃ والجماعت کے نزدیک قرآن مجید کی طرح واجب الاطاعت صرف سنت نبوی ہے جبکہ اہل تشیع کے نزدیک دوسرا واجب الاطاعت اور واجب التمسک ثقل حضور کی عترت یعنی اہل بیت نبوی ہیں۔ زیر نظر کتاب اسی بات کی فنی تحقیق پر مشتمل ہے۔

اہل سنت کی کتب احادیث میں صحیح سند کے ساتھ ثقل ثانی سنتِ رسول ہے۔ اہل بیت رضی اللہ عنہم اجمعین اہل سنت کی آنکھوں کا نور ہیں۔ اہل بیت کی محبت اہل سنت جزو ایمان سمجھتے ہیں لیکن اہل سنت کے نزدیک اہل بیت کے حقوق اور احترام الگ مسئلہ ہے لیکن وہ حدیث ثقلین میں سے ثقل ثانی نہیں ہیں۔ ثقل ثانی سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

ثانیاً اہل سنت کے نزدیک فضیلت تمام اہل بیت کو حاصل ہے، بارہ افراد کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

یہ ایک خالص علمی بحث ہے کہ حدیثِ ثقلین میں ثقلِ ثانی کون ہے؟ اہل سنت کا دعویٰ ہے کہ حدیث ثقلین کی ایک بھی ایسی صحیح سند موجود نہیں جس میں:

۱۔ ثقل ثانی اہل بیت ہوں۔

۲۔ ہر دو (قرآن اور اہل بیت) واجب التمسک ہوں۔

۳۔ اہل بیت سے صرف بنی ہاشم کے صرف بارہ افراد ہی مراد ہوں۔

واضح رہے کہ امامیہ حضرات اپنے عقیدۂ امامت کی بنیاد دو قسم کی روایات پر رکھتے ہیں:

۱۔ حدیث ثقلین

۲۔ حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ

حدیث ثقلین کی طرح یہ دوسری حدیث بھی سند کے اعتبار سے کمزور ہے نیز وہ عقیدۂ امامت پر بھی واضح دلالت نہیں کرتی لیکن اس کے باوجود ان دونوں حدیثوں کا وہ پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے اور محرم الحرام کی مجالس میں ذاکر حضرات دین سے ناواقف عوام الناس میں اس طرح پھیلاتے ہیں کہ سنی حضرات بھی خاصے متاثر ہو جاتے ہیں۔

کتاب کا موضوع:

زیر نظر سراسر فنی بحث پر مشتمل اس کتاب کا موضوع کیا ہے؟ اور اس میں کس امر کا ناقدانہ جائزہ لیا گیا ہے اس چیز کی وضاحت کتاب کے پیش لفظ سے ہو جاتی ہے۔ چنانچہ فاضل مصنف لکھتے ہیں:

''جن لوگوں کو آنحضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے نفرت اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل واولاد کے ساتھ دعویٰ محبت ہے وہ اس محبت کے دعویٰ میں حد سے متجاوز ہو چکے ہیں۔ ان کے ہاں جیسے قرآنِ مجید کتاب اللہ کی اطاعت اور تابع داری علی الاطلاق واجب ہے اسی طرح اہل بیت نبی وعترت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت بھی مطلقاً فرض اور لازم ہے۔ جیسے کتاب اللہ کے فرامین کو نہ ماننا انکارِ قرآن ہے ان کے ہاں اسی طرح عترت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قولی وعملی فرمودات کو تسلیم نہ کرنا خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار ہے۔ حاصل یہ ہے کہ وجوبِ تمسک اور وجوب اطاعت کے اعتبار اور حجت شرعی ہونے کے لحاظ سے عترت رسول میں اور کتاب اللہ میں ان کے ہاں کوئی فرق نہیں۔

یہ مسئلہ ان کے نزدیک مسلمہ ہے۔ اس پر خاص کسی کتاب سے حوالہ پیش کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ اگر مزید تسلی مقصود ہو تو تفسیر مجمع البیان ابوعلی طبرسی ص:۲۶۹ تحت آیت اولی الامر منکم ملاحظہ کیجئے۔ ہمارے اہل سنت والجماعت (جمہور علماء) کے نزدیک علی الاطلاق اطاعت صرف کتاب اللہ وسنت رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی لازم اور واجب ہے۔ مستقل اطاعت اللہ جل مجدہ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ضروری ہے۔ ان ہر دو کے ماسوا جن جن لوگوں کی تابع داری لازم اور ضروری ہے وہ کتاب وسنت کے فرمان کے تحت ہے۔ مستقل طور پر واجب نہیں۔ مسلمان حاکم کی اطاعت ہو یا والدین کی تابعداری، اکابر امت اور علماء دین کی پیروی ہو یا بزرگانِ اہل بیت کی فرمانبرداری۔ یہ سب اطاعتیں کتاب وسنت کی اطاعت کے تابع رہیں گی۔ ان کی اطاعت معروف (اچھے) امر میں ہوگی۔ غیر معروف یا کتاب وسنت کی مخالفت میں ان کی اطاعت ہرگز جائز نہیں چہ جائیکہ لازم ہو۔ فریقین میں قواعد وضوابط کے اعتبار سے یہ ایک اصولی فرق اور امتیاز ہمیشہ سے قائم ہے۔ پھر ہر ایک فریق نے اپنے اپنے مقرر کردہ اصول اور ضابطہ کو مدلل کرنے کے لئے بے شمار تحریرات لکھی ہیں۔ بعونہ تعالیٰ ہم بھی ارادہ رکھتے ہیں کہ فریقین کے ان ہر دو مجوزہ اصول کو مع استدلال سامنے لاکر واضح کریں کہ کون حق سے زیادہ قریب ہے۔''[1]

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب کے دو حصے کئے ہیں:

حصہ اول: مدعیان حب اہل بیت کے مجوزہ اصول اور ان کے استدلال کا ناقدانہ جائزہ۔

حصہ دوم: جمہور اہل سنت والجماعت کے قاعدہ کی تشریح وتوضیح اور اس کے دلائل کتاب وسنت سے۔

احقر ناقص کے علم کے مطابق حدیث ثقلین اپنے موضوع پر اسلامی لٹریچر میں پہلی مستقل کتاب ہے۔ اس کتاب میں حدیث ثقلین کی چھیاسٹھ (۶۶) روایات کو اڑتیس کتابوں سے جمع کر کے ان کی صحت وسقم کا فاضلانہ

---

[1] حدیث ثقلین، ص ۲۹، ۳۰، مطبوعہ تخلیقات، لاہور۔

جائزہ اہل علم کی خدمت میں پیش کیا گیا ہے اور فریق ثانی کے اس مایہ ناز استدلال کی اصل حقیقت واضح کی گئی ہے۔ یہ کتاب محققین اور خطباء کے لئے لائق مطالعہ ہے۔

(۱) فاضل اجل علامہ ڈاکٹر خالد محمود مدظلہ:

ڈاکٹر علامہ خالد محمود (مانچسٹر) کا شمار وطن عزیز کے ان چند گنے چنے علماء میں ہوتا ہے جن کا واسطہ صرف پاکستان کے ماحول تک محدود نہیں بلکہ ان کا واسطہ دنیا کے غیر مسلم ممالک اور دیگر مذاہب وادیان سے بھی رہتا ہے۔ اس لئے جتنی وسعت نظر ان کو حاصل ہے بہت کم اہل علم کو نصیب ہوئی ہے۔ علاوہ ازیں وہ اسلامی تاریخ، مسلمان فرقوں کی تاریخ اور فن حدیث وغیرہ پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ شاید اس لئے مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ جیسے محقق آدمی کی نظر بھی مشورہ اور کتابوں پر تقریظ کے لئے زیادہ تر انہی پر پڑتی تھی۔ اس کتاب پر بھی ان کی وقیع تقریظ موجود ہے جس میں بڑی بالغ نظری او گہرائی سے انہوں نے موضوع اور کتاب کا تعارف کرایا اور اس کی اہمیت بتائی ہے۔ ذیل میں یہ تعارف اور اہمیت ملاحظہ ہو:

''اہل سنت کے ہاں عترتِ اہل بیت واجب المحبت ہے نہ کہ واجب التمسک۔ ان کی فضیلت تمام اہل بیت کو شامل ہے نہ کہ صرف بارہ افراد تک محدود! کتاب اللہ کے ساتھ ثقل ثانی سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ اہل بیت کے حقوق کا احترام ایک تیسرا مسئلہ ہے۔ یہ حضرات قرآن کے ساتھ ثقلین اور لن یفترقا کے الفاظ میں صراحت سے کسی صحیح روایت میں یکجا نہیں۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خم غدیر کے مقام پر ارشاد فرمایا:

''اهل بيتی اذ کرکم الله فی اهل بيتی اذ کرکم الله والله فی اهل بيتی اذ کرکم الله فی اهل بيتی۔''[۱]

''میرے اہل بیت، میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں خدا کی یاد دلاتا ہوں۔ اپنے اہل بیت کے متعلق خدا کی یاد دلاتا ہوں۔ اپنے اہل بیت کے بارے میں خدا کی یاد دلاتا ہوں۔''

حضرت زید رضی اللہ عنہ سے جب پوچھا گیا کہ یہاں کون سے اہل بیت مراد ہیں؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آل علی و آل عقيل و آل جعفر و آل عباس۔[۲]

''ابوطالب کے تینوں بیٹوں: علی، عقیل، جعفر اور حضرت عباس رضی اللہ عنہم کی ساری اولاد۔''

اس روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل بیت کے حقوق پورے کرنے کی تعلیم فرما رہے ہیں، انہیں واجب

---

[۱] مسلم، جلد دوم، ص ۲۷۹، مسند احمد، جلد ۴، ص ۳۶۷، دارمی، ص ۴۲۴۔

[۲] حوالہ مذکور۔

التمسک قرار نہیں دے رہے۔ اور راویٔ حدیث حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ اس فضیلت کو صرف بارہ افراد تک محدود نہیں سمجھ رہے ہیں بلکہ کل اہل بیت کو جن پر صدقہ حرام ہے۔ اس فضیلت کا مصداق بتلا رہے ہیں۔ جن میں کل عباسی حضرات بھی شامل ہیں، ماقبل کے اعتبار سے یہاں اہل بیت کے لئے ثقل ثانی کی تعبیر صریح نہیں بلکہ حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کبرسنی کی بنا پر ثقل ثانی (سنت) کا بیان رہ گیا۔ معلوم ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ بعد میں قرآن اور اہل بیت لن یفترقا جیسے الفاظ میں یکجا مذکور نہیں۔ اس سے حضرت زید رضی اللہ عنہ پر کوئی حرف نہیں آتا کیونکہ وہ اس روایت سے پہلے اپنے بڑھاپے کی معذوری بیان کرتے ہوئے صاف فرما چکے تھے کہ اگر کسی جزء کو میں بھول جاؤں تو مجھے اس بیان کا مکلف نہ کرنا۔[۱] اس روایت کے شروع میں جو اهل بیتی کے الفاظ ہیں وہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی نقل کے مطابق موجود نہیں۔[۲] پیش نظر رہے کہ یہ اس روایت کی تضعیف نہیں، تنقیح ہے۔ حدیث ثقلین کی ایک بھی ایسی سند موجود نہیں جس میں :

۱: ثقل ثانی صحیح طور پر اہل بیت ہوں۔

۲: ہر دو ثقلین (قرآن اور اہل بیت) واجب التمسک ہوں اور

۳: اہل بیت سے خاندانِ رسالت کے صرف بارہ افراد ہی مراد ہوں۔

امامی حضرات ان تینوں صورتوں کے ساتھ حدیث ثقلین پیش کرتے ہیں اور نہ صرف اسے صحیح کہتے ہیں بلکہ اس کے متواتر ہونے کے مدعی ہیں اور چونکہ اسی ایک روایت پر ان کے عقیدۂ امامت کی بناء ہے کیونکہ حدیث ولایت من کنت مولاہ فعلی مولاہ مدتوں سے عقائد کے باب میں بے اصل ثابت ہو چکی ہے۔ صرف فضائل میں کہیں کہیں مل جاتی ہے کیونکہ اس باب میں صحیح وسقیم کے امتیاز کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی۔ گو اس روایت کے صحیح ہونے کی صورت میں بھی حضرات امامیہ کے فرضی عقیدۂ امامت ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ''احتجاج طبرسی'' میں اس کے ساتھ نام بنام اماموں کا ایک پورا جزو بڑھا دیا ہے۔ تاہم یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے پہلے نامکمل جزو کا بھی ایک تنقیدی جائزہ لیا جائے اور دیکھا جائے کہ حدیث ثقلین امامی حضرات کی مذکورہ تین صورتوں کے ساتھ کسی بھی صحیح اسناد سے ثابت ہے؟ خدا کا شکر ہے کہ جامع کمالاتِ علمیہ وعملیہ حضرت مولانا محمد نافع صاحب دامت برکاتہم نے جہد بلیغ فرما کر اس روایت کی پوری تحقیق فرمائی ہے اور اس کے جتنے اسناد میسر آسکے، ان کا پوری طرح محاسبہ کیا ہے۔ فجزاہ اللہ عنا وعن سائر المسلمین احسن الجزاء۔[۳]

---

۱ صحیح مسلم، جلد ۲، ص ۲۷۹

۲ سنن کبریٰ، جلد ۱۰، ص ۱۱۴۔

۳ علامہ خالد محمود، مقدمہ بر کتاب ''حدیث ثقلین'' مصنفہ مولانا محمد نافع۔

(۲) علامہ مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ کے تاثرات:

رسالہ حدیث ثقلین میرے نزدیک اپنے موضوع میں بے مثال ہے اور دونوں فریق بشرط انصاف اس سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ میری دعا ہے کہ مسلمانوں کے لئے مؤلف کی اس خدمت کو اللہ تبارک وتعالیٰ مقبول بنائے۔ آمین

(۳) استاذ العلماء مولانا سید احمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ چوکیروی کے تاثرات:

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث ثقلین مرتب کر کے علمی تحقیقات کے میدان میں ایک گراں قدر اضافہ فرمایا ہے۔ بات کی تہہ تک پہنچنے کے عادی حضرات اس کتاب کی قدر کریں گے اور حق کی تلاش کرنے والے لوگ کتاب موصوف کو نعمت عظمیٰ یقین کریں گے۔ مؤلف نے اس کتاب میں انصاف کے دامن کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور تعصب ہٹ دھرمی سے بحمد للہ پوری طرح محفوظ رہے ہیں۔

حدیث الثقلین کے مطالعہ سے آپ پر واضح ہوگا کہ جس طرح ثبوتاً یہ (روایت) کمزور ہے۔ اسی طرح خلافت کے مسئلہ سے بھی اس حدیث کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ کتاب اپنے خاص موضوع میں انفرادی حیثیت رکھتی ہے۔ ہر خطیب اور مبلغ کے مطالعہ میں رہنے کے لائق ہے۔

حدیث ثقلین کی تالیف میں مولانا کی محنت:

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی تمام تالیفات کے مندرجات، ہر کتاب کی فہرست مضامین، اس کے ابواب، فصول، بغلی سرخیوں، پھر ان میں جگہ جگہ تنبیہ، انتباہ، ایک اشتباہ کا ازالہ، ایک شبہ اور اس کا جواب، تمہیدات، تمہیدی امور، فائدہ، فوائد ونتائج، اختتامی گزارش، ایک اصول، قواعد وضوابط، نتیجہ روایات، حاصل روایات، نتیجۂ کلام، علی سبیل التنزیل، جواب، ترجیم روایت کا مسئلہ، قبول روایت کا مسئلہ، فوائد روایت وغیرہ جیسے عنوانات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے ہر موضوع کا انتہائی باریک بینی سے جائزہ لیا اور کوئی پہلو تشنہ نہیں رہنے دیا۔

پھر اس میں تحقیق و دیانت داری کا حق ادا کیا ہے۔ ہر کتاب میں ان کی محنت بولتی نظر آتی ہے۔ ہر کتاب میں کوئی بات، کوئی روایت، کوئی تاریخی واقعہ، کوئی قول اور کوئی حوالہ انہوں نے پوری تحقیق کے بغیر درج نہیں کیا۔ اپنے اس تحقیقی مزاج کے لئے وہ صرف فیصل آباد، لاہور اور اسلام آباد کے کتب خانوں اور اہل علم تک محدود نہ رہے بلکہ انہوں نے اپنے اس ذوق کی تسکین کے لئے سندھ اور کراچی تک کا سفر کیا اور سفری صعوبتیں اٹھائیں۔ چنانچہ ذاتی ڈائری میں ایک جگہ لکھا ہے:

''روانگی پیر جھنڈا سندھ، حضرت حاجی حافظ مولانا محب اللہ شاہ صاحب سجادہ نشین پیر جھنڈا۔ موصوف

اہل حدیث مسلک سے تعلق رکھتے ہیں۔شریف آدمی ہیں اور متعصب نہیں ہیں۔ یہاں کتب خانہ میں نہایت نایاب کتب موجود ہیں مگر افسوس کہ تمام کی تدوین وترتیب نہیں کروائی گئی۔ بہت سی نادر کتب ایسے ہی بے ترتیب اِدھراُدھر پڑی ہیں۔ان کا کوئی علم نہیں ہوسکتا۔''[۱]

مولانا کی ڈائری سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے زیر نظر کتاب ''حدیث ثقلین'' کے لئے ۱۹۵۸ء سے مواد اکٹھا کرنا شروع کر دیا تھا اور پھر پانچ چھ سال کی مسلسل محنت کے بعد جا کر یہ کتاب پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ چنانچہ ایک یادداشت میں درج ہے:

''آج تحقیق ''اسانید ثقلین'' کا کام بعون اللہ تعالیٰ شروع کیا گیا ہے۔مولوی حبیب اللہ شاہ کام میں مدد کر رہے ہیں۔ ۲۳/اسانید تاحال جمع ہوئے ہیں جن کی رواۃ کی تلاش جاری ہے۔''[۲]

کسی بھی موضوع کی متعلقہ تمام کتابوں کا کسی بڑے سے بڑے کتب خانہ میں پایا جانا بھی مشکل ہے۔ چہ جائیکہ محمدی شریف کے ایک دیہاتی مدرسہ کے کتب خانہ میں۔اس لئے مولانا حوالہ جات کے لئے وطن عزیز کے دوسرے اہل علم کو وقتاً فوقتاً زحمت دیتے رہتے تھے۔ چنانچہ زیر نظر کتاب کی تالیف کے دوران ایک مرتبہ اپنے دورۂ حدیث کے کلاس فیلو اور مشہور بزرگ خواجہ خان محمد صاحب کو لکھا:

''مولانا خان محمد صاحب کھولہ، کندیاں میانوالی کو لکھا گیا ہے کہ ''تاریخ ابن عساکر'' اور ''اسد الغابہ'' سے روایت ثقلین اور درمنثور سیوطی سے یٰاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ اور اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ کے تحت ابن عساکر کی روایات اور یا علی انت اخی و وارثی ووصیتی کی روایت اسناد کے ساتھ تلاش کر دیں۔''[۳]

مولانا ۱۹۶۱ء میں حج کی ادائیگی کے سلسلے میں حرمین الشریفین پہنچے تو وہاں بھی حدیث ثقلین کی تیاری اور تحقیق کی دُھن ان پر سوار رہی۔ چنانچہ حج کے دوران کی ایک تاریخ میں لکھا ہے:

''الیوم مکتبۃ الحرم میں پھر جانا ہوا، مشارق الانوار از ابوالفضل قاضی عیاض بن موسیٰ کو دیکھا گیا ہے۔ ایک جلد میں ہے مگر ترتیب حروفِ تہجی سے قائم کی گئی ہے۔ مجھے ثقلین کی روایات مسلم وموطا امام مالک کی ضرورت ہے، وہ تاحال نہیں مل سکیں، شاید کچھ اور ٹائم صَرف کیا جائے تو مل سکے۔''

---

[۱] ذاتی ڈائری ۱۹۵۸ء مؤرخہ ۲۱/اگست/ ۵/صفر ۱۳۷۸ھ۔

[۲] ڈائری ۱۹۵۹ء مؤرخہ ۲۲/فروری بمطابق ۱۳/شعبان ۱۳۷۸ھ۔

[۳] ڈائری ۱۹۵۹ء مؤرخہ ۱۳/اکتوبر بمطابق ۲۹/ربیع الاول ۱۳۷۹ھ۔

نوٹ: بعد میں تلاش سے وہ ''ثقلین'' والا مقام مل گیا ہے۔ الحمدللہ، الحمدللہ''[1]

اسی طرح مدینہ منورہ میں حاضری کے بعد ایک مکتبہ میں جاتے اور لکھتے ہیں:

''آج مدینہ منورہ میں مکتبہ شیخ الاسلام میں صحیح مسلم کی ایک شرح للسیوطی قلمی دیکھی ہے۔ یہ بالکل منفرد شرح ہے۔ نووی اور مشارق الانوار کا خلاصہ سمجھئے۔ دوسری شرح مسلم ''اکمال الاکمال'' مطبوعہ ہے۔ یہ دو شرحیں یکجا طبع شدہ ہیں اور عمدہ شروح ہیں لیکن روایت ثقلین کی بحث میں قابل نقل و لائق اخذ بات نہ مل سکی۔ (ترجیح) البتہ مسند الفردوس دیلمی کی روایات کا نمونہ دیکھنا مطلوب ہو تو اللآلی المصنوعہ یا ذیل الآلی المصنوعہ کو دیکھ لیا جائے۔ اس میں بہت سی روایات دیلمی سے منقول ہوئی ہیں۔[2]

مسئلہ ختم نبوت اور سلف صالحین

قادیانیت کی بنیاد اللہ تعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق جھوٹ پر ہے۔ قادیانی خوف خدا سے بے نیاز ہو کر قرآن مجید اور احادیث نبویہ کی خودساختہ تشریح کرتے ہیں، ایسے معانی لکھتے ہیں جو چودہ سو سال میں کسی عالم نے نہیں لکھے۔ بیسیوں بزرگ علماء پر وہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے قائل تھے۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سمیت بیسیوں افراد پر وہ اجرائے نبوت کا عقیدہ رکھنے کی تہمت لگاتے ہیں۔ جھوٹ بول بول کر انہوں نے ہزاروں مسلمانوں کو گمراہ کیا اور قادیانی بنایا ہے۔ (العیاذ باللہ)

۱۹۵۲ء میں قادیانیوں نے روزنامہ ''الفضل'' چناب نگر (ربوہ) کا خاتم النبیین نمبر شائع کیا۔ اس میں انہوں نے درج ذیل حضرات پر تہمت لگائی کہ یہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری نبی نہ سمجھتے تھے: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ، امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا عبدالحئی لکھنوی۔

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے ان حضرات کے متعلق مدلل بحث کی اور یہ ثابت کیا کہ یہ حضرات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے۔ قادیانی ان حضرات کے متعلق جو لکھتے ہیں وہ خلاف حقیقت اور سفید جھوٹ ہے۔ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے روزنامہ ''الفضل'' کے پیش کردہ مغالطوں کے جواب میں

---

[1] ذاتی ڈائری، ۱۷رجون ۱۹۶۱ء بمطابق ۳رمحرم الحرام ۱۳۸۱ھ۔

[2] ذاتی ڈائری، ۵رجولائی ۱۹۶۱ء بمطابق ۲۱رمحرم الحرام ۱۳۸۱ھ۔

ایک مختصر سا کتابچہ لکھا جس کا نام تھا ''مسئلہ ختم نبوت اور سلف صالحین''۔ یہ کتابچہ بہت مفید ثابت ہوا اور مسلمان قادیانی گمراہیوں کا شکار ہونے سے بچ گئے۔ والحمدللہ علی ذالک

طباعت کی کہانی مولانا کی اپنی زبانی:

زمانی ترتیب کے اعتبار سے یہ کتابچہ جس نے بعد میں اضافہ جات کے ساتھ ایک کتاب کی شکل اختیار کر لی، مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی تصنیف لگتی ہے۔ اس کتابچہ کو مرتب کرنے کے بعد کتابت اور زیورِ طبع سے آراستہ کرنے کے لئے فاضل مصنف کو کتنی محنت کرنا پڑی، کتنی مشقت اٹھانا پڑی اس کی تفصیل بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ یہ شروع میں عرض کیا جا چکا ہے کہ تصنیف وتالیف کے محنت طلب اور کٹھن کام میں ان کے ساتھ کوئی ملازم و مستقل معاون نہیں تھا۔ جامعہ محمدی کے اساتذہ اور عملہ میں سے وہ کسی کو زحمت دیتے تو یقیناً کوئی انکار نہ کرتا مگر کسی آدمی سے بیگار لینا حتیٰ کہ کسی طالب علم سے پانی کا لوٹا بھروانا بھی ان کے مزاج کے خلاف تھا۔ اس لئے کتاب ہذا کی ترتیب سے لے کر طباعت تک تمام مراحل خود سرانجام دیئے۔ اس اجمال کی تفصیل خود ان کی زبانی ملاحظہ ہو:

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے ''الفضل'' میں پیدا کردہ شکوک وشبہات اور جملہ توہمات وتلبیسات کا پردہ چاک کر کے مسودہ تیار کر لیا تو اسے کتابت کے لئے اپنے ایک دوست اور قدردان مولانا سید سیاح الدین کاکاخیل (لائل پور) کے پاس بذریعہ ڈاک بھیجا۔ چنانچہ اپنی ایک یادداشت میں لکھتے ہیں:

''آج بحمدللہ ''خاتم النّبیین نمبر'' الفضل کا جواب (سلف پر الزامات کا جواب) مکمل کر کے سپردِ ڈاک کیا۔ مولانا سیاح الدین صاحب جامع مسجد لائل پور کے نام روانہ کیا ہے۔ کتابت ان کی معرفت ہوگی۔ آئندہ جمعہ کا وعدہ ہے۔''[1]

۱۷ دن کے بعد کتابت مکمل ہوگئی تو مولانا نے لائل پور (موجودہ فیصل آباد) جا کر کاتب کے ہاں دو گھنٹے بیٹھ کر پروف پڑھا۔ کتابت پر ۲۳ روپے آئے جو مولانا سیاح الدین کے ذریعہ کاتب کو پیش کئے تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''رسالہ (مسئلہ ختم نبوت اور سلف صالحین) کی کتابت ہو چکی تھی لیکن تصحیح باقی تھی۔ کم وبیش دو گھنٹے تصحیح ودرستگی ہوتی رہی۔ ۲۳ روپے رعایتی مولانا مفتی سیاح الدین صاحب کے ذریعہ دلوائے گئے۔ دوستوں نے مشورہ دیا کہ طباعت یہاں اچھی نہیں ہوگی، لاہور بہتر رہے گا۔ اُدھر خرچ زیادہ تھا۔ لہٰذا ثنائی پریس سرگودھا کی تجویز ہوئی۔''[2]

تجویز کے مطابق مسودہ مذکورہ پریس کے سپرد کیا گیا تو پریس نے دو دن میں کتاب طبع کر دی۔ کتابت و

---

[1] مولانا محمد نافع، ذاتی ڈائری، ۱۰ ستمبر ۱۹۵۲ء، بمطابق ۱۹ ذوالحجہ ۱۳۷۱ھ۔

[2] ذاتی ڈائری، ۲۷ ستمبر ۱۹۵۲ء بمطابق ۷ محرم الحرام ۱۳۷۲ھ۔

طباعت کا خرچ ملا کر کل ۴۷ روپے لاگت آئی۔ مالی وسائل اتنے نہیں تھے کہ یہ صرف ۴۷ روپے بھی جیب سے ادا کر دیتے۔ اس لئے مولانا کو تیس روپے اپنے استاذ محترم سید احمد شاہ چوکیروی رحمۃ اللہ علیہ سے بطور قرض لینے پڑے جو بعد میں لوٹا دیئے گئے۔ چنانچہ اپنی یادداشت میں لکھا:

رسالہ ''مسئلہ ختم نبوت اور سلف صالحین'' کی کتابت وطباعت کا کل خرچہ مجموعی ۴۷ روپے چند آنہ ہوا ہے۔ یاد رہے۔''[1]

جب یہ رسالہ طبع ہو کر آیا تو مورخہ ۲/اکتوبر ۱۹۵۲ء کی ڈائری کے مطابق بہت سے لوگوں کو بذریعہ ڈاک بھیجا گیا۔ اگلے دن اپنے استاذ محترم علامہ چوکیروی رحمۃ اللہ علیہ سے لیا گیا قرض واپس بھجوا دیا گیا اور اپنے دادا استاذ مولانا حکیم عطاء محمد قریشی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ایک نسخہ ارسال کیا۔ ۳/اکتوبر ۱۹۵۲ء کی ڈائری ملاحظہ ہو:

''چوکیرہ والوں کا قرضہ ۳۰ روپے بذریعہ ڈاک آج ارسال کر دیئے گئے اور اللہ بخش حجام چک نمبر ۳۴ والے کے ذریعے مولانا عطاء محمد قریشی کو ''مسئلہ ختم نبوت'' دستی ارسال کیا گیا۔

پرچہ ''دعوت'' میں رسالہ کی قسط وار اشاعت:

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کام چونکہ اخلاص پر مبنی تھا اس لئے اللہ کریم نے زیادہ سے زیادہ اہل علم کے سامنے لانے کے لئے یہ انتظام کر دیا کہ ہفت روزہ ''دعوت'' لاہور نے اسے قسط وار شائع کرنا شروع کر دیا جس سے اس کی تشہیر دور دراز تک علمی حلقوں میں ہو گئی۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی یادداشت میں لکھا ہے:

''رسالہ (مسئلہ ختم نبوت اور سلف صالحین) پرچہ ''دعوت'' میں مرکز تنظیم اہل سنت والے شائع کر رہے ہیں۔ چنانچہ پہلی قسط ۲۳/اکتوبر ۵۲ء، ۳/صفر ۷۲ھ کے پرچہ دعوت لاہور میں صفحہ نمبر ۳ پر طبع ہو کر آ گئی ہے۔''[2]

تنظیم اہل سنت کے بانی سردار احمد خان پتافی رحمۃ اللہ علیہ نے جب پرچہ ''تنظیم'' میں رسالہ کی پہلی قسط دیکھی تو انہوں نے بذریعہ خط مذکورہ رسالہ طلب کیا جو انہیں روانہ کر دیا گیا۔ چنانچہ مولانا لکھتے ہیں:

''سردار احمد خان پتافی کے حسب طلب تین عدد رسالہ ''مسئلہ ختم نبوت'' بذریعہ ڈاک ارسال کیا گیا۔''[3]

جس زمانہ میں یہ رسالہ چھپا تو اس کی قیمت ''چار آنہ'' رکھی گئی تھی۔ جیسا کہ ڈائری سے معلوم ہوتا ہے:

''۵۰ عدد رسالہ ''مسئلہ ختم نبوت اور سلف صالحین'' کے نسخے مولوی نذیر احمد عباسی جماعت تنظیم کی

---

[1] مولانا محمد نافع، ذاتی ڈائری، ۲۹ ستمبر ۱۹۵۲ء بمطابق ۹ محرم الحرام ۷۲ ۱۳ھ۔

[2] مولانا محمد نافع، ذاتی ڈائری، ۲۰/اکتوبر ۱۹۵۲ء بمطابق ۳۰/محرم الحرام ۷۲ ۱۳ھ۔

[3] مولانا محمد نافع، ذاتی ڈائری، ۲۸/اکتوبر ۱۹۵۲ء بمطابق ۸/صفر ۷۲ ۱۳ھ۔

طرف سے برائے فروخت لے گئے ہیں۔فی نسخہ چار آنہ قیمت رکھی گئی ہے۔بارہ روپے آٹھ آنہ کا حساب ان کے ذمہ ہوا۔''[۱]

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی ایک قیمتی نصیحت:

مرزائی حضرات اپنی کتب میں عام طور پر حوالہ جات کے اندراج میں بددیانتی اور قطع وبرید کا ارتکاب کر کے عوام الناس کو دھوکا دیتے اور گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ہر آدمی ان کی اس چال بازی اور دجل و فریب کو نہیں سمجھ سکتا۔یوں ایک عام قاری کے ان کی عبارات سے متاثر ہوجانے کا خطرہ ہے۔اس لئے مولانا نے عام قارئین کو یہ نصیحت کی ہے کہ:

''مرزائی اپنے نبی کی سنت کے موافق ہر معاملہ میں حد درجہ کی چالاکی سے کام لیتے ہیں۔حوالہ اخذ کرنے میں بھی اپنے معصومانہ مکروفریب کا کمال کر دیتے ہیں۔صاحب تصنیف کا مقصد کچھ کا کچھ ہوتا ہے لیکن ان کو اندھیرے میں بڑی دور کی سوجھتی ہے۔لہٰذا میں اپنے عام مسلمان بھائیوں سے بڑی تاکید سے عرض کروں گا کہ جب اس قسم کا کوئی حوالہ سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم کی تصانیف سے مرزائی شائع کریں تو اس کے مفہوم کی جب تک اصل مآخذ سے پوری تسلی نہ کرلی جائے اس سے ہرگز متاثر نہ ہوں۔ضرور اس میں کچھ نہ کچھ مرزائیوں کا جھوٹ کام کررہا ہوگا۔جس طرح ان کے اباجان مرزا صاحب قادیانی نے اپنی تصانیف میں اکاذیب سے جگہ جگہ پر کام لیا ہے۔اسی طرح اُن کی امت بھی جھوٹ کہنے سے اجتناب نہیں کرتی۔اس پر تجربہ شاہد ہے۔اپنے اہل علم حضرات کی تسلی کی خاطر عرض کیا جاتا ہے کہ مذکورہ حوالہ جات جو ہماری اپنی کتب سے لئے گئے ہیں ان کے اصل مآخذ سے تسلی کر کے درج کئے ہیں۔ان شاء اللہ ان میں خلاف واقعہ نہ ہوگا۔دیانت کے ساتھ کام لیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ منظور فرمائے۔''[۲]

طبع دوم کی تفصیل:

احقر راقم الحروف (مشتاق احمد) حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کا شاگرد اور پرانا نیاز مند ہے۔آپ نے طبع دوم کے لئے مزید مواد تیار کر رکھا تھا لیکن اپنی معذوری کی وجہ سے اسے ترتیب نہ دے سکتے تھے۔کتابچہ پر مکمل نظرثانی، مناسب اضافہ جات اور از سر نو ترتیب کے لئے آپ نے احقر پر اعتماد فرمایا اور مجھے حکم دیا کہ یہ کام کرو۔احقر نے اپنی سعادت سمجھ کر اس کام کی تکمیل کو اپنا فرض جانا اور دو تین ماہ کی محنت شاقہ سے اسے مکمل کر کے

---

[۱] مولانا محمد نافع، ذاتی ڈائری، ۱۱ر دسمبر ۱۹۵۲ء بمطابق ۲۲ر ربیع الاوّل ۱۳۷۲ھ۔

[۲] مولانا محمد نافع، مسئلہ ختم نبوت اور سلف صالحین، دارالکتاب، لاہور، مارچ ۲۰۱۵ء، صفحہ نمبر ۱۵۸۔

آپ کی خدمت میں پیش کیا جو آپ نے پسند فرمایا اور طبع دوم کے لئے تقریظ بھی مرحمت فرمائی۔ احقر نے گزشتہ صفحہ پر تحریر کردہ شخصیات میں سے ہر ایک شخصیت کے متعلق حضرت استاذ مکرم رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقات پر مزید حوالہ جات کا اضافہ کیا اور انہیں استدراک کے عنوان کے تحت نقل کیا۔

تتمہ بحث:

اس عنوان کے تحت احقر نے درج ذیل شخصیات کے متعلق قادیانی شبہات کا مؤثر جواب دیا:

۱- امام ابن حجر الہیثمی رحمۃ اللہ علیہ ۲- شیخ عبدالکریم جیلی رحمۃ اللہ علیہ ۳- علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ

ضمیمہ جات:

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے طبع دوم کے لئے درج ذیل ضمیمے تجویز فرمائے:

ضمیمہ ۱: (۱) ہبیرہؓ بن یریم کی روایت اور اس پر کلام

(۲) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ایک غلط انتساب

(۳) ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کا تفرد

(۴) بعض مصری علماء کے مغالطات اور ان کا جواب

ضمیمہ ۲: مسئلہ نسخ اور امت مرزائیہ

ضمیمہ ۳: مدعیان نبوت کے حالات

مسیلمہ کذاب سجاح بنت الحارث اسود عنسی طلیحہ اسدی

ان تحقیقات وضمیمہ جات کے اضافہ کے باعث کتاب اب ۲۰۰ صفحات پر مشتمل ہے جو دارالکتاب اردو بازار لاہور نے جنوری ۲۰۰۷ء میں معیاری کاغذ اور جلد بندی کے ساتھ شائع کی ہے۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ

اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ ابوسفیان بن حرب نے فتح مکہ ۸ھ تک اسلام، پیغمبر اسلام اور اہل اسلام کی کھلے عام اور ڈنکے کی چوٹ پر زوردار مخالفت اور پوری پوری دشمنی کا ثبوت دیا۔ غزوہ بدر کا اولین سبب بھی اسی شخص کا قافلہ بنا۔ اس کے بعد غزوۂ احد اور غزوۂ احزاب میں اسی نے قریش مکہ کی قیادت کی۔ اسی کی بیوی ہندہ نے غزوۂ احد میں حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چبا کر اور لاش کا مثلہ کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قلبی دکھ پہنچایا۔ الغرض اسلام کو نقصان پہنچانے میں اپنی طرف سے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ اس کے باوجود یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ فتح مکہ

کے موقع پر اللہ نے ان کا اور ان کی اہلیہ کا سینہ کھول دیا اور انہوں نے دل سے اسلام قبول کرلیا۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ رضی اللہ عنہا ہی نہیں کئی دوسرے صحابہ بھی آغاز اسلام میں اسلام کے مخالف رہے جس کی سب سے بڑی مثال حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ہے۔ مگر ان تمام حضرات نے جب اسلام قبول کرلیا تو بفحوائے حدیث قبول اسلام سے اللہ نے شرک سمیت ان کے پچھلے تمام گناہ معاف کردیئے۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ رضی اللہ عنہا کا البتہ یہ بھی گناہ تھا کہ وہ بنی امیہ میں سے تھے اس لئے بعض لوگوں نے انہیں آج تک معاف نہیں کیا۔ حالانکہ شرعی نقطہ نظر سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معاملے میں کف لسان ہی ضروری نہیں بلکہ ان سے محبت رکھنا ضروری ہے اس لئے کہ حدیث نبوی کی رو سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بغض ہے۔ قرآن وحدیث فرق ومراتب کے باوجود تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایمان اور اللہ کے ہاں ان کے عظیم مرتبہ پر گواہ ہیں لیکن اس کے باوجود بعض مخصوص طبقات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنا فرض سمجھتے ہیں اور ان حضرات کے متعلق مسلسل غلط فہمیاں پھیلاتے رہتے ہیں۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کی آل واولاد کے متعلق تو بہت سے سنی کہلانے والے بھی منفی جذبات رکھتے ہیں حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: ''الاسلام یھدم ما کان قبلہ'' اسلام لانے سے قبل از اسلام کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ حیرت انگیز امر ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ کا اسلام قبول کرلیا اور فتح مکہ کے موقع پر حضرت ابوسفیان کو اعزاز بخشتے ہوئے حکم جاری کیا کہ جو شخص دار ابی سفیان میں داخل ہوجائے اسے امان حاصل ہے لیکن بہت سے لوگ اس کے باوجود ان کے ایمان کو مشکوک سمجھتے ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ سوءظن رکھتے ہیں اور اس بدگمانی کے سبب وہ اپنا ایمان ضائع کربیٹھتے ہیں یا کم از کم خطرہ میں ضرور ڈال لیتے ہیں۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کی آل واولاد کے متعلق غلط کار لوگوں کی پھیلائی ہوئی دھند کو صاف کرنے کے لئے مخدوم العلماء حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے زیر نظر کتاب لکھی ہے جو کہ ۱۹۸۳ء بمطابق ۱۴۰۳ھ میں لکھی گئی۔ یہ کتاب ۱۴۰ صفحات پر مشتمل ہے جو کہ مختصر ہونے کے باوجود مواد کے اعتبار سے بہت اہمیت کی حامل ہے۔ اس مختصر کتاب میں وہ مواد آ گیا ہے جو بڑی کتابوں میں بھی یکجا نہیں ملتا۔ آغاز کتاب میں عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم کو قرآن وحدیث کی روشنی میں مختصر اور جامع انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

نام ونسب اور رشتہ داری:

اس عنوان کے تحت فاضل مصنفؒ نے مفصل تحریر کیا ہے کہ حضرت ابوسفیان کا شجرۂ نسب چوتھی پشت

میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ آپ کی صاحبزادی حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا امہات المؤمنین میں سے ہیں۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی والدہ صفیہ بنت ابی العاص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پھوپھی ہیں۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا یہ واقعہ بہت معروف ہے کہ ان کے والد بحالت کفر ایک دفعہ مدینہ منورہ پہنچے، اپنی بیٹی سے ملنے گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر پر بیٹھنا چاہا لیکن حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے تیزی سے بستر لپیٹ دیا اور کہا آپ مشرک ہیں، نبی کے بستر پر نہیں بیٹھ سکتے۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی دوسری رشتہ داری خاندان نبوت سے یہ تھی کہ میمونہ بنت ابی سفیان کی دختر لیلیٰ بنت ابی مرہ بن عروہ بن مسعود ثقفی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ تھیں جن سے علی اکبر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے کہ شہدائے کربلا میں سے ایک ہیں۔

بعض اہم عنوانات:

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام، آپؓ کی غزوات میں شرکت، مجاہدانہ کارنامے اور پر خلوص قربانیاں، حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ پر اعتماد نبوی، غزوۂ طائف میں شرکت اور ایک آنکھ کی قربانی، حضرت ابوسفیان کا بت شکنی کے لئے انتخاب، قضائے دین کے لئے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا تعین، تقسیم مال میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ پر اعتماد نبوی، ہدایا کا تبادلہ، صلح کے معاہدہ میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی شہادت، نجران کے صدقات پر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا عامل بنایا جانا، حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا ایک مرتد کو قتل کرنا، جنگ یرموک میں مجاہدانہ مساعی، حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا بڑا مخلصانہ مشورہ، منصب القاص کا تعین، حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ایمان افروز خطبے، یرموک میں چشم دیگر کی قربانی، آپ رضی اللہ عنہ کے حسن اسلام کی شہادت، آپ رضی اللہ عنہ کی روایات، آپ رضی اللہ عنہ کے آخری اوقات، شبہات کا ازالہ اور بعض روایات، ان عنوانات کے تحت حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی زندگی کے اہم پہلو ذکر کئے گئے ہیں۔

قواعد وضوابط:

صفحہ ۵۹ پر حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق روایات کو قبول کرنے، نہ کرنے کے حوالہ سے چند اہم قواعد وضوابط بیان کئے ہیں جن کو اپنائے بغیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق محتاط رویہ اختیار نہیں کیا جاسکتا۔

چند شبہات کا ازالہ:

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی سوانح کے آخر میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے متعلق مخالفین کے چند اعتراضات کا مسکت جواب دیا ہے۔

ازواج واولاد:

کتاب کے صفحہ ۶۸ پر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی ازواج واولاد کا مختصر تعارف کرایا گیا ہے۔

تذکرہ حضرت ہند رضی اللہ عنہا بنت عتبہ:

حضرت ہند رضی اللہ عنہا حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔ اسلام لانے سے قبل بڑی شدت کے ساتھ دین اسلام کی مخالفت میں پیش پیش رہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئیں۔ ان کا اسلام لانا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول فرمایا اور انہیں دوسری مسلم خواتین کے ساتھ بیعت کرنے کا شرف بھی بخشا۔ انہوں نے اپنے گھر میں ایک بت رکھا ہوا تھا جس کی وہ پوجا کیا کرتی تھیں، قبول اسلام کے بعد آپ نے کلہاڑا لے کر اسے پاش پاش کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: الاسلام یھدم ما کان قبلہ۔ قبول اسلام سے قبل از اسلام کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اس لئے حضرت ہند کے دین اسلام کی مخالفت کرنے کے واقعات کا تذکرہ کرنا اور ان واقعات کی بنیاد پر ان سے بغض رکھنا اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بھی حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور حضرت ہند رضی اللہ عنہا کے قبول اسلام کے بعد زمانہ جاہلیت کے واقعات ان کے سامنے کبھی تذکرہ نہیں فرمایا بلکہ ان سے مشفقانہ رویہ اختیار فرمایا اور یہ رویہ مسلسل برقرار رکھا۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے پورے گھرانے نے جنگ یرموک میں جان و مال کی قربانی پیش کی۔ حضرت ہند رضی اللہ عنہا کا ۱۴ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال ہوا۔

حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما:

آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سوتیلے بھائی اور عمر میں ان سے بڑے تھے۔ آپ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے اور غزوۂ حنین میں شرکت کی۔ سیرت نگار حضرات حضرت یزید بن ابی سفیان کو کاتبانِ وحی میں شمار کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں علاقہ تیماء پر امیر مقرر فرمایا۔ آپ سے کتب سیر میں کئی روایات منقول ہیں۔

جب ۱۳ھ کے آغاز میں ملک شام کی طرف اسلامی لشکر بھیجنے کی ضرورت پیش آئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کو اسلامی فوج کے ایک حصہ کا سالار مقرر فرمایا۔ امیر لشکر کی حیثیت سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور آپ کے درمیان جو خط وکتابت ہوئی اسے بھی کتاب میں نقل کیا گیا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اہل شام کی دینی تعلیم کے لئے حضرت یزید رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان کے طلب کرنے پر حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابودرداء اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ رضی اللہ عنہم کو بھیجا گیا جنہوں نے ملک شام میں بڑے اچھے طریقہ سے دین کی اشاعت کی۔ حضرت یزید رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان نے شام،

اردن اور فلسطین وغیرہ علاقوں کی فتح میں اہم کردار ادا کیا۔آپ کا ۱۹ھ میں ملک شام میں انتقال ہوا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کی جگہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام کا گورنر مقرر فرمایا۔

ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا:

ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی والدہ صفیہ بنت العاص، حضرت عثمان بن عفان کی پھوپھی اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہا اور حضرت یزید رضی اللہ عنہا کی سوتیلی بہن تھیں جسے اصطلاحاً علاتی بہن کہتے ہیں۔

آپ کا پہلا نکاح عبیداللہ بن جحش سے ہوا اور ان سے حبیبہ نامی ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کی طرف نسبت کر کے آپ ام حبیبہ کہلاتی ہیں۔آپ نے اپنے خاوند کے ہمراہ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔وہاں جا کر عبیداللہ مرتد ہو کر عیسائی بن گیا اور اسی حالت میں وہاں فوت ہو گیا۔

۷ھ کی ابتدا میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجاشی کی طرف حضرت ام حبیبہ سے نکاح کے لئے پیغام بھیجا جو انہوں نے قبول کرلیا اور اپنے قریبی رشتہ دار خالد بن سعید بن العاص بن امیہ کو اپنا وکیل مقرر کیا۔نجاشی نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کردیا اور چار سو دینار حق مہر مقرر کیا اور یہ رقم اپنی طرف سے ادا کی اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو حضور کی خدمت میں مدینہ منورہ روانہ کردیا۔آپ کے فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ آپ نسب کے اعتبار سے دیگر ازواج مطہرات کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیادہ قریب ہیں اور آپ کا حق مہر بھی دیگر ازواج کی مطہرات کی نسبت سے زیادہ تھا۔

آپ سے ۶۵ روایات مروی ہیں۔آپ کا ۴۴ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال ہوا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

حرفِ آخر:

اس مختصر کتابچہ کے لئے بھی حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے اہل سنت کی ۴۶ کتب اور اہل تشیع کی ۴ کتابوں سے استفادہ کیا۔اس سے کتاب کے بلند پایہ ہونے کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

عظمت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم:

زیر نظر باب میں کئی جگہ یہ بات دہرائی گئی ہے کہ صحابہ کرام و اہل بیت رسول کے گن گانا، ان کے کمالات، خوبیوں، اوصاف حمیدہ، خدمات اور عظمت شان کو منظر عام پر لانا اور ان کے ایمان، خلوص، کردار اور خدماتِ اسلام کے حوالے سے مخالفین کے ذہنوں میں پیدا ہونے والے ہر قسم کے شکوک وشبہات اور اعتراضات کا علمی جواب دینا اور حضرات صحابہ و اہل بیت نبوی کا دفاع کرنا مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کا زندگی بھر مشغلہ بلکہ مشن رہا۔ ان کی پوری زندگی، تمام توانائیاں اور وسائل اسی کام کے لئے وقف رہے۔

وہ مطالعہ اور تحقیقی تجسس کے عادی تو تھے ہی جس کا اندازہ نایاب قسم کی اور امہات الکتب کے درجے کی ہزاروں کتابوں پر مشتمل جامعہ محمدی کے دارالکتب اور ان کے ذاتی کتب خانے میں موجود کتابوں کے استرے/اوراق پر مولانا کے نوٹس اور پوری کتاب میں اہم حوالہ جات کی نشاندہی سے لگایا جاسکتا ہے۔ ان کتابوں کے مطالعے کے دوران انہیں جہاں بھی کوئی بات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خصوصیت اور عظمت شان کے حوالے سے ملتی اسے علیحدہ نوٹ کر لیتے۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی عظمت کے چند مختلف گوشوں/ پہلوؤں مثلاً حجیت صحابہ کرام، عدالت صحابہ کرام، مقام صحابہ، اتباع خلفاء راشدین، مشاجرات صحابہ کرام اور ان کا حکم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عمومی فضیلت کے موضوع پر ان کے پاس بقدر ضرورت مواد اور حوالہ جات جمع ہو گئے اور اب انہیں ترتیب دینے کا وقت آیا تو ان کی صحت جواب دے گئی۔ صرف جسمانی کمزوری ہی نہیں بلکہ معذوری کا شکار ہو گئے تو انہیں ان مذکورہ مضامین کو ترتیب دلانے کی فکر لاحق ہوگئی۔

اس علمی اور تالیفی کام کے لئے ان کی نظر انتخاب راقم پر پڑی۔ یہ محض ان کی شفقت تھی اور حسن ظن ورنہ من آنم کہ من دانم۔ وفات سے کوئی ڈیڑھ دو سال قبل راقم کو اس کی ترتیب کا حکم دیا۔ ان کی آخر دم تک زبردست خواہش رہی کہ ان کی زندگی ہی میں یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے اور منظر عام پر آجائے مگر راقم کی دفتری مصروفیات اور بعض خانگی مسائل کے باعث ایسا نہ ہوسکا۔ البتہ اتنا ضرور ہوا کہ سوائے آخری مضمون کے باقی مضامین مولانا کی زندگی میں مرتب ہو گئے تھے اور انہوں نے دیکھ کر اطمینان کا اظہار بھی فرمایا تھا۔

۱۸۴ صفحات پر مشتمل یہ کتاب مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ مضامین پر مشتمل ہے جسے دارالکتاب لاہور نے فروری ۲۰۱۶ء میں شائع کیا ہے۔ ابتدائیہ میں عبدالجبار سلفی نے بڑے زوردار الفاظ میں مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کو خراج عقیدت پیش کیا اور ان کی علمی خدمات کو سراہا ہے۔ کتاب میں مندرجہ بالا مستقل مضامین اور بحثوں کے علاوہ ''متفرقات'' کے تحت ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خوشی کے موقع پر رسمیں''، ''لڑکیوں کی رخصتی کے موقع کی رسم'' اور ''بچوں کی ولادت کے موقع پر رسم'' وغیرہ منفرد قسم کی معلومات بھی موجود ہیں جو بہت کم لوگوں کے مطالعہ میں آئی ہوں گی۔

متفرق مضامین و مقالات

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی ڈائریوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مستقل کتابوں کی تصنیف سے بہت پہلے مختلف موضوعات پر تحقیقی مقالات و مضامین لکھنے کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ یہ مضامین اس دور کے معروف پرچوں ہفت روزہ ''دعوت'' لاہور، تنظیم اہلسنت لاہور/ ملتان، ماہنامہ ''شمس الاسلام'' بھیرہ، ماہنامہ ''الجامعہ'' جامعہ محمدی شریف، ماہنامہ الفاروق چوکیرہ، سرگودھا میں شائع ہوتے رہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ ان مضامین کا ریکارڈ

موجود ہے نہ مولانا نے خود اس چیز کا کوئی اہتمام کیا۔ آپ کے ورثاء، شاگردوں، متوسلین، معتقدین یا دوسرے محققین میں سے کوئی باہمت ان مقالات ومضامین کی جمع وتدوین کی ہمیت کر سکے تو یہ ایک بڑی علمی خدمت ہوگی۔

راقم مؤلف صرف آٹھ دس سال کی ڈائریاں (۱۹۴۶ء تا ۱۹۵۶ء جن میں ۱۹۴۷ء کی ڈائری صاحبزادہ ابوبکر صدیقی کے مطابق گم ہے) دیکھ سکا ہے۔ ان میں کوئی ۱۳ عدد مضامین کا ذکر ہے۔ یقیناً آئندہ سالوں کی ڈائریوں میں بھی کئی منفرق مضامین ہوں گے۔ بہرکیف ذیل میں ان مضامین کی نشاندہی کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۱- قادیانی نبوت کا جائزہ:

۴؍جولائی ۱۹۴۹ء کی ڈائری میں درج ہے: ''تردید مرزائیت کی قلمی ابتداء بعونہ تعالیٰ۔ قادیانی نبوت کا جائزہ کے نام (عنوان) سے ایک مضمون تردید مرزائیت میں لکھا گیا ہے۔''

اسی تاریخ میں پھر یہ بھی لکھا ہے کہ ''پرچہ تنظیم لاہور میں شائع ہو چکا ہے۔''

۲- ''ماہِ ذی الحجہ کی فضیلت اور حج وقربانی کے اسرار''

۲۷؍ستمبر ۱۹۴۹ء کی یادداشت میں درج ہے:

''ذوالحجہ، اس ماہ کی فضیلت اور اس کے اسلامی رسومات حج، قربانی کے فوائد، اسرار پر ایک مضمون ۱۴ صفحات کا لکھا گیا ہے۔ تنظیم، شمس الاسلام، الجامعہ کو اشاعت کے لئے دینے کا ارادہ ہے۔''

یہ مضمون ''شمس الاسلام'' بھیرہ کے شمارہ ذیقعدہ ۱۳۵۹ھ/ستمبر ۱۹۵۰ء میں شائع ہوا۔ بعنوان ''فلسفۂ حج'' (ڈائری ۱۶؍ستمبر ۱۹۵۰ء)

۳- معراج شریف:

۹؍مئی ۱۹۵۰ء کی ڈائری میں لکھا ہے: ''معراج، ایک مضمون تجویز ہو رہا ہے۔ اللہ کرے مفید اور کارآمد ہو سکے۔''

۱۰؍مئی ۱۹۵۰ء کی تاریخ میں درج ہے: ''تنظیم اہلسنت کو معراج کے مضمون کا قریباً نصف حصہ تیار کر کے روانہ کیا گیا ہے۔''

۴- صدیقی حالات وفضائل:

۱۵؍مئی ۱۹۵۰ کی تاریخ میں ''یادداشت'' کے عنوان سے درج ہے:

''فضائل صحابہ کے سلسلے میں صدیقی حالات کی پہلی قسط یکم مئی اور دوسری قسط ۱۵؍مئی کو ''رحیل'' جھنگ میں شائع ہوئی ہے۔ مگر اس پرچہ کا معیار بلند نہیں ہے۔

۱- ایک تو کتابت کی غلطیاں بکثرت۔

۲- طباعت کی صفائی نہ ہونے کی وجہ سے حرف مسخ شدہ ہیں۔

۳- نیز تمام کتابت، طباعت، کاغذ وغیرہ بھدا سا ہے تاہم اس خیال سے کہ نہ ہونے سے بہتر ہے۔ اپنی فضاء علاقہ کے لحاظ سے اس کا اجراء نہایت اہم ہے۔ ''گوش زدہ اثرے دارد''۔ اس کے مدنظر یہ کارِ خیر جاری وساری رہنا ضروری ہے۔

۵- اشتہار ''انتشار نہ پھیلایئے'' کا جوابی مضمون:

مناظرہ کوٹ چُغطہ (جس کی تفصیل مناظرہ جات کے باب میں موجود ہے) کے موقع پر اہل تشیع نے ایک اشتہار بعنوان ''انتشار نہ پھیلایئے'' مؤرخہ ۲۱؍جنوری ۱۹۵۲ء کو طبع کرا کر تقسیم کرایا جس میں انہوں نے اہلسنت والجماعت کو موردِ الزام ٹھہرایا۔ اس اشتہار کے جواب میں مولانا نے ایک جوابی مضمون تیار کیا جس میں آپ نے ثابت کیا کہ انتشار کا ارتکاب ہمیشہ شیعوں کی طرف سے ہوتا ہے نہ کہ اہلسنت والجماعت کی طرف سے۔ چنانچہ آپ نے ۲۹؍جنوری ۱۹۵۲ء کی یادداشت میں لکھا ہے:

''اشتہار ''انتشار نہ پھیلایئے'' کا جوابی مضمون تیار کیا جا رہا ہے۔ بعونہ تعالیٰ۔ تمام مواد ''رضا کار'' لاہور سے فراہم کیا گیا ہے۔ نصاب دینیات کی مخالفت، اوقاف کی مزاحمت، جداگانہ نیابت کے لئے تاریں جگہ جگہ محاذ حسینی قائم کرنا وغیرہ وغیرہ۔''

مدلل جوابی مضمون ''ملت پاکستان میں انتشار پھیلانے والے کون ہیں'' کے عنوان سے ہفت روزہ ''دعوت'' لاہور کے یکم فروری ۱۹۵۲ء کو بھیجا گیا اور فروری کے دوسرے ہفتہ کے شمارہ میں شائع ہوا۔

۶- ''فضائل صدیقی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی زبان سے'':

۴؍مارچ ۱۹۵۲ء کی یادداشت میں ہے: ''مضمون ''فضائل صدیقی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی زبان سے'' مدون کر کے آج روانہ کیا جا رہا ہے۔ دعوت والے شائع کریں گے۔''

یہ مضمون مولانا کی ڈائری کے مطابق ۱۰؍اپریل ۱۹۵۲ء والے پرچہ میں شائع ہوا۔

۷- ''نسخ'':

۳۰؍اپریل ۱۹۵۲ء کی تاریخ میں درج ہے: ''آج مضمون ''نسخ'' مکمل کر کے شمس الاسلام بھیرہ کو روانہ کیا ہے۔''

۸- : حسنین شریفین رضی اللہ عنہما اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین تعلقات :

۱۰/ اگست ۱۹۵۳ء کی ڈائری میں بطور یادداشت لکھا ہے:

''یکم محرم/ ۱۰/ ستمبر کو ''دعوت'' لاہور کا ''شہادت نمبر'' آرہا ہے۔ ضروری ہے بفضل خدا تعالیٰ اس میں ''حسنین شریفین رضی اللہ عنہما اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین تعلقات'' پر کچھ سپرد قلم کیا جائے۔ یہ منیجر ''دعوت'' کو لکھ دیا گیا ہے۔ یاد رہے۔

مولانا نے یہ مضمون ترتیب دے کر ۲۵/ اگست ۱۹۵۳ء کو دعوت لاہور کو ارسال کیا۔

۹- سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حالات :

۲۷/ اکتوبر ۱۹۵۳ء کی ڈائری میں لکھا ہے:

''سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حالات غزوۂ احد تک ''دعوت'' کو اشاعت کے لئے ارسال کر دیئے گئے ہیں۔ اس سے آگے مضمون مرتب کر کے ارسال کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ فاحفظہ''

یہ مضمون لگتا ہے کئی قسطوں میں شائع ہوا۔ ۱۶/ جولائی ۱۹۵۴ء کی یادداشت میں درج ہے:

''صدیقی مضمون کی آخری قسط ''دعوت'' میں شائع ہو کر ختم ہو رہی ہے۔ آگے سلسلہ جاری رکھنے کے لئے سعی درکار ہے۔''

۱۰- سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے حالات :

۱۴/ اگست ۱۹۵۴ء کی یادداشت میں لکھتے ہیں:

''آج ''دعوت'' کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے حالات قلمبند کر کے سپرد ڈاک کئے۔ اس کے بعد ان شاء اللہ فاروقی حالات ذکر ہوں گے۔ اصلاح محرم کے مضامین بھی ضروری ہیں۔ اگر ہو سکیں۔''

۱۱- موافقات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ :

۲۷/ فروری ۱۹۵۶ء کی یادداشت میں لکھا ہے: ''موافقات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عنوان سے ایک مختصر سا مضمون تیار کیا جا رہا ہے۔'' اس مختصر مضمون کی دو قسطیں ملتان کے پتہ پر تنظیم کے دفتر میں ارسال کر دی گئیں۔ (ڈائری مؤرخہ ۳/ مارچ ۱۹۵۶ء)

۱۲- قرابت خاندان کا لحاظ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی نظر میں :

یہ مضمون ''دعوت'' کے ''فاروق اعظم نمبر'' کے لئے ۲۵/ ذی الحجہ ۱۳۷۵ھ/ ۳/ اگست ۱۹۵۶ء کو

ارسال کیا گیا۔ مگر مذکورہ یادداشت کے مطابق وسط ربیع الاول ۱۳۷۶ھ کے شمارہ میں شائع ہوا۔

۱۳-اولیات خصوصیات صدیقی:

۱۰ رنومبر ۱۹۵۶ء کی یادداشت میں لکھتے ہیں:

''اولیات خصوصیات صدیقی'' پھر جدید طریقے سے مرتب کئے جارہے ہیں۔ ''الفاروق'' میں شائع کرانے کا ارادہ ہے۔ بعونہ تعالیٰ۔

یہ مضمون ۲۳ رنومبر ۱۹۵۶ء کو''الفاروق'' جو کیرہ، سرگودھا کو روانہ کیا گیا۔

تصانیف کے مصادر ومراجع:

کسی بھی آدمی کی تصنیف، تالیف یا تحقیقی کاوش کو اگر ایک ''عمارت'' اور اس تصنیف کے مصادر (مآخذ، منابع) اور مراجع کو ''مسالہ'' اور ''میٹریل'' سے تشبیہ دی جائے تو شاید غلط نہ ہوگا۔ اس تشبیہ کی رو سے جس طرح ایک عمارت کی پختگی اور مضبوطی کا دار و مدار ''مسالہ'' اور ''میٹریل'' کی کوالٹی/معیار پر منحصر ہے۔ اسی طرح ایک تصنیف کی پختگی یا دوسرے لفظوں میں اس کی صحت اور اعتماد واستناد کا انحصار بھی اس کے مصادر و مآخذ اور مراجع پر ہے۔ جس پائے کے مصادر و مراجع ہوں گے وہ تصنیف بھی اسی پائے کی متصور ہوگی۔

مولانا نے اپنی تصانیف میں کس درجے اور پائے کے مصادر و مراجع کو سامنے رکھا اور ان سے روایات اخذ کیں، ان کی تفصیل اور وضاحت سے پہلے تحقیق کے عام طلبہ کے لئے یہاں مصادر و مراجع کا فرق بھی واضح کر دیا جائے تو شاید بے جانہ ہوگا۔ تو اس سلسلے میں پنجاب یونیورسٹی شعبہ عربی کے چیئرمین پروفیسر ڈاکٹر خالق داد ملک کی درج ذیل وضاحت کافی ہے:

مصادر ومراجع کے درمیان فرق:

مصادر و مراجع دو الگ الگ اصطلاحات ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا اطلاق کتابوں کے ایک مجموعے پر کیا جاتا ہے، جن سے محقق اپنی تحقیق کے دوران استفادہ کرتا ہے۔ البتہ ان دونوں مجموعوں کے درمیان بنیادی طور پر ان کی خصوصیات کی وجہ سے کچھ فرق ہے۔

مصدر سے مراد وہ کتاب ہے جو علوم میں سے کسی علم کے بارے میں ایسے طریقے سے تحقیق کرتی ہو جس میں جامعیت، وسعت اور ایسی گہرائی ہو جو اس کتاب کو ایسا اصلی ذریعہ (Original Source) بنادے کہ محقق اس علم کے بارے میں تحقیق کرنے کے لئے اس کتاب سے بے نیاز نہ ہوسکے۔

دوسرے لفظوں میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ مصادر سے مراد ایسی دستاویزات اور مؤلفین کے اپنے ہاتھوں سے لکھی ہوئی تحقیقات ہیں، یا کسی خاص واقعہ کے عینی شاہدین اور معاصرین کی لکھی ہوئی ایسی تحریریں ہیں جو واقعات وحادثات رونما ہوتے وقت موجود تھے اور دیکھ رہے تھے اور انہوں نے انہیں اپنے قلم سے مدوّن کرلیا۔ پس وہ اپنے بعد آنے والوں کے لئے مصادر تھے یا وہ آنے والی نسلوں کے لئے گزشتہ علوم و معارف کو جمع کرنے والے اور نقل کرنے کا بڑا واسطہ اور ذریعہ تھے۔ چنانچہ علامہ ابن جریر طبری کی تفسیر ''جامع البیان'' مصدر کا درجہ رکھتی ہے کیونکہ یہ ایسا اصل الاصول ہے کہ علم تفسیر میں تحقیق کرنے والوں کے لئے اس سے استغنا ممکن نہیں۔ امام بخاری کی ''الجامع الصحیح'' اور امام مسلم کی ''صحیح مسلم''، علم حدیث میں مصادر اور اصول کا درجہ رکھتی ہیں۔ ابن اثیر کی ''الکامل فی التاریخ'' اور مسعودی کی ''مروج الذھب'' ایسے مصادر ہیں کہ تاریخ اسلامی کے محقق کے لئے ان کی طرف رجوع کئے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ ادب عربی میں مبرّد کی کتاب ''کتاب الکامل''، جاحظ کی ''البیان والتبیین''، ابن قتیبہ کی ''أدب الکاتب'' اور ''الشعر والشعراء'' اور قلقشندی کی ''صبح الاعشیٰ'' مصادر کا درجہ رکھتی ہیں۔ اسی طرح ''سیرت ابن اسحاق''، ''سیرت ابن ھشام'' اور خلیل بن احمد فراہیدی کی ''معجم العین'' اپنے اپنے موضوعات میں مصدر اور اصول کا درجہ رکھتی ہیں۔ مراجع سے مراد وہ کتابیں ہیں جن کے علمی مواد کی بنیاد اصل مصادر پر رکھی جاتی ہے۔ چنانچہ ان کا مواد اصل کتابوں سے نقل کیا جاتا ہے اور اس کی شرح وتحلیل، تنقید و تبصرہ یا تلخیص کی جاتی ہے۔ مراجع میں جس طرح کی کتابیں شامل ہوتی ہیں ان کی کچھ مثالیں درج ذیل ہیں:

امام نووی کی انتخاب کردہ احادیث ''اربعین نوویہ''، ابن اثیر کی ''جامع الاصول''، علامہ سیوطی کی ''الجامع الصغیر فی الحدیث''، علامہ زرکلی کی ''الاعلام''، عمر رضا کحّالہ کی ''معجم المؤلفین''، سید قطب کی ''مشاھد القیامۃ فی القرآن الکریم''، ڈاکٹر محمد عجاج الخطیب کی ''اصول الحدیث'' اور لوئیس معلوف کی ڈکشنری ''المنجد'' وغیرہ۔ علاوہ ازیں ایسی بہت سی کتابیں مراجع کی فہرست میں آتی ہیں جو مصادر اصلیہ کے تابع اور ان سے ماخوذ ومنقول ہوتی ہیں۔

مذکورہ بالا تفصیل کی بنا پر ہم مختصراً یہ کہہ سکتے ہیں کہ کسی علم میں لکھی گئی وہ بنیادی کتابیں کہ جن سے اس علم میں تحقیق کرنے والا مستغنی و بے نیاز نہ ہو سکے مصادر کہلاتی ہیں۔ اور وہ کتابیں جو مصادر کو بنیاد بنا کر اور ان میں موجود علوم و معارف کے کچھ پہلوؤں کو نئے انداز، حاشیہ، شرح، تحلیل، تنقید، تبصرہ اور تلخیص کے ساتھ پیش کی جائیں انہیں مراجع کہا جاتا ہے۔ محقق کے لئے ضروری ہے کہ کسی موضوع پر تحقیق کرتے وقت ہمیشہ قدیم اور اصلی مصادر کی طرف رجوع کرے اور اپنی معلومات کو وہیں سے نقل کرے۔ اصلی مصادر کی دستیابی کے باوجود مراجع سے مواد و معلومات اخذ کرنا بہت بڑی غلطی ہے۔ علماء و محققین نے اس بات کی صرف اس وقت اجازت دی ہے جب مصادر مفقود ہو جائیں اور مراجع سے معلومات لینے کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہے۔ بہر حال اصلی مصادر کی طرف

رجوع کئے بغیر جو بھی مقالہ لکھا جائے گا وہ اصلیت اور متانت وپختگی سے عاری ہوگا۔[1]

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب موصوف نے اصلی مصدر (Original Source) اور ثانوی مرجع (Secondary Source) کا مزید فرق سمجھانے کے لئے چند مثالوں کا بھی ذکر کیا ہے جن کا اندراج طوالت کا باعث ہوگا۔

مصادر و مراجع کی اس وضاحت، فرق اور اہمیت کی روشنی میں جب کوئی محقق اور اہل علم مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی ہر تصنیف کے آخر میں درج مصادر و مراجع یا مآخذ و مراجع کی فہرست پر ایک نظر ڈالے گا تو وہ یقیناً اس امر کی تصدیق کرے گا کہ مولانا کے مصادر و مراجع میں ۹۰، ۹۵ فیصد مآخذ بنیادی مصادر (Original Source) سے جبکہ باقی پانچ دس فیصد ثانوی مراجع (Secondary Source) سے تعلق رکھتے ہیں۔

راقم کا ذاتی مشاہدہ ہے کہ مولانا کسی بڑے سے بڑے فاضل، محقق اور لکھاری کے دیئے گئے حوالے پر عام مصنّفین کی طرح اندھا اعتماد نہیں کر لیتے تھے۔ کسی فاضل کے تحریر کردہ حوالہ کو جب تک اصل کتاب سے اور اس کے سیاق وسباق کو دیکھ نہیں لیتے تھے، اپنی کتاب میں درج نہیں کرتے تھے۔ یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ ان کی تمام تصانیف میں کوئی ایک حوالہ بھی ایسا نہیں ہوگا جسے انہوں نے اصل کتاب/مصدر کو دیکھے بغیر محض کسی دوسرے مصنف پر اعتماد کرتے ہوئے درج کر دیا ہو۔

ان کی مقدور بھر کوشش ہوتی تھی کہ مطلوبہ روایات اصل اور بنیادی مصدر (Original Source) سے ہی اخذ کریں چاہے اس کے لئے ان کو جتنی ورق گردانی کرنی پڑے، مشقت اٹھانی پڑے، تلاش کرنی پڑے۔ ثانوی مراجع (Secondary Source) کا حوالہ بنیادی ماخذ کی عدم دستیابی کی صورت میں ہی آیا ہے ورنہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ بلا حوالہ کوئی بات درج کرنا تو بہت دور کی بات ہے وہ ناپختہ اور کمزور حوالہ دینا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔

مولانا کی تصانیف کا زیادہ تر تعلق تاریخ، تاریخی حقائق وواقعات اور عقائد سے ہے۔ اس موضوع کے ساتھ انصاف کرنا اتنا آسان نہیں کیونکہ بعض راویوں، مؤرخین اور مصنّفین نے اہل بیت نبوی اور اصحاب رسول کے بارے میں اپنے مخصوص نقطۂ نظر اور تعصب کے باعث متعلقہ روایات و واقعات میں اتنا التباس، اتنی غلط فہمیاں، اتنے مغالطے اور اتنے شکوک وشبہات ایسی چالاکی سے پیدا کر دیئے ہیں کہ ان میں صحیح اور غلط کی پہچان عوام الناس اور عام قارئین تو درکنار بڑے بڑے علماء کے بس کا روگ بھی نہیں۔

مولانا نے قرآن وحدیث کی نصوص، اجماع امت اور اہلسنت والجماعت کے اجماعی عقیدہ کی روشنی

---

[1] تحقیق وتدوین کا طریقہ کار، اورینٹل بکس، لاہور، ۱۴۳۲ھ/ ۲۰۱۲ء، ص ۸۳-۸۵۔

میں مذکورہ قسم کے مشتبہ، شکوک وشبہات سے بھرپور اور رطب ویابس تاریخی مواد کو روایت ودرایت کی کسوٹی پر پرکھا اور اس کے لئے مستندترین اور علماء کے نزدیک مسلمہ مصادر ومراجع سے اپنے مؤقف کے حق میں دلائل پیش کئے۔ یہ وہ مصادر ومراجع ہیں جن کی صحت واستناد پر علماء کا اتفاق ہے۔

مولانا کی اکثر تصانیف کے آخر میں اس کے مآخذ ومراجع کی فہرست موجود ہے۔ جو لوگ کتابی دنیا اور میدانِ تحقیق کے شناسا ہیں انہیں ان مصادر ومراجع پر ایک نظر ڈالنے سے ہی مولانا کی تصانیف کی قدر وقیمت اور درجۂ استناد کا اندازہ ہوجائے گا۔

باب نہم

تصانیف کا تحقیقی منہج واُسلوب

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کی خصوصیات میں یہ بات بھی داخل ہے کہ ان کا سارا مواد انتہائی مستند اور بنیادی مآخذ ومراجع سے ماخوذ ہے۔ اگر کہیں ثانوی مآخذ کا حوالہ آیا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ انہیں بنیادی مآخذ دستیاب ہی نہیں ہوسکا ورنہ یہ طریق کار ان کے مزاج اور اسلوب تحقیق ہی کے خلاف تھا۔ ان کا مستقل معمول تھا کہ کسی بڑے سے بڑے مصنف پر اعتماد کرتے ہوئے کسی کتاب کا براہ راست حوالہ نہیں دیتے تھے جب تک کہ خود اس کتاب کا متعلقہ مقام اور اس کا سیاق وسباق نہیں دیکھ لیتے تھے۔ تمام تصانیف میں کسی قسم کی سطحی اور غیر معیاری عبارت شامل نہیں۔ اندازِ تحریر مناظرانہ، مخاصمانہ، مخالفانہ، فرقہ ورانہ، تکلفانہ اور جارحانہ کے بجائے مفاہمانہ، ناصحانہ، دوستانہ، انتہائی سادہ، پراثر اور مبنی برحقیقت ہے۔ کوئی ایک جملہ بلکہ لفظ تک ایسا دکھائی نہیں دیتا جس سے دوسرے مسلک یا نقطۂ نظر کے حامل آدمی کی دل آزاری یا تنقیص وتحقیر ہوتی ہو۔

تمام تصانیف میں نہایت آسان اور نرم زبان استعمال کی گئی ہے۔ مخالفین کو ''دوست، احباب، بزرگ، معترض دوست کہتے ہیں۔ معترضین احباب کی طرف سے، معترض دوستوں نے لکھا ہے، معترض احباب نے، معترض بزرگوں کی جانب سے، معترض بزرگوں نے'' جیسے الفاظ اور جملوں سے یاد کیا گیا ہے۔

طریق استدلال واسلوب:

ساری کتابوں میں عام معمول یہ نظر آتا ہے کہ پہلے اپنے نقطۂ نظر کو قرآن وسنت کی روشنی میں لکھتے ہیں۔ پھر اس کی تائید میں سنی، شیعہ ہر دو مکتب فکر کی مستند کتابوں سے حوالہ جات کی بھرمار کر دیتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اس عمومی معمول واسلوب کی ایک جگہ یوں وضاحت فرمائی ہے:

''تعلقات کے ان مضامین کی حقانیت وصداقت پر ہمارا اصل استدلال قرآنِ مجید سے ہے۔ قرآنِ مجید نے واضح عبارت اور واشگاف الفاظ کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ رحمۃ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں رحمٰن ورحیم نے اپنی شانِ رحمت کا ظہور بطریق اتم فرمایا ہے۔ یہ سب آپس میں رحم دل ہیں اور ان کے دلوں میں شفقت والفت بھر دی گئی ہے۔ ان کے مابین اخوتِ دینی اور اسلامی برادری کا رشتہ ہمیشہ سے قائم ودائم ہے۔ باقی روایات وتاریخی واقعات اور مسلمہ حقائق جو کچھ بھی ہم اس باب میں ذکر کریں گے وہ سب نص قرآنی کی تائید وتصدیق کے طور پر درج کریں گے۔ اس کی مستقل دلیل کی حیثیت نہ ہوگی۔ اس چیز کو ہمارے

ناظرین کرام اچھی طرح ذہن نشین فرمالیں۔ یہ اصولِ موضوعہ میں سے ہے۔ جب ہمارے دعویٰ کی اصل دلیل ''نصوصِ قرآنی اور آیاتِ فرقانی'' ہیں تو یہاں مقامِ استدلال میں وہی روایات قابلِ تسلیم اور لائق قبول ہوں گی جو نصِ قرآنی اور سنت مشہورہ کے مطابق ہوں اور جن میں صحابہ کرام کی باہمی اُلفت وشفقت واخوت، رأفت و عطوفت کے واقعات درج ہوں اور جن میں محبت و یگانگت اور دوستی و آتشی کے حالات مذکور ہوں۔ جن روایات میں اس کے برعکس ان بزرگوں کے دمیان مناقشات، ناراضگی، مشاجرات، تنازعات اور رنجیدگی کے نقشے کھینچے گئے ہیں وہ تمام تر ذخیرے یہاں معارضہ کے مقام میں کام نہ دے سکیں گے اور ان کے ساتھ معارضہ پیش کرنا درست بھی نہ ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ فریقین (اہل سنت واہل تشیع) کے ہاں اپنی جگہ یہ قاعدہ مسلم الطرفین ہے کہ جو روایت نصِ قرآنی اور سنت مشہورہ کے خلاف مروی ہو اور کوئی تاویل وتطبیق یا موافقت کی صورت نہ دے سکے، وہ قابلِ ردّ ہوتی ہے، لائق تسلیم نہیں ہوتی۔''[۱]

مولانا کے اسلوبِ بیان کی مزید وضاحت آپ کے ایک استاذ گرامی مولانا محمد چراغ رحمۃ اللہ علیہ کے تأثرات سے ہوجاتی ہے جس کا اظہار انہوں نے اپنے شاگرد عزیز کے نام درج ذیل ایک مراسلہ میں فرمایا ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱:......میں نے کتاب ''مسئلہ اقربانوازی'' ضمیمہ ''رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ'' تصنیف عزیزم مولانا محمد نافع سلمہ اللہ تعالیٰ کا اوّل سے آخر تک مطالعہ کیا۔

۲:......کتاب نہایت آسان اور سادہ زبان گویا ''سہل ممتنع'' ہے۔ کوئی الجھن، گنجلک نہیں۔ اپنے مطالب میں بالکل واضح ہے۔

۳:......عزیز مؤلف کی محنت اور تلاشِ کتب نہایت ہی قابلِ قدر ہے اور اس میں کافی جدوجہد کرنی پڑی ہے۔

۴:......کتاب میں مناظرانہ رنگ نہیں، کوئی پروپیگنڈہ یا مخالف کی توہین وتقبیح نہیں کی گئی، نہایت نرم زبان بغیر تشدد وجارحیت کے تحریر کی گئی ہے بلکہ مخالف کو ''دوست، احباب'' اور ''بزرگ'' جیسے الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو (ص ۳۵، سطر ۷) ''معترض دوست کہتے ہیں'' (ص ۵۵، سطر ۱۰) ''معترضین احباب کی طرف سے'' (ص ۶۹، سطر ۵) ''معترض احباب کو اللہ ہدایت بخشے'' (ص ۷۲، آخری سطر) ''معترض احباب نے'' (ص ۷۷، سطر ۲) ''معترض دوستوں نے لکھا ہے'' (ص ۲۱۰، سطر ۸) ''معترض بزرگوں کی جانب سے'' (ص ۲۸۶، سطر ۳۳) ''معترض بزرگوں نے'' وغیرہم ایسے ہی الفاظ اور مقامات میں بھی ملتے ہیں۔

۵:......پانچ بحثوں میں مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

---

[۱] مولانا محمد نافع، رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ، مطبوعہ تخلیقات، لاہور، جلد اوّل، صفحہ ۱۹، ۲۰۔

۶:...... پہلے اپنے مضمون کو لکھتے ہیں، پھر اس پر حوالہ جات کی بھر مار کرتے ہیں، پھر اس کے نتائج کو زیرِ قلم لاتے ہیں۔ درمیان میں کوئی مخالف کی توہین و تقبیح نہیں کی گئی۔

۷:...... خود عزیز مؤلف کہتے ہیں: ص ۲۳ ''عام متداول طرزِ تصنیف کے خلاف اس کتاب میں یہ صورت اختیار کی گئی ہے کہ عموماً ایک مضمون و مفہوم کو عام ناظرین کرام کے لئے حوالہ کتاب کی عبارت سے پہلے خلاصہ کے طور پر درج کر دیا ہے۔ پھر اس کے بعد اصل حوالہ کی عبارت عموماً درج کی گئی ہے تاکہ اہل علم حضرات عبارت ملاحظہ فرما کر مضمون کی تسلی حاصل کر لیں۔'' میرے نزدیک یہ طرز تصنیف بہت اچھا ہے۔ کوئی معذرت کی ضرورت نہیں۔

۸:...... اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ میری طرف سے اور دیگر اہل اسلام کی طرف سے مؤلف کو اس محنت کی جزاءِ خیر دے۔ آمین۔

(محمد چراغ، مہتمم جامعہ عربیہ، جی ٹی روڈ، گوجرانوالہ، ۱۰ر جولائی ۱۹۸۱ء، ۱۲ر رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ)

اسی طرح مولانا کے ایک دوسرے استاذ گرامی مولانا قطب الدین اُچھالوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگرد کے اسلوب کی ایک مراسلے میں یوں تعریف کی ہے:

''محترمی جناب مولانا محمد نافع صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ غریب خانہ پہنچ کر سب سے پہلے کتاب اقرباء نوازی کا مطالعہ کیا۔ ہر دور میں حضرت امیر عثمان رضی اللہ عنہ پر جو مطاعن کئے گئے ان کے اہل حق نے تسلی بخش جواب دیئے لیکن مطاعن کے دفع کرنے کا جو اسلوب کتاب ہذا میں اختیار کیا گیا نہایت مستحسن ہے......الخ''

اس مراسلہ پر مولانا نے لکھا ہے: ''گرامی نامہ ہذا ۳ر شعبان ۱۴۰۱ھ/۶ر جون ۱۹۸۱ء کو موصول ہوا۔''

علیٰ ہذا القیاس ایک اور نامور عالم دین جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد کے بانی اور شیخ الحدیث مولانا نذیر احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مضمون ''حدیث القرطاس'' (مشمولہ فوائد نافعہ، حصہ اوّل) کے مطالعہ کے بعد آپ کے اسلوب بیان پر جو تبصرہ کیا وہ لائق مطالعہ ہے۔ چنانچہ مولانا کے نام ایک مراسلہ مؤرخہ ۹ر صفر ۱۴۱۸ھ میں لکھتے ہیں:

زینۃ خدام الصحابہ رضی اللہ عنہم محقق العصر حضرت مولانا محمد نافع صاحب دامت برکاتہم کی مبارک تحریرات حدیث القرطاس کے متعلق نہایت شوق اور عنایت سے دیکھنے کا موقع ملا۔

حضرت اقدس موصوف نے نہایت عمدہ ترتیب، بہترین تعبیر، مزاج سلف کے مطابق اندازِ تحقیق، خصوم کے مطاعن کی تقریر کر کے شافی جوابات کی لطیف تقریر و تبیین، الفاظ نرم دلائل گرم کا اسلوب محفوظ رکھنے کی سعی پھر ان

جوابات کی خصوم کی عبارات سے تائید غرضیکہ اس نوعیت کے تمام محاسن کو بجاطور پر ملحوظ رکھنے کی نہایت کامیاب کوشش فرمائی ہے۔

حضرت والا کی اس نوعیت کے موضوعات پر تصانیف ماشاءاللہ کثیر ہونے کے ساتھ ساتھ صحیح اور متین اور انتہائی نافع ہیں۔

حضرت کی تالیفات کا نفع عوام وخواص سب کے لئے ہے۔ ہر طبقہ بشرطِ انصاف ان سے نہ صرف مستفید ہوتا ہے بلکہ لذت اندوز بھی ہوتا ہے۔ عوام ان کی متانت کے ساتھ ساتھ سہولت سے فائدہ اٹھالیتے ہیں۔ خواص انداز تشریح وتحقیق سے اپنا دامن لبریز کر لیتے ہیں۔

حضرت کا اسلوب تصنیف اشتعال انگیزی سے دور، اعتدال کا حامل اور نمونہ سلف صالحین کے مطابق رہتا ہے۔ یہ اس دور میں عظیم کامیابی ہے۔

ایسی محقق شخصیت اور یہ پرکشش سادگی یہ بھی اس دور میں نعمت عظیم اور حسین آمیزش ہے۔

دل سے دعائیں ہیں کہ حق تعالیٰ حضرت کو صحت کاملہ اور عافیت دائمہ کے ساتھ ان لطائف کی توفیق مرحمت فرمائے رکھیں۔ ہر طبقہ کو ان کے جواب کی قدردانی کی صلاحیت عطا فرمائیں۔ ان کا نفع عام بھی ہو تام بھی ہو۔ آمین۔

کتبہ

احقر نذیر احمد غفرلہ۔ خادم جامعہ اسلامیہ امدادیہ، فیصل آباد

اسلوبِ بیان کا منفرد انداز:

یہ بات چنداں وضاحت کی محتاج نہیں کہ کسی بھی موضوع پر بحث، دلائل اور حوالہ جات سے مقصود اپنا نقطۂ نظر واضح کرنا، قاری کو سمجھانا اور زیر بحث موضوع کے بارے میں غلط فہمیوں کا دور کرنا ہوتا ہے۔ اس حوالے سے مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے اسلوب بیان کا ایک منفرد انداز ہے جو بہت کم کتابوں میں پایا جاتا ہے۔ عموماً ہوتا یہ ہے کہ ایک مصنف کسی مسئلے پر بحث کر کے سمجھتا ہے کہ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ ہوسکتا ہے عام قاری اُس بحث کے اصل مقصد کو نہ سمجھ پایا ہو اور ابھی اس کے ذہن میں کوئی خلش یا اشکال گردش کر رہا ہو۔ اس لئے مولانا نے اپنی تمام تالیفات میں یہ انداز اپنایا ہے کہ ایک مسئلہ پر تفصیلی بحث اور دلائل کے بعد عام طور پر اس ساری بحث کے نتیجے یا نتائج وفوائد کی طرف بھی اپنے سادہ الفاظ میں توجہ دلا دیتے ہیں۔ اس کے لئے ساری تالیفات میں جگہ جگہ ''نتیجۂ کلام، نتیجۂ روایات، مندرجہ بالا مرویات کا نتیجہ، (فلاں صاحب کے) فرمان کے فوائد ونتائج، روایت کے فوائد، روایات مذکورہ کے فوائد، فوائد روایات، اس روایت کے منافع، خلاصۃ المرام، نتائج مندرجات، ثمرات و نتائج'' وغیرہ کے الفاظ میں سرخی قائم کر کے عام قارئین کو دوبارہ اس بحث کے فوائد ونتائج اور ثمرات کی طرف

متوجہ کیا ہے مثلاً رحماء بینہم حصہ اول کے صفحہ ۸۶ تا ۸۹ صحیح مسلم اور شیعہ کتب کے حوالے سے سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک رازدارانہ گفتگو کا ذکر ہے۔ اس راز کو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں تو افشاء کرنا مناسب نہ سمجھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی دیرینہ خواہش پر انہیں اس رازدارانہ گفتگو سے مطلع کر دیا۔ اس روایت سے حاصل ہونے والے نتائج وفوائد کو مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے ''نتیجۂ کلام'' کے عنوان سے یوں بیان کیا ہے:

اس مسلمہ بین الفریقین واقعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ

① ...... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجِ مطہرات میں ایک دوسرے کے ہاں جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس دور میں آمد و رفت جاری رہتی تھی، ویسے ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی باہمی نشست و برخاست جاری رہی۔ یہ چیز آپس کی خوش خلقی وخوشگواری پر دال ہے۔

② ...... جس طرح ان پاکدامنوں میں ایک دوسرے کا احترام اور اعزاز و اکرام حضور علیہ السلام کے سامنے تھا، انتقالِ نبوی کے بعد بھی ویسا ہی قائم رہا۔

③ ...... سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رازدارانہ گفتگو کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں اتنی قدر و منزلت تھی کہ وصالِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے قسمیں دلا کر دریافت کیا اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اس عظیم فضیلت کو تمام امت کے سامنے قیامت تک منتشر و مشتہر کر دیا۔

④ ...... پوری امت میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اس شانِ فضیلت کی تشہیر و تبلیغ کرنے والی صرف سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان دونوں پاک بیبیوں کے درمیان آشنائی، ہم نشینی، دوستداری، غمخواری اور قدردانی جیسی بہترین صفات ہمیشہ قائم ودائم رہیں اور انہی اوصاف پر ان کا اختتام نیک سرانجام ہوا۔[1]

یہ ایک مثال ''مشتے از خروارے'' کے طور پر ہے ورنہ اس قسم کی مثالوں سے ہر کتاب بھری ہوئی ہے۔ جن کی تفصیل خواہ مخواہ کی طوالت ہوگی اور کسی بھی بحث اور روایت سے یوں فوائد ونتائج کا استخراج جہاں ایک منفرد اسلوب بیان ہے وہاں مصنف کی گہری بصیرت پر بھی دال ہے۔

شاید مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے اسی منفرد منہج تحقیق و اسلوب کے پیش نظر یونیورسٹیوں میں مولانا کی کتابوں پر تحقیقی مقالہ جات لکھے جانے لگے ہیں۔ چنانچہ حال ہی میں گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد میں آپ کی تصانیف کے اسی پہلو پر ایم فل کے حصول کے لئے دو طلباء نے مقالات تحریر کئے ہیں۔

---

[1] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، رحماء بینھم (حصہ اول)، دار الکتاب، لاہور، ستمبر ۲۰۰۶ء، صفحہ ۸۹-۹۰۔

۱- ''مولانا محمد نافع کی تصانیف کا تحقیقی جائزہ'' کے عنوان سے مقالہ نگار عبدالرزاق نے اپنے ایم فل اسلامیات کے سیشن ۱۳-۲۰۱۱ کے لئے مقالہ تیار کیا۔ مقالہ کے نگران ڈاکٹر مطلوب احمد رانا، ایسوسی ایٹ پروفیسر گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد تھے۔

۲- ''تذکار صحابہ میں مولانا محمد نافع کی تطبیقی آراء کا جائزہ'' کے عنوان سے مقالہ نگار زاہد ندیم نے اپنے ایم فل علوم اسلامیہ سیشن ۱۶-۲۰۱۴ کی جزوی تکمیل کے لئے مقالہ لکھا۔ مقالہ کے نگران حافظ مقبول احمد، اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج فیصل آباد تھے۔

ذیل میں مقالہ نگار عبدالرزاق کے مذکورہ مقالہ کے باب دوم اور سوم کا کچھ حصہ ضروری قطع و برید کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔

اسلوب تحریر:

مولانا کا تحریری اسلوب انتہائی شگفتہ، مدبرانہ اور ناصحانہ ہے۔ انتہائی گمراہ کن تحقیقات کے حوالے سے بھی آپ نے کبھی بھی جارحانہ اور شدت آمیز الفاظ کا استعمال نہیں کیا۔ آپ کی تمام تحریریں انتہائی آسان اور پراثر انداز میں پیش کی گئی ہیں جس سے ایک عام سطح کا آدمی بھی بہتر طور پر مستفید ہو سکتا ہے۔ آپ کا مقصد کبھی افتراق اور اختلاف کو بڑھانا نہیں بلکہ ہمیشہ ناصحانہ انداز میں دوسرے فریق کو حقائق کی طرف بلانا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے انداز سے متاثر ہو کر کئی متشدد علماء بھی اپنی غلطی کو تسلیم کر چکے ہیں۔

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی کتب کے مآخذ

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصانیف کی ضرورت و اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے مصادر و مراجع کا انتخاب کیا۔ یہ کتب چونکہ اہل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعلق ہیں اور صحابہ کرام میں سے بھی وہ شخصیات جن کو طعن تشنیع کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اس لئے یہ ضروری تھا کہ تحقیقی عمل میں معتبر کتابوں کو بطور مصادر و مراجع استعمال کیا جائے جو فریقین میں اعتنا کا درجہ رکھتی ہوں۔ آپ نے مترجم کتب کا وہاں سہارا لیا جہاں اصل کتاب کا ملنا ناممکن ہوا۔ آپ نے جدید مراجع کی بجائے قدیم مصادر کو اہمیت دی اور ثانوی مراجع سے بہت کم مواد حاصل کیا۔

مصادر و مراجع:

کسی مسئلے کے ردّ و قبول کا انحصار اس کی شہادت پر ہوتا ہے جو بذریعہ روایت ہم تک پہنچتی ہے۔ اگر یہ

ذریعہ پختہ اور معتبر ہو تو اس مسئلہ کی قبولیت کے زیادہ امکانات ہوتے ہیں۔ اگر یہ ذریعہ غیر معتبر ہو تو مسئلہ کی توثیق کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔ اس چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے مولانا صاحب نے شیعہ اور اہل سنت کی معتبر کتب کو اپنا ذریعہ تالیف بنایا۔ کتب کی اعتباریت کے پیش نظر آپ نے پرانی کتب کا سہارا لیا ہے۔ ان میں سے اکثر کتب پاکستان کی باقی لائبریریوں میں دستیاب نہیں ہیں۔ اکثر کتابیں عربی رسم الخط میں لکھی ہوئی ہیں اور قدیم چھاپہ خانوں کی چھپی ہوئی ہیں۔

مصادر و مراجع کی اقسام:

بطور مصادر و مراجع کتب کی اقسام کا انتخاب بھی موضوع زیر بحث کی ضرورت و اہمیت کو مدنظر رکھ کر کیا جاتا ہے۔ آپ کی کتب مختلف نوعیت کے مسائل پر مشتمل ہیں۔ اس لئے کثیر اقسام مصادر و مراجع کو ذریعہ تالیف بنایا گیا۔ ذیل میں آپ کی کتب کے مصادر و مراجع کی اقسام کو درج کیا گیا ہے۔

۱- قرآن مجید
۲- کتب تفسیر
۳- کتب احادیث
۴- کتب انساب
۵- کتب تاریخ
۶- کتب سیر
۷- کتب اسماء الرجال
۸- لغات
۹- کتب لغات قرآن
۱۰- کتب مفردات قرآن
۱۱- کتب ثقات
۱۲- کتب موضوعات حدیث
۱۳- کتب جرح و تعدیل
۱۴- کتب مغازی
۱۵- کتب تصوف
۱۶- مقالات
۱۷- کتب مدلسین
۱۸- جرائد
۱۹- ماہنامے
۲۰- کتب مناقب
۲۱- کتب اسناد
۲۲- کتب شروح وغیرہ

کتب کی خصوصیات

۱: اسلوب تحریر:

مولانا صاحب کی تصانیف اپنے انداز تحریر میں نمایاں حیثیت رکھتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی تصانیف نے اہل سنت کے تمام مکاتب فکر کو متاثر کیا ہے۔ صاحب تصنیف کی کتب کے اسلوب تحریر کو درج ذیل اجزاء میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱- مدلل مواد
۲- مرتب مواد
۳- غیر جانبدارانہ اسلوب تحریر
۴- سادہ اور عام فہم انداز تحریر
۵- مناسب اقتباسات کا استعمال
۶- موزوں نتائج کا اخذ کرنا

۱۔ مدلل مواد:

صاحب تصنیف کی کتب میں پیش کیا گیا مواد مدلل ہے۔ کسی مسئلہ کے اثبات کے لئے صاحب تصنیف خود بہت ہی کم کلام کرتے ہیں۔ عموماً کسی مسئلے کے حل کے لئے روایات پیش کر دیتے ہیں۔ ان روایات کی روشنی میں قاری کو مسئلہ کا مکمل حل مل جاتا ہے۔ نمونہ کے طور پر حضرت فاطمۃ الزاہرا رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ کے مسئلہ کو پیش کرتے ہیں۔

مسئلہ ہذا کے حل کے لئے چھ (۶) روایات پیش کی گئی ہیں جس میں دو عدد روایات طبقات ابن سعد، ایک عدد روایت طبقات الکبریٰ، ایک عدد روایت کنز العمال، ایک عدد روایت ریاض النضرہ اور ایک عدد روایت تحفۂ اثناعشریہ کی پیش کی ہے۔ یہاں پر طبقات ابن سعد کی روایت پیش کی جاتی ہے جو کہ اپنے مفہوم میں باقی روایات سے ملتی جلتی ہے۔

”...عن حماد عن ابرھیم النخعی قال صلی ابوبکر الصدیق علی فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکبر اربعا۔“[۱]

یعنی ابراہیم نخعی نے کہا کہ ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے فاطمۃ رضی اللہ عنہا دختر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نماز جنازہ پڑھی اور چار تکبیریں کہیں۔

پھر اس مسئلہ کے حل کے لئے یہاں پر توقف نہیں کیا بلکہ امامت نماز کے متعلق اسلامی دستور کی پانچ روایات نقل کی ہیں جس کی پہلی روایت فروع کافی جلد اول سے اور دوسری روایت الشیخ الصدوق کی، تیسری روایت شرح لمعہ سے، چوتھی روایت فروع کافی جلد اول سے اور پانچویں روایت قرب الاسناد بمعہ الاشعثیات سے لی ہے۔

مزید یہ کہ اس مسئلہ کے لئے اسلامی قانون بتایا۔ پھر اس کی بھی پانچ روایات پیش کی ہیں۔ اس طرح ایک مسئلہ کے حل کے لئے سولہ روایات پیش کی گئی ہیں جو آپ کی تصانیف کے مدلل ہونے کی مؤید ہیں۔

۲۔ مرتب مواد:

صاحب تصنیف نے اپنی تصانیف میں مواد کو اس کی اہمیت اور ترتیب زمانی کو مدنظر رکھ کر ترتیب دیا ہے۔ مسائل کو بیان کرنے میں آپ کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے مسئلہ کو بیان کرتے ہیں، پھر اس پر کثیر حوالہ جات پیش کرتے ہیں، اس کے بعد اگر مناسب سمجھیں تو اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ سب سے آخر پر نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔

---

[۱] ابن سعد، الطبقات، ج:۸، مطبوعہ بیروت، لیدن، ص:۱۹۔

۳۔ غیر جانبدارانہ اسلوب تحریر:

صاحب تصنیف نے مختلف مکاتب فکر کی معروف کتابوں کے وہ حوالے جو قرآن و سنت سے مطابقت رکھتے ہیں ان کو پیش کیا ہے کیونکہ صاحب تصنیف کا مؤقف یہ ہے کہ جو روایات قرآن کے بالکل برعکس ہیں ان پر بحث کرنا ہمارا مقصد نہیں اور ساتھ ہی مختلف فریقوں کی روایات پیش کر کے مسئلہ کے حل کے لئے فیصلہ قاری پر چھوڑا ہے جس سے مولانا صاحب کی غیر جانبداری واضح طور پر نظر آتی ہے۔ اس غیر جانبداری کو واضح کرنے کے لئے "رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ" کی جلد اول میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیعت خلافت کا مسئلہ پیش کرتے ہیں۔ مولانا صاحب اس مسئلہ کے لئے سات متفرق روایات پیش کرتے ہیں جن کا مفہوم ایک جیسا ہے۔ ذیل میں ایک تائیدی روایت پیش کی جاتی ہے۔

"قال علی و الزبیر ما غضبنا الا اخرنا فی المشورة وانا لنری ابا ابکر احق الناس بها انه صاحب الغار وانا لنعرف له سنه... وامر رسول الله ﷺ بالصلوة وهو حی۔"[1]

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ دونوں نے کہا کہ ہماری یہ عارضی رنجیدگی صرف مشورہ میں شامل نہ ہونے کی وجہ سے ہوئی۔ ہم ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اور لوگوں سے خلافت کا زیادہ حقدار جانتے ہیں اور غار کی صحبت کی فضیلت ان کو حاصل ہے، ہم ان کی بزرگی کا اعتراف کرتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی میں ان کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا۔

صاحب تصنیف نے مسائل کو حل کرنے کیلئے کسی ایک مسلک کی کتب پر اکتفا نہیں کیا۔ ظاہری طور پر جس مسلک کے خلاف مسئلہ جارہا ہو اس مسلک کی کتب سے جواب دینا مولانا صاحب نے ضروری سمجھا تاکہ کسی کو متعلقہ مسئلہ پر کسی قسم کا اعتراض نہ ہو۔ تحریر کے اس اسلوب کے ثبوت کیلئے "بنات اربعہ" کی ایک مثال لیتے ہیں۔

پہلے کتب اہل سنت سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بنات کے تعدد کے لئے کثیر حوالہ جات پیش کرتے ہیں۔ اس کے بعد شیعہ کتب سے حوالہ جات پیش کئے گئے۔ ذیل میں ایک تائیدی روایت پیش کی جاتی ہے:

"وتزوج الخدیجة وهو ابن بضع و عشرین سنة فولد له منها قبل مبعثه القاسم و رقیه وزینب وام کلثوم وولد له بعد المبعث الطیب والطاهر وفاطمه علیها السلام۔"[2]

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کیا اس وقت آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر بیس سال سے زیادہ تھی۔ پھر خدیجہ رضی اللہ عنہا سے جناب کی اولاد بعثت سے پہلے یہ پیدا ہوئی۔ قاسم، رقیہ، زینب اور کلثوم اور بعثت

---

[1] ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج۱، بیروت، دار الفکر، ۱۹۵۶ء، ص ۱۵۴۔

[2] محمد بن یعقوب بن اسحاق، اصول کافی، لکھنؤ، نول کشور منشی، ۱۳۰۲ھ، ص ۲۷۹۔

کے بعد آپ کی اولاد طیب طاہر اور فاطمہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔

صاحب تصنیف کی طرف سے پیش کردہ فریقین کی معتبر کتب کی متعدد روایات اتحاد بین المسالک اور غیر جانبداری کا واضح ثبوت ہیں۔

۴- سادہ اور عام فہم انداز تحریر:

آپ کی تصانیف کا انداز تحریر انتہائی سادہ اور عام فہم ہے۔ کم پڑھے لکھے حضرات بھی آپ کی تصانیف سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ جہاں کہیں گہری علمی بات ہو تو وہاں مولانا صاحب شرط لگا دیتے ہیں کہ یہ عبارت یا یہ تحریر عام لوگوں کی سوچ سے بالاتر ہے، اس سے صرف علماء حضرات ہی استفادہ کر سکتے ہیں۔

آپ نے استعارات اور محاورات کا بہت کم استعمال کیا ہے۔ لمبے فقروں کی بجائے چھوٹے فقرے استعمال کئے ہیں تا کہ تفہیم میں آسانی رہے۔

۵- مناسب اقتباسات کا استعمال:

اقتباسات تحقیقی امر کی روح ہوتے ہیں جس سے مسائل کی توثیق میں اضافہ ہوتا ہے۔ اقتباسات ایک محقق کی حق تک رسائی کو آسان بنا دیتے ہیں اور یہ اقتباسات محقق کے تحقیقی مواد کو خوبصورتی بخشتے ہیں۔

صاحب تصنیف کی طرف سے پیش کئے گئے اقتباسات اپنی اپنی جگہ انتہائی فائدہ مند ہیں۔ ایسے اقتباسات جو اپنی عبارت میں ایک دوسرے سے اختلاف نہیں رکھتے ان کو صرف ایک بار ہی رقم کر کے مصنف نے اس کے باقی حوالہ جات تحریر کر دیئے ہیں تا کہ طوالت سے بچا جا سکے۔

۶- موزوں نتائج کا اخذ کرنا:

نتائج تحقیقی کام کا نچوڑ ہوتے ہیں۔ کسی محقق کی اپنی ساری کاوش صرف نتائج حاصل کرنے کے لئے ہی صرف ہوتی ہے اور نتائج کی بنیاد پر ہی کسی تحقیقی کام کی کاوش کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

صاحب تصنیف نے مثبت نتائج کی خاطر قرآن اور حدیث کو ذریعہ نتائج بنایا جیسا کہ صاحب تصنیف خود کہتے ہیں کہ ایسی روایات جو قرآن وحدیث سے اختلاف رکھتی ہیں ان پر بحث کرنا ہمارے ذمے نہیں بلکہ ایسی روایات جو قرآن وحدیث سے موافقت رکھتی ہوں ان کی بنیاد پر نتائج اخذ کئے جائیں گے۔

نتائج اخذ کرنے کے لئے محقق نے کثیر روایات کو اپنا ذریعہ نتائج بنایا۔ مصنف اپنے اس تحقیقی سفر میں دو قسم کی روایات کا سہارا لیتے۔ قسم اول کی وہ روایات ہیں جن کا تعلق اہل سنت کی معتبر کتب سے ہے اور قسم دوم میں شیعہ کی معتبر کتب شامل ہیں۔ کسی مسئلہ پر دونوں قسم کی کثیر روایات پیش کی گئی ہیں تا کہ قاری کو نتیجہ تک پہنچنے

میں آسانی رہے۔ دونوں قسم کی روایات میں موافقت کی صورت میں صاحب تصنیف نے فیصلہ قاری پر چھوڑا ہے۔ اگر دونوں قسم کی روایات میں معمولی ظاہری تضاد ہو تو اس پر صاحب تصنیف بحث کرتے ہیں۔ مصنف کی اس بحث میں کوئی مسلکی رنگ نظر نہیں آتا۔

(ب) جدت طرازی:

موضوع زیر بحث ایک مشقت طلب موضوع ہے۔ یہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر اہل سنت والجماعت کے علماء حضرات نے بھی تحقیق سے کام نہیں لیا اور نہ ہی عدل و انصاف سے کام لیا بلکہ تاریخی مواد کو بلا تحقیق جس طرح دیکھا اس کو نقل کر دیا۔ روایات کو پرکھنے کی کوشش تک نہ کی۔ اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہا اور ستم بالائے ستم ہوتا رہا۔ پھر انہی روایات کی بنیاد پر متبرک ہستیوں کے خلاف اعتراض اکھٹے ہوتے رہے۔ لہٰذا یہ ضروری تھا کہ کوئی اہل علم ایسے موضوع پر قلم اٹھائے اور اصل حقائق سے پردہ اٹھادے۔ اس کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو توفیق دی جنہوں نے مستند تاریخی کتب، احادیث صحیحہ، اقوال صحابہ اور اقوال مستند علمائے امت سے اصل حقیقت واضح کردی۔ جن روایات کی تحقیق سے اکثر علماء قاصر رہے ان سب کے متعلق آنجناب نے روایتاً درایتاً بحث کی اور ران کی اصل صورتحال واضح کردی جس سے اہل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اصل مقام سامنے آیا اور یوں ان بزرگ ہستیوں کے متعلق شکوک وشبہات کا ازالہ ہوا۔

(ج) کتب کے اثرات:

آپ کی تصانیف نے معاشرہ میں، خاص طور پر دینی حلقوں پر اپنے اثرات مرتب کئے ہیں۔ جن کا اپنے اپنے مقام پر ذکر کرنا فائدہ سے خالی نہیں۔ آپ کی کتب کے اثرات کو درج ذیل حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

۱- علمی اثرات ۲- تربیتی اثرات ۳- تحقیقی اثرات ۴- اصلاحی اثرات
۵- اتحادی اثرات ۶- انقلابی اثرات ۷- تبلیغی اثرات ۸- ادبی اثرات

۱- علمی اثرات:

مولانا صاحب کی کتب علمی میدان میں انتہائی پراثر ہیں۔ آپ کی تصانیف اپنے اندر ایک علمی خزانہ چھپائے ہوئے ہیں۔ جن سے علماء حضرات بھی مستفید ہو رہے ہیں اور آپ کی کتب کی علمی ضخامت کو تسلیم کرتے ہیں۔ یہ کتب کافی عرصہ تک طالبان علم کی توجہ کا مرکز رہیں گی۔ آپ کی کتب کی علمی وسعت کے بارے میں مولانا عبدالستار تونسوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

شیعہ سنی کے مابین نزاعی مسائل پر میں خود ایک جامع کتاب کی ضرورت عرصے سے محسوس کررہا تھا مگر

تبلیغی مصروفیات کے ساتھ فرقہ باطلہ سے مناظروں کی مشغولیت، تدریسی اموراور دیگر وقتی مشاغل نے اس قابل نہ چھوڑا کہ اس حوالے سے کوئی ضخیم کتاب مرتب کرسکوں۔ مگراس سلسلے میں عالم شہیر، محقق کبیر حضرت مولانا محمد نافع صاحب ادام اللہ تعالیٰ بقابالخیر نے ہرعنوان سے الگ الگ ایک جامع کتاب تالیف فرمائی۔''[1]

آپ کی کتب علمی، تحقیقی دنیا میں مراجع کی حیثیت رکھتی ہیں۔ علماء حضرات اپنی تقاریراور خطبات میں آپ کی کتب کا مواد پیش کرتے ہیں۔ علمی میدان میں آپ کی کتب کوایک نمایاں مقام حاصل ہے۔ آپ کی تصانیف یقیناً ایک علمی سرمایہ ہیں۔ اس علمی خزانہ کوتاریخ کے اوراق سے بڑی مشکل سے اکٹھا کیا گیا۔ صاحب تصنیف نے اس کام کوا کیلے انتہائی لگن اور محنت سے کیااور علم کے اس خزانے کوایک خاص ترتیب سے پیش کیا۔

۲- تربیتی اثرات:

اگر کتب میں پیش کیا گیا مواد تحقیقی ہواوراس کو مصلحانہ انداز میں پیش کیا جائے جس سے تعصب اور جانبداری ظاہر نہ ہوتو قاری پراس کے اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ صاحب تصنیف نے اس بات کالحاظ رکھتے ہوئے مواد کواس انداز سے پیش کیا کہ تعصب اور جانبداری سے اپنے دامن کو بالکل بچائے رکھا۔ جوروایات کسی مسئلہ کے تھوڑا سا برعکس جاتی ہیں ان کو پیش کر کے ان پر بحث کی ہے اور بحث بھی دلائل کی روشنی میں کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی کتب میں یہ تاثیر ہے کہ ان کا مطالعہ کرتے ہوئے قاری کی روحانی اور ذہنی تربیت ہوتی ہے اور وہ دلی سکون محسوس کرتا ہے۔ جیسا کہ مولانا خالد محمود سیالکوٹی رقم طراز ہیں:

> آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رشتہ داروں کا اس انداز سے ذکر کرنا کہ اس کے پڑھنے سے قارئین اپنے دلوں میں ان نفوس کریمہ کی مزید عظمت وعقیدت محسوس کریں مؤلف کے عقیدۂ محبت اوراس کے اخلاص عمل کی ایک کھلی شہادت ہے۔ امید واثق ہے کہ قارئین اس کتاب کے مطالعہ سے اپنے دلوں میں ایک غیر معمولی سکون وطمانیت محسوس کریں گے۔[2]

آپ کی تصانیف کا یہ خاصہ ہے کہ ان کے مطالعہ سے ذہنی اور روحانی تربیت ہوتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رشتہ داروں اوراہل بیت کی عظمت وعقیدت دل میں جگہ لیتی ہے جو دین اسلام کے اصل گواہ ہیں اور ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔

---

[1] مولانا محمد نافع، فوائد نافعہ، ج ۱، لاہور، دارالکتاب، ۲۰۱۱ء، ص ۲۸۳۔

[2] مولانا محمد نافع، بنات اربعہ، لاہور، دارالکتاب، ۲۰۱۰ء، ص ۳۳۔

۳۔ تحقیقی اثرات:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت سے متعلق موضوعات پر پہلے کوئی خاص تحقیقی کام نہیں ہوا تھا۔ یہ موضوعات لوگوں میں تضادات کی بنیاد ہیں۔ اس لئے ایسے موضوعات میں اعتدال کی راہ اختیار کرنا انتہائی مشکل کام ہے۔ دوسرا یہ کہ ان موضوعات کے مواد کو اکٹھا کرنا انتہائی مشکل کام ہے لیکن آپ نے اس کام کو احسن طریقے سے انجام دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی تحقیقی کاوش کے اثرات تمام علمی اور تحقیقی حلقوں پر پڑے اور آپ اپنے مشن میں کامیاب وکامران رہے۔ جیسا کہ مولانا خالد محمود سیالکوٹی رقم طراز ہیں:

> موضوع بہت اہم تھا، اس بات کا مواد تاریخ کے اوراق میں بہت بکھرا ہوا تھا۔ ان مباحث کے پہلو اور زاویے بھی بہت تھے اور مؤرخین کے بیانات میں کئی کئی امور میں تضادات بھی تھے۔ ایسے موضوع پر قلم اٹھانا اور تحقیق کی راہ سے افراط وتفریط سے بچتے ہوئے کنارے پر نکل آنا کوئی آسان کام نہ تھا لیکن یہ اللہ رب العزت کی عطا ہے جسے چاہے عطا فرمائے۔ [ولا قد جآء فی المثل السائر کم ترك الاول للآخر] یہ سعادت رب العزت نے مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے نام لکھی تھی جو اس ورطۂ مباحث میں دور تک چلے گئے اور الحمد للہ کامیاب ہو کر ساحل مراد پر اترے۔[1]

جب کوئی بات تحقیقی مراحل سے گزر کر درست ثابت ہو جائے تو اس کو جھٹلانا مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ اس کی تردید کے لئے ایسے مصادر کا سہارا لینا پڑتا ہے جو پہلے پیش کئے گئے مصادر و مراجع سے زیادہ معتبر ہوں۔ اس لئے ایک محقق کو چاہیے کہ وہ اپنے تحقیقی عمل کے دوران مصادر و مراجع کا سوچ سمجھ کر انتخاب کرے۔ مولانا صاحب نے ہر قسم کے نشیب وفراز کو سامنے رکھ کر اپنی کتب کے مصادر و مراجع کا انتخاب کیا۔ یہی وجہ ہے کہ مخالفین کو بھی آپ کے تحقیقی کام نے متاثر کیا ہے۔

۴۔ اصلاحی اثرات:

فی زمانہ معاشرہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت کے خلاف دلوں میں نفرت پیدا کی جا رہی ہے جس سے معاشرہ بدامنی، روحانی و اعتقادی بگاڑ کا شکار ہو رہا ہے لہٰذا اس بات کی اشد ضرورت تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اہل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اصل مقام لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے اور لوگوں کے دلوں کو اس دائمی کدورت سے پاک کیا جائے۔ اس سعادت مندی کے لئے اللہ تعالیٰ نے مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کو توفیق عطا فرمائی جس کا انہوں نے خوب حق ادا کیا۔

---

[1] مولانا محمد نافع، حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ، لاہور، دارالکتاب، ۲۰۰۵ء، ص: ۱۴، ۱۵۔

ناشرین "رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ" جلد دوم کے پیش لفظ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خاندانوں کے روابط کے مہیا کردہ مواد کے تاثرات کو اس انداز میں پیش کرتے ہیں:

اس بات کا التزام پیش نظر رکھا گیا ہے کہ ہر دو خانوادوں کے مراسم اور تعلقات کا کوئی پہلو تشنہ تکمیل نہ رہ جائے اور ان کے ثبوت میں ہر دور کی قدیم و جدید کتب سے استفادہ کیا جائے۔ واقعات کی توثیق و تائید کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اعتراض کرنے والے گروہ کی مشہور و مستند کتب سے حوالے عوام کے سامنے لائے گئے ہیں کہ حقیقت عیاں ہونے پر ان کی صحابہ دشمنی کی بنیادیں منہدم ہو جاتی ہیں۔[1]

مصنف نے اہل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعلق روایات کو معترضین کی معتبر کتابوں سے پیش کیا تا کہ معترضین کے اعتراضات کی گنجائش باقی نہ رہے۔ روایات پیش کرنے کے بعد خود فیصلہ نہیں دیا۔ فیصلہ قاری پر چھوڑا ہے تا کہ معاشرہ کی اصلاح ہو سکے اور جانبداری سے بھی بچا جا سکے۔

۵۔ اتحادی اثرات:

صاحب تصنیف کی کتب میں پیش کیا گیا مواد شیعہ سنی تنافر سے پاک ہے۔ آپ کی تصانیف میں اہل بیت، خلفائے ثلاثہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی روابط کو بیان کیا گیا ہے۔ ان روابط سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان بزرگ ہستیوں کے درمیان کوئی نفرت و کدورت نہ تھی بلکہ یہ ایک دوسرے کی رائے، جذبات اور حقوق کا احترام کرتے تھے۔ خصوصاً خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم نے اہل بیت کا بہت احترام و اکرام کیا جس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔

جو لوگ اہل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے صحیح مقام کو نہیں سمجھتے ان کے لئے آپ کی تصانیف بہت مؤثر ہیں جس سے اتحاد بین المسلمین کا سبق ملتا ہے۔ جیسا کہ مولانا خالد محمود صاحب رقمطراز ہیں:

جہاں تک اس کتاب کا تعلق ہے مولانا نے اس میں موتی پروئے ہیں اور سنی شیعہ کی پرانی آویزش سے ہٹ کر فریقین کو نہایت معتدل پیرائے میں سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی فکر و بصیرت اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی علمیت و عقیدت پر غور و فکر کی دعوت دی ہے۔ یہ تحقیق انیق اس فاضلانہ قلم اور ناقدانہ علم کے ساتھ ہمیں صدیوں پیچھے کہیں نہ ملے گی۔[2]

حقائق ہی وہ راستہ ہیں جو کسی منزل کی صحیح سمت دیتے ہیں۔ اگر ایک معاشرہ کے لوگ حقائق کو تسلیم کرتے ہیں تو ان کے فکر و عمل اور جذبات میں یکسانیت ہوگی اور معاشرہ امن و آشتی کا گہوارہ ہوگا۔ صاحب تصنیف کی تمام تصانیف مبنی بر حقیقت ہیں اور حقیقت ہی وہ واحد راستہ ہے جو لوگوں کو سوچ اور عمل کو یکجا کر سکتا ہے۔ لہٰذا

---

[1] مولانا محمد نافع، "رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ"، ج:۲، لاہور، دار الکتاب، ۲۰۱۰ء، ص ۱۹۔

[2] مولانا محمد نافع، فوائد نافعہ، ج:۱، لاہور، دار الکتاب، ۲۰۱۱ء، ص ۱۸۔

آپ کی کتب اتحادی سوچ اور فکر کا واحد ذریعہ ہیں۔

٦۔ انقلابی اثرات:

مختلف حکومتوں کے زیرِ اثر مدون کی گئی تاریخ کے اتار چڑھاؤ اور صدیوں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عنوانات پر تحقیقی کتب کی عدم موجودگی کی وجہ سے تاریخ طالبان حق کو کوئی خاص سمت نہ دے سکی۔ اب اس امر کی ضرورت تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عنوانات پر کوئی تحقیقی کام کیا جائے تا کہ لوگوں کی سوچ اور رویے میں تبدیلی آئے تو مولانا صاحب نے اپنی سال ہا سال کی کوششوں سے ایسا تحقیقی مواد مہیا کیا جس کی نظیر صدیوں پیچھے نہیں ملتی۔ مفتی محمد تقی عثمانی سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تقریظ میں یوں لکھتے ہیں:

> پھر قابل تعریف بات یہ ہے کہ فاضل مؤلف کا اندازِ بیان مناظرانہ اور جارحانہ نہیں بلکہ باوقار اور متین ہے اور سنجیدہ علمی تحقیق کے معیار پر پورا اترتا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت پر جو کتابیں اب تک میری نظر سے گزری ہیں یہ کتاب ان سب میں بہتر ہے اور ان شاء اللہ طالبان علم و تحقیق کی عرصے تک رہنمائی کرے گی۔[1]

سنجیدگی سے کی گئی بات کے اثرات مثبت ہوتے ہیں اور مناظرانہ رنگ میں کی گئی بات کے اثرات وقتی ہوتے ہیں۔ جو وقت کے نازک حالات کا ساتھ نہیں دے سکتے لوگوں کے خیالات اور رویہ میں تبدیلی کے لئے دلائل کے ساتھ ساتھ بہتر رویہ کا ہونا بھی ضروری ہے جس کا مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے خوب اہتمام کیا۔

٧۔ تبلیغی اثرات:

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی کتب کا تحقیقی مواد دنیائے اسلام میں تبلیغی فرائض سرانجام دے رہا ہے۔ آپ کی کتب ملک کے طول و عرض میں ہی نہیں بلکہ بیرونی دنیا میں بھی مقبول ہو رہی ہیں۔ "رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ" کا عربی میں ترجمہ مطبوعہ بیروت بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جس کے بارے میں جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں:

> "یہ کتاب (رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ) صرف اردو میں ہی منفرد نہیں بلکہ عربی لٹریچر میں بھی اس قسم کی کوئی کتاب احقر کے علم میں نہیں۔"[2]

تحقیق پر مبنی کتب ایک مبلغ کے فرائض سرانجام دیتی ہیں۔ اگر تحقیقی مواد کے ساتھ ساتھ اسلوب تحریر اچھا ہوگا تو مثبت نتائج کے امکانات زیادہ ہوں گے۔ اگر اندازِ تحریر جارحانہ اور مناظرانہ ہوگا تو منفی اثرات مرتب

---

[1] مولانا محمد نافع، سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، لاہور، دار الکتاب، ٢٠١١ء، ص ٢٢۔

[2] مولانا محمد نافع، سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، لاہور، دار الکتاب، ٢٠١١ء، ص ٢١۔

ہوں گے۔مولانا صاحب کی کتب بہتر خصوصیات کی متحمل ہیں اور تبلیغی فرائض انجام دے رہی ہیں۔

۸- ادبی اثرات:

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی کتب اپنے ادبی مواد میں اعلیٰ خصوصیات کی حامل ہیں۔ان کتب میں آسان جملوں اور آسان الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے۔محاورات اور استعارات سے اجتناب کیا گیا ہے۔واقعات اپنے مابعد اور ماقبل کے تسلسل کو قائم رکھتے ہیں۔آپ کی کتب میں پیش کئے گئے مواد کی ادبی خصوصیات درج ذیل ہیں:

۱- تسلسل قائم رہتا ہے۔

۲- تفہیم آتی ہے۔

۳- قاری مطالعہ کے وقت اکتاہٹ کا شکار نہیں ہوتا۔

۴- دلچسپی بحال رہتی ہے۔

۵- قاری تعصب سے محفوظ رہتا ہے۔

مولانا صاحب کی کتب اپنی ادبی خصوصیات کی وجہ سے تحقیقی اور علمی حلقوں میں مقبول ہو رہی ہیں۔

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی تطبیقی آراء کے بنیادی اصول وانفرادیت

تطبیقی آراء سے مراد:

تطبیقی آراء سے مراد ایسی آراء ہیں جن میں چند فریقوں کی مختلف آراء میں مطابقت پیدا کرنے کی سعی کی جائے اور ان آراء کو ایک نقطہ پر لاکر متفق کرنے کی کوشش کی جائے۔تطبیق سے مراد ہے مطابقت پیدا کرنا اور یہ مطابقت اس انداز سے پیدا کی جائے کہ کسی فریق کی رائے کا رد ہرگز نہ ہو۔

یہاں مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی تطبیقی آراء کا ذکر ہو رہا ہے، دراُن پر لکھتے ہوئے آپ نے شاندار تطبیقی آراء کو پیش کیا۔مولانا نے متعدد فریقوں کی آراء کو اس طریقہ سے تطبیق دیتے ہوئے مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی کہ فریقین کی آراء کا رد بھی نہ ہو اور فریقین کو ایک نقطہ پر متفق کر کے بہتر صورت بھی نکال لی جائے۔مولانا نے اپنی تصانیف میں ایسی بہت ساری آراء کو پیش کیا اور فریقین کی آراء پر دلالت کرتے ہوئے اُن کو ایک رائے پر متفق کرنے کی بھرپور کوشش کی۔

دراصل موجودہ دور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت کے بارے میں مختلف حلقوں میں شکوک وشبہات

بھرپور طریقے سے پیدا کئے جا رہے ہیں اور انہی شکوک وشبہات کو دور کرنے کے لئے مولانا نے اپنی تصانیف میں تطبیقی آراء کو پیش کر کے لوگوں کے ذہنوں میں جو شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کی گئی اُس کو کافی حد تک دور کرنے میں کامیاب رہے اور اس طرح کیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت کو الگ سے بیان کر کے اُن کا مقام و مرتبہ بتایا اور اہل بیت کی شان کو الگ بیان کیا اور اُن کا درجہ بیان کیا۔ جہاں آپ نے تطبیقی آراء کو پیش کیا وہاں آپ نے طاعنین کے طعن کا جواب بھی بھرپور طریقے سے دیا۔

مولانا نے اپنی تطبیقی آراء خواہ وہ مشاجراتِ صحابہ پر ہوں یا پھر حدیث ولایت ''من کنت مولاہ فعلی مولاہ'' پر، خلیفہ بلافصل پر ہوں یا پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد مبارکہ یعنی چار صاحبزادیوں پر ہوں۔ مسئلہ فدک پر ہوں یا پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلفاء ثلاثہ کے ساتھ تعلقات یا رشتہ داریوں پر ہوں۔ بہت احسن انداز میں اپنی تطبیقی آراء کو پیش کیا۔ اسی لئے ہر مسلک کے افراد میں مولانا کی کتب کو قبولِ عام حاصل ہے۔

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتب میں جو تطبیقی آراء پیش کی ہیں۔ اُن کے کچھ اصول وتفردات ہیں جن کی بنا پر آپ کی آراء اور کتب کو انفرادیت حاصل ہے اور اہل علم حضرات انہی اصول وتفردات کی بنا پر آپ کی تطبیقی آراء کو بہت اہمیت کی حامل قرار دیتے ہیں۔ ذیل میں اُن کی تطبیقی آراء کے اصول وتفردات کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا جاتا ہے۔

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی تطبیقی آراء کے بنیادی اصول:

مولانا محمد نافع کی تطبیقی آراء کا پہلا اصول یہ ہے کہ مولانا نصوصِ قرآنی اور حدیثِ ثابتہ سے استدلال کرتے ہیں اور انہی روایات کو قابل تسلیم قرار دیتے ہیں جو نصوصِ قرآنی اور حدیث ثابتہ کے عین مطابق ہوں۔

جیسا کہ فوائد نافعہ جلد اول میں مولانا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ''معیارِ حق اور مدارِ دین'' پر دلالت کرتے ہوئے قرآنی آیات پیش کرتے ہیں۔

''وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝'' [1]

''اور جان لو کہ تم میں اللہ کا رسول موجود ہے۔ اگر وہ بہت سی باتوں میں تمہارا کہا مانے تو تم پر مشکل پڑ جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دی ہے اور اس کو

---

[1] القرآن، سورۃ الحجرات، ۷۔

تمہارے دلوں میں اچھا کر دکھایا ہے اور تمہارے دل میں کفر اور گناہ اور نافرمانی کی نفرت ڈال دی ہے یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔"

پھر مولانا اس آیت کریمہ کے تحت استدلال کرتے ہوئے یوں تحریر کرتے ہیں کہ:

"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو محبوب اور مزین بنا دیا ہے اور کفر فسق اور نافرمانی (عصیان) سے نفرت ڈال دی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے "صیغہ حصر" کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے راشد اور ہدایت یافتہ ہونے کی بلا استثناء گواہی دے دی ہے۔ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ ۝"[1]

پھر آگے چل کر انہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے "معیارِ حق" پر دلالت کرتے ہوئے ایک اور قرآنی آیات پیش کرتے ہیں۔

"...فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا ۔"[2]

"پس اگر وہ بھی ایمان لے آئیں جس طرح تم (صحابہ) ایمان لائے ہو تو وہ بھی ہدایت پا گئے۔"

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ اپنی تطبیقی آراء پیش کرتے ہوئے صرف قرآنِ مجید سے ہی استدلال نہیں کرتے بلکہ احادیث مبارکہ سے بھی دلائل کچھ اس طرح پیش کرتے ہیں۔

"...عن عبداللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ ﷺ--- وان بنی اسرائیل تفرقت علی ثنتین و سبعین ملۃ و تفرق امتی علی ثلث و سبعین ملۃ کلھم فی النار الا ملۃ واحدۃ قالوا من ھی یا رسول اللہ قال ما انا علیہ واصحابی رواہ الترمذی......الخ۔"[3]

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ میری امت تہتر ملتوں اور فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی سوائے ایک طبقہ اور ایک فرقہ کے باقی تمام دوزخ میں جائیں گے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! وہ مستثنیٰ لوگ کون ہوں گے؟ تو فرمان ہوا کہ جو لوگ میرے اور میرے اصحاب کے پیروکار رہوں گے، وہ دوزخ سے بچ سکیں گے۔"

---

[1] مولانا محمد نافع، فوائد نافعہ، ج ۱، لاہور تخلیقات، ۲۰۰۲ء، ص ۵۶۲۔

[2] القرآن، سورۃ البقرہ، ۲: ۱۳۷۔

[3] الخطیب، محمد بن عبداللہ، مشکوٰۃ شریف، باب الاعتصام بالسنۃ الفصل الثانی طبع نور محمد، دہلی، ص ۳۰۔

درج بالا حدیث مبارکہ پیش کر کے مولانا نے اس بات کو واضح طور پر صاف صاف بیان کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اُن کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معیارِ حق بھی ثابت ہو رہا ہے۔

مولانا نے مزید اپنی تطبیقی آراء کو نصوصِ قرآنی سے مزین کرنے کے لئے اپنی تصنیف ''بناتِ اربعہ'' میں پردہ کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے قرآن پاک سے استدلال کیا ہے جہاں پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا:

''يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ''۔[1]

''یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کہہ دیجئے اپنی عورتوں کو اور اپنی بیٹیوں کو اور مسلمانوں کی عورتوں کو کہ نیچے لٹکائیں اپنے اوپر اپنی چادریں...الخ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادیوں کی تعداد کے بارے میں اپنی تطبیق پیش کرتے ہوئے مندرجہ بالا آیت کریمہ کی روشنی میں مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ یوں لکھتے ہیں:

''پردہ کا حکم آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جمیع ازواج مطہرات، جناب کی سب ''صاحبزادیوں'' اور اہل اسلام کی تمام خواتین کے لئے ہے۔ قرآن مجید کی یہ صریح عبارت بتلا رہی ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات اور آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادیاں زیادہ ہیں ایک نہیں۔ اسی طرح مسلمانوں کی عورتیں بے شمار ہیں۔''[2]

اس آیت مذکورہ کے حوالہ سے مولانا نے یہ بات اپنی تطبیقی آراء میں ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی ایک نہیں تھی کیونکہ قرآن نے آپ کی ازواج کے لئے جمع کا صیغہ اپنایا اور اسی طرح آپ کی صاحبزادیوں کے لئے بھی جمع کا صیغہ اپنایا۔

جو روایات نص قرآنی اور حدیث ثابتہ کے خلاف مروی ہوں اور اُن کی کوئی تاویل و تطبیق یا موافقت کی صورت نہ نکل سکے اُس کو قابل رد قرار دیتے ہیں اور اس کو لائق تسلیم قرار نہیں دیتے۔ اسی لئے مولانا نے اپنی تصانیف میں ان روایات کو درج نہیں کیا۔

۲۔ متنازعہ قسم کے مسائل میں اپنی تطبیقی آراء پیش کرتے ہوئے مولانا نے مختلف مکاتب فکر کے مصنّفین کی کتب کی روایت اور حوالہ جات کے لئے سہارا لیا ہے تاکہ معترضین کا کافی شافی جواب دیا جاسکے۔

جیسا کہ مولانا نے امامت نماز کے متعلق تطبیق پیش کرتے ہوئے اپنی تصنیف ''رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ'' جلد

---

[1] القرآن، سورۃ الاحزاب، ۵۹۔

[2] مولانا محمد نافع، بنات اربعہ، لاہور، دار الکتاب، ۲۰۱۰ء، ص:۳۸۔

اول صدیقی میں اہل تشیع کی کتب سے حوالہ جات پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے جنازہ کی بحث میں پہلے اگر اسلام کا قاعدہ اور قانون معلوم کرلیا جائے تو بڑی آسانی سے مسئلہ سمجھ آسکتا ہے۔ شرع اسلامی میں پنجگانہ نماز ہو یا جنازہ کے متعلق دستور ہے کہ مسلمانوں کا امیر اور خلیفہ وقت نماز کی امامت کا اصل حقدار ہوتا ہے۔ اگر وہ خود موجود نہ ہو تو امیر المؤمنین کی طرف سے جو آدمی مقرر ہو وہ امامت کا مستحق ہوتا ہے۔''[1]

احباب کی تسلی اور تشفی کے لئے شیعہ کی کتب سے چند ایک معتبر حوالہ جات پیش کرتے ہیں۔ لوگوں نے جب امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے اس مسئلہ کے متعلق دریافت کیا تو امام نے جواب میں یہ حدیث بیان کی:

''فقال ان رسول اللہ ﷺ قال یتقدم القوم اقرأھم للقرآن فان کانو فی القرأۃ سواء اقدمھم ھجرۃ فان کانوا فی الھجرۃ سواءً فا کبرھم سنا۔''[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے جو شخص دوسرے لوگوں میں سے قرآن مجید کا زیادہ قاری ہو وہ قوم کی امامت کرائے۔ اگر حاضرین قرأت کے اعتبار سے مساوی ہوں تو جو شخص ہجرت میں مقدم ہو وہ امامت کرائے اور اگر ہجرت میں مساوی ہوں تو ان میں سے جو شخص عمر رسیدہ ہو وہ جماعت کرائے۔''

یہاں مولانا نے دونوں فریقوں (اہل تشیع، اہل سنت) کی فقہ کی معتبر کتابوں کے دلائل دیتے ہوئے قارئین پر یہ واضح کیا کہ امامت نماز کے متعلق اسلامی دستور اور ضابطہ کیا ہے۔ حوالے اس قدر معتبر کتابوں سے دیئے گئے ہیں کہ شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

۳۔ مولانا نے اپنی تطبیقی آراء کو پیش کرتے ہوئے کسی مسئلہ کو بیان کرنے کے لئے بہت ساری روایات کو پیش کیا ہے اور ہر روایت کے لئے کئی کئی حوالے پیش کرتے ہیں۔ اس کے بعد اگر بحث کرنا مقصود ہو تو کرتے ہیں ورنہ فیصلہ قاری پر چھوڑ دیتے ہیں۔ ویسے مولانا کسی مسئلہ کے بیان کر دینے کے بعد کم ہی خود کلام کرتے ہیں۔ عموماً فیصلہ قاری پر چھوڑ دیتے ہیں۔

اسی تطبیقی آراء کے اصول کی وضاحت کے لئے مولانا اپنی کتاب مسئلہ ختم نبوت اور سلف صالحین میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر غلط الزام اور اُس کے جواب کے زیر عنوان تحریر کرتے ہیں۔

''مرزائی امت حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول (قولو انه خاتم الانبیاء ولا تقولوا لا نبی بعدہ) پیش کر کے آپ کا اجرائے نبوت کے عقیدہ کے ساتھ متفق ہونا ثابت کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا

---

[1] مولانا محمد نافع، ''رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ''، ج ا، لاہور، دار الکتاب، ۲۰۱۰ء، ص ۱۹۲۔

[2] کلینی رازی، محمد یعقوب، فروع کافی لکھنؤ، طبع نول کشور، س ن، ص ۲۲۵۔

اپنے زعم میں یہ بڑا مایہ ناز استدلال ہے۔اس پر بہت کچھ حاشیہ آرائی کی جاتی ہے۔''[۱]

اسی شبہ اور وہم کو دور کرنے کے لئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے عقیدہ ختم نبوت کی موافقت میں درج احادیث مبارکہ جو کہ خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہیں، پیش کرتے ہیں:

''عن عائشة ان النبی ﷺ قال لا یبقی بعدی من النبوة شیء الا المبشرات قالوا یارسول اللہ ما المبشرات قال الرویا الصالحة یراها الرجل اوتری له۔''[۲]

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد کچھ بھی نبوت باقی نہیں رہی۔ ہاں صرف مبشرات باقی رہ گئے ہیں۔لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مبشرات کیا چیز ہیں۔تو آپ نے فرمایا کہ اچھے خواب ہیں۔آدمی ان کو خود دیکھتا ہے یا اس کے حق میں کوئی دوسرا آدمی ہی دیکھتا ہے۔''

اسی طرح اس مسئلہ پر دلالت کرتے ہوئے مولانا دوسری روایت تحریر کرتے ہیں:

''عن عائشة صدیقة قالت قال رسول اللہ ﷺ انا خاتم الانبیاء و مسجدی خاتم المساجد۔''[۳]

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں تمام نبیوں کو ختم کرنے والا ہوں اور میری مسجد کے بعد کسی دوسری نبی کی مسجد نہیں ہوگی۔''

ان احادیث مبارکہ کی روشنی میں جو کہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہیں اس سے مولانا ثابت کرتے ہیں کہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس مسئلہ پر مہر تصدیق ثبت کر رہی ہیں کہ نبی کریم ﷺ پر آ کر ہر قسم کی نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔

۴۔مولانا نے اپنی تطبیقی آراء پیش کرتے ہوئے اس بات کو بھی ملحوظِ خاطر رکھا کہ تعصب وہٹ دھرمی سے محفوظ ہو جائے تا کہ قارئین تک اصل بات پہنچ سکے وہ بھی بغیر کسی تعصب کے۔

اسی واسطے مولانا نے اپنی کتب میں مخالف فرقے کے لوگوں کو مخاطب کرنے کا بڑا اچھا انداز اپنایا۔جگہ جگہ اپنی کتب میں اہل تشیع حضرات کو''شیعہ دوست'' کہہ کر مخاطب ہوتے ہیں۔جیسے اپنی کتاب حدیثِ ثقلین میں رقم طراز ہیں:

---

[۱] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، مسئلہ ختم نبوت اور سلف صالحین، لاہور، دار الکتاب، ۲۰۱۵ء، ص ۲۱۔

[۲] امام احمد بن حنبل، مسند احمد، ج ۲، طبع اول مصری، ص ۱۲۹۔

[۳] علی متقی الهندی، کنز العمال، ج ۷، طبع اول، دکن، بحوالہ ابن سعد، ص ۱۰۶۔

''شیعہ احباب کا گمان ہے کہ ''اولوالامر'' سے مراد آئمہ اثنا عشر ہیں۔''

''شیعہ دوست ''اولوالامر'' سے حضرت علی رضی اللہ عنہ مراد لیتے ہیں۔''[1]

اسی طرح مولانا اپنی کتاب فوائد نافعہ جلد اول میں متعۃ النساء کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ:

''متعہ کا مسئلہ اہل سنت اور شیعہ کے نزدیک قدیم زمانہ سے ''مختلف فیہ'' چلا آرہا ہے۔ شیعہ صاحبان اس کے جواز کے قائل ہیں اور اس فعل کو کار خیر اور موجب اجر وثواب سمجھتے ہیں بلکہ اسے بہترین عبادت قرار دیتے ہیں۔''[2]

مولانا نے اپنی تمام کتب میں اپنی تطبیقی آراء پیش کرتے ہوئے ہٹ دھرمی اور تعصب نہیں دکھایا بلکہ مخالف کو بھی اچھے انداز سے مخاطب ہو کر اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کیا۔

۵- جن روایات میں تنازعات اور مناقشات کے نقشے کھینچے گئے ہیں ان روایات سے اجتناب کرتے ہیں۔ ان سے استدلال کرنا مولانا کے نزدیک درست نہیں ہے کیونکہ مولانا نے اپنی تمام کتب میں جو اپنی تطبیقی آراء پیش کی ہیں ان کے لئے ضروری تھا کہ ایسی متنازعہ روایات سے بچا جائے۔ اسی لئے مولانا نے اپنی تمام کتب میں جو تطبیقی آراء میں بالکل ان سے استفادہ نہیں کیا اور نہ ہی ان کو کہیں درج کیا۔

۶- مولانا نے جہاں اپنی تطبیقی آراء پیش کرتے ہوئے دوسرے اصول اپنائے وہاں آپ نے اس اصول کو بھی مدنظر رکھا ہے کہ اعتدال اور انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔

جیسا کہ فوائد نافعہ جلد اول میں متعۃ النساء کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے مولانا نے دونوں فریقوں کا مؤقف الگ الگ بیان کیا ہے اور ''متعہ کے احکام و اوصاف شیعہ کے نزدیک'' پر چودہ نکات اُن کی معتبر کتب سے پیش کئے اور ایسے ہی ''نکاح کے احکام و اوصاف اہل سنت کے نزدیک'' پر بھی چودہ نکات ہی اہل سنت کی معتبر ترین کتب سے پیش کرتے ہوئے اُن کا موازنہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''موازنہ ہذا سے ''سابقہ متعہ'' اور شیعہ کے متعہ کے مابین بعد بعید اور فرق عظیم پایا گیا، لہٰذا مروجہ متعہ کو سابقہ متعہ پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے اور دونوں متعہ کو ایک جیسا قرار دینا عظیم مغالطہ اور فریب دہی ہے جو اس مسئلہ میں ان لوگوں نے پھیلا دی ہے بلکہ یہ ایک عجیب قسم کی تلبیس ومخادعت ہے جسے عوام میں نشر کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس غلط فہمی اور مغالطہ سے بچا کر راہ صواب اور ہدایت

---

[1] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، حدیث ثقلین، لاہور، دار الکتاب، ۲۰۱۵ء، ص ۲۲۶، ۲۲۷۔

[2] مولانا محمد نافع، فوائد نافعہ، ج ۱، لاہور، تخلیقات، ۲۰۰۲ء، ص ۲۸۱۔

نصیب فرمائے اور فکرِ آخرت کی توفیق بخشے۔''[1]

۷۔مولانا کی تطبیقی آراء کا اہم ترین اصول یہ بھی ہے کہ کسی مسئلہ کے لئے اصل دلیل قرآن مجید فرقان حمید سے مل جائے تو استدلال کے مقام میں وہی روایات لائق اعتماد سمجھتے ہیں جو قرآنی آیات اور حدیث ثابتہ کے برخلاف نہ ہوں۔

جیسا کہ آپ نے اپنی تصنیف فوائد نافعہ جلد اول کے باب ''فجوۃ'' کے اعتراض کے جواب میں لکھا ہے۔حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر اور ان کے عہد خلافت پر ایک شدید قسم کا اعتراض کیا جاتا ہے کہ ان کے دور خلافت میں نظام اسلام صحیح طور پر قائم نہیں تھا اور اسلام کے قواعد وضوابط پر عملدرآمد نہیں ہوتا تھا۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طبعی کمزوری کی وجہ سے مروان بن الحکم کی حکمرانی رہی اور اس دور میں دینی وشرعی نظام معطل رہا۔

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے اس طعن کے جواب میں قرآن پاک سے استدلال کیا ہے اور تحریر کرتے ہیں:

''......وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا...الخ''

''اور ان کو پرہیزگاری کی بات پر قائم رکھا اور وہ اسی کے لائق اور قابل بھی تھے۔''

آیت ہذا سے یہ بات وضاحت سے پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''واقعہ حدیبیہ میں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ شامل وشریک تھے ان میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا شمول یقینی ہے اور مسلمانوں میں سے ہیں۔حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور شاملین حدیبیہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں اس موقع پر اپنی سکینہ اور اطمینان نازل فرمایا اور ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے پرہیزگاری کا کلمہ (کلمۃ التقویٰ) ثابت کر دیا اور اس نے ان کو تقویٰ کا اہل بنا دیا۔پس وہ صحیح طور پر اس کے سزاوار وحقدار تھے۔''[2]

مزید دلالت کرتے ہوئے قرآن پاک سے حوالہ کچھ اس طرح پیش کرتے ہیں کہ کس طرح قرآن مجید نے اپنے پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی صفات کو کس طرح بیان کیا ہے:

''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا۔''[3]

''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں کفار پر سخت ہیں آپس میں رحم دل ہیں تو

---

[1] مولانا محمد نافع، فوائد نافعہ، ج۱، لاہور، تخلیقات، ۲۰۰۲ء، ص۲۸۸۔

[2] القرآن، سورۃ الفتح، ۲۹۔

[3] مولانا محمد نافع، فوائد نافعہ، ج۱، لاہور، تخلیقات، ۲۰۰۲ء، ص۵۳۳۔

انہیں دیکھے گا کہ رکوع و سجود کر رہے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی تلاش کرتے ہیں۔"

درج بالا آیت کریمہ کی روشنی میں یہ بات مولانا قرآن سے ثابت کرتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم اور خصوصاً وہ حضرات جو واقعہ حدیبیہ میں شامل تھے وہ ہمیشہ اللہ کا فضل اور رضامندی کے طالب تھے اور اللہ کریم نے ریا و نمود و نمائش کی نفی کرتے ہوئے ان کے خلوصِ نیت کی گواہی دی ہے۔

۸۔ مولانا روایات کتب میں، تواریخ کی کتب میں یا پھر فضائل و مناقب کی کتب میں اُس مواد سے ہرگز التفات نہیں کرتے جو قرآن و سنت کے برخلاف ہوں۔

اپنی کتاب فوائد نافعہ کی جلد اول میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر طاعنین نے یہ طعن لگایا کہ بیعت رضوان میں آپ موجود نہیں تھے۔ تو اس کے جواب میں مولانا نے جو روایت پیش کی اس کو یوں تحریر کرتے ہوئے وضاحت پیش کرتے ہیں:

"...اما غیبه عن بیعة الرضوان فلو کان احدا عز ببطن مکة من عثمان بعثه مکانه۔ فبعث رسول الله ﷺ عثمان و کانت بیعه الرضوان بعد ما ذهب عثمان الی مکه۔ فقال رسول الله ﷺ بیده الیمنی هذه ید عثمان فضرب بها علی یده فقال هذه لعثمان۔"[1]

"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بیعت رضوان سے غائب رہنا اس وجہ سے تھا کہ اگر وادی مکہ میں اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے زیادہ کوئی اور باعزت شخص ہوتا تو جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بجائے اُسے بھیجتے (لیکن اس کام کے لئے اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بہتر کوئی موزوں شخص نہیں تھا) پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار مکہ کی طرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور آنموصوف رضی اللہ عنہ کے مکہ مکرمہ چلے جانے کے بعد بیعت رضوان پیش آئی تو اس موقعہ پر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بیعت ہذا میں شامل کرنے کیلئے) فرمایا کہ یہ میرا دایاں ہاتھ عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ ہے اور اس کو اپنے دوسرے ہاتھ پر رکھ کر بیعت فرمائی اور فرمایا کہ میں عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے بیعت کرتا ہوں۔"

مولانا مزید اپنی کتاب "رُحَمَآءُ بَیۡنَهُمۡ" جلد عثمانی میں رقم طراز ہیں۔ طاعنین نے پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر یہ طعن لگایا کہ تین روز تک بے گور و کفن پڑے رہے تھے تو اس کے جواب میں مولانا مسند احمد سے یہ روایت پیش کی:

"...عن قتادة قال صلی الزبیر علی عثمان رضی الله تعالیٰ عنه ودفنه...الخ"[2]

---

[1] امام بخاری، محمد بن اسماعیل، بخاری شریف، ج ۱، ص ۵۳۲، طبع دہلی۔

[2] امام احمد بن حنبل، مسند احمد، ج ۱، ص ۷۴، طبع اول، مصری۔

''امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے باسند روایت درج کی ہے کہ مشہور صحابی حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جنازہ پڑھایا اور دفن کیا۔''

ایسے ہی مولانا نے اپنی تمام کتب میں جب تطبیقی آراء پیش کیں تو اُن کے پیش کرتے وقت یہی اصول اپنایا کہ جو روایت یا حوالہ پیش کیا وہ قرآن وسنت سے مطابقت وموافقت رکھتا ہو ان کے برخلاف جو بھی مواد تھا مولانا نے اُن کو اپنی تطبیقی آراء سے الگ ہی رکھا۔

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی تطبیقی آراء کی انفرادیت:

۱- بہت سارے مصنّفین نے تاریخی مواد کو بلا تحقیق جس طرح پڑھا دیکھا اس کو اسی طرح نقل کر دیا۔ ان روایات کو پرکھا نہیں، ان کی چھان پھٹک نہیں کی مگر اس کام میں اللہ تعالیٰ نے مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کو یہ سعادت بخشی کہ جنہوں نے مستند تاریخی کتب احادیث صحیحہ، اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم اور مستند علمائے کرام کے اقوال سے اصل حقیقت واضح کی یعنی کہ جن روایات کی تحقیق سے اکثر علماء اور مصنّفین قاصر رہے ان روایات کو تحقیق کے ساتھ مولانا نے تحریر کیا اور یہی باتیں مولانا کی تطبیقی آراء میں انفرادیت پیدا کرتی ہیں۔

جیسا کہ مولانا اپنی تصنیف ''بنات اربعہ'' میں ''افضلیت النساء'' کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ خواتین میں کون سی خاتون افضل ہے۔ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ کے متعلق متعدد روایات مختلف نوع کی ملتی ہیں۔ بعض روایات میں اس طرح مذکور ہے:

''۱- ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خواتین جنت میں سے افضل خدیجہ رضی اللہ عنہا، فاطمہ رضی اللہ عنہا، مریمؑ (بنت عمران) اور آسیہ بنت مزاحم رضی اللہ عنہا ہیں۔''[۱]

اس طرح ایک اور مرفوع روایت بیان کرتے ہوئے مولانا حوالہ دیتے ہیں:

''۲- ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، ارشاد نبوی ہے کہ مریم بنت عمران کے بعد تمام اہل جنت کی عورتوں کی سردار فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں، خدیجہ ہیں اور پھر آسیہ بنت مزاحم ہیں۔''[۲]

''۳- ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر چار خط کھینچے اور ارشاد فرمایا جانتے ہو یہ کیا ہیں تو حاضرین مجلس نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کی عورتوں میں سب سے افضل خدیجہ بنت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور فاطمہ

---

[۱] ہیثمی، نورالدین، مجمع الزوائد، ج۹ص۲۰۱، قاہرہ، مصر، مکتبہ مقدسی، ۱۳۵۲ھ۔

[۲] ہیثمی، نورالدین، مجمع الزوائد، ج۹ص۲۲۳، قاہرہ، مصر، مکتبہ مقدسی، ۱۳۵۲ھ۔

بنت محمد رضی اللہ عنہا اور مریمؑ بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم رضی اللہ عنہا ہیں۔''[1]

اس کے بعد مولانا نے مسئلہ ہذا کو شیعہ اکابر کی نظر میں حوالہ جات دیتے ہوئے یوں بیان کیا ہے: شیعہ کے مشہور فاضل شیخ صدوق اپنی تصنیف ''کتاب الخصال'' میں یہی سابقہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اپنی سند کے ساتھ نقل کر کے لکھتے ہیں:

''۴-ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمین پر چار خط کھینچے اور فرمایا جانتے ہو یہ خط کیسے ہیں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔ تو آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کی عورتوں میں سے چار خواتین افضل ہیں، خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا، فاطمہ بنت محمد رضی اللہ عنہا، مریم بنت عمرانؑ اور آسیہ بنت مزاحم رضی اللہ عنہا۔''[2]

اسی طرح بعض دیگر روایات میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق لکھتے ہیں:

''۵-حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں ''عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے تمام طعاموں پر الثرید کی فضیلت ہے۔''[3]

''۶-علامہ الزہری کہتے ہیں کہ تمام امہات المومنین اور تمام عورتوں کے علم کو اگر جمع کیا جائے اور اس کے مقابلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علم کو جمع کیا جائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم افضل ہوگا۔''

سارے حوالہ جات دینے کے بعد مولانا توقف کے بارے میں یوں تحریر کرتے ہیں:

''چونکہ اس سلسلہ میں مختلف نوع کی روایات پائی جاتی ہیں جو بظاہر ایک دوسرے سے متقابل نظر آتی ہیں اس بنا پر بہت سارے علماء نے افضلیت (بین النساء) کے مسئلہ میں ''توقف'' کا قول اختیار کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی طرف سے اس مسئلہ میں کوئی فیصلہ نہیں دے سکتے۔''[4]

۲-مولانا کی تطبیقی آراء کی یہ بھی انفرادیت ہے کہ آپ نے افراط وتفریط سے الگ رہ کر تحقیق کا حق ادا کیا اور اپنی تحریر کی تاریخی حوالوں سے وضاحت کی اور مناظرانہ وجارحانہ انداز سے بچتے ہوئے اپنا مؤقف قارئین تک پہنچایا۔ جیسا کہ مولانا اپنی کتاب ''بنات اربعہ'' میں حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں:

---

[1] شیخ صدوق، کتاب الخصال، باب نمبر ۲۸۹، روایت نمبر ۱۵، طبع نجف اشرف، عراق۔

[2] بخاری، امام محمد بن اسماعیل، بخاری شریف، ج ۱، ص ۵۳۲، تحت کتاب المناقب عائشہ۔

[3] ابن حجر عسقلانی، تہذیب التہذیب، ج ۱۲، ص ۴۳۵، حیدر آباد، دائرہ معارف نظامیہ، ۱۳۲۶ھ۔

[4] مولانا محمد نافع، بنات اربعہ، ص ۳۲۶، دار الکتاب، لاہور، ۲۰۱۵ء۔

''جب حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا غسل اور کفن ہو چکا تو ان کے جنازہ کے لئے سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساتھ تشریف لائے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز جنازہ خود پڑھائی اور آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے وہ تمام شامل ہوئے۔''

''قال ابن سعد صلی علیہا ابوھا ﷺ۔''[1]

پھر آگے چل کر مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے دفن کے متعلق اور تاجدار مدینہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غم کی کیفیت کے متعلق لکھتے ہیں کہ کس طرح سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی صاحبزادی کے انتقال پرملال پر رنجیدہ تھے۔

''عن انس قال شھدنا بنت رسول اللہ ﷺ تدفن و رسول اللہ ﷺ جالس علی القبر فرایت عینیہ تدمعان۔''[2]

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی کے دفن کے موقع پر ہم حاضر تھے اور سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبر پر تشریف فرما تھے اور میں نے دیکھا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنسو مبارک جاری تھے۔''

۳۔ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے معترضین کے جوابات اپنے پختہ تاریخی دلائل سے دیئے اور ان بزرگ ہستیوں کے مابین جو عارضی اختلافات تھے آپ نے ان کی وضاحت پختہ دلائل سے دیتے ہوئے اپنی تطبیقی آراء میں انفرادیت پیدا کی۔

مولانا اپنی تصنیف ''رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ'' کی چوتھی جلد مسئلہ اقربا نوازی میں عنوان ''امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کو سب و شتم کرنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرمان کے مطابق ممنوع ہے'' کے تحت تحریر کرتے ہیں:

''یہ دونوں فریق مذہب کے اعتبار سے ایک جماعت ہیں اور دین اسلام کی حیثیت سے ایک چیز ہیں۔ ان حضرات کا باہمی کچھ فرق نہیں۔ صرف ایک دو چیزوں میں رائے اور فکر کا اجتہادی اختلاف (یعنی قتل عثمانی اور قاتلانِ عثمان کے متعلق) تھا۔ اسی بنا پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جب بھی اپنے مقابل فریق پر لعن طعن کا مسئلہ پیش ہوا تو آپ نے اپنے حمائتیوں کو اس شنیع فعل پر برملا منع کر دیا اور بار بار منع کیا۔''[3]

---

[1] زرقانی علی مواہب، شرح مواہب للدنیا، ج ۳، ص ۲۰۰، مصر، طبع الاولیٰ، ۱۳۲۵ھ۔

[2] البغوی، ابو محمد حسین، شرح السنہ امام للبغوی، ج ۵، ص ۳۹۴، تحت بات نزول الرجل فی قبر المرآۃ۔

[3] مولانا محمد نافع، ''رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ''، ج ۴، ص ۱۸۴، لاہور، دار الکتاب، ۲۰۱۰ء۔

اس مسئلہ کی وضاحت کے لئے مولانا درج ذیل روایات پیش کر کے اس کی وضاحت کرتے ہیں:

''عن عبداللہ بن صفوان قال قال رجل یوم صفین اللھم العن اھل الشام قال فقال علی لا تسب اھل الشام جما غفیراً فان بھا الابدال فان بھا الابدال فان بھا الابدال۔''[۱]

''حضرت عبداللہ بن صفوان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جنگ صفین کے روز ایک شخص نے کہا کہ اے اللہ! شام والوں پر لعنت فرما۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کو فرمایا کہ شام کی جماعت کو مت سب وشتم کرو، یقیناً اہل شام میں ابدال ہیں۔ دو تین بار اسی طرح فرمایا۔''

''عن شریح بن عبید قال ذکر اھل الشام عند علی و قیل العنھم یا امیر المؤمنین قال انی سمعت رسول اللہ الابدال یکونون بالشام وھم اربعون رجلاً کلما مات رجل ابدل اللہ مکانہ رجلا... الخ۔''[۲]

''حضرت شریح بن عبید ذکر کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اہل شام کا ذکر ہوا اور لوگوں کی طرف سے کہا گیا کہ اے امیر المؤمنین شام والوں پر لعنت کیجئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بالکل نہیں، میں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ شام میں ابدال ہوں گے اور چالیس شخص ہوں گے۔ اگر ایک فوت ہو جائے گا تو اُس کی جگہ دوسرا مقرر ہوگا۔.... الخ''

ایسے بہت سارے مقامات مولانا کی کتب میں موجود ہیں۔ جہاں پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عارضی اختلافات کی تطبیق کرتے ہوئے مکمل وضاحت پیش کی گئی۔ لوگوں کے ذہنوں میں جو خلفشار تھے ان کو دور کیا کیونکہ جب اللہ نے اپنے قرآن مجید میں فرما دیا کہ ''رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ'' آپس میں شیر وشکر ہیں۔ کافر کے خلاف سخت گیر۔ تو مولانا نے یہ بات وضاحت سے پیش کی کہ ان کے معمولی اختلافات جو بھی تھے وہ عارضی تھے، دائمی نہ تھے۔

۴۔ مولانا نے خود ساختہ نظریات کو رد کیا۔ جو لوگ بذات خود اپنے ذہنوں میں کوئی نظریہ یا پھر کوئی بات خود سے تشکیل دے دیتے تھے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تطبیقی آراء سے زائل کرتے ہوئے ذہنی خلفشار کو دور کیا اور غلط قسم کے نظریات کو ختم کیا۔

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف بناتِ اربعہ میں فدک کے مسئلہ پر قلم اٹھاتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[۱] ابوالقاسم علی بن حسن، التاریخ لابن عساکر کامل، ج ۱، ص ۳۲۳، مطبوعہ دمشق۔

[۲] الہیثمی، نورالدین، مجمع الزوائد، ج ۱، ص ۶۲، قاہرہ، مصر، مکتبہ مقدسی، ۱۳۵۲ھ۔

''فدک کے متعلق جب ھبہ اور عطیہ کی روایات بے کار ثابت ہوتی ہیں اور وثیقہ اور وقف کی روایات بھی لا حاصل ٹھہرتی ہیں اور مدعا ثابت نہیں ہوتا تو پھر یہ لوگ یہ حربہ استعمال کرتے ہیں کہ سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حق میں فدک کے متعلق ایک وصیت فرمائی تھی لیکن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس وصیت کا ایفاء نہ کیا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کا خلاف کر ڈالا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے نافرمان ہوئے۔''[1]

اس طعن کے جواب میں مولانا نے چند چیزیں ذکر کی ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔ ان کو پڑھ کر ہر شخص جس کے ذہن میں مسئلہ فدک کے بارے میں ابہام ہو وہ صاف ہو جائے گا اور اُس کو مدلل جواب مل جائے گا۔

''۱- وصیت کے دعویٰ مذکورہ بالا کو ثابت کرنے کے لئے اہل سنت کی معتبر کتابوں سے صحیح روایت پیش کرنا لازم ہے۔ ضعیف اور بے اصل روایات پیش کرنے سے دعویٰ مسموع نہیں ہوگا۔ اس نوع کی روایات اگر کہیں دستیاب ہوئی ہیں تو اس فن کے قواعد معتبرہ کے معیار پر پوری نہیں اتریں جو قواعد کے خلاف چیز ہو وہ قابل التفات نہیں ہوتی۔''

''۲- دوسری چیز یہ ہے کہ شیعہ اور سنی علماء فرماتے ہیں کہ وصیت میراث کی خواہر ہے (یعنی الوصیۃ اخت المیراث) جس مال میں میراث جاری نہیں ہوسکتی اس مال میں وصیت کس طرح جاری ہوگی؟ وجہ یہ ہے کہ وصیت کرنے والے کے فوت ہو جانے کے بعد میراث اور وصیت کا ملک منتقل ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام انتقال کے بعد اپنے مال کے مالک نہیں رہتے بلکہ ان کا مال اللہ تعالیٰ کا مال ہوتا ہے اور بیت المال میں داخل ہوتا ہے۔ چنانچہ جب انبیاء علیہم السلام کے مال میں وراثت ثابت نہ ہوئی تو وصیت مالی کا نفاذ بطریق اولیٰ ثابت نہ ہوگا۔ اس واسطے کہ وصیت سے وراثت قوی تر ہے اور وصیت ضعیف ہے۔''[2]

''۳- اگر بالفرض وصیت نبوی اس معاملے میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے پائی گئی تھی اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس کا ایفاء نہ کیا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کر ڈالی تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے عہد میں اس وصیت کا اتمام اور ایفاء کیوں نہ کیا؟ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے وارثوں کو یہ حق کیوں نہ ادا کیا؟''[3]

''۴- نیز قابل توجہ یہ چیز ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر وصایا کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اُمت محمدیہ نے پورا

---

[1] مولانا محمد نافع، بنات اربعہ، لاہور، دار الکتاب، ۲۰۱۵ء، ص ۳۵۶۔

[2] شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، تحفہ اثنا عشریہ، طبع جدید، لاہور، ص ۲۷۹۔

[3] الطوسی، ابی جعفر محمد بن حسن، تلخیص الشافی، ج ۳، ص ۱۴۴، طبع جدید قم۔

کرنے میں تمام تر مساعی صرف کر دیں تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حق میں وصیت کو پورا کرنے کیلئے تمام تر صحابہ رضی اللہ عنہم بشمول ہاشمی حضرات کے کیوں متساہل ہو گئے؟ اور فرمان نبوی کو کیوں متروک قرار دیا''۔[1]

۵۔مولانا کا تطبیقی آراء پیش کرتے ہوئے انداز صرف مبلغانہ ہی نہیں بلکہ محققانہ بھی ہے۔ محض تبلیغی نہیں تحقیقی بھی۔ کیونکہ مولانا نے جن موضوعات پر کام کیا وہ ابتداء سے ہی تنقید و تنقیص کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ ان متنازعہ موضوعات پر کام کرنا بہت مشکل تھا لیکن مولانا نے جس سخت محنت، جستجو، لگن اور غیر جانبداری سے کام کیا وہ واقعی قابل تحسین ہے اور انفرادیت کا حامل ہے۔

جیسا کہ مولانا نے اپنی کتاب فوائد نافعہ جلد اول میں بہت سارے تحقیقی موضوعات پر قلم اٹھایا۔ اُن میں طعن کرنے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جب تاجدار مدینہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا گیا تو اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے جبکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ نہیں تھے۔ اُنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اکیلا چھوڑ دیا تھا اور رفاقت نبوی کے معاملہ سے قاصر رہے۔

اس طعن کا جواب دیتے ہوئے مولانا محققانہ انداز اپناتے ہوئے اس کا جواب یوں تحریر کرتے ہیں:

''مندرجہ بالا اعتراض حقیقت کے برخلاف ہے اور اس موقع کے حالات اس کے موافق نہیں پائے جاتے۔ چنانچہ علماء نے شعب ابی طالب کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایذاء رسانی پر قریش مجتمع ہو گئے اور انہوں نے ایک صحیفہ (عہد نامہ) لکھا اور جناب صدیق رضی اللہ عنہ اس صعب تر وقت میں آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شریک حال تھے اسی بنا پر اس وقت جناب ابو طالب نے اس واقعہ کو بصورت شعر ذکر کیا ہے اس میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہونا واضح طور پر ثابت ہوتا ہے۔''[2]

''وهم رجعوا سهل بن بيضاء راضيا فسر ابوبكر بها و محمد

قبیلہ قریش نے سہل بن بیضاء کو راضی کر کے واپس کیا۔ ایک جماعت قریش کی صحیفہ کے نقض اور توڑنے کے لئے کھڑی ہو گئی تھی ان میں سہل بن بیضا بھی تھا جو اس وقت مسلمان نہ تھا لیکن بعد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ پس اس بات پر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی راضی ہوئے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی مسرور ہوئے۔''[3]

مولانا اس مسئلہ کی تفصیل و تحقیق میں بتلاتے ہیں کہ مضمون ہذا کو متعدد علماء اور مصنفین نے اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے۔

---

[1] مولانا محمد نافع، بنات اربعہ، لاہور، دارالکتاب، ۲۰۱۵ء، ص ۳۵۷۔

[2] مولانا محمد نافع، فوائد نافعہ، ج ۱، لاہور، تخلیقات، ۲۰۰۲ء، ص ۷۸۔

[3] شاہ ولی اللہ، ازالۃ الخفاء، ج ۲، ص ۱۰، تحت مآثر صدیق، بریلی طبع قدیم۔

''ابن ہشام نے اپنی سیرت کی کتاب میں ''حدیث نقض صحیفہ'' کے تحت جناب ابوطالب کے وہ اشعار ذکر کئے ہیں جن میں ان لوگوں کی مدح ہے جواشخاص صحیفہ توڑنے میں پیش پیش تھے ان میں سہل بن بیضاء بھی تھا، وہاں یہ شعر مذکور درج ہے۔''[1]

اس کے بعد مولانا نے مزید محققانہ انداز اپناتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ واقعہ ہذا کو شیعہ کے مشاہیر علماء نے بھی اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے۔ چنانچہ مولانا ایک حوالہ شیعہ کی مشہور تاریخ سے نقل کرتے ہیں:

''مرزا محمد تقی لسان الملك (الشیعی) در ناسخ التواریخ گفته که یکم محرم، بعثت نبوی در شعب ابی طالب رفته بودندوسه (۳) سال در ماندند ابوطالب اشعار گفته کو در آخر او گویں۔''[2]

''مرزا تقی لسان الملک اپنی تاریخ میں تحریر کرتے ہیں کہ یکم محرم سات بعثت نبوی میں (جناب نبی کریم ﷺ بمع اپنے ساتھیوں کے) شعب ابی طالب میں گئے اور تین سال تک اس گھاٹی میں محبوس رہے۔ اس موقع پر ابوطالب نے اشعار کہے جن کا آخری شعر یہ ہے۔''

وهم رجعوا سهل بن بيضاء راضيا　　فسر　　ابوبكر　　بها　　و　　محمد

مولانا کی تطبیقی آراء کی یہی تو خصوصیات ہیں اور ان کو یہ انفرادیت حاصل ہے کہ مولانا نے نہ صرف اہل سنت کی معتبر کتب سے حوالہ جات پیش کئے بلکہ اہل تشیع کی کتب سے بھی حوالہ جات پیش کئے ہیں۔ مولانا نے بڑے احسن انداز سے تحقیق کرتے ہوئے اپنی آراء میں انفرادیت پیدا کی۔

۶۔ بطور مسلمان کسی مسئلہ کے حل کے لئے ہم قرآن وحدیث کی طرف دیکھتے ہیں کہ قرآن وحدیث اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ اسی طرح مولانا نے بھی مصادر تحقیق وتوثیق کے لئے اول درجے میں قرآن و حدیث کو ہی رکھا ہے یعنی کہ بنیادی مصادر قرآن وحدیث ہی ہیں۔ کتاب اللہ سے اگر استدلال کرتے ہیں تو ایک موقع کے لئے ایک یا دو نہیں بلکہ کئی کئی آیات کریمہ درج کرتے ہوئے کتاب اللہ سے استدلال کرتے ہیں۔

مثال کے طور پر مولانا نے اپنی کتاب ''حدیث ثقلین'' میں اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کے بارے میں قرآنی آیات ایک دو نہیں بلکہ بارہ آیات کریمہ پیش کی ہیں۔

۷۔ مولانا کی تطبیقی آراء کی یہ بھی انفرادیت ہے کہ آپ ہر مسئلہ کی گہرائی تک جاتے ہیں۔ اصل کی تلاش کی ہے، تعصب اور ہٹ دھرمی سے پاک آراء کو پیش کیا ہے۔

---

[1] ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک، سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۳۷۹، مصر طبع ثانی۔

[2] مرزا احمد تقی، ناسخ التواریخ، ج ۵، ص ۶۲۲ تحت حالات شعب ابی طالب، ایران، طبع قدیم۔

جیسا کہ مولانا ''رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ'' جلد عثمانی میں ''حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کی مدافعانہ کوششیں'' کے زیر عنوان رقم طراز ہیں۔

''محاصرہ کے دوران باغیوں کی مدافعت کے لئے بار بار کوشش ہوتی رہی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے متعدد دفعہ اپنی اپنی جگہ اس شرارت کو دور کرنے کی سعی کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد شریف نے مسئلہ ہذا کو حل کرنے میں بڑی ہمت صرف کی لیکن حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے کسی فرد کو اس سلسلہ میں ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں دی۔''[1]

اس مسئلہ کی مزید وضاحت کرنے کے لئے مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے درج ذیل روایات کے حوالہ جات پیش کر کے بڑے احسن انداز میں وضاحت پیش کی۔ عبداللہ بن رباح حضرت سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی کوشش کا ذکر کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں:

''......فلقیت الحسن بن علی داخلا علیه فرجعنا معه لنسمع ما یقول قال انا هٰذا یا امیر المؤمنین فامدنی بامرك قال اجلس یا ابن اخی حتی یاتی الله بامره فانه لا حاجة لی فی الدنیا او قال فی القتال۔''[2]

''ابن رباح کہتے ہیں کہ میری حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ محاصرہ کے دوران وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔ ہم لوگ بھی دونوں حضرات کی گفتگو سننے کے لئے ان کے ساتھ واپس آ گئے۔ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کہا کہ اے امیر المؤمنین آپ جو حکم مجھے فرمادیں گے وہ بجالاؤں گا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے بھتیجے اپنی جگہ تشریف رکھیے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم تقدیر پورا فرمادیں۔ مجھے دنیا کی کوئی حاجت نہیں۔''

مولانا نے تطبیقی آراء پیش کرتے ہوئے جگہ جگہ اپنی تصانیف میں ایسے ہی بے شمار حوالہ جات دیئے جن سے خلفائے ثلاثہ اور خاندانِ علی کے آپس کے گھریلو تعلقات کھل کر سامنے آئے اور یہ تعلقات اس قدر اچھے تھے کہ ان میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں تھی۔

۸۔ آپ کی تطبیقی آراء کی انفرادیت میں یہ بات بھی خاص اہمیت کی حامل ہے کہ آپ نے جو آراء پیش کیں ان میں انتہائی سادہ اور آسان زبان استعمال کی گئی اور قارئین کو انتہائی شائستہ لہجے میں اپنی آراء کو پیش کیا۔ مولانا کی کوئی بھی کتاب اٹھائیں ان میں تطبیقی آراء پڑھنے کو ملیں گی جن میں مختلف دو آراء کی تطبیق کرتے ہوئے

---

[1] مولانا محمد نافع ''رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ''، ج ۳، ص ۱۷۰، لاہور، دارالکتاب، ۲۰۱۵ء۔

[2] لابی بکر عبدالرزاق، المصنف لعبدالرزاق، ج ۱۱، ص ۴۴۷، طبع مجلس علمی۔

مطابقت پیدا کی گئی اور کسی کی رائے کا رد نہیں کیا گیا بلکہ تمام آراء کو ایک نقطہ پر لانے کی کوشش کی اور ان آراء کو پیش کرتے ہوئے مولانا نے انتہائی سادہ اور آسان زبان استعمال کی ہے تاکہ پڑھنے والے کو بات سمجھ میں آجائے اور وہ ان آراء سے پورا پورا استفادہ کر سکیں۔

۹۔مولانا نے اپنی تطبیقی آراء پیش کرتے ہوئے زیادہ تر نقلی دلائل پیش کئے ہیں۔نقلی دلائل کی کثرت ہی اس قدر ہے کہ عقلی دلائل دینے کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی لیکن جہاں ضروری سمجھا وہاں آپ نے درایت سے بھی کام لیا۔مثال کے طور پر مولانا اپنی تصنیف "رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ" جلد صدیقی میں "حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز پڑھنا" مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

"ہم اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک مسئلہ ہذا یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز پڑھنا مسلمات میں سے ہے۔تمام علماء اہل السنۃ والجماعۃ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نماز پڑھنے کو صحیح اور درست تسلیم کرتے ہیں۔یہ امر کسی خاص دلیل اور حجت پیش کرنے کا محتاج نہیں۔ہر دور کے علماء میں یہ مسئلہ مسلم چلا آیا ہے۔واقعات اور تاریخی شواہد اس پر دال ہیں۔مخاطبین و ناظرین کی تسلی و اطمینان کیلئے حافظ ابن کثیر کی عبارت البدایہ سے پیش کر دینے کو اپنی کتابوں سے کافی سمجھتے ہیں۔"[1]

"...(قال ابن کثیر) وھذا حق فان علی ابن ابی طالب لم یفارق الصدیق فی وقت من الاوقات ولم ینقطع فی صلاۃ من الصلوات خلفه۔"[2]

"حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کسی وقت بھی اوقات نماز میں جدا نہیں ہوئے۔تمام نمازوں میں حاضر و شامل رہتے تھے۔"

اس کے بعد مولانا مزید دلائل پیش کرتے ہیں اور وہ بھی شیعہ حضرات کی تصانیف سے تاکہ ان کی کتب سے نقلی دلائل پیش کئے جائیں اور عقلی دلائل کی ضرورت کم ہی پیش آئے اور طرفین کی کتابوں سے مسئلہ ثابت ہو کر مدلل طریقہ سے بیان ہو جائے اور اس مسئلہ کی تطبیق بھی احسن انداز میں ہو جائے۔

۱: مولوی مقبول احمد دہلوی شیعی نے ترجمۃ القرآن اور حواشی لکھے ہیں۔اُن کا ایک ضمیمہ مطبوعہ میں درج ہے:

"پھر وہ (علی رضی اللہ عنہ شیر خدا) اٹھے اور نماز کے قصد سے وضو فرما کر مسجد میں تشریف لائے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز میں کھڑے ہو گئے۔"[3]

---

[1] مولانا محمد نافع، "رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ"، ج اصدیقی، لاہور، دار الکتاب، ۲۰۱۵ء، ص ۲۷۵۔

[2] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، البدایہ والنہایہ، ج ۵، ص ۲۴۹، مصر، سعادہ بجوار محافظہ، ۱۹۳۲ء۔

[3] مولوی مقبول احمد، ترجمۃ القرآن، طبع لاہور، ص ۴۱۵۔

۲: میرزا رفیع باذل ایرانی نے اپنی مشہور تصنیف ''حملہ حیدری'' میں اس مضمون کو نظم کرتے ہوئے لکھا ہے:

کشیدند صف اهل دین از قفا درآں صف هم استاد شیر خدا

''ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے جب اہل دین نے نماز کے لئے صف تیار کی تو اس صف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ شیر خدا بھی شریک ہو کر کھڑے ہوئے۔''[1]

۳: گیارہویں صدی کے مجتہد ملا باقر مجلسی اصفہانی اپنی تصنیف ''مرآۃ العقول شرح اصول'' میں صراحت کے ساتھ یہ مسئلہ درج کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حضر المسجد وصلی خلف ابی بکر''[2]

''حضرت علی رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں تشریف لائے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز ادا کی۔''

مولانا نے اسی طرح بہت سارے حوالہ جات پیش کر کے اور شیعہ احباب کی مستند کتب سے پیش کر کے یہ بات ثابت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت میں نماز ادا کرتے رہے۔

۱۰۔ مولانا نے سنی شیعہ کی پرانی آویزش سے ہٹ کر فریقین کو نہایت معتدل پیرائے میں علمیت و عقیدت پر غور و فکر کی دعوت دی ہے۔ آپ نے افراط و تفریط سے بچتے ہوئے حقیقت و بصیرت کے آئینہ میں اپنی تطبیقی آراء کو پیش کیا۔

جیسا کہ مولانا اپنی تصنیف ''رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ'' جلد عثمانی میں ''اجرائے احکام میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ و علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا عملی تعاون'' کچھ یوں پیش کرتے ہیں:

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں معاملات کے فیصلے اور اجرائے احکام کی ضرورت پیش آتی تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ان مواقع میں شامل رکھا جاتا تھا اور حد جاری کرتے ہوئے جرائم قبیحہ پر سزا دینے کا موقع پیش آتا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کئی بار یہ کام حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا کرتے تھے۔''[3]

اسی طرح مولانا آگے جا کر خلفائے ثلاثہ کا احترام حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے لئے بیان کرتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر سواری سے احتراماً اتر جاتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت و تابعداری کرتے ہوئے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا اکرام و اجلال ملحوظ رکھتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ و حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق مذکور ہے:

---

[1] میرزا رفیع باذل، حملہ حیدری، ج ۲، ص ۲۵۹، طبع قدیمی ایرانی۔

[2] ملا باقر مجلسی اصفہانی، مرآۃ العقول شرح اصول، طبع قدیمی ایرانی، ۱۳۲۱ھ، ص ۳۸۸۔

[3] مولانا محمد نافع، ''رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ''، لاہور، دار الکتاب، ۲۰۱۵ء، ج ۳ (عثمانی)، ص ۱۱۸۔

''....ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ و عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کانا اذا مرا بالعباس وھما راکبان ترجلا اکراماله۔''[1]

''سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ وسیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ذوالنورین جب سوار ہونے کی حالت میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرتے تو سواری سے اتر جاتے اور پیادہ پا چلنے لگتے۔ یہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے احترام کے پیش نظر کرتے تھے۔''

[1] ابن عبدالبر، الاستیعاب، مع اصابہ، ج ۳، ص ۹۸۔

باب دہم

سماجی تعلقات، معاملات اور خدمات

تدریس، تبلیغ، افتاء اور جامعہ کی دیگر انتظامی مصروفیات کے ساتھ ساتھ تحقیق، تصنیف اور تالیف کے کام (اور وہ بھی کسی عملہ یا معاون کے بغیر) اس امر کا شدت سے متقاضی تھا کہ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ سماج اور معاشرہ سے کٹ کر، گھر اور جامعہ کی چار دیواری میں گوشہ نشین ہو کر اس کو سرانجام دیں۔ مگر واقعات، حقائق اور ان کی عملی زندگی یہ بتاتی ہے کہ انہوں نے مذکورہ مصروفیات کو جواز بنا کر ایسا نہیں کیا بلکہ مذکورہ کام کے ساتھ ساتھ بھرپور سماجی و معاشرتی زندگی گزاری ہے۔ لوگوں کے ساتھ میل جول رکھا ہے۔ ان کی خوشی غمی میں شریک ہوتے رہے ہیں۔ تعلقات نبھانے کے ساتھ ساتھ سماجی و معاشرتی خدمات بھی سرانجام دیتے رہے ہیں۔

اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان جیسے عالم دین سے یہ امر مخفی نہیں تھا کہ خلق خدا کے دکھ درد اور خوشی غمی میں برابر شریک رہنے کی بجائے عزلت نشینی اور گوشہ نشینی شریعت محمدیہ میں پسندیدہ چیز نہیں۔ تعلقات، ملنے جلنے اور لوگوں سے معاملات میں بسا اوقات تکلیف دہ حالات کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایسے موقع پر اسلام کی تعلیم صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنے کی ہے۔ نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

''ان المسلم الذی یخالط الناس ویصبر علی اذاھم خیر (افضل) من المسلم الذی لا یخالط الناس ولا یصبر علی اذاھم''[1]

بے شک وہ مسلمان جو لوگوں میں مل جل کر رہتا ہے اور ان کی تکلیف دہی پر صبر کرتا ہے اس مسلمان سے بہتر ہے جو لوگوں سے نہیں ملتا اور ان کی ایذاء دہی پر برداشت سے کام نہیں لیتا۔

مشہور محدث اور شارح حدیث علامہ نووی نے ریاض الصالحین میں لوگوں کے ساتھ اختلاط (ملنے جلنے) اور ان کی خوشی غمی کے مواقع پر ان کے پاس جانے کی فضیلت پر ایک مستقل اور طویل عبارت پر مشتمل باب قائم کیا ہے۔ زیر بحث موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اس طویل باب کے عنوان کا ذیل میں اندراج بے جا نہ ہوگا:

''باب فضل الاختلاط بالناس وحضور جمعھم وجماعاتھم و مشاھد الخیر ومجالس الذکر معھم، وعیادۃ مریضھم وحضور جنائزھم ومواساۃ محتاجھم

---

[1] جامع ترمذی، ابواب الزھد، وابواب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع باب ماجاء فی صفۃ اوانی الحوض، باب منہ۔

وارشاد جاھلھم، وغیر ذالك من مصالحم لمن قدر علی الامر بالمعروف والنھی عن المنکر وقمع نفسه عن الایذاء وصبر علی الاذی ''[1]

لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے، ان کے جمعوں، جماعات، بھلائی کے مواقع اور ان کی مجالس ذکر میں شرکت، ان کے مریض کی عیادت، ان کے جنازوں میں شرکت اور ان کے محتاجوں کی غم خواری، ان کے جاہل آدمیوں کی رہنمائی اور اس طرح کے دوسرے مصالح سرانجام دینے کی فضیلت کا باب، اس آدمی کے لئے جو بھلائی کا حکم دینے اور برائی کو روک دینے، ایذا رسانی سے اپنے آپ کو دور رکھنے اور لوگوں کی طرف سے تکلیف دہی پر صبر کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔

پھر اس مذکورہ فضیلت کی علت بتاتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اعلم ان الاختلاط بالناس علی الرحمه الذی ذکرته ھو المختار الذی کان علیه رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وسائر الانبیآء صلوات اللہ وسلامه علیھم وکذالك الخلفاء الراشدین ومن بعدھم من الصحابة والتابعین ومن بعدھم من علماء المسلمین واخیارھم وھو مذھب اکثر التابعین ومن بعدھم وبه قال الشافعی واحمد واکثر الفقھاء رضی اللہ عنھم اجمعین ''[2]

واضح رہے لوگوں کے ساتھ اختلاط جس انداز میں میں نے ذکر کیا ہے یہ وہ پسندیدہ طریقہ ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، تمام انبیاء علیہم السلام، اسی طرح خلفاء راشدین اور ان کے بعد تمام صحابہ وتابعین اور ان کے بعد آنے والے مسلمانوں کے علماء اور مشائخ کاربند رہے۔ اکثر تابعین اور ان کے بعد کے علماء کا یہی مذہب ہے اور یہی رائے امام شافعی، امام احمد، اکثر فقہاء رضی اللہ عنہم اجمعین کی ہے۔

یقیناً یہی وجہ تھی کہ برصغیر کے نامور صوفی خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے اپنے اجل خلیفہ چراغ دہلویؒ کی عزلت نشینی کی درخواست منظور نہ فرمائی۔ اس اجمال کی تفصیل سید ابوالحسن علی ندوی کے الفاظ میں یوں ہے کہ:

مولانا خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جو بعد میں حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اعظم اور اصلی جانشین ہوئے اور چراغ دہلوی کے نام سے ان کا نام تمام دنیا میں روشن ہے۔ اس بات کے بڑے خواہشمند تھے کہ وہ کہیں کسی جنگل یا پہاڑ پر بیٹھ کر خدا کی یاد کریں۔ انہوں نے ایک دن امیر خسرو کو واسطہ بنایا اور کہلوایا کہ یہ ناچیز اودھ میں رہتا ہے۔ خلق کے ہجوم سے اپنی مشغولیت میں فرق پڑتا ہے۔ اگر اجازت ہو تو میں کسی صحرا یا پہاڑ

---

[1] محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی، ریاض الصالحین، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۱ء، ص ۲۶۵۔

[2] محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی، ریاض الصالحین، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۱ء، ص ۲۶۶۔

پر رہ کر فراغ خاطر کے ساتھ خدا کی عبادت کروں۔ امیر خسرو نے جب یہ پیغام عرض کیا تو ارشاد ہوا:

ترجمہ ''ان سے کہہ دو کہ تمہیں مخلوق ہی کے درمیان رہنا ہوگا اور مخلوق کی بے مروتی اور بے رخی کو برداشت کرنا ہوگا اور اس کا بدلہ سخاوت و ایثار سے دینا ہوگا''۔[1]

زیر بحث موضوع کے حوالے سے سید سلیمان ندوی کی یہ صراحت بھی بے فائدہ نہ ہوگی کہ:

''اخلاق درحقیقت انسانوں کے باہمی تعلقات میں خوش نیتی اور اچھائی برتنے کا نام ہے یا یوں کہئے کہ ایک دوسرے پر جو انسانی فرائض عائد ہوتے ہیں ان کو ادا کرنے کو کہتے ہیں۔ اخلاق کی اس حقیقت ہی سے یہ واضح ہے کہ اخلاق کے وجود کے لئے باہم انسانوں میں تعلقات اور وابستگی کا وجود ضروری ہے جو رھبانیت، تجرد اور جوگی پن میں نہیں پائی جاتی ہے۔ اسی لئے اسلام نے اپنے اصول اخلاق میں راھبانہ، جوگیانہ اور مجردانہ زندگی کی ہمت افزائی نہیں کی ہے۔ نبوت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پوری ۲۳ برس کی زندگی اسی مجمع انسانی میں رہ کر اور تمام تر انسانی جدوجہد میں شریک ہو کر گزاری ہے۔ یہی طرز عمل خلفاء راشدین اور چند کے سوا تمام اکابر صحابہ کا تھا اور پورا قرآن پاک اسی انسانی جدوجہد اور انسانی مجمع کے ساتھ عمل صالح کی تعلیم سے بھرا ہوا ہے۔ تجرد، علیحدگی، خلوت نشینی، ترک عمل اور ترک جماعت کیلئے ایک اشارہ بھی پورے قرآن میں موجود نہیں ہے۔[2]

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کو بھی معاشرتی معاملات میں بعض اوقات بڑے تلخ واقعات اور تجربات اور ذہنی کوفت سے دوچار ہونا پڑا۔ مگر انہوں نے ہمیشہ برداشت اور صبر سے کام لیا۔ ایک مثال ملاحظہ ہو۔

مؤرخہ ۲۹ رمئی ۱۹۵۶ء کی یادداشت میں لکھتے ہیں:

''ہمارے مربعہ نمبر ۸۷ (چک روڈہ) کے شرقی کیلہ جات میں اس دفعہ لونہ معرکہ نے گندم کے ''پڑ'' (ڈھیر) بنائے۔ ہم نے بڑی تاکید سے کہا توڑی بھوسہ کو آپ اٹھالیں، زمین نہ روکیں۔ غلام ولد راجہ نے منت سماجت کر کے ایک طرف کر کے ''دھڑ'' (بھوسے کی ڈھیری) بنالی۔ اس کے لحاظ کی بنا پر ہم نے رخصت دے دی۔ دوسرے فریق سکندر ولد فتہ ولد ممنہ نے پہلے بھوسہ اٹھانے کے لئے تیاری کی بعد میں میلے (سفارشیں) شروع کر دیئے۔ حافظ عطا محمد کو لائے۔ آخر طے ہوا کہ یکم ساون کو شیر ولد رحمت تو ضرور اٹھالے گا اور سکندر بھی اسی طرح وعدہ کرتا ہے۔''

وعدہ کے مطابق ان لوگوں نے بھوسہ نہیں اٹھایا تو مولانا نے اسی جگہ لکھا ہے: ''ان لوگوں نے یکم ساون کو وعدہ خلافی کی ہے۔ کچھ تھوڑا سا بھوسہ نکالا ہے۔ باقی تمام وہیں ہے اور ہماری زمین مصروف ہے۔ ابن الوقتی اسی

---

[1] تاریخ دعوت وعزیمت، طبع لکھنؤ ۱۹۶۳ء، ۳/۱۴۸-۱۴۹۔
[2] سیرۃ النبی، الفیصل، لاہور، ۱۹۹۱ء، ۶/۴۵۔

کا نام ہے۔ آئندہ ایسے وعدوں پر اعتبار نہ کیا جائے۔ آئندہ یاد رہے یہ لوگ ''پڑ'' گندم وغیرہ بنانے سے معافی دیں اور یہ بڑے ابن الوقت لوگ ہوتے ہیں۔ اپنا فائدہ طلب کرتے ہیں دوسرے کے نقصان کی پروانہیں کرتے۔ من جرّب المجرّب حلت بہ الندامۃ۔''

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے شریعت کی مذکورہ تعلیم، اسوۂ رسول، خلفاء راشدین اور اکثر صحابہ کا طرز عمل اور بزرگان دین کا طریق کار تھا کہ گوناگوں ذمہ داریوں اور خلوت کی متقاضی مصروفیات اور فرائض کے باوجود وہ اپنے دوست احباب، متعلقین اور متوسلین کی عیادت کرتے، فوتگی پر تعزیت کرتے اور دو افراد یا خاندانوں میں لڑائی کے موقع پر صلح کراتے اور تنازعات میں فیصل اور ثالث کا کردار ادا کرتے نظر آتے ہیں۔ لوگ بھی ان پر اعتماد کرتے ہیں۔ دینی مسائل کے علاوہ ذاتی جھگڑوں، مسائل ومشکلات کے حل کے لئے بھی دور دور سے ان کے پاس پہنچتے ہیں۔ ان کے پاس امانتیں رکھواتے ہیں اور وہ لوگوں کے اس بھرپور اعتماد اور حسن ظن پر پورا اترتے ہیں۔

اب ان ساری چیزوں کا احاطہ نہ تو یہاں مقصود ہے اور نہ اتنی گنجائش ہے تاہم مذکورہ دعویٰ کے اثبات کے لئے کچھ چیزوں کا ذکر ضروری ہے۔ ریکارڈ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بڑے بھائی جان مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ جو جامعہ محمدی کے ناظم عمومی ہونے کے علاوہ قومی اسمبلی کے ممبر بھی تھے، کے پاس جو علاقہ کے تصفیہ طلب تنازعات آتے تھے وہ بھی بعض اوقات انہیں اپنے چھوٹے بھائی کی طرف بھیج دیتے تھے۔ بہرکیف مذکورہ اجمال کی تفصیل کے لئے ذیل میں چند چیزیں ملاحظہ ہوں۔

باہمی صلح میں کردار:

انسانی معاشرے میں لوگوں کے درمیان اختلاف، تنازع اور لڑائی جھگڑے کا ہو جانا ایک قدرتی اور فطری امر ہے۔ ایسی صورت میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ جلتی پر تیل ڈالنے کی بجائے ان کے درمیان صلح صفائی کرایا کرو۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ○ سورۃ الحجرات ۴۹، ۱۰)

بے شک تمام مومن (نسبی بھائیوں کی طرح) آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ پس تم اپنے دو بھائیوں کے درمیان (لڑائی کی صورت میں) صلح کرا دیا کرو اور (اس معاملے میں) اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

قرآن کے بعد احادیث میں مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے اور باہمی بگڑے تعلقات ٹھیک کرانے کی بڑی فضیلت اور درجہ بیان ہوا ہے۔ چنانچہ علامہ نووی نے ریاض الصالحین میں ''باب الاصلاح بین الناس''

کا مستقل باب قائم کیا ہے۔ اسی طرح نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی اسوۂ حسنہ بھی یہی ہے۔ جس کی تفصیل کا یہ مقام متحمل نہیں ہو سکتا۔

شریعت کی انہی تعلیمات کے پیشِ نظر مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ لوگوں کے درمیان لڑائی جھگڑوں اور رنجشوں میں صلح صفائی کرانے میں اہم اور مؤثر کردار ادا کرتے رہے۔ ایک دو مثالیں ملاحظہ ہوں۔

۱- ۱۸ رمئی ۱۹۵۲ء کی ڈائری میں کسی قریبی چک میں (نام نہیں درج) جا کر ایک برادری کے درمیان صلح کرانے کی روئیداد کچھ یوں لکھی ہے:

تمام دن مشری کے معرکہ کی صلح و صفائی میں گزرا۔ میاں غلام علی نمبردار، محمد علی ہیر مولانا محمد ذاکر کی طرف سے ہم سب اس کام کے لئے گئے ہوئے تھے۔ بصد مشکل چند شرائط کے ساتھ صلح ہوئی۔ ایک دوسرے کے خلاف مقدمات، درخواستیں عدالت و تھانہ سے واپس لیں گے۔ تھانہ کی روک تھام کا ذمہ ہم نے بھی لیا۔ ساق[1] ایک دوسرے کے رخصت کریں گے۔ اللہ یار و کریم کے ذمہ کئے گئے۔

۲- مؤرخہ ۴ ردسمبر کی یادداشت میں بھی اسی طرح کی صلح کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

آج ۴ ردسمبر ۱۹۵۴ء کو معرکہ جپہ مہر بہاول کے اور سرور کے مابین دیرینہ عداوتوں کی صلح و مصالحت موجودہ چودھری تھانیدار کی کوشش سے ہوئی۔ رجوعہ کے سرداران غلام محمد شاہ، سلطان شاہ، جعفر شاہ و رئیسان ٹھٹھہ محمد شاہ و علاقہ کے زمینداران کافی لوگ شرکتِ صلح کے لئے مدعو تھے۔ اپنی اپنی پارٹی نے بلوائے تھے۔ آخر کار شیر کے والد راجہ بہادر کے بیٹے امیر نے اپنی اپنی طرف سے تنازع ختم کر کے صلح کا اعلان تمام مجمع کے سامنے کر دیا۔ الحمد للہ۔ خدا کرے یہ صلح دیرپا ہو۔ شام کو ہم لوگ واپس ہوئے۔

۳- ایک اور صلح میں مولانا کا کردار ملاحظہ ہو۔ مؤرخہ ۲۲ راکتوبر ۱۹۵۵ء کی ڈائری میں لکھتے ہیں:

بندہ آج صبح واپس (روڈہ سے) ہو کر عدلانہ میاں دولت و مہر علاول و محمد سعید کے ہاں ٹھہرا۔ ان کا آپس کا جو تنازع تھا زوجہ سعید کے متعلق اس کی صلح کروائی۔ محمد سعید نے اتحاد و اتفاق کا وعدہ کیا۔ ظہر کو واپس آنا ہوا۔ میں محمد یار بھٹہ والا ساتھ تھا۔

تنازعات کا فیصلہ:

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی سماجی خدمات میں مقدمات اور تنازعات کا فیصلہ کرنا بھی داخل ہے۔ لوگوں کو ان کی عدل و انصاف پسند طبیعت اور انصاف کے معاملے میں کسی بھی قسم کی رُو رعایت، طرف داری یا جانبداری نہ

---

[1] ساق سے مراد وہ شادی شدہ خواتین اور بچیاں ہیں جو سسرال اور خاوند سے ناراض ہو کر اپنے میکے اور ماں باپ کے گھر رہی تھیں۔

ہونے کا یقین ہوتا تھا۔ اس لئے وہ ان کے باہمی تنازعات اور جھگڑوں کے فیصلے بھی فرمایا کرتے تھے۔ مثلاً

۱- ایک دفعہ کوئی دس بارہ میل دور سے ایک سائیکل چوری کا تنازع اور اس کی قسم اٹھانے کا معاملہ آیا تو مؤرخہ ۱۲ رنومبر ۱۹۵۴ء کی ڈائری میں اس کی یادداشت یوں قلمبند کی ہے:

''گٹی کموکہ کولی معرکہ کے سائیکل کی چوری کی قسم کا قضیہ تھا۔ خادم ولد نواب ماچھی اور محمد یار ولد فتح محمد میانہ نے قسم اٹھانی ہے۔ آخری فریق کچھ مزید مہلت مانگ رہی ہے۔ سوموار ۲۲ رنومبر کا یوم پھر مقرر ہوا ہے۔''

اس قسم کے تنازع کے تصفیوں کے لئے بڑے وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہمیں فرصت نہیں ہوتی۔ اس لئے آئندہ اس قسم کے قضیوں سے پرہیز لازم ہے۔

۲- ۱۰ رجون ۱۹۵۶ء کی تاریخ میں ''تنازع ملکاں بخاریاں'' کے عنوان سے لکھا ہے:

''یہ ہر دو فریق آئے تھے مگر ایک نکاح کی تحقیق باقی تھی اس لئے ۱۵ رجون جمعہ کو موضع بخاریاں میں جا کر فیصلہ کرنے کی تجویز کر کے ان کو رخصت کیا گیا۔ اب وہاں جمعہ کو باذنہ تعالیٰ جانا ہوگا۔''

مگر ڈائری سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۵ رجون کو اس معاملے میں کوئی کاروائی نہیں ہوئی۔ پھر ۷ ۲ رجولائی ۱۹۵۶ء کی تاریخ میں اس حوالے سے درج ہے:

''کئی مہینوں سے ملکاں بخاریاں کا تنازع مہتمم صاحب کے ہاں چلا آ رہا تھا۔ آج آخرکار یہ لوگ مصالحت پر آمادہ نہ ہوئے۔ لہٰذا اشٹامات ہر ایک کو واپس کر دیئے گئے۔''

۳- <u>سرگودھا سے ایک مکان کے تنازع کا فیصلہ:</u>

مذہبی اور دینی حوالے سے محمدی شریف کی شہرت علاقے میں دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس شہرت کے حوالے سے فاروق آباد یونین کونسل نمبر ۷ ۱۲ تحصیل شاہ پور ضلع سرگودھا سے ایک مکان کے تنازع کا مقدمہ محمدی شریف بھیجا گیا اور شرع محمدی کے مطابق اس معاملے میں فیصلہ کرنے کی استدعا کی گئی اور مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے اس تنازع کا فیصلہ لکھ کر متعلقہ آدمی کو بھیجا۔ اس اجمال کی قدرے تفصیل کچھ یوں ہے کہ یونین کونسل نمبر ۷ ۱۲ فروکہ، تحصیل شاہ پور، ضلع سرگودھا کے چیئرمین میاں شیر محمد کلیار نے مئی ۱۹۶۹ء میں ایک مراسلہ یا درخواست سجادہ نشین، محمدی شریف، تحصیل چنیوٹ ضلع جھنگ کے نام بھیجی جو اس وقت راقم کے سامنے ہے۔ اس میں چیئرمین صاحب مذکور نے لکھا ہے:

''گزارش یہ ہے کہ مسمی شیخ محمد عبداللہ اور چودھری محمد یوسف کا ایک مکان واقع موضع چک جیسک پر جھگڑا ہے۔ کچھ حصہ پر شیخ محمد عبداللہ قابض ہے اور کچھ پر چودھری محمد یوسف۔ آپ ان دونوں سے

زبانی بیان اور کاغذی ثبوت لے کر شرع محمدی کے مطابق فیصلہ کریں اور جو فریق بروز جمعہ بتاریخ ۱۹۶۹-۵-۲ کو حاضر خدمت نہ ہووے اسے جھوٹا قرار دیا جائے۔ (چیئرمین مذکور کی مہر اور دستخط)

سجادہ نشین مولانا محمد ذاکر نے یہ درخواست اور مقدمہ کا فیصلہ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے ذمہ لگا دیا۔ مولانا نے ایک مکتوب کے ذریعے چیئرمین مذکور سے کچھ چیزوں کی وضاحت طلب کی۔ اس کے جواب میں چیئرمین فل سائز کے تین صفحات پر مشتمل مکتوب میں (جو راقم کے سامنے ہے) ان سے وضاحت طلب حقائق کے تفصیل بتاتے ہوئے لکھا:

''ذوالمجد والفضل جناب مولانا محمد ذاکر صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج اقدس وہمایوں۔ جناب کا عنایت نامہ کاشف حال ہوا۔ آپ نے جن حقائق ونقاط کی وضاحت طلب فرمائی ہے، سپرد قلم ہیں۔''

اس کے بعد تین صفحات میں دس نمبر شمار کے اندر وضاحت طلب حقائق و نقاط کی تفصیل لکھی جس کا اندراج خواجہ مخواہ اور بلا ضرورت طوالت کا باعث ہوگا۔ اس تنازع اور مقدمہ کا جو فیصلہ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے لکھ کر بھیجا ذیل میں وہ ملاحظہ ہو:

۱۳۹۹-۴-۷/۱۹۶۹-۶-۲۳

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ مزاج شریف! آپ کی طرف سے دوبارہ فریقین موضع جیسک (شیخ عبداللہ نومسلم اور چوہدری محمد یوسف مہاجر) کے کاغذات مشتمل بر بیانات وثبوت ہائے دیگر موصول ہوئے اور اسی تاریخ (۱۳رجون) کو فریقین مذکور پیش ہوئے۔ انہوں نے پھر زبانی وتحریری بیانات پیش کئے۔ ان ہر دو فریقین کے بیانات لے کر رکھ لئے گئے اور وعدہ کر دیا گیا ہماری طرف سے کہ جو فیصلہ ہوگا وہ تحریر کر کے میاں شیر محمد کلیار کی خدمت میں روانہ کر دیا جائے گا۔ وہ آپ لوگوں کو بلا کر سنا دے گا۔ ہر دو فریقین اس وقت واپس چلے جائیں۔ چنانچہ حسب وعدہ اس تنازع کا فیصلہ ارسال خدمت ہے۔ یہ ان کو بلا کر سنا دیں۔

موضع جیسک (علاقہ فروکہ، ضلع سرگودھا) کا تنازع (متعلق قطعہ زمین سکونتی مکان) مابین فریقین (شیخ عبداللہ نومسلم وچوہدری محمد یوسف مہاجر) ہے۔ اس کے متعلق بیانات زبانی اور تحریری ہر دو فریق سے حاصل کئے گئے ہیں۔ فریقین کے بیانات کے بعد ہم اپنی دانست کے موافق یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ مکان متنازعہ فیہ پر شیخ عبداللہ چوہدری یوسف مہاجر کے نام الاٹ ہونے سے قبل قابض تھا۔ جتنا رقبہ

سکونتی تحصیلدار صاحب (محمود الزمان خان) شاہ پور والے مؤرخہ ۱۹۵۹-۵-۱۵ کو شیخ عبداللہ نومسلم کو سابقہ قبضہ جائز قرار دیتے ہوئے دے دیا تھا یعنی نمبر ۲ ج، نمبر ۲ د، نمبر ۳/الف، نمبر ۵ ب۔ وہی رقبہ اتنا مقدار شیخ عبداللہ نومسلم کو سابقہ استحقاق کی بنا پر دیا جائے اور اس سے زائد رقبہ پر جو عبداللہ مذکور متصرف وقابض ہونا چاہتا ہے (جیسا کہ فریق ثانی کا بیان ہے) اس سے قبضہ ہٹالے اور زائد رقبہ کو شیخ عبداللہ خالی کردے۔ باقی مکان بدستور موافق الاٹ سرکاری چوہدری یوسف مہاجر کے قبضہ میں رہے۔ اس طریقہ سے جانبین کی رعایت بھی ملحوظ ہوسکتی ہے۔ (نقل فیصلہ مقدمہ ہذا)

ناچیز محمد نافع، جامعہ محمدی

(۱۳۸۹-۴-۱۳ کو روانہ کی گئی ہے۔ ۱۹۷۹-۶-۲۹) بنام میاں شیر محمد صاحب کلیار رئیس کوٹ گل، فروکہ ضلع سرگودھا، ارسال کی گئی ہے۔

۴- ثالثی اور ضمانتی کا کردار:

معاشرتی لین دین میں اختلاف، تنازع اور لڑائی جھگڑا کی صورت میں لوگ پرائیویٹ طور پر ہر کہ مہ کو ثالث اور ضامن ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ اس کے لئے انتہائی دیانتدار، غیر جانبدار اور پختہ کردار کا حامل ہونا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے اندر یہ صفات اور خوبیاں چونکہ بدرجۂ اتم پائی جاتی تھیں اس لئے لوگ اپنے مقدمات اور جھگڑوں میں انہیں ثالث اور ضامن بھی بناتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ قریبی موضع ''بلھڑ کے'' کی اشتمال اراضی کے دوران ایک گرداور نے چند زمینداروں سے رشوت لے لی۔ متاثرین نے اس کے خلاف سی او جھنگ کی عدالت میں کیس کیا تو عدالت کی کاروائی سے قبل فریقین مولانا کو ثالث اور ضامن تسلیم کرتے ہوئے ان کے پاس حاضر ہوئے مگر بات چیت کے دوران یہ بیل مونڈھے نہ چڑھی اور مقدمہ عدالت میں چلا گیا۔ اس اجمال کی تفصیل ذیل میں مولانا کے اپنے ایک عدالتی بیان میں ملاحظہ ہو:

بیان بعدالت جناب ایس ڈی ایم صاحب، چنیوٹ

منجانب محمد نافع ولد میاں عبدالغفور قوم کھوکھر ساکن محمدی شریف

بعنوان مقدمہ استغاثہ انکوائری رشوت ستانی

مولابخش وغیرہ بنام راجہ نصر اللہ خان گرداور

مؤرخہ ۱۹۶۹-۱۰-۱۲ کو شیخ محمد اکرام ریٹائرڈ منیجر آسٹریلشیا بینک جھنگ راجہ محمد شریف والد نصر اللہ خان گرداور اور نصر اللہ خان گرداور میرے پاس آئے۔ مولابخش ولد احمد شہادت ولد احمد ریاض حسین

ولد میاں لال شاہ بھی ساتھ تھے۔

راجہ نصر اللہ خان گرداور نے میرے سامنے بیان کیا کہ میں نے مندرجہ ذیل زمینداران موضع بلہڑ کے سے دوران اشتمال موضع بلہڑ کے رشوت لی ہوئی ہے۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱-	مولا بخش، نور محمد، اللہ بخش پسران احمد		۱۰۰۰-۰۰
	نور محمد، اللہ یار پسران ماہنی		
	محمد عبداللہ، پیرا پسران شہامند		
	اقوام بلہڑ کے ساکنان موضع بلہڑ کے		
۲-	شہادت، جہانگیر، شمیر پسران احمد	نقد	۸۰۰-۰۰ گائے بہاری یک
	اقوام بلہڑ کے ساکنان موضع بلہڑ کے	گھی ایک من ۱۰ سیر قیمتی	۳۰۰-۰۰ درخت شیشم یک
۳-	ریاض حسین ولد میاں لال شاہ قریشی		۱۰۰۰-۰۰
	ساکن موضع بلہڑ کے		
۴-	وریام ولد سلطان بلہڑ کا		۱۰۰-۰۰
۵-	غلام ولد صاحب سجن کا		۱۰۰-۰۰
		میزان	۳۳۰۰-۰۰

مزید برآں بیان کیا کہ ان زمینداران نے میرے خلاف سی او جھنگ کی عدالت میں رشوت کا کیس کیا ہوا ہے اور میں نے مورخہ ۱۹۶۹-۱۰-۲ کو سی او صاحب سے تصفیہ کے لئے مہلت لی ہے کہ ۱۹۶۹-۱۰-۱۳ تک ان زمینداران کو رشوت واپس کر کے صلح پر راضی کرلوں گا۔ اب ہم آپ کے ہاں حاضر ہوئے ہیں۔ آپ ہماری صلح کرائیں اور یہ رقم مبلغ ۳۳۰۰ روپے نقد میں آپ کے پاس بطور ضمانت رکھتا ہوں۔ اگر ۱۹۶۹-۱۰-۱۳ کو مدعیان نے صلح کے بیان دے دیئے تو آپ رقم مذکورہ ان کو واپس کردیں۔ لکڑی شیشم اور گائے بعینہ میں خود واپس کردوں گا۔ آپ ذمہ داری لے لیں۔

بعد ازاں چند اور شرائط پر تصفیہ نہ ہوسکا اور نصر اللہ خان گرداور نے رقم بطور ضمانت رکھنے سے انکار کردیا۔ مؤرخہ ۱۹۷۰-۸-۲۸

العبد

محمد نافع ولد میاں عبدالغفور ساکن موضع کڑک محمدی شریف

صدر مدرس جامعہ محمدی شریف، ضلع جھنگ

۵- <u>سول جج چنیوٹ کا مولانا کو ریفری مقرر کرنا:</u>

مولانا کے مسلمہ بے داغ کردار اور پرہیز گاری و تقویٰ کو دیکھتے ہوئے لوگ صرف پرائیویٹ طور پر ہی انہیں اپنے تنازعات میں ثالث نہیں بناتے تھے، سرکاری عدالتیں بھی اس معاملے میں ان پر اعتماد کرتی تھیں۔ چنانچہ ایک دفعہ سول جج چنیوٹ نے مولانا پر اعتماد کرتے ہوئے ان کی پیشگی منظوری کے بغیر انہیں ایک مقدمہ میں ریفری مقرر کر دیا اور اس سلسلے میں باقاعدہ ایک مراسلہ ان کے نام بھیجا مگر مولانا نے کسی بھی قسم کی ناانصافی سے بچنے کے لئے احتیاطاً معذرت کر لی۔ ذیل میں سول جج کا مراسلہ اور مولانا کی معذرت ملاحظہ ہو:

(۱۹۷۱-۳-۱۴) نقل کاغذات مرسلہ از دفتر سول جج چنیوٹ

بعدالت جناب سول جج، مقدمہ نمبر ۵۰۲ سال ۱۹۷۰ء

نور شاہ بنام سید جلال شاہ وغیرہ

دعویٰ استقرار حق

بنام مولوی محمد نافع صاحب، خطیب جامع محمدی شریف تحصیل چنیوٹ (ریفری)

ہرگاہ کہ آپ کو مقدمہ عنوان بالا بموجب بیانات فریقین ریفری مقرر کیا گیا ہے کہ آپ مندرجہ ذیل سوالات کا جواب بذریعہ رجسٹری ڈاک عدالت ہذا میں قبل از ۱۹۷۱-۳-۱۱ ارسال فرما کر مشکور فرمادیں۔ فیس مبلغ -/۱۰۰ مقرر کی گئی ہے۔

کیا مدعی نے اپنی خوشی اور رضامندی سے انتقال متنازعہ نمبر ۳۳۶ متفصلہ مورخہ ۱۹۶۶-۳-۱۶ موضع جھانب تحصیل چنیوٹ درج کرایا تھا یا کہ نہیں۔

کیا مدعی انتقال متنازعہ مذکورہ کی تصدیق کے وقت ریونیو آفیسر کے سامنے پیش ہوا تھا یا کہ نہیں۔ کیا مدعی نے اپنی خوشی اور رضامندی سے یہ بیان دیا تھا کہ انتقال مذکور کو تصدیق کیا جائے یا کہ نہیں۔

بتاریخ ۱۹۷۱-۳-۱ ثبت مہر عدالت ہمارے دستخط سے جاری کیا گیا۔

دستخط

سول جج چنیوٹ

مقدمہ نمبر ۵۰۱ سال ۱۹۷۰ء

انتقال نمبر ۵۸۲ مورخہ ۱۹۶۶-۶-۲۲ چک نمبر ۱۴۴ ج ب

بجواب سوالات ہذا عدالت عالیہ کی خدمت میں عرض کیا جاتا ہے کہ ان سوالات کا جواب جو اس مقدمہ کے متعلق شخص ہو یا اس مقدمہ میں دخیل رہا ہو وہی آدمی صحیح جواب پیش کر سکتا ہے۔ بندہ وہاں کا باشندہ نہیں ہے جس مقام کا واقعہ ہے فلہٰذا بندہ اس جواب سے معذور ہے۔

دستخط محمد نافع (۱۴-۳-۱۹۷۱)

بطور امین کردار:

گزشتہ سطور میں عرض کیا گیا ہے کہ معاشرہ اپنی قیمتی امانتیں ہمیشہ اسی کے پاس رکھواتا ہے جس کی امانت و دیانت مسلم ہو اور وہ بارہا اس کا تجربہ کر چکا ہو۔ جہاں کسی بھی قیمت پر انہیں بد دیانتی کا خدشہ نہ ہو۔ اہل مکہ کا عقیدہ و مذہب کے اختلاف کے باوجود نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی اپنی امانتیں رکھنا اسی ذہنیت اور نقطہ نظر سے تھا۔ مولانا کے پاس بھی لوگ اسی سوچ سے امانتیں رکھواتے تھے۔ چنانچہ ایک واقعہ میں ایک فریق نے دوسرے فریق کے سامنے کچھ رقم بطور امانت یا ضمانت مولانا کے پاس رکھی مگر دوسرے فریق نے اس معاملے میں دھوکا کیا اور مولانا کے اعتماد کو بھی ٹھیس پہنچائی۔ تو رقم کی واپسی کے لئے مولانا نے SHO تھانہ بھوانہ کو ایک درخواست دی جس میں دھوکہ دہی سے ہتھیائی گئی رقم کی وصولی کی استدعا کی گئی ہے۔

جبکہ ایک تنازع میں ثالثوں نے مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دو ہزار روپے بطور امانت و ضمانت رکھوائے اور پھر راضی نامہ کی ایک تحریر لکھ دی۔ درج بالا دونوں تحریریں ذیل میں ملاحظہ ہوں۔

ضمانتی رقم کی تحریر جس میں ایک فریق نے دھوکہ کیا

بخدمت جناب ایس ایچ او صاحب، تھانہ بھوانہ دام اقبالہٗ

جناب عالی!

گزارش ہے کہ مسمیان شدمان ولد احمد، نور احمد ولد سلطان اور محمد ولد داد اقوم نہرہ کے مابین ایک تنازع ہے جس کی حقیقت سے بندہ پوری طرح باخبر ہے کیونکہ مجھے بھی اس سے واسطہ پڑا ہے۔ اس میں مسمی شدمان ولد احمد قوم نہرہ سکنہ چک نمبر ۱۴۴ مظلوم ہے، جس کی حق رسی کے لئے جناب کی ہمدردانہ توجہ درکار ہے۔

واقعات یوں ہیں کہ مسمی نور احمد ولد سلطان قوم نہرہ سکنہ چک نمبر ۱۴۴ تحصیل چنیوٹ نے شدمان ولد احمد نہرہ کو ایک ایکڑ اراضی فروخت کرنے کی پیشکش کی۔ چنانچہ نور احمد مذکور کی کچھ زمین محمد ولد داد نہرہ سکنہ ہرسہ نہرہ تحصیل چنیوٹ تھانہ بھوانہ کے پاس بارہ صد سڑسٹھ (-/۱۲۶۷) روپے کے عوض رہن تھی اور اسی اراضی سے نور احمد شدمان کو دینا چاہتا تھا۔ اس لئے شدمان مذکور نے یہی رقم (-/۱۲۶۷) روپے میرے پاس آکر رکھ دی کہ اگر

نور احمد نے زمین اس کے نام رجسٹری کرادی تو رقم محمد ولد داد نہرہ کو ادا کر دی جائے گی اور محمد نہرہ مذکور زمین سے دستبردار ہو جائے گا۔

چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد بندہ نے اپنے اعتماد اور ذمہ داری پر رقم (-/۱۲۶۷) روپے محمد ولد داد کے حوالہ کر دی۔ جب نور احمد کو پتہ چلا کہ محمد نہرہ کو رقم ادا ہو چکی ہے تو اس کی نیت بدل گئی اور وہ زمین دینے سے انکاری ہو گیا تو محمد مذکورہ کو بلا کر رقم کی واپسی کے لئے کہا گیا مگر اس نے بھی ٹال مٹول کر دی اور بہانہ پیش کیا کہ رقم نور احمد سے طلب کی جائے۔

جناب والا!

یہ رقم مبلغات بارہ صد سڑسٹھ (-/۱۲۶۷) روپے شدمان نہرہ نے میرے پاس رکھے تھے اور محمد ولد داد نہرہ کو اس شرط پر دیئے گئے تھے کہ وہ نور احمد سے زمین رجسٹری کرا دے گا مگر اب وہ زمین تو کجا رقم دینے سے بھی انکاری ہے۔ لہٰذا التماس ہے کہ مذکورہ رقم محمد ولد داد نہرہ سکنہ ہرسہ نہرہ سے واپس دلوائی جائے جو کہ اس نے ناجائز طور پر غصب کر رکھی ہے تاکہ اصل حقدار شدمان کو دی جا سکے۔

امید واثق ہے خاص توجہ فرما کر ممنون فرمایا جائے گا۔ عین نوازش ہوگی۔

فقط مورخہ ۱۳۸۸-۳-۷/۱۹۶۸-۶-۴

عرضے

محمد نافع جامعہ محمدی (امانت دار، امانتی رقم مندرجہ بالا)   ظہور احمد بقلم خود (امانت دار رقم ہذا)

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے پاس امانتی رقم رکھنے کی تحریر مابین ہر دو فریقین:

نقل بمطابق اصل ہے

منکہ مسمی حسن ولد محمد ذات کمہار، مسماۃ بائی زوجہ حسن مذکور ساکن محمدی شریف تحصیل چنیوٹ ضلع جھنگ ہر دو باہوش سلامتی عقل تحریر کر دیتے ہیں کہ جو تنازع ہمارا مابین نور محمد و نیاز احمد پسران صالح محمد کھوکھر میانہ ساکن محمدی شریف در بارہ رحمان سوتیلا پسر حسن کمہار، بائی مذکورہ چند دنوں سے زیر تفتیش رہا ہے۔ ثالثان مہر نجابت ولد مہر بہاول جپہ سکنہ تاجہ بیر والا، چوہدری غلام حسین ولد چوہدری مریج سجنکا سکنہ موضع سجنکا نے بعد از تفتیش فیصلہ کیا ہے کہ ایک ہزار روپے نقد حسن، بائی کو دیا جائے اور دو ہزار روپیہ ۱۹۶۶-۷-۱ تک مولانا مولوی محمد نافع صاحب سکنہ محمدی شریف کے پاس بطور امانت رہے گا۔ اگر تاریخ مقررہ تک رحمان مذکور مل گیا تو یہ رقم امانتی فریق ثانی نور محمد، نیاز احمد وصول کرے گا اور اگر رحمان نہ مل سکا تو تاریخ مذکورہ پر اس امانتی رقم کے حق دار حسن، بائی ہوں گے۔

اس بات پر ہر دو فریقین کا صلح نامہ ہو گیا ہے۔ اب ہم راضی نامہ لکھ دیتے ہیں ہمارا کوئی تنازع فریق ثانی سے نہیں رہا اور نقد ایک ہزار روپیہ وصول کر کے راضی نامہ لکھ دیتے ہیں اور حق پہنچ گئے ہیں۔ ۲۵ پیسہ کی ٹکٹ بوقت ضرورت چسپاں کی جائے گی۔ ۱۹۶۵-۷-۲ تحریر کنندہ

گواہ شد (انگوٹھا)	العبد (نشان انگوٹھا)	العبد (نشان انگوٹھا)	گواہ شد (دستخط)
محمد یار ولد میاں صادق کھوکھر	حسن ولد محمد ذات کمہار	مسماۃ بائی زوجہ حسن کمہار	حکیم ظہور احمد بقلم خود
میانہ نمبردار محمدی شریف	سکنہ محمدی شریف	سکنہ محمدی شریف	سکنہ محمدی شریف

محرم میں امن وامان کے لئے سعی:

وطن عزیز میں عاشوراء محرم کے موقع پر بارہا شیعہ سنی فسادات ہو چکے ہیں۔ بعض شر پسند عناصر اور تخریب کار اس موقع پر امن وامان تباہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ ۱۹۸۱ء میں ضلع جھنگ کے اندر عشرہ محرم الحرام کے دوران سرکاری انتظامیہ اور پولیس نے تشیع کی طرفداری کرتے ہوئے کئی مقامات پر سواد اعظم اہل سنت وجماعت کے پرامن شہریوں پر تشدد کیا، مساجد کے تقدس کو پامال کیا اور قانون کی خلاف ورزی کی تو سرکاری انتظامیہ کے اس جانبدارانہ طرز عمل کے خلاف جھنگ کے سرکردہ علماء کرام کے ایک وفد نے کمشنر سرگودھا سے ملاقات کی۔ اس وفد کی قیادت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے کی اور ایک درخواست بھی ''بابت ازالہ شکایات انتظامیہ ضلع جھنگ'' کمشنر صاحب کو پیش کی۔

اس پر عملدر آمد تو کیا ہونا تھا مگر اس درخواست سے معاشرتی امن وامان کے لئے مولانا کی فکرمندی اور سعی پر روشنی ضرور پڑتی ہے۔ وہ درخواست ذیل میں ملاحظہ ہو:

درخواست بنام کمشنر برائے ازالہ شکایات (انتظامیہ وشیعہ)

ضلع جھنگ کے مختلف علماء کرام نے کمشنر سرگودھا کو درخواست گزاری ہے کہ شیعہ امن وامان کی صورتحال کو تباہ کرتے ہیں۔ حضرت نے اس وفد کی قیادت فرمائی تھی۔ اس وقت ضلع جھنگ سرگودھا کمشنری میں تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخدمت جناب کمشنر صاحب، سرگودھا ڈویژن، سرگودھا

عرضداشت بابت ازالہ شکایات انتظامیہ ضلع جھنگ دوران عاشورہ محرم الحرام ۱۹۸۱ء

جناب عالی!

گزارش ہے کہ امسال دوران عاشورہ محرم الحرام ضلع جھنگ کے متعدد مقامات پر سنی شیعہ اختلافات نے بدامنی کی صورت اختیار کی ہے جس کا بڑا باعث انتظامیہ کی غفلت، جانبداری اور ناکامی ہے۔ مثلاً

۱- ۸-۱۱-۸۱ یوم عاشورہ شورکوٹ شہر جامعہ عثمانیہ میں بلا جواز پولیس تشدد کیا گیا۔ مسجد کے اندر پولیس جوتوں سمیت داخل ہوئی اور لوگوں کو مارا پیٹا۔ دینی مدرسہ کے تقدس کو پامال کیا گیا۔ طلباء، اساتذہ اور شریف پرامن شہریوں پر وحشیانہ تشدد کیا گیا اور شیعہ A/C کی جانبدارانہ روش نے سارا کام خراب کیا۔ تعزیے کا وقت ختم ہونے کے بعد شیعوں کا جلوس جاری رہا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالیاں دی گئیں، ناروا گرفتاریاں کی گئیں اور متعدد دفعات عائد کی گئیں اور ہراساں کیا گیا جبکہ شیعہ صاحبان کے اہم صاحبان کو چھوڑ دیا گیا اور باقی پر معمولی دفعہ عائد کی گئیں جن میں سے اکثر کی ضمانتیں لے لی گئیں۔

۲- مؤرخہ ۴-۱۱-۸۱ کو جھنگ شہر کی مسجد تقویٰ میں پولیس جوتوں سمیت داخل ہوگئی اور تشدد کیا گیا۔ گرفتاریاں کی گئیں۔

۳- بھوانہ شہر میں سنگین بدامنی کی فضا قائم ہوئی۔

۴- قصبہ سیالکوٹ تھانہ گڑھ مہاراجہ میں بدامنی کی فضا پیدا ہوئی اور گرفتاریاں کی گئیں۔

لہٰذا استدعا ہے کہ A/C شورکوٹ اور ضلعی انتظامیہ کو فوری طور پر تبدیل کر کے ہائیکورٹ کے جج سے تحقیقات کرائی جائے اور مجرموں کو سزا دی جائے۔ ۱۲-۱۱-۱۹۸۱

نقل بخدمت ڈی آئی جی صاحب سرگودھا II- نقل بخدمت ڈی ایم ایل اے سرگودھا

فدویان (۱) مولوی محمد نافع آف جامعہ محمدی شریف (شیخ الحدیث)

(۲) مولوی منظور احمد چنیوٹی، صدر مجاہدین احرار، پاکستان، چنیوٹ

(۳) مولوی حق نواز شاہ، نائب صدر سنی اتحاد شورکوٹ

(۴) محمد افضل شاکر جنرل سیکرٹری سنی اتحاد شورکوٹ

نوٹ: ان تمام کاغذات کو شامل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ حضرت فتاویٰ کے علاوہ بھی تنازعات وغیرہ کے فیصلے فرماتے تھے اور ضمانتی کے طور پر بھی ان پر سرکاری اہلکار اعتماد کرتے تھے۔ سرکاری جج وغیرہ ان کو ثالث مقرر فرماتے تھے۔

نہری پانی کی منصفانہ تقسیم کے لئے درخواست:

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے بھائیوں کے ساتھ کچھ مشترکہ رقبہ چک نمبر ۲۳۸ (روڈہ) ضلع چنیوٹ میں تھا۔ اس چک کی زمین راجباہ لنگرانہ سے سیراب ہوتی تھی مگر اس راجباہ (نہر) پر ایک دوسرے چک کے لئے زیادہ نالیاں ''موگھے'' لگ جانے کی وجہ سے مذکورہ چک کی زمینوں کے لئے مطلوبہ پانی میں کمی واقع ہوگئی تو مولانا نے چند دیگر متاثرین کے ساتھ مل کر محکمہ انہار کو اس معاملہ میں درخواست لکھی۔ اس سے بھی سماجی و معاشرتی

معاملات میں مولانا کی دلچسپی واضح ہوتی ہے۔ وہ درخواست کچھ یوں تھی:

بخدمت جناب مہتمم صاحب بہادر محکمہ انہار جھنگ

جنابعالی

گزارش ہے کہ پہلے بھی مؤرخہ ۶۷-۶-۱۹ کو ایک درخواست بذریعہ رجسٹری ارسال خدمت کی گئی ہے۔ مزید اسی سلسلہ میں التماس ہے کہ ہم باشندگان چک نمبر ۲۳۸ روڈا کی زمینیں راجباہ لنگرانہ سے سیراب ہوتی ہیں جہاں پر چک نمبر ۲۳۴ کا نیا نوالی کے لئے پانچ نالیں لگ گئی ہیں جس سے ہمارا پانی کم ہو گیا ہے اور فصلوں کا شدید نقصان ہو رہا ہے۔

براہ کرم ہمدردانہ توجہ فرما کر مناسب انتظام فرمایا جائے۔

فقط مؤرخہ ۶۶-۷-۸

عرضے

ساکنان چک نمبر ۲۳۸ آبادی روڈا تحصیل چنیوٹ ضلع جھنگ

دستخط مولانا محمد نافع

نشان انگوٹھا: ۱- فضل احمد ولد نور محمد

۲- گلزار احمد ولد محمد رجوکہ

۳- متھیلا ولد نواب کلس

۴- سید ولد محمد دین

دستخط ۵- غلام مصطفی

تھانیدار کے نام رقعہ:

۲۵ رمئی ۱۹۵۲ء کی ڈائری/ یادداشت میں درج ہے:

آج میاں محمد علی فقیر برادر مولوی محمد شریف صاحب چک فقیراں سے تشریف لائے۔ ان کا ایک گھوڑا گم ہوا ہے۔ دوسہ ملاح ولد لحانہ ملاح اس کا چور ہے جو کہ آج کل کسی دوسرے جرم میں حوالات بھوانہ میں محبوس ہے۔ لہٰذا راجہ صاحب تھانیدار کو کہا جائے کہ ہماری چوری گھوڑا اوالی دلوائے یا واپس کرنے کا انتظام کرائے۔ رقعہ سفارشی لکھا گیا۔

صرف رقعہ جات پر اکتفا نہیں بعض اوقات خود بھی تھانے میں تشریف لے جاتے۔ مثلاً ۱۱راگست ۱۹۵۵ء کی یادداشت میں لکھا ہے:

"کنگر معرکہ کے لئے تھانے جانا ہوا۔ فتح محمد مہاجر نے ان کے خلاف درخواست دفعہ نمبر ۱۰۷ (۵) کی دے رکھی ہے۔ سارا دن اسی میں صرف ہو گیا۔"

اسی طرح ۲۵ راگست ۱۹۵۵ء کی تاریخ میں درج ہے:

"حکیم یوسف صاحب اور حافظ شیر محمد کی خاطر تھانہ جانا ہوا۔ انہوں نے انہیں جو رائے ذکر کی وہ قابل مشورہ تھی۔"

فاتحہ خوانی، تعزیت:

کسی آدمی کی وفات پر اس کے ورثا سے تعزیت اور افسوس کرنے کو پنجاب میں عام طور پر "فاتحہ خوانی" سے تعبیر کیا جاتا ہے جو سماجی تعلقات کا ایک جزو لازم ہے۔ پھر فاتحہ خوانی کے موقع پر لواحقین کو امداد کے طور پر کچھ نقدی پیش کرنا بھی ایک رسم ہے جسے مولانا اپنی یادداشتوں میں "چندہ" سے تعبیر کرتے ہیں۔ مولانا قرب و جوار کے کئی علاقوں میں فاتحہ خوانی کے سلسلے میں تشریف لے جاتے رہے اور بعض کی یادداشت اپنی ڈائریوں میں بھی لکھی۔ مثلاً

۱- ۴ رجولائی ۱۹۵۲ء کی ڈائری میں لکھا ہے: بھوانہ بمعیت میاں غلام علی (نمبردار) جانا ہوا۔ راجہ سکندر خان صاحب تھانیدار کے لڑکے کی فوتیدگی پر فاتحہ خوانی مقصود تھی۔

۲- ۴ رجنوری ۱۹۵۲ کی تاریخ میں لکھا ہے: دوسرے دن (۵ رجنوری ۱۹۵۲ء) کو دودہ (ضلع سرگودھا) میں میاں کرم الٰہی اعوان کے ہاں تعزیت کے لئے جانا ہوا۔ حافظ عطا محمد پہلے سے موجود تھے۔ رات گزار کر علی الصبح واپسی ہوئی۔

۳- ۲۵ رنومبر ۱۹۵۲ء کی تاریخ میں درج ہے: منگینی[۱] آج برائے تعزیت منشی صاحب عطا محمد جانا ہوا۔ ملک عبدالقدوس، مولانا محمد شریف ہمراہ شریک سفر ہیں۔ ہم تھوڑی دیر ٹھہر کر واپس ہوئے۔

۴- ۱۵ رستمبر ۱۹۵۳ء کی یادداشت میں لکھا ہے: مہر اللہ بخش ولد وسادا عدلانہ[۲] کے لڑکے نصرت کی فاتحہ خوانی کے لئے میاں کرم میاں فتح محمد واحمد یار کے ساتھ جانا ہوا۔ میاں برہان جپہ کی ملاقات ہوئی۔

۵- ۳۰ رمارچ ۱۹۵۴ء کی یادداشت میں درج ہے: سمندر تعزیت میاں محمد اسماعیل کے لئے محمد یار محمد امین صاحبان کے ہاں باقی معرکہ میانہ کے ساتھ جانا ہوا۔ رسمی "چندہ" فاتحہ خوانی ادا کیا گیا ہے۔

۶- مؤرخہ ۱۹ رنومبر ۱۹۶۴ء کی تاریخ میں درج ہے: روڈہ روانگی ہوئی۔ میاں حسام الدین سے وعدہ تھا کہ

---

[۱] محمدی شریف سے کوئی ۶-۷ میل کے فاصلے پر ایک موضع کا نام ہے۔

[۲] یہ بھی ایک موضع کا نام ہے جو محمدی شریف سے ۵-۶ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

بسال والی چک نمبر ۲۰۶ رائے لال کے برادر ممتاز کی فاتحہ خوانی کے لئے جائیں گے مگر وہ نہ آئے۔ بندہ اکیلا ہی گیا۔ لیلۃ السبت وہاں گزاری۔ اٹھنی روپیہ رسم ادا کی۔ صبح شنبہ کو واپسی ہوئی۔

۷- ۱۹۵۵ء کی ڈائری میں مؤرخہ ۶ رجنوری موضع ٹہلی میں، ۲۷ رجنوری کو چک نمبر ۲۱۲ فقیراں میں، ۲۸ رجنوری چک سجنکا میں، ۱۴ ر اکتوبر کو جھوک ملیا میں، ۱۸ رنومبر کو کوٹ وساوا میں مختلف فوتید گیوں پر سپیشل فاتحہ خوانی اور تعزیت کے لئے جاتے نظر آتے ہیں۔

۸- اسی طرح ۱۹۵۶ء کی ڈائری میں ۲۳ رفروری کو چک فقیراں میں، ۱۴ ر ستمبر کو چک ملا کہ نمبر ۲۴۰ میں تعزیت اور فاتحہ خوانی کے سلسلے میں جانے کا ذکر لکھا ہے۔

علیٰ ہذا القیاس بعد کے سالوں کی ڈائریوں میں بھی اسی طرح مختلف مقامات اور دیہاتوں میں تعزیت کے سلسلے میں جانے کی یادداشتیں درج ہیں جن کا اندراج خواہ مخواہ کی طوالت کے مترادف ہے۔

درج بالا فاتحہ خوانیاں وہ ہیں جو اپنے گاؤں سے باہر کے دیہاتوں میں ہوتی تھیں۔ اپنے گاؤں کے اندر جو آدمی بھی فوت ہوتا، چاہے کسی غریب سے غریب گھرانے کا ہی کیوں نہ ہو، اس کی تعزیت/ فاتحہ خوانی کے لئے ضرور تشریف لے جاتے۔ راقم اس بات کا خود عینی گواہ ہے۔

مریضوں کی عیادت:

سماجی مراسم کا ایک بہت ضروری جزو مریض کی عیادت بھی ہے۔ علاوہ ازیں شرعی اعتبار سے ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے جو حقوق عائد ہوتے ہیں ان میں بھی یہ داخل ہے۔ اس لئے عیادت جہاں سماجی مراسم کا لازمہ ہے وہاں شریعت کا حکم اور نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی ہے۔ محض اللہ کریم کی رضا جوئی اور سنت رسول سمجھ کر عیادت کرنا بڑے اجر و ثواب کا حامل ہے۔[1] اب کیسے ممکن تھا کہ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ جیسا متبع سنت آدمی یہ کام نہ کرتا۔ ان کی ڈائریوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ گوناگوں مصروفیات اور ذمہ داریوں کے باوجود یہ عیادت والی سنت بھی ادا کیا کرتے تھے۔ ہمارے پنجاب میں عیادت کے موقع پر مریض کو کچھ نقدی دلجوئی یا مدد کے طور پر پیش کرنا ایک عمومی رسم ہے جس کی عدم ادائیگی معیوب اور بخل سمجھی جاتی ہے۔ بعض مواقع پر یہ صراحت موجود ہے کہ انہوں نے عیادت کے وقت یہ رسم بھی ادا کی۔ مثلاً:

۱- ۶ رجنوری ۱۹۵۲ء کی ڈائری میں لکھا ہے: ''میاں صالح محمد ولد مبارک دین اپنی ہمشیرہ کو چنیوٹ لے گئے تھے۔ بیمار تھیں۔ ان کی عیادت کی گئی بمع رسم نقدی۔''

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: مشکوٰۃ المصابیح، باب عیادۃ المریض وثواب المرض، طبع کلاں کراچی، ص ۱۲۳ تا ۱۳۸۔

۲- ۱۶؍مئی ۱۹۵۶ء کی ڈائری میں درج ہے: ''آج حافظ غلام مصطفیٰ و حکیم ظہور احمد کی معیت میں سمندر میاں سلطان احمد کی عیادت کیلئے جانا ہوا۔ بخار اور درد گردہ کے عارضہ میں مبتلا ہیں۔ اللہ کریم رحم فرمائے۔''

۳- مولانا کے بڑے بھائی حافظ صالح محمد کو کثرت بول، مرض سینہ و معدہ وغیرہ کی تکلیف تھی۔ علاج کے سلسلے میں ستمبر ۱۹۶۵ء کو انہیں لاہور لے جایا گیا تو مولانا عیادت کے لئے ۲۷؍ستمبر کو لاہور پہنچے اور تین چار دن کے بعد ۳۰؍ستمبر کو واپس ہوئے۔

شادیوں میں شرکت:

عزیز و اقارب اور دوست احباب کی خوشی کے مواقع میں شرکت بھی سماجی مراسم کا ایک حصہ ہے۔ ریکارڈ اور ڈائریوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کو کسی عزیز کی شادی میں اس وقت تک شرکت نہ کرتے تھے جب تک کہ مروجہ ہندوانہ رسمیں نہ ہونے کا اطمینان نہ ہو جاتا۔ وہ یہ کام بھی متوسلین کی محض دلجوئی کی خاطر کیا کرتے تھے اور اگر کسی وجہ سے کسی دوست کی شادی میں شامل نہیں ہو سکے تو اس پر معذرت کرنے میں بھی کوئی عار نہ تھا۔

چنانچہ ان کے ایک بے تکلف دوست صوفی غلام رسول چشتی بہشتی کی شادی مورخہ ۸؍ستمبر ۱۹۴۶ء/ ۱۱؍شوال ۱۳۶۵ھ کو تھی اور انہوں نے مولانا کو پرزور دعوت دے رکھی تھی۔ مگر مولانا بوجوہ اس میں شریک نہ ہو سکے تو اس نے ایک شکایت نامہ بھیجا جس پر مولانا نے اپنی یادداشت میں لکھا:

''آج صوفی چشتی بہشتی کا شکایت نامہ موصول ہوا ہے۔ ملک عبدالقدوس (ایگریکلچر) اور بندہ پر سخت ناراض ہو رہے ہیں کہ ہماری شادی پر باوجود مکرر دعوت کے کیوں نہیں آمد ہوئی۔ خیال ہے معذرت نامہ لکھا جائے۔ بعونہٖ تعالیٰ''[1]

اسی طرح جامعہ محمدی شریف کے ایک سابق طالب علم حافظ احمد یار (ساکن مدینہ کالونی، والٹن لاہور، اردو ٹائپسٹ دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور) نے بھی اپنے تاثرات یا مضمون بعنوان ''تقویٰ اور ملنساری'' میں اپنی شادی میں مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی شرکت کا ذکر کیا ہے۔

ایک نوجوان کی ملازمت کے لئے سفارش:

کسی نیک جائز اور اچھے کام میں سفارش کرنا جہاں اجر و ثواب کا باعث اور سنت رسول ہے وہاں ایک معاشرتی خدمت اور نیکی بھی ہے۔ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ وقتاً فوقتاً زبانی اور تحریری یہ نیکی بھی کمایا کرتے تھے۔ ساری چیزیں ریکارڈ میں موجود نہیں تاہم ایک دو مثالیں ملاحظہ ہوں۔

---

[1] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، ذاتی ڈائری مورخہ ۱۸؍ستمبر ۱۹۶۴ء۔

مشرقی پاکستان کے بنگلہ دیش بننے پر اپنا گھر بار چھوڑ کر پاکستان آجانے والے محب وطن، معروف عالم دین، نامور محقق اور متعدد کتب کے مصنف و مؤلف حضرت مولانا سید محمد متین ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۹۱ء) جو کچھ عرصہ جامعہ محمدی میں شیخ الجامعہ کے منصب پر بھی فائز رہے، ان کے بڑے صاحبزادے سراج منیر بڑی صلاحیتوں کے حامل نوجوان تھے۔ اردو ادب و تنقید اور فلسفہ ان کا خاص موضوع تھا۔ کئی اردو مجلات کے ایڈیٹر رہے۔ آخر میں ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور کے ڈائریکٹر اور پھر ۹۰-۱۹۸۹ میں وزیر اعظم پاکستان کے پرسنل سیکرٹری کے عہدے تک پہنچے۔

۱۹۷۷ء میں ایم اے انگریزی میں پنجاب یونیورسٹی میں تیسری پوزیشن حاصل کرنے کے باوجود جب انہیں کوئی سرکاری ملازمت اور ذریعہ معاش نہیں مل رہا تھا تو مولانا محمد متین ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے کے لئے مولانا محمد نافع کو توجہ دلائی کہ وہ اس معاملے میں ایوبی دور کے معروف بیوروکریٹ قدرت اللہ شہاب کے نام ایک سفارشی خط لکھیں، وہ بڑے صاحب اثر ورسوخ ہیں۔ شہاب صاحب ضلع جھنگ میں ڈپٹی کمشنر رہ چکے تھے اور جامعہ محمدی کی خدمات اور مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے کردار سے آگاہ تھے۔ مولانا نے ایک سفارشی خط شہاب صاحب کو لکھا۔ اس کے جواب میں شہاب صاحب نے لکھا:

مکان نمبر ۲۱، اسٹریٹ نمبر ۱۰،

سیکٹر F-6-3، اسلام آباد

۲۵ر ستمبر ۱۹۷۷ء

محترمی و مکرمی جناب مولانا محمد نافع صاحب

السلام علیکم

میں اسلام آباد سے باہر گیا ہوا تھا۔ ابھی واپسی پر آپ کا نوازش نامہ مؤرخہ ۷۷-۹-۴ ملا۔ اس وجہ سے جواب میں تاخیر ہوئی جس کے لئے معافی کا خواستگار ہوں۔

لاہور میں مرکزی حکومت کا ایک ادارہ ''مرکزی اردو بورڈ'' نامی ہے۔ اس کے ذمہ یہ کام ہے کہ وہ ہمارے سب نصابہائے تعلیم کو انگریزی سے اردو میں منتقل کرے۔ میرے ناچیز خیال میں سراج منیر صاحب کی صلاحیتوں کے پیش نظر اگر ان کو وہاں ملازمت مل جائے تو اچھا رہے گا۔ اس ادارہ کے ڈائریکٹر اشفاق احمد صاحب (ریڈیو کے تلقین شاہ) ہیں۔ میں نے ان سے بات کر لی ہے۔ بہتر ہوگا کہ سراج منیر صاحب جلد ہی ان سے اس پتہ پر مل لیں:

Central Urdu Development Board

1-A, Gulberg (Main), Lahore

امید ہے کہ ان شاء اللہ کوئی بہتری کی صورت نکل آئے گی۔

دعا ہے کہ مولوی رحمت اللہ صاحب انتخاب میں کامیاب ہوں اور اپنے عظیم والد مرحوم کے صحیح جانشین ثابت ہوں۔ آمین

میرا صحیح پتہ درج بالا ہے۔ جامعہ کا رسالہ اگر نکل رہا ہو تو میرے نام قیمتاً جاری فرما دیں۔ قیمتاً اس لئے عرض کیا ہے کہ ہم لوگ جامعہ کی کوئی مدد تو کرتے نہیں، الٹا اس پر بار بننے سے شرم آتی ہے۔

جواب کے لئے ٹکٹ ارسال فرما کر مجھے مزید شرمندہ نہ کریں۔ اہالیان جامعہ کی خدمت میں سلام۔

طالب دعا، نیاز مند

قدرت اللہ شہاب

ایک سفارش کے لئے سفر اور تجربات:

سفارش کے سلسلے میں ذیل میں مولانا کا ایک سفر اور اس سفر سے اخذ کردہ نتائج ''تجربات'' کے عنوان سے ملاحظہ ہوں:

آج صبح سویرے قرآن مجید کے سبق کے بعد رجوکہ معرکہ محمد یار و احمد ولد راجہ ساکنان ڈھلو والی و بھائی خان رجوکہ بلوآنہ میں کپتان کے پاس ایک سفارش کے سلسلہ میں جانے پر مجبور کیا کہ ضرور وہاں تک جانا ہے۔ آخر بھائی خان کے اصرار کی وجہ سے انکار نہ ہو سکا۔ سبق دینی چھوڑ کر چلنا پڑا، برا معلوم ہوا۔ آخر کار ان کو کھانا کھلا کر ساتھ روانگی ہوئی۔ ظہر کو وہاں پہنچے۔ ایس پی صاحب نہ آئے۔ رات گزار کر صبح سویرے باوجود اصرار رہائش بندہ واپس ہوا۔ روڈہ سے ہو کر جمعہ کو محمدی (شریف) پہنچا۔ الحمد للہ علی کل حال

''تجربات''

اول: حقیقتاً واقعات من وعن معلوم کر لئے جائیں۔ اگر ناحق ہو تو بالکل جانا ہی ناروا ہے۔ پہلے لوگ گول مول بات کرتے ہیں۔ واقعہ کچھ اور ہوتا ہے۔

دوم: کام کے لئے وقت پہلے طے کر لیا جائے۔ لوگ وہاں جا کر تنگ کرتے ہیں۔ آپ اتنا وقت اور ٹھہریں۔ فلاں صاحب نہیں آئے وغیرہ وغیرہ۔

سوم: اگر اپنی سواری نہ ہو تو واپسی سواری کے لئے دوٹوک فیصلہ بہتر ہوتا ہے۔ لوگ بعد از مطلب آئیں بائیں شائیں کرنے لگ جاتے ہیں۔ (ذاتی ڈائری مورخہ ۴ر دسمبر ۱۹۵۲ء)

ایک علمی ادارہ کی بحالی کے لئے سعی:

مرکز تحقیق (ریسرچ سیل) دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور وطن عزیز کا ایک معروف سرکاری ادارہ تھا جس کے قیام کا بڑا مقصد ہی علمی تحقیق تھا۔ اس کے ریسرچ ایڈوائزر معروف ریسرچ سکالر مولانا سید محمد متین ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ حکومت نے ۷۹-۱۹۷۸ میں اس ادارہ کو ختم کر دیا تو اس کی بحالی کے لئے مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے اس وقت کے وفاقی وزیر مذہبی امور و اقلیتی امور جناب افتخار احمد خان کو بذریعہ مراسلہ توجہ دلائی تو اس کے جواب میں وزیر موصوف نے لکھا:

محترمی مولانا صاحب

سلام مسنون!

امید ہے کہ بفضل تعالیٰ مزاج بخیر ہوں گے۔ مولانا محمد متین ہاشمی صاحب کے بارے میں آپ کا گرامی نامہ صادر ہوا۔ یاددہانی کے لئے مشکور ہوں۔

باور کیجئے، میں یہ مسئلہ حل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں اور مجھے امید ہے کہ آپ کو جلد ہی نوید مسرت مل جائے گی اور کیا عرض کروں۔

مولانا رحمت اللہ صاحب کی خدمت میں سلام عرض کر دیجئے۔

والسلام
مخلص
(افتخار احمد خان انصاری)

بخدمت مولانا محمد نافع صاحب
جامع محمدی شریف، تحصیل چنیوٹ، ضلع جھنگ۔

اس کے بعد ایک دوسرے مکتوب مؤرخہ ۳۱رجنوری ۱۹۷۹ء اس معاملے میں بعض دفتری مجبوریوں کا ذکر کیا تاہم آخر میں لکھا کہ:

''آپ مطمئن رہئے، اپنی بساط کی حد تک آپ کے حکم کی تعمیل میرے لئے عین راحت کا باعث ہوگی۔ دعاؤں میں یاد رکھئے۔ والسلام''

بعد ازیں مؤرخہ ۱۳رمارچ ۱۹۷۹ء کے مراسلہ میں وزارت مذہبی امور و اقلیتی امور کے افسر تعلقات عامہ نے مذکورہ ادارہ کی بحالی کی اطلاع دیتے ہوئے مولانا کو لکھا:

مکرمی و محترمی

سلام مسنون!

امید ہے کہ مزاج بخیر ہوں گے۔ آپ نے ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان کے حوالے سے متین ہاشمی صاحب کے بارے میں وزیر مذہبی و اقلیتی امور جناب افتخار احمد خان انصاری صاحب سے استدعا کی تھی۔ وزیر موصوف نے متذکرہ سوسائٹی کی گرانٹ بحال کر دی ہے اور اس طرح آپ کی دیرینہ شکایت کا ازالہ ہو گیا ہے۔

یہ چند سطور اطلاعاً تحریر ہیں۔ والسلام

آپ کا

افسر تعلقات عامہ

بخدمت مولانا محمد نافع صاحب

جامع محمدی شریف، تحصیل چنیوٹ (ضلع جھنگ)

"رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ" ویلفیئر ٹرسٹ کا قیام:

مولانا کی زندگی کے آخری ایام میں ان کے صاحبزادگان اور چند دیگر مخلصین نے "رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ" کے دلکش نام سے ایک ویلفیئر ٹرسٹ قائم کرنے کا پروگرام بنایا تو اس کے لئے باقاعدہ ایک تاسیسی اجلاس منعقد کیا۔ مولانا بنفس نفیس تو اس میں شرکت نہیں فرما سکتے تھے تاہم ٹرسٹ کا مجوزہ پروگرام ان کے گوش گزار کیا گیا تو بعض استفسارات کا تسلی بخش جواب ملنے پر اطمینان کا اظہار فرمایا۔ یوں اس ویلفیئر ٹرسٹ کو مولانا کی تائید بھی حاصل ہوگئی۔ بعد میں انتظامیہ کی طرف سے تعارف اور کارکردگی پر مشتمل جو "بک لیٹ" شائع کیا گیا ذیل میں ملاحظہ ہو:

مجاہد ملت حضرت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ اور محقق عصر حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے اتحاد امت، خدمت خلق اور دفاع صحابہ رضی اللہ عنہم کے ضمن میں ایسے سنہری کارنامے انجام دیئے جو منتشر اور تفرقوں میں بٹی قوم و ملت کے مرض کا شافی علاج ہیں۔

حضرت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ایسے ادارے کی بنیاد رکھی جس کا تعلیمی نصاب جدید و قدیم علوم کا حسین امتزاج اور جس کا نظریہ مسلک اعتدال تھا۔ اس لحاظ سے یہ پاکستان کا واحد منفرد ادارہ اور ملت اسلامیہ کے پلیٹ فارم پر انوکھا تجربہ تھا جبکہ حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے تحقیق و جستجو کے میدان میں دفاع صحابہ کے عنوان سے تاریخ اسلام کا ایک غیر معمولی کارنامہ سرانجام دیا۔

ان دونوں بھائیوں نے انتشار و افتراق کے اس ماحول میں بیٹھ کر اخوت و محبت اور اتحاد عالم اسلام کا جھنڈا پوری قوت سے بلند رکھا اور اپنی زندگیاں اس مبارک و سعید کام کے لئے وقف کر دیں۔ حق و باطل کا بھی چولی دامن کا ساتھ ہے۔ لہٰذا علاقہ ہذا کی پسماندگی، ناخواندگی، غربت اور معاشی بدحالی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے باطل نظریات رکھنے والی طاغوتی طاقتوں نے بھی اپنا ٹھکانہ اسی علاقہ کو ٹھہرایا۔

دستورِ زمانہ ہے جہاں دولت و خزانہ رکھا ہو وہیں چور نقب زنی اور وارادات کرتے ہیں۔ عالمی سطح پر استعماری قوتیں ملت اسلامیہ کو خلفشار و انتشار سے دوچار کرنے اور اتحاد عالم اسلام کو پارہ پارہ کرنے کے درپے ہیں۔ ان معروضی حالات کے پیش نظر بعض ہمدردانِ ملت نے حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں آپ کی دعاؤں کے ساتھ رحماء بینہم ویلفیئر ٹرسٹ کی بنیاد رکھی۔

رحماء بینہم ویلفیئر ٹرسٹ کے اساسی عناصر حکم ربی ''وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا'' (اور تم مل کر اللہ کی رسی مضبوطی سے پکڑ لو اور آپس میں تفرقہ نہ کرو۔) اتحادِ امت، اتحاد عالم اسلام، مسلک اعتدال اور مسلمانوں میں محبت و اخوت کی فضا قائم کرنے جیسے عناصر ٹرسٹ کے اصل الاصول قرار پائے۔

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ○ (اور آپس میں جھگڑا نہ کیا کرو ورنہ تم کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اٹھ جائے گی، صبر کیا کرو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے قائم کردہ سنہری اصول ''اصول الجمع بین المختلفات'' یعنی جہاں جہاں اختلاف نظر آئے وہاں تطبیق و جمع کا عمل کیا جائے اور تمام مشترکہ امور پر اتفاق کرایا جائے۔ دراصل امت مسلمہ کا اصل مرض انتشار و افتراق، نفاق، اختلاف اور افراط و تفریط ہے اور اس کا شافی علاج محبت و اخوت، اتحاد و اتفاق، بھائی چارہ اور راہِ اعتدال ہے۔ یعنی فروعی و جزوی اختلافات کو پس پشت ڈال کر دین اسلام کے محکمات مسلمات پر جمع ہو جائیں۔

یاد رہے کوئی ادارہ فردِ واحد سے نہیں چلتا۔ اسے چلانے کے لئے اجتماعیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اجتماعیت میں بڑی برکت رکھی ہے۔ یہ طریقہ سنت مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عین مطابق ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دینی و قومی امور میں تمام مسلمانوں کو تعاون کا حکم فرمایا۔ حکومتوں سے لے کر رفاہی اداروں تک تمام مسلمانوں کے معاملات باہمی تعاون سے چلتے نظر آتے ہیں۔

رحماء بینہم ویلفیئر ٹرسٹ عوام الناس کی خدمت کا ایک عظیم قومی ادارہ ہے۔ بفضلہٖ تعالیٰ اس ادارے

نے قلیل مدت میں دینی اجتماعی اور عوامی خیر خواہی کے بڑے اہم کام حسن وخوبی سے سرانجام دیئے ہیں۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ○ تحدیث نعمت کے طور پر اور احباب خیر کی توجہ کے لئے بعض معاملات کا ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ متاثرین سیلاب کی امداد:

۲۰۱۴ء کے سیلاب میں متاثرین سیلاب کیلئے کم وبیش ۲۵ / ۲۰ دیہات کے تقریباً پچیس سو (۲۵۰۰) خاندان اور کم وبیش دس سے پندرہ ہزار افراد کی ہر لحاظ سے کفالت کا فریضہ انجام دیا گیا۔ سیلاب زدہ علاقہ کی متعدد شہید اور مرمت طلب مساجد کی تعمیر اور مرمت کے فرائض سرانجام دیئے گئے۔

۲۔ ضرورت مند افراد کی امداد:

معذور ولاچار افراد کے لئے قریہ محمدی شریف میں پختہ مکمل گھر تعمیر کرایا گیا۔ سال بھر یہاں کی بیوگان، یتیم بچوں، معذور افراد، بیمار ولاچار اور غریب افراد کے لئے نقدی، لباس اور مفت ادویات اور علاج کی سہولیات مہیا کی جاتی ہیں۔

۳۔ الجامعۃ النافعہ للبنات کا قیام:

محمدی شریف میں عارضی طور پر عاریتاً جگہ پر طالبات کے لئے حفظ وناظرہ اور درسیات کا انتظام کیا گیا ہے جو کہ بفضلہٖ تعالیٰ کامیابی سے چل رہا ہے۔ مستقل عمارت کے لئے مناسب زمین درکار ہے جس کی لاگت تقریباً ۳۲ لاکھ روپے ہے۔ تقریباً اتنی ہی رقم ابتدائی عمارت کی تعمیر کے لئے بھی درکار ہوگی۔

۴۔ کتب خانہ کو سکین کر کے محفوظ کرنا:

محقق عصر حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے پوری زندگی لگا کر کتب خانہ کی شکل میں جو علمی خزانہ جمع کیا تھا اس کی حفاظت وفروغ کا خاطر خواہ انتظام کیا گیا ہے۔ اس تمام علمی اثاثے کو سکین کر کے کمپیوٹر میں محفوظ کرنے اور پوری دنیا میں اہل علم کے استفادہ کے لئے ویب سائٹ بنانے کا کام ماہرین فن کی زیر نگرانی جاری ہے جس کی افادیت اہل علم حضرات اور مطالعہ کے شائقین بخوبی جانتے ہیں۔ سکیننگ کے کام پر ماہانہ لاگت تقریباً ایک لاکھ روپے ہے (مسلسل کام ہوتا رہا تو یہ تقریباً دو سال کا کام ہے) لیکن وسائل کی عدم دستیابی کی وجہ سے کام روکنا پڑتا ہے۔

۵- مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے تیار کردہ مسودات کی اشاعت:

حضرت ممدوح رحمۃ اللہ علیہ کے تحقیقی مسودات میں سے ایک مسودہ ترتیب دے کر "عظمتِ صحابہ" کے عنوان سے کتاب تیار ہوکر چھپ چکی ہے۔ مزید مسودات پر کام کرنا باقی ہے۔ اس نادر قیمتی مواد سے دفاعِ صحابہ، مدحِ صحابہ کے عنوانات پر کئی کتب تصنیف ہوسکتی ہیں۔

۶- مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات کے تراجم:

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی تمام تحقیقی کتب کو مختلف زبانوں میں تراجم کرا کر طباعت واشاعت کا کام کرنا نہایت ضروری واہمیت کا حامل کام ہے۔ بفضلہٖ تعالیٰ جس کا آغاز ہوچکا ہے۔

۷- مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات:

محقق کبیر حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات مرتب کرنا۔ جو بحمد اللہ اب مرتب ہوکر قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔

۸- سوانح حیات کی دوسری جلد:

دوسری جلد حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ستر (۷۰) برس کی ڈائریوں پر مشتمل ہوگی۔ ان ڈائریوں میں بے شمار معلومات اور علم ومعرفت کا بہت بڑا خزانہ ہے۔ اس کے علاوہ اہل علم اور نامور علماء کرام کے سینکڑوں خطوط ہیں جو کہ علمی مباحث پر مشتمل ایک معلوماتی دستاویز ہوگی اور عوام وخواص کے لئے یکساں نافع و مفید ثابت ہوگی تیسری جلد میں شائع کی جائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

۹- مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے زیر مطالعہ کتب پر نوٹ:

چوتھی جلد حضرت ممدوح رحمۃ اللہ علیہ کے زیر مطالعہ نادر کتب پر حضرت کے اپنے دست مبارک سے لکھے گئے حواشی پر مشتمل ہوگی جس سے ان کتابوں کی افادیت میں کئی گنا اضافہ ہوجائے گا۔ تحقیق ومطالعہ کے شائقین کے لئے ہزاروں کتابوں کا خلاصہ اور نچوڑ نکال کر یہ انسائیکلو پیڈیا جلد چھپ جائے گا تو اہل علم اور صاحب مطالعہ کے لئے بہت سی آسانیاں پیدا ہوجائیں گی۔ طباعت واشاعت اور تدوین وترجمہ کے ان منصوبوں کے لئے ابتدائی مرحلے میں تقریباً دس (۱۰) لاکھ روپے درکار ہوں گے۔

۱۰- جدید کتب خانہ کا قیام:

ٹرسٹ کے مقاصد میں ایک عظیم کتب خانہ کا قیام بھی شامل ہے جس میں تمام جدید سہولیات میسر ہوں گی

اور دفاعِ صحابہ اور مدح صحابہ کے حوالے سے ہر قسم کا مواد دستیاب ہوگا۔ اس مقصد کے لئے مناسب عمارت کا حصول پہلا کام ہے جس کی اندازاً لاگت ۵۰ لاکھ روپے ہوگی۔ بعدازاں اتنی ہی رقم کتب خانہ کے قیام کے لئے درکار ہوگی۔

۱۱- دارالمبلّغین اور دارالمصنّفین کا قیام:

دارالمبلغین اور دارالمصنّفین کا قیام بھی مقصود ہے جس میں مبلغین و مصنّفین تیار کئے جاسکیں جو مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی طرز پر ماہرانہ انداز میں فرائض سرانجام دینے والے ہوں اور اس مقصد کے حصول کے لئے مبلغین و مصنّفین کو ہر قسم کا علمی و تحقیقی مواد دستیاب ہوسکے۔ وماتوفیقی الا باللہ۔

باب یازدہم

عام اخلاق، عادات اور معمولات

(صاحبزادگان کی چشم دید گواہی)

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ جہاں بہت بڑے فاضل، متبحر عالم دین، نامور مدرس و مفتی، کئی علمی و تحقیقی کتب کے مصنف تھے وہاں خلاقِ عالم نے انہیں ظاہری حسن و جمال اور عالمانہ رعب و وقار کے ساتھ باطنی حسن و جمال بھی عنایت فرما رکھا تھا۔ قرآن و حدیث کی رو سے جسمانی اعتبار سے کسی آدمی کا حسین ہونا اتنا اہم نہیں جتنا سیرت و کردار، اخلاق، عادات اور خصائل و شمائل کے اعتبار سے حسین ہونا اہم ہے۔ انسان کے عام اخلاق، عادات اور روزمرہ کے معمولات اس کے فطری جذبات و احساسات اور طبعی رجحانات کے ترجمان ہوتے ہیں۔ اس لئے کسی بھی بڑے آدمی کی زندگی میں سب سے زیادہ سبق آموز اور دیکھنے کی چیز اس کے روزمرہ کے معمولات ہوتے ہیں جن سے مترشح ہوتا ہے کہ اس کے روز و شب اور خلوت اور چار دیواری کے اندر کے اوقات کس طرح گزرتے تھے۔ علاوہ ازیں بڑے لوگوں کو جن کارناموں کی بدولت شہرت اور قبولیت عام ملتی ہے ان میں اس کے مزاج، اخلاق و عادات، فکر و سوچ اور رہن سہن کا بڑا دخل ہوتا ہے۔

ہزاروں بلکہ لاکھوں کروڑوں بڑے لوگ جو بظاہر بڑے حسن و جمال کر و فر کے مالک ہوتے ہیں مگر ان کے قریب جاؤ تو ان کا عوام الناس سے برتاؤ، رویہ، طرز عمل، اخلاق و عادات، خلوت کی سرگرمیاں دیکھ کر آدمی کی عقیدت اور خوش فہمی پاش پاش ہو جاتی ہے۔ مگر ہمارے ممدوح مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ نے حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت کا بھی مرقع بنایا تھا۔ اس باب میں ہم عمومی طور و اطوار، اخلاق، معمولاتِ زندگی اور عاداتِ جمیلہ کی صرف وہ جھلکیاں پیش کرنا چاہتے ہیں جن پر ان کے سب سے قریبی اور خلوت و جلوت کے عینی شاہدوں صاحبزادہ محمد مختار عمرؒ اور صاحبزادہ محمد ابوبکر صدیقی کی سب سے مستند گواہی ثبت ہے۔ ممکن ہے کوئی دوسرا آپ کا شاگرد یا عقیدت مند ان خصائل و عادات کے بیان کرنے میں مبالغہ آرائی سے کام لے جبکہ مذکورہ صاحبزادگان کی گواہی اپنے عظیم والد کی طرح ہر قسم کی مبالغہ آرائی اور افراط و تفریط سے مبرا ہے۔ اس لئے اس باب میں ہم صرف ان کے مشاہدات اور آپ بیتی پر ہی اکتفا کریں گے۔

مولانا کی سیرت و کردار اور مکارم اخلاق کے حوالے سے کئی ایمان افروز چیزیں قارئین مولانا کے

بارے میں علماء اور ملاقات کرنے والوں کے تاثرات میں بھی ملاحظہ کریں گے۔ بہرکیف آپ کے بڑے صاحبزادے میاں محمد مختار عمرؒ اپنے والد کے اطوار، معمولات اور عادات کریمہ کو قلمبند کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

عبادت وریاضت!

ایک سو سالہ زندگی میں صرف آخری تین سالوں میں حضرت والد صاحب شوال کے روزے نہ رکھ سکے تھے۔ اس سے پہلے مکمل شعوری زندگی میں ماہ رمضان المبارک کے ساتھ شوال کے چھ روزے باقاعدگی سے رکھتے رہے اور رمضان المبارک کے روزے انتقال والے سال میں بھی ترک نہ فرمائے۔ گویا پوری عمر روزوں، نمازوں، تلاوتوں اور ذکر و اذکار کا اہتمام باقاعدگی سے فرماتے رہے۔ وفات والے سال رمضان شریف میں ایک ہفتہ باقی تھا کہ میاں عبیداللہ سیال صاحب والد صاحب کو ملنے کے لئے آئے۔ وہ جھنگ میں ضلعی محتسب کے عہدہ پر فائز تھے اور جامعہ محمدی شریف میں سابقہ طالب علم رہ چکے تھے، میاں صاحب شوگر کے مریض بھی تھے۔ میں نے پوچھا اس مرتبہ روزے رکھنے کا کیا ارادہ ہے؟ تو میاں صاحب نے کہا کہ ''مجھے ڈاکٹر نے دن میں اتنے گلاس پانی پینے کا کہہ رکھا ہے، کیونکہ بہت سخت شوگر ہے'' ابھی انہوں نے یہاں تک یہ بات کہی تھی اور روزے رکھنے یا نہ رکھنے کے متعلق کچھ نہیں کہا تھا کہ حضرت والد صاحب نے ان کی بات کاٹ دی اور فرمایا ''میں بھی پورے روزے رکھوں گا، آپ بھی نہ چھوڑنا'' حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس جملے سے ہم سب ہنس پڑے۔ حضرت والد صاحب کی خوراک عام دنوں میں بھی بہت کم تھی تو بیماری اور بڑھاپے میں مزید قلیل ہوگئی تھی۔ چند لقمے دن میں اور چند لقمے رات کو تناول فرماتے تھے اور بعض مرتبہ وہ بھی ناغے کا شکار ہوجاتے لیکن رمضان المبارک میں تو حیرت انگیز اور خطرناک حد تک خوراک کم ہوجاتی تھی مثلاً سحری میں چند گھونٹ دودھ نوش فرماتے یا ایک ٹکڑا شیر مال کا تناول فرماتے اور افطاری میں ایک کھجور کا دانہ چند گھونٹ پانی کے ساتھ لے لیتے تھے۔ ایک مرتبہ پروفیسر ڈاکٹر محمد اشرف صاحب (الائیڈ ہسپتال فیصل آباد) نے فون پر حضرت والد صاحب کے پانی کی مقدار کے بارے میں پوچھا تو میں نے بتایا کہ دونوں وقت دو یا تین پیالی پانی پیتے ہیں۔ گرمیوں کے روزے تھے تو ڈاکٹر صاحب سخت گھبرائے اور کہنے لگے ایسے میں تو حضرت کے گردے کام کرنا چھوڑ دیں گے اور پانی کی کمی کی وجہ سے مزید عوارض پیدا ہونے کا خدشہ ہے۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کا پیغام قبلہ حضرت والد صاحب کو سنایا تو ہونٹوں کو ہلکی سی جنبش دے کر گویا ہنس پڑے اور پانی کی مقدار وہی رکھی۔ اس دوران کمزوری بہت بڑھ گئی۔ دیگر عوارض پیدا نہ ہوئے البتہ ہم ان کا ضعف دیکھ کر بہت پریشان ہوتے تھے، مگر اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے بھی عبادت وریاضت کے کیسے لطف اٹھاتے ہیں؟ قبلہ حضرت والد صاحب بھی رمضان المبارک کے روزے رکھتے رہے تا آنکہ مکمل روزے رکھ لئے۔

اعتدال طبیعت کا حصہ تھا:

حضرت والد صاحب کے مزاج میں اعتدال بہت تھا، فکری اعتبار سے تو آپ کا معتدل ہونا ہر خاص و عام کو مسلّم ہے، عمومی و معاشرتی زندگی میں بھی یہ وصف موجود تھا۔ مثلاً وقت پر کھانا کھانا اور پُرخوری سے اجتناب، نیز اسراف کے بھی قائل نہیں تھے۔ کمرے میں ایک سے زائد بلب جلتا تو فرماتے ضرورت کے مطابق روشنی رکھو، بے شک لکھائی پڑھائی کے وقت زائد بلب جلا لیا کرو، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں ان میں فضول خرچی مت کرو۔ اللہ کی راہ میں دل کھول کر خرچ کرتے مگر برابری کی بنیاد پر۔ یہ نہیں کہ کسی کو کم دیا کسی کو زیادہ البتہ یہ ہم نے دیکھا ہے کہ روز آنے والے سائل کو رقم کم اور کبھی کبھار آنے والے کو قدرے زیادہ دیا کرتے تھے۔ والد صاحب بہت سادہ طبیعت کے مالک تھے اور سادہ لوگوں کو ہی پسند کرتے تھے۔ کھانے پینے، رہن سہن اور لباس وغیرہ میں تکلف نام کی کوئی چیز نہیں تھی حتیٰ کہ گفتگو میں بھی سادگی اپناتے اور تحریر میں بھی لفاظی اور پر تکلف الفاظ استعمال نہیں فرماتے تھے۔ والد صاحب عصرِ حاضر کے تکلفانہ تقاضوں سے کلیتاً بے زار تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے والہانہ محبت تھی اور پوری زندگی ان کی عظمت و منقبت بیان کرنا اپنے لئے سعادت سمجھتے تھے اور دشمنانِ اسلام معترضین کے اعتراضات کا علمی قلع قمع کرنا فرض سمجھتے تھے۔ حضرت والد صاحب کی زندگی کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا رنگ آپ پر چڑھا ہوا نظر آتا تھا۔ سلف صالحین اور اکابرین امت کا بہت زیادہ ادب فرماتے تھے اور آنے والوں کو بھی اکثر و بیشتر یہی نصیحت کرتے تھے کہ سلف کا طریقہ مت چھوڑو۔ فرماتے تھے دین کو دین سمجھ کر سیکھو، دنیا کمانے کے لئے دین مت اختیار کرو، اعتدال اپناؤ اور افراط و تفریط سے بچو۔ یہ دورِ حاضر کی گمراہیوں کی اصل جڑ ہے، لوگ فروعی مسائل میں بہت زیادہ متشدد ہو گئے ہیں۔ اپنی اور لوگوں کی اصلاح کی تلقین فرماتے۔ حضرت والد گرامی کے ہاں اندرون و بیرون ملک سے علم کے شید ابغرضِ ملاقات تشریف لاتے تھے۔ کراچی سے پشاور تک اور ایران، بنگلہ دیش نیز عرب ممالک اور ساؤتھ افریقہ تک سے لوگ آتے۔ والد صاحب گرامی سے اجازت حدیث لیتے۔ جب وہ کسی نصیحت کی درخواست کرتے تو فرماتے آپ عالم ہیں، مجھے تو شرم آتی ہے، آپ اتنی تکلیف اٹھا کر ملاقات کے لئے آتے ہیں، آپ میرے لئے خاتمہ بالخیر کی دعا کیا کریں۔
حضرت والد مکرم جہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فریفتہ تھے اور ان کے دفاع میں قلم چلاتے رہنے کو عبادت سمجھتے تھے وہاں مقام اہل بیت کے بھی پورے قدردان تھے۔ اس لئے ہر سال ۱۰ رمحرم الحرام کو حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی یاد میں جلسہ منعقد کرواتے اور جب تک صحت مندر ہے خود تقریر فرماتے تھے۔ اسی طرح ۱۲ ربیع الاول کو بھی ہمیشہ رات کو محمدی شریف کی جامع مسجد میں جلسہ کرواتے۔ خود بھی تقریر کرتے اور باہر کے علماء کرام کو بھی دعوت دیتے تھے۔ اس موقع پر حضرت والد صاحب گھر میں عمدہ کھانے کا اہتمام حکماً فرماتے تھے تا کہ علماء کرام کی اچھی

مہمان نوازی ہو سکے۔ حضرت والد صاحب شہرت سے ہمیشہ گریز فرماتے۔ اگر کوئی شخص آ کر اجازت طلب کرتا کہ اشتہار میں آپ کا نام لکھنا ہے تو سختی سے منع فرما دیتے کہ چونکہ میں نے پروگرام میں شرکت نہیں کرنی تو نام دینے کی کیا ضرورت ہے؟ اور اگر مطبوعہ اشتہار پر اپنا نام دیکھ لیتے تو منتظمین کی بہت گوشمالی کرتے تھے۔ دورِ حاضر کے ہر اس ذریعہ سے اجتناب فرماتے کہ جس میں ناموری کا شائبہ ہو۔ ہمیشہ گمنامی کی زندگی کو ترجیح دیتے اور گوشہ نشینی میں عافیت سمجھتے تھے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ حضرت والد صاحب ایک گمنام قصبہ میں کچے مکان کے اندر گوشہ نشینی کی زندگی تو گزار گئے مگر سعودی عرب، عراق، مصر، ساؤتھ افریقہ، امریکہ، بھارت، بنگلہ دیش اور پاکستان کے چاروں صوبوں میں جہاں جہاں علم کے متوالے رہتے ہیں بلاتفریق مسلک وہ آپ کے پروانے بنتے چلے گئے۔ کیونکہ جو کوئی اللہ کے لئے عاجزی اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بلندیوں پر پہنچا دیتے ہیں۔[1]

جبکہ صاحبزادہ ابوبکر صدیقی[2] نے اپنے والد گرامی کی عائلی، خانگی، ذاتی اور عوامی زندگی کے معمولات اور بعض ایمان افروز پہلوؤں کی تفصیل بتاتے ہوئے لکھا ہے:

حضرت والد گرامی انتہائی سادہ مزاج اور سادہ بود و باش کے حامل تھے۔ تصنع، تکلف، بناوٹ اور تفاخر تو آپ کو کبھی چھو کر بھی نہیں گزرا ہوگا۔ بہت ہی سادہ لباس پہنتے تھے۔ سردیوں میں سفید کھدر یا بادام کی گری کے رنگ کا کھدر پسند فرماتے تھے۔ زیادہ کپڑے بنوانے کے مخالف تھے۔ ہمیشہ دو عدد قمیصیں اور دو عدد چادریں رکھتے۔ گرمیوں میں لون کا کرتہ استعمال فرماتے اور سر پر گول نما عام کپڑے کی سادہ سی ٹوپی استعمال فرماتے تھے۔ گرمیوں اور سردیوں میں دو گرم جوڑے اور دو پتلے کپڑے کے رکھتے تھے۔ اگر کبھی تیسرا جوڑا بن جاتا تو بہت ناراض ہوتے۔ اپنے کپڑے، رومال اور ٹوپی وغیرہ ایک سادہ اور عام سے بیگ میں ایسے رکھتے جیسے مسافر نے سفر پر روانہ ہونا ہو۔ اواخر عمر میں جب کپڑوں کی زیادہ ضرورت پڑتی تھی تو ہم بغیر اجازت کے حضرت والد گرامی کے کپڑے سلوا کر بیگ میں رکھ دیتے تو تعجب سے پوچھتے کہ یہ نئے نئے سے کیوں لگ رہے ہیں؟ ہم مصلحتاً یہ جواب دیتے کہ آپ کو مغالطہ ہو رہا ہے، یہ استعمال شدہ ہیں، تب آپ معصومانہ لبوں سے مہکی مسکراہٹ بکھیر دیتے۔ دراصل ضعف اور علالت کے پیش نظر کپڑوں کی ضرورت زیادہ پڑتی تھی اس لئے ہم ان کے علم میں لائے بغیر یہ

---

[1] یادداشتیں، صاحبزادہ میاں محمد مختار عمرؒ۔

[2] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے چھوٹے صاحبزادے کی ولادت کی یادداشت میں لکھا ہے:

"الیوم تولد عزیز محمد ابوبکر ایدہ اللہ بنصرہ العزیز قبل الزوال۔" (ذاتی ڈائری، ۱۹؍اگست ۱۹۵۷ء بمطابق ۲۲؍محرم الحرام ۱۳۷۷ھ)

پھر ساتویں دن جب عقیقہ کیا گیا تو اس کی یادداشت میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا:

"آج عقیقہ کیا گیا اور ایک ضان (بھیڑ) ذبح کی گئی۔ "جھنڈ" اُتروائی گئی اور حضرت مہتمم صاحب (مولانا محمد ذاکر) نے "محمد ابوبکر" نام تجویز کیا ہے۔ میرا خیال تھا کہ "محمد عمر" نام ہو، مگر مولانا صاحب کی رائے کے موافق محمد ابوبکر ہی تجویز ہوا۔"

کاروائی کرتے تھے وگرنہ جب تک صحت مندر ہے تو تیسرا جوڑا رکھنے کا ان کے ہاں تصور ہی نہ تھا بلکہ شدید ناراضگی کا اظہار فرماتے کہ یہ اسراف ہے، میں کوئی بڑا آدمی ہوں کہ کئی کئی کپڑوں کے جوڑے سلوا کر رکھوں۔ کپڑوں کا جتنا کم تکلف ہو، طبیعت میں اتنا ہی قرار رہتا ہے۔

خوراک:

والدگرامی لباس کی طرح خوراک بھی بہت کم اور سادہ کھاتے، ہم نے کبھی پیٹ بھر کر آپ کو کھانا کھاتے نہیں دیکھا تھا، بلکہ ہمیں بھی نصیحت فرماتے کہ کھانا وقت پہ کھاؤ لیکن بسیار خوری سے بچو، کہ اس سے بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ عموماً گرمی کے موسم میں صبح کے وقت صرف چائے اور مکھن کے ساتھ کُشتہ فولاد استعمال فرماتے تھے۔ اگر مہمانوں کی وجہ سے گھر میں مختلف اقسام کے کھانے پکتے تو حضرت والدگرامی تب بھی اپنا سادہ کھانا چپاتی اور سادہ سالن کھاتے۔ باقی لوازمات کی طرف متوجہ بھی نہ ہوتے۔ صبح جلد اٹھنے کی عادت تھی، نماز تہجد ادا فرماتے، پھر نماز پڑھنے مسجد میں چلے جاتے تھے۔ واپس آ کر ناشتہ کرتے، پھر مدرسہ کے کتب خانہ میں تشریف لے جاتے، دوپہر کو واپس آ کر کھانا کھاتے اور کچھ دیر قیلولہ فرما کر ظہر کی جماعت خود جا کر دارالعلوم جامعہ محمدی شریف کی مسجد میں کرواتے اور عصر کی نماز بھی خود ہی پڑھاتے تھے۔ جمعہ کی نماز والدگرامی بنفسِ نفیس دارالعلوم میں جا کر پڑھاتے اور اپنی حیات میں ہی مجھے (ابوبکر) حکم دیا کہ میری جگہ جمعہ پڑھا دیا کرو، اور اب یہ ذمہ داری میں نبھا رہا ہوں...... حضرت والدگرامی رحمۃ اللہ علیہ جمعہ کے دن سفید پگڑی باندھتے تھے، عمامہ کو کلف وغیرہ لگانے کے قائل نہیں تھے۔ سفید، دُھلا ہوا اور اُجلا و سادہ عمامہ آپ کے سر پر اتنا جچتا تھا کہ بیان سے باہر ہے، دور کہیں سفر پر جانا ہوتا تو تب بھی عمامہ استعمال فرماتے تھے۔

لباس:

لباس کے متعلق کچھ تذکرہ پہلے کیا گیا۔ مزید یہ کہ والدگرامی رحمۃ اللہ علیہ لباس کے معاملہ میں بہت ہی زیادہ سادگی اختیار فرماتے تھے۔ کھدر یا کاٹن کے سوا کپڑا استعمال نہیں فرماتے اور کاٹن سے مراد آج کل کی قیمتی اور جدید کاٹن نہیں جسے کلف لگا کر پہنا جاتا ہے، بلکہ خالص سوتی کپڑا مراد ہے، سردیوں میں موٹا سوتی کھدر اور گرمیوں میں عام باریک کپڑا ہوتا۔ قیمتی کپڑا بالکل استعمال نہ فرماتے۔ اکثر معتقدین قیمتی کپڑوں کے تحائف دے کر جاتے تو وہ فوراً ہمیں عنایت فرما دیتے یا حکم دیتے کہ فلاں غریب آدمی کو یہ کپڑے دے آؤ۔ آج کل ریشمی کپڑوں کی اقسام میں جو فیبرک وغیرہ آئے ہوئے ہیں، انہیں بالکل پسند نہیں فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ فیبرک کی چادر سل گئی، وہ بظاہر سوتی محسوس ہوتی تھی۔ جب دھلائی کے بعد اپنی اصل حالت پہ آئی تو استعمال کرنا

چھوڑ دی۔ فرماتے تھے چمکیلا کپڑا تکبر پیدا کرتا ہے۔ اسی وقت ایک غریب آدمی کو بلایا اور چادر اسے دے دی۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ سرگودھا میں مولانا سید قاسم شاہ صاحب کے ہاں دارالمبلغین میں پڑھانے تشریف لے گئے تو وہاں ایک آدمی نے چار ہزار جاپانی کیٹی کا کپڑا خرید کر اندازے سے والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کی پیمائش کا کرتہ سلائی کیا۔ وہ آدمی خود ٹیلر ماسٹر تھا۔ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ گھر آنے لگے تو اس نے بڑی منت سماجت سے وہ پیش خدمت کیا۔ ان دنوں اس کپڑے کی بڑی مشہوری تھی۔ آپ نے شخصِ مذکور کی دلجوئی کے لئے قبول کر لیا مگر گھر آتے ہی فرمایا کہ اس بے وقوف نے مجھ سے پوچھے بغیر اتنی قیمتی قمیص تیار کر دی ہے مگر یہ میرے کسی کام کی نہیں ہے۔ اس کے چند دنوں بعد عید تھی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک آدمی کو بلا کر اسے عنایت کر دی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ بغیر استری کے کپڑے پہننے کے عادی تھے، مگر اہل خانہ کبھی استری کر دیتے تو ناراض ہو جاتے اور فرماتے تھے استری کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

پانی کے استعمال میں احتیاط:

والد صاحب گرامی رحمۃ اللہ علیہ پانی کے استعمال کرنے میں بہت حساس تھے۔ وضو کے لئے اگر لوٹے میں پانی منگواتے تو وضو کرنے کے بعد لوٹے میں پانی بچ رہتا۔ اسی طرح غسل کے وقت بھی بہت کم مقدار میں پانی کا استعمال فرماتے۔ عموماً ایک بالٹی پانی سے غسل فرما لیتے تھے۔ علالت کے دنوں میں جب ہم نہلاتے تو بار بار تاکید فرماتے تھے کہ تھوڑا پانی ڈالو، یہ اللہ کی نعمت ہے، اس میں اسراف جائز نہیں۔

سودا سلف خود لاتے:

گھریلو سودا سلف خود خرید لاتے اور ہمیں بھی ہمیشہ یہی تاکید فرماتے کہ بازار یا دُکان سے سودا خرید کر لانا سنت طریقہ ہے، اس لئے خود جایا کرو۔ اگر ہم کسی آدمی کو بھیجنا چاہتے تو فرماتے خود کیوں نہیں جاتے ہو؟ تھوڑی بہت چیز بھی ہوتی تو جب تک صحت رہی والد گرامی قدر خود جا کر خرید لاتے۔ عموماً غریب دُکاندار سے سودا خرید فرماتے تا کہ اس کی کچھ نہ کچھ فروختگی ہو سکے۔ ہماری برادری میں نذر محمد ولد غلام حسین ایک غریب درجے کا دُکاندار تھا، اس کی دُکان باقی دُکانوں سے ہٹ کر اندر حویلی میں تھی جس کی وجہ سے اس کے پاس گاہک کم جاتے۔ وہ بے چارا اکثر مقروض اور پریشان رہتا تھا۔ والد صاحب اکثر اس کے پاس جا کر خریداری کرتے حالانکہ اس سے اکثر اشیاء نہیں ملتی تھیں اور وہ ہمارے گھر سے قدرے فاصلے پر بھی تھا۔ ایک دن میں نے کہا کہ آپ اتنا دور کیوں تشریف لے جاتے ہیں۔ فرماتے کسی غریب کے ساتھ بھلائی میں ہمارا حصہ شامل ہو جاتا ہے۔

غرباء اور مستحقین کی مالی امداد:

یہ نذر محمد ڈکاندار جب فوت ہوا تو والد صاحب گرامی کو پریشانی لاحق ہوئی کیونکہ وہ بہت مقروض تھا، بیوہ اور چھوٹے چھوٹے بچے رہ گئے تھے۔ فرماتے تھے قرض خواہ اب ان سے تقاضہ کریں گے تو یہ کہاں سے دیں گے؟ چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ چنیوٹ شہر کے چند مالدار لوگوں کو متوجہ کیا جنہوں نے اس خاندان کی مدد کی اور سارا قرضہ اتار دیا۔ اس کے علاوہ خود بھی اور حافظ شیر محمد صاحب ڈھڈھی، جو کہ مدرسہ جامعہ عربیہ چنیوٹ میں خزانچی تھے، کے ذریعے بھی مکمل تعاون فرمایا۔ آپ نے محمدی شریف قصبہ میں متعدد بیوگان، یتامیٰ اور غریب لوگوں کی فہرست بنا رکھی تھی جن کی ہر ماہ کچھ نہ کچھ امداد فرماتے تھے۔ اپنی زمین کے عشر اور زکوٰۃ وغیرہ کی مد میں بھی تعاون فرماتے اور متمول احباب کو بھی توجہ دلاتے۔ علاوہ ازیں آپ کا ایک معمول یہ بھی تھا کہ جب کوئی معتقد ہدیہ پیش کرتا تو اس کا پانچ فیصد اپنے استعمال میں کرنے سے پہلے الگ کر لیتے جو غرباء میں تقسیم کر دیا جاتا۔ یہ معمول آپ رحمۃ اللہ علیہ کا تا دمِ آخر رہا۔ بعض لوگ مہینے کے بعد رقم وصول کرنے آجاتے تو آپ فرماتے جونہی اللہ تعالیٰ انتظام فرمائیں گے، میں خود آپ کے گھر بھجوا دوں گا، غرضیکہ نادار لوگ آپ رحمۃ اللہ علیہ سے بڑی امیدیں وابستہ رکھتے تھے۔

عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم:

بندہ نے والد گرامی سے ہی اکثر کتابیں پڑھی ہیں۔ ایک دن مشکوٰۃ شریف کا سبق نمازِ ظہر کے بعد سردیوں کے موسم میں دھوپ میں بیٹھے پڑھا رہے تھے کہ حضرت ربیعہ بن اسلمی رضی اللہ عنہ انصاری کا واقعہ آ گیا جس میں انہوں نے تہجد کے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حسب معمول ایک دن وضو کروایا اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن مبارک سے لگا ہوا پانی جمع کر کے نوش کر لیا۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا ربیعہ رضی اللہ عنہ! مانگ کیا مانگتا ہے؟ اور جواب میں انہوں نے قیامت کے دن جنت میں یہی خدمت کی ڈیوٹی مانگ لی۔ جب اس سطر پر پہنچے تو حضرت والد گرامی پر رقت طاری ہو گئی اور اتنا روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔ کچھ دیر تک یہ کیفیت طاری رہی۔ پھر کتاب بند کر دی اور فرمایا وہ کس قدر سہانی گھڑی ہو گی کہ جب آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دریائے رحمت جوش میں ہو گا اور صحابی سے فرما رہے تھے کہ ربیعہ رضی اللہ عنہ جو مانگنا ہے مانگ لو۔ اس کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ پر عشق ومحبت کی ایسی وارفتگی طاری ہوئی کہ سبق ترک کر دیا۔ فرمایا میری طبیعت پر بوجھ ہے، کل سبق پڑھاؤں گا۔

''محمد نافع'' شرکیہ نام ہے، ایک غیر مقلد کا اعتراض اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کا جواب:

ایک دن گرمیوں کے موسم میں والد گرامی بندہ کو سبق پڑھا رہے تھے، ایک صاحب تشریف لائے۔ ننگا

سر، طویل اللحیہ اور شلوار کا پائنچہ ٹخنوں سے بہت اوپر موٹی پنڈلیوں تک چڑھا ہوا تھا جس سے اندازہ ہوا کہ کوئی مسلک اہل حدیث سے تعلق رکھتا ہے۔ کمرے سے باہر عموماً ایک تخت پوش نما پھٹہ سا پڑا ہوتا تھا، والد گرامی سبق کے دوران آنے والے مہمانوں کو اس پر بیٹھ کر انتظار کرنے کا حکم فرما دیتے کہ جب سبق ختم ہوگا تو ملیں گے، لیکن آنے والا اگر کوئی عالم دین یا پڑھا لکھا شخص ہوتا تو اسے اندر بلا کر ایک طرف بیٹھنے کا اشارہ فرما دیتے۔ شخص مذکور بھی چونکہ ظاہراً پڑھا لکھا محسوس ہو رہا تھا، اس لئے اسے بھی اپنے پاس ایک طرف بٹھا دیا۔ جب سبق ختم ہوا تو والد صاحب اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس نے ایک ہاتھ سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا کہ میرے ذہن میں ایک اشکال ہے، وہ رفع فرما دیں۔ وہ یہ کہ آپ کا نام ''محمد نافع'' مشرکانہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات نافع ہے، محمد ﷺ کی نہیں۔ لہٰذا آپ یہ مشرکانہ نام تبدیل کر دیں۔ والد گرامی یہ سن کر خلافِ طبیعت طیش میں آ گئے اور فرمایا کہ تجھے حضور اکرم ﷺ سے کوئی نفع نہیں ہوا؟ مجھے تو آپ ﷺ کی بابرکت ذات سے بہت زیادہ نفع ہوا ہے۔ اس دنیا میں سارا فیض حضور ﷺ ہی کا تو ہے؟ یہ کلمہ، ایمان، قرآن، علم دین، اللہ کی معرفت، صحابہ و اہل بیت کی محبت، یہ میری تدریس، تصنیف، تقریر سب کا سب مدنی کریم ﷺ کا فیض ہے۔ کیا آپ نے کبھی کلمہ نہیں پڑھا؟ اور کیا مسلمان ہونے کی حیثیت سے تم پر حضور ﷺ کا کوئی احسان نہیں ہے؟ بس اتنا کہنا تھا کہ وہ خاموشی سے اٹھا اور جوتے پہن کر چلتا بنا۔ اس کے جانے کے بعد آپ پر بڑی عجیب سی کیفیت طاری ہوئی۔ رونے لگے اور فرماتے تھے یہ کیسے لوگ ہیں کہ حضور ﷺ سے ان کو کوئی نفع نہیں ہوا؟

اہلِ بیتؓ سے محبت:

والد گرامی ہر سال ۱۰ ویں محرم الحرام کو اہتمام و التزام کے ساتھ جلسہ منعقد کرواتے۔ یہ جلسہ دار العلوم جامعہ محمدی میں اب بھی ہوتا ہے اور اس کا عنوان ''فضائل و مناقب اہل بیت'' ہوتا ہے۔ علماء کرام اور نعت خوان تشریف لاتے ہیں اور مناقب اہل بیت بیان کرتے ہیں۔ ہم نے جب سے ہوش سنبھالا مذکورہ جلسہ ہر سال دیکھتے چلے آ رہے ہیں۔ اس جلسہ کا مقصد یہ بیان فرماتے تھے کہ اردگرد کے مضافاتی علاقوں میں شیعوں کی مجالس منعقد ہوتی ہیں اور سنی لوگ تماش بین کے طور پر وہاں چلے جاتے ہیں۔ اس لئے ہمیں اپنا جلسہ کرنا چاہیے تا کہ جس قدر ہو سکے لوگ اپنے علماء کرام سے مستفید ہوں اور اہل تشیع کی مشرکانہ مجلسوں سے بچ سکیں۔ جب تک صحت مند رہے، جلسہ میں آخری بیان خود فرماتے تھے سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہوئے اکثر آبدیدہ ہو جاتے تھے۔

سادات کا احترام:

حضرت والد گرامی سادات کا بہت احترام کرتے تھے۔ ہمارے گاؤں میں سادات کا ایک خاندان آباد

ہے جو نہایت مفلوک الحال یعنی غریب لوگ ہیں لیکن مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ دونوں بھائیوں کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ جب کبھی خوشی، غمی کے موقع پر کھانا وغیرہ تیار ہوتا تو برادری کے گھروں میں تقسیم کرنے سے پہلے وہاں بھجواتے اور تاکیداً پوچھتے تھے کہ وہاں کھانا بھجوایا ہے یا نہیں؟ ایک دفعہ مہمان خانہ جو لنگر خانہ کے نام سے معروف ہے، کی صفائی کے لئے ایک دن بندہ نے چند طلبہ کی ڈیوٹی لگادی۔ ان میں ایک لڑکا جعفر شاہ کا بیٹا اختر شاہ بھی تھا، اچانک والد گرامی القدر تشریف لائے تو دیکھا کہ اختر شاہ بھی صفائی کر رہا ہے تو اس کو بلایا اور دس روپے دے کر وہاں سے بھگا دیا۔ جب میں آیا تو بہت ناراض ہوئے کہ تم سیدوں سے صفائی کرواتے ہو؟ حالانکہ مشہور یہ تھا کہ جعفر شاہ کی بیوی شیعہ ہے مگر اس کے باوجود بھی اس سید لڑکے کو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے عزت دی۔

سادات کے احترام کا دوسرا واقعہ:

تھانہ موچی والا ضلع جھنگ کا رہائشی ایک شخص سید شاہ نامی اکثر و بیشتر مع خاندان ہمارے ہاں آیا رہتا تھا۔ والد صاحب گرامی اس کی بڑی آؤ بھگت کرتے تھے۔ ایک دن ان کا داماد اور بھتیجا بچوں سمیت آیا اور آکر کہا کہ میں اینٹوں کے بھٹہ پر مزدوری کرتا تھا لیکن بھٹہ کی دیوار میرے اوپر آگری جس کی وجہ سے میرا بازو زخمی ہو گیا ہے، زیادہ مشقت والا کام مجھ سے نہیں ہوتا، لہٰذا آپ مجھے جانوروں کو چارہ ڈالنے کے لئے تنخواہ پر ملازم رکھ لیں، میں اس وقت بالکل بے روزگار ہوں اور میرا کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے۔ مجھے بھی اتفاقاً اُن دنوں ایک ملازم کی ضرورت تھی۔ میں نے تنخواہ وغیرہ طے کر کے اسے جانوروں کو چارہ وغیرہ ڈالنے کی ڈیوٹی پر مامور کر دیا۔ جب حضرت والد صاحب کو پتہ چلا تو مجھے بلایا اور ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہوئے فرمایا کہ تو نے سید زادے کو نوکر رکھ لیا ہے؟ اور وہ بھی جانوروں کو چارہ ڈالنے اور گوبر اٹھانے کے لئے؟ فوراً ریاض شاہ کو ملازمت سے برخاست کرو کہ کوئی اور کام کرے۔ جب والد گرامی کا جلال نسبتاً کم ہوا تو میں نے کہا کہ وہ بیمار آدمی ہے، صاحب عیال ہے، اگر ہم اس کو نہیں رکھیں گے تو وہ پہلے ہی پریشان ہے، اور ہمارے پاس امید لے کر آیا ہے۔ اب وہ کیا کرے گا؟ یہ کہیں سادات خاندان سے زیادتی نہ ہو جائے، اگر کچھ معاونت لے کر ہم ان کے بچوں کو کھانا، کپڑا مہیا کرتے رہیں اور مالی خدمت بھی ہوتی رہے تو میں نے تو اس نیت سے ان کو روزگار مہیا کیا تھا، اگر آپ کا حکم ہے تو میں فارغ کر دیتا ہوں۔ والد گرامی کچھ دیر خاموش رہے، پھر فرمایا چلو ان کو رکھ لیں، مگر نرمی سے کام لیں۔ ان کو پابند نہ کریں۔ اپنی مرضی سے جو کام کرسکیں کرنے دیں۔ مذکورہ وعدہ لے کر مجھے اجازت دے دی بلکہ ساتھ یہ تاکید بھی فرمائی کہ اس کے زخمی بازو کا علاج کروائیں۔ چنانچہ میں نے تعمیل ارشاد میں ہسپتال سے اس کا علاج کروایا تو اللہ کے فضل سے صحت یاب ہو گیا۔

اساتذہ کا احترام:

حضرت والد گرامی اپنے اساتذہ کا بہت احترام فرماتے تھے۔ حضرت مولانا سید احمد شاہ صاحب چوکیروی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے جب بھی تشریف لاتے تو ان کا بے حد احترام کرتے اور ہدیہ پیش فرماتے۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے بڑے صاحبزاد مولانا سید قاسم شاہ صاحب بخاری تو عالم اور متدین تھے مگر دوسرے دونوں صاحبزادگان بشیر شاہ صاحب اور غلام علی شاہ صاحب اس درجہ میں فائق نہیں تھے، لیکن آپ ان کا بھی پورا پورا احترام کرتے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ وقتی طور پر اپنے پاس کچھ نہ ہوتا تو ادھار رقم لے کر ان کو ہدیہ ضرور پیش فرماتے۔ ایک مرتبہ میں نے کہہ دیا کہ یہ ہدیہ دینا کوئی فرض یا واجب تو ہے نہیں، اگر ہوں تو دے دیا کریں اور نہ ہوں تو ادھار اٹھانے کا تکلف کیوں فرماتے ہیں؟ یہ سن کر حضرت والد گرامی جلال میں آگئے اور فرمایا میں کوئی تجھ سے لے کر ہدیہ دیتا ہوں جو تم معترض ہو رہے ہو؟ یہ میرا اپنے استاد محترم کی اولاد سے معاملہ ہے، تم اس میں دخل نہ دیا کرو۔

دوسرے مذاہب و مسالک کے علماء کرام سے رواداری:

۱۹۸۰ء کے عشرے کی بات ہے کہ ایک دن آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس نماز ظہر کے بعد میں سبق پڑھ رہا تھا، سردیوں کا موسم تھا اور باہر دھوپ میں بیٹھے تھے۔ ایک مولانا صاحب تشریف لائے۔ انہوں نے سیاہ رنگ کی شیروانی پہنی ہوئی تھی اور سر پہ کلف لگا سفید عمامہ باندھ رکھا تھا جس کا ایک طرہ اوپر کو اٹھا ہوا تھا اور دوسرا کمر کی جانب لٹکا ہوا تھا۔ ان کی خشخشی سی داڑھی تھی اور بڑے نستعلیق قسم کے انسان تھے۔ آتے ہی والد گرامی سے مصافحہ کیا اور اپنا تعارف کروایا کہ میرا تعلق مذہب شیعہ سے ہے۔ میرا نام غلام محمد ہے اور گوجرانوالہ کا رہائشی ہوں نیز شیعہ مذہب کا مبلغ ہوں۔ آپ کی کتب اور علمیت کا شہرہ سن رکھا تھا، آج جھنگ جانا ہوا تو واپسی پر آپ کی زیارت اور ملاقات کا خیال آ گیا۔ حضرت والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے بھیجا کہ جاؤ ان کے اکرام کا بندوبست کرو۔ چنانچہ میں چائے مع لوازمات لے کر آیا۔ جاتے وقت انہوں نے کتب طلب کیں، اس وقت جو مطبوعہ کتب موجود تھیں وہ بلا قیمت ہدیہ کر دیں اور نہایت پرتپاک انداز میں الوداع کیا۔

مولانا غلام رسول رضوی کی آمد:

۸۰ء ہی کے عشرہ کی بات ہے کہ گرمیوں کے موسم میں جامعہ محمدی کے دارالضیوف میں شیخ الحدیث مولانا غلام رسول صاحب رضویؒ، (جامعہ رضویہ جھنگ بازار فیصل آباد) ٹھہرے ہوئے تھے، رضوی حضرات عموماً متشدد مزاج ہوتے ہیں۔ جب والد گرامیؒ قدر کو پتہ چلا کہ شیخ الحدیث صاحب یہاں مقیم ہیں تو خود جا کر ان سے

ملاقات کی اور کافی دیر ان کے پاس بیٹھے رہے۔ پھر ان کو کتب خانہ لے آئے اور لائبریری کا معائنہ کرایا۔ وہ والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ سے بہت متاثر ہوئے اور جب رخصت ہونے لگے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ ساتھ چل کر تانگہ تک گئے اور سوار کروا کر واپس آئے۔ حالانکہ جامعہ رضویہ کے بانی و مہتمم مولانا سردار احمد صاحب سے جب مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ ملاقات کرنے فیصل آباد گئے تھے تو انہوں نے ملنے سے ہی انکار کر دیا تھا اور کہا تم وہابی پرور ہو، تم نے اپنے جامعہ میں دیوبندی مدرسین رکھے ہوئے ہیں۔ اس لئے میں ملاقات نہیں کرسکتا۔ حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناراض ہو کر واپس آ گئے تھے۔ اسی مدرسہ کے شیخ الحدیث صاحب کو والد گرامی دو فرلانگ پیدل چل کر تانگے پر سوار کرانے گئے حالانکہ شیخ الحدیث مولانا غلام رسول صاحب رضوی بھی متشدد طبیعت کے مالک تھے۔

تقویٰ اور پرہیز گاری:

والد گرامی قدر اور تقویٰ و طہارت لازم و ملزوم ہو کر رہ گئے تھے۔ آپ زہد و اتقاء کا نہایت خوبصورت نمونہ تھے۔ پوری زندگی ایسی گزاری کہ دنیاوی آلائشیں اور آسائشیں آپ رحمۃ اللہ علیہ کو چھو کر بھی نہیں گزری ہوں گی۔ حرص و ہوس، دنیاوی چیزوں کی تمنا اور روپے پیسے جمع کرنے کا شوق کبھی آپ کے آئینہ دل کو آلودہ نہ کرسکا۔ بہت قناعت کے ساتھ زندگی گزاری، تنگ دستی کا وقت بھی آیا تو صبر و رضا کی خاموش تصویر بن جاتے۔ کبھی کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں فرماتے تھے، معاملات کی صفائی بہت زیادہ تھی، اپنے حلقۂ اثر میں سے کبھی کسی سے کوئی چیز طلب نہیں کرتے تھے، بس اپنے علمی کام سے کام رکھتے تھے یا عبادات و وظائف میں مشغول رہتے۔ پوری زندگی کسی سے جھگڑا نہیں ہوا، اپنے ہر ملاقاتی اور مجھے معاملات کی صفائی کی بہت تاکید فرماتے تھے، کہ آج کل لوگ عبادات کا پھر بھی کچھ نہ کچھ خیال رکھتے ہیں، مگر معاملاتِ مالی یا دیگر کا بالکل خیال نہیں رکھتے۔ معاشرے کے بگاڑ کی اصل وجہ یہ ہے کہ لوگ حقوق العباد کا خیال نہیں کرتے۔ حضرت والد گرامی کے پاس بسا اوقات مشترکہ رقم ہوتی تھی یعنی دوسرے بھائیوں مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ صالح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی حصہ ہوتا تھا تو بوقت ضرورت آپ رحمۃ اللہ علیہ اس مشترکہ رقم میں سے بھی خرچ نہ کرتے بلکہ ادھار لے لیتے۔ فرماتے تھے جب تک رقم تقسیم ہو کر اپنا حصہ نہ مل جائے تب تک مشترکہ رقم میں سے صَرف کرنا دیانت کے خلاف ہے۔ صدقات اور زکوٰۃ کی کثیر رقم پاس ہوتی مگر اس میں سے خرچ نہ کرتے بلکہ فرماتے یہ رقم بطور امانت ہے اور اس کا استعمال خیانت کے مترادف ہے۔ حالانکہ وہ بوقتِ ضرورت خرچ کرنا ہوتی تھی اور بعد میں ذاتی رقم واپس کر دینا بھی ہوتی تھی مگر پھر بھی ایسا قطعاً نہ کرتے۔ بندہ کے ذمہ جب زراعت کی ذمہ داری سپرد ہوئی تو والد گرامی عشر نکالنے کی ہر وقت تاکید فرماتے تھے، جونہی فصل برداشت کا وقت آتا تو حکم دیتے کہ سب سے پہلے عشر ادا کرو، بعد میں اس کی رقم دوسرے امور میں خرچ کرنا۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ فروخت شدہ فصل کی رقم دیر سے وصول ہوتی تو اپنے پاس سے

فصل کا حساب کر کے عشر ادا کر دیتے اور بعد میں مجھ سے عشر کی مد میں رقم وصول فرما لیتے۔ فرماتے تھے عشر و زکوٰۃ کی ادائیگی میں مجھ سے تاخیر برداشت نہیں ہوتی۔ گھریلو زیورات کی زکوٰۃ رمضان المبارک میں التزام سے نکالتے اور کبھی بندہ حساب میں تاخیر کرتا تو ڈانٹ پلا دیتے اور ناراض ہو جاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے حقوق ادا کرنے میں تساہل ہوتے ہو؟

نمازِ تہجد پر دوام:

میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے حضرت والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کو تہجد کی نماز پورے اہتمام اور باقاعدگی سے پڑھتے دیکھا ہے۔ کبھی میں آپ کے کمرے میں سوجاتا تو رات کو آہستہ سے بیدار ہو کر دروازہ کھولتے اور خود وضو کا انتظام فرماتے۔ اس وقت ہاتھ سے پانی کھینچنے والے نلکوں کا رواج تھا۔ نماز میں قرأت لطف لے لے کر کرتے اور کئی آیاتِ قرآنیہ کو تکرار سے تلاوت کرتے اور الحاح وگریہ زاری بہت کرتے تھے۔ نماز تہجد کے بعد اوراد میں مشغول ہو جاتے۔ والد گرامی جب دعا مانگتے تو ذرا اونچی آواز سے مانگتے اور اپنی طویل دعا کا اختتام خاتمہ بالخیر کے جملوں پر کرتے۔ والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ اکثر دعا میں فرماتے تھے: یا اللہ! بندہ کو اپنے دین کی خدمت کے لئے قبول فرما اور جو میں خدمتِ دین کر رہا ہوں اس کو شرف قبولیت عطا فرما اور مزید کام کرنے کی توفیق عطا فرما۔ پھر توبہ و استغفار کرتے ہوئے اپنی اولاد کے لئے دعا فرماتے۔ میں نے والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کو کئی بار نماز تہجد کے بعد مناجات کرتے دیکھا ہے مگر کبھی دعا میں دنیاوی وسعتِ رزق یا منفعت کے متعلق الفاظ نہیں سنے۔ گریہ زاری کر کے گناہوں کی معافی طلب کرتے اور توبہ و استغفار کے ساتھ خاتمہ بالایمان کی دعا یا پھر وفاعِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خدمت کی قبولیت کی دعا فرماتے۔ میں نے اپنے والد گرامی کو دنیاوی معاملات خاموشی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہمیشہ دیکھا ہے۔

بیعت کی خواہش کرنے والے کو جواب! ایک ایمان افروز واقعہ:

ایک مرتبہ گرمی کے موسم میں جب میں کتاب لے کر والد گرامی کے کتب خانہ میں جانے لگا تو باہر تخت پوش پر چودھری ثقلین چدھڑ رئیس آف ٹاہلی منگینی کو بیٹھے روتے ہوئے دیکھا۔ میں نے اُن سے علیک سلیک کی۔ وہ مسلسل رو رہے تھے۔ میں نے وجہ پوچھی مگر وہ کچھ نہ بتا سکے بلکہ ساکت ہو کر بیٹھے روتے رہے۔ میں نے اندر جا کر حضرت والد صاحب کو بتایا کہ چودھری ثقلین چدھڑ صاحب باہر بیٹھے رو رہے ہیں، والد صاحب گرامی نے فرمایا ''وہ بے وقوف ہے'' اس کے بعد مزید میں بھی پوچھنے کی جرأت نہ کر سکا اور یہی قیاس کیا کہ شاید کسی بات پر حضرت والد صاحب گرامی نے جھڑک دیا ہوگا۔ کچھ دیر بعد چودھری صاحب اٹھے اور اپنی گاڑی میں بیٹھ کر چلے

گئے۔ میرے لئے یہ بات معمہ رہی کہ خدا جانے کیا معاملہ ہے؟ چودھری ثقلین چدھڑ ایک جاگیردار آدمی تھا، ان کے ماموں چودھری دلاور خان ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں ایم پی اے منتخب ہوئے تھے۔ ان سے بھی ہمارے قریبی تعلقات تھے اور والد صاحب سے بہت عقیدت رکھتے تھے۔ کچھ دنوں کے بعد میں کسی کام کی غرض سے بھوانہ شہر گیا تو سرِ راہ چودھری ثقلین مرحوم سے میری ملاقات ہوگئی۔ میں نے خیر و عافیت کے تبادلہ کے بعد پھر ان سے اس دن کے رونے کی وجہ پوچھی، تب انہوں نے راز کھولا کہ دراصل میں آپ کے والد صاحب سے بیعت کرنے حاضر ہوا تھا۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ آپ مجھے بیعت کرلیں، میری بہت خواہش ہے، تو آپ کے والد گرامی مولانا محمد نافع صاحب نے فرمایا کہ میں اس قابل نہیں ہوں کہ تمہیں بیعت کروں، آپ کسی اہل اور قابل بندہ کی بیعت کریں۔ میں نے جب بہت زیادہ اصرار کیا تو فرمانے لگے: ''اللہ کے بندے مجھے اپنا پتہ نہیں کہ قیامت کے دن میرا کیا حشر ہونے والا ہے، تو میں لوگوں کو کیسے بیعت کرتا پھروں؟'' آپ رحمۃ اللہ علیہ کے یہ الفاظ سن کر میرے اوپر رقت طاری ہوگئی، بالکل سہم کر رہ گیا اور سوچا کہ اتنا بڑا متقی و پرہیز گار عالم اپنے متعلق یہ کہہ رہا ہے تو ہم جیسے دنیا داروں کا کیا بنے گا اور ہم کہاں جائیں گے؟ بس باہر آ کر میں رونے لگ گیا اور میرے دل و دماغ پر مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی عاجزی اور خدا خوفی کی ہیبت بیٹھ گئی۔ میں نے چودھری صاحب سے کہا کہ حضرت والد گرامی بیعت نہیں کرتے صرف وظائف و اوراد بتاتے ہیں۔ مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ بھی بیعت نہیں کرتے تھے، صرف وظائف و اوراد بتا دیتے تھے جس سے اس شخص کی ہمارے بزرگوں کے ساتھ ایک نسبت قائم ہوجاتی ہے۔

شفقت علی الخلق کا ایک واقعہ:

ایک دفعہ میں اپنے والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ شام کا کھانا کھا رہا تھا، تب میری عمر سات یا آٹھ سال کی ہوگی۔ ہم چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ ہمارا معمول تھا کہ ہم کھانا حضرت والد گرامی کے ہمراہ کھایا کرتے تھے۔ اچانک ایک کتا صحن میں آ کر ہماری چارپائی سے کچھ فاصلے پر کھڑا ہوگیا۔ چونکہ صحن کھلا اور دیہاتی ماحول کا ہے اس لئے عام طور پر کھانا کھاتے وقت کوے اور دیگر پرندے اکٹھے ہوجاتے یا پھر کوئی کتا بھی ادھر سے آ دھمکتا تھا۔ حضرت والد صاحب گرامی نے روٹی کا ایک ٹکڑا کتے کی طرف ڈال دیا۔ میں چونکہ بچہ تھا، شرارت سوجھی تو میں نے والد گرامی کا عصا اٹھا کر (جو چارپائی کے پاس ہی پڑا تھا) کتے کو مار دیا۔ یہ والد صاحب کو ناگوار گزرا آپ نے مجھے زوردار چپت رسید کردیا۔ میں رونے لگ گیا۔ ہماری والدہ محترمہ نے قبلہ والد صاحب گرامی سے شکوہ کیا کہ بچے کو آپ نے کیوں مارا ہے؟ تو فرمایا کہ اس نے ایک خاموش سائل کو کیوں مارا ہے؟ اس کو بھی ہماری طرح بھوک لگتی ہے اور اس کو بھی ہماری طرح درد ہوتا ہے۔ والد صاحب گرامی کتوں، پرندوں اور دوسرے جانوروں کو خاموش سائل قرار دیتے تھے اور جب کھانا کھاتے ہوئے کوئی پرندہ یا کتا نہ آتا تو پریشان ہوجاتے تھے کہ آج

کوئی خاموش سائل نہیں آیا۔ والد صاحب گرامی روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بنا کر چھت پر پرندوں کے لئے ڈال دیتے تھے اور روٹی کے چند پیس بنا کر گلی کے نکڑ پر کتوں کے لئے ڈال دیتے۔ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کا مزاج تھا کہ جب بچوں والی کتیا کا پتہ چلتا تو اس کے ٹھکانے پر جا کر روٹی ڈال آتے اور صبح جب آپ ناشتہ کرنے بیٹھتے تو کووں کا ایک غول آپ کی چارپائی کے پاس جمع ہو جاتا تھا اور آپ ان کو کھلا کر بہت خوش ہوتے تھے۔ آپ کی شفقت علی الخلق بے مثال اور لائق دید و تقلید تھی۔

شریعت مطہرہ اور فقہی مسائل پر عمل زندگی کا معمول تھا:

شریعت مطہرہ پر عمل ان کی ساری زندگی کا معمول رہا اور آپ کی زندگی شریعت کے نور سے معمور تھی۔ دین کی کسی بات کو بھی معمولی نہ سمجھتے تھے اور اولاد و معتقدین کو بھی اس پر عمل کرنے کی تاکید فرماتے۔ آپ کے معمولات اور لوگوں سے معمولات میں شریعت کو فوقیت حاصل تھی۔ معاشرتی رسم و رواج ان کی زندگی کے معمولات پر کبھی بھی اثر انداز نہ ہو سکے۔ خوشی و غمی کی قبیح رسومات پر عمل تو دور کی بات، دوسروں کو بھی سختی سے منع فرماتے تھے۔ شادی کے موقع پر ''نیوتا'' کو بالکل ناجائز قرار دیتے تھے اور اپنی برادری میں اس رسم قبیح پر عمل نہیں کروانے دیتے تھے۔ شریعت پسندی پر اگر کوئی ناراض بھی ہو جاتا تو اس کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ اس پر ایک واقعہ پیش خدمت ہے۔

یہ ۱۹۷۰ء کی دہائی کی بات ہے کہ جامعہ محمدی شریف کا ایک رقبہ غالباً موضع سلمان تھانہ بھوانہ میں تھا جو کسی آدمی نے جامعہ کے لئے وقف کیا ہوا تھا، یہ موضع محمدی شریف گاؤں سے کوئی ۱۵ کلومیٹر یا اس سے زیادہ فاصلے پر واقع ہے۔ اس لئے اس کی دیکھ بھال مشکل تھی۔ مہتمم جامعہ اور ہمارے تایا جان مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ نے مشورہ کر کے اس رقبہ کو فروخت کرنا چاہا تاکہ محمدی شریف کے قریب ایک موضع دورہٹہ میں متبادل جگہ خرید لی جائے۔ ایک شخص جس کا نام غالباً چودھری محمد دین تھا، ان کو یہ رقبہ پسند آیا تو اس سے معاملہ طے کر کے بطور بیعانہ کے پیشگی رقم ۱۰ ہزار روپے جامعہ کے نائب ناظم چودھری برکت علی شمیم کے ذریعہ جامعہ کے دفتر میں جمع کروادی اور بقیہ کل ادائیگی تاریخ مقررہ پر مشتری نے ادا کرنا تھی۔ مگر اس سے پہلے ہی مشتری یعنی محمد دین طے شدہ معاہدہ سے منحرف ہو گیا اور اس نے کہا کہ رقبہ مہنگا ہے اس لئے میں نہیں خرید سکتا۔ اب پنچائتی اصول کے مطابق بیعانے والے ۱۰ ہزار روپے وہ واپس نہیں لے سکتا تھا کیونکہ اگر جامعہ معاہدے سے منحرف ہوتا تو دُگنی رقم یعنی ۲۰ ہزار روپے ادا کرنا پڑتے تھے اس لئے مشتری زر بیعانہ واپس لینے کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا مگر دوسری طرف شریعت مطہرہ کی روشنی میں وہ پیشگی رقم جامعہ نہیں رکھ سکتا تھا، واپس کرنی شرعاً ضروری تھی۔ اب یہ ایک تنازع کھڑا ہو گیا۔ چودھری برکت علی شمیم نے مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کو اس بات پر لگا دیا کہ بیعانہ کی رقم واپس کرنے میں جامعہ کا نقصان

ہے کیونکہ کوئی دوسرا خریدار اس قیمت پر یہ رقبہ نہیں خریدے گا اور وہ سوچے گا کہ پہلے خریدار نے اس لئے معاہدہ توڑا ہے کہ یہ رقبہ کم قیمت ہے یا اس میں نقص ہے تو زمین کی قیمت گر جائے گی۔ لہٰذا محمد دین کو بطور جرمانہ یہ رقم دس ہزار واپس نہیں کرنی چاہیے اور دنیاوی خرید و فروخت کا بھی یہی اصول ہے۔ اُدھر محمد دین نے بھی بڑی کوششیں کیں کہ بیعانے کی رقم واپس مل جائے اور اس نے بڑی سفارشیں بھی کروائیں مگر مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کوئی بات سننے کے لئے تیار نہ تھے کیونکہ انہیں عشق کی حد تک جامعہ سے محبت تھی اور وہ جامعہ کا نقصان کسی صورت برداشت نہیں کر سکتے تھے اور چودھری برکت علی شمیم نے ان کی اس دُکھتی رگ کو دبا دیا تھا۔ اب چودھری محمد دین حضرت والد صاحب گرامی کے پاس آ گیا اور کہا کہ میں غریب آدمی ہوں، اتنا نقصان برداشت نہیں کر سکتا۔ لہٰذا آپ یہ رقم واپس کروائیں، شرعاً بھی وہ یہ رقم واپس کرنے کے پابند ہیں۔ تو حضرت والد صاحب گرامی نے مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ سے بات کی مگر وہ نہ مانے اور مروّتاً خاموش ہو گئے اور جواباً فرمایا کہ یہ معاملہ برکت علی شمیم کے پاس ہے، اس سے طے کر لیا جائے، بس جامعہ کا نقصان نہیں ہونا چاہیے۔ مختصر یہ کہ حضرت والد صاحب گرامی نے اس پر ایک استفتاء لکھا اور مختلف علماء کرام کو جواب کے لئے ارسال کر دیا۔ جس میں پیر کرم شاہ صاحب بھیروی رحمۃ اللہ علیہ سمیت مختلف مسالک کے علماء کرام نے فتویٰ دیا کہ شرعاً یہ بیعانہ ضبط کرنا غلط ہے، واپس کرنا ضروری ہے۔ مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت والد صاحب سے وہ فتاویٰ لے کر برکت علی شمیم کو دیئے کہ ان کو سامنے رکھ کر کوئی فیصلہ کریں۔ ایک دن دوپہر کو جبکہ حضرت والد صاحب مجھے سبق پڑھا رہے تھے کہ اچانک برکت علی صاحب بغل میں فائل دابے آئے، علیک سلیک کی اور پھر کھڑے کھڑے دلائل دینا شروع کر دیئے کہ فلاں جگہ معاہدہ ہوا اور بیعانہ کی رقم ضبط کی گئی اور فلاں جگہ بھی یوں ہوا۔ ابھی اس نے بات مکمل نہیں کی تھی کہ والد صاحب محترم انتہائی طیش میں آ گئے اور فرمایا کہ میں شریعت محمدی کی بات کرتا ہوں اور توں دنیا کی بات کرتا ہے؟ میں نے تمام مسالک کے علماء کرام کے فتاویٰ لا کر دکھا دیئے ہیں کہ اسلامی نقطہ نظر سے آپ بیعانہ کی رقم ضبط نہیں کر سکتے اور نہ میں آپ کو ضبط کرنے دوں گا۔ میرے کمرے سے باہر نکل جاؤ ورنہ میں تمہیں مارنے سے بھی دریغ نہیں کروں گا۔ ساتھ ہی والد صاحب نے اپنے عصا کی طرف ہاتھ بڑھایا تو شمیم صاحب نے فرار ہونے میں ہی عافیت سمجھی اور دوسرے دن چودھری محمد دین کو اس کے دس ہزار روپے واپس کر دیئے۔

برکت علی شمیم صاحب ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر تھے اور محمدی شریف انٹر کالج کے پرنسپل رہے۔ اس وقت ان کے بڑے لڑکے چودھری مسعود صاحب محکمہ ٹیلی فون میں بڑے افسر تھے اور ۱۹۶۰ء کی دہائی میں انہوں نے چنیوٹ سے لائن نکلوا کر قصبہ محمدی شریف میں ٹیلی فون لگوایا تھا۔ اسی طرح دوسرے بیٹے فیصل آباد ڈویژن کے ڈائریکٹر محکمہ تعلیم تھے اور تیسرے بیٹے گورنمنٹ کالج فیصل آباد میں پروفیسر تھے۔ ان کی اہمیت کے پیشِ نظر یہ

تعارف کروایا گیا ہے مگر حضرت والد صاحب گرامی نے شریعت مطہرہ کے معاملہ میں ان کو ایک پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہ دی اور ڈانٹ کر باہر نکال دیا، بلکہ شرعی مسئلہ پر ان سے عمل کروا کے رہے۔

اپنے ہم عصر علماء کی نظر میں مقام:

یہ ۱۹۸۸ء کی بات ہے، بندہ نے جامعۃ الاسلامیۃ العالمیۃ اسلام آباد میں ایم اے عربی میں داخلہ لیا۔ اگرچہ والد صاحب کی اس میں نیم رضامندی شامل تھی کیونکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش تھی کہ میں دورۂ حدیث مکمل کر کے ایک ذی استعداد مدرس بنوں لیکن بعض وجوہ سے میری طبیعت ادھر مائل نہ ہوئی۔ اس لئے اسلام آباد بین الاقوامی یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ مجھے اس بات کا برملا اعتراف ہے کہ اتنی بڑی علمی شخصیت کے آغوش میں پرورش پانے اور موقوف علیہ تک ان سے تعلیم حاصل کرنے کے باوجود والد گرامی کی صحیح عظمت و مرتبہ کا اندازہ نہ کر سکا۔ موقوف علیہ کے تین اسباق میں نے دیگر اساتذہ سے پڑھے جن میں مولانا محمد شریف صاحب، مولانا قاضی نصیرالدین مدظلہ گنگوی شامل ہیں۔ یہ دونوں حضرات بھی دارالعلوم دیوبند کے فضلاء تھے۔ مجھے پہلے پہل والد گرامی کی علمی عظمت کا اندازہ اسلام آباد جا کر ہوا۔ اس سلسلہ میں چند ایک واقعات پیش کرتا ہوں:

بندہ اسلام آباد میں تھا تو حضرت والد صاحب کا خط ملا کہ ایک کتاب جو فنِ رجال پہ تھی اور مصر کی مطبوعہ تھی (مجھے اب اس کا نام یاد نہیں رہا) فرمایا اس کی دو جلدیں محمدی شریف میں موجود ہیں، تیسری اور چوتھی درکار ہے۔ تم اسلام آباد کی کسی لائبریری سے پتہ کر کے بتاؤ، میں نے پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ مذکورہ کتاب ''اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ'' کی لائبریری میں موجود ہے۔ اسلامی یونیورسٹی میں دو قسم کی لائبریریاں تھیں۔ ایک عام اساتذہ اور طلبہ کے لئے اور دوسری خاص تحقیقی لائبریری تھی جس کا نام آئی آر آئی (اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ) ہے۔ اس کی ممبر شپ مخصوص لوگوں کو دی جاتی تھی، اسلامی یونیورسٹی کے اساتذہ و طلبہ حضرت والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کو جانتے تھے۔ ان سب سے رابطہ کیا اور کتاب کے حصول کے لئے کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ جن اساتذہ کی اس لائبریری کی ممبر شپ تھی ان کو بھی انہوں نے یہ کتاب جاری کرنے سے انکار کر دیا۔ سب ساتھیوں نے بندہ سے معذرت کر دی کہ اس کتاب کا حصول مشکل کام ہے۔ میں بہت پریشان ہوا کہ اتنی واقفیت کے باوجود لائبریری میں موجود کتاب میں والد صاحب گرامی کے لئے حاصل نہیں کر پا رہا۔ والد صاحب کیا فرمائیں گے کہ چند دن کے لئے بھی ایک کتاب تم نہ لا سکے؟ ادھر دوستوں نے کہا کہ آپ والد صاحب کو کہیں کہ آپ خود چند دنوں کے لئے اسلام آباد تشریف لے آئیں اور کتاب سے استفادہ کر لیں۔ اس بہانہ سے ہم بھی ان کی زیارت کر لیں گے۔ خیر اس دوران میرے ایک کلاس فیلو ممتاز سدیدیؔ نے مشورہ دیا، یہ سدیدیؔ صاحب موصوف مولانا عبدالحکیم شرف قادری کے بیٹے تھے، جو ابھی کچھ عرصہ پہلے جامعۃ الازہر مصر سے پی ایچ ڈی کر کے واپس آئے ہیں۔ انہوں نے

مجھے کہا کہ میرے والد صاحب کے ملنے والے یہاں اسلامی تحقیقی ادارہ میں ایک ریسرچ آفیسر ہیں ان سے ہی متعلقہ یہ لائبریری ہے، ان سے جا کر بات کرتے ہیں، شاید کام ہو جائے۔ میرے ذہن میں مولانا عبدالحکیم شرف قادری صاحب کا کوئی اچھا تاثر نہیں تھا کیونکہ یہ ایک متشدد اور متعصب قسم کے عالم تھے۔ ان کا ایک واقعہ میں آئندہ سطور میں ذکر کروں گا۔ اس لئے میں نے سوچا کہ قادری صاحب کا یہ دوست بھی ایسا ہی ہوا تو کام کہاں بنے گا؟ میں نے سدیدی صاحب سے کہا یہ مشکل لگ رہا ہے، مگر ان کے اصرار پر میں بادل نخواستہ ان کے ساتھ چل پڑا۔ قادری صاحب کے ملنے والے یہ صاحب جن کا نام حافظ محمد طفیل تھا، وہاں تحقیقی مقالہ جات لکھتے تھے اور ''فکر ونظر'' میں عموماً ان کے مقالے بھی شائع ہوتے تھے اور وہ کئی کتابوں کے مصنف بھی تھے جو اسلامی تحقیقی ادارہ کی طرف سے چھپی تھیں۔ ہم دونوں ان کے دفتر گئے، ان سے جا کر مصافحہ کیا اور کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ سدیدی صاحب نے اپنے والد صاحب کا حوالہ دیا اور تعارف کرایا تو میں نے محسوس کیا کہ انہوں نے کوئی خاص توجہ نہیں کی بلکہ واجبی سے انداز میں ان سے ان کے والد صاحب کی خیریت دریافت کی۔ جب سدیدی صاحب نے میرا تعارف کروایا کہ یہ مولانا محمد نافع صاحب کے بیٹے ہیں تو طفیل صاحب فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور دوبارہ مصافحہ کر کے چائے وغیرہ کا آرڈر دیا۔ میں بڑا حیران تھا کہ انہوں نے اپنے مسلک اور دوست کے بیٹے سے زیادہ مجھے عزت کیوں دی؟ لیکن والد صاحب کا نام سنتے ہی وہ جھٹکے سے کھڑے ہوئے تو سمجھ آئی کہ یہ سب حضرت والد صاحب کی وجہ سے ہے۔ پھر وہ کافی دیر تک حضرت والد گرامی کی خیریت دریافت کرتے رہے اور پوچھتے رہے کہ آج کل کس موضوع پہ کام کر رہے ہیں؟ آپ اسلام آباد کیسے آئے ہیں؟ میں نے انہیں بتایا کہ میں نے اور سدیدی صاحب نے ایم اے عربی میں داخلہ لیا ہے۔ والد صاحب نے خط کے ذریعہ مجھے ایک کتاب بھیجنے کا حکم فرمایا مگر وہ آپ کی لائبریری والے ایشو نہیں کر رہے ہے۔ انہوں نے فوراً ٹیلی فون اٹھایا اور نگران سے کہا کہ فلاں کتاب میری میز پر پہنچاؤ۔ چند منٹ کے بعد میری مطلوبہ کتاب سامنے تھی۔ جس کتاب کے حصول کے لئے میں پورے دو ہفتے تگ و دو کرتا رہا اب وہ پانچ منٹ میں حاصل ہو گئی تھی۔ حافظ محمد طفیل صاحب نے یہ کتاب میرے سپرد کرتے ہوئے کہا کہ جانتے ہو یہ کتاب میں آپ کو کیوں دے رہا ہوں؟ اس لئے کہ میں آپ کے والد صاحب کی علمی عظمت سے واقف ہوں۔ اگرچہ ان سے تعارف یا ملاقات تا حال نہیں ہوئی۔ ہم لوگ ان کے علمی کام سے روزانہ فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ خصوصاً ''رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ'' سے جتنا فائدہ میں نے حاصل کیا شاید ہی کسی نے کیا ہو۔ آپ کے والد صاحب کے علمی کام سے ہم تو ہر روز فوائد سمیٹیں اور جب ان کو ہمارے علمی تعاون کی ضرورت پڑ جائے اور ہم تساہل برتیں تو یہ بڑی ہی شرم کی بات ہے اور ہمارے لئے باعثِ ندامت ہے۔ پھر بتایا کہ میرا تعلق فیصل آباد سے ہے، میرا ایک عزیز چند ماہ محمدی شریف میں قرآن مجید حفظ کرتا رہا ہے۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ

محمدی شریف گاؤں دریا کے کنارے واقع ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ مولانا محمد نافع صاحب نے دریا کے کنارے بیٹھ کر وہ علمی کام کیا جو ہم اسلام آباد میں بیٹھ کر نہیں کر سکے بلکہ ان سے استفادہ واستفاضہ کے محتاج ہیں۔ کہنے لگے یہ کتاب دے کر میں نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی ہے۔ اب آپ بعد از استفادہ یہ کتاب واپس لوٹاتے ہیں یا میرے اعتماد وعقیدت کو ٹھیس پہنچاتے ہیں، یہ آپ پر منحصر ہے۔ اس کے بعد بھی میرا ان سے رابطہ رہا۔ کئی اور کتب ان سے لیتا اور پھر واپس کرتا رہا۔ بعض نادر کتب کی حضرت والد صاحب کی مکمل فوٹو کاپی کروا لیتے تھے۔ اسلامی تحقیقی لائبریری سے قبلہ والد صاحب نے بہت استفادہ کیا، اللہ ان کو جزاء خیر عطا فرمائے۔ بعینہ یہی الفاظ ایک دفعہ مولانا سعید احمد جلالپوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کہے تھے کہ جو کام مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے دور افتادہ گاؤں میں بیٹھ کر کر دیا ہے، وہ ہم لوگ کراچی جیسے شہر میں بھی نہیں کر سکے۔ مولانا جلالپوری ایک مرتبہ والد صاحب سے ملاقات کے لئے آئے تو کچا کمرہ دیکھ کر اور درختوں کے سایہ میں بیٹھ کر بہت متاثر ہوئے تھے۔

مولانا عبدالحکیم شرف قادری کا ایک مضمون:

مولانا عبدالحکیم شرف قادری سے میری بدظنی کی وجہ ایک یہ بھی تھی کہ ایک بار جامعہ محمدی سے شائع ہونے والے رسالہ ماہنامہ ''الجامعہ'' میں ان کا ایک مضمون ''اسلامی سیاست'' کے زیرِ عنوان شائع ہوا۔ میں اس وقت بی اے کے امتحان کی تیاری کے سلسلہ میں جامعہ کے ایک کمرہ میں رہائش پذیر تھا۔ شمارہ کی اشاعت کا مہینہ تو مجھے اب مستحضر نہیں تاہم یہ ۱۹۸۰ء کی دہائی کی بات ہے۔ ''اسلامی سیاست'' کا عنوان دیکھ کر میں نے سوچا کہ اس میں اسلامی سیاست اور مروّجہ سیاست کا موازنہ کیا گیا ہوگا مگر بعد از مطالعہ میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ قادری صاحب نے پہلے پیراگراف میں تحریک خلافت میں حصہ لینے والوں کو گالیاں دیں اور تین یا چار صفحات کے اس مضمون میں نمبر لگا کر اکتالیس گالیاں درج کیں جبکہ جامعہ کے بانی ہمارے تایا محترم مولانا ذاکر رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے مرشد حضرت ثالث خوجہ ضیاء الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریک خلافت میں بھرپور حصہ لیا تھا، بلکہ اس زمانہ میں اس خطہ میں خانقاہ سیال شریف مرکز کی حیثیت رکھتا تھا اور انگریز کی اس مرکز پہ خاص نظر تھی۔ [1] میں نے سوچا کہ یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ بانی رسالہ وجامعہ کو اس رسالہ میں گالیاں دی جا رہی ہیں اور ان کے پیر ومرشد کو بھی گالیوں سے نوازا جا رہا ہے جبکہ جامعہ کے کارپردازان مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ صاحب سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کو مجاہد ملت قرار

---

[1] تحریک خلافت کی تائید میں سیال شریف سے متعدد کتابچے بھی شائع ہوتے رہے جن میں سے ایک معروف رسالہ ''اعلان واجب الاذعان'' مطبوعہ ۲ر رجب ۱۳۳۹ھ ہے، جو حضرت خواجہ ضیاء الدین سیالوی کی ایک مطبوعہ تقریر ہے اور اس میں جمعیت علماء ھند کی مکمل حمایت کا اعلان کیا گیا تھا۔ یہ تقریر سید عطاء اللہ شاہ بخاری متوطن موضع ناگڑیاں ضلع گجرات نے قلمبند کر کے حضرت خواجہ صاحب کے حکم کی تعمیل میں ''شوق الیکٹرک پریس لاہور'' سے چھپوا کر تقسیم کی تھی۔

دیتے ہیں کہ انہوں نے تحریک خلافت میں صعوبتیں اٹھا کر کلمۂ حق بلند کیا تھا۔ قادری صاحب کے اس مضمون نے مجھے ان سے متاثر ہونے کی بجائے بدظن کر دیا۔

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کے ہاں مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی قدر و قیمت:

ایک بار جامعہ فریدیہ اسلام آباد میں مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب تشریف لائے اور مغرب کے بعد آپ کا بیان ہوا۔ اس وقت مولانا محمد عبداللہ صاحب لال مسجد والے حیات تھے، تب مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فیڈرل شریعت کورٹ کے جسٹس تھے۔ ہماری رہائش کویت ہاسٹل میں تھی جو جامعہ فریدیہ کے قریب ہے۔ ہم نے بیان سنا، بعد میں حضرت مفتی صاحب ملنے والوں کے درمیان بیٹھ گئے۔ لوگ مصافحہ کر رہے تھے، ہم تمام ساتھی بھی مصافحہ کے لئے آگے بڑھے اور بندہ نے اپنا تعارف کروایا کہ میں مولانا محمد نافع صاحب کا بیٹا ہوں، مفتی صاحب والد صاحب کا نام سنتے ہی فرطِ جذبات سے کھڑے ہو گئے، میرے ساتھ معانقہ کیا اور پھر مجھے اپنے ساتھ بٹھا لیا، بڑی دیر تک حضرت والد صاحب کی خیر و عافیت پوچھتے رہے۔ جب رخصت ہونے لگے اور علماء کرام آپ کو گاڑی تک چھوڑنے گئے تو مفتی صاحب نے مجھے فرمایا کہ آگے چلیں، میں نے مارے شرم کے انکار کیا تو میرا بازو پکڑ کر آگے کر دیا۔ میرا سر ندامت سے جھک گیا کہ اتنے بڑے عالم دین مجھے اپنے سے آگے چلنے کا کہہ رہے ہیں، جبکہ میری حیثیت ان سے ایک شاگرد جتنی بھی نہیں تھی۔ گاڑی میں بیٹھتے وقت دوبارہ میرے ساتھ بغلگیر ہوئے اور پھر رخصت ہو گئے۔ یہ دراصل حضرت والد صاحب کی عزت و توقیر کی جا رہی تھی جن کی علمی رفعت اور تحقیقی منہج کی وجہ سے ایسے قدآور اہل علم نام سنتے ہی محبت کے پھول برسانے لگ جاتے تھے۔ واپسی پہ ہمارا ایک پٹھان دوست تھا جس کا نام ''املی جان'' تھا وہ بلوچستان کا رہائشی، دارالعلوم کراچی کا فاضل اور اب اسلامی یونیورسٹی میں ایل ایل بی شریعت اینڈ لاء کا طالب علم تھا۔ اس نے خالص تحکمانہ انداز میں کہا تم ہم سے آگے چلو، ہم آپ کے پیچھے چلیں گے، کیونکہ میرے استاذ اور میرے شیخ نے آپ کو عزت دی، اب ہم بھی ایسے ہی آپ کو عزت دیں گے۔ میں نے انہیں سمجھایا کہ میں اس قابل قطعاً نہیں ہوں کہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی جیسی شخصیت میری تکریم کریں، یہ تو درحقیقت میرے والد صاحب کا اکرام کر رہے تھے، لیکن ''املی جان'' کا دماغ ایسی حقیقت قبول کرنے سے انکاری رہا اور مجھے آگے کر کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ اس کے بعد جب کبھی وہ مجھے دیکھتا تو کھڑا ہو جاتا اور کہتا تھا میرے شیخ نے آپکے والد صاحب کی تکریم کرتے ہوئے آپ کو عزت دی تھی، اب میں اپنے شیخ کی اس ادا کو زندہ کرتا رہوں گا۔ بلا مبالغہ عرض ہے کہ میرے والد گرامی کو لوگ دل سے چاہتے تھے، اور ان کی ان سے محبت و عقیدت درجہ کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ یہ محبت صحابہ اور دفاع صحابہ رضی اللہ عنہم کا فیضان تھا کہ والد گرامی لوگوں کے دلوں میں اپنا مقام پیدا کر گئے۔

مولانا محمد ضیاء القاسمی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اپنا تعارف مولانا محمد نافع کے حوالہ سے کروایا کریں!

۱۹۹۰ء یا ۹۳ء کی بات ہے کہ متحدہ علماء کونسل کے زیر اہتمام حکومت پاکستان نے شریعت بل کے متعلق وزیر اعظم سیکرٹریٹ میں علماء کی ایک کانفرنس بلائی جس میں پورے ملک سے سرکردہ علماء حضرات جمع ہوئے تھے۔ ہمارے ہاتھ بھی اس کے دعوت نامے لگ گئے تھے۔ چنانچہ ہم چند ساتھی بھی شریک ہوئے۔ اس دوران مختلف علماء کرام کے علاوہ مولانا محمد ضیاء القاسمی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مصافحہ ہوا تو میرے ایک دوست جو جھنگ کے رہنے والے تھے، نے میرا تعارف کرواتے ہوئے کہا کہ یہ مولانا رحمت اللہ صاحب ایم این اے کے چچازاد بھائی ہیں لیکن مولانا ضیاء القاسمی رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی خاص توجہ نہ دی لیکن جب میں نے بتایا کہ میں مولانا محمد نافع کا بیٹا ہوں تو انہوں نے فوراً مجھے سینے سے لگالیا اور کہا کہ اپنا تعارف والد گرامی کے حوالہ سے کروایا کرو، ان کا بہت بڑا مقام ہے۔ اہل علم ان کی قدر کرتے ہیں۔ یہ قومی اسمبلی کی ممبری عارضی اور آنی جانی چیز ہے۔ میرے ساتھی کو بڑا احساس ہوا کہ واقعی مجھے سیاسی تعارف نہیں بلکہ والد گرامی کے حوالہ سے کروانا چاہیے تھا۔

مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی واپس پلٹے اور بغلگیر ہوئے:

اسی موقع کی بات ہے کہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی اور مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی دونوں برادرانِ ذی شان بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ میں جب مولانا مفتی محمد تقی عثمانی سے ملا تو اس دوران مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب آگے بڑھ چکے تھے۔ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے آواز لگائی کہ واپس آیئے مولانا محمد نافع صاحب کے بیٹے آئے ہوئے ہیں۔ تب مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب واپس لوٹ آئے اور میرے ساتھ بغلگیر ہو کر نہایت پرتپاک انداز میں ملے۔ میرے ساتھی طلبہ ششدر رہ گئے کہ ایسے بڑے بڑے علماء کرام کے ہاں آپ کے والد گرامی کی اتنی وقعت و منزلت ہے کہ نام سنتے ہی ان کے قدم رُک جاتے ہیں۔

مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی دیانت کا واقعہ:

ایک مرتبہ اسلام آباد میں میریوٹ ہوٹل یا غالباً ''اسلام آباد ہوٹل'' میں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے موضوع پر ایک سیمینار منعقد ہوا جس کی صدارت مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی رحمۃ اللہ علیہ نے کی تھی۔ سیمینار میں زیادہ تر حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے باہمی تعلقات وغیرہ کو مخصوص کیا گیا تھا۔ میں بھی سننے چلا گیا۔ اس میں مختلف لوگوں نے اپنے اپنے مقالہ جات پیش کیئے جن میں اسلامی یونیورٹی کے بعض پروفیسرز بھی تھے۔ ظفر اللہ بیگ صاحب اور عبدالرحیم بلوچ کے نام اس وقت میرے ذہن میں محفوظ ہیں۔ ان تمام مقالہ نگاروں نے والد گرامی کی کتاب ''رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ'' حصہ سوم میں سے من وعن عبارتیں نکال کر اپنے مقالے

ترتیب دیئے مگر حضرت والد صاحب کا نام تک نہ لیا اور بزعم خویش وہ خود کو بڑا مذہبی سکالر، محقق، نقاد اور بہت کچھ بنا کر پیش کر رہے تھے۔ میں دل ہی دل میں ہنس بھی رہا تھا اور افسوس کناں بھی تھا، تا آنکہ آخر میں مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کا وقتِ خطاب آ گیا تو انہوں نے دلائل دیتے ہوئے آخر میں کہا کہ میں نے جتنی بھی گفتگو کی ہے اس کا ماخذ مولانا محمد نافع صاحب کی کتاب ''رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ'' ہے۔ جب سیمینار ختم ہوا تو ظفر بیگ صاحب کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے مع عبدالرحیم بلوچ میرے پاس آئے اور کہا کہ ہم نے بھی اپنے مقالہ جات ''رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ'' سے ہی نقل کیئے تھے مگر نہ معمولی ترمیم کر سکے، نہ آپ کے والد صاحب کا نام لے سکے۔ مگر مولانا فاروقی صاحب نے بڑی جرأت کی ہے۔ میں نے کہا یہ اُن کا بڑا پن اور ایک عالم کے لائق شان ہے جبکہ آپ نے مذکورہ حرکت کر کے ذہنی سطح کے ساتھ ساتھ اپنی علمی استعداد کا پردہ بھی چاک کر دیا ہے۔

''ذاکر و نافع'' دونوں بھائیوں کی بے مثال محبت!

ان دونوں بھائیوں کے باہمی اکرام، لحاظ اور محبت کے واقعات تو بے شمار ہیں، یہاں فی الوقت ایک واقعہ پیشِ خدمت ہے:

مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خادم تھا جس کا نام ''عابد حسین'' تھا، مگر مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ نے تبدیل کر کے خادم حسین رکھ دیا تھا۔ مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کو آخری عمر میں رعشہ ہو گیا تھا اور چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے تھے تو آپ گھر سے دارالعلوم جامعہ محمدی شریف تک وہیل چیئر پر جاتے تھے اور یہ خادم حسین آپ کو لے کر جاتا تھا۔ خادم حسین مرحوم بتایا کرتے تھے کہ ایک دن بعد نماز عصر حسب معمول میں مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کو گھر سے جامعہ کی طرف لے کر جا رہا تھا، ہم نے تقریباً نصف رستہ طے کر لیا تھا (یاد رہے کہ گھر سے جامعہ تقریباً دو فرلانگ کے فاصلے پر ہے) تو مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ دوسری طرف یعنی جامعہ سے گھر کی طرف آ رہے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں کتابوں کی بھاری گٹھڑی تھی جسے آپ بستہ کہتے تھے۔ معمول یہ تھا کہ والد صاحب گرامی عصر کی نماز پڑھا کر گھر آ جاتے اور مولانا محمد ذاکر صاحب گھر سے جامعہ چلے جاتے۔ جب ان دونوں بھائیوں کا آمنا سامنا ہوا تو مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے فرمایا کہ بھائی صاحب کا بستہ کافی وزنی ہے، تم میری وہیل چیئر یہاں کھڑی کر دو اور پہلے ان کا بستہ اٹھا کر انہیں گھر چھوڑ آؤ۔ خادم حسین کہتا ہے کہ پہلے تو میں نے توجہ نہ دی کیونکہ رستے میں ان کو ٹھہرانا حفاظتی حوالہ سے غیر محفوظ تھا مگر جب مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ نے بہت زیادہ اصرار کیا تو میں انہیں ایک سائیڈ پر چھوڑ کر بھاگا بھاگا مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور کہا کہ آپ کتابیں مجھے دے دیں تا کہ گھر چھوڑ آؤں۔ تو مولانا نافع صاحب ناراض ہو گئے کہ تم نے میرے بڑے بھائی کو معذوری کی حالت میں اکیلا چھوڑ دیا اور خود یہاں آ گئے؟ میں تو صحت مند اور چلتا پھرتا ہوں، جلدی جاؤ اور مولانا صاحب کو مدرسہ میں پہنچاؤ۔ خادم حسین نے پھر

واپس دوڑ لگا دی۔ جب مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچا تو وہ شدید ناراض ہوئے کہ اتنی بھاری کتابیں تم نے زبردستی کیوں نہ اٹھالیں؟ دوبارہ جاؤ اور پہلے ان کو چھوڑ کر آؤ، میں یہاں ٹھہرا رہوں گا۔ اب خادم حسین پھر مولانا محمد نافع صاحب کے پاس آ گیا حالانکہ وہ کافی آگے جا چکے تھے اور کہا کہ حضرت فرماتے ہیں پہلے مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کو گھر چھوڑ کر آؤ۔ اب مولانا محمد نافع صاحب نے برہمی کا اظہار شروع کر دیا کہ تم کیسے بے وقوف ہو؟ ان کے ہاتھ کانپتے ہیں، ضعف غالب ہے اور تم راستہ میں چھوڑ کر پھر میرے پیچھے چلے آتے ہو؟ جاؤ بھائی صاحب کو چھوڑ کر آؤ، میں چلا جاؤں گا۔ خادم حسین کہتا ہے کہ جب معاملہ یہاں تک پہنچا تو میں نے رونا شروع کر دیا کہ ایک بھائی اُدھر بھیجتا ہے، دوسرا ادھر بھیج دیتا ہے، اب میں کس کی مانوں اور کس کی نہ مانوں؟ چنانچہ میں روتے ہوئے پھر مولانا ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچا اور کہا کہ حضرت آپ دونوں بھائیوں کو ایک دوسرے کی تکلیف کا احساس ہے مگر میں اب کس کی حکم عدولی کروں؟ کیونکہ کام تو ایک ہی ہو سکتا ہے۔ تو مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''بھائی صاحب (محمد نافع) بہت بڑے ولی اللہ اور متقی و صالح ہیں، ان کی خدمت کیا کر۔'' اس کے بعد مجھے وہیل چیئر آگے لے جانے کی اجازت ملی۔ مولانا محمد ذاکر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس وقت قومی اسمبلی میں ممبر بھی تھے اور اسلام آباد پارلیمینٹ میں وہیل چیئر پر تشریف لے جاتے تھے۔[1]

---

[1] یادداشتیں صاحبزادہ غلام ابوبکر صدیقی۔

باب دوازدہم

اوصافِ حمیدہ وخصائلِ حسنہ

اسلام میں کسی بھی آدمی کی حقیقی واقعی دائمی اور غائبانہ عزت اور قدر ومنزلت اس کے حسن عمل، سیرت و کردار اور اوصاف وخصائل حمیدہ کی بنیاد پر ہے نہ کہ اس کے حسن صورت، رنگ ونسل، خاندان، مال و دولت، حکومت وسلطنت یا جاہ ومرتبہ کی بنیاد پر۔ جس کی تفصیل کا یہ مقام متحمل نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح انسانی تاریخ اس امر پر بھی گواہ ہے کہ معاشرے میں ہمیشہ حقیقی عزت واحترام اور مرنے کے بعد بھی یاد اور خدمات کا اعتراف ہمیشہ انہی لوگوں کے حصہ میں آیا جو صرف اپنے اور اپنے اہل خانہ کے لئے نہیں بلکہ خلق خدا کے لئے نفع رسانی کا کام کرتے رہے۔ ان کے دل میں کوئی ذاتی مفاد، کوئی غرض اور کوئی لالچ نہ تھا بلکہ انہوں نے ہمیشہ خلوص دل سے انسانیت کی خدمت کی۔ رذائل اخلاق سے گریزاں رہے اور ان کی زندگی اخلاق حسنہ اور اوصاف وخصائل حمیدہ سے عبارت تھی۔ ''مشک آن باشد کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید'' کے مصداق انہوں نے اپنے اوصاف حمیدہ اور فضائل کریمہ کے بل بوتے پر معاشرے سے اپنی عظمت کا لوہا منوایا۔

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کا شمار بھی یقیناً ایسے ہی لوگوں میں ہوتا ہے۔ ان کے کچھ حسن اخلاق اور عادات کا تذکرہ ''عام اخلاق، عادات اور معمولات'' کے باب میں صاحبزادگان کی زبانی گزر چکا ہے۔ یہاں مزید ان کے چند ایسے اوصافِ حمیدہ وخصائلِ حسنہ کی نشاندہی کرنے کی کوشش کی گئی جن کا اظہار ان کی ڈائریوں، یادداشتوں اور طرزِ عمل سے ہوتا ہے۔

عقیدت ومحبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم:

کلمہ طیبہ کا لازمہ اور خاصہ ہے کہ جو آدمی ایک دفعہ خلوصِ دل سے پڑھ لیتا ہے اس کا دل محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے خالی نہیں ہوتا۔ درجات میں تفاوت ایک الگ بحث ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امت محمدیہ نے اپنے رسول مکرم ومحتشم سے والہانہ عقیدت ومحبت اور جاں نثاری وفداکاری کی ایسی داستانیں رقم کی ہیں کہ ان کی مثال مذہبی اور انسانی تاریخ میں نظر نہیں آتی۔ پھر جو آدمی قرآن وسنت کی روشنی میں محبت رسول کی اہمیت وضرورت، فضیلت اور برکات وثمرات کو بھی سمجھتا ہو اور اللہ نے اسے ہدایت بھی عطا فرما رکھی ہو تو اس کے قلب وباطن کا محبت رسول سے سرشار ہونا یقینی امر ہے۔

اس پہلو کے حوالے سے جب ہم مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی اور حالات کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ آج کل کی محبت رسول کی مروجہ رسوم کے تو زیادہ پابند نظر نہیں آتے مگر در پردہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انتہائی عقیدت ومحبت رکھتے ہیں جس کا ثبوت خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے لئے ان کا وظائف اور عمل کرنا اور جگہ جگہ حضور کی شان میں منقول عمدہ قسم کے عربی، فارسی اردو اشعار قصیدے اور نعتیں نقل کرنا ہے اور یہ بات محبت کی علامات میں داخل ہے کہ "مَنْ اَحَبَّ شَيْئًا اَكْثَرَ ذِكْرَهٗ" جس آدمی کو کسی شے سے محبت ہوتی ہے وہ اس کا ذکر کثرت سے کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا کے ہاتھ کی لکھی ہوئی بڑے سائز کے صفحات کی ایک بیاض اس وقت راقم کے سامنے ہے جو ۳۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں تین چار صفحات چھوڑ کر باقی تمام صفحات پر زیارۃ نبوی سے مشرف ہونے کے لئے بعض اعمال اور پھر مولانا جامی، شیخ سعدی، بوصیری اور دوسرے شعراء کی ایمان افروز نعتیہ رباعیاں، قصائد اور نعتیہ کلام درج ہے۔ اسی طرح ستر سالہ ڈائریوں میں بھی کئی جگہ اس قسم کے منتخب نعتیہ اشعار اور قصائد ملتے ہیں۔ ظاہر ہے جس آدمی کے دل میں محبت رسول نہ ہو وہ طبعی فطری اور قدرتی طور پر اتنا تکلف اور تردد ہر گز نہیں کرے گا اور نہ اتنے اوراق سیاہ کرے گا۔ مذکورہ ساری بیاض کا یہاں نقل کرنا تو طوالت کا باعث ہوگا تاہم اثبات دعویٰ کے لئے چند چیزوں کا اندراج ضروری ہے۔

چنانچہ اس بیاض کے شروع شروع میں زیارۃ نبوی کا شرف حاصل کرنے کے لئے ۔۔ دستور العلماء عبد النبی احمد ۔۔ کے حوالے سے ایک مخصوص نماز یعنی نوافل کا طریقہ درج کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

صلوٰۃ برائے تشرف زیارۃ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

وھی اربع رکعات بتشھدین وتسلیمۃ واحدۃ تقرأ فی کل رکعۃ فاتحۃ الکتاب و انّا انزلناہ عشر مرّات وتسبح خمسۃ عشرۃ مرۃ (سبحان اللہ والحمد للہ ولاَ الٰہ الاَّ اللہ واللہ اکبر) ثم ترکع وتقول ثلاث مرّات سبحان ربی العظیم وتسبح فی الرکوع عشر مرّات ثم ترفع رأسك وتسبح ثلاث مرّات ثم تسجد وتسبح خمس مرّات ثم ترفع رأسك ولیس فیما بین السجدتین شیئ ثم تسجد ثانیا علی ما وصف الی ان یتم اربع رکعات بتسلیمہ واحدۃ۔

فاذا فرغت من الصلوٰۃ فلا تکلم حتّٰی تقرأ فاتحۃ الکتاب عشر مرّات وانا انزلنا عشر مرّات ثم تسبح ثلاثا وثلٰثین ثم تقول جزی اللہ محمدًا عنّا ما ھو اھلہ فانہ اھل التقویٰ واھل المغفرۃ۔

(دستور العلماء لعبد النبی احمد جلد ثالث تحت من رأنی فقد رأی الحق ص ۳۴۲، المیم مع النون طبع دائرۃ المعارف، دکن۔)

زیارت نبوی کے لئے ایک دوسرا عمل ''مرقع کلیمی'' کے حوالے سے فارسی میں یوں درج ہے:

''چوں خواہی کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم یا دیگرے را از موتیٰ در خواب بینی کہ خبر دہد از التفاتیکہ واشتہ باشی وضو تمام کن ولباس طاہر بپوش وبخواں واللیل ہفت بار وسورۃ اخلاص ہفت بار وبگو اللھم ارنی فی منامی چنیں چنیں واجعل لی من امری فرجا ومخرجا وارزقنی فی منامی ما استدل بہ علی اجابتہ دعوتی در اول شب یا دوم یا ہفتم و ایں از اسرار مخزونہ است'' (مرقع کلیمی ص ۴۸، مترجم، طبع دہلی)

اسی طرح زیارۃ نبوی کے لئے ایک عمل ''نشر الطیب'' سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

تشرف زیارۃ: لیلۃ الجمعۃ دو رکعۃ نفل بایں طور خواند کہ در ہر رکعت یازدہ بار آیۃ الکرسی و یازدہ بار اخلاص بعد از فاتحہ خواندہ وتمام کند بعد از سلام صد بار درود ذیل بخواند

اللھم صلی علی محمد النبی الامی وآلہ واصحابہ وبارك وسلم (نشر الطیب)

الغرض زیارت نبوی کے لئے اس طرح کے چند اور اعمال ووظائف بھی درج ہیں۔ اب قیاس یہی ہے کہ ان اعمال ووظائف پر عمل بھی ہوتا ہوگا اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ انہیں کتنی بار زیارت نبوی کا شرف حاصل ہوا ہوگا۔

اب آجایئے نعتیہ کلام کی طرف۔ تو سب سے پہلے دمیری کی حیوۃ الحیوان سے ایک حمد درج کی ہے۔ پھر اسی صفحہ پر درج ذیل دو نعتیہ رباعیاں لکھی ہیں:۔

ان کل مدح فی النبی مقصرا وان بالغ المثنی علیہ واکثرا
اذا اللہ اثنی بالذی ھو اھلہ علیہ فما مقدار ما تمدح الوریٰ

جبکہ دوسری رباعی ہے:

امر علی الدیار دیار لیلیٰ اقبل ذالجدار و ذا الجدارا
وما حب الدیار شغفن قلبی ولکن حب من سکن الدیارا

مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کی معروف نعت ''نسیما جانب بطحا۔۔الخ'' لکھتے ہوئے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کا یوں مظاہرہ کیا ہے کہ اس میں لفظ محمد کی جگہ ''حبیبم'' لاتے ہوئے حاشیے میں لکھا ہے: ''صراحتہ نام مبارک کی جگہ لفظ حبیب بہتر ہے۔'' اور اس سے شعر کا وزن بھی نہیں ٹوٹتا۔

۱ نسیما جانب بطحا گزر کن ز احوالم محمد (حبیبم) را خبر کن
۲ توئی سلطان عالم یا محمد (حبیبی) ز روئے لطف سوئے من نظر کن
۳ ببر ایں جان مشتاقم در آنجا فدائے روضۂ خیر البشر کن
۴ مشرف گرچہ شد جامی ز لطفش خدایا ایں کرم بار دگر کن

عربی کی وہ پوری نعت لکھی ہے جس کے ابتدائی دو اشعار آج بھی روضۃ النبی پر رقم ہیں:

۱ یا خیر من دفنت فی القراب اعظمه   فطاب من طیبهن السهل والجبل

۲ نفسی الفداء لقبر انت ساکنه   فیه الهدیٰ والندیٰ والعلم والعمل

ایک جگہ ''التجا'' کے عنوان سے لکھا ہے:

الٰهی نجّنی من کل ضیق   بجاه المصطفٰی مولی الجمیع

وهب لی فی مدینته قراراً   بایمان و دفن بالبقیع

ـ کے بود یا رب کہ رو در یثرب و بطحا کنم   گہ بمکہ منزل و گہ در مدینہ جا کنم

از گدایانِ تو ام شاہ بفرما مددے (کرمے)   کہ چوں مرغان حرم در حرمت جا گیرم

ـ نبی الهدیٰ ضاقت بی الحال فی الوریٰ   وانت لما املت فیک جدیر

فسل خالقی تفریج کربی فانه   علی فرجی دون الانام قدیر

نشر الطیب فی ذکر الحبیب میں کتاب ''من روض النظیف'' سے منظوم ''الشمائل النبویہ'' کوئی ساڑھے چھ صفحات پر درج کئے ہیں اور آخر میں بریکٹ کے اندر دستخط کے ساتھ ''عازم حرمین شریفین'' بھی لکھا ہے۔ شاید حج پر جاتے ہوئے بحری رستے میں کہیں لکھے ہیں۔ اس کے بعد مذکورہ کتاب سے منظوم شکل میں تین صفحات پر ''معجزات النبی'' لکھنے کے بعد قصیدہ بردہ شریف لکھا ہے۔ پھر ''کلیات جامی'' سے محبت نبوی سے بھرپور اور استغاثۂ رسول پر مشتمل درج ذیل اشعار لکھے ہیں:

غریبم یا رسول اللہ غریبم   ندارم در جہان جز تو حبیبم

مرض دارم ز عصیاں لا دوائے   مگر الطاف تو باشد طبیبم

بریں نازم کہ ہستم اُمت تو   گنہگارم و لیکن خوش نصیبم

زمہجوری بر آمد جان عالم   ترحم یا نبی اللہ ترحم

نہ آخر رحمۃ للعالمینی   ز محروماں چرا فارغ نشینی

(جامیؒ)

اس کے بعد ملفوظات شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے یہ رباعی درج کی ہے:

یا رسول اللہ نمی گویم کہ مہمان توام   من فقیرے طعمہ خوارے ریزہ خوان تو ام

بر لب او فتادہ زباں گرگیں سگے ام تشنہ جاں   آرزو مندے نمی از بحر احسان تو ام

پھر ایک رباعی میں یوں بارگاہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سلام پیش کیا گیا ہے:

سلامی یا رسول اللہ سلامے فرستادم بدرگاہست پیامے
خدا را سوئے مشتاقاں نگاہے پیالے گر نہ باشد گاہے گاہے

اس کے ساتھ ایک ''نوٹ'' کی صورت میں یہ عالمانہ وضاحت بھی کی ہے کہ
''اہل علم کی اصطلاح میں اس طرح کا خطاب کلام میں علیٰ طریق نصب العین ہوتا ہے۔ فافہم''

امام زین العابدین سے منقول بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں یہ استغاثہ بھی اسی بیاض کا حصہ ہے:

ان نلت یاریح الصبا یومًا الی ارض الحرم بلّغ سلامی روضةً فیھا النبی المُحترم
من وجھه شمس الضحٰی من خدہ بدر الدجی من ذاته نور الھدیٰ من کفه بحر الھمم
اکبادنا محرومة من سیف ھجر المصطفیٰ طوبیٰ لاھل بلدة فیھا النبی المحتشم

ایک اور ایمان افروز رباعی ملاحظہ ہو:

وفدت علی الکریم بغیر زاد من الحسنات والقلب السلیم
فحمل الزاد اقبح کل شیء اذا کان الوفود علی الکریم

۱۹۵۲ء کی ذاتی ڈائری کی یکم تاریخ میں عزت بخاری کا یہ شعر درج ہے:

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

اسی طرح ۱۹۵۴ء کی ڈائری کا آغاز نئے سال کی خیر کی دعا کے ساتھ مولانا جامی کے اس محبت رسول رحمۃ اللہ علیہ سے بھرے شعر سے ہوتا ہے:

نسخۂ کونین را دیباچہ اوست جملہ عالم بندگان و خواجہ اوست

الغرض مولانا کی مخصوص بیاض میں درج بالا نعتیہ رباعیوں، کلام، اشعار اور قصائد سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا کے دل میں عقیدت ومحبت رسول کے کتنے جذبات موجزن تھے۔ علاوہ ازیں ہر سال ۱۲ ربیع الاول کی رات اور ۲۷ رجب کی رات باقاعدگی سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاد میں محمدی شریف میں جلسوں کے انعقاد اور ان میں خصوصی تبرک کی تقسیم کے انتظام کے پیچھے بھی ان کی محبت رسول ہی کارفرما تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاد میں ہر سال یہ دو اجلاس تو محمدی شریف کی جامع مسجد میں ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ ربیع الاول میں دوسرے دیہاتوں اور دوسری مساجد میں بھی وقتاً فوقتاً میلاد نبوی اور سیرت نبوی کے جلسوں میں شرکت فرماتے اور بیان بھی فرماتے۔ مثلاً

(الف) ۱۲ ربیع الاول ۱۳۷۱ھ/ ۱۲ دسمبر ۱۹۵۱ء (بروز بدھ) کی یادداشت میں درج ہے:

''رات بدھ اور صبح ۱۲ بجے تک چک خیرو آنہ کھوکھراں اجلاس میلاد نبوی قائم رہا۔ مولوی محمد خان،

مولانا منظور عالم اور بندہ شریک حال ہوئے۔ میاں محمد ملک نے سارا اہتمام کیا۔''

(ب) ۱۰ ربیع الاول ۷۳ ۱۳ھ/ ۱۸ نومبر ۱۹۵۳ء کی ڈائری کے مطابق کئی دیہاتوں میں سیرت کے اجلاس منعقد کرنے کے ساتھ ساتھ ''ہفتہ سیرت'' منانے کا پروگرام بنایا گیا۔ چنانچہ لکھا ہے:

''سیرت کے اجلاس امسال ٹھٹہ نہرہ، سمندری، بھوانہ کرنے کا پروگرام بنایا گیا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ آئندہ کیلئے ہفتہ مکمل سیرت کا منایا جانا چاہئے۔ علاقہ میں متعدد اجلاس مسلسل ہوں۔ سیرت طیبہ کے ساتھ ساتھ مدح صحابہ جاری رہے۔ اسی طرح عشرہ محرم کا اہتمام بھی لازمی ہے تاکہ تبلیغ کسی رنگ میں کسی طریقہ سے ہو سکے۔''

(ج) ۱۳ ربیع الاول ۷۴ ۱۳ھ/ ۱۰ نومبر ۱۹۵۴ء کی ڈائری میں موجود ہے:

''سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجلاسوں کے سلسلے میں آج رخصت ہے۔ پکی وکچی مسجد اور قلعہ کنگراں میں اور جامعہ میں جلسے ہوں گے۔ کچی مسجد کا اجلاس ہم نے کیا۔ باقی باقی احباب کر رہے ہیں۔''

(د) ربیع الاول ۷۵ ۱۳ھ میں سیرت کے جلسوں کیلئے پیشگی پروگرام بنایا۔ چنانچہ ۲۰ صفر ۷۵ ۱۳ھ/ ۷ اکتوبر ۱۹۵۵ء کی یادداشت کے مطابق مولانا احمد بخش ضیائی کے ساتھ مل کر یہ پروگرام ترتیب دیا گیا کہ:

''۱۶ ربیع الاول کو منگوآنہ سیرت کا اجلاس ہوگا۔ اس کے ساتھ چک ۲۰۹ اور ۲۱۰ میں بھی اجلاس کرنے کا انتظام کرنا ہے۔ مولوی محمد خان اور حافظ احمد نواز صاحب کو ابھی سے لکھا جائے۔
خانوآنہ کے لئے سمندری دوستوں کے ذریعہ اجلاس کی تیاری۔ ربیع الاول ۷۵ ۱۳ھ میں ایک مسلسل پروگرام مرتب کرنا۔''

(ھ) ۱۳ ربیع الاول ۷۵ ۱۳ھ/ ۳۰ اکتوبر ۱۹۵۵ء بروز اتوار ڈائری میں لکھا ہے:

''اتوار کی رات کو اجتماع سیرت ہر دو مساجد میں کیا گیا۔ کچی مسجد بندہ نے اور پکی مسجد مولوی حبیب اللہ نے سیرت پر تقریریں کیں۔ مگر حاضری بالکل قلیل تھی۔ باوجود اعلان و اطلاع کے لوگ متوجہ نہیں ہوئے۔ ذوق دینی ختم ہو رہا ہے۔ (ترجیع)''

محبت رسول کا ایک مظاہرہ راقم نے ایک دن دورۂ حدیث شریف کے سبق کے دوران بھی دیکھا تھا۔ اس اجمال کی تفصیل یوں ہے کہ ۷۶-۱۹۷۵ء میں جامعہ محمدی شریف ہماری دورۂ حدیث کی کلاس تھی اور یہ دارالعلوم محمدی شریف کی دورہ کی آخری کلاس تھی۔ اس کلاس میں ہم گنتی کے چند طلبہ تھے۔ ایک دن حدیث شریف کے سبق کے دوران غزوۂ بدر کے قیدیوں میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کے گرفتار کئے جانے اور رات کو ان کی مشکیں کسے جانے کے باعث ان کے کراہنے کی آواز پر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بے قرار ہو جانے والی روایت آئی تو مولانا پر

بے ساختہ ایک رقت کی کیفیت طاری ہوگئی۔ آواز تھرا گئی اور آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ یہ رقت ان کی حقیقی محبت رسول کی واضح دلیل تھی جو ان کے دل میں موجزن تھی۔ اس میں کسی قسم کے تصنع کا شائبہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اسی طرح کی محبت رسول کا ایک مظاہرہ صاحبزادہ غلام ابوبکر صدیقی نے بھی مولانا کے عام اخلاق، عادات اور معمولات کے باب میں بیان کیا ہے۔ جس کی تفصیل اپنی جگہ پر گزر چکی ہے۔

مولانا کی عقیدت ومحبت رسول کا ایک مظاہرہ تو سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی عقیدت ومحبت رسول کا نمونہ لگتا ہے۔ اب اس مظاہرہ کو جاننے سے قبل ایک نظر علوی نمونہ پر ڈال لیجئے جس کا خلاصہ کچھ یوں ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر معاہدۂ صلح لکھنے والے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے۔ جب وہ تحریری معاہدے کے اس جملے پر پہنچے کہ ''یہ وہ معاہدہ ہے جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تسلیم کیا ہے'' تو اہل مکہ کا نمائندہ فوراً بول اٹھا کہ ''اگر ہم یہ بات تسلیم کرتے ہوتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو آپ کو عمرہ سے منع ہی نہ کرتے۔ لہٰذا اس معاہدے میں محمد بن عبداللہ کے الفاظ لکھے جائیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری ذات محمد رسول اللہ اور محمد بن عبداللہ دونوں حیثیتوں کی حامل ہے۔ اس لئے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: رسول اللہ کا لفظ مٹا دو۔ صحابہ کرام سے اگرچہ آپ کی نافرمانی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا مگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ایمانی غیرت اور محبت رسول نے اس چیز کو گوارا نہ کیا اور عرض کیا: ''واللہ لا امحوك ابدا'' (قسم بخدا میں آپ کا نام کبھی بھی نہیں مٹاؤں گا۔) یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود محمد رسول اللہ کی جگہ محمد بن عبداللہ لکھ دیا۔''[1]

اب اس واقعہ سے ملتا جلتا عقیدت ومحبت رسول کا جو مظاہرہ مولانا کی ذات سے دیکھنے میں آیا وہ کچھ یوں ہے کہ انہوں نے ۱۹۵۴ء کی ڈائری میں ۱۸/اپریل کی تاریخ میں کچی پنسل سے چار چھوٹی سطروں پر مشتمل کوئی یادداشت لکھی ہے۔ یہ تحریر پڑھی نہیں جا رہی۔ پھر واللہ اعلم کیا ضرورت پیش آئی کہ اس پر نیلی سیاہی سے قلم پھیر دیا ہے۔ البتہ پہلی سطر پر قلم نہیں پھیرا جس میں ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' کے الفاظ لکھے ہوئے ہیں۔

دورانِ حج محبتِ رسول کے مظاہر:

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ فریضۂ حج کی ادائیگی کے سلسلے میں ۱۹۶۱ء میں حرمین شریفین پہنچے تو یہاں قیام کے دوران بھی ان کی ذات سے والہانہ عقیدت ومحبت رسول کے کئی مظاہر دیکھنے میں آئے جن کی یادداشت انہوں نے اپنے معمول کے مطابق ڈائری میں بھی درج کی ہے۔ اس قسم کی چند یادداشتوں کا یہاں اندراج موقع محل کی مناسبت سے بے جا اور بے فائدہ نہ ہوگا۔

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: صحیح البخاری (کتاب المغازی، باب عمرۃ القضاء)، صحیح مسلم (کتاب الجهاد والسیر، باب صلح الحدیبیۃ فی الحدیبیۃ)، مشکوٰۃ المصابیح (باب الصلح، الفصل الثالث)، عامہ کتب سیرت وتاریخ، باب صلح حدیبیہ۔

ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مزار پر حاضری:

''جنت المعلیٰ میں حاضر ہوئے۔ ام المؤمنین امنا المحترمہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر زیادہ دیر بدوؤں نے ٹھہرنے نہیں دیا۔ بصد حسرت وافسوس جلدی واپس ہوئے۔''[1]

غارِ حرا پر حاضری:

''آج غارِ حرا (جبل نور) میں بمع ساتھی نور محمد ودیگر ہمراہیان علی الصباح جانا ہوا۔ پانی، ستو، چھتری وغیرہ ساتھ لے گئے۔ اس کی کافی چڑھائی ہے۔ میل سے زائد ہوگی اوپر مقامات مقدسہ مقام شق صدر مقام وحی۔ نوافل پڑھے گئے۔ دعائیں کی گئی ہیں۔ دوپہر سے قبل واپس ہوئے۔ جاتے ہوئے ایک کار مل گئی۔ آتے ہوئے بس گشتی میں واپس ہوئے۔''[2]

سفر غارِ ثور:

''الیوم علی الصباح میاں نور محمد اور بندہ بمع چند ہمراہیاں بنگالی بذریعہ ٹرک صغیر جبل ثور پر بعوض ڈیڑھ ریال پہنچے۔ کچھ پانی، ستو وغیرہ ساتھ تھے۔ قریباً دو اڑھائی میل چڑھائی ہے اور نہایت دشوار راستہ ہے۔ اللہ کریم کے فضل وکرم سے ہی یہ سفر طے ہوا۔ وہاں دعائیں، نوافل نصیب ہوئے۔ پھر واپسی ہوئی۔ دھوپ نے خوب گرما دیا۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ خیریت سے سفر ہوا ہے۔''[3]

روضۂ رسول پر حاضری:

پہلی دفعہ مدینہ منورہ اور پھر روضۂ رسول پر اپنی حاضری کی یادداشت میں لکھتے ہیں:

''آج خمیس کی رات ۱۲ بجے مدینہ شریف پہنچے ہیں...... علی الصباح قبل الاذان حرم شریف میں حاضری اول بار نصیب ہوئی۔ قلبی کیفیات اس عاصی پر معاصی کی بیان سے باہر ہیں۔

نفسی الفداء لقبر انت ساکنہ فیہ الھدیٰ والندیٰ والعلم والعمل

یا خیر من دفنت فی التراب اعظمہ فطاب من طیبھن السھل والجبل

[4]

---

[1] ذاتی ڈائری مؤرخہ ۵ رجون ۱۹۶۱ء / ۲۰ رذی الحجہ ۱۳۸۰ھ۔

[2] ذاتی ڈائری مؤرخہ ۱۳ رجون ۱۹۶۱ء / ۲۸ رذی الحجہ ۱۳۸۰ھ۔

[3] ذاتی ڈائری مؤرخہ ۲۴ رجون ۱۹۶۱ء / ۱۰ رمحرم الحرام ۱۳۸۱ھ۔

[4] ذاتی ڈائری مؤرخہ ۲۹ رجون ۱۹۶۱ء / ۱۵ رمحرم الحرام ۱۳۸۱ھ۔

مدینہ منورہ سے واپسی:

''قبیل المغرب روانگی از مدینہ منورہ بصد حسرت وبصد حیرت۔

ع روئے گل سیر ندیدیم وبہار آخر شد''[1]

اتباعِ سنت وشریعت:

دنیا وآخرت کی کامیابی، اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قرب اور روحانی مراتب حاصل کرنے کیلئے قرآن وحدیث میں سنت رسول کے اتباع اور پیروی پر جتنا زور دیا گیا ہے پھر اس معاملے میں خلفائے راشدین، تمام صحابہ وصحابیات، ازواج مطہرات، ائمہ اہل بیت نبوی، ائمہ دین، تابعین، تبع تابعین، بزرگان دین، تمام سلاسل تصوف کے مشائخ عظام اور علماء دین کا اس معاملے میں جو طرز عمل رہا ہے اس کی تفصیل ایک الگ مستقل کتاب کی متقاضی ہے۔

اتباع سنت کے حوالے سے قرآن وحدیث کی یہ تعلیمات، ہدایات، تاکیدات، برکات اور اس میدان میں اپنے اسلاف کی روش یقیناً مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ سے مخفی نہیں تھی۔ اتباع سنت سے گریزاں اور عموماً دور اس دور میں وہ اپنے اسلاف کا نمونہ تھے۔ اپنی زندگی کے چھوٹے بڑے تمام معاملات، رہن سہن، کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، بود وباش، لباس، وضع قطع، خوشی غمی اور لین دین وغیرہ کے معاملات میں قدم قدم پر وہ سنت رسول کی پیروی کرتے نظر آتے ہیں۔ اس حوالے سے کئی چیزیں ان کے عام اخلاق، عادات اور معمولات کے باب میں آچکی ہیں۔ یہاں پر ان کے علاوہ چیزیں ذکر کرنے کی کوشش کریں گے۔

سیاہ لباس پر ناپسندیدگی کا اظہار:

اہل علم سے مخفی نہیں کہ سیاہ لباس مسنون چیز نہیں۔ سیاہ عمامہ پہننا تو سنت رسول سے ثابت ہے مگر عام لباس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفید کپڑے کو ہی پسند فرمایا ہے۔ کوئی پانچ چھ سال قبل عاشوراء محرم کے جلسے میں شرکت کی غرض سے راقم ۹-۱۰ ر محرم کی درمیانی شب محمدی شریف پہنچا تو میں نے ''ڈارک براؤن'' رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا جو رات کے اندھیرے میں بالکل سیاہ لگ رہا تھا۔ ملاقات کے وقت دیکھتے ہی سخت ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ راقم نے وضاحت کی تو تب جاکر تھوڑا سا مطمئن ہوئے۔

سو رکعات والی نفل نماز کی جماعت پر افسوس:

وطن عزیز میں شب برأت (۱۵ ر شعبان کی رات) میں کئی مساجد میں سو رکعات والی ایک نفل نماز (صلوٰۃ الخیر) باقاعدہ اعلان، اشتہار اور تداعی کرکے جماعت کے ساتھ پڑھائی جاتی ہے۔ نوافل کی اس انداز میں

---

[1] ذاتی ڈائری مؤرخہ ۲۱ ر جولائی ۱۹۶۱ء / ۷ ر صفر ۱۳۸۱ھ۔

جماعت حنفی فقہاء کے نزدیک مکروہ ہے۔ایک مرتبہ محمدی شریف میں بھی لوگوں نے یہ نماز باجماعت پڑھی تو اس خلاف سنت کام پر اظہار افسوس کرتے ہوئے اپنی یادداشت میں لکھا:

''سو رکعات والی جماعت باوجود منع کرنے کے لوگوں نے حافظ عطا محمد کے ذریعہ سے کروائی۔ہم لوگ شامل نہیں ہوئے۔اختراعی رسومات سے اللہ محفوظ رکھے۔اس جماعت میں متعدد مکروہ مجتمع ہیں۔حنفیہ کے نزدیک ایسی جماعت کا کوئی ثبوت شرعی موجود نہیں ہے۔فقہاء حنفی نے اس قسم کی نوافل کی جماعت مکروہ لکھی ہے۔(فتح القدیر وغیرہ)[1]

اگلے سال پھر یہی ہوا۔مذکورہ نفل نماز کی جماعت کرائی گئی اور اب کی بار کچھ مولوی صاحبان (شاید جامعہ کے اساتذہ ہوں گے) بھی جماعت میں شریک ہوئے۔اس پر افسوس کرتے ہوئے مولانا نے اپنی ذاتی ڈائری میں لکھا:

''یوم السبت کی رات کو نصف شعبان ہے۔صدرکعت والی جماعت ہوئی۔تمام معرکہ و مولوی صاحبان سمیت شریک جماعت ہیں۔باوجودیکہ کراہت جماعت کے قائل ہیں۔''سبحان ربی''۔حافظ عطا محمد نے جماعت کرائی۔''[2]

عید کی نماز سے قبل وعظ خلافِ سنت:

۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء میں جامعہ محمدی میں عیدالاضحیٰ کی نماز جامعہ کے صدر مدرس اور شیخ الجامعہ علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری نے پڑھائی اور نماز عید سے پہلے وعظ بھی فرمایا۔اس پر مولانا نے اپنی یادداشت میں لکھا:

''عیدالاضحیٰ ازہری صاحب نے پڑھائی اور نماز سے قبل وعظ ہوا جو خلاف سنت ہے۔لوگ یہاں کے بڑی دیر سے آتے ہیں۔''[3]

یاد رہے مولانا زندگی بھر عیدگاہ جامعہ محمدی میں عیدین کی نمازیں پڑھاتے رہے مگر ہمیشہ سنت طریقہ کے مطابق نماز عید کے بعد وعظ فرمایا کرتے۔کئی لوگ جماعت کے بعد اٹھ جایا کرتے تھے مگر مولانا کو مجمع کم ہونے کی پروا نہیں تھی۔

طلبہ کے داڑھی منڈانے پر افسوس:

کسی دینی مدرسہ کے طلبہ بھی داڑھی والی سنت رسول پر عمل نہ کریں تو اس بے عملی پر افسوس کے سوا کیا کیا

---

[1] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، ذاتی ڈائری مؤرخہ ۲۱ رمئی ۱۹۵۱ء/ ۱۴ رشعبان ۱۳۷۰ھ۔

[2] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، ذاتی ڈائری مؤرخہ ۱۰ رمئی ۱۹۵۲ء/ ۱۵ رشعبان ۱۳۷۱ھ بروز ہفتہ۔

[3] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، ذاتی ڈائری مؤرخہ ۱۳ رستمبر ۱۹۵۱ء/ ۱۰ رذی الحجہ ۱۳۷۰ھ۔

جا سکتا ہے۔ اس حوالے سے مولانا کی ایک درد بھری یادداشت ملاحظہ ہو:

''آج اسباق مجوزہ ومحولہ میں ''سلم العلوم'' کی ''مولوی فاضل'' والوں نے افتتاح کی۔ ''ہدایہ اولین'' بھی ان کا شروع ہے۔ قدوری غلام احمد، عبدالمالک وغیرہ کی ہے۔ کچھ دنوں کے بعد ابوداؤد شریف ابواب الضحایا سے بقیہ سال کا متروکہ شروع کر دیا گیا ہے۔''

اب اس عبارت کے متصل بعد عربی الفاظ میں مولانا کا قلق دیکھئے:

کلهم یقصون ویحلقون اللحیة وقد فاتت البرکة و ذهب الحیاء والخیر کله معدوم (ترجیع)[1]

(سب کے سب (طلبہ) داڑھی کٹاتے اور منڈاتے ہیں۔ بے شک برکت ہی اٹھ گئی اور حیاء رخصت ہو گیا ہے۔ علاوہ ازیں ساری خیر غائب ہو گئی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ○)

گھر کی چھت کے لئے پکی اینٹ بھی ناپسند:

آج کل بڑے بڑے علماء، تصوف کے دعویداروں اور کبار صوفیہ ومشائخ کے گدی نشینوں سمیت ملک بھر کا سرمایہ دار طبقہ اور جاگیر دار لوگ اپنے رہائشی مکانوں کی محض آرائش، زیب وزینت، نقش ونگار اور خوبصورتی کے لئے قسم قسم کے ماربل، ٹائل، پینٹ، کراکری، قالین، فرنیچر، اے سی اور سینٹری کے فینسی سامان وغیرہ کی مد میں جس طرح کروڑوں روپے خرچ کر رہے ہیں وہ اہل علم و دانش سے مخفی نہیں۔ اس کے برعکس ایک مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو دیگر تعمیراتی تکلفات تو بہت دور کی بات ہے گھر کی چھت لینٹر والی نہیں بلکہ سادہ پکی اینٹوں سے بنوانے کے لئے بھی تیار نہیں۔ کیونکہ مکان کی تعمیر پر ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہے نہ آپ کی سنت وتعلیم۔[2] اس حوالے سے مولانا کی ایک یادداشت ملاحظہ ہو:

''چھت خانگی کے سلسلے میں آپس میں ہمارا نزاع ہو رہا ہے۔ حافظ صالح محمد صاحب (مولانا کے بڑے بھائی) کا خیال ہے اینٹ پختہ سے چھت بنوائی جائے اور بندہ نے اپنے مکانوں کے لئے سرکانہ ہی پسند کیا ہے اور وہ اس پر سخت برہم ہوئے ہیں اور ناروا نزاع کیا ہے۔ (ترجیع)''[3]

پتلی قمیص خلاف سنت:

ایک موقع پر مولانا کو قمیص کے لئے پتلی قسم کا کوئی کپڑا ملا ہے تو اس پر ان کے تاثرات ملاحظہ ہوں:

---

[1] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، ذاتی ڈائری مورخہ ۱۴ر مئی ۱۹۵۳ء۔

[2] دیکھئے: سنن ابی داؤد (کتاب الادب) ۲/۷۱۱۔ اصح المطابع کراچی، مشکوٰۃ المصابیح (کتاب الرقاق) ص ۴۴۱ طبع کلاں کراچی۔

[3] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، ذاتی ڈائری مورخہ ۱۱ر اپریل ۱۹۵۵ء۔

''اللباس لباس التقویٰ۔ قمیص جدید تپلی عطا ہوئی ہے اور یہ سنت کے خلاف ہے۔ افسوس بر اعمال ما''۔[1]

یہ مولانا کے عین شباب کا زمانہ ہے اور جوانی میں شوخ قسم کے کپڑوں کا استعمال نوجوان آدمی کی عموماً پسند ہوتی ہے اور معاشرتی اعتبار سے اتنا برا نہیں سمجھا جاتا۔ مگر مولانا کو اس وقت بھی جوانی کے جذبات سے زیادہ سنت کا پاس ہے۔

ورائٹی شو کے انعقاد پر دُکھ کا اظہار:

۱۹۵۰ء میں حکومت پاکستان کی طرف سے عورتوں کے ایک صنعتی مرکز کے فنڈ جمع کرنے کے لئے ایک ورائٹی شو کا اہتمام کیا گیا۔ اس خلاف شرع اور خلاف سنت کام کو مولانا روک تو نہیں سکتے تھے مگر اس پر اپنی یادداشت میں اپنے دُکھ کا اظہار ضرور کیا:

''قابل غور''

کراچی ۳ رمئی کل رات پاکستان کی عورتوں کے صنعتی مرکز کے لئے فنڈ جمع کرنے کے سلسلے میں ورائٹی شو دکھایا گیا جس میں مشہور رقاصہ آزوری اور اس کے ساتھیوں کا رقص ہوا۔ شیخ دین محمد گورنر سندھ نے انعامات تقسیم کئے۔ شو دیکھنے والوں میں خواجہ شہاب الدین، وزیر داخلہ پاکستان، مسٹر ہارون یوسف اور مسٹر کوزر کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ (روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۵ رمئی ۱۹۵۰ء)

خبر مذکور کا عنوان یہ ہے: ''عورتوں کے صنعتی مرکز کے لئے فنڈ'' یہ ہیں خداوندان اسلامی مملکت!''
(ذاتی ڈائری مؤرخہ ۴ رمئی ۱۹۵۰ء)

عشرہ ذی الحجہ کے نفلی روزے:

عشرہ ذی الحجہ کے روزے مسنون اور نفل کے درجے میں ہیں۔ عامۃ الناس کے لئے رمضان کے فرض روزے رکھنا بھی خاصا مشکل ہوتا ہے۔ مگر مولانا ہیں کہ یہ نفلی روزے بھی چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔ عربی میں ایک یادداشت ملاحظہ ہو:

''قد اردنا ان نصوم صیام العشرة ذی الحجة ان شآء الله هو یبارك لنا فیه۔ الیوم یوم الجمعه اولا۔'' (ہم نے ارادہ کیا ہے کہ ان شاء اللہ عشرہ ذی الحجہ کے سارے روزے رکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے اس میں برکت فرمائے)۔ (ذاتی ڈائری ۵ رستمبر ۱۹۵۰ء/ یکم ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ)

---

[1] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، ذاتی ڈائری مؤرخہ ۲۱ رجولائی ۱۹۴۹ء۔

سنت صدیقی پر عمل:

ایک مشہور حدیث نبوی ہے: ''علیکم بسنّتی وسنّۃ الخلفاء الراشدین المهدیّین'' (تمہارے اوپر میرے طریقہ اور ہدایت یافتہ خلفاء الراشدین کے طریقے پر چلنا لازم ہے۔) اس حوالے سے مولانا کا ایک عمل ملاحظہ ہو:

''الیوم لطخنا الرأس واللحیۃ بالحناء اوّلاً فهذا هو سنۃ صدیقی و فاروقی۔ هو اول علامۃ الشیخوخۃ'' (آج ہم نے پہلی مرتبہ سر اور داڑھی پر مہندی لگائی ہے۔ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سنت اور بڑھاپے کی پہلی علامت ہے)۔ (ذاتی ڈائری مؤرخہ ۹ رستمبر ۱۹۵۱ء)

رمضان شریف کے احترام میں گندم کی پیشگی کٹائی:

رمضان شریف کا احترام یعنی کسی عذر اور شرعی رخصت کے باوجود کھلے عام کھانے پینے سے حیا کرنا شریعت کا حکم اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے۔ ہمارے علاقے میں گندم کی فصل عام طور پر اپریل کے آخر میں پکتی اور کٹائی شروع ہوتی ہے۔ ایک سال گندم کٹائی کے ایام رمضان شریف میں آرہے تھے اور روزہ رکھ کر گندم کاٹنا خاصا مشکل اور تکلیف دہ کام ہے۔ اس لئے احترام رمضان کے پیش نظر مولانا نے پیشگی ہی گندم کٹوانے کا اہتمام فرمایا۔ اس حوالے سے درج ذیل یادداشت ملاحظہ ہو:

''آج چک روڈہ میں قریباً پینتالیس نفوس کو لنگرانہ روڈا میں سے دعوت فصل کٹائی دی گئی ہے۔ بھائی خان ونور محمد ولد سُلّہ وغیر ہمانے بڑی ہمت کر کے سات کلہ (ایکڑ) کے قریب کٹائی کرڈالی ہے۔ رمضان شریف کے احترام کے لحاظ سے باوجود گندم کے کچھ سبز ہونے کے کٹائی کرائی گئی ہے۔''

(ذاتی ڈائری مؤرخہ ۱۲ راپریل ۱۹۵۶ء/ ۱۹ رشعبان ۱۳۷۵ھ)

رمضان شریف میں کھلے عام کھانے پینے پر دُکھ کا اظہار:

ایک موقع پر رمضان المبارک میں علاقہ مجسٹریٹ عزیز الحق مسعود کی بنگلہ تاجہ بیروالا میں آمد تھی۔ مولانا نے بھی ایک سلسلے میں اسے ملنا تھا۔ اس سے ملاقات کے لئے وہاں تشریف لے گئے۔ کھلے عام خورد ونوش اور حقہ نوشی دیکھ کر مولانا کو قلبی دکھ پہنچا۔ لوگوں کو روک تو نہیں سکتے تھے مگر اس کا اظہار اپنی یادداشت میں یوں کیا:

''۵ بجے شام مسعود صاحب سے ملاقات ہوئی۔ سارا دن بے چینی سے گرمی میں گزارا۔ ہر طرف ہُو ھَا بے تمیزی کا عالم برپا رہا۔ حقہ نوشی اور خورد ونوش بے دھڑک علی الاعلان ہوتی رہی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ یہاں کوئی مسلمان نہیں ہے۔ اللہ اکبر حکام کا یہ حال ہے عوام کس شمار میں۔''

(ذاتی ڈائری مؤرخہ ۲۷؍جون ۱۹۵۱ء/۲۱؍رمضان ۱۳۷۰ھ)

احادیث پرعملدرآمد سے قلبی راحت:

مولانا فریضۂ حج کی ادائیگی کے سلسلے میں مکہ مکرمہ پہنچے اور وہاں عموماً احادیث پرعمل ہوتے دیکھا تو اس پر یوں مسرت کا اظہار کیا:

''زوال کے بعد متصلاً نماز شروع ہوجاتی ہے۔احادیث پرعمل درآمد سے قلبی راحت حاصل ہوتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افعال واقوال کی یادتازہ ہورہی ہے۔یہاں اس موسم میں عصر غروب سے پورے تین گھنٹے قبل پڑھی جاتی ہے۔''(ذاتی ڈائری مؤرخہ ۱۶؍جون ۱۹۶۱ء، ۲؍محرم الحرام ۱۳۸۱ھ بروز جمعہ)

تحقیق ومطالعہ کا جنون:

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے اوصافِ حمیدہ میں ایک وصف تحقیق، جستجو اور مطالعہ کا ذوق بھی ہے۔اکثر اہل علم کی تحقیق اور مطالعہ صرف ڈگری کے حصول یا کسی مقالہ،مضمون،امتحان یا پروموشن کے لئے درکار ریسرچ پیپر کی تیاری کے لئے ہوتا ہے۔جب یہ مقصد پورا ہوجاتا ہے تو پھر عموماً تحقیق اور مطالعہ سے کوئی سروکار نہیں رہ جاتا،تاہم تحقیق ومطالعہ بعض خال خال اہل علم کا طبعی ذوق ہوتا ہے،کتب بینی اور مطالعہ ان کی ذاتی اور طبعی دلچسپی کی چیز ہوتی ہے،ان کا شغل ہی مطالعہ بن جاتا ہے،اگر وہ کسی ایسی جگہ پھنس جاتے ہیں جہاں انہیں مطالعہ کا موقع نہیں ملتا تو وہ بے چین ہوجاتے ہیں،انہیں جتنی لذت،سرور،خوشی اور اطمینان کسی لائبریری اور اردگرد کتابوں کے ڈھیر کے درمیان ملتا ہے وہ اطمینان انہیں کسی بڑے سے بڑے پرتعیش محل میں بھی نہیں ملتا۔یہ کتابی دنیا کے لوگ کہلاتے ہیں جن کے دم قدم سے علم،کتاب اور تحقیق کی دنیا آباد ہے۔

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کا شمار بھی بلا مبالغہ کتابی دنیا کے گنے چنے لوگوں میں ہوتا ہے۔جاننے والے جانتے ہیں ان کی سب سے بڑی مصروفیت اور مشغلہ ہی مطالعہ وتحقیق تھا۔دن رات میں فارغ اوقات کے علاوہ سفر میں بھی ان کا یہی شغل جاری رہتا۔اہل علم سے ملاقات کے دوران فضول گپ شپ کی بجائے کسی علمی موضوع پر ہی گفتگو اور معلومات حاصل کرنا ان کی عام عادت تھی۔ان کی کتب بینی اور مطالعے کے شوق بلکہ جنون کا اندازہ اس وقت بھی جامعہ محمدی کے کتب خانہ میں موجود ذخیرہ کتب سے لگایا جاسکتا ہے۔ایک اندازہ کے مطابق اس کتب خانہ میں پندرہ سولہ ہزار کے قریب کتابیں موجود ہیں اور زیادہ تر وہ کتابیں ہیں جو ہر فن کی نایاب اور امہات الکتب قسم کی ہیں اور پھر ان میں بھی اہل علم جانتے ہیں تفسیر،حدیث،شروحات،فقہ،فتاویٰ،رجال،طبقات،اصول حدیث خصوصاً تاریخ وغیرہ سے متعلق سینکڑوں ایسی کتابیں ہیں جو کئی کئی جلدوں پر مشتمل ہیں۔صرف تاریخ مدینۃ

دمشق لابن عساکر کو ہی لے لیں تو وہ ۸۰ جلدوں پر مشتمل ضخیم کتاب ہے۔ان کتابوں کو کھولتے ہی اسٹر پر جب نظر پڑتی ہے تو اندازہ ہو جاتا ہے کہ مولانا نے کس دقت نظری اور کتنی باریک بینی سے ان کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔اسٹر کے صفحات پر گویا کتاب کے تمام موٹے موٹے مندرجات سامنے آجاتے ہیں۔پھر لطف یہ ہے کہ کئی مقامات پر پروف کی غلطیوں کے علاوہ مؤلف کے سہو کی بھی نشاندہی اور اصلاح کرتے نظر آتے ہیں۔اہل علم وتحقیق کے لئے مولانا کے یہ ''نوٹس'' اور ''حوالہ جات'' کسی بھی طرح ''پکی پکائی'' سے کم نہیں۔

دیسی تیل کی روشنی میں مطالعہ:

مولانا کے مطالعہ کے جنون کا اندازہ ان کی بعض یادداشتوں سے بھی ہوتا ہے۔مثلاً ۳را کتوبر ۱۹۵۱ء/ ۲۷رمحرم ۱۳۷۱ھ بروز منگل کی یادداشت میں لکھا ہے:

''منگل اسی کو (۲۷رمحرم ۷۱ھ) اللہ کے فضل سے تیل دیسی کڑوا کی روشنی پر مطالعہ شروع کیا جارہا ہے۔بعونہ تعالیٰ۔مٹی کا تیل سخت مضر ہے۔تنگ ہو کر چھوڑ دیا ہے۔''

تیماری داری کے دوران بھی تحقیق ومطالعہ:

مولانا کے بڑے بھائی جناب حافظ صالح محمد رحمۃ اللہ علیہ بیمار تھے۔انہیں میانوالی میں حکیم عبدالرحیم خان کے پاس علاج کیلئے لے جانے کا مشورہ ہوا۔یہ اگست ۱۹۵۲ء کی بات ہے۔مولانا ان دنوں مرزائیت کی تردید میں اپنی کتاب ''مسئلہ ختم نبوت اور سلف صالحین'' مرتب فرما رہے تھے۔میانوالی میں حافظ صاحب کے علاج معالجہ کے سلسلہ میں انہیں پانچ چھ روز کے لئے رکنا تھا۔ڈائری سے معلوم ہوتا ہے کہ تیارداری کی اس مصروفیت کے دوران بھی مولانا اپنے مطالعہ اور تحقیق میں مصروف رہے۔درج ذیل کتابیں سفر میں بھی ساتھ لے گئے:

۱-قبلہ نما وغیرہ یک جلد، ۲-موضوعات کبیر ملا علی قاری، ۳-ختم نبوت فی القرآن والحدیث والآثار، ۴-قادیانی نبوت از فاروق صاحب، ۵-ختم نبوت مولانا کاندھلوی، ۶-برہان حق معمار صاحب، ۷-التصریح فی نزول المسیح (عربی)، ۸-پرچہ جات الفضل، ۹-کاپیاں یادداشت والی ہر دو، ۱۰-اشد العذاب علی مسیلمہ بنجاب ورسالہ معراج یکیجا از سید مرتضیٰ حسن۔

۱۱راگست ۱۹۵۲ء کی یادداشت میں لکھتے ہیں:

''حافظ صالح محمد صاحب، میاں مولا بخش صاحب حکیم، نور محمد میراثی اور محمد نافع سفر برائے علاج حافظ صاحب موصوف کی خاطر آج روانہ ہوئے۔ھو الشافی وبیدہ الخیر۔''

رات چنیوٹ میں گزاری۔مولانا پر یہاں سفر میں بھی تحقیق کی دھن سوار ہے۔لکھتے ہیں:

''مولانا محمد یار صاحب سے چنیوٹ میں ملاقات ہوئی۔ شیخ اکبر ابن عربی کے متعلق مقولہ مرزا ''وہ معاذ اللہ ملحد اور زندیق ہے''۔ انہوں نے ذکر کیا۔ مزید حوالہ جات مرزا صاحب انہوں نے دکھائے۔ مشورہ جات ہوتے رہے۔ مولوی دوست محمد صاحب ساقی نیز موجود تھے۔ علمی گفتگو جاری رہی۔''

۱۲/اگست ۱۹۵۲ء کو چار آدمیوں پر مشتمل یہ قافلہ سرگودھا پہنچتا ہے۔ حافظ صاحب حکیم مولا بخش کے ہمراہ اپنے پیر خانہ سیال شریف چلے جاتے ہیں اور مولانا اپنے تحقیق کے کام میں جت جاتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

''جمع الرسائل شرح شمائل کا حوالہ دیکھا گیا ہے۔ مولوی محمد یار صاحب نے حوالہ جات بیاض ملاحظہ کے لئے دیئے ہیں۔ ان سے استفادہ کرنا ہوگا۔ شام مولانا عبدالحمید صاحب سے ملاقات ہوئی۔ زجرالناس اور الیواقیت والجواہر مع کبریت احمر (ہر دو للشعرانی) جامع مسجد کے کتب خانہ سے رات دیکھی ہیں۔ شعرانی کی ہر دو کتب فتوحات شیخ کی شرح ونقد کی حیثیت رکھتی ہیں۔

حافظ صالح محمد صاحب اور حکیم مولا بخش صاحب سیال شریف سے واپس ہو کر آئے۔''

۱۳/اگست ۱۹۵۲ء کو سرگودھا سے میانوالی پہنچے۔ لکھتے ہیں:

''مولانا احمد دین صاحب کانگوی کے دکان پر اقامت کر کے حکیم صاحب سے ملاقات کی گئی۔ کل ان شاء اللہ تشخیص مکمل ہوگی۔''

۱۴/اگست ۱۹۵۲ء کو حافظ صاحب کی تشخیص ہوئی اور باقاعدہ علاج شروع ہوا۔ مولانا پر یہاں بھی کتابوں کی جستجو سوار۔ ستار یانوالی مسجد میں مولانا محمد رمضان صاحب کے پاس ملا علی قاری کی مرقاۃ، شرح مشکوٰۃ (۱۱ جلدیں) نظر آ گئی۔ ساری رات اس کا مطالعہ کرتے رہے۔

۱۵/اگست کو مریض کے ٹیسٹ وغیرہ ہوئے اور واپس قیام گاہ پر آ گئے۔ مولانا یہاں بھی اپنے مطالعہ میں مصروف۔ چنانچہ ۱۶/اگست ۱۹۵۲ء کی یادداشت میں لکھتے ہیں:

''آج صبح ۷ بجے مولوی احمد خان مرحوم کی خانقاہ پر جانا ہوا۔ کندیاں سے تین میل کے فاصلے پر ہے۔ مولوی عبداللہ سجادہ نشین نہایت خلیق وشفیق وصاحب ذوق فرد ہیں۔ مولوی خان محمد سے ملاقات ہوئی۔ علمی مجلس گرم رہی۔ پھر کتب خانہ عجیبہ غریبہ کا ملاحظہ کیا۔ یہ مکتبہ بڑا وسیع مشتمل بر نوادر کتب ہے۔ دُرِ منثور ج ۵، مصنف ابن شیبہ نامکمل تا باب الصیام وفتوحات مکیہ سے حوالے ضروری دیکھے گئے۔ بعد از ظہر واپسی۔''

۱۷/اگست ۱۹۵۲ء کو حکیم صاحب نے مریض کو واپس لے جانے کی اجازت دے دی اور مولانا اپنے بھائی کو لے کر واپس آ گئے۔

پیر جھنڈا، سندھ کا سفر:

کسی بڑے سے بڑے کتب خانے میں بھی ضروری نہیں کہ وہاں ہر موضوع سے متعلق تمام کتابیں مہیا ہوں۔ جامعہ محمدی کا کتب خانہ اتنا بڑا تھا نہ اس کے پاس زیادہ وسائل تھے۔ اس لئے مولانا کو اپنے مطلوبہ مواد اور حوالہ جات کی تحقیق کے لئے کئی شہروں کی سرکاری اور پرائیویٹ لائبریریوں میں جانا اور اہل علم سے رابطہ کرنا پڑا۔ ''السفر سقر'' کے مصداق ایک عام سفر بھی عذاب سے کم نہیں ہوتا تو جب موجودہ سفری سہولتوں کا فقدان تھا اس وقت مولانا کو کتنی مشقتیں پیش آئی ہوں گی۔ آج کل ان کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ مگر کسی کام کی دُھن اور طلبِ صادق راستے میں حائل پہاڑوں میں بھی راستہ نکال لیا کرتی ہے۔ چنانچہ ''حدیث ثقلین'' کی ترتیب وتصنیف کے دنوں میں ایک سند کی تحقیق کی خاطر انہوں نے پیر جھنڈا (سندھ) کا سفر اختیار کیا۔ اس سفر کی یادداشت میں لکھا:

''روانگی پیر جھنڈا سندھ۔ حضرت حاجی حافظ مولانا محب اللہ شاہ صاحب، سجادہ نشین پیر جھنڈا۔ موصوف اہل حدیث مسلک سے تعلق رکھتے ہیں، شریف آدمی ہیں اور متعصب نہیں ہیں۔ یہاں کتب خانہ میں نہایت نایاب کتب موجود ہیں مگر افسوس کہ تمام کی تدوین وترتیب نہیں کروائی گئی۔ بہت سی نادر کتب ایسے ہی بے ترتیب اِدھر اُدھر پڑی ہیں، ان کا کوئی علم نہیں ہوسکتا۔''[1]

اسی طرح اپنے ایک ہم درس اور دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث کے ساتھی اور معروف عالم دین خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ اپنے کتب خانہ سے فلاں فلاں روایت کی سند تلاش کردیں۔ لکھتے ہیں:

''مولانا خان محمد صاحب کھولہ، کندیاں میانوالی کو لکھا گیا ہے کہ ''تاریخ ابن عساکر'' اور ''اسد الغابہ'' سے روایت ثقلین اور ''درمنثور سیوطی رحمۃ اللہ علیہ'' سے يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ۔ اور اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ کے تحت ابن عساکر کی روایات اور ''یا علی انت اخی و وارثی و وصیتی'' کی روایت اسناد کے ساتھ تلاش کردیں۔''[2]

سفر حج میں بھی تحقیق ومطالعہ جاری:

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۶۱ء میں حج کے لئے تشریف لے گئے تو وہاں بھی حرمین شریفین میں قیام کے دوران ان کا بہت سا وقت مختلف مکتبوں میں تحقیق وجستجو اور حوالہ جات کی تلاش میں صرف ہوتا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ دینی مسائل وعقائد اور احادیث واسناد کی تحقیق اور ان کا علم نفلی عبادت سے کہیں زیادہ ثواب کا ذریعہ ہے۔

---

[1] ذاتی ڈائری، ۲۱/اگست ۱۹۵۸ء بمطابق ۵/صفر ۱۳۷۸ھ۔

[2] ذاتی ڈائری، ۱۳/اکتوبر ۱۹۵۹ء بمطابق ۲۹/ربیع الاوّل ۱۳۷۹ھ۔

پھر وہاں جن نایاب قسم کی کتابوں کا ملنا ممکن تھا یہاں آسان نہیں تھا۔ اس لئے شاید وہ برابر حوالہ جات کی تلاش میں رہے۔ چنانچہ مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران ایک یادداشت میں لکھا ہے:

''الیوم مکتبۃ الحرم میں پھر جانا ہوا، مشارق الانوار از ابوالفضل قاضی عیاض بن موسیٰ کو دیکھا گیا ہے۔ ایک جلد میں ہے مگر ترتیب حروفِ تہجی سے قائم کی گئی ہے۔ مجھے ثقلین کی روایات مسلم وموطا امام مالک کی ضرورت ہے، وہ تاحال نہیں مل سکیں، شاید کچھ اور ٹائم صَرف کیا جائے تو مل سکے۔''

نوٹ: بعد میں تلاش سے وہ ''ثقلین'' والا مقام مل گیا ہے۔ الحمدللہ، الحمدللہ''[1]

اور مدینہ منورہ میں حاضری کے بعد اپنے روزنامچہ میں یہ یادداشت لکھی کہ:

''مدینہ منورہ میں مکتبہ شیخ الاسلام میں صحیح مسلم کی ایک شرح للسیوطی قلمی دیکھی ہے۔ یہ بالکل منفرد شرح ہے۔ نووی اور مشارق الانوار کا خلاصہ سمجھئے۔ دوسری شرح مسلم ''اکمال الاکمال'' مطبوعہ ہے۔ یہ دو شرحیں یکجا طبع شدہ ہیں اور عمدہ شروح ہیں لیکن روایت ثقلین کی بحث میں قابل نقل ولائق اخذ بات نہ مل سکی۔ (ترجیع) البتہ مسند الفردوس دیلمی کی روایات کا نمونہ دیکھنا مطلوب ہو تو اللآلی المصنوعہ یا ذیل اللآلی المصنوعہ کو دیکھ لیا جائے۔ اس میں بہت سی روایات دیلمی سے منقول ہوئی ہیں۔''[2]

مولانا کی منفرد اور روایت ودرایت کی فنی مباحث اور اسناد کی تحقیق کی شاہکار کتاب ''حدیث ثقلین'' زیرترتیب تھی کہ حج کا سفر درپیش آ گیا۔ مولانا پر مناسک حج کی ادائیگی کے ایام میں بھی اسی کی دھن سوار رہی۔ چنانچہ مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران ۲۴ر مئی ۱۹۶۱ء/ ۱۰رذی الحجہ ۱۳۸۰ھ کی یادداشت میں لکھا ہے: ''روایت ثقلین کی تلاش وحصول سند مطلوب ہے۔'' پھر شاید اپنی یادداشت اور حافظے کے بل بوتے پر اس روایت کے متوقع مآخذ کے لئے آٹھ دس کتابوں (تہذیب الآثار لابن جریر طبری، دلائل النبوۃ بیہقی، معجم الکبیر ومعجم الاوسط طبرانی، سنن سعید بن منصور وغیرہ) کے نام لکھے ہیں۔ پھر ان کتابوں پر ✓ش اور رشد کی علامات سے اندازہ ہوتا ہے کہ روایت مذکور کی تلاش میں ان کتب کا مطالعہ بھی کیا گیا ہوگا۔ اسی طرح وقوف عرفات کی تاریخ میں بھی ''قابل رجوع'' کے عنوان سے پانچ چھ بڑی بڑی کتابوں کے نام درج ہیں۔ یقیناً ان کو بھی دیکھا ہوگا۔

تحقیق ومطالعہ۔ موضوع کا تقاضا:

مولانا کا موضوع دفاع صحابہ اور اہل بیت نبوی تھا اور اس موضوع کے ساتھ انصاف کا تقاضا تھا کہ اس میں حد درجہ تحقیق اور احتیاط سے کام لیا جائے۔ کیونکہ بعض راویوں، مؤرخین اور مصنفین نے اہل بیت نبوی اور

---

[1] ذاتی ڈائری، ۱۷رجون ۱۹۶۱ء بمطابق ۳رمحرم الحرام ۱۳۸۱ھ۔

[2] ذاتی ڈائری، ۵رجولائی ۱۹۶۱ء بمطابق ۲۱رمحرم الحرام ۱۳۸۱ھ۔

اصحاب رسول کے بارے میں اپنے مخصوص نقطۂ نظر، عقائد اور مسلکی ونظریاتی تعصب کے باعث متعلقہ روایات و واقعات میں اتنا التباس، اتنی غلط فہمیاں، اتنے مغالطے اور شکوک وشبہات پیدا کردیئے ہیں کہ ان میں صحیح اور غلط کی پہچان عام قارئین تو درکنار اکثر پڑھے لکھے لوگوں اور عام علماء کے بس کا روگ بھی نہیں۔ اس لئے بھی مولانا کو خاصی محنت اور دقت نظری سے کام لینا پڑا اور انہوں نے اہل بیت نبوی اور اصحاب رسول کے بارے میں قرآن و حدیث کی صریح نصوص، اجماع امت اور اہل سنت و جماعت کے اجتماعی عقیدہ کی روشنی میں افراط وتفریط سے بچتے ہوئے مذکورہ قسم کے مشتبہ اور رطب و یابس تاریخی مواد کو انتہائی باریک بینی سے دیکھا اور تمام روایات و واقعات کو تحقیق اور روایت ودرایت کی باریک چھلنی سے گزار کر درج کیا۔

کتابیں جمع کرنے کا شوق:

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے قابل ذکر بلکہ قابل رشک اوصاف میں ایک وصف جنون کی حد تک کتابیں جمع کرنے کا شوق تھا۔ ڈائریوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں جتنا اہتمام اور جتنی فکر اس چیز کی تھی اور کسی چیز کی نہ تھی۔ کتابیں منگوانے کے لئے ملک بھر کے مختلف شہروں میں موجود بڑے بڑے مکتبوں کے پتے ان کی اکثر ڈائریوں کے شروع شروع میں درج ہیں۔ مطلوبہ اور نئی کتابوں کے لئے مسلسل ان سے رابطہ اور خط وکتابت جاری رکھتے۔ بیرون ملک انڈیا، سعودی عرب اور بیروت وغیرہ کے مکتبوں سے ان کا رابطہ رہتا۔ اس سلسلے میں کتابی ذوق کے حامل علماء سے رابطے میں رہتے۔ اس مد میں جامعہ محمدی کے خزانے اور دفتر مالیات سے پیسہ نکلوانا جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا۔ اس کے لئے مسلسل یاددہانی، حج اور عمرہ زائرین کے ذریعے کتابیں منگوانا، کوئی مطلوبہ کتاب دستیاب ہونے پر انتہائی مسرت کا اظہار اور کتاب کو کوئی نقصان پہنچنے پر بڑے دُکھ اور ملال کا اظہار وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو ان کے زیر بحث منفرد ذوق وشوق کی آئینہ دار ہیں۔ مشتے از خروارے کے طور پر چند یادداشتیں ملاحظہ ہوں:

۹ر مارچ ۱۹۴۹ء:

مکتبہ رشیدیہ دہلی کو مندرجہ ذیل کتب کی فرمائش ارسال کی گئی ہے:

۱- قادیانی مذہب الیاس برنی، ۲- علم معاش ومعاد ندوی صاحب جدید ایڈیشن، ۳- ختم نبوت ہر سہ حصہ مفتی صاحب دیوبند، ۴- اسلام کا اقتصادی نظام (جدید)، ۵- بیان القرآن برائے میاں صاحب، ۶- قصص القرآن جلد سوم۔

۲۱ر جون ۱۹۴۹ء:

اللھم زد فزد۔ ۱- کنز العمال کامل آٹھ جلد، ۲- سنن الکبریٰ بیہقی دس جلد، ۳- فتح الباری ۱۳ جلد مع مقدمہ، ۴- کبیر کامل مع ابواب السعود آٹھ جلد، ۵- ابن اثیر کامل، چار جلد، ۶- مسند امام احمد ۶ جلد، ۷- الاصابہ

فی معرفتہ الصحابہ ۴ جلد معہ الاستیعاب۔

یہ کتب اس شعبان ۱۳۶۸ھ میں جامعہ میں منگائی گئی ہیں۔ الحمدللہ علی ذالک۔

۶۔۸/جنوری ۱۹۵۰ء:

ان تاریخوں میں لاہور، کراچی، مرادآباد، بمبئی اور مصر کے سات آٹھ مکتبوں کے پتہ جات درج ہیں۔

۱۶/جون ۱۹۵۲ء:

"خوشخبری: بعض نایاب کتب میسر ہوئیں:

۱۔ طبقات ابن سعد کامل، آٹھ جزو معہ فہرست طبع یورپ مجلد بوسیدہ۔

۲۔ سنن دارقطنی مع تعلیق المغنی۔

۳۔ منہاج السنہ مجلد، جامعہ کے لئے۔

یہ ہرسہ کتب بقیمت ذیل بمبئی سے بینک کے ذریعہ منگائی گئی ہیں۔"

۱۶/اگست ۱۹۵۳ء:

"حادثہ ومصیبت:

کل ۶/ذوالحجہ (۱۳۷۲ھ) یوم الاثنین کو ذاتی کتابیں الماری والی دیکھ بھال کیلئے نکالی گئی ہیں۔ تحفہ اثنا عشریہ کامل فارسی بالکل دیمک سے ضائع ہوگیا ہے اور شرح مطالع معہ میر سید شریف کامل بھی تباہ ہوچکی ہے۔ ہردو کتب کے تلف ہونے کا زبردست صدمہ ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ○۔ دوبارہ دستیاب ہوں نہ ہوں۔ آئندہ تیسرے چوتھے مہینے سردیوں میں اور ہر مہینے گرمیوں میں دیکھ بھال ضروری ہے۔"

راقم کے خیال میں مولانا نے کتابوں کے تلف ہونے پر جتنے دکھ کا اظہار کیا ہے اتنے دُکھ کا اظہار انہوں نے اپنے نومولود بیٹے عبدالرحمٰن کی وفات پر بھی نہیں کیا تھا۔

۲/فروری ۱۹۵۴ء:

"یکم دو فروری ۱۹۵۴ء کی درمیانی شب کو ابناء غلام رسول سواتی سے کتب نادرہ مثلاً حق الیقین فارسی، تحفہ اثناعشریہ فارسی، سبحۃ المرجان عربی، مآثر الکرام فارسی، منصب امامت فارسی بنڈل اول موصول ہوا ہے۔ (الحمدللہ)"

۱۸/جولائی ۱۹۵۴ء:

دوسرا بنڈل، سبحۃ المرجان کے بدلہ میں موصول ہوا۔ کتابیں درمختار ہاشمی طبع و مجموعہ احادیث موضوعہ شوکانی و کتاب الآثار امام ابویوسف ومناقب امام صاحب للذھبی۔ یادرہے سبحۃ المرجان (۴۰۰ روپے) میں گراں تھی اس کو واپس کر کے بدلہ میں یہ کتابیں منگوائی گئی ہیں۔ یہ جامعہ کی کتب ہیں۔"

۶؍فروری ۱۹۵۵ء:

رات مولانا منظور احمد صاحب مدرسہ عربیہ چنیوٹ کے ہاں گزاری۔ علمی تذکرے ہوتے رہے۔ تحفہ اثنا عشریہ کا عربی ترجمہ انہوں نے دکھلایا۔ مزید ذکر آیا کہ چک سا ہمل سے کچھ حاجی جانے والے ہیں ان کے ذریعہ رقم ارسال کر کے کچھ کتابیں منگوائی جائیں۔ ریاض النضرہ، الخصائص للنسائی، الصواعق المحرقہ لابن حجر مکی۔

۷؍فروری ۱۹۵۵ء:

''ایبٹ آباد پنجاب رجمنٹ ۱۴ / ۱۳ مولوی کمال الدین صاحب کا جواب آیا ہے کہ ہر پنج کتب یعنی بخاری، قسطلانی، بحر الرائق، مبسوط سرخسی، خازن تمام مجلد بہ تسعۃ ماۃ مل سکتی ہیں۔ جواب مطلوب ہے۔''

۳۰؍مئی ۱۹۵۵ء:

''الحمدللہ آج صواعق محرقہ مع تطہیر الجنان حافظ عبدالکریم صاحب چنیوٹ بمعرفت حافظ شیر محمد صاحب خمسہ عشر روپیہ سے حاصل کی گئی ہے۔ فضائل صحابہ میں بڑی عمدہ چیز ہے۔''

۱۹؍جولائی ۱۹۵۵ء:

''تاجران ابناء غلام رسول کو وہ فہرست ارسال کر دی ہے جو کتب اس وقت منگانی ضروری ہیں۔ ایک کتاب نیل الاوطار حریری صاحب اور حملہ حیدری مولوی عبدالرحمٰن صاحب کا ہے۔ باقی کتب جامعہ کی ہیں۔''

۱۷؍دسمبر ۱۹۵۵ء:

کتب خانہ جعفری ملتان غلام اصغر صاحب منیجر سے بنام عائد علوی وی پی ''آئینہ مذہب سنی'' وصول ہوئی۔ یہ ان کو لکھی گئی تھی۔

۱۸؍دسمبر ۱۹۵۵ء:

آج تیسرا بنڈل بمبئی سے حملہ حیدری، موضوعات شوکانی مترجم، تاویل مختلف الحدیث، الخصائص للنسائی، اللؤلؤ الموضوع موصول ہوئیں۔

۲۳؍دسمبر ۱۹۵۵ء:

''آخری بنڈل بمبئی سے (مشتمل بر تذکرہ علماء ہند، مرأۃ الجنان یافعی، چہار جلد مجلد) موصول ہوا۔ تمام کتب اس فرمائش کی آج پوری وصول ہوگئی ہیں۔ الحمد للہ الحمد للہ۔''

اس کے بعد نیچے تیرہ چودہ کتب کے نام لکھے ہیں۔

۲۶؍دسمبر ۱۹۵۵ء:

''امسال کی دوسری فرمائش مندرجہ ذیل بمبئی غلام رسول سواتی کو ارسال کی جا رہی ہے: ۱۔ مجموعۃ الآلی مع

مقاصد حسنہ، ۲-کتاب الآثار امام محمد، ۳-کشف الغمہ شعرانی، ۴-مجموعہ رسائل مولوی عبدالحیٔ، ۵-مجموعہ رسائل خمسہ، ۶-مجموعہ رسائل ستہ، ۷-بستان المحدثین شاہ عبدالعزیز، ۸-کشف الشبہات شوکانی، ۹-مجموعہ رسائل سیوطی، ۱۰-تمییز الطیب من الخبیث للشیبانی۔"

۲۷/دسمبر ۱۹۵۵ء:

سید رضا شاہ صاحب ولد سید علی شاہ کو نوازش علی شاہ (محرر دفتر) نے ایک خط دریافت کتب کے لئے لکھا ہے کہ فہرست ارسال کریں تا کہ ہمارے مطلب کے موافق جو کتاب ہوگی وہ ہم خرید لیں گے۔"

۲۴/مارچ ۱۹۵۶ء:

"حکیم اشرف حسین صاحب معرکہ، ضلع سیتاپور، یوپی انڈیا کو ایک فہرست طویل شیعہ کی اور کچھ کتب دارالمبلغین لکھنؤ سے خرید کرنے کے متعلق لکھا گیا کہ تلاش کر کے جتنی قیمت سے خریدیں وہ قیمت ہم آپ کو یہاں ادا کر دیں گے۔"

دفتر جامعہ سے کتابوں کے متعلقہ حسابات ختم کئے اور ۲-۹۷ روپے وصول کئے نیز ---روپے جو میرے نام پیشگی کی صورت درج تھے وہ بھی ختم اور بے باق کر کے یہ حساب تمام ہوا۔"

۲۰/اپریل ۱۹۵۶ء:

"---روپے سے ذیل کتب کی وی پی آمدہ بہاولپور شاہی بزار وصول کی گئی ہے۔ یہ جامعہ کی کتابیں سوائے کتاب "اسلام کیا ہے" اور رقم بھی جامعہ کی ہے۔ فضائل نماز، ذکر، رمضان، تبلیغ و حکایات صحابہ و حج وغیرہ منگائی گئی ہیں۔ دو دو نسخہ۔"

۲۵/اپریل ۱۹۵۶ء:

"جواب آمدہ نور محمد کراچی سے"۔ آپ کی مطلوبہ کتب فی الحال موجود نہیں۔ ۲ ماہ بعد آرہی ہیں۔ اس وقت پتہ کر لیں۔ یہ کتب لکھی گئی تھیں:

ابن جریر طبری، ابن عساکر، ابن خلدون، حلیۃ الاولیا لابی نعیم اصفہانی، عقد الفرید لابن عبدربہ، ادب المفرد للبخاری وغیرہ۔"

یکم مئی ۱۹۵۶ء:

"ابناء مولوی غلام رسول بمبئی کو یہ کتابیں ارسال کرنے کی فرمائش کی گئی ہے:

۱-نسیم الریاض بمع شرح ملا علی قاری، ۲-عینی (شرح بخاری)، ۳-مجمع بحار الانوار طاہر پٹنی، ۴-تاریخ خطیب بغدادی، ۵-ابن خلکان، ۶-زاد المعاد مع ابن ہشام، ۷-لواقح الانوار شعرانی، ۸-حیات ولی مفتی رحیم

بخش صاحب، ۹-کتاب المعارف لابن قتیبہ، ۱۰-طبقات الحنابلہ قاضی ابویعلی، ۱۱-طبقات الفقہاء للشیرازی و طبقات الشافعیہ، ۱۲-الامامۃ والسیاسۃ لابن قتیبہ، ۱۳-خزینۃ الاسرار ترجمہ مجالس الاسرار، ۱۴-ترجمہ مقدمہ ابن خلدون اردو، ۱۵-سجع الجمام فی مدح خیر الانام للخفاجی، ۱۶-تحفۃ الانوار نظم فی شمائل النبی المختار۔''

ان کتابوں پر ٹک مارک (✓) اور کراس (✗) کے نشان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے اکثر کتابیں مولانا کو موصول ہوگئی تھیں۔ پھر اسی یادداشت میں لکھا ہے:

۲۰-۰۹-۵۶ کو بقیہ کتب نہ ملنے کی وجہ سے ذیل کتب کی فرمائش ارسال کی گئی ہے:

۱-مجمع البیان طبرسی، ۲-احقاق الحق، ۳-فرق الشیعہ از علامہ نوبختی (نجف اشرف)، ۴-احسن الودیعۃ فی تراجم الشیعۃ، ۵-اصول الشیعہ وفروع الشیعہ، ۶-الباقیات الصالحات فی نعت الاصحاب، ۷-سیرۃ عمر بن عبدالعزیز لابن جوزی، ۸-تاریخ عمر بن الخطاب لابن جوزی۔''

۵/جون ۱۹۵۶ء:

''مولوی قدوسی صاحب کی جانب سے کتابوں کی بلٹی (فتاویٰ شامی ۵ جلد کہنہ مجلد، تفسیر عزیزی سورۃ بقرہ وحصن حصین وغیرہ) حافظ مشتاق احمد چنیوٹی کی معرفت مل گئی ہے۔

پھر اسی یادداشت میں درج ہے کہ ''ملک صاحب قدوسی کی خدمت میں ۷/جون ۵۶ء کو---روپے ارسال کردیئے گئے ہیں۔''

۶/جون ۱۹۵۶ء:

آج دوسرا وتیسرا بنڈل بمبئی سے وصول ہوا۔ ان میں درج ذیل کتابیں موصول ہوئیں:

۱-مجمع البحار (لغت حدیث) مجلد، ۲-طبقات الحنابلہ، ۳-طبقات الفقہاء شیرازی، ۴-المعارف لابن قتیبہ، ۵-الامامۃ والسیاسۃ لابن قتیبہ، تحفۃ الانوار نظم شمائل النبی المختار، ۶-سجع الحمام مجلد۔''

۲۵/جون ۱۹۵۶ء:

''نور محمد کراچی کو جوابی خط لکھا گیا ہے کہ نوادر کتب تواریخ وتفسیر کے دستیاب ہونے کی اطلاع دیویں۔''

پھر اسی یادداشت میں درج ہے ''ان کا جواب آیا ہے تاریخ طبری قدیم ۱۴۰ روپے، جدید ۲۴۰ روپے اور ابن جریر تفسیر بھی ۳۵۰ روپے میں مل سکتی ہے۔ باقی ندارد۔''

۳۰/جون ۱۹۵۶ء:

''الیوم چوتھا بنڈل بمبئی سے مشتمل بر چہار جلد تاریخ بغداد (اول تا چہارم) مجلد موصول ہوا۔''

۷رجولائی ۱۹۵۶ء:

ابناء مولوی غلام رسول بمبئی والوں کا خط آیا ہے کہ پاکستانی کسٹم کی وجہ سے یکدم ہماری کتابیں نہیں آسکتیں۔ آہستہ آہستہ مال پہنچے گا۔ فکر نہ کریں اور مال منگانا ہو تو پہلا حساب ختم کرنا ہوگا۔ اس کے بعد مراسلت ہوگی۔ بغدادی کی تاریخ اب تک ۱۲ جلد پہنچ گئی ہے اور کچھ باقی ہے۔

نور محمد اصح المطابع کراچی والوں کا خط آیا ہے کہ ابن جریر طبری قدیم طبع ۱۶۰ روپے اور جدید ۲۴۰ روپے اور تفسیر طبری ۳۵۰ روپے میں مل سکتی ہے۔''

۷راگست ۱۹۵۶ء:

''آج مکتبۃ العلمیہ لیک روڈ لاہور سے خط آیا ہے کہ تفسیر طبری ۱۱۷ روپے میں مل سکتی ہے اور المسند (۱۴ جلد) ۹۶ روپے میں مل سکتی ہے۔ مطلوب ہو تو جلدی مطلع کریں۔''

۹راگست ۱۹۵۶ء:

''مولوی عبدالحق صاحب کو کتب خریدنے کے لئے لاہور روانہ کیا گیا ہے۔ ۱۱۷ روپے تفسیر ابن جریر طبری کے لئے دیئے ہیں اور ۱۱۶ روپے مولوی عالم کی کتب کے لئے دیئے گئے ہیں۔''

۲۵راگست ۱۹۵۶ء:

آج مندرجہ ذیل کتب پر مشتمل ایک بنڈل موصول ہوا۔ بمبئی ابناء غلام رسول سواتی کی جانب سے: ۱- لواقع الانوار القدسیہ یک جلد، ۲- مقدمات کتاب الشہادت بہ تشریح ذیل:

مقدمہ اول یک جلد

مقدمہ دوم وسوم یک جلد

مقدمہ چہارم یک جلد

نور محمد کراچی سے تفسیر ابن جریر طبری کامل ۱۲ جلد (مجلد شش جلدیں) اور مواہب لدنیہ شرح شمائل از شیخ باجوری بھی ۱۷۰ روپے میں وصول ہوگئی ہے۔ الحمدللہ

۱۵رستمبر ۱۹۵۶ء:

''بمبئی سے چٹھی آئی ہے کہ نسیم الریاض، ابن خلکان ناقص ہیں۔ مقدمہ ابن خلدون اردو ختم ہے۔ کتاب شہادت بھی ختم ہے لہٰذا دوصد روپیہ کی کتب منگالیں ورنہ قیمت واپس لے لیں۔''

۲۹رستمبر ۱۹۵۶ء:

مولانا کے بڑے بھائی حافظ صالح محمد لاہور میں زیر علاج تھے۔ مولانا خیریت معلوم کرنے کے لئے

لاہور گئے تو وہاں بھی کتابوں کی خریداری کا شغل جاری۔ لکھتے ہیں:

''رسائل تصوف فارسی خرید کردہ از لاہور، مطبع علمی اندرون لوہاری گیٹ۔

اسرار قرآنی، انفاس رحیمیہ، مکتوبات حکیمی، لطائف قدوسی، کلمات طبقات، انیس الارواح، سفرنامہ مخدوم جہانیاں نظام القلوب، نزھۃ الارواح، منتخب مکتوبات قدوسیہ۔''

۶ر نومبر ۱۹۵۶ء:

''الیوم تاریخ ابن خلکان ہر دو جلد بمبئی سے وصول ہوئے۔ ایک بنڈل۔''

۲۲ر دسمبر ۱۹۵۶ء:

''آج ناظم دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن کو چٹھی ارسال کی ہے کہ:

۱- تازہ فہرست کتب دو عدد ارسال کریں۔ ۲- بمبئی سے ایک صاحب کے ذریعے ہم قیمت ارسال کریں گے۔ وثیقہ ذریعہ کیا ہونا چاہئے۔ ۳- کتنے فیصد رعایت ہوگی؟ ۴- ریلوے اسٹیشن چنیوٹ ہے۔ اس کے ذریعے مال آئے گا۔''

قرض لے کر کتابوں کی خریداری:

مولانا کے تحقیقی ذوق کی تسکین کتابوں کے بغیر ممکن نہیں تھی۔ پھر کتابوں کی خریداری کے لئے سرمایہ بھی نہیں تھا اس لئے مولانا کو اس مقصد کے لئے کئی مواقع پر قرض بھی اٹھانا پڑا۔ حج کی ادائیگی کے سلسلے میں حرمین شریفین پہنچے تو وہاں کے مکتبوں پر بہت سی کتابیں اپنے مطلب کی پائیں مگر اپنی جیب میں مطلوبہ رقم نہ پائی تو متعدد لوگوں سے قرض لے کر کتابیں خریدیں اور پاکستان آ کر قرض کی رقم لوٹائی۔ ایک موقع پر کوشش کے باوجود قرض نہ مل سکا تو پر یوں اظہار افسوس کیا:

''افسوس!! ریال ہمیں استقراض میں باوجود سعی کے حاصل نہ ہوئے لہٰذا کتب خریدنے سے قاصر ہیں حالانکہ بعض اچھی اچھی جائز قیمت پر تلاش کر لی تھیں۔ مثلاً اسد الغابہ ۵ جلد (۱۰۰ ریال)، بدائع الصنائع ۷ جلد (۷۵ ریال)، التقریر والتحریر ۳ جلد (۷۰ ریال)، مدارج السالکین ۳ جلد۔'' (ذاتی ڈائری مؤرخہ ۲۳ر جون ۱۹۶۱ء، ۹ر محرم الحرام ۱۳۸۱ھ)

حج سے واپسی پر جدہ میں بحری جہاز میں سیٹ نہ ہونے کے باعث چند دن رکنا پڑا تو ایک دن کے لئے مکہ مکرمہ آ کر پھر عمرہ وطواف کی سعادت حاصل کی۔ اس دوران شاید کتابوں کی خریداری کے لئے پیسوں کا انتظام ہو گیا تھا اس لئے چند کتابیں بھی خریدیں۔ چنانچہ ایک یادداشت میں لکھا ہے:

''یوم السعادۃ (عمرہ) آج ایک ورقہ سفر شیخ الوکلاء سے حاصل کر کے نور محمد اور بندہ دونوں بعد الزوال

مکہ مکرمہ عمرہ کے لئے چلے گئے ہیں۔ حرم شریف کی دوبارہ حاضری بغیر امید حاصل ہوگئی ہے۔ بڑی لذت اور راحت قلبی حاصل ہوئی۔ امن سے طواف تقبیل حجر اسود وغیرہ وغیرہ بڑے اطمینان سے نصیب ہوگئی ہیں۔ الحمدللہ، الحمدللہ ثم الحمدللہ۔

۲- پھر کتب خانوں سے چکر لگا کر دو عدد مندرجہ ذیل کتب حاصل کی ہیں:

۱- اسد الغابہ لابن اثیر جزری پانچ جلد مجلد قیمت مبلغ یک صد ریال، ۲- البدائع والصنائع للکاسانی الحنفی سات جلد مجلد قیمت ۷۵ ریال، جمہرۃ الانساب لابن حزم نہ مل سکی۔ جواہر العلوم طنطاوی نہ مل سکی وغیرہ وغیرہ کتب نوادر کی تلاش کی ہے مگر نایاب ہیں۔''

۳- چند اشیاء دیگر تھوڑی خرید کر بعد از عشاء واپسی ہوئی۔''

(ذاتی ڈائری مؤرخہ ۲۴ر جولائی ۱۹۶۱ء، ۱۰ر صفر ۱۳۸۱ھ)

کتابوں کا باقاعدہ ریکارڈ:

مولانا ان کتابوں کا جو اتنی محنت سے اندرون ملک اور بیرون ملک سے منگوائی جاتی تھیں باقاعدہ ریکارڈ بھی رکھتے تھے۔ کتب خانہ جامعہ محمدی کے لئے باقاعدہ ایک رجسٹر اندراج تھا جس میں آمدہ کتابیں درج کی جاتیں اور ان کا حساب رکھا جاتا تھا۔ جامعہ کے اساتذہ، عملہ، طلبہ میں سے یا باہر کا کوئی آدمی لکھی ہوئی کتاب عاریۃً لیتا تو اس کو باقاعدہ نوٹ کر لیتے۔ ڈائریوں میں اس قسم کی متعدد یادداشتیں موجود ہیں جن میں کتاب اور مستعار لینے والے آدمی کا نام لکھ لیتے تھے۔ مثال کے طور پر ۳ر جنوری تا ۵ر جنوری ۱۹۵۴ء کی تاریخوں میں ''نام کتاب مع نام مستعیر'' کے عنوان سے ایک یادداشت درج ہے جس کے دائیں طرف ''تاریخ اجراء'' اور بائیں طرف ''وصولی مع تاریخ'' کے الفاظ لکھے ہیں اور اس عنوان کے ذیل میں کوئی ۲۲-۲۰ آدمیوں کے نام اور ان کے لئے جاری کردہ کتابوں کے نام لکھے ہیں جن کے ساتھ اجراء اور وصولی کی تاریخیں بھی درج ہیں۔

کتاب مستعار لینے والا آدمی اگر مقررہ تاریخ تک کتاب واپس نہ کرتا تو اسے یاددہانی کراتے۔ اسی طرح کی ایک کتاب واپس لینے کے لئے تو انہوں نے دس بارہ میل کا سفر بھی فرمایا۔ چنانچہ ۲۱ر مئی ۱۹۵۶ء کی یادداشت میں لکھا ہے:

''آج منگوآنہ میں مولانا ضیائی صاحب سے کتاب لانے کے لئے جانا ہوا۔ کتاب ''فلک النجاۃ'' غیر مجلد ان سے لائی گئی۔''

گزشتہ تفصیل سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مولانا کو کتابیں جمع کرنے کا کتنا شوق اور پھر حفاظت کا کتنا اہتمام تھا۔ مولانا نے ایک دیہات کے کتب خانہ میں ہر فن سے متعلق کس پایہ کی کتابیں اکٹھی کیں اس کا اندازہ

''تصنیفات نافعؒ کے مصادر ومراجع'' کے باب میں ایک نظر ڈالنے سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے۔

بیرون ملک سے کتابیں منگوانے کا اہتمام:

یہ بات گزشتہ سطور میں گزر چکی ہے کہ کتابوں کے حصول کے سلسلے میں مولانا کا ملک بھر کے معروف مکتبوں اور ناشران کتب سے رابطہ رہتا تھا۔ اگر انہیں کسی کتاب کے بارے میں معلوم ہوتا کہ یہ کتاب پاکستان میں کہیں دستیاب نہیں بلکہ باہر کے کسی ملک میں موجود ہے تو وہ اس کے حاصل کرنے کیلئے بھی مقدور بھر کوشش اور ممکنہ وسائل اختیار کرتے تھے۔ مثلاً ابن عبدالبر اندلسی کی ایک کتاب ''التمہید لما فی المؤطا من المعانی والاسانید'' کے بارے انہیں معلوم ہوا کہ یہ رباط، مراکش میں شائع ہوئی ہے تو اس کے حصول کیلئے انہوں نے اسلام آباد میں موجود مراکش کے سفیر سے خط وکتابت فرمائی۔ اسی طرح چند کتابوں کیلئے رابطہ عالم اسلامی کو بھی لکھا گیا۔ اس خط وکتابت سے بھی ان کے کتابی ذوق اور کتابوں کے اہتمام کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ذیل میں یہ خط وکتابت ملاحظہ ہو:

KINGDOM OF MOROCCO
MINISTRY OF FOREIGN AFFAIRS
EMBASSY OF THE KINGDOM OF MOROCCO
PAKISTAN

المملكة المغربية
وزارة الشون الخارجية
سفارة المملكة المغربية
باكستان

No.FR/425/73.

19th June, 1973

Mr. Muhammad Nafia,
Librarian Darul-Kutub,
Jamia Muhammadi Sharif,
District Jhang.

Dear Sir,

The Embassy of the Kingdom of Morocco with reference to your letter dated 11th June 1973 very much regret to inform you that your letter sent around 23rd or 24th of March was not received in the Embassy and was perhaps misplaced in mail.
The Embassy would appreciate if you may kindly send a copy of your letter so as arrangements may be made to obtain the book you required.

Thanking you very much.

STAMP
Embassy of the Kingdom of Morocco Pakistan

آپ کا خط مورخہ ۱۱ر جون ۱۹۷۳ء ملا۔ اطلاعاً عرض ہے کہ آپ کا ۲۳ یا ۲۴ ر مارچ کا خط نہیں ملا۔ مہربانی فرما کر اس خط کی نقل بھیجیں تا کہ کتب حاصل کرنے کے لئے ضروری کاروائی کی جاسکے۔

الی حضرۃ المحترم والمعظم السفیر للمراکش المقیم فی باکستان (اسلام آباد)

بعد اھداء السلام المسنون

نذکر بجنابکم المنیف ان وصل الینا ملفوفکم المکتوب بالارخ (۲۳-۶-۷۴ یونیو) فقد اطلعنا علیہ ما فیہ فتعجبنا منہ لانہ مکتوب فیہ ان مکتوب ۲۳-۲۴ مارچ ما وصل الیکم وقد ضاع فی البوسطۃ والامر خلاف ذالك لان سناد والرصید للمکتوب المذکور- قد وصل عندنا من ادارتکم فنحن نرسلہ ان تنظروہ-

بعد نذکرکم ونکتب بجنابکم الشریف ان نطلب کتاب التمھید علی المؤطا لابن عبدالبر بجمیع الاجزاء المطبوعۃ التی طبعت من وزارۃ الاوقاف فی الرباط (المراکش)-

والمرجو منکم ان تعجّلوہ فی الارسال- وبیّنوا ما المصاریف والاثمان؛ لان نرسلھا فی ادارتکم، المطلوب نسخۃ واحدۃ لکتاب التمھید بجمیع الاجزاء المطبوعۃ المنشرۃ-

والسلام علیکم وعلی من لدیکم

ناظر کتب خانہ محمدی، ضلع جھنگ

(دستخط مولانا محمد نافع)

نقل درخواست ۷۴/۷۸۷

۲۸-۱۱-۹۴ھ / ۷۴-۱۲-۱۳ بہی خواہ ملت مکرم جناب سپیکر صاحب

سلام مسنون

التماس ہے کہ ادارہ جامعہ محمدی شریف (جھنگ) کی لائبریری کے لئے مندرجہ ذیل کتاب کی اشد ضرورت ہے جوکہ مراکش میں طبع ہوئی ہے۔ براہ کرم مطلوبہ کتاب جلدی سے منگوا کر دلائی جائے۔نوازش ہوگی۔

"التمهيد لما في المؤطا من المعاني والاسانيد (كامل)

تاليف: الامام الحافظ ابو عمر يوسف بن عبد الله ابن محمد بن عبد البر النمري الاندلسي

وزارة عموم الاوقاف والشؤون الاسلامية المملكة المغربية

المطبعة الملكية-الرباط مراكش"

والسلام

خیر اندیش

دستخط (محمد ذاکر غفرلہ) ۱۳-۱۲-۱۹۷۴ء۔

ایم این اے

ناظم عمومی جامع محمدی شریف ضلع جھنگ پنجاب

بحضرت ارکان وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیۃ
والثقافۃ للمملکۃ الغربیۃ (المراکش) رباط

السلام علیکم---گزارش ہے کہ یہاں جامعۃ المحمدی الشریف میں ایک شعبہ تحقیق وریسرچ قائم ہے۔ اس میں تالیف وتصنیف کی جاتی ہے۔ یہاں کی لائبریری (حصہ حدیث) میں آپ کی مطبوعہ کتاب ''کتاب التمہید'' لمافی المؤطا من المعانی والاسانید لابن عبدالبرؒ کامل الاجزاء کے ساتھ مطلوب ہے۔

کتاب ہذا کے تمام مطبوعہ اجزاء کی شدید ضرورت ہے۔ جامعہ محمدی کی لائبریری کے لئے ارسال فرما کر احسان فرماویں۔

الشیخ محمد نافع عفا اللہ عنہ ناظر مکتبہ جامعۃ المحمدی ضلع جھنگ پاکستان
۱۷ ربیع الاول ۱۴۰۲ھ/ ۱۴ جنوری ۱۹۸۲ء۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رابطۃ العالم الاسلامی
الامانۃ العامۃ

الرقم: ۴۵۷۱
التاریخ: ۹/۷/۹۶
الموفقات: ضروریہ
باکستان

حضرۃ المکرم السید محمد ذاکر المحترم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ- وبعد:-
بالاشارۃ الی کتابکم الذی ترغبون فیہ لبریدکم لیصلی الکتب یسرنا ان نبعث لکم بالبرید برو فیہ تحتوی علی الکتب الموضحہ ونساہ ھدیۃ من رابطۃ العالم الاسلامی لکم آطین اشعارنا بالوصول۔

وتقبلوا تحیاتنا......

الامین العالم
محمد صالح القزاز

ا/ب

- کلام فی الادب - الصحاح ومدارس المصحات - وحی نصوٓاء - الموسوعہ لادبیہ لجزء الثانی
- خفقات الاوتار - من البادیہ - لتانا ءلحزبیہ - الی جنۃ الخلایا فیل

اہل علم سے دوستی:

مولانا کے اوصاف حمیدہ میں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ ''کند ہمجنس با ہمجنس پرواز- کبوتر با کبوتر باز با باز'' کے مصداق ان کی دوستی، تعلق اور واسطہ ورابطہ زیادہ تر اہل علم ہی سے رہا- علاقہ کے بڑے لوگوں یعنی سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کی بھی ان کے پاس آمدورفت رہتی تھی- دینی مسائل پوچھنے کے سلسلے میں بھی یہ لوگ ان کے پاس آتے رہتے تھے- مگر معمول کی سلام دعا، خیر خیریت اور حسن اخلاق سے پیش آنے کے علاوہ ان کے لئے کوئی خصوصی پروٹوکول، خوشامد برامد، کوئی خاص آؤ بھگت، کوئی سپیشل کھانے کا انتظام اور ان کے آگے پیچھے ہونے والی بات قطعاً نہ تھی- ضرورت سے زیادہ ایسے لوگوں کا بیٹھنا طبیعت پر ناگوار گزرتا تھا- اس کے برعکس کسی عالم دین اور بطور خاص کسی ہم مزاج اور بے تکلف دوست عالم دین کی آمد پر ان کے چہرے کی رونق دیدنی ہوتی تھی- علماء دین کے ساتھ ہی ہمیشہ دوستی اور واسطہ ورابطہ رہا- دنیادار لوگوں سے کبھی دوستانہ اور قریبی تعلق نہیں رکھا-

کتاب ہذا کے باب ''مولانا محمد نافعؒ --علماء کی نظر میں'' کے اندر متعدد علماء اور دینی مدارس کے طلبہ کی مولانا سے ملاقات اور اس وقت مولانا کی کیفیت اور خیالات کی تفصیل موجود ہے جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ علماء دین اور طلبہ دین کی آمد پر انہیں کتنی خوشی ہوتی تھی- بہرکیف زیر بحث اخلاقی وصف اور خوبی کے حوالے سے ذیل میں مولانا کی چند یادداشتیں ملاحظہ ہوں:

۱۵رنومبر ۱۹۴۶ء:

''جشن سیمین-- ۱۵ر تا ۱۸رنومبر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی جامعہ نگر کی پچیس سالہ کارکردگی کی شاندار جوبلی منائی جارہی ہے- جامع مسجد جامعہ کا سنگ بنیاد بدست مولانا عبدالقادر رائے پوری صوفی رحمۃ اللہ علیہ رکھا جائے گا- مشاہیر علماء وعظماء کا جمگھٹ ہوگا- افسوس ہم نہیں پہنچ سکے- اطلاع دیر سے ہوئی-''

۸-۹راگست ۱۹۵۰ء:

''۸راگست مولانا حافظ دوست محمد صاحب جہلمی تشریف لائے ہیں- دوتین روز قیام کریں گے- تحفہ اثنا عشریہ سے انہوں نے مزید تعلقات ومراسم پر بیانات دکھلائے-

۹راگست- تعلیمی گفتگو- علم کی بات چیت جاری رہتی ہے-''

۱۰ تا ۱۴راگست ۱۹۵۰ء:

عربی تعلیمی کانفرنس حیدرآباد سندھ میں شرکت

۱۰راگست:- ''ناگہانی سفر- ان اللہ معنا- حیدرآباد سندھ جامعہ عربیہ کی طرف سے عربی تعلیمی کانفرنس ۱۱-۱۲راگست ۱۹۵۰ء کو منعقد ہورہی ہے اس میں شرکت کیلئے آج اپنے جامعہ محمدی ضلع جھنگ کی

طرف سے بتوکل الٰہی ارادہ کرلیا ہے۔ لائل پور کے راستہ سے جانا ہوگا۔ بعون اللہ تعالیٰ۔ مولانا حافظ دوست محمد بھی آج واپسی پر شریک سفرتا چنیوٹ ہیں۔ وہ چوکیرہ سے ہوکر جائیں گے۔

۱۱راگست: لائل پور میں ۴۔۵ بجے شام کی گاڑی نہ ملنے پر رات مولانا حافظ عبدالمجید کے ہاں گزار کر صبح جمعہ ۷ بجے چناب ایکسپریس سے روانگی ہوئی۔ سارا دن سفر میں رات ہفتہ ۴ بجے صبح کو حیدرآباد سندھ پہنچنا ہوا۔ کانفرنس دو دن گزر چکی تھی۔ تیسرا دن باقی تھا۔ علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا قاری محمد طیب صاحب، مفتی صاحب (مفتی محمد شفیع)، عمر بہاء الامیری سفیر شامی، الحمود زبیری یمنی وغیرہم موجود تھے۔ بعض حضرات واپس بھی ہو چکے۔ شیخ پیر غلام مجدد صاحب سرہندی وغیرھم ارکان تعلیمی کانفرنس تھے۔

۱۲راگست: پہلے ۱۰ بجے دن تمام شہر کے اسکول طلبہ اور جامعہ عربیہ کے طلبہ کا مشترکہ اجلاس ہوا۔ صدارت الامیری سفیر شامی نے کی اور صدارتی تقریر ان کی عربی میں تھی۔ طالب علموں کو نصائح اور عربی کی زبان کی اہمیت کے ساتھ ساتھ اس کے احیاء و ابقاء کا سوال اور عسکری تربیت کی ترغیب وغیرہ وغیرہ پر مشتمل تھی۔ بعدازاں علامہ سید سلیمان ندوی صاحب نے مدارس عربیہ اور اسکولوں کو ایک دوسرے کے قربت علم اور مذاق پیدا کرنے کی تلقین کی اور مزید نصائح ماحول کے مناسب۔ علامہ صاحب کے فرزند سید سلمان سے سرسری سا تعارف ہوا۔

۱۳راگست: منتہی جماعتوں کا اجراء۔ جامعہ عربیہ حیدرآباد کی تعلیم پہلے میٹرک تک تھی۔ اس سے آگے اس دفعہ ترقی دی گئی ہے۔ اس میں حدیث وفقہ و دیگر دینی کتب کا درس ہوگا۔ ہفتہ کو اس کا افتتاح جناب قاری صاحب (قاری محمد طیب) کی تمہیدی تقریر کے بعد سید صاحب ندوی اور قاری صاحب کے ہاتھوں ہوا۔

اتوار کو مہمانوں کی واپسی تھی۔ بصد مشکل ہم نے شام سید اکبر علی شاہ صاحب (جو جامعہ کے مہتمم ہیں) سے رخصت حاصل کی۔ یہ بڑے مصروف تھے۔ چھٹی حاصل کرتے ہی بڑی تیزی سے اسٹیشن پہنچ کر بفضل خدا گاڑی پر سوار ہوئے۔

۱۴راگست: السفر سقر ولو کان میلاً۔ آج مکمل سفر ہے۔ ۴ بجے شام کے قریب لائل پور پہنچے۔ مولانا کاکا خیل صاحب سے ملاقات ہوئی۔ اصلاح نصاب و تنظیم مدارس کے متعلق بات ہوتی رہی۔ چند عوارض کی وجہ سے تاحال تعویق ہوئی۔ پھر لائل پور سے رات کو چنیوٹ پہنچنا ہوا۔ مولانا قطب الدین صاحب سے ملاقات میسر ہوئی۔

۹؍مارچ ۱۹۵۲ء: تعلیمی کانفرنس میں شرکت

''آج لاہور روانگی بمع میاں شیر محمد حکیم ڈھڈھی ہوئی۔شام ۲ بجے پہنچے۔علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا محمد صادق صاحب بہاولپوری، مولانا خیر محمد صاحب جالندھری ملتانی، مولانا عبدالخالق صاحب، مولانا عبداللہ صاحب، مفتی جامعہ اسلامیہ مولوی عبدالحامد بدایونی وغیرھم علماء کرام تشریف لائے ہوئے تھے۔دو دن کانفرنس ہوتی رہی۔گورنر اسماعیل چندریگر نے کانفرنس کا افتتاح کیا۔رات کو وزیر تعلیم دستی صاحب شریک اجلاس ہوئے۔میاں ممتاز دولتانہ وزیر اعظم نے بیماری کی وجہ سے معذرت کی۔ثلاثۃ ماۃ چندہ ادا کیا۔

۱- ابتداً لاہور میں مقامی لوگوں کی رقابتوں کی وجہ سے بڑا اشکال سامنے رہا۔آخر کار دشواریاں دور ہوئیں مگر بڑی جدوجہد کے بعد۔ہر ایک کو اپنی ناموری اور عزت کا سوال مقدم ہوتا ہے۔اتفاق خلوص سے نہیں کرتے۔

۲- دوسرے کو پھنسا کر خود ذمہ داری سے الگ ہو جایا کرتے ہیں۔

یادداشت: مدعو علماء میں سے بدایونی صاحب کے سوا کسی کو سفر خرچ، کرایہ وغیرہ نہیں دیا گیا۔آئندہ کے لئے اس کا الٹا اثر ہوگا۔بظاہر یہ ٹھیک نہیں ہوا۔اتنا ایثار کون کر سکتا ہے۔''

یکم تا ۳؍اکتوبر ۱۹۵۵ء: تبلیغی اجتماع کوہاٹ میں شرکت

یکم اکتوبر: آج اسباق کی فراغت کے بعد سفر تبلیغی جماعت کے اجتماع (کوہاٹ) میں شمولیت کے لئے حکیم مولا بخش صاحب اور حافظ محمد شیر کھوکھر طالب علم اور بندہ سائیکل سوار ہو کر شام ۷ بجے چنیوٹ پہنچے۔راستے میں بڑی بارش کی وجہ سے عام پانی تھا۔رات کو وہاں سے پانچ احباب مزید شامل ہوئے اور مولوی منظور احمد صاحب خود تو نہ آسکے ان کے قائم مقام طالب علم مدرسہ سے گئے۔۱۱ بجے سوار ہو کر کندیاں سے ہوتے ہوئے اور پانچ بجے ۲؍اکتوبر کی شام کو کوہاٹ پہنچے۔ہمارے قافلہ میں آٹھ آدمی تھے۔مغرب کی نماز مقام اجتماع (عیدگاہ کوہاٹ) میں جا کر پڑھی۔

۲؍اکتوبر: شام پانچ بجے کوہاٹ پہنچے۔سارا دن سفر میں گزرا۔

۳؍اکتوبر: یوم الاثنین کی رات مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (عرف علی میاں صاحب) ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے امت مسلمہ کی منقبت اور شان امت مسلمہ پر نہایت عمدہ تقریر فرمائی اور اشیاء اربعہ پر روشنی ڈالی۔یقین، محبت، دعوت اور احتساب (حسبۃ للہ) کام کرنا کہ یہ اس امت کی خصوصیات ہیں جو فی زمانہ اقوام عالم میں مفقود ہیں اور مسلمانوں میں سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے موجود ہیں۔ان

صفات کے بقاء وتحفظ کی ضرورت درپیش ہے کہ کہیں ختم نہ ہو جائیں۔
دن کو مولوی رحمت اللہ میرٹھی نے شان صحابہ بیان کر کے دین کی طرف رغبت پر زور دیا۔ بعض لوگوں نے تازیست تبلیغ کے لئے وقف ہونے بعض نے کئی سالوں کے لئے بعض نے چلوں کے لئے اوقات دیئے۔ بعض نے ہفتے اور عشرہ کے لئے۔
نمایاں چیزیں: ۱۔ تبلیغی حضرات تمام خرچ اپنی جیب سے کرتے ہیں۔ ۲۔ جذبۂ اشاعت دین وتبلیغ نہایت خالص طریقہ سے تمام میں پایا جاتا ہے۔

قومی وملی امور سے دلچسپی اور آگاہی:

مولانا کے اوصاف حمیدہ میں یہ امر بھی داخل ہے کہ وہ علم وتحقیق اور تصنیف وتالیف جیسے محنت طلب کام سے متعلق ہونے، ایک دور دراز دیہات میں رہائش پذیر ہونے اور کوئی خاص سیاسی و مالی حیثیت نہ رکھنے کے باوجود قومی وملی امور سے دلچسپی، ہمدردی اور آگاہی رکھتے تھے۔ ان کی ڈائریوں میں جگہ جگہ اس طرح کی چیزیں درج ہیں۔ سب کا احاطہ کرنا یہاں مقصود نہیں صرف اثبات دعویٰ کے لئے چند یادداشتیں آئندہ سطور میں پیش ہیں:

۱۴رنومبر ۱۹۴۶ء:
مولانا شبیر احمد عثانی کو مسلم لیگ کے متعلق چند گزارشات ارسال کی ہیں اور جواب کے لئے ٹکٹیں ساتھ روانہ کی ہیں۔ مگر جواب ندارند۔ واللہ اعلم۔

۱۱رفروری ۱۹۴۸ء:
امسال گندم حد درجہ کی گراں ہو رہی ہے۔ کنٹرول ریٹ تقریباً ۹-۱۰ روپے فی من کے حساب سے مقرر ہے مگر بلیک میں لوگ ۴۰ روپے فی من تک پہنچ چکے ہیں۔ ۳ پڑوپی یا ٹوپہ فی روپیہ تو عام لین دین ہو رہا ہے خوراک کے لحاظ سے لوگ بڑے تنگ ہیں۔ دو دو دن فاقے میں کاٹ کر ساگ پات گاجر مولی وغیرہ پر گزارہ کر رہے ہیں۔ القحط بھذا الحد لا نری قط قبلہ ھذا ابتلاء عظیم و عمیم۔

۲۶-۲۷رفروری ۱۹۴۹ء:
مختلف ممالک یو ایس اے، آسٹریلیا اور جاپان میں لوگوں کی سالانہ اوسط آمدنی اور پھر پاکستان میں اوسط آمدنی سالانہ ۶۵ روپے درج کرنے کے بعد لکھا ہے:
گویا فی کس روزانہ آمدنی اوسطاً ۲ آنہ ساڑھے نو پائی اور فضول خرچی کا اندازہ اس سے کیا جائے کہ یونائیٹڈ پریس کی اس ہفتہ (اواخر مارچ ۱۹۴۹ء) کی اطلاع مظہر ہے کہ صرف لاہور شہر میں ڈھائی لاکھ روپے کے روزانہ سگریٹ خرید کئے جاتے ہیں۔ لاہور کی آبادی سترہ لاکھ ہے۔ گویا ڈھائی آنے فی

کس یومیہ سگریٹ کا خرچ ہے۔ (عروج جھنگ ۲۴ / مارچ ۱۹۴۹ء جلد نمبر ۲۰، شمارہ نمبر ۳۰)

یعنی ڈھائی لاکھ روپیہ روزانہ ایک شہر غیر ممالک کی نذر کرتا ہے۔ صرف فضول خرچی میں، ضیافت طبع میں۔ ۱۲

۲۸ / فروری ۱۹۴۹ء:

لیاقت علی خان وزیراعظم، مسٹر تمیز الدین صدر مرکزی اسمبلی وغیرہم کو آج جامعہ کے عملہ وطلبہ کی طرف سے شرعی قانون کی ترویج کے لئے پرزور مطالبہ کیا گیا۔ ایک مبسوط تحریر پر دستخط عملہ وطلبہ سے لئے گئے اور وہ روانہ کی گئی۔

۱۱ / مارچ ۱۹۴۹ء:

قیام پاکستان کے بعد پہلی اہم قرارداد جو وزیراعظم لیاقت علی خان نے مؤرخہ ۷ / مارچ ۱۹۴۹ء کو بمقام کراچی (مرکزی اسمبلی) میں پیش کی:۔

۱- قائداعظم نے اپنے نظریہ کا متعدد موقعوں پر اظہار کیا تھا کہ پاکستان اس لئے قائم کیا گیا کہ اس بقعہ صغیرہ کے مسلمان اپنی مملکت کی تعمیر اسلامی تعلیمات وروایات کے مطابق کرنا چاہتے تھے۔ بعض خیالات کی تردید کرتے ہوئے وزیراعظم نے صراحت کی کہ

۲- ہم یہ چاہتے ہیں کہ تمام اقتدار جو ہمیں خداوند تعالیٰ کی طرف سے ایک مقدس امانت کے طور پر تفویض ہوا ہے اسے اسلام کے مقرر کردہ معیار کے مطابق استعمال کریں تاکہ استعمال غلط طریق پر نہ ہو سکے۔

۳- قرارداد میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ مملکت تمام اختیارات کو عوام کے منتخب کردہ نمائندوں کے ذریعے کام میں لائے گی۔

مولانا عثمانی (شبیر احمد صاحب) نے اس مفصل قرارداد پر بیان دیتے ہوئے فرمایا کہ قرارداد مادیات کی تاریخ میں روشنی کا مینار ہے۔ (غازی لاہور مؤرخہ ۹-۱۰ / مارچ ۱۹۴۹ء)

۲۰ / ستمبر ۱۹۴۹ء:

سالانہ مشاہرات اسلامی حکام بمع دعویٰ اسلامی سوشلزم

گورنر جنرل بہادر	تین لاکھ چھتیس ہزار روپے سالانہ
مرکزی وزراء	۶۰ ہزار روپے سالانہ
صوبائی گورنر	۸۴ ہزار (علاوہ الاؤنس) سالانہ
جنرل منیجر ریلوے	۴۲ ہزار (علاوہ الاؤنس) سالانہ

صدر دستور ساز اسمبلی ۳۶ ہزار (علاوہ الاؤنس) سالانہ (منقول از سازنو)

۲۳ / مارچ ۱۹۵۰ء:

پنجاب کا میزانیہ شیخ صادق حسن مشیر مالیات نے ۵۱-۱۹۵۰ کے لئے پیش کر دیا ہے۔ بصیرت لاہور مؤرخہ ۳۱ / مارچ ۱۹۵۰ء پر مفصل درج ہے۔ اس میں ذکر کیا گیا ہے کہ:

۱- تعلیم پر دو کروڑ نوے لاکھ روپیہ صرف کیا جائے گا۔

۲- دو لاکھ روپے محکمہ اسلامیات کے قیام کے لئے محفوظ کر دیئے گئے ہیں۔

۳- اقبال کی تعلیمات کی نشر واشاعت کے لئے ایک لاکھ روپیہ۔

۱۰ / مئی ۱۹۵۰ء:

مجلس عاملہ مسلم لیگ صوبائی لاہور کی قرارداد مؤرخہ ۳۰ / اپریل ۱۹۵۰ء:

''یہ اجلاس حکومت پاکستان اور دستور ساز مجلس سے پرزور استدعاء کرتا ہے کہ غیر اسلامی قوانین کو منسوخ کر کے ان کی جگہ قرآن اور اسلام کے مطابق قوانین جاری کئے جائیں۔'' (ترجمان مسلم لیگ لاہور ۴ / مئی ۱۹۵۰ء)

۷ تا ۱۱ / اپریل ۱۹۵۱ء:

نئی کابینہ کے وزیر اعظم سمیت تمام وزراء کے نام اور ان کے محکمے درج کئے ہیں۔

۱۵ / جولائی ۱۹۵۱ء:

۱۵-۱۷ / جولائی ۱۹۵۱ء کو ہندوستان نے نوے فیصد فوج سرحد کشمیر و پاکستان پر جمع کر دی ہے اور بظاہر جنگ کے آثار نظر آ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شر و فساد جنگ سے ملک کو امن دیوے۔
ان حالات پر لیاقت علی خان وزیر اعظم نے پنڈت جواہر لال نہرو کو تار بھیجا کہ اس خطرناک نقل و حرکت کا مطلب کیا ہے؟ تو کیا آپ جنگ چاہتے ہیں؟ جس کا نہرو نے تسلی بخش جواب نہیں دیا۔ حالات کا انتظار ہے۔

عالمی حالات وواقعات پر نظر:

عمومی مشاہدہ یہی ہے (الا ماشاء اللہ) کہ ہمارے مذہبی طبقہ اور علماء دین کو عام طور پر دنیا میں اور بین الاقوامی سطح پر ہونے والے معاملات وواقعات سے کوئی سروکار ہوتا ہے نہ اس سلسلے میں وہ کوئی معلومات اور دلچسپی رکھتے ہیں۔ مگر مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی ڈائریوں اور یادداشتوں سے مترشح ہوتا ہے کہ ایک دیہات میں رہائش پذیر ہونے کے باوجود عالمی سطح پر وقوع پذیر ہونے والے واقعات اور عالمی معلومات سے آگاہی کے لئے انہوں نے کچھ اخبارات اور رسائل اپنے نام جاری کروا رکھے تھے اور ان کی مدد سے عالمی حالات وواقعات سے نہ صرف

آگاہ رہتے بلکہ انہیں یادداشت کے طور پر اپنی ڈائری/روزنامچہ میں درج بھی کرتے تھے۔ بعض اوقات ان پر اپنے تاثرات کا اظہار بھی کرتے تھے۔ اس نوعیت کی متعدد یادداشتیں ڈائریوں میں درج ہیں۔ ذیل میں بطور نمونہ چند یادداشتیں ملاحظہ ہوں:

۱۷ر نومبر ۱۹۴۶ء:

کٹاری باغ ضلع پٹنہ میں ۵ ہزار ہندوؤں نے صرف چار مسلمانوں پر حملہ کیا۔ یہ چاروں مسلمان ایک سو تیس ہندوؤں کو ہلاک کر کے خود بھی جاں بحق ہو گئے اور خیر القرون کی یاد تازہ کر دی۔ رحمھم اللہ تعالی وجعل اللہ الجنۃ مثواھم۔ (زمزم ۱۲ر ذوالحجہ ۱۳۶۵ھ/ ۱۱ر نومبر ۱۹۴۶ء)

۱۲ر جنوری ۱۹۴۸ء:

''کشمیر: کل رقبہ کشمیر ۸۲۲۵۷ مربع میل ہے۔ حیدر آباد دکن کے رقبہ سے صرف ۵۵ مربع میل کم ہے۔ مشہور صنعت شال بافی ہے۔ مشہور پیداوار زعفران اور پھل پھلوٹ ہیں۔ کشمیر کے شمال میں روس واقع ہے۔ مشرق میں چین اور مغرب میں افغانستان، جنوب میں ہندو پاکستان ہیں۔ اس کی کل آبادی ۴۰ لاکھ ۲۱ ہزار چھ سو اٹھارہ ہے۔''

اس کے بعد مسلمان، ہندو، سکھ، بودھ، عیسائی، چین، پارسی آبادی کی کل تعداد و شمار درج ہے۔ بعد ازیں اگلی تین تاریخوں میں کشمیر کے چاروں اطراف میں واقع چھ حکومتوں/ممالک کا حدود اربعہ پھر کشمیر کی داخلی تقسیم کی تفصیل درج ہے۔ (بحوالہ مدینہ بجنور ۱۹ر ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ/ یکم مارچ ۱۹۴۷ء)

۲۷ تا ۲۹ر جنوری ۱۹۴۸ء:

ان تاریخوں میں فلسطین کا حدود اربعہ، مجموعی آبادی اور ضروری معلومات درج ہیں۔ پھر دنیا کے مختلف ملکوں میں موجود یہودی آبادی کے اعداد و شمار لکھے ہیں۔ علاوہ ازیں عالمی طاقتیں اور اقوام متحدہ فلسطین کے بارے میں کیا عزائم اور منصوبے رکھتے ہیں، ان کی تفصیل درج ہے۔ (بحوالہ مدینہ بجنور یکم فروری ۱۹۴۸ء)

۳۰ر جنوری تا ۲ر فروری ۱۹۴۸ء:

ان تاریخوں میں مہاتما گاندھی کے قتل، اس کے قاتل اور اس کی سوانح سے متعلق ضروری معلومات درج ہیں۔

۱۹ر فروری ۱۹۴۸ء:

''ادارہ اقوام متحدہ'' کے عنوان سے ادارہ سے متعلق ضروری معلومات اور سلامتی کونسل کے مستقل اور غیر مستقل رکن ممالک کے نام لکھے ہیں۔ (بحوالہ مدینہ بجنور ۲۱ر فروری ۱۹۴۸ء)

۲۷رفروری ۱۹۴۸ء:

روزنامہ احسان لاہور مؤرخہ ۲۲رفروری ۱۹۴۸ء کے حوالے سے غیر منقسم ہندوستان کے نام برطانیہ کے قرضہ جات کی تفصیل درج ہے۔

یکم مارچ ۱۹۴۸ء:

کشمیر اکتوبر ۱۹۴۷ء سے ہندوستان میں شمولیت کا اعلان کر چکا ہے۔

انڈونیشیا ۱۷راگست ۱۹۴۵ء سے آزاد ہو چکا ہے۔ امسال (۱۹۴۸ء) تیسرا یوم آزادی انہوں نے ۱۷راگست ۱۹۴۸ء کو بڑی دھوم سے منایا۔''

۱۸-۱۹رمارچ ۱۹۴۸ء:

جنگ عظیم اول اور دوم سے متعلق ضروری معلومات اور جانی نقصان کے اعداد وشمار درج ہیں۔

الغرض اسی طرح کی عالمی معلومات اور واقعات وحالات تمام ڈائریوں میں جگہ جگہ موجود ہیں جن کا احاطہ مقصود نہیں۔ گزشتہ تفصیل سے صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ مولانا بین الاقوامی اور عالمی حالات وواقعات سے بھی آگاہی اور دلچسپی رکھتے تھے۔

شعری ذوق:

مولانا صاحب کی ڈائریوں، روزناموں اور بیاض سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں شعری ذوق بھی تھا۔ اسی ذوق کے باعث انہوں نے اپنی ڈائریوں میں سینکڑوں جگہ چیدہ چیدہ منتخب قسم کے اور مضمون وتخیل کے اعتبار سے بڑے ایمان افروز اور انتہائی بلند قسم کے عربی اردو اور فارسی اشعار رباعیاں اور قطعات درج کئے ہیں۔ یہ ذوق ان کی تقریر اور وعظ وتبلیغ میں تو نظر نہیں آتا تھا نہ ہی تصنیفات میں دکھائی دیتا ہے البتہ ڈائریوں میں جگہ جگہ اس کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ نمونے کے طور پر ذیل میں کچھ اشعار ملاحظہ ہوں:

''مدح صحابہ'' غزل سعدی شیرازی

بوبکر ہمچوں کعبہ عمر در طواف او
عثمان آب زمزم علی حج اکبر ست

بوبکر جان ماست عمر دیدگان ماست
عثمان زبان ماست علی تاج برسرست

بوبکر چون درخت عمر شاخ آن درخت
عثمان مثل برگ علی میوہ برسرست

ہر کس ازین چہار یکے را خلاف کرد
او یقین بدان یہودان خیبر ست
لکھ لکھ ہزار لعنت بر جان رافضی
بر جان آنکہ دشمن بوبکرؓ عمرؓ ست
لکھ لکھ ہزار رحمۃ بر جان مومنان
بر جان آنکہ سنی و بر دین سرور ست
سنی منم کہ سعدی شیراز جانے منم
مدح رسول گویم جانم معطر ست[1]

اسی طرح ۳؍جولائی ۱۹۴۶ء کی تاریخ میں لکھا ہے۔

واعظِ ما چشم بر میخانہ دوخت مفتیٔ دین متین فتویٰ فروخت
چیست یاراں بعد زیں تدبیر ما رُخ سوئے میخانہ دارد پیر ما
(خواجہ حافظ)

۸؍اگست ۱۹۴۶ء کے صفحہ پر ''سفر ہجرت مدینہ'' کے حوالے سے درج رباعی قابل ملاحظہ ہے:

چہ خوش باشد سفر آندم کہ یارے ہم سفر باشد چناں یارے کہ زیبا طلعتش رشک قمر باشد
سوار ناقہ احمد سرورِ جن و بشر باشد عنانش در کف صدیق پیر نامور باشد

۲۴؍ستمبر ۱۹۴۶ء:

توزلف راشکستی وتاریک شد جہاں اکنون فتاد شام غریباں کجا روند

۲۶؍ستمبر ۱۹۴۶ء:

گرچہ نتواں بدوست رہ بردن شرط یاری ست در طلب مردن
گدایان را ازیں معنی خبر نیست کہ سلطان جہان باماست امروزا

سرورق ڈائری ۱۹۴۸ء:

تلك اثارنا تدل علينا فانظروا بعدنا الى الآثار

[1] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، ذاتی ڈائری مؤرخہ ۲۷۔۲۸؍جولائی ۱۹۴۶ء۔

یکم جنوری ۱۹۴۸ء: عربی میں ایک نعت نبوی

ذالك الذی عبد الاله واخلصا وهو المشفع فی المعاد لمن عطی
و بکفّه نطقت و سبحت الحطی شرفاً له ولربه تعظیما
صلو علیه وسلّموا تسلیما

فی الغار نسج العنکبوت لاجله والماء من یمناه فاض لفضله
وتفجر الضرع الاجد برسله واخضر جذع کان قبل هشیما
صلو علیه وسلّموا تسلیما

رجوع وتضرع الی اللہ:

انسانی تاریخ اور واقعات وتجربات اس بات کے گواہ ہیں کہ دنیا میں کامیابی کامرانی عزت اطمینان اور سکون جیسی نعمتیں ہمیشہ انہی لوگوں کے حصے میں آئی ہیں جنہوں نے تمام معاملات میں اپنے رب کی طرف رجوع کیا، اسی کے سامنے ہاتھ پھیلائے، اسی کے سامنے آہ وزاری کی، اسی کی کریم ورحیم ذات پر توکل کیا۔ اس کے برعکس جن لوگوں نے اپنے پروردگار سے منہ موڑا، اپنے ہی زور، وسائل اور طاقت کے بل بوتے پر اپنے مسائل، مشکلات اور پریشانیاں دور کرنے کی کوشش کی اللہ نے ان سے اپنی مدد اور توفیق اٹھاتے ہوئے انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا اور وہ دنیا میں بالآخر ذلیل وخوار ہو کر رہ گئے۔ اس لئے قرآن وحدیث میں جگہ جگہ اہل ایمان کو اللہ کی طرف رجوع کرنے، اسی کی بارگاہ سے ہر قسم کی امید رکھنے اور بھیک مانگنے کی تاکید کی گئی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے بعد صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ دین، بزرگان دین اور سلف صالحین کے پاس یہی سب سے بڑا ہتھیار تھا۔

اس حوالے سے جب ہم اپنے ممدوح مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو وہ بھی ہمیشہ اللہ کریم کی طرف رجوع کرتے، گڑگڑاتے، معافی مانگتے اور ایک مؤمن کے شایان شان بارگاہِ الٰہی میں دعا، حمد وثنا اور آہ وزاری کرتے نظر آتے ہیں۔ اس دعویٰ کے ثبوت کیلئے ذیل میں ان کی ڈائری سے چند مناجات ملاحظہ ہوں:

ایک بیاض میں علامہ کمال الدین دمیری کی حیوۃ الحیوان (ج ۱ ص ۴۵) سے درج ذیل ایمان افروز عربی مناجات نقل کی ہے۔ یقیناً اس کا ورد بھی معمول ہوگا۔ علامہ الدمیری کے مطابق یہ مناجات یا اشعار علامہ السہیلی کے ہیں اور ان کا یہ ذاتی تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ جو آدمی یہ مناجات پڑھ کر دعا کرتا ہے اللہ کریم اس کی دعا قبول فرماتا اور اس کی مطلوبہ چیز عطا فرماتا ہے۔

یا من یری ما فی الضمیر ویسمع انت المعتمد لکل ما یتوقع
یا من یرجی للشدائد کلها یا من الیه المشتکی والمفزع

یا من خزائن رزقه فی قول کُن — امنن فان الخیر عندك اجمعُ
مالی سوىٰ فقری الیك وسیلة — فالا فتقار الیك فقری ادفعُ
مالی سوىٰ قرعی لبابك حیلة — فلئن رددت فای باب اقرعُ
و من الذی ادعوو هتف باسمه — ان کان فضلك عن فقیرك یمنعُ
حاشا لجودك ان تقنط عاصیاً — فالفضل اجزل والمواهب اوسعُ

اسی طرح یکم جنوری ۱۹۴۸ء کی تاریخ میں درج ذیل حمدیہ کلام بھی مطالعہ کے لائق ہے:

لك الحمد حمداً نستلذ به ذکرا — وان کنت لا احصیٰ ثناء ولا شکرا
لك الحمد حمداً طیباً یملاء السماء — واقطارها والارض والبر والبحرا
لك الحمد حمداً طیبا انت اهله — علیٰ کل شیء یشمل السروا الجهرا
الٰهی تغمدنی برحمتك التی — وسعت و اوسعت البرایا بهاء برا
وبعد حیاتی فی رضاك توفنی — علی الملة البیضاء والسنة الزهرا

علیٰ ہذاالقیاس ۳۱ر جولائی ۱۹۴۶ء کی تاریخ میں درج ذیل پنجابی مناجات سے بھی آدمی کا ایمان تازہ ہوتا ہے۔

یا رب کر ہدایت مینوں ہادی توں گمراہاندا — رہزن میرے چھپ کر بیٹھے راکھا ہویں راہاندا
دشمناں کولوں رکھیں مینوں تو ہیں کوٹ پناہاندا — جد جھوک لدیسی ساتھی ہویں خطرہ ہے بدخواہاندا
نال عزت دے پار لگائیں آسرا ناہیں باہاندا — کدھی تے ہاں میں بیروٹا خوف رہے نت ڈھاہاندا
رحمتہ منہ وسائیں سائیاں خوف دوزخ دی بھاہاندا — عمل نہیں کیتا لائق تیرے بدھم بھار گناہاندا
سوال جناب تیری وچ ایہو کم اساہاندا — درویش نوں ٹورن درتو خالی کم نہیں ایہہ شاہاندا
کریں شفیع نبی اساڈے رکھیں دوست چواہاندا — موڑن منہ انہاندے کولوں ایہو کم گمراہاندا

اعتدال پسندی

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے زیادہ تر دیوبندی مکتب فکر کے اساتذہ سے پڑھا۔ دورۂ حدیث بھی دارالعلوم دیوبند سے کیا اس لئے دیوبندی مکتب فکر کی طرف ان کا رجحان ہونا ایک فطری امر تھا۔ اسی رجحان کے باعث ان کا اٹھنا بیٹھنا، آنا جانا اور تعلقات بھی زیادہ تر دیوبندی علماء سے تھے۔ اس کے باوجود ان کے رویہ میں کوئی مسلکی تعصب اور تنفر نہیں تھا۔ نہ انہوں نے کبھی اپنی تقریر یا تحریر میں اس طرح کی بات کی۔ کسی مسئلہ میں کسی بھی عالم یا مسلک کے نقطۂ نظر سے اختلاف ہونا ایک قدرتی امر ہے مگر اس کی تنقیص، تحقیر، تذلیل، تضلیل، تفسیق یا آگے بڑھ کر تکفیر کبھی بھی علماء حق کا شیوہ نہیں رہا۔ مولانا کی ڈائریوں میں بھی فرقہ ورانہ قسم کی یادداشتیں نظر نہیں آتیں۔ انہوں نے تو ہزار اختلاف کے باوجود شیعہ کو بھی کہیں کافر قرار نہیں دیا۔

صاحبزادہ ابوبکر صدیقی کی یہ گواہی پیچھے گزر چکی ہے کہ فیصل آباد کے مشہور بریلوی مدرسہ جامعہ رضویہ کے شیخ الحدیث مولانا غلام رسول رضوی ایک مرتبہ جامعہ محمدی میں تشریف لائے تو مولانا نے خود جا کر ان سے ملاقات کی، انہیں اپنا کتب خانہ دکھایا، انہیں الوداع کرنے کے لئے ٹانگہ اڈا تک ان کے ساتھ گئے۔ شیخ الحدیث موصوف جامعہ میں تشریف لائے تھے، مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے مہمان نہیں تھے۔ مولانا ان کو ملنے نہ بھی جاتے تو شرعاً اخلاقاً کوئی قابل اعتراض بات نہ تھی۔ اس کے باوجود مولانا نے بڑے پن، وسیع النظر فی اور اعلیٰ اخلاق کا ثبوت دیا۔ اسی طرح محمدی شریف کی جامع مسجد کے خطیب مولانا محمد ناظر سیالوی کے ساتھ مولانا کی اعلیٰ ظرفی اور حسن اخلاق کی آپ بیتی بھی گزر چکی ہے۔

جامعہ محمدی کا مسلک ''اعتدال'' تھا۔ تمام مکاتب فکر کے اساتذہ بیک وقت پڑھاتے رہے۔ جامعہ کا یہ مسلک یا پالیسی مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ سے مخفی نہیں تھی۔ وہ طبعاً بھی اپنے بزرگوں کی طرح اعتدال پسند آدمی تھے۔ اس اعتدال پسندی یا مسلک اعتدال کی مزید وضاحت مولانا کے درج ذیل دو خطوط سے ہوتی ہے جو انہوں نے اپنے بڑے بھائی جان مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایت پر دو آدمیوں کو ارسال کئے۔ چنانچہ اپنی ذاتی ڈائری ۱۹۴۸ء کی تاریخ ۱۹ر جنوری بمطابق ۷ر ربیع الاول ۱۳۶۷ھ پر لکھتے ہیں:

بنام امین صاحب، چنیوٹ

ادارہ ہذا کا تقریباً شروع سے ہی اعتدال (میانہ روی) کا مسلک رہا ہے اور اب خاص کر دولت خداداد کے زمانہ میں اس اہم ضرورت کو مزید خاص مدنظر رکھا گیا ہے بلکہ بفضلہٖ تعالیٰ ملک بھر میں یہی ایک وسیع النظر عمومی

ادارہ ثابت ہوگا جو ملک میں نہایت ہی خوشگوار فضا (اور باہمی اتحاد واخلاص کی بہترین زمین) تیار کر سکے۔ بعونہ تعالیٰ'' (از ناظم صاحب دفع وہم کیا گیا ہے)۔

اسی طرح ۲۱ر جنوری ۱۹۴۸ء/ ۹ ربیع الاول ۱۳۶۷ھ کی یادداشت میں مولانا محمد نافعؒ نے لکھا ہے:

بنام حکیم عبدالرحیم صاحب، صدر جماعت اسلامی حلقہ چنیوٹ

''شاید آپ راقم الحروف اور ادارہ ہذا کے عمومی مسلک سے زیادہ واقفیت نہیں رکھتے ہوں گے۔ اس قسم کے فروعی معاملات میں خواہ مخواہ پڑنے کو نہایت لغو بلکہ اسلام کے عمومی اصول کے خلاف سمجھتے ہیں۔ ادارہ کے آغاز کار ہی سے (بفضلہٖ تعالیٰ) ادارہ ہذا کا عمومی مسلک نہایت ہی معتدل (غیر جانبدارانہ) رہا ہے اور خاص کر اب پاکستان کے نئے ماحول میں ہم اسی اپنے روایتی معمول کو مزید اعلیٰ معیار پر ترقی دینا چاہتے ہیں (بعونہ تعالیٰ) لیکن ایسے کوتاہ اندیش تنگ نظر افراد کے طریقہ کار کو بھی بھی مستحسن نہیں قرار دے سکتے اور ایک مسلمان کو غیر مسلم کہنے (یا کہلانے) کو کسی قیمت پر بھی برداشت نہیں کر سکتے۔''

(منجانب ناظم صاحب قبلہ وضاحت کی گئی ہے)

مولانا نے اپنی ایک ڈائری کی یادداشت میں اسی قسم کے رویے پر بڑے دکھ کا اظہار کیا ہے۔ الفاظ سے مترشح ہوتا ہے کہ کسی صاحب نے اپنی گفتگو، بیان یا تقریر میں سلف صالحین کی تکفیر کی ہوگی جس پر مولانا کو بڑی کوفت پہنچی تو اس حوالے سے پہلے دو احادیث مبارکہ نقل کرنے کے بعد اس طرز عمل پر یوں دکھ کا اظہار کیا ہے:

(الحدیث) المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ

(الحدیث) سباب المسلم فسوق وقتالہٗ کفر ...الخ

باب التکفیر علی السلف قد فتح ما سلم احد منھم من لفحتہ ھذا التکفیر ظھر الفساد بین فضاءنا ان عاقبۃ الامر الا الخسران فی العقبیٰ والجاہ فی الدنیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝[1]

(حدیث نبوی۔ (صحیح معنوں میں اور کامل) مسلمان آدمی وہ ہے جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے تمام مسلمان محفوظ رہیں۔

حدیث نبوی۔ ایک مسلمان کو گالی دینا فسق (شریعت کی نافرمانی) اور اس کے ساتھ لڑنا کفر کے مترادف ہے۔ اسلاف پر تکفیر کا دروازہ کھول دیا گیا ہے۔ اس کی تکفیر کی تلوار سے ان میں سے کوئی بھی نہیں بچ سکا جس کی وجہ سے ہماری فضا/ ماحول میں فساد پھیل گیا ہے۔ اس طرز عمل کا انجام آخرت میں خسارے کے سوا کچھ نہیں۔

---

[1] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، ذاتی ڈائری مورخہ ۲۳ر اپریل ۱۹۵۰ء۔

البتہ دنیا میں شاید نمبر بن جائیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ○)

جامعہ محمدی کا مسلک اعتدال تھا جیسا کہ گزشتہ سطور میں جامعہ کے ناظم عمومی کی طرف سے ارسال کئے گئے دو خطوط سے واضح ہوتا ہے مگر بعض متشدد ذہن کے لوگوں کو جامعہ کا یہ معتدل طریقہ پسند نہیں تھا اس لئے وہ جامعہ کے خلاف پروپیگنڈا کرتے اور بعض غلط عقائد اہل جامعہ کی طرف منسوب کر کے انہیں بدنام کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ اس طرح کے ہی کسی موقع پر مولانا نے اپنی ڈائری میں لکھا:

''الناس یشتکون لاھل الجامعہ وینسبون الیھم اموراً من العقائد الفاسدۃ وانھم بریئون منھا۔ ھذا بناء الفاسد علی الفاسد قد علی وما ھذا الا بھتان عظیم قد اعرضوا عن الاتباع بالسنۃ ویریدون الاحداث التی لا اصل لھا فی السلف ان عاقبت الا التخریب ملتاً ودینا۔''[1]

(لوگ (خواہ مخواہ اور بلا دلیل) اہل جامعہ کی شکایت کرتے اور فاسد و غلط عقائد میں سے بعض امور ان کی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ وہ ان غلط عقائد سے بری الذمہ ہیں۔ یہ فاسد پر فاسد کی بنیاد رکھنے کے مترادف ہے اور یہ چیز ایک بہت بڑے بہتان کے سوا کچھ نہیں۔ ایسے لوگ اتباع سنت سے اعراض کر رہے ہیں اور ایسی چیزیں دین میں پیدا کرنا چاہتے ہیں جن کی اسلاف میں کوئی اصل نہیں۔ اس رویے کا انجام ملی وقومی اور دینی اعتبار سے تخریب کاری کے سوا کچھ نہیں۔)

حضرت مولانا کی اعتدال پسندی کے حوالے سے ایک اور قابل ذکر چیز یہ ہے کہ ہمارے وطن عزیز میں دیوبندی مکتبہ فکر بزرگان دین کے وصال کے دن کو بطور عرس منانے کا قائل نہیں جبکہ پنجاب میں اکثر صوفیہ کی خانقاہوں میں بزرگانِ دین کے مزارات پر عرس کی تقریبات کا اہتمام ہوتا ہے۔ مولانا کے والد گرامی اور دادا جان چونکہ خانقاہ سیال شریف کے وابستگان ہی نہیں بلکہ مجاز خلفاء میں سے تھے۔ اس لئے محمدی شریف میں بھی مولانا کے دادا جان اور والد گرامی کے عرس کی تقریب اب تک منعقد ہوتی ہے۔ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ اپنے بڑے بھائی اور مصلّی نشین مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کی وفات (۱۹۷۶ء) تک نہ صرف عرس کی مجلس میں شریک ہوتے بلکہ اس میں ''مروجہ طریقہ'' کے مطابق سورۃ الملک اور سورۃ الحشر کی آخری آیات کا ''ختم'' بھی پڑھا کرتے۔ عرس کی مجلس میں عموماً مہمان علماء کرام ہی وعظ فرمایا کرتے تھے۔ مولانا نے ۱۹۴۶ء سے باقاعدہ ڈائری لکھنا شروع کی۔ راقم نے ابتدائی آٹھ دس سال کی ڈائریاں دیکھی ہیں ان میں تقریباً ہر سال عرس (۱۹-۲۰ ربیع الاول) کی مجلس/تقریب کی مختصر روئیداد اور بعض اوقات علماء کرام کے وعظ پر اپنے تاثرات بھی قلمبند کئے ہیں۔ اس عرس

---

[1] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، ذاتی ڈائری مورخہ ۱۰ رجون ۱۹۵۰ء۔

کے موقع پر ہر سال بعض عرب حضرات بھی تشریف لایا کرتے تھے اور شرکاءِ مجلس ان کی کچھ مالی امداد کر دیا کرتے تھے۔ ۲۰ ربیع الاول ۱۳۶۸ھ بمطابق ۲۰ جنوری ۱۹۴۹ء کو ہونے والے عرس کی مختصر روئیداد لکھتے ہوئے مولانا نے لکھا ہے:

''اس دفعہ کوئی عرب موقع پر نہیں تشریف لائے۔ قضیہ اتفاقیہ معلوم ہوتا ہے اور بڑی مدت کے بعد ایسا ہوا ہے۔ مولوی عبداللہ صاحب اسرائیلی، مولوی نور محمد صاحب برخورداری، مولوی احمد بخش صاحب ضیائی، مولوی سید رسول صاحب وغیرھم کا اجتماع قدرۃً میسر ہوا۔''[1]

اس کے بعد عرس کی مجلس میں جو تقریریں ہوئیں ان پر ۲۱ جنوری ۱۹۴۹ء کی تاریخ میں عربی زبان کے اندر اپنے تاثرات بھی لکھے ہیں۔ اسی طرح اگلے سال ۱۳۶۹ھ/ ۱۹۵۰ء کے عرس کی مختصر کاروائی یوں لکھی ہے:

عرس حضرت میاں صاحب

مولانا احمد بخش ضیائی، مولانا عبداللہ صاحب اسرائیلی، پانچ عدد عرب بمع سید عباس شام تک پہنچ گئے۔ رات تقریریں وغیرہ ہوتی رہیں۔ میاں برہان جیپ کمال ضعف و پیرانہ سالی کے باوجود آ پہنچا۔ یہ آنا آخری معلوم ہوتا ہے۔ اللہ اعلم[2]

پھر دوسرے دن کی کاروائی کا یوں خلاصہ لکھا ہے:

''مجلس: مولوی سید رسول صاحب وغیرہ نے تقریر کی۔ باخیر وعافیت اتمام مجلس ہوا۔ قریباً یک صد و چند نقود برائے عرب و مولوی صاحب جمع شدہ۔''[3]

الغرض اسی طرح تقریباً ہر سال عرس کی کاروائی کا اختصار لکھا ہے جس کی تفصیل خواہ مخواہ طوالت کا باعث ہوگی۔

مولانا کی اعتدال پسندی کے حوالے سے ایک اور چیز بھی قابل غور ہے۔ وہ یہ کہ آپ نے زندگی بھر صحابہ کا دفاع اور دشمنانِ صحابہ کا علمی تعاقب کیا اور اس میدان میں کام کرنے والے آدمی کا ضد میں راہِ اعتدال سے ہٹ جانا بعید از قیاس نہیں۔ چنانچہ روافض نے خلفاء ثلاثہ، ازواج مطہرات اور دیگر صحابہ کو طعن و تشنیع اور سب و شتم کا نشانہ بنایا تو ادھر خوارج اور نواصب نے اہل بیت نبوی کی تنقیص و تحقیر شروع کر دی۔ غرض دونوں افراط و تفریط کا شکار ہوئے۔ مگر مولانا نے اس میدان میں بھی اعتدال کا راستہ نہیں چھوڑا۔ بنات اربعہ، سیرت سیدنا علی

---

[1] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، ذاتی ڈائری مؤرخہ ۲۰ جنوری ۱۹۴۹ء۔

[2] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، ذاتی ڈائری مؤرخہ ۴ جنوری ۱۹۵۰ء/ ۱۹ ربیع الاول ۱۳۶۹ھ۔

[3] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، ذاتی ڈائری مؤرخہ ۱۰ جنوری ۱۹۵۰ء/ ۲۵ ربیع الاول ۱۳۶۹ھ۔

المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور سیرت حسنین کریمین اہل بیت نبوی سے محبت کا ثبوت ہے تو رحماء بینہم، مسئلہ اقرباء نوازی، سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت شان کا شاہکار ہیں۔

وطن عزیز خصوصاً جھنگ اور پھر جھنگ میں بھی چنیوٹ اور گردونواح کے معروضی حالات اس امر کے شدت سے متقاضی تھے کہ یہاں دیوبندی بریلوی اختلافات کو ہوا نہ دی جائے۔ ان اختلافات میں پڑنا جیسا کہ پیچھے گزرا، مولانا کے مزاج اور طبیعت کے ہی خلاف تھا۔ اگر کہیں اس طرح کی کوئی بات سن لیتے تو سخت قلق اور دُکھ محسوس فرماتے۔ لالیاں میں ایک اجلاس کے دوران اس قسم کا باہمی اختلاف مولانا کے علم میں آیا تو دلی دکھ کا اظہار کرتے ہوئے ۱۰ اپریل ۱۹۵۵ء کی یادداشت میں لکھا:

''آخری اجلاسوں میں سنا گیا ہے کہ گڑبڑ فریق مخالف کے خطیب صاحب کی طرف سے کی گئی ہے اور بعد میں اشتہار بھی ان کے خلاف وہابیت وغیرہ اور غبن آمدن کے سلسلہ میں نقائص تیار کر کے شائع کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تفریق پیدا کرنے والوں کو ہدایت عطا فرمائے۔ ربوہ اور شیعیت علاقہ کے پیش نظر یہاں آپس میں لڑنا جرم عظیم ہے۔ افسوس ''نیک رابدمی شمارند قبح را دانند صواب''۔

مولانا کی اعتدال پسندی پر صاحبزادہ مختار عمر کی ایک تحریر:

مولانا کی اعتدال پسندی کے حوالے سے ایک مضمون ان کے بڑے صاحبزادہ میاں محمد مختار عمر مرحوم نے اپنے والد گرامی کی وفات کے بعد ''حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ اور راہ اعتدال'' کے عنوان سے تحریر کیا تھا جس میں انہوں نے زیر بحث وصف کے حوالے سے چند چشم دید گواہیاں اور اپنے کانوں سے سنے ہوئے مولانا کے ارشادات نقل کئے ہیں۔ ذیل میں اس چشم کشا اور فکر انگیز تحریر کا اندراج بے جا نہ ہوگا:

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ اور راہ اعتدال

اہل علم حضرات، علماء وطلباء ملاقات کے لئے تشریف لاتے تو اکثر کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نصیحت فرماتے اور تلقین کرتے کہ سلف کا طریقہ اپنانا، سلف الصالحین کے طریقے کو نہ چھوڑنا۔ ساتھ فرماتے افراط وتفریط میں نہ پڑنا۔ فی زمانہ لوگ افراط وتفریط کا شکار ہو رہے ہیں۔ افراط وتفریط عصر حاضر کے فتنوں میں سے ایک فتنہ ہے۔ حضور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ''شعبہ زندگی میں اعتدال اختیار کرو۔'' اپنی نجی محفل میں افراط وتفریط سے بچنے کی تلقین کرتے۔ کیونکہ اگر راہ اعتدال اختیار کی جائے تو ہزاروں خرابیوں اور فتنوں سے جان چھوٹ جاتی ہے۔ کئی مسائل اور فتنے افراط وتفریط کی بدولت جنم لیتے ہیں۔ اس ایک حدیث رسول کو انسان اپنا لے تو عصر حاضر

کے بہت سے فتنوں سے نجات حاصل کرسکتا ہے۔ بے شمار مسائل افراط وتفریط اور شدت پسندی کی بدولت پیدا ہو گئے ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنی نجی محفلوں میں اس بات پر خصوصی زور دیتے کہ سلف صالحین کا طریقہ اپناؤ کیونکہ اس میں فلاح و کامیابی ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ راہ اعتدال کا طریقہ ہے اور چونکہ صالحین سنت کے مطابق عمل پیرا رہتے ہیں اس لئے اس طریقے میں نور ہدایت ہے۔ ہر انسان کو صراط مستقیم پر گامزن رکھتا ہے۔ لیکن عصر حاضر کے شر و فساد اور انتہا پسندی کی وجہ سے کئی حضرات پیدا ہو گئے ہیں۔ ان کی نئی نئی تحقیقات میں کچھ عرصہ بعد ایک نیا گروہ جنم لیتا ہے۔ جب ایک گروہ نئے نئے طریقے اپنا لیتا ہے اور سلف کے طریقے کو چھوڑ دیتا ہے تو اس کی ضد میں دوسرا گروہ چار قدم اس کے برعکس نئی نئی باتیں اور طریقے ایجاد کر لیتا ہے حتیٰ کہ بات یہاں تک آ پہنچی ہے کہ ایسے لوگوں کے سامنے قرآن وسنت پیش کی جائے تو وہ عصر حاضر کے ''حضرت صاحب'' کی بات کو اہمیت و فوقیت دیں گے۔ قرآن وسنت کی پرواہ تک نہیں کریں گے۔

مسلمان کے لئے حجت تو قرآن وسنت ہے، سلف کا طریقہ بھی سنت کے مطابق ہے۔ اسی لئے وہ ہمارے لئے قابل تقلید ہیں لیکن عصر حاضر کے حضرت صاحب خدا معلوم کس حد تک سنت کے پیروکار ہیں۔ دور حاضر کے محقق کہاں کہاں کی ضعیف روایات جمع کرتے ہیں۔ سلف کی تحقیق کے برعکس ایک نیا طریقہ ایجاد فرماتے ہیں اور طرفہ تماشا یہ کہ اس نئے طریقے کو قرآن وسنت کے مطابق قرار دے کر لوگوں کو راہ ہدایت سے برگشتہ فرماتے ہیں۔

وہی ذبح کرے وہی لے ثواب الٹا

ہمارے ہاں بعض حضرات تقلید کے سخت خلاف ہیں لیکن عجیب بات ہے کہ اپنے من پسند اور عصر حاضر کے ''حضرت صاحب'' کے سو فیصد مقلد ہیں اور تقلید کو مانتے بھی نہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے بھی قرآن وسنت پر عمل کیا وہ فلاح پا گیا۔ میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں جس نے ان کی پیروی کی وہ صراط مستقیم پر گامزن ہو گیا۔ ایک گروہ جس نے محبت اہل بیت کا لبادہ اوڑھ کر صحابیت سے بیزاری بلکہ دشمنی کو اپنا طریقہ بنا لیا اور تاریخ اسلام میں ایسی من گھڑت روایات جمع کر دیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و اہل بیت کو آمنے سامنے کھڑا کرنے کی ناپاک جسارت کی۔ ہمارے والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ نے صدیوں پرانی ضعیف بلکہ من گھڑت روایات کو ایسے ٹھوس دلائل اور مدلل انداز سے تاریخ کے اس گند کو مثبت انداز میں صاف کیا۔ حضرت ممدوح رحمۃ اللہ علیہ کے قلم میں اعتدال کی چاشنی اور مٹھاس تھی اور ان کے کریمانہ انداز کا ایسا اعجاز تھا اور اصلاح کا ایسا زبردست پہلو پایا جاتا تھا کہ ایک باطل گروہ کی مذہب کی بنیادیں ہلا ڈالیں۔ ان کے مذہب کی جڑیں کاٹ دیں مگر ان کے معتدل مزاج افراد اور اعتدال پسند لوگ بھی حضرت کی حکمت و دانائی اور ان کی فکر اور کام کی داد تحسین کرنے پر مجبور ہوئے۔

اسلام میں رخنہ اندازی کرنے کے لئے جو من گھڑت روایات اور بے سروپا قصے، کہانیاں ڈال دی گئی تھیں بڑے سے بڑے مؤرخ نے بھی ان کی صفائی کا کام نہیں کیا۔ اللہ کریم نے چودھویں صدی میں اس دور افتادہ علاقہ میں ایک بظاہر کمزور ونحیف شخص سے وہ کام لیا ہے اور ایسے پیارے انداز میں کرایا ہے کہ اپنے پرائے سب معترف ہوگئے اور یہ سارا کمال اس اعتدال پسندی کا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ایک ارشاد گرامی میں کس قدر حکمت و دانائی پائی جاتی ہے کہ ہر معاملے میں ہر شعبہ زندگی میں اعتدال کو اپنایا۔ عصر حاضر میں ہم نے راہ اعتدال کو چھوڑ کر شدت پسندی کو اپنالیا ہے۔ اسلام کی روح عفو و درگزر، پیار و محبت کے اصولوں کے گرد گھومتی ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نبی رحمت ہیں۔ وہ تو صرف انسانوں کے لئے نہیں بلکہ جانوروں پر انتہائی شفیق و مہربان تھے۔ بڑے افسوس کا مقام ہے اس نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیروکار اپنوں کے لئے سخت اور کافروں کے لئے مہربان بن گئے ہیں اور شفقت و نرمی جیسے الفاظ ہماری لغت سے ہی غائب ہوگئے۔ حدیث پاک میں قرآن و سنت پر عمل پیرا رہنے میں کامیابی ہے اور ہمارے سلف مضبوطی کے ساتھ اس پر کاربند تھے۔ سلف کا طریقہ قرآن وسنت اور صحابہ کبارؓ کا طریقہ تھا اسی کو سلف صالحین کا طریقہ کہا جاتا ہے۔

عصر حاضر میں ہم سلف کے طریقے چھوڑتے جارہے ہیں۔ بدعت کا جواز بنا کر چھوٹے چھوٹے فروعی اختلافات کو ہوا دے کر گروہ بندی کا شکار ہوگئے ہیں۔ معمولی اختلافات جو مستحب اور ادنیٰ و اولیٰ کے درجے میں آنے والے اعمال اور طریقوں اور ایسے عام مسائل پر شدت پیدا کر دی گئی ہے گویا نص قطعی کی خلاف ورزی کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ جن اعمال کو فرائض و واجبات کا درجہ حاصل ہے اس کی پرواہ نہیں کی جاتی بلکہ پس پشت ڈال دیتے ہیں کیونکہ اس میں مالی خسارہ ہوتا ہے۔ دیگر شعبہ ہائے زندگی میں جہاں معاشرتی مجبوریاں اور نفس کش معاملات و ریاضت کے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے ان کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ جس قدر ان فروعی اختلافات میں سختی کرتے ہیں اگر تمام شعبہ ہائے زندگی میں ہم سارا اسلام نافذ کر دیں تو وقت کے جنید اور بایزید بسطامی بن جائیں۔ صدیوں پرانے روایات اور طریقوں کو جن سے شریعت کی کوئی خلاف ورزی نہیں ہوتی ان میں اختلافات کھڑے کر کے قوم کو پارہ پارہ کیا جارہا ہے۔ خدا معلوم یہ کیسی دین کی خدمت ہے۔ اس انداز سے دو خرابیاں جنم لیتی ہیں۔ ایک گروہ بندی اور جتھہ بندی بنتی جارہی ہے جو کہ موجودہ حالات میں امت واحدہ کے لئے زہر ہلاہل کا کام کر رہی ہے۔ دوسرا اسلام اور اسلام پسندوں کے خلاف اسلام مخالف لوگوں کو پروپیگنڈا کرنے کا بہترین جواز مل جاتا ہے کہ یہ لوگ انتہا پسند ہیں، تنگ نظر ہیں، اختلاف رائے پر سر پھٹول کرنے والے لوگ ہیں وغیرہ وغیرہ۔ لیکن مجال ہے کہ یہ لوگ عقل و حکمت سے کام لیں بلکہ اسلام مخالف عناصر کو تنقید کرنے کا بہترین موقع فراہم کرتے ہیں۔

ہمارے حضرت ممدوح رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا بغور جائزہ لیا جائے تو ان کی زندگی متوازن زندگی کا نقشہ پیش کرتی ہے۔ ان کے ہر شعبہ زندگی میں اعتدال پایا جاتا ہے جو اسلام کی روح ہے۔ گفتار، کردار، رہن سہن، کھانے پینے، ہر چیز میں اعتدال اور حکمت و دانائی کے نمایاں پہلو ہیں۔ ان کی تحریروں میں حد درجے کا اعتدال ہے۔ بدترین دشمن اور نظریاتی مخالف کو بھی میرے دوست لکھتے ہیں۔ ان کے مزاج میں اعتدال کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اس اعتدال کے ساتھ انکساری و عاجزی جو کہ اہل اللہ کا خاصہ ہے وہ ان کی زندگی کا طرۂ امتیاز تھا۔

یہ امت واحدہ ہے۔ یہ امت لوگوں کو جوڑنا سکھاتی ہے، توڑنا نہیں سکھاتی۔ باطل قوتیں اسلام اور اسلام کے خلاف صف آراء ہوگئی ہیں۔ ان رہنمایان امت کو کیا کہیے کہ وہ چھوٹے چھوٹے فروعی مسائل کھڑے کر کے طوفان برپا کررہے ہیں۔ حالانکہ جس قدر اعتدال پسندی اور اتحاد کی ضرورت اب ہے شاید ہی کسی دور میں اتنی ضرورت محسوس کی جاتی ہو۔ پوری دنیا اسلام اور اہل اسلام کے خلاف صف آراء ہوگئی ہے۔ ان کے پیدا کردہ باطل فرقے اور تنظیمیں مسلمانوں کے خلاف متحد ہوگئے ہیں۔ بڑے دُکھ کی بات ہے کہ مسلمان آئے روز گروہ در گروہ، فرقہ در فرقہ بناتے جارہے ہیں۔ رہنما یانِ قوم نے اپنی ملت کو اپنی قوم کو ایسا سبق پڑھادیا ہے کہ وہ قصداً حضرات اور اعتدال پسند علماء کو ناپسند کرنے لگے ہیں۔ میں نے کئی حضرات علماء سے سنا کہ فلاں شخص کی اہمیت و حیثیت اس لئے نہیں کیونکہ وہ تو ہر ایک کے پاس چلا جاتا ہے۔ کسی باطل فرقے والے کے پاس نہیں بلکہ اپنے ہی مسلمانوں کے ہاں جاتا ہے۔ بعض حضرات معتدل اور اعتدال پسند علماء کو ناکام علماء میں شمار کرتے ہیں۔
حضرت رحمۃ اللہ علیہ سلف صالحین کا کامل نمونہ تھے۔ سلف کے طریقے پر تمام زندگی عمل پیرا رہے۔ اپنے ملنے والوں کو سلف کے طریقے اپنانے کا درس دیتے رہے۔ اس کے ساتھ فرماتے دین کو دین کے لئے پڑھنا۔ دین کو دنیا کمانے کا ذریعہ ہرگز نہ بنانا۔ اخلاص اسی میں ہے۔ روزی تو اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں پوشیدہ ہے۔

فرمان نبوی ہے جو کوئی اللہ کریم کے کام میں لگا رہتا ہے اللہ کریم اس کے کام بنا دیتا ہے۔ جو بھی اس پر یقین و وثوق سے عمل پیرا ہوگا اس کے اس دنیا کے امور خود بخود سنور جائیں گے۔

تحمل وبرداشت

ایک مسلمان کے اوصاف حمیدہ اور اخلاق حسنہ میں سے ایک بڑا عمدہ بلکہ کمیاب وصف تحمل وبرداشت اور بردباری بھی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انتقام کی جرأت کے باوجود کسی ناگوار یا اشتعال انگیز بات کو برداشت کرلیا جائے اور قصوروار سے اس کے لئے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ یہ قدرت سب سے زیادہ باری تعالیٰ اور قادر مطلق کو حاصل ہے لیکن اس قدرت کے باوجود وہ اکثر اپنے بندوں کی برائیوں اور نافرمانیوں سے چشم پوشی کرتے ہوئے انتقام نہیں لیتا۔ یہ وہ عظیم وصف اور قابل قدر خوبی ہے جس سے اللہ کریم نے اپنے منتخب اور سب سے برگزیدہ بندوں یعنی انبیاء علیہم السلام کو بطور خاص متصف فرمایا اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تو پوری زندگی حلم و برداشت سے عبارت ہے جس کی تفصیل زیر نظر تالیف کا موضوع نہیں۔

ہمارے ممدوح مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اللہ کریم نے اس خلق الٰہی اور پیغمبرانہ وصف اور سنت نبوی کا وافر حصہ عنایت فرمایا تھا جس کا مظاہرہ کئی مواقع پر دیکھنے میں آیا۔ مثلاً ۱۳۷۱ھ/ ۱۹۵۲ء کے رمضان المبارک میں محمدی شریف کی جامع مسجد میں مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے تراویح پڑھائی۔ ۲۷ ویں شب ختم تراویح کے موقع پر بریلوی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے جامعہ محمدی کے ایک مدرس مولوی محمد عبداللہ آہیر [1] نے تقریر فرمائی۔ یہ تقریر قرآن، تلاوت قرآن یا تراویح کی عظمت پر نہیں بلکہ خود تراویح پڑھانے والے حافظ کی تنقید وتنقیص پر مشتمل تھی۔ مگر مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے کمال برداشت کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے جذبات پر قابو رکھا اور کسی قسم کے اشتعال کا مظاہرہ نہیں کیا جس کے باعث اس پرمسرت اور بابرکت موقع پر کوئی بدمزگی پیدا نہ ہوئی۔ البتہ انہوں نے اپنی یادداشت میں اس انتہائی غیر اخلاقی حرکت اور بے باکی پر افسوس کا اظہار ضرور کیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''۲۷ رمضان شریف کی شب آج بندہ نے قرآنِ مجید ختم کیا، بندہ اس وقت معتکف تھا اور بعد از تراویح مولوی عبداللہ صاحب نے ایک تاریخی تقریر ارشاد فرمائی۔ فیہ تفریق و تشتیت بین المؤمنین واجاز علینا الفتویٰ خلاف الواقع و ذکر اشیاء آخر التی تم بیانہ سب ان یذکر جزاہ اللہ تعالیٰ۔ اس فتنہ انگیز اور پر افتراق نوعیت کی تقریر محمدی کی تاریخ میں پہلی تقریر ہے۔ ان اللہ معنا۔ اس موقع

[1] جامعہ محمدی کے بانی مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اعتدال پسند سوچ اور مسلک اعتدال کے پیش نظر جب ایک طالب علم مولانا محمد شریف کو دورۂ حدیث کے لئے دارالعلوم دیوبند اور دوسرے مولانا محمد عبداللہ آہیر کو دورہ کے لئے بریلی انڈیا بھیجا تو مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی چھٹی حس یا نور بصیرت سے اسی وقت مسلکی تعصب خطرہ محسوس کرلیا تھا۔ چنانچہ اس وقت اپنی یادداشت میں لکھا:
''ھوالحافظ۔ مولوی حافظ عبداللہ آہیر دورۂ حدیث شریف کے لئے بریلی شہر جارہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔'' (ذاتی ڈائری مؤرخہ ۱۰ رستمبر ۱۹۴۶ء/ ۱۲ رذیقعد ۱۳۶۵ھ۔)

پر ان کی طرف سے مناظرہ بازی کا چیلنج اور فتویٰ بازی خوب زور سے کی گئی ہے۔ صرف اتنا ہے ہمارا نام ذکر نہ کیا، باقی سب کچھ کیا۔ اس وقت انہوں نے الفاظ کچھ ایسے استعمال کیئے کہ ''تم میں تمہارے ایمان کے لوٹنے والے اور ایمان کے ڈاکو آ گئے ہیں وغیرہ وغیرہ، بعد میں متعدد لوگوں نے مجھے کہا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ لیکن بندہ نے کوئی جواب نہ دیا، صبر وسکون اختیار کیا۔ مولوی عبداللہ صاحب نے یہ فتویٰ بازی اپنے والد میاں احمد صاحب آھیرؔ کی وفات کے بعد کی تھی۔ اگر اس کی زندگی میں ایسا کرتے تو جلد خمیازہ بھگت لیتے۔''[1]

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خاندان کو قریہ محمدی شریف اور ارد گرد کے علاقہ میں جو عزت واحترام حاصل ہے اس کے پیش نظر یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ اس موقع پر مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ بھی اشتعال میں آ کر اگر کوئی بات کہہ دیتے تو مقرر مذکور کی ٹھکائی ضرور ہوتی۔ مولوی عبداللہ کی یہ حرکت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج اور جامعہ محمدی کے اعتدال پسندانہ ماحول کے بالکل خلاف تھی۔ یقیناً اس پر ناظم جامعہ نے باز پرس کی ہوگی اور آئندہ ایسا کرنے سے روکا ہوگا۔ اس کے باوجود وہ اپنی اس متشددانہ روش سے باز نہ آئے تو جامعہ محمدی سے انہیں فارغ کر دیا گیا۔ جاتے ہوئے بھی انہوں نے اپنے مسلکی تعصب کی تسکین کے لئے ایک مغلظات بھرا دستی خط مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کو بھجوایا مگر مولانا نے اس وقت بھی کمال برداشت کا مظاہرہ کیا اور کوئی بھی جوابی کاروائی نہیں کی۔ البتہ ریکارڈ میں ضرور لائے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''آج طلبہ کی ایک تشدد پسند پارٹی نے جامعہ میں گڑبڑ پیدا کر کے گیارہ افراد نے مولوی عبداللہ صاحب کی معیت ونگرانی میں کوچ کیا۔ ذکر کیا ہے کہ سیال شریف جائیں گے اور مولوی صاحب مذکور نے بندہ کو تحریراً ''مغلظات'' سنائی ہیں اور وہ طلبہ کے ہاتھ دے کر ہم تک پہنچائی ہے۔ ایک شریف انسان دوسرے کو نہیں سنا سکتا وہ مغلظات ارشاد فرمائی ہیں۔ جزاہ اللہ تعالیٰ علیٰ حسب مرامہ''[2]

اسی طرح ایک دفعہ قریبی موضع عدلانہ سے دولوہار اپنے ایک دوست کے ہمراہ کسی فتویٰ کے حصول کے لئے مولانا کے پاس آئے تو دوران گفتگو مولانا نے ان کے دوست کو ڈانٹ دیا (شاید اس نے خواہ مخواہ مسئلے میں ٹانگ اڑائی ہوگی یا مفتی بننے کی کوشش کی ہوگی) تو وہ صرف غضب ناک ہی نہیں ہوا بلکہ گالی گلوچ پر اتر آیا اور مولانا پر حملہ آور ہونے کی بھی کوشش کی۔ اس موقع پر بھی مولانا نے کمال برداشت کا مظاہرہ کیا ورنہ وہ تینوں صحیح سلامت واپس نہ جاتے۔ یہ افسوسناک واقعہ انہوں نے ''اجتناب از جہلاء'' کے عنوان سے عربی زبان میں اپنی

---

[1] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، ذاتی ڈائری، ۲۲-۲۱ رجون ۱۹۵۲ء، بمطابق ۲۷ ررمضان المبارک ۱۳۷۱ھ۔
نوٹ: مولوی عبداللہ کا انتقال یا انجام جس عبرت ناک انداز میں ہوا وہ شاید مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ''خمیازہ بھگت لیتے'' ہی کا نتیجہ ہو۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے: علامہ عبدالحکیم شرف قادری: تذکرہ علماء اہلسنت، نوری کتب خانہ، لاہور، ص ۲۰۷۔

[2] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، ذاتی ڈائری مورخہ ۱۷ راگست ۱۹۵۵ء/ ۲۸ رذی الحجہ ۱۳۷۴ھ۔

یادداشت میں یوں لکھا ہے:

الیوم قبیل العصر اثنان حدادین مع صدیق من سکان عدلانہ جاء والحصول الفتویٰ فی اثناء الکلام قد زجرت الصدیق المذکور بکلمۃ ثقیلۃ فاذا قد غضب علینا غضبا شدیدا وسبّنا سبّا ما سمعنا قبل لذا اتنا وکاد ان یصول علینا لکن حفظنا اللہ تعالیٰ من شرہ۔[1]

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی ڈائریوں اور یادداشتوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جامعہ محمدی کا عملہ اور کارکنان کسی بھی معاملے میں مولانا کی کھل کر تو مخالفت نہیں کر سکتے تھے البتہ نظریاتی اختلاف کے باعث اور مسلکی تعصب کی تسکین کے لئے جہاں بس چلتا تھا وہاں مولانا کے راستے میں روڑے اٹکانے سے باز نہیں آتے تھے۔ مگر مولانا نے اپنے بڑے بھائی کے احترام اور جامعہ کے ماحول میں کسی بھی قسم کی بدمزگی سے بچنے کے لئے تصادم یا ٹکرائی کی بجائے ہمیشہ تحمل و برداشت کا مظاہرہ کیا۔ مثلاً وہ ایک موقع پر تنظیم اہلسنت کے زیراہتمام بڑے پیمانے پر ایک جلسہ' کانفرنس منعقد کرنا چاہتے تھے۔ اس کے لئے تنظیم کی ایک میٹنگ ہونا تھی جس میں جلسہ سے متعلق ضروری امور کا فیصلہ کیا جانا تھا مگر در پردہ اہل جامعہ کی مخالفت اور عدم تعاون کے رویہ کے باعث یہ میٹنگ ہی نہ ہو سکی۔ مولانا نے کڑوا گھونٹ پی لیا مگر تحمل و برداشت اور صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ البتہ اس تلخ یادداشت کو بغیر کسی گلہ شکوہ کے اپنے روزنامچہ میں ضرور لکھا:

''خرچہ کی تفصیل وتدارک اور سابقہ فنڈ کے متعلق فیصلہ، تقسیم کار تفصیل کے ساتھ، جگہ کا انتخاب، پانی کا انتظام، مقام رہائش مدعوین، آمدورفت کا طریقہ، اشتہار طبع کرانے کا فیصلہ، نیز سواری سپیشل کا انتظام، جلسہ گاہ کے انتظامات کی تفصیل ضمیمہ وغیرہ۔ مستقل آدمیوں کا مدعوین کو لینے کے لئے جانا وغیرہ۔

اس میٹنگ کا التوا ہوا۔ اس لئے جامعہ والے ناراض ہیں۔'' (ذاتی ڈائری مورخہ ۱۱رفروری ۱۹۵۵ء)

معاملات میں صفائی:

ایک مسلمان کے اوصاف حمیدہ میں جو اوصاف داخل ہیں ان میں ایک نمایاں وصف معاملات میں صفائی بھی ہے اور اس سے مراد لین دین میں کسی بھی آدمی کے ساتھ زیادتی کرنے، اس کا حق مارنے، اس کے عقیدت مندانہ تعلقات یا سادگی سے ناجائز فائدہ اٹھانے اور بددیانتی کا مظاہرہ کرنے سے گریز کرنا ہے۔ یہ شریعت کا حکم ہے اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت۔ اس معاملے میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کا احاطہ یہاں ممکن نہیں تاہم معاملہ کی اہمیت ونزاکت کے پیش نظر ایک دو چیزوں کا ذکر بے جا نہ ہوگا۔

---

[1] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، ذاتی ڈائری مورخہ ۲رجولائی ۱۹۵۹ء/ ۲۴رذی الحجہ ۱۳۷۸ھ۔

۱- عرب میں سائب نام کے ایک تاجر تھے۔ وہ مسلمان ہو کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے تو لوگوں نے مدحیہ الفاظ میں آپ ﷺ سے ان کا تعارف کرایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں ان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ سائب نے کہا: میرے باپ آپ پر فدا، آپ میرے ساجھی تھے لیکن ہمیشہ معاملہ صاف رکھا۔"[1]

۲- حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امید تھی کہ انہیں ہجرت مدینہ میں نبی رحمت ﷺ کی رفاقت کا شرف حاصل ہوگا۔ اس کے لئے انہوں نے دو اونٹنیاں خریدیں اور ان کو چرنے کے لئے دوسری اونٹنیوں کے ساتھ جنگل میں بھیجنے کے بجائے گھر میں سپیشل چارہ ڈالتے اور چار مہینے تک ببول کی پتیاں کھلا کھلا کر انہیں صحتمند بنایا۔ جس رات نبی کریم ﷺ کو ہجرت کی اجازت ہوئی اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ہمراہی کا شرف حاصل ہوا تو انہوں نے عرض کیا ان دو اونٹنیوں میں ایک آپ پسند فرمالیں۔ مگر محسن عالم ﷺ نے تعلیم امت کے لئے فرمایا: اچھا مگر بہ قیمت۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مجبوراً قبول کیا۔[2]

۳- مسجد نبوی کی تعمیر سے قبل مسجد کے لئے مجوزہ جگہ دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی جو مشہور انصاری صحابی حضرت اسعد بن زرارہ کی زیر کفالت تھے۔ کیونکہ یہ دونوں بچے بنونجار کے قبیلے سے تھے اس لئے نبی رحمت ﷺ نے بنونجار اور ایک روایت کے مطابق ان یتیم بچوں کو بلا کر جگہ خریدنے کی بات چیت کی تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہم یہ قطعہ اراضی بطور ہبہ آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ مگر آپ نے بلا عوض قبول کرنے سے انکار فرمایا اور دس مثقال یا دس دینار کے عوض زمین کا وہ ٹکڑا خریدا جس پر مسجد نبوی تعمیر ہوئی۔[3]

یقیناً انہی تعلیمات نبوی اور اسوۂ رسول کے پیش نظر مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کو معاملات میں صفائی کا بطور خاص اہتمام تھا۔ راقم نے آٹھ دس سال کی ڈائریاں دیکھی ہیں ان میں جگہ جگہ اس طرح کی یادداشتیں درج ہیں۔ ان تمام یادداشتوں اور مثالوں کا احاطہ یہاں مقصود نہیں۔ مشتے از خروارے کے طور پر چند چیزیں پیش کی جارہی ہیں۔ اس حوالے سے ایک چشم دید گواہی تو محترم حافظ احمد یار صاحب کی ملاحظہ ہو۔

ایک دفعہ حضرت کو ایک کتاب کی تلاش تھی۔ لاہور کے ایک کتب خانہ سے مطلوبہ کتاب مل گئی۔ بندہ نے وہ کتاب فوٹوسٹیٹ کے بعد جلد بندی کروا کر حضرت کی خدمت میں پیش کی۔ آپ کتاب دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور مجھے خوب دعاؤں سے نوازا۔ مجھے بھی خوشی ہوئی کہ میری محنت میرے کام آئی۔ آج کے دور کا کوئی عام قسم کا علامہ، مفتی یا مفکر اعظم ہوتا تو دعاؤں تک ہی محدود رکھتا لیکن آپ نے فرمایا قیمت ادا کئے بغیر کتاب نہیں لوں گا۔

---

[1] علامہ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی الفیصل لاہور ۱۹۹۱ء، ۲/ ۱۸۰۔
[2] حوالہ مذکور، ۱/ ۱۷۰۔
[3] تفصیل کے لئے دیکھئے: پیر محمد کرم شاہ الازھری، ضیاء النبی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور ۳/ ۱۴۸-۱۴۹۔

بندہ نے درخواست کی کہ یہ سب کچھ آپ کی کوشش اور دعاؤں کا صدقہ ہے، لہٰذا آپ کتاب کی قیمت پر اصرار نہ فرمائیں۔اس پر آپ مجھ سے سخت ناراض ہو گئے اور فرمایا کہ مجھے اس طرح کی کتاب نہیں چاہیے۔آخر کار مجبوراً مجھے اس کی قیمت آپ سے لینا پڑی۔اس طرح آپ نے پوری زندگی میں کسی بھی جاننے والے دوست، رشتہ دار، طالب علم سے کوئی ذاتی فائدہ اٹھانا گوارہ نہ کیا۔

اب زیر بحث حوالے سے ڈائریوں میں درج چند یادداشتیں ملاحظہ ہوں:

۱۵رمئی ۱۹۵۲ء/ ۲۰رشعبان ۱۳۷۱ھ

''الیوم قداستقرضنا من حافظ غلام محمد صراف مأۃ واحدۃ لمنشی صاحب الی عشرین شوال ۱۳۷۱ھ''

''ادا کردہ شد بذریعہ کرم کمہار''

۱۹رفروری ۱۹۵۳ء

یادداشت: ۵۳-۰۲-۲۰ کو---روپے حکیم ظہور صاحب سے لئے گئے تاکہ---روپیہ جو جماعت کے اشتہار مرزائیت سے بقیہ تھے وہ جماعت کو ادا کرنا باقی تھے اور یہ رقم جامعہ کی کتب میں صرف ہوگئی ہے۔وہاں سے وصول کی جائے یعنی قادیانی مذہب وغیرہ کے حساب کے ساتھ۔جماعت کا حساب تمام بے باق کر دیا گیا۔اپنا ماہواری چندہ جمادی ثانیہ بھی ادا کیا ہے۔مولوی محمد خان اور حافظ احمد نواز ہر دو کو قیمت ''آفتاب ہدایت'' چھ روپیہ ادا کی گئی ہے۔

۳۰ردسمبر ۱۹۵۳ء

۰-۱۰-۵۲۱ روپے کل قرضہ از میاں مولا بخش صاحب۔

۰-۰-۳۵۰ ادا کردہ شد بدست حافظ صاحب۔

۰-۰-۱۰۰ بدست محمد نافع ۳۱ردسمبر ۱۹۵۳ء کو ادا ہوئے۔

۰-۱۰-۷۱ باقی از کل قرضہ ہے۔۵۳-۰۲-۳۱۔

یہ رقم جون ۱۹۵۴ء میں ادا کر دی گئی ہے۔

۱۱رجنوری ۱۹۵۴ء

مبلغ دو صد روپیہ برائے مولانا احمد بخش صاحب ضیائی (ساکن منگوآنہ) میں نے مولوی محمد نافع صاحب سے وصول پائے۔غلام رسول بقلم خود چک نمبر ۲۴۷ برال۔

مبلغ دو صد روپیہ مذکورہ مستری غلام محمد سیالکوٹی کے ذریعہ ۲۹ررمضان شریف ۱۳۷۴ھ/ ۲۲رمئی ۱۹۵۵ء کو وصول پائے۔محمد نافع عفی عنہ

۱۳؍اگست ۱۹۵۴ء

۱- ۶۰ روپے دفتر جامعہ سے کتب مرزائیہ کے لئے وصول کیا ہے۔ یہ رقم کتب مذکورہ کی بابت یتیم خانہ چنیوٹ کے مہتمم حافظ دوست محمد صاحب کو ادا کر دی گئی ہے اور کتب وصول ہو چکی ہیں۔ اندراج رجسٹر میں باقی ہے۔

۲- میاں مولا بخش صاحب جلد بندی کی قیمت---- دفتر سے وصول ہو چکے ہیں۔ ادا کردہ شد۔ مؤرخہ ۱۰؍اگست ۱۹۵۴ء۔

۴؍جنوری ۱۹۵۵ء

۱۰از جماعت نقدی مولوی محمد اشرف احمد پوری متعلم مولوی فاضل کو ہفتہ عشرہ کیلئے دیئے گئے ہیں۔

---روپے نوری خان میرزادہ کو بھی جماعتی حساب سے دیئے ہوئے ہیں جو میرے پاس ہیں۔

اور مولوی عبدالحق صاحب علی الحساب جماعتی---روپے وصول کئے ہوئے ہیں۔

اور--- روپے مولوی محمد یار صاحب کو دو چار یوم کے لئے عاریۃً میاں مولا بخش حکیم سے جماعت کے حساب سے لے کر دیئے گئے ہیں۔

۱۰؍جنوری ۱۹۵۵ء

آج صدر صاحب صدیقی کو اربعین روپیہ حکیم ظہور احمد سے استقراضاً دس بارہ یوم کے لئے لے کر دیئے گئے۔---روپے مزید بھی کل خمسین ہوئے۔ (ادا کردہ شد)

۱۴؍جنوری ۱۹۵۵ء

آج یوم الحساب برائے جماعت تنظیم تھا۔ میاں سلطان احمد صاحب اور میاں حسام الدین صاحب ہر دو برادران نے حساب جماعت اپنی طرف سے صاف کر کے حکیم مولا بخش کو دیا ہے---روپے باقی ہیں اور میرا حساب باقی ہے۔ وہ پھر کسی وقت صاف کر کے میاں مولا بخش مذکور کو دیا جائے گا۔

۲۷؍جنوری ۱۹۵۵ء

حافظ شیر محمد صاحب سے ملاقات ہوئی۔ مأۃ واحدہ ان سے استقراض لیا گیا یعنی خانگی مکانات کی تعمیر کے لئے اور مزید کچھ اثمان پھر کسی وقت ساتھ لائیں گے۔---روپے ملک عبدالقدوس صاحب والے حافظ شیر محمد کو دیئے ہیں۔ یاد رہے کہ مذکورہ مأۃ واحدہ سلطان دُکاندار کو سائیکل کے بقیہ قرضہ (۱۰۰) میں دے کر حساب بے باق کیا ہے۔

۵ / مارچ ۱۹۵۵ء

مأتان وخمسون (۲۵۰) روپیہ استقراض از میاں حسام الدین وسلطان احمد صاحب آج حاصل کیا گیا تاکہ مولانا صاحب کا خرچہ لاہور وغیرہ پورا ہو۔

تاحال ۲۷-۲-۱۹۵۶ء نہیں ادا ہو سکا۔ اللہ کرے جلدی ادا ہو سکے۔

۴ / اپریل ۱۹۵۵ء

غالباً خانگی مکانات کی تعمیر کے سلسلے میں آٹھ دس آدمیوں سے قرضہ لیا گیا۔ آدمی کا نام اور اس کے سامنے اس سے قرض لی گئی رقم لکھی ہے۔ کل رقم ۳۵۱۰ روپے بنتی ہے۔ آخر میں لکھا ہے: ’’تمام قرضہ جات مذکورہ ادا کر دیئے گئے ہیں۔ الحمد للہ الحمد للہ‘‘

۱۱ / فروری ۱۹۵۶ء / ۲۸ / جمادی الثانی ۱۳۷۵ھ

’’میاں محمد یعقوب صاحب (ولد حاجی سلطان محمود چنیوٹی) کو پانچ صد روپیہ نقد بابت حساب اینٹ آج دیا گیا ہے۔ تین صد بائیس روپیہ آٹھ آنہ باقی ہیں۔

کل حساب سبعۃ وعشرین فی ہزار انہوں نے حساب لگا کر دیا ہے۔ بقیہ قیمت کا وعدہ شوال ۱۳۷۵ھ میں ہوا ہے۔ اللہ کریم ایفاء وعدہ کی توفیق بخشیں۔ اور انہوں نے سمندر والی رقم ---روپے ولی مصلی والی رقم کی یاددہانی کی تاکید کی ہے۔‘‘

اسی تاریخ میں مزید یادداشت کچی پنسل سے بعد کی درج شدہ ہے۔ لکھتے ہیں:

’’یہ رقم ۲۰۰ روپے سمندر سے مجھے وصول ہوگئی ہے اور حکیم مولا بخش کے ہاں جمع کرادی ہے۔ یہ رقم حکیم صاحب سے وصول کر کے سیٹھ محمد یعقوب کے حوالے کر دی گئی ہے۔ ۲-۱۰-۱۳۷۵ھ اور آج یہ دو صد روپیہ میاں محمد امین ہنجر اوالاخود سمندر جا کر میاں حسام الدین کے ہاں ادا کر دیا گیا ہے۔‘‘

فریضۂ حج کی ادائیگی کے دوران مولانا کو بعض لوگوں سے قرض لینے کی ضرورت پیش آئی تو انہیں باقاعدہ لکھ کر دیا کہ یہ رقم میں نے بطور قرض لی ہے اور پاکستان پہنچ کر واپس کر دوں گا۔ چنانچہ ۱۰-۱۱ / جون ۱۹۶۱ء کی تاریخوں میں تین پاکستانی حاجیوں کے نام اور ان کے مکمل ایڈریس درج ہیں جن سے بالترتیب مولانا نے تین صد ساٹھ (۳۶۰) تین سو (۳۰۰)، پانچ صد (۵۰۰) روپے (پاکستانی) حاصل کئے اور آخر میں درج ذیل نوٹ لکھا کہ:

’’ان تینوں حضرات کو بندہ نے تحریر قرضہ مذکورا الگ الگ کر دی ہوئی ہے۔ البتہ مولانا بنوری کو خمس مأۃ (۵۰۰) کی تحریر نہیں دی تھی، زبانی وعدہ واپسی ہے۔ انہوں نے مجھ سے تحریر نہیں لی ہے۔‘‘[1]

---

[1] ذاتی ڈائری مؤرخہ ۱۱ / جون ۱۹۶۱ء / ۲۶ / ذی الحجہ ۱۳۸۰ھ۔

اس نوٹ پرُ کے نشان سے معلوم ہوتا ہے کہ واپس پاکستان آکر یہ قرض ادا کر دیا گیا۔ اسی طرح ۱۶ر جولائی ۱۹۶۱ء کی تاریخ میں ''ضروری نوٹ'' کے عنوان سے درج ہے:

''نور محمد ولد علی محمد خوجہ سکنہ ٹھٹی بالا راجہ نے رقم (ثلثہ مأۃ) بطور قرض دی ہے کہ اپنی ضرورت میں لگالیں ہم واپس جاکر لے لیں گے۔ ہم نے جامعہ کی کتب خریدنے کے لئے یہ رقم لے لی ہے۔ ان کو ایک استقراض کی تحریر کردی گئی ہے وہ واپس کرنے کے بعد ادائیگی کرنی ہوگی''۔

پھر اس ضروری نوٹ کے آخر میں دوسرے قلم سے''اور''ادا کردہ شد'' کے الفاظ سے واضح ہے کہ یہ رقم ادا کردی گئی۔

الغرض حساب کتاب اور لین دین کے حوالے سے اس طرح کی اور بھی کئی یادداشتیں ڈائریوں میں درج ہیں جن سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا صاحب کو لین دین اور معاملات میں صفائی کا کس قدر اہتمام تھا۔

خانقاہ سیال شریف سے مراسم:

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ خانقاہ سیال شریف کے مشائخ کے مریدوں میں شامل نہیں تھے مگر خانقاہ مذکور سے عقیدت واحترام کا تعلق ضرور تھا جس کی بڑی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ خانقاہ جہاں تصوف وسلوک کا مرکز اور روحانیت کی تربیت گاہ تھی وہاں مولانا کے والد گرامی مرتبت کا پیر خانہ بھی تھا۔ اس لئے وہ وقتاً فوقتاً وہاں حاضری دیتے رہتے تھے اور خواجگان سیال شریف کا حد درجہ احترام فرماتے تھے۔ اس حوالے سے ذیل میں ان کی چند یادداشتیں ملاحظہ ہوں:

<u>۲۷ر اگست ۱۹۴۶ء/ ۲۹ر رمضان ۱۳۶۵ھ</u>

سیال شریف روانگی بمعیت بھائی حافظ صالح محمد صاحب۔ درہٹہ سے چنیوٹ سفر لاری

	آنے	روپے
کرایہ لاری چنیوٹ تک	۸	۱
کرایہ لاری چنیوٹ سے سرگودھا	۱۲	۱
کرایہ لاری سرگودھا سے ساہیوال	۴	۱
کل	۸	۴

<u>۲۷ر جولائی ۱۹۵۰ء/ ۱۱ر شوال ۱۳۶۹ھ</u>

التعزیہ والزیارۃ۔ جمعرات کو شام کے قریب لالیاں مولانا نذر محمد صاحب کے ہاں پہنچے۔ ان کے ہاں ہی شب باشی ہوئی۔ بسلسلہ ان کی بیوی وفات پاچکی تھیں۔ صبح جمعہ سیال شریف جانا ہوا۔ جمعہ راستہ میں

ہی پڑھا گیا۔ صاحبزادہ محمد حمید الدین بیمار ہیں۔ کئی دنوں سے عارضۂ بخار میعادی میں مبتلا ہیں۔ اللہ کریم شفاء کاملہ عطا فرماویں۔ شب ہفتہ گزار کر صبح واپسی ہوئی۔

۱۱ ستمبر ۱۹۵۵ء/ ۲۲ محرم ۱۳۷۵ھ

جھوک دابیہ ضلع جھنگ میں شیعہ وسنی کشمکش بڑی سخت ہوگئی ہے۔ اہل سنت نے سیال شریف حضرت سجادہ نشین صاحب کی خدمت میں اطلاع کی ہے کہ جلدی یہاں علماء کے ذریعہ تبلیغ ومناظرہ کرائے جائیں ورنہ رہے سہے لوگ بھی شیعیت کی لپیٹ میں آجائیں گے۔ لہٰذا اس ضرورت کی بنا پر مولانا ضیائی صاحب اور بندہ کو فرمان ہوا کہ تمام کتب شیعہ لے کر سیال شریف پہنچ جائیں۔ بنابریں آج سرگودھا حاضر ہیں اور حوالہ جات دیکھے جارہے ہیں۔''

اس مناظرہ میں خانقاہ سیال شریف کے سجادہ نشین خواجہ محمد قمر الدین نے کس طرح مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ پر اعتماد کیا، ملتان سے مناظرین اہلسنت علامہ دوست محمد قریشی اور علامہ عبدالستار تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کو لانے کے لئے اپنی گرہ سے کرایہ دے کر ملتان بھیجا۔ مولانا نے اس حوالے کتنی سفری صعوبت اٹھائی اور پورے مناظرے میں کیا کردار ادا کیا اس کی تفصیل مناظرہ جات کے باب میں دیکھی جاسکتی ہے۔

خواجہ صاحب موصوف بھی عمر اور مقام ومرتبہ میں کہیں بڑے ہونے کے باوجود مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ پر بڑی شفقت اور عالم دین کی حیثیت سے احترام بھی فرمایا کرتے تھے۔ مولانا کے بھتیجے اور داماد مولانا فضل کریم کی چشم دید گواہی کے مطابق حضرت خواجہ صاحب جب کبھی محمدی شریف تشریف لے آتے اور ان کے کھانے کے لئے دسترخوان بچھایا جاتا تو اس وقت اگر مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ موجود نہ ہوتے تو بطور خاص انہیں بلا کر کھانے میں شامل فرمایا کرتے تھے۔

علاوہ ازیں تبلیغی خدمات کے باب میں گزر چکا ہے کہ مولانا کی دعوت یا خواہش پر تنظیم اہلسنت کے کئی جلسوں میں خواجہ صاحب نے شرکت بلکہ صدارت بھی فرمائی۔

نیک عزائم:

ایک مشہور حدیث نبوی ہے: ''نية المؤمن خير من عمله''[1] (مؤمن کی نیت اس کے عمل سے کہیں بہتر ہے۔) یعنی کسی بھی معاملے یا کام میں اگر نیت صحیح ہے اور نیت میں کوئی کھوٹ نہیں تو عنداللہ اس معاملے میں کمی بیشی سے فرق نہیں پڑے گا اور اس کے برعکس صورت میں بظاہر بڑے سے بڑے عمل اور بڑی سے بڑی

---

[1] الطبرانی، سلیمان بن احمد بن ایوب الشامی (م ۳۶۱ھ) المعجم الکبیر رقم الحدیث ۵۹۴۲۔ ۶/ ۱۸۵ مکتبہ ابن تیمیہ قاہرہ۔

نیکی بھی عند اللہ قبول نہیں ہوگی۔ دوسرے اگر آدمی کسی نیک ارادہ کو کسی وجہ سے عملی جامہ نہیں پہنا سکا یا نہیں پہنا سکتا تو بھی اسے نیک نیتی کا اجر وثواب ضرور ملے گا۔

اس شرعی اصول وضابطہ کی توضیح وتفصیل میں جانا یہاں مقصود نہیں تاہم ایک ایمان افروز واقعہ یا مثال کا اندراج فائدہ سے خالی نہیں ہوگا۔ وہ یہ کہ مشہور محدث قاضی عیاض نے الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ میں امام ابوالقاسم القشیری کے حوالے سے یہ واقعہ لکھا ہے کہ خراسان کے بادشاہوں اور قبیلہ صفار کے مشاہیر میں سے عمرو بن اللیث کو مرنے کے بعد خواب میں دیکھا گیا اور اس سے پوچھا گیا کہ اللہ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ تو اس نے بتایا کہ اللہ کریم نے میری مغفرت فرمادی ہے۔ اس سے اس مغفرت کا سبب پوچھا گیا تو اس نے بتایا کہ ایک دن میں پہاڑ کی چوٹی پر چڑھا اور پہاڑی کے دامن میں اپنے لشکروں پر نظر پڑی تو ان کی کثرت سے میں بہت خوش ہوا اور یہ تمنا کی کہ اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا تو ضرور آپ کی اعانت ونصرت کرتا۔ بس اللہ نے میری اس تمنا اور نیک نیتی کو قبول فرمالیا اور میری مغفرت فرمادی۔[1]

اس تمہید سے یہ بتانا مقصود ہے کہ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کئی نیک اعمال کا ارادہ کر رکھا تھا۔ اب وہ ان عزائم اور نیک ارادوں کو کہاں تک پورا کر سکے اس کی حقیقت تو وہ یا ان کا رب جانتا ہے۔ مگر مذکورہ شرعی اصول وضابطہ کی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ اللہ کریم نے انہیں ان نیک عزائم کا اجر ضرور عنایت فرمایا ہوگا۔ ایک یادداشت میں ان نیک اور بلند عزائم کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''نقصد ونرید[2] کہ تسلی سے ذکر شب حاصل ہو اور اطمینان سے مطالعہ دینیات نصیب ہو۔ وفاء وعدہ[3] تمام ہو، نزاع قلبی نہ رہے اور اشتراک کی خرابیوں سے مبرا ہو کر دل نیت سے اکل حلال وصدق مقال عطا ہو۔ حسب استطاعت اقتصادی بدنی صحت کا خیال کیا جائے۔ فی کل الامور طاعۃ نبوی واتباع سنت کا رنگ غالب ہو۔ کتب ضروری اپنی گنجائش کے موافق ضرور خریدیں گے۔ داخل البیت تعلیم لابدی''

(ذاتی ڈائری مؤرخہ ۲ رجنوری ۱۹۵۵ء)

---

[1] ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، مکتبہ امدادیہ ملتان، س ن ۱/ ۴۰۔
الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ، مکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ مصر س ن ۲/ ۳۴ (فصل فی وجوب مناصحتہ صلی اللہ علیہ وسلم)

[2] مولانا کی ڈائریوں میں ان کا یہ معمول نظر آتا ہے کہ وہ ذاتی نوعیت کی کسی بات یا واقعہ کو بطور یادداشت ریکارڈ پر لانا چاہتے ہیں اور یہ بھی چاہتے ہیں کہ عام لوگوں سے وہ چیز مخفی ہی رہے۔ تو عموماً اسے عربی یا فارسی زبان میں درج کرتے ہیں۔ یہاں بھی کچھ اسی طرح کا معاملہ معلوم ہوتا ہے۔

[3] وفاء وعدہ سے مراد وہ وعدہ لگتا ہے جو انہوں نے اپنے والد گرامی مرتبت کی وفات کے وقت ان کی کتب تصوف کے مطالعہ کی وصیت کے وقت کیا گیا۔ چنانچہ ۱۰ ر ستمبر ۱۹۵۳ء کی یادداشت میں لکھا ہے:
''حسب وعدہ جدی آج اول کتاب اخبار الاخیار کے مطالعہ کی ابتدا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ انجاز وعدہ کی توفیق عطا فرماویں۔''

ان پاکیزہ اور نیک عزائم کے حوالے سے یہ بات بھی لائق توجہ ہے کہ ان کا اظہار کسی مجمع میں یا اہل خانہ کے سامنے نہیں کیا جا رہا کہ اس میں ریاکاری کا شبہ کیا جا سکے۔ ان کا اظہار تو صرف ذاتی یادداشت تک محدود ہے جسے تریسٹھ برس بعد آج لوگوں کے سامنے لایا جا رہا ہے۔

صلہ رحمی:

والدین، اولاد، بہن بھائیوں اور دوسرے قریبی رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے ساتھ ہمدردی و خیر خواہی شریعت کی اصطلاح میں صلہ رحمی کہلاتی ہے۔ قرآن وحدیث میں جتنا زور جتنی تاکید اور جتنی بار توجہ اس کی طرف دلائی گئی ہے اتنی شاید دوسرے حقوق کی ادائیگی کی طرف نہ دلائی گئی ہو۔ سید سلیمان ندوی کے بقول ''قرآن پاک میں کم از کم بارہ آیتوں میں اس کی صریح تاکید ہے اور اس کو انسان کا احسان نہیں بلکہ اس کا فرض اور حق بتایا ہے۔''[۱] صحیح بخاری وصحیح مسلم سمیت حدیث کی متعدد کتابوں میں موجود ''کتاب البر والصلۃ'' کے اندر سینکڑوں احادیث صلہ رحمی کی تاکید اور اس معاملے میں اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر روشنی ڈالتی ہیں۔

قرآن وسنت کی یہ تعلیمات مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ سے مخفی نہیں تھیں۔ اس لئے ان کے اوصاف حمیدہ میں یہ وصف بھی بدرجہ اتم پایا جاتا تھا۔ اپنی برادری کے ایک غریب دکاندار میاں نذر محمد ولد غلام حسین کے ساتھ مولانا کس طرح صلہ رحمی فرمایا کرتے تھے۔ اس کی تفصیل ''عام اخلاق عادات اور معمولات'' کے باب میں صاحبزادہ ابوبکر صدیقی کی زبانی گزر چکی ہے۔ اس حوالے سے مولانا کی ایک یادداشت لائق مطالعہ ہے۔ لکھتے ہیں:

''مودۃ القربیٰ: ۲۱ ربیع الاول ۱۳۶۸ھ کی شب کو تمام معرکہ برادری کی دعوت طعام کی گئی۔ تجمع اللہ تعالیٰ قلوبھم۔ ہر سال ایسا ہی ارادہ ہے۔''[۲]

آئندہ سالوں میں اس ارادہ پر عمل درآمد ہو سکا یا نہیں؟ اس کی کوئی صراحت نہیں ملتی۔

بڑے بھائی کا احترام:

حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

حق کبیر الاخوۃ علی صغیرھم حق الوالد علی ولدہ. رواہ البیھقی[۳]

(بھائیوں میں بڑے بھائی کا چھوٹے بھائیوں پر وہی حق ہے جو والد کا اپنی اولاد پر ہوتا ہے۔)

معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان یقیناً مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ہوگا۔ اس لئے وہ خود ایک عالم

---

[۱] سیرۃ النبی، الفیصل لاہور ۶/ ۱۳۹ (اہل قرابت کے حقوق)

[۲] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، ذاتی ڈائری مورخہ ۲۲ رجنوری ۱۹۴۹ء/ ۲۲ ربیع الاول ۱۳۶۸ھ۔

[۳] مشکوۃ المصابیح، باب البر والصلۃ (آخری حدیث) ص ۴۱۸۔

دین، مفتی، کئی کتابوں کے مصنف اور ایک معاشرتی عزت و مقام کا حامل ہونے کے باوجود اپنے بڑے بھائی مولانا محمد ذاکر رضی اللہ عنہ کا اسی طرح احترام کرتے تھے جس طرح والد کا ہوتا ہے۔ بڑے بھائی کو بھی ان کے علمی مرتبہ و مقام کے پیش نظر بڑا احترام ملحوظ تھا۔ اس باہمی احترام، احساس اور محبت کی ایک حیران کن اور منفرد مثال صاحبزادہ ابوبکر صدیقی کی زبانی عام اخلاق، عادات اور معمولات کے باب میں گزر چکی ہے۔

بڑے بھائی سے کسی معاملے میں اختلاف یا شکوہ ہوتا تو احترام کے پیش نظر اس کا ان کے سامنے اظہار نہ کرتے بلکہ صرف اپنی تحریری یادداشت تک محدود رکھتے۔ اس قسم کے برادرانہ شکوہ اور منفرد احترام پر مشتمل ایک یادداشت ملاحظہ ہو:

''آج لنگر خانہ کی تعمیر کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ خانگی مکان کی تعمیر کے لئے باوجود مکرر سہہ کرر کہنے کے کوئی اثر نہ دارند۔ خواہ مخواہ التوا کیا جا رہا ہے۔ اللہ معنا''[1]

مہاجرین کی خاطر زیور کی فروخت:

ایک مسلمان کے اوصاف حمیدہ میں غرباء و مساکین اور ضرورت مندوں کی مالی مدد کرنا بھی داخل ہے۔ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے اندر یہ وصف بھی بدرجہ اتم موجود تھا۔ وہ کوئی سرمایہ دار آدمی تھے نہ آمدنی کے لمبے چوڑے وسائل کے مالک تھے اس کے باوجود ''الغنی غنی النفس'' (اصل دولتمندی نفس کی دولتمندی ہے) کے مصداق غرباء و مساکین کی حسب توفیق مالی مدد کرنا ان کا مستقل معمول تھا۔ عام اخلاق، عادات اور معمولات کے باب میں صاحبزادہ غلام ابوبکر صدیقی کی یہ عینی گواہی گزر چکی ہے کہ انہوں نے گاؤں میں بیوگان مقامی اور غریب لوگوں کی ایک فہرست تیار کر رکھی تھی جنکی ہر ماہ کچھ نہ کچھ مدد فرماتے رہتے تھے۔

مولانا کی ذات سے اس انسانی ہمدردی کا ایک کمال مظاہرہ اس وقت دیکھنے میں آیا جب برصغیر کی تقسیم کے وقت مسلمان مہاجرین کے قافلے انڈیا سے ہجرت کر کے پاکستان پہنچے۔ ان مہاجرین کو فوری اور خاصی مالی مدد کی ضرورت تھی۔ مولانا کے پاس اتنی نقد رقم نہیں تھی جس سے ان کی ضروریات پوری ہوتیں اس لئے انہوں نے اپنے اہل خانہ کے زیورات بیچ کر مہاجرین کی یہ فوری ضرورت پوری فرمائی۔ چنانچہ یکم مارچ ۱۹۴۹ء کی یادداشت میں درج ہے:

''۶ عدد طلائی کلاں بالیاں، ۲ عدد خورد، ۲۴ عدد بالیاں کلاں نقرہ، ۱۱ جوڑیاں نقرہ، ایک کڑی نقرہ، مندرنے ۲ عدد نقرہ۔

یہ تمام زیورات فروخت کر دیئے گئے ہیں۔ دوصد ساٹھ روپیہ وصول ہوا ہے۔ اس میں ۵۰ روپیہ آج

---

[1] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، ذاتی ڈائری مورخہ ۲۳؍اپریل ۱۹۵۲ء۔

عید کے دن مہاجرین میں تقسیم کر دیئے گئے ہیں۔ باقی ۲۱۰ روپیہ نقد امانت مہاجرین ہیں۔ اس کا غلہ اناج لے کر دینے کی تجویز ہوئی ہے۔ ۵۰ روپے بحکم جناب مہتمم صاحب دو مہاجرین کو دیئے گئے۔''

گھریلو کاموں میں کوئی عار نہ ہونا:

گھریلو کام کاج اپنے ہاتھ سے کرنا مشہور سنت نبوی ہے۔ اس کے باوجود کئی بڑے لوگ عام طور پر گھر کے چھوٹے بڑے کام خود سرانجام دینے میں شرم اور عار محسوس کرتے اور اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ مگر مولانا کو ایک معزز گھرانے کا فرد ہونے اور بیسیوں عقیدتمند اور خدمت گزار موجود ہونے کے باوجود اپنے گھر کے تمام کام خود سرانجام دینے میں کوئی عار نہ تھی۔ عام اخلاق، عادات اور معمولات کے ضمن میں صاحبزادہ غلام ابوبکر صدیقی کی یہ عینی شہادت گزر چکی ہے کہ مولانا گھر کا سودا سلف خود لاتے تھے اور بیٹوں کو بھی ایسا کرنے کی تلقین فرماتے تھے۔ اس حوالے سے انہوں نے بعض یادداشتیں ڈائریوں میں درج فرمائی ہیں وہ ذیل میں ملاحظہ ہوں:

<u>۷ رنومبر ۱۹۵۲ء</u>

کل ۶ رنومبر بھوانہ سے بمعیت میاں فضل احمد صاحب ہنجرا خانگی کپڑے تمام ہر سہ (گھروں کیلئے) خریدے گئے۔ سترہ روپے سے زیادہ خرچ ہوا۔ رحمت اللہ اور فضل کریم کی قمیص بھی کریب کیلئے لئے گئے۔ محمد حسن سندھی سائیکل ڈرائیور تھا۔ بڑی دیر سے واپس ہوئے۔

<u>۴ رمارچ ۱۹۵۵ء</u>

''تعمیرات کا کام۔ میاں غلام حسین شاہ صاحب اور اللہ جوایا شاہ صاحب والی حویلی (بہ پنج صدو پنجاہ روپیہ خرید کردہ شد) کوٹھہ وغیرہ صاف کروایا جا رہا ہے۔ ان کی تمام لکڑی وغیرہ ایک جگہ جمع کر دی ہیں تا کہ وہ خود جلدی تشریف لا کر اٹھالیویں۔''

<u>۲۹ رمارچ ۱۹۵۵ء</u>

آج برتن (دیگڑا، تمالو بمع ڈھکن، گلاس خورد، چمچہ وغیرہ) قلعی کرائے گئے ہیں۔ فضل دین قلعی گر سے اور ۱۱ روپے خرچہ آیا ہے۔ اس نے یقین دلایا ہے کہ ایک سال تک دوبارہ قلعی کرانے کی ضرورت نہ ہوگی۔

<u>۸ راپریل ۱۹۵۵ء</u>

اجلاس سالانہ لالیاں، مولوی نذر محمد صاحب لالیاں کی طرف سے دعوت نامہ موصول ہوا۔ مگر خانگی تعمیرات کی مصروفیت کی وجہ سے جانا نہ ہوسکا۔

<u>۱۶ راپریل ۱۹۵۵ء</u>

الحمدللہ آج کام خانگی تعمیرات ختم ہو رہا ہے۔ صرف ڈیوڑھی باقی ہے۔ باقی ختم ہے۔

۹۔۱۰ارنومبر ۱۹۵۵ء

۹رنومبر۔سفرلائل پور، چک ماہوں فتولہ کے ہاں قیام۔محمد یار بھٹہ والا ساتھ ہے۔سائیکل پر سفر ہورہا ہے۔

۱۰ارنومبر۔خرید سامان از لائل پور۔علی الصبح چک ماہوں سے چل کر لائل پور جانا ہوا۔تمام دن سامان کی خریداری میں گزرا۔شام کو مغرب کے قریب واپسی ہوئی۔نڑوالا سے مغرب کے بعد تانگہ نہ مل سکا۔پیدل سامان سمیت رات کو نو بجے چک مذکور میں فتولہ حجام کے ہاں پھر نازل ہوئے۔قریباً ڈھائی سو کا سامان (کپڑے، برتن، سوٹ کیس وغیرہ) خریدا گیا۔

مزاح وخوش طبعی:

ایسا مذاق، ایسی ہنسی یا ایسا تمسخر جس سے دوسرے آدمی کی تحقیر، تذلیل، دل شکنی اور دل آزاری ہو وہ تو شریعت میں صرف ناجائز ہی نہیں بلکہ حرام کے درجے میں ہے۔البتہ ایسی ہنسی جس سے دوسرے کا دل خوش ہو یا ماحول خوشگوار ہو جائے وہ شرعاً جائز ہے۔جسے مزاح یا خوش طبعی کہا جاتا ہے۔اس طرح کا مزاح اور خوش طبعی خود نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے۔[۱]

مولانا محمد نافعؒ بڑی سنجیدہ طبیعت کے مالک تھے۔ہنسی مزاح ان کا عام معمول نہیں تھا۔مگر ڈائریوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات ہلکی پھلکی خوش طبعی فرمالیا کرتے تھے۔ذیل میں چند یادداشتیں ملاحظہ ہوں۔

۱۸رمارچ ۱۹۴۶ء

آج مولوی محمد شریف صاحب علالت طبع کی وجہ سے مدرسہ سے رخصت ہو کر گھر تشریف لے گئے ہیں۔ان کی جگہ مولوی عبدالرحمٰن رمانوی عارضی طور پر مدرس مقرر کئے گئے۔سب سے پہلے مولوی نذر محمد لالی کی مولوی عبدالقدوس کے ذریعہ حتی المقدور کوشش کی گئی لیکن جائے امید خالی باشد کی رو سے مایوس ہونا پڑا۔مولوی لالی ''زندہ باد''۔

۲۱رجنوری ۱۹۵۳ء

''اجلاس خدام البطن''۔ الاحباء القديم اليوم (ليلة الخميس) قد اتفقوا على ان ينعقد مجلس التفريح و فيه الاكل والشرب فيما بينهم على وجه الاهداء ووجد دود الشاة فى على وطيرة السابقة لينشرح الصدور و ينفرح القلوب بالذوق السليم۔''

۱۵رجولائی ۱۹۵۵ء

ایک عرب صاحب تشریف لائے۔مأة واحدہ کا مطالبہ جڑ رہے ہیں۔اللہ ہی خیر کرے۔

---

[۱] علامہ شبلی نعمانی نے اس طرح کے متعدد واقعات یکجا کر دیے ہیں۔دیکھئے سیرۃ النبی، جلد دوم (اخلاق نبوی کی ذیلی سرخی ''لطف طبع'')۔

باب سیزدہم

نکاح اور اولاد

اپنے نکاح کی یادداشت:

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کا نکاح ان کے اپنے ریکارڈ کے مطابق مارچ ۱۹۴۷ء میں ہوا۔ مولانا کی کوئی ستر سالہ ڈائریوں (۱۹۴۶ء-۲۰۱۴ء) سے ان کا یہ معمول نظر آتا ہے کہ وہ نجی ذاتی گھریلو مسائل اور بعض مخصوص معاملات وواقعات کی یادداشت جب اپنے روزنامچے اور ڈائری میں درج کرتے تو عموماً عربی یا فارسی زبان میں کرتے تھے۔ شاید اس سے ان کا مقصود ایک حد تک پردہ داری اور رازداری ہو۔ چنانچہ اس عمومی معمول کے پیش نظر انہوں نے اپنے نکاح کی یادداشت بھی ایک بیاض میں عربی کے اندر لکھی۔ عین ممکن ہے یہ یادداشت ۱۹۴۷ء کی ڈائری میں بھی درج ہو مگر صاحبزادہ ابوبکر صدیقی کے بقول وہ ڈائری کسی "کرم فرما" کی "مہربانی" کی نذر ہوگئی ہے اور تادمِ تحریر اس کا سراغ نہیں ملا۔ بہرکیف مذکورہ بیاض میں انہوں نے اپنے نکاح کے متعلق لکھا ہے:

"قد تیسر لنا التزوج والمناکحة بارخ (بتاریخ) ستة عشر ربیع الثانی سنة ست وستین بعد الف و ثلاث مأة (١٣٦٦ھ) ۷ مارچ ۱۹۴۷ء ۲۷/پھاگن ۲۰۰۳ وکان من الاسبوع یوم الاثنین فتقر المهر خمسة و عشرین روبیة لا نرید من هذا الامر الا رضاه ورضا حبیبه وان یحصل لنا سعادة الدارین۔"

یہ نکاح کس نے پڑھایا؟ کس جگہ پڑھا گیا؟ پنجاب میں شادی کی عمومی اور مروجہ رسوم (مہندی، بارات، ڈھول، جھومر، آتش بازی وغیرہ) سے کیسے عہدہ برآ ہوئے؟ ولیمہ کیسے ہوا؟ وغیرہ وغیرہ۔ ان چیزوں کی صراحت مذکورہ بیاض میں موجود نہیں۔ حضرت مولانا کی تمام معاملات میں سنت رسول اور دین پر سختی سے عمل کی روش سے قیاس یہی ہے کہ یہ نکاح مسجد میں ہوا ہوگا۔ شادی کی کوئی مروجہ رسم ادا نہیں کی گئی ہوگی بلکہ انتہائی سادگی سے شادی سرانجام پائی ہوگی۔ البتہ ولیمہ کی سنت ضرورت ادا کی گئی ہوگی۔

بچوں کی تاریخ ہائے ولادت اور ان کے نام: اس نکاحِ مسنون اور شادی کے نتیجے میں مولانا کے ہاں جو اولاد ہوئی ان کی تاریخ ہائے ولادت بھی انہوں نے یکجا اپنی بیاض میں لکھی ہیں اور کچھ اعزہ واقارب کی تاریخ ہائے وفات بھی۔ بہرکیف شادی کے بعد سب سے پہلے ان کے ہاں ایک صاحبزادی پیدا ہوئی جس کا نام سعیدہ زینب رکھا گیا۔

پہلی اولاد ہی بیٹی ہونے پر مولانا نے عام جاہل لوگوں کی طرح کسی قسم کی ناگواری یا ناشکری کا اظہار نہیں کیا بلکہ بیٹی کو اللہ کی نعمت قرار دیتے ہوئے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا ہے۔ چنانچہ بچی کی ولادت کی یادداشت درج کرتے ہوئے لکھا:

"بارخ احد و عشرین ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ اعطانا الله تعالیٰ مولودہ (سعیدہ زینب) یوم الاربعاء (۲۱ پھاگن ۲۰۰۴ بکرمی) ۳ مارچ ۱۹۴۸ء۔ نحمد الله تعالیٰ علیٰ آلائه"

(بتاریخ ۲۱ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ بمطابق ۳/مارچ ۱۹۴۸ء، ۲۱/پھاگن ۲۰۰۴ بکرمی بروز بدھ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک بیٹی (سعیدہ زینب) عطا فرمائی۔ ہم اللہ کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرتے ہیں۔)

جبکہ ۱۹۴۸ء کی ڈائری میں مذکورہ تاریخ میں درج ہے:

"ولادت عزیزہ! الیوم ولدت سعیدہ زینب" (آج سعیدہ زینب کی ولادت ہوئی)

کوئی ڈیڑھ سال بعد اللہ تعالیٰ نے دوسری اولاد عنایت فرمائی تو وہ بھی بیٹی تھی۔ اس پر بھی اللہ کا شکر ادا کیا اور یوں یادداشت لکھی:

"بارخ السادس من ذی القعدہ ۱۳۶۸ھ یوم الاربعا بین الظهر والعصر ۱۶ بھادوں ۲۰۰۶ بکرمی ۳۱ گست ۱۹۴۹ء تولدت صفیة بی بی الحمد لله تعالیٰ۔"

(بتاریخ ۶/ذیقعدہ ۱۳۶۸ھ بمطابق ۳۱/اگست ۱۹۴۹ء، ۱۶/بھادوں ۲۰۰۶ بکرمی بروز بدھ ظہر اور عصر کے درمیان بیٹی صفیہ بی بی کی ولادت ہوئی۔ جس پر اللہ کا شکر ہے۔)

یہ دوسری بیٹی زیادہ عرصہ زندہ نہ رہیں اور شاید اللہ نے اسے اپنے والدین کی بخشش کا ذریعہ بنانے کے لئے کوئی سوا سال بعد اپنے پاس بلا لیا۔ اس کی وفات کی تاریخ درج کرتے ہوئے مولانا نے لکھا ہے:

"قد ماتت عزیزہ صفیه عند الظهر بارخ ۲۶ صفر ۱۳۷۰ھ/۷ دسمبر ۱۹۵۰ء ولها سنة واحدة و ثلثة اشهر (۲۲ مگھر ۲۰۰۷ بکرمی) جمعرات۔"

(مؤرخہ ۲۶/صفر ۱۳۷۰ھ بمطابق ۷/دسمبر ۱۹۵۰ء اور ۲۲/مگھر ۲۰۰۷ بکرمی بروز جمعرات بوقت ظہر عزیزہ صفیہ وفات پا گئی۔)

جبکہ ۱۹۵۰ء کی ڈائری میں یہ سانحہ ان الفاظ میں درج ہے:

"آہ! رحلت، عزیزہ صفیہ آج بوقت ظہر بقضاء الٰہی فوت ہوگئی ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ○۔ اس کی عمر ایک سال تین مہینہ پوری ہوئی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی كُلِّ حَالٍ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ۔

تیسری اولاد میں اللہ نے بیٹا عنایت فرمایا تو اس کی یادداشت میں لکھا:

"الیوم الاول رجب ۱۳۷۰ھ/۸ اپریل ۱۹۵۱ء یوم الاحد عند الاشراق ۲۶ چیت تولد العزیز عبد الرحمٰن المعروف محمد مختار عمر وفقه الله تعالیٰ خیر التوفیق وسلمه

اللہ تعالیٰ عن کل ضیق اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ اولا و وسطًا و آخرًا وظاھرًا وباطنًا ۔“

(بتاریخ یکم رجب ۱۳۷۰ھ ۸/اپریل ۱۹۵۱ء، ۲۶/چیت ۲۰۰۷ بکرمی بروز ہفتہ عزیز عبدالرحمٰن المعروف محمد مختار عمر پیدا ہوا۔ اللہ تعالیٰ اسے خیر کی توفیق عنایت فرمائے اور ہر تنگی/مشکل سے اللہ اس کی حفاظت فرمائے۔ ہر حال میں اللہ کا شکر ہے۔ اول میں، درمیان میں، ظاہر میں اور باطن میں۔)

چوتھی اولاد میں بھی اللہ نے بیٹا دیا مگر وہ صرف ایک مہینہ بیس دن تک زندہ رہ کر اللہ کو پیارا ہو گیا۔ اس بیٹے کی ولادت اور وفات کے بارے لکھا ہے:

”۹۔التاسع من شوال المکرم ۱۳۷۲ھ ولد عزیز عبدالرحمٰن و اسمه التاریخی محفوظ الرحمٰن ۲۲ جون ۱۹۵۳ء یوم الاثنین ۹ ھاڑ ۲۰۱۰ بکرمی ثم بقضاء اللہ مات هو بعد اشهر الواحد وعشرین یومًا ۳ ذی الحجه ۱۳۷۲ھ/۱۴ اگست ۱۹۵۳ء، ۳۰ ساون ۲۰۱۰ بکرمی یوم الجمعه (ترجیع)“

(بتاریخ ۹/شوال المکرم ۱۳۷۲ھ بمطابق ۲۲/جون ۱۹۵۳ء ۹/ھاڑ ۲۰۱۰ بکرمی بروز پیر عزیز عبدالرحمٰن پیدا ہوا جس کا تاریخی نام محفوظ الرحمٰن تھا مگر وہ قضائے الٰہی سے یک ماہ بیس دن کے بعد ۳/ذی الحجہ ۱۳۷۲ھ/ ۱۴/اگست ۱۹۵۳ء، ۳۰/ساون ۲۰۱۰ بکرمی بروز جمعہ اللہ کو پیارا ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ)

۱۴/اگست ۱۹۵۳ء کی ڈائری میں اس سانحہ کی یادداشت یوں درج ہے:

”آج علی الاصباح ۲/بجے رات کو عزیز عبدالرحمٰن فوت ہو گیا ہے۔ (ترجیع) کچھ علالت رہی، دست جلاب وغیرہ آہستہ آہستہ زیادہ کمزور ہو گیا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ کے سپرد ہوا۔ پونے دو ماہ کل عمر تھی۔ اللھم اجعله (لنا) فرطًا واجعله اجرا و ذخرا واجعله شافعا و مشفعا“

پانچویں اولاد میں اللہ نے پھر صاحبزادی عنایت فرمائی۔ چنانچہ مذکورہ بیاض میں لکھا ہے:

”۲۵/ذوالحجہ ۱۳۷۴ھ/ ۲۶/اگست ۱۹۵۴ء، ۱۰/بھادوں ۲۰۱۱ بکرمی یوم الخمیس کو عزیزہ عائشہ پیدا ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نیک زندگانی سے متمتع فرمائے۔“

چھٹی دفعہ اللہ نے پھر بیٹا عطا فرمایا۔ اس کی یادداشت کے طور پر بیاض میں لکھا:

”۲۲/محرم ۱۳۷۷ھ/ ۱۹/اگست ۱۹۵۷ء، ۳/بھادوں ۲۰۱۴ بکرمی بروز سوموار ولد عزیز محمد ابوبکر پیدا ہوا۔ اللہ کریم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طفیل صالح و نیک بخت فرماویں۔“

جبکہ اسی تاریخ کی ڈائری ۱۹/اگست ۱۹۵۷ء میں عربی میں درج ہے:

''الیوم تولد عزیز محمد ابوبکر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز قبل الزوال۔''

مذکورہ صاحبزادے کی ولادت کے ساتویں دن (۲۵ راگست ۱۹۵۷ء) عقیقہ کی سنت ادا کی گئی تو مولانا نے لکھا:

''آج عقیقہ کیا گیا اور ایک ضأن (بھیڑ) ذبح کی گئی۔ جھنڈ اتروائی گئی اور حضرت مہتمم (مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ، بڑے بھائی) صاحب نے ''محمد ابوبکر'' نام تجویز کیا ہے۔ میرا خیال تھا کہ ''محمد عمر'' نام ہو مگر مولانا صاحب کی رائے کے موافق محمد ابوبکر ہی تجویز ہوا۔''

مولانا کے ہاں ساتویں اور آخری بچے کی ولادت بیٹی کی شکل میں ہوئی تو انہوں نے یادداشت کے طور پر مذکورہ بیاض میں لکھا:

''۲۱ رجمادی الثانی ۱۳۸۳ھ/ ۱۶ رنومبر ۱۹۶۳ء، یکم مگھر ۲۰۲۰ بکرمی بروز ہفتہ عند العصر عزیزہ ام کلثوم اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ۔

ان تمام بچوں کی والدہ صاحبہ اور مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی رفیقۂ حیات کا نام فاطمہ بی بی (دختر میاں رحمٰن بخش رحمۃ اللہ علیہ) تھا۔ جو محمدی شریف ہی کی رہائشی اور مولانا کے ماموں کی بیٹی تھیں۔[1]

صاحبزادہ ابوبکر صدیقی کے بقول زیادہ پڑھی لکھی تو نہ تھیں قرآن پاک ناظرہ پڑھا ہوا تھا مگر پانچ وقتہ نماز، روزہ، تلاوت اور ذکر اذکار کی پابند تھیں۔ حتیٰ کہ جس دن ان کا وصال ہوا (۲۶ رشوال ۱۴۲۶ھ/ ۲۹ رنومبر ۲۰۰۵ء/ ۱۴ رمگھر ۲۰۶۴ بکرمی بروز منگل) تو وصال کے وقت بھی ان کی زبان پر اللہ اللہ کا ورد جاری تھا۔

علاوہ ازیں مولانا کے تصنیفی کام بلکہ تصنیفی کارنامہ اور دیگر زندگی بھر کی تعلیمی، تدریسی، تبلیغی خدمات کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ اہلیہ محترمہ نے مولانا کو گھریلو مسائل اور اخراجات کے معاملے میں عام خواتین کی طرح کبھی الجھایا نہیں ہوگا ورنہ مولانا اتنا علمی و تحقیقی کام ہرگز نہ کر سکتے۔ کیونکہ اس طرح کا کام ذہنی سکون کے بغیر سرانجام پانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ پھر یہ بات بھی مولانا کے شمائل اور اخلاق و عادات کے باب میں گزر چکی ہے کہ مولانا ایک درویش منش اور انتہائی سادہ زندگی اور بود و باش کے حامل آدمی تھے تو اس قسم کے فقیرانہ گھریلو ماحول میں صبر شکر سے زندگی گزار دینا بھی ایک خاتون خانہ کی بڑائی کی دلیل ہے۔ اللہ انہیں اس نیکی کی جزائے خیر عنایت فرمائے۔ آمین

---

[1] مولانا کے سسر اور ماموں میاں رحمٰن بخش کی وفات ۱۲ رمارچ ۱۹۴۹ء/ ۱۱ رجمادی الاول ۱۳۶۸ھ کو ہوئی ان کی وفات کی یادداشت میں مولانا نے اپنی ڈائری میں لکھا:

''یازدہم جمادی اولیٰ شب شنبہ قریباً ۴ بجے آخری رات ماموں میاں رحمٰن بخش صاحب نے وفات پائی۔ (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ○) ماموں صاحب مرحوم خاموش طبع نیک سیرت دنیاوی لالچوں سے گریز کرنے والے سادہ فطرت مرنجاں مرنج خوب خصلت انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائے۔ اللهم اغفر له وارحمه واعف عنه۔ کلاں حافظ صاحب نے جنازہ پڑھایا۔'' (ذاتی ڈائری، ۱۹۴۹ء مورخہ ۱۲ رمارچ)

صاحبزادہ میاں محمد مختار عمر کا انتقال پر ملال:

(ولادت ۸/اپریل ۱۹۵۱ء وفات درحرم مکہ بتاریخ ۲۶/اگست ۲۰۱۶ء)

گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ صاحبزادہ میاں محمد مختار عمر مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بیٹے تھے جو یکم رجب ۱۳۷۰ھ/ ۸/اپریل ۱۹۵۱ء بروز اتوار بوقت اشراق پیدا ہوئے۔ پرائمری سے لے کر ایف اے تک تعلیم جامعہ محمدی میں ہی پائی۔ کچھ عرصہ لاہور میں (۱۹۷۵ء تا ۱۹۸۰ء) معروف عالم دین اور مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور کے ڈائریکٹر مولانا سید محمد متین ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پرائیویٹ طور پر تعلیم و تربیت پاتے رہے۔ طبعی طور پر سیاسی وسماجی ذہن اور متصوفانہ ذوق کے باعث پورا درس نظامی پڑھ سکے نہ باقاعدہ عالم دین بن سکے مگر اس کے علاوہ ایک مسلمان کے اندر جو اوصاف کمالات اخلاق عبادت کا ذوق اور انسانی خوبیاں پائی جانی چاہئیں وہ ان کے اندر بدرجہ اتم موجود تھیں۔

موت ایک ایسی ناقابل انکار اور اٹل حقیقت ہے جس سے دنیا میں کسی انسان کو مفر نہیں مگر بعض لوگ مرنے کے بعد اپنے حسن عمل، حسن کردار اور خدمت خلق کی ایسی یادیں چھوڑ جاتے ہیں کہ دنیا دیر تک انہیں یاد رکھتی ہے۔ صاحبزادہ میاں محمد مختار عمر کو اللہ کریم نے حسن صورت کے ساتھ ساتھ حسن سیرت، اُجلے تن کے ساتھ اُجلا من، نفاست کے ساتھ شرافت اور ظاہری وجسمانی نظافت کے ساتھ روحانی و باطنی طہارت بھی عنایت فرمائی تھی۔

نماز، روزہ، تسبیح، عبادت گزاری اور ذکر اذکار سے محبت کے ساتھ ساتھ خالق کائنات نے انہیں خلوص و للّٰہیت، قومی وملی درد، دینی محبت وغیرت، ہمت وجرأت، دلیری و بہادری، غریب پروری، خلق خدا کے ساتھ ہمدردی، خیر خواہی، مخلوق خدا کی خدمت کا بے لوث جذبہ اور ہمیشہ حق کا ساتھ جیسی عمدہ خصوصیات وصفات کا وافر حصہ عنایت فرما رکھا تھا۔

ان کے دوست احباب، اعزہ واقارب اور تمام متعلقین ومتوسلین یقیناً اس بات کی تائید کریں گے کہ ان کا ظاہر و باطن ایک تھا۔ منافقت، دورنگی اور مفاد پرستی ان کے نزدیک سے بھی نہیں گزرتی تھی۔ وہ یاروں کے یار، دوستوں کے پکے دوست اور دشمن کے ڈنکے کی چوٹ پر دشمن تھے۔ دینداری کے ساتھ دیانتداری اور امانتداری ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ پرویز مشرف دور میں وہ یونین کونسل عدلانہ (ضلع چنیوٹ) کے ناظم منتخب ہوئے۔ ان کا یہ انتخاب بھی کسی کرامت سے کم نہیں تھا۔ پانچ سالہ نظامت کے دوران سرکاری فنڈز کے استعمال میں جس دیانتداری کا ثبوت انہوں نے دیا وہ ہر آدمی کے بس کا روگ نہیں۔

شاید ان کی انہی نیکیوں، مکارم اخلاق اور حسن کردار کی برکت تھی کہ اللہ نے انہیں موت بھی ایسی حالت اور ایسے مقام پر دی جو بہت کم خوش نصیب لوگوں کے حصہ میں آتی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ۱۴۳۷ھ

کے حج کے سلسلے میں دیگر اہل خانہ کے ہمراہ مکہ مکرمہ پہنچے تو ایام حج سے قبل ہی حرم مکہ میں جمعرات کو اچانک ہارٹ اٹیک ان کی پاک سرزمین پر موت کا ظاہری سبب بن گیا۔ حالانکہ پاکستان میں بھی ان کو دل کا مرض لاحق ہوا تھا مگر اس وقت اللہ نے بچا لیا۔ چونکہ مکہ مکرمہ کی پاک سرزمین پر ان کی موت مقدر تھی اس لئے وہاں وفات پائی۔ جمعہ کے روز مسجد الحرام میں لاکھوں نمازیوں نے نماز جنازہ پڑھی اور پھر انہیں ہمیشہ کے لئے حرم مکہ کی پاک سرزمین میں دفن ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ○

ع پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

تعزیتی پیغامات:

حضرت میاں محمد مختار عمرؒ کی وفات پر چند اہل علم نے اپنے تعزیتی پیغامات میں جس غم اور جن تاثرات کا اظہار کیا، ذیل میں ان کا اندراج بھی بے جا نہ ہوگا۔

(مولانا) ظہور احمد علوی و اساتذہ کرام، الجامعۃ المحمدیہ، اسلام آباد:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم جناب صاحبزادہ محمد ابوبکر صاحب سلمہ اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

طالب الخیر بخیر! صورت احوال آنکہ۔

۱۳ر دسمبر ۲۰۱۴ء کو آپ کے والد بزرگوار اور ہمارے بلکہ امت مسلمہ کے سروں کے تاج حضرت اقدس مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی ٹھنڈی چھایا ہمارے سروں سے اٹھ گئی۔ آپ کے وجود مسعود کی برکات سے جہاں ایک عالم محروم ہوا وہاں ان کی چاہتوں اور محبتوں سے سب سے زیادہ اہل خانہ اور قریبی رشتہ دار محروم ہوئے۔

والد کی وفات کے بعد ان کے بڑے بیٹے یقیناً والد صاحب کے قائمقام ہو کر خاندان، اعزہ واقرباء کے لئے سہارا ہوتے ہیں جو اس نازک اور آڑے وقت میں سب کو سنبھالا دیتے ہیں لیکن قدرت کے اپنے ہی انداز ے ہوتے ہیں کہ والد محترم کی وفات کے تقریباً پونے دو سال بعد ان کے بڑے بیٹے محترم جناب محمد مختار عمر صاحب کے سایہ سے بھی اہل خانہ محروم ہو گئے اور امسال (۱۴۳۷-۲۰۱۶) حج کی ادائیگی کے لئے تشریف لے گئے اور حج سے پہلے ہی غریب الوطنی میں جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ ان للہ ما اخذ و لہ ما اعطی و کل شیء عندہ باجل مسمی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے، انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جوار اور پڑوس نصیب فرمائے، مرحوم کے تمام خاندان اور بالخصوص اہلیہ اور

اولاد کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین۔

مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کے ''جوان رعنا'' بیٹے جناب زکی کیفی صاحب کا حج کی ادائیگی کے فوراً بعد انتقال ہوگیا۔ مفتی صاحب کی طبیعت پر اس گراں صدمہ کا بہت اثر تھا، اس کے باوجود آپ نے اپنی بہو اور مرحوم کی اولاد کے نام جو تسلی کے لئے خط لکھا وہ اس موقع پر آپ کے اہل خانہ کے لئے باعث تسلی و تشفی ہے۔ آپ کے مرحوم بھائی اور جناب زکی کیفی صاحب دونوں کی حج کے موقع پر وفات ہوئی۔ حج کے ساتھ اسی ایک واقعاتی مشابہت کی وجہ سے اس خط کی کاپی ''نقوش رفتگاں'' سے آپ کی اور اہل خانہ کی خدمت میں تعزیت و تسلی کے لئے ارسال ہے۔

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر جامعہ محمدیہ اسلام آباد کے اساتذہ کرام کی جب محمدی شریف، چنیوٹ حاضری ہوئی تو مرحوم محترم بڑے پرتپاک انداز میں ملے اور خدمت میں پیش پیش رہے۔

ہم اہل جامعہ آپ کے غم میں شریک ہیں اور مرحوم کی بلندیٔ مراتب اور اہل خانہ کی تسلی کے لئے اللہ رب العزت سے دعا گو ہیں۔

والسلام مع الاکرام:

(مولانا) ظہور احمد علوی و اساتذہ کرام

جامعہ محمدیہ F-6/4، اسلام آباد

۳/ذوالحجہ ۱۴۳۷ھ، ۵/ستمبر ۲۰۱۶ء

مفتیٔ اعظم پاکستان کا مذکورہ خط درج ذیل ہے:

''اس نے ایسا نیم جان مُردہ کر دیا کہ آج سے پہلے چند سطریں لکھنے کی بھی ہمت نہ ہوسکی۔ آج بمشکل قلم اٹھایا تو چل نہ سکا۔ اب برخوردار مولوی امین اشرف کے قلم سے لکھوا رہا ہوں!

میرے عزیز بچو! یہ واقعہ جیسا کرب انگیز، حسرت ناک و جانکاہ ہے اس کا اثر مرحوم ہوجانے والے نوجوان صالح کے ماں باپ، بچوں اور بیوی اور بھائی بہنوں پر درجہ بدرجہ جو کچھ ہونا تھا وہ ایک طبعی اور فطری امر ہے اور جب تک حدود سے تجاوز نہ ہو شرعاً مذموم بھی نہیں۔ لیکن یہ سب کرب انگیزی اور غم و صدمہ کا ایک طرف پہلو صرف اس بنیاد پر ہے کہ ہم واقعات کو الٹا پڑھتے ہیں اور یہاں سے شروع کرتے ہیں کہ ایک پچاس سالہ نوجوان جس کے ساتھ ایک ایک عزیز کی ہزاروں امیدیں وابستہ تھیں یکا یک ہم رخصت ہوگیا۔ اس کا اثر ظاہر ہے کہ بے چینی اور شدید ترین صدمہ ہی ہوسکتا ہے۔

آؤ! اب واقعات کو ذرا سیدھا پڑھو کہ صبر آئے، بلکہ شکر کا موقع ملے۔

ذرا سمجھو کہ ہر مومن کا عقیدہ ہے کہ ہر پیدا ہونے والے انسان کی عمر کی گھڑیاں اور سانس اس کے پیدا ہونے سے پہلے ہی اللہ کے دفتر میں لکھے ہوتے ہیں۔ جانے والا لختِ جگر پچاس سال سترہ دن کی زندگی لے کر اس دنیا میں آیا تھا۔ زمین و آسمان اپنی جگہ سے ٹل سکتے تھے قضاء وقدر کے اس فیصلے میں ایک منٹ، ایک سیکنڈ فرق نہیں آسکتا تھا۔ اس لئے یہ تو ہم سب کا ایمان ہونا چاہئے کہ یہ حادثہ یوں ہی ہونا تھا کہ جس طرح ہوا لیکن اب ذرا یہ سوچو کہ اس حادثہ جانکاہ کو ہم سب پر آسان کرنے کے لئے حق تعالیٰ جل شانہ نے کیسے کیسے انعامات فرمائے۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ الحمد للہ اپنی تمام ہی اولاد کو وہ اس حالت پر چھوڑ گئے جب کہ وہ کسی کے محتاج نہ تھے۔ وہ سب اپنے قدموں پر کھڑے ہونے کے قابل ہو چکے تھے۔ ذرا سوچو اگر معاملہ اس کے خلاف ہوتا تو یہی ایک مصیبت اور دس گنی بن جاتی۔

دوسری بات یہ دیکھو کہ مرحوم کو جس قدر گہرا تعلق اپنی بیوی اور اولاد سے تھا، ماں، باپ اور بہن بھائیوں سے بھی اس سے کچھ کم نہ تھا۔ لاہور رہنے کی بنا پر ہم سے جدائی کے دوطرفہ تاثرات قدم قدم پر ظاہر ہوتے تھے، لیکن وہاں کے مشاغل اور ضروریات کی بنا پر مشکل سے سال بھر میں ایک ہی مرتبہ وہ کراچی آسکتے تھے۔ اس سال جبکہ اللہ جل شانہ کو اس دنیا سے ان کی جدائی ہمیشہ کے لئے منظور ہوئی تو غیر شعوری طور پر چار مرتبہ ایسے حالات پیدا فرمادیئے کہ ان کو بار بار کراچی آنا پڑا اور ایک مرتبہ سب بچوں کے ساتھ آنے کا موقع بھی مل گیا۔ یہ کس کو معلوم تھا کہ یہ بار بار کی پیش آنے والی ملاقات اللہ تعالیٰ کے انعامات اور آئندہ پیش آنے والے صدمہ اور تسلی کے لئے سامان تھے۔

تیسری بات یہ دیکھو کہ سب سے بڑا ہونہار بیٹا مولوی محمود سلمہ تین ماہ پہلے ان سے جدا ہو چکا تھا جس سے ملنے کی اس حادثہ جانکاہ سے پہلے بظاہر کوئی امید نہ تھی۔ قدرت نے غیبی سامان فرمادیا۔ امسال ان کے لئے حج کا سامان ہو گیا اور اس طرح وہ حج و زیارت کے فرائض اور حرمین شریفین کی برکات سے بھی بہرہ ور ہوئے اور سعادت مند بیٹے کو بھی اٹھارہ دن ان کی مکمل خدمت کا موقع مل گیا۔

پھر یہ بھی سوچو کہ عادتاً حج و زیارت میں مہینہ ڈیڑھ مہینہ تو لگ ہی جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس خوش نصیب بندے کو صرف اٹھارہ دنوں میں حج و زیارت کے تمام مراحل سے گزار کر ایسے وقت کراچی واپس پہنچا دیا جبکہ ان کی وفات میں صرف سترہ دن باقی تھے۔ اگر مواصلاتی نظام میں ذرا بھی تاخیر ہوتی تو مرحوم اپنے بیوی بچوں، ماں، باپ، بہن، بھائیوں سے جدا رہتے ہوئے بحالت غربت اس دنیا سے سفر کرتے۔ ذرا یہ سوچو اس وقت ماں باپ اور اولاد بیوی پر کیا گزرتی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام مراحل سفر کو آسان فرمایا اور پوری تندرستی کے ساتھ واپس والدین کے پاس کراچی اور پھر اہل عیال کے پاس لاہور خوش وخرم پہنچا دیا۔ حج کی خوشی میں احباب کی دعوت بھی کر لی۔

اور ان تمام انعامات سے بڑھ کر سب سے بڑا انعام یہ کہ آخری عمر میں ان کو حج وزیارت سے مشرف فرما کر گناہوں سے پاک فرمادیا اور پاک وصاف اپنی بارگاہ میں بلالیا۔

اب غور کرو۔ اگر جانے والے مرحوم کو سال بھر پہلے یہ قطعی اطلاع ہوجاتی کہ عاشورہ محرم ۱۳۹۵ھ ان کی عمر کا آخری دن ہے اور وہ خود اپنے مرنے کے سامان کرتے تو اس سے بہتر اور مرنے کا کیا سامان ہوتا۔ بس اس وقت مشکل سے یہ سطور ہی لکھوا سکا ہوں اور کچھ بولنے کی ہمت نہیں۔ والسلام۔ بندہ محمد شفیع عفااللہ عنہ۔ ۲۹/محرم ۱۳۹۵ھ۔ (البلاغ، جلد ۹، شمارہ ۲)۔

مولانا عبدالقدوس ترمذی، الجامعہ الحقانیہ، ساہیوال، ضلع سرگودھا:

۷۸۶

۲۲/ذوالحجہ ۱۴۳۷ھ

محترم جناب غلام ابوبکر صدیقی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج سامی؟

گرامی نامہ مع اشتہار اظہار برأت ملا۔

جناب مولانا محمد مختار عمرؒ کی وفات کا علم اخبارات سے ہوگیا تھا۔ ان کے انتقال سے افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرماوے اور درجات عالیہ سے سرفراز فرمائے۔ مکہ معظّمہ میں انتقال اور جنت المعلیٰ میں تدفین فضل باری ہے۔ زہے مقدر۔ آپ حضرات کے لئے جہاں وفات سے ایک صدمہ ہے وہیں دیار رب میں تدفین سے اللہ تعالیٰ نے اس غم کے کم کرنے کا سامان بھی پیدا فرمادیا۔ فللہ الحمد وذالك تقدير العزيز العليم وهو على كل شيء قدير ○

آج روزنامہ اسلام میں آپ نے اظہار برأۃ کا اشتہار شائع کردیا ہے اس سے آپ کا مقصد احسن انداز سے پورا ہوگیا ہے۔ امید ہے کہ اب مزید اشاعت کی ضرورت نہیں ہوگی۔

فقط والسلام

دعا جو احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہ (دستخط)

مولانا محمد اسماعیل، شجاع آبادی، ناظم تبلیغ! عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، ملتان، پاکستان:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترمی ومکرمی جناب مولانا ابوبکر نافع صاحب مدظلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج گرامی!

آپ کے بھائی کی وفات کی خبر سن کر قلبی صدمہ ہوا۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی مبلغین کے اجلاس منعقدہ ۲۴ /اکتوبر ۲۰۱۶ء میں مرحوم کے ایصال کے لئے قرآن خوانی اور دعائے مغفرت کی گئی۔

اللہ پاک سے دعا ہے کہ پروردگار عالم مرحوم کی مغفرت فرمائیں اور آنجناب سمیت تمام پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین!

والسلام

دستخط (محمد اسماعیل عفا اللہ عنہ)

(مولانا) محمد اسماعیل شجاع آبادی

ناظم تبلیغ! عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، پاکستان

مولانا محمد عبید اللہ ساجدؔ، مدرسہ احیاء السنہ، فاروقہ، ضلع سرگودھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۴ر محرم الحرام ۱۴۳۸ء

الحمد للہ رب العالمین۔ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم

وصلی اللہ علی النبی الامی وعلیٰ آلہ وبارک وسلم تسلیما

محترم ومحتشم مولانا غلام ابوبکر صدیقی صاحب زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج گرامی!

سب سے پہلے تو برادر مکرم میاں مختار احمد عمر کی ناگہانی وفات پر پرسہ دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کی لغزشوں کو معاف فرما کر اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائے۔ گھر میں علیٰ فرق مراتب بندہ کی طرف سے تعزیت مسنون۔

حضرت والد ماجد کی سوانح ''تذکرہ محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ'' ۱۷ ر ذی الحجہ ۱۴۳۷ھ موافق ۲۰ ر ستمبر ۲۰۱۶ء بذریعہ ڈاک موصول ہوئی۔

کتاب ہذا کے مطالعہ کے بعد جو احساسات محسوس ہوئے بندہ نے کتاب ہذا کے پہلے ورق پر لکھے ہیں ان کو یہاں نقل کرتا ہوں۔

الحمدللہ ثم الحمدللہ! یہ زمین علماء صلحاء سے کبھی خالی نہیں رہی اور نہ ہی قیامت تک خالی رہے گی۔ اسلام کو یہ عظمت اور سربلندی حاصل ہے کہ اس میں علماء کی کثرت ہے۔ اولیاء کی کثرت ہے، محدثین ومفسرین بھی کم نہیں، مصلحین، مجاہدین، ناصحین اور شارحین بھی موجود ہیں۔ جہان رنگ و بو میں مفتی، مولوی، علامہ اور بزرگ بھی، ان سب سعید روحوں کی موجودگی باعث برکت ہے اور ان میں صاحب علم، صاحب قلم، صاحب حوصلہ، صاحب فہم بزرگوں کا کام بھی باعث حیرت ہے۔ صاحب علم اپنے علم کے ساتھ اور صاحب عقل اپنی دانش کے ساتھ، صاحب قلم اپنے تیشہ ونشتر کے ساتھ اور صاحب مشاہدہ اپنی قوت تحقیق وزورِ خطابت کے ساتھ اصلاحِ انسانیت میں اپنا اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ غرضیکہ افراد کی رنگا رنگی اس کائنات ارض کو بارونق کیے ہوئے ہے۔

ان میں گوناگوں خصوصیات کے حامل اور فضائل و درجات سے مزین حضرت العلامہ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ جو درحقیقت اہل السنت والجماعۃ کے حسن کی شان، علم کی پہچان، پاکستان کے اہل علم میں معروف، پاکستان کے زعماء میں عظیم، متحمل مزاج، شرفاء کے سرتاج، اپنے علم وعمل اور تحریر ولسان وکردار سے مخلوق الٰہیہ کو فیض یاب کر کے ۸ ربیع الاول ۱۴۳۷ھ بدھ کی رات انتقال فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ○

دعاؤں کی درخواست ہے۔ یہ خادم بھی آپ کے لئے داعی ہے۔ گھر میں علی فرقِ مراتب سلام مسنون۔

احقر محمد عبیداللہ ساجدؔ

ابن حضرت مولانا محمد عبداللہ ارشد رحمۃ اللہ علیہ

خادم مدرسہ احیاء السنہ للبنین والبنات، فاروقہ ۴۰۰۴۰، ضلع سرگودھا

مولانا میاں محمد مختار عمر رحمۃ اللہ علیہ (وفات: ۲۵/ اگست ۲۰۱۶ء مکہ مکرمہ):

پاکستان کے نامور عالم دین اور بزرگ رہنماء حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ جامعہ محمدی ضلع چنیوٹ کے بڑے صاحبزادے مولانا میاں محمد مختار عمر صاحب امسال ذوالقعدہ کے اواخر میں ہفتہ کے روز حج بیت اللہ شریف کی ادائیگی کے لئے مکہ مکرمہ حاضر ہوئے اور جمعرات کو مکہ مکرمہ میں ہی وصال فرمائے عالم آخرت ہوئے۔

اپنے تایا حضور حضرت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ محمدی شریف، والد گرامی مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ اور پروفیسر محمد متین ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ اپنے والد گرامی کی تالیفات وتصنیفات کے سلسلہ میں حوالہ جات کی تلاش، مسودہ جات کی تبییض میں مدد فرماتے تھے۔ والد گرامی کی زندگی میں ان کی تالیف "رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ" کے نام اور

مناسبت سے "رُحَمَآءُ بَیۡنَهُمۡ" ٹرسٹ قائم کیا تھا جس کے تحت بہت اہم منصوبوں پر کام کا آغاز کیا ہوا تھا۔گزشتہ دنوں چناب نگر مدرسہ ختم نبوت میں دورۂ حدیث کا آغاز ہوا تو اس موقع پر تشریف لائے ہوئے تھے۔زہے نصیب کہ مکہ مکرمہ کی دھرتی نے اپنے بطن میں ان کو سمولیا۔[1]

صاحبزادہ غلام ابوبکر صدیقی کے تاثرات:

یہاں مرحوم میاں محمد مختار عمر کے حوالے سے ان کے چھوٹے بھائی غلام ابوبکر صدیقی کا ایک مضمون بعنوان "میرا عظیم بھائی" ملاحظہ ہو جس میں ان کی مختصر سوانح اور حالات زندگی کے ساتھ ان کی بلند اخلاقی اور سیرت و کردار کے ایسے حسین گوشوں اور پہلوؤں پر ایسے انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے جس نے مرحوم کی عظمت کو مزید چار چاند لگا دیئے ہیں۔

---

[1] کلمۃ الیوم، ادارتی نوٹ ماہنامہ "لولاک"، ملتان، شمارہ ا، جلد ۲۱، محرم الحرام ۱۴۳۸ھ/ اکتوبر ۲۰۱۶ء

میرا عظیم بھائی

بقول غالبؔ:

کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

تاریخ پیدائش:

۸/اپریل ۱۹۵۱ء یکم رجب المرجب ۱۳۷۰ھ ۲۶/چیت ۲۰۰۸ بکرمی۔ یوم ولادت اتوار بوقت اشراق۔ نام عبدالرحمٰن المعروف محمد مختار عمر بحوالہ بیاض خاص حضرت والد گرامی القدر (مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ)۔

تعلیم:

ابتدائی تعلیم مسجد میں حافظ احمد دین رحمۃ اللہ علیہ کے پاس شروع کی اور قرآن مجید ناظرہ پڑھا۔ بعد میں سکول میں داخل ہوئے اور اسلامیہ ملیہ ہائی سکول جامعہ محمدی شریف سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور گورنمنٹ کے اے اسلامیہ کالج محمدی شریف سے ایف اے کیا۔ ۱۹۷۲ء میں آپ نے ایف اے تک تعلیم مکمل کر لی تھی۔

عصری تعلیم کے حصول کے بعد حضرت والد گرامی القدر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ابتدائی درسی کتب شروع کیں۔ اس دوران حضرت مولانا سید محمد متین ہاشمی دار العلوم میں بطور شیخ الجامعہ تشریف لائے تو ان کے ہاں تعلیم حاصل کرنا شروع کی۔

۱۹۷۳ء کے سیلاب کے بعد گاؤں محمدی شریف میں بخار وغیرہ کی وباء پھیلی تو میاں صاحب مرحوم رحمۃ اللہ علیہ بھی اس سے شدید متاثر ہوئے۔ ان کو ٹائیفائیڈ بخار ہوا اور بخار کا درجہ حرارت بہت زیادہ تھا۔ ڈاکٹر ارشاد آف بھوانہ اور حکیم سیف الدین آف سالم ضلع سرگودھا معالج تھے۔ دونوں بخار کی شدت دیکھ کر بہت پریشان تھے اور مایوس تھے۔ دونوں نے کہہ دیا کہ اگر چند گھنٹے خیر و عافیت سے گزر گئے تو پھر علاج کریں گے۔

میاں صاحب کے تایا حضرت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ نے میاں صاحب کے سر کی طرف بیٹھ کر شام کے بعد وظائف پڑھ کر دم کرنا شروع کیا۔ بہت دیر حضرت رحمۃ اللہ علیہ وظیفہ پڑھتے رہے اور دم کرتے رہے۔ عشاء سے قبل ہی میاں صاحب کے بخار کی شدت میں کمی آ گئی اور میاں صاحب نے آنکھیں کھول دیں۔ معالجین دیکھ کر حیران ہوئے کہ اس شدید بخار میں زندگی کا بچ جانا ایک کرامت سے کم نہیں۔ اس بخار کی وجہ جہاں موسمی وبا اور سیلاب کا تعفن تھا وہاں میاں صاحب کا بچپن سے شکار کا شوق اور شکار کردہ پرندوں کا گوشت بھون کر کھانا بھی تھا۔ میاں صاحب بچپن ہی سے شکار کے بہت شوقین اور دلدادہ تھے۔ دوستوں کے ساتھ دریا کے کنارے جہاں اکتوبر، نومبر اور دسمبر میں کبوتر اور فاختائیں ڈاروں کے ڈار دانہ چگنے کے لئے آتے ہیں ان کا بندوق سے شکار کرتے اور

ایک فائر سے پندرہ یا بیس پرندے گراتے اور ان کو ذبح کر کے ان کا گوشت خود تیار کرتے۔ بڑا عمدہ سالن تیار کرتے اور دوستوں کے ساتھ مل کر کھاتے۔ خود سالن بڑا لذیذ اور ذائقہ دار تیار کر لیتے تھے، کسی دوسرے کا تیار کردہ سالن پسند نہ کرتے۔ یہ ذائقہ دار سالن انتہائی گرم ہوتا جس کی وجہ سے میاں صاحب کے جگر میں گرمی ہوگئی۔ سینہ میں جلن محسوس کرتے جو آخر دم تک رہی۔

اسی لئے جگر میں گرمی کی وجہ سے ان کو شدید بخار ہوا جو انتہائی خطرناک ثابت ہوا۔ زندگی ابھی باقی تھی اس لئے بچ گئے ورنہ معالجین مایوسی کا اظہار کر چکے تھے۔

۱۹۷۴ء میں تحریک ختم نبوت شروع ہوئی تو اس میں بھرپور حصہ لیا۔ قادیانیوں کے خلاف تحریک میں سرگرم رہے۔ غالباً اس وقت انجمن طلبہ محمدی شریف کے صدر تھے۔ بھوانہ میں دو دفعہ جلوس نکالا۔ جامعہ محمدی شریف کے طلبہ اور لوگوں کو ترغیب دے کر بھوانہ لے جاتے، وہاں کے لوگوں کے ساتھ مل کر جلوس نکالتے۔ پہلا جلوس لے کر گئے تو تھانہ بھوانہ کے ایس ایچ او (امیر عمر نیازی) نے جلوس روکنے کی کوشش کی تو اس کے سامنے سینہ سپر ہو گئے اور اس کو چیلنج کیا کہ آئندہ میں اس سے بڑا جلوس لے کر آؤں گا، روک کر دکھانا۔ دوسری مرتبہ پہلے سے بڑا اور زیادہ پرجوش جلوس نکالا اور بھوانہ میں مکمل ہڑتال کروائی۔ شہر بھوانہ مکمل بند کروایا جبکہ ایس ایچ او منہ تکتا رہ گیا۔

غالباً ۱۹۷۴ء کے آواخر میں حضرت مولانا سید محمد متین ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ محمدی شریف سے لاہور منتقل ہو گئے تو میاں صاحب ان کے ساتھ لاہور چلے گئے۔ وہاں ان کے ہاں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ تعلیم سے زیادہ میاں صاحب نے ہاشمی صاحب سے تربیت حاصل کی جس کے ان کی زندگی پر گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ وہ اثرات ان کے کردار میں نمایاں تھے۔

میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھنے اور تقریر کرنے کا ڈھنگ اور اُسلوب محترم سید محمد متین ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا۔ میاں صاحب لاہور میں ظہور عالم شہید کے اخبار روزنامہ ''صداقت'' میں کالم لکھا کرتے تھے اور ریڈیو پاکستان لاہور کے پروگرام ''زندہ تابندہ'' کے عنوان کے پروگرام کا مضمون بھی لکھتے اور خود پڑھتے۔ یہ سب ہاشمی صاحب کی تربیت کا اثر تھا۔

۱۹۸۰ء کی دہائی میں میاں مختار عمر رحمۃ اللہ علیہ نے سراج منیر رحمۃ اللہ علیہ اور میاں محمد اسلم جان رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مل کر ''مکہ بکس'' کے نام سے ایک مکتبہ بنایا جس کا مقصد دینی کتب کی اشاعت اور تراجم کی طباعت تھا۔ بعض وجوہ کی بنیاد پر یہ اشاعتی ادارہ ۱۹۸۷ء میں ختم ہو گیا اور میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ لاہور سے گھر واپس آ گئے۔ کیونکہ بندہ نے بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا جس کی وجہ سے والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کوئی خدمت کرنے والا نہ تھا اس لئے میاں صاحب کو لاہور سے واپس آنا پڑا۔

عبادت کا شوق:

لاہور میں رہائش کے دوران مولانا سید محمد متین ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ کے زیر تربیت میاں صاحب میں عبادت کا شوق پیدا ہوا۔ جوانی ہی میں تہجد کا التزام فرماتے اور نماز باجماعت بلکہ تکبیر اولیٰ کے ساتھ شامل ہونے کا اہتمام کرتے۔ اگر تکبیر اولیٰ ضائع ہوجاتی تو افسوس کا اظہار کرتے۔ تہجد اور تکبیر اولیٰ کا اہتمام زندگی کے آخر تک رہا۔

رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف بیٹھتے۔ لاہور سے گھر واپس آکر ہر سال اپنے گاؤں والی جامع مسجد میں اعتکاف بیٹھنا ان کا معمول تھا۔ یہ معمول سالہا سال تک چلتا رہا۔ لاہور سے واپس آنے پر بھی اس معمول میں فرق نہ آیا لیکن ۲۰۰۳ء میں والدہ صاحبہ کے بیمار ہونے کے سبب اعتکاف کا معمول متاثر ہوا کیونکہ بھائی صاحب والدہ محترمہ کی بہت خدمت کرتے تھے۔ شام کی نماز کے بعد اور عشاء سے قبل ان کے پاؤں دباتے تھے۔ یہ معمول والدہ محترمہ کے انتقال تک رہا۔ شام کے بعد کا یہ معمول روزانہ بلاناغہ کا تھا۔ اس میں کبھی بھی کوتاہی نہیں ہوتی تھی۔ یہ معمول تقریباً تین سال تک مسلسل چلتا رہا۔

والدہ گرامی کے بعد حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت خراب ہوگئی اور ان کے پاؤں میں معذوری آگئی، چل پھر نہیں سکتے تھے۔ اب ان کی خدمت کو معمول بنالیا۔ ان وجوہات کی بنا پر ان کا اعتکاف کا معمول متاثر ہوا لیکن حضرت کے انتقال کے بعد اعتکاف بیٹھنا شروع کردیا۔ والدین کی خدمت میں ہر وقت حاضر رہتے اور والہانہ انداز میں بے لوث خدمت بجالاتے۔ عبادت کے اشتیاق میں تہجد کے وقت مسجد میں آتے اور عموماً اشراق پڑھ کر گھر جاتے اور اوراد و وظائف کا بہت اہتمام فرماتے۔

عشق مصطفیٰ سے سرشار:

۱۹۷۷ء کے الیکشن کے بعد تحریک نظام مصطفیٰ میں بھرپور طریقہ سے حصہ لیا۔ بھوانہ شہر میں تحریک نظام مصطفیٰ کو زور وشور سے چلایا اور حکومتی پابندیوں کی پرواہ کئے بغیر بھرپور طریقے سے حصہ لیا۔ تحریک نظام مصطفیٰ کے قائدین کی طرف سے ۹/اپریل ۱۹۷۷ء کو پہیہ جام کرنے کا اعلان ہوا۔ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے علاقے کا دورہ کرکے لوگوں کو بھوانہ شہر پہنچنے کا کہا اور شہر میں جلوس کا اہتمام کیا۔ صبح کے وقت ایس ایچ او تھانہ بھوانہ عطاء اللہ نیازی صاحب میاں صاحب کے ہاں آئے اور کہا کہ آپ بھوانہ میں جلوس نہ نکالیں اور حالات خراب نہ کریں کیونکہ ہمیں حکومت کی طرف سے سختی کرنے کا حکم ہے اور اوپر سے ہمیں سخت حکم آیا ہوا ہے اس لئے آپ جلوس ملتوی کردیں، مجھے آپ کا بڑا لحاظ اور شرم ہے لیکن میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہم ہر صورت مظاہرہ کریں گے اور پہیہ جام ہوگا، بھوانہ شہر بند رہے گا۔ لہٰذا آپ اپنی حکومت کے حکم کے پابند ہیں تو ہم اپنے قائدین کے حکم

کے پابند ہیں۔ ہم ہر صورت احتجاج کریں گے۔ اگر آپ نے حکومتی حکم کی پابندی کرنا ہے تو بے شک کریں ہم قومی اتحاد کے قائدین کے حکم کے پابند ہیں اور ہر حالت میں تعمیل کریں گے، مجھے کسی سخت آرڈر کی پرواہ نہیں۔ نیازی صاحب اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے علاقے بھر اور شہر کے لوگوں کو بھوانہ میں جمع کیا اور ایک بہت بڑا احتجاجی مظاہرہ کیا اور جلسہ کا اہتمام کیا۔

گزشتہ سطور میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ میاں صاحب نے تحریک ختم نبوت اور تحریک نظام مصطفیٰ میں بھرپور حصہ لیا اور پاکستان قومی اتحاد کو دیہاتوں کی سطح تک منظم کیا اور جلسے جلوس منعقد کئے اور احتجاج میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

ممتاز قادری شہید رحمۃ اللہ علیہ کو جب پھانسی دی گئی تو میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے احتجاج کا پروگرام بنایا محمدی شریف سے جلوس نکال کر جامعہ آباد پہنچے اور وہاں احتجاجی جلسہ منعقد کیا۔ بندہ کو اور اپنے بھتیجے عثمان علی کو تقاریر کرنے کے لئے کہا۔ بندہ اور دوسرے مقررین نے احتجاجی تقاریر کیں لیکن طرفہ تماشہ یہ تھا کہ محبان رسول نے حکومت کے خوف سے اپنی مارکیٹ میں ہڑتال بھی نہ کروائی بلکہ دُکانداروں کو حکم دیا کہ دُکانیں کھلی رکھیں تا کہ اصحاب اقتدار کہیں ناراض نہ ہو جائیں حالانکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر لکڑ ہضم پتھر ہضم ان کا طرۂ امتیاز ہے۔

آپ کے انتقال پر ملال سے چند ماہ قبل مئی ۲۰۱۶ء میں مظہر اقبال جپہ نامی سابق ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول چک نمبر ۱۸۵ بھٹیانوالہ نے گستاخیٔ رسول کا ارتکاب کیا۔ مذکورہ شخص پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توہین کیا کرتا تھا لیکن اب اس نے کلاس کے اندر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی شروع کر دی۔ پولیس نے مذکورہ شخص کے خلاف توہین رسالت کا مقدمہ درج نہ کیا بلکہ ایک مبہم اور غیر واضح ایف آئی آر درج کی تو مدعیان نے جب احتجاج کیا تو ان کے ایک بینر کی عبارت کا بہانہ تراش کر مولانا فرحان قادری اور دوسرے لوگوں کے خلاف دہشت گردی کی دفعہ لگا کر ایف آئی آر درج کر لی۔

مولانا فرحان قادری رضوی کا تعلق ضلع فیصل آباد سے ہے۔ ان کی مسجد امین پور بنگلہ میں ہے۔ امین پور بنگلہ کا ایک حصہ ضلع چنیوٹ میں ہے اور ایک حصہ ضلع فیصل آباد میں ہے۔ ہائی سکول ضلع چنیوٹ کی حدود میں واقع ہے جہاں ملزم لعین نے جرم کا ارتکاب کیا اور اس کے خلاف اس کے شاگرد ہی مدعی تھے۔ میاں صاحب کو جب مذکورہ افسوسناک واقعہ کا پتہ چلا تو فوراً مولانا فرحان قادری سے رابطہ کیا اور ان کو اپنے ہاں بلوایا اور ان سے واقعہ کی تفصیلات حاصل کیں اور قادری صاحب کو بھرپور تعاون کا یقین دلایا بلکہ قادری صاحب کو اس جہاد سے پیچھے نہ ہٹنے کی ترغیب دی اور ان کی ہمت بندھائی، ان کی حوصلہ افزائی کی۔

ضلع چنیوٹ کے تمام مکتبہ فکر کے علماء سے رابطے کئے۔ مقامی مقتدر شخصیت سے ملاقات کر کے اس

افسوسناک واقعہ کی طرف توجہ مبذول کرائی تو وہ فرمانے لگے کہ یہ سیاسی معاملہ ہے۔ بندہ بھی اس ملاقات میں موجود تھا۔ بندہ نے جسارت کر کے پوچھ لیا کہ اس میں کیا سیاست ہے؟ وضاحت فرما دیں۔ یہ خالص ایمان کا مسئلہ ہے۔ اگر ہم گستاخِ رسول کے مؤقف پر مداہنت دکھاتے ہیں تو ہمارے ایمان ضائع ہونے کا خطرہ ہے تو مذکورہ مقتدر شخصیت خاموشی سے اٹھ کر چلی گئی۔ شاید ان کے نزدیک صرف گلی کوچوں سے کاغذ کے ٹکڑے چن کر بلوں اور سوراخوں میں دبا دینا یا کسی محفوظ جگہ پر رکھ دینا ہی عشق رسول کی تکمیل ہے کیونکہ گستاخِ رسول کے مؤقف پر ڈٹ جانا دیوانوں کا کام ہے عیش کوشوں کا نہیں۔

میاں صاحب نے اس کے بعد چنیوٹ کے علماء سے رابطہ کر کے حکام بالا کو ملنے کا پروگرام بنایا۔ مولانا محمد الیاس چنیوٹی کی قیادت میں علماء کا ایک وفد لے کر ڈی سی او اور ڈی پی او ضلع چنیوٹ سے ملاقات کی۔ مذکورہ افسران نے یقین دہانی کرائی کہ ملزم کے خلاف قانون کے مطابق کارروائی کریں گے لیکن بعد میں انہوں نے وعدہ خلافی کی اور کارروائی نہ کی۔

رمضان المبارک میں میاں صاحب نے روزہ کے ساتھ شدید گرمی میں دل کا مریض ہوتے ہوئے پھر علماء کو پریس کلب چنیوٹ میں جمع کیا اور پریس کانفرنس کی اور ڈی سی او اور ڈی پی او افسران سے ملاقات کی لیکن عشق رسول کے علمبرداروں میں سے پہلے وفد میں صرف دو آدمی تھے ایک مولانا فرحان قادری اور دوسرے قاری امان اللہ نعیمی اور پریس کانفرنس والے وفد میں مولانا فرحان قادری اکیلے ہی رہ گئے باقی سب ''گستاخانِ رسول'' ہی جمع تھے۔

مولانا محمد الیاس چنیوٹی کی قیادت میں پریس کانفرنس ہوئی اور بعد میں حکام بالا سے ملاقاتیں بھی جس کا اہتمام میاں صاحب مرحوم نے کیا تھا۔ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حکام بالا کو مل کر بھرپور کوشش کی کہ گستاخ رسول کے خلاف کارروائی مکمل ہو لیکن اصحاب اقتدار نے الٹا بانس بریلی کے مصداق پہلے مولانا فرحان قادری کی چنیوٹ میں داخلہ پر پابندی عائد کر دی تا کہ وہ مقدمہ کی پیروی نہ کر سکیں اور بعد میں ان کو گرفتار کر لیا۔ تادم تحریر معلوم نہیں وہ رہا ہوئے یا نہیں۔

کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کا مصداق:

میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے مضبوط اعصاب کے مالک تھے۔ جب جس بات کو حق سمجھتے اس پر ڈٹ جاتے اور اس سے پیچھے نہیں ہٹتے تھے۔ غریب آدمی کا ساتھ دیتے۔ حق بات منہ پر کہنے سے شرم محسوس نہ کرتے۔ ایک دفعہ ایک غریب سید خاندان سے محمدی شریف کے جاگیرداروں نے ظلم و زیادتی کی تو آپ نے سادات کے خاندان کا ساتھ دیا۔ صاحبزادہ غازی صلاح الدین پیر آف سیال شریف صلح کے لئے تشریف لائے تو ان کو کہا میں

غریب سید خاندان کے ساتھ ہوں۔ اگر وہ صلح کرلیں تو ٹھیک ہے ورنہ بندہ ان کا ساتھ نہیں چھوڑے گا۔ مجھے برادری یا کسی بڑے آدمی کا غریب کے مقابلہ میں کوئی لحاظ نہیں۔ آخر کار جاگیرداروں کو غریب خاندان کی منت سماجت کر کے صلح کرنا پڑی۔ میاں صاحب کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کا مصداق تھے۔ غریب آدمی کا ساتھ حق سمجھ کر دیتے۔ اگر کوئی آدمی جھوٹ بولتا یا دھوکہ فریب سے تعاون حاصل کرنے کی کوشش کرتا تو اس کے ساتھ تعاون ترک کر دیتے۔ اس لئے کہ اس نے جھوٹ بولا ہے اور دھوکہ دہی سے کام نکالنے کی کوشش کی ہے۔

ایسے متعدد واقعات ان کی زندگی میں پیش آئے لیکن آپ نے ہمیشہ سچ کا ساتھ دیا۔ جھوٹے اور دھوکہ باز کا ساتھ بالکل نہ دیتے اور نہ ہی اس سے تعاون کرتے۔ بہت سارے ایسے واقعات ان کی زندگی کے ہیں جس میں پولیس والوں نے غریب کے ساتھ ظلم و زیادتی کی اور رشوت وصول کی لیکن میاں صاحب نے غریب کا ساتھ دیا، بڑا زور دے کر رشوت واپس کرائی یا پولیس افسر کی شکایت کر کے اس کو معطل کروایا۔

ایک دفعہ دریا کے کنارے موضع اُبھان کے لوگوں کو پولیس نے بے گناہ گرفتار کر کے وہیں ایک ڈیرے پر جمع کیا اور رقم بٹور کر چھوڑ دیا۔ وہ لوگ وفد کی صورت میں میاں صاحب کے پاس آئے۔ میاں صاحب نے اس پولیس افسر کی طرف پیغام بھیجا کہ ان غریب لوگوں کی رقم واپس کر دو ورنہ میں تیرے خلاف کاروائی کروں گا۔ اس پولیس افسر نے لیت و لعل سے کام لیا لیکن جب اس کو میاں صاحب کے مزاج کے بارے میں معلوم ہوا تو وہ خود آ کر رقم حوالے کر گیا اور معذرت بھی کی۔

۱۹۹۰ء کی دہائی میں قلعہ کنگراں جو کہ محمدی شریف کے پڑوس میں ایک آبادی ہے اور موضع محمدی شریف میں شامل ہے وہاں کے جاگیردار زمینداروں نے محمدی شریف کے رہائشی غریب لوگوں کو پلاٹوں کی صورت میں رقبہ فروخت کیا لیکن ان کے نام منتقل نہ کرایا۔ یہ ان جاگیرداروں کی پرانی عادت ہے۔ کچھ عرصہ بعد ان سے دوبارہ رقم کا تقاضا کیا تو غریب موچی، کمہار اور ماچھی اقوام کے لوگوں نے ان سے منت سماجت کی کہ ہم پہلے رقم ادا کر چکے ہیں اس لئے مہربانی فرما کر ہم پر رحم کریں اور رقبہ ہمارے نام منتقل کروائیں۔ تو ان جاگیرداروں نے رات کے وقت ٹریکٹر کے ذریعے ان غریبوں کے مکانات مسمار کر دیئے۔ مقامی مقتدر شخصیت غریب لوگوں سے الیکشن میں ووٹ حاصل کر چکی تھی اس لئے اب انہیں الیکشن سے پہلے غرباء کے ساتھ کوئی سروکار نہیں تھا۔ وہ ظاہراً خاموش تھی لیکن درپردہ جاگیرداروں کی طرف دار تھی۔ ایسی نازک صورتحال کے پیش نظر تمام غریب لوگ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جمع ہوئے اور فریاد کی کہ ہماری دادرسی کی جائے۔ میاں صاحب نے جاگیرداروں کے مقابلہ میں غریب لوگوں کا بھرپور ساتھ دیا۔ جائے وقوعہ پر آنے والے پولیس افسر عبدالرزاق میکن کو مقدمہ درج کرنے کے لئے کہا تو اس نے انکار کر دیا بلکہ ان غریب لوگوں کو گنہگار ثابت کرنے کی کوشش کرنے لگا تو میاں

صاحب نے اس کے ساتھ تلخ کلامی کر کے نہ صرف مقدمہ درج کرنے پر اسے مجبور کیا بلکہ اسے معطل بھی کروا دیا اور پھر بعد میں پولیس افسر نے معذرت کر کے اپنی جان کی خلاصی کروائی۔ ایسے متعدد واقعات ہیں جن میں غرباء کی بھرپور مدد کی اور بے لوث صرف خدمت خلق کے جذبے کے ساتھ تعاون کیا۔

حقوق العباد کا لحاظ:

میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ حقوق العباد کا بہت لحاظ رکھتے تھے۔ کسی کی حق تلفی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ والد گرامی القدر رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد ہمشیرگان کی جائیداد کے حصے کا بڑا خیال تھا۔ ابھی زمین کا انتقال درج نہیں ہوا تھا لیکن آپ اس کی ادائیگی کا بڑا خیال رکھے ہوئے تھے اور مجھے متعدد بار کہہ چکے تھے کہ انتقال درج کروا کر ہمشیرگان کو ان کا حصہ دے دیا جائے بلکہ حج پر جاتے ہوئے ایئرپورٹ پر ایک تحریر میرے حوالے کی جو ہمشیرگان کے حقوق کی ادائیگی پر مشتمل تھی۔ غریب لوگوں کے ساتھ مالی تعاون بھی کرتے تھے۔ ذاتی طور پر اور ''رحماء بینھم ٹرسٹ'' کی طرف سے بھی تعاون ہر دو چار ماہ بعد کرتے رہتے۔

والد گرامی القدر کی تیار کردہ فہرست غرباء و بیوگان سامنے رکھ کر اس کے مطابق رقم تقسیم کرتے۔ والد گرامی کی زندگی میں ''رحماء بینھم ویلفیئر ٹرسٹ'' کی بنیاد ۳۰ راگست ۲۰۱۴ء کو رکھی گئی اور اراکین نے میاں صاحب کو چیئرمین ٹرسٹ منتخب کیا۔ بطور ٹرسٹ کے سربراہ بہت انتھک کام کیا۔ ۲۰۱۴ء کے سیلاب میں سیلاب زدگان کی جائز امداد کرنے کے لئے سیلابی علاقہ کے دھوپ اور شدید گرمی کے باوجود دورے کئے حالانکہ آپ دل کے مریض تھے اور فروری ۲۰۱۳ء میں دل کا بائی پاس ہو چکا تھا لیکن اپنی صحت کی پرواہ کئے بغیر جائز متاثرین تک امداد پہنچائی۔ فیصل آباد، لاہور اور دوسرے شہروں کے تاجروں نے متاثرین سیلاب کے لئے جو امداد میاں صاحب کے سپرد کی آپ نے وہ امانت سمجھ کر مکمل دیانتداری سے تقسیم کی اور متاثرین کے گھروں میں جا کر فہرستیں مرتب کیں اور جائز متاثرین تک امداد پہنچائی۔ یہ امداد نقدی، اشیاء ضرورت اور کپڑوں کی صورت میں تھی۔ بعد میں آپ کی دیانت کی شہرت ہوئی تو ڈی سی او ضلع چنیوٹ ڈاکٹر ارشاد احمد صاحب نے فون کر کے سرکاری امداد کی تقسیم میں تعاون طلب کیا اور کہا کہ اپنی مرتب کردہ فہرستوں کے مطابق ہمارا سامان اور راشن بھی لوگوں میں تقسیم کریں۔

بحیثیت عادل:

میاں صاحب پنچائتی فیصلے کرنے میں بڑے ماہر تھے۔ فریقین کے ساتھ یہ طے کر لیتے کہ کوئی بھی سفارش نہیں کروائے گا اور میں اپنی طرف سے مکمل عدل و انصاف کروں گا۔ اگر کوئی فریق سفارش کرائے گا تو میں مقدمہ کی سماعت نہیں کروں گا۔ اپنی طرف سے مکمل انصاف کرنے کی کوشش کرتے اور سفارش ہرگز نہ مانتے۔ آخری عمر بہت سے لوگ جھگڑے لے کر ان کے پاس آنے لگے تو بعض سے معذرت کر لیتے کہ میں دل کا مریض

ہوں، اب مقدمات کی سماعت نہیں کر سکتا۔

عمومی طور پر لوگ مشورہ کے لئے آتے تو ان کو صائب مشورہ دیتے۔ غلط مشورہ کبھی کسی کو نہیں دیا۔ اس حدیث کے مصداق کہ اگر آپ سے کوئی مشورہ طلب کرے تو اس کو صحیح مشورہ دو، کیونکہ مشورہ بھی ایک امانت ہے، اس میں خیانت نہ کرو۔ جب بھی کوئی سائل آتا تو اس کے ساتھ تعاون کرتے اور اس کو مطمئن کر کے بھیجتے۔ کبھی کوئی سائل ان کے پاس سے مایوس ہو کر نہیں گیا۔

بحیثیت سیاستدان:

میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا سیاسی مزاج تھا لیکن پاکستان میں سیاست میں حصہ لینے کے لئے دولت کی ضرورت ہوتی ہے جو کہ میاں صاحب کے پاس ناپید تھی۔ دیانت، شرافت، صداقت اور عدالت کی دولت ان کے پاس تھی جس کی پاکستان یا ہمارے معاشرہ میں کوئی قدر نہیں ہے۔ اس لئے سیاست میں کوئی قابل ذکر کردار ادا نہ کر سکے۔ یہاں کا ماحول اور سیاسی فضا اتنی آلودہ تھی کہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسا شخص اس میں فٹ نہیں ہو سکتا تھا۔ ۱۹۹۳ء کے الیکشن میں بھائی میاں فضل کریم صاحب کو اسلامک فرنٹ کے ٹکٹ پر بھرپور الیکشن لڑایا۔ ٹکٹ کے حصول اور وسائل کی دستیابی تک کے تمام کام بڑے احسن طریقے سے سرانجام دیئے۔ وسائل نہ ہونے کے باوجود الیکشن مہم بڑے زور و شور سے چلائی۔ اگرچہ کامیابی تو حاصل نہ ہوئی لیکن وقت کے فرعونوں کو لوہے کے چنے چبوائے۔ کامیابی کا امکان اس لئے بھی نہ تھا کہ جہاں سیاست کی عمارت چار زریں ستونوں پر قائم ہو وہاں خوددار، کھرے، سچے اور منافقت سے پاک شخص کی کامیابی کب ہو سکتی ہے۔ ہمارے ملک اور علاقے کی سیاست کے چار زریں اصول یہ ہیں:

۱: منافقت ہماری سیاست ہے۔
۲: جھوٹ ہماری عادت ہے۔
۳: بدعنوانی ہماری معیشت ہے۔
۴: اقتدار ہمارا مذہب ہے۔

ان سنہری اصولوں میں سے ایک بھی میاں صاحب کی طبیعت اور مزاج سے مطابقت نہیں رکھتا تھا بلکہ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ان کا مزاج اور ضمیر تھا جس کا ہمارے معاشرہ اور سماج میں نہ رواج تھا، نہ اس اصول کی کوئی قدر و قیمت تھی۔ اس لئے کامیابی کے امکانات معدوم تھے۔ اس کے باوجود الیکشن مہم بھرپور چلائی۔

۲۰۰۰ء کے بلدیاتی الیکشن میں حصہ لیا اور اپنی یونین کونسل کے ناظم بھاری اکثریت سے منتخب ہو گئے حالانکہ مقامی مقتدر شخصیات سخت مخالف تھیں۔ انہوں نے اپنے عزیزوں کو میاں صاحب کے مقابلے میں کھڑا کر رکھا تھا اور الیکشن مہم گھر گھر جا کر چلا رہے تھے۔ اس کے باوجود کہ میاں صاحب کے پاس نہ وسائل تھے اور نہ ہی سیاسی طاقت تھی لیکن غریب لوگوں کے تعاون اور اللہ کے فضل و کرم سے بھاری اکثریت سے جیت گئے۔

سفرِ آخرت:

حج کی درخواست کی منظوری پر بہت خوش تھے۔ خوش ہو کر حج کے سامان کی خریداری کی، اگرچہ گھر کے سامان کی خریداری بندہ کرتا تھا۔ بھائی صاحب نے جو چیز خریدنا ہوتی تو مجھے حکم دیتے لیکن حج کے سامان کی خریداری کے لئے خود ساتھ گئے اور بھوانہ اور فیصل آباد جا کر خود متعلقہ سامان کی خریداری کی۔

درخواست کی منظوری کے بعد انتقال سے بیس یا پچیس دن قبل انہوں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت والد گرامی القدر مہمان خانہ المعروف لنگر خانہ میں بڑے خوبصورت کپڑے پہن کر بیٹھے ہیں۔ میاں صاحب گیٹ سے داخل ہوئے۔ جب والد گرامی کے قریب آئے تو والد صاحب نے کھڑے ہو کر میاں صاحب کا استقبال کیا اور فرمایا: ''آؤ جناب! اور بڑے پرتپاک طریقہ سے مصافحہ کیا۔ صبح بھائی جان نے بڑے خوش ہو کر یہ خواب مجھے سنایا تو میرے دل کی دھڑکن فوراً تیز ہو گئی اور میں پریشان ہو گیا لیکن میاں صاحب خوش تھے اور ضرورت سے زیادہ خوشی کا اظہار کر رہے تھے کہ والد گرامی القدر مجھ پر بڑے خوش ہیں لیکن اس قسم کے خواب کی تعبیر کے بارے میں بندہ نے تعبیر الرؤیاء میں جو پڑھا تھا وہ یہ تھا کہ جب کوئی فوت شدہ شخص کسی زندہ آدمی کا استقبال کرتا ہے اور مصافحہ یا معانقہ کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ زندہ شخص کی موت قریب ہے اور فوت شدہ شخص اس کا عالم برزخ میں استقبال کر رہا ہے۔ لیکن بندہ یہ تعبیر بھائی صاحب کو بتانے سے قاصر تھا۔ ایک دو دفعہ کوشش بھی کی لیکن بتا نہ سکا، اس لئے کہ الفاظ ساتھ نہیں دیتے تھے کہ کن الفاظ میں ان کو تعبیر بتاؤں۔ چند دن بندہ بہت پریشان رہا لیکن کچھ دنوں کے بعد اللہ کی قدرت سے یہ خواب مجھے بھول گیا اور پھر ان کے حج کی تیاری کے کام میں محو رہا اور جب ان کا سانحہ ارتحال ہوا تو اس وقت یہ خواب مجھے یاد آیا۔ بس وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔

سانحۂ ارتحال (۲۶ راگست ۲۰۱۶ء بموافق ۲۲ ر ذیقعدہ ۱۴۳۷ھ):

ہاتھ لرز رہے ہیں، جسم کانپ رہا ہے اور دل کی دھڑکن تیز ہے۔ سمجھ نہیں آ رہا کہ یہ سانحہ کن الفاظ میں بیان کروں۔ علی الصبح ۴ بجے اہلیہ نے جگایا کہ کوئی آدمی گیٹ پر دستک دے رہا ہے۔ جب گیٹ کھولا تو میاں صاحب کی اہلیہ کے چچا میاں محمد یار ولد میاں نذیر احمد مرحوم سامنے کھڑے رو رہے تھے۔ فوراً دل دھک دھک کرنے لگا کہ اللہ خیر کرے۔ معلوم ہوا کہ بھائی میاں مختار عمر صاحب مکہ مکرمہ میں رات سوتے ہوئے دو

بجے کے قریب دار فانی سے دار بقاء کی طرف انتقال فرما گئے ہیں۔ جس بات کا خدشہ تھا وہ بات پوری ہو کر رہی۔ چند روز قبل بھائی صاحب نے خواب سنایا تھا کہ حضرت والد گرامی نے خواب میں ان کا استقبال فرمایا ہے، اس دن سے ہی مجھے یہ خدشہ لاحق ہو گیا تھا کہ اللہ خیر کرے۔ حج کے سفر پر بڑے دھوم دھام سے گئے لیکن اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ وہ تو بڑے خوش قسمت نکلے مگر ہمیں اپنی محبت، اپنے سایہ اور اپنی سرپرستی سے محروم کر گئے۔ اس سانحہ نے بندہ کے دل کو ایسا روگ لگایا ہے جو تا حیات ختم نہیں ہوگا بلکہ ہمیشہ تازہ رہے گا لیکن صبر کے سوا کیا چارہ! بقول غالبؔ ؎

تم کون سے ایسے تھے کھرے داد و ستد کے
کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے
کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

ہاں اے فلک پیر! جواں تھا وہ ابھی تو
کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

بھائی صاحب کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ اولاد کے بعد آدمی کی آخری نشانی قبر ہوتی ہے۔ وہ بھی ہمارے پاس نہ رہی۔ حرم شریف کی حدود میں قبر ان کے لئے سعادت ہے لیکن بقول شاعر ؎

نشان بھی کوئی نہ چھوڑا کہ دل کو بہلائیں
تیری تلاش میں جائیں تو ہم کہاں جائیں

ملک احمد علی ارشدؔ کے تأثرات

آخر میں میاں محمد مختار عمر مرحوم اور ان کے خانوادے کے ایک اور قریبی آدمی میاں ملک احمد علی ارشدؔ (ساکن موضع رشیدہ، چنیوٹ) کے تأثرات بھی ملاحظہ ہوں جو شنیدہ کے بود مانند دیدہ کے زمرے میں آتے ہیں۔ان تأثرات اور چشم دید واقعات نے بھی مرحوم کا قد مزید اونچا کر دیا ہے۔

آہ! ہمارے پیارے حضرت مولانا میاں مختار احمد عمر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

احقر (احمد علی ارشدؔ، خادم (مہتمم) جامعہ باقیات الصالحات جھنگ روڈ رشیدہ) کو حضرت میاں محمد مختار احمد رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کے اسلاف کے ذریعہ روحانی تعلق ہے جبکہ بندہ کو حضرت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کا سلسلہ نصیب ہے۔اس لئے آپ احقر سے بڑی محبت وشفقت فرمایا کرتے۔جب آپ قریہ محمدی شریف کی جامع مسجد میں رمضان شریف میں اعتکاف فرماتے تو بندہ کو بھی دو تین دفعہ آپ کے ہمراہ اعتکاف بیٹھنے کا موقع نصیب ہوا۔کھانا وغیرہ کا انتظام آپ کی طرف سے ہوتا۔افطاری اور سحری کے وقت خشوع وخضوع کے ساتھ دعاؤں کا موقع نصیب ہوتا۔اکثر دعا میں رونے کے ساتھ رونگٹے کھڑے ہو جاتے جو کہ مقبولیت کی نشانی ہے۔آپ مسجد میں نمازوں کے اوقات میں پابندی فرماتے۔آپ کے حج پر جانے سے پہلے تبلیغی جماعت کی سال کی دو جماعتوں کا اسی مسجد میں جوڑ ہوا۔آپ نے کھانے کا انتظام فرمایا خاص کر حلوہ کا انتظام فرما کر بڑے خوش ہوئے۔آپ نے بندہ کو فرمایا کہ اس موقع پر کسی بہتر بزرگ کا بیان ہونا چاہئے تو حاجی محمد عبدالقیوم (فیصل آباد) کا بیان ہوا۔

احقر نے آپ کے سفرِ حج سے کچھ دن قبل کھانے کی دعوت دی جو کہ آپ نے قبول فرما کر بمع برادر میاں محمد ابوبکر غریب خانہ پر تشریف لائے اور خدمت کا موقع دیا۔جامعہ باقیات الصالحات کا معائنہ فرمایا اور بڑے خوش ہوئے۔آخر جامعہ ہذا کی ترقی کے لئے دعا فرمائی۔احقر نے کچھ نقدی کا نذرانہ پیش کیا جو کہ قبول فرمالیا۔یہ لمحہ بندہ کے لئے بڑی خوشی کا باعث ہوا۔

آپ نے حج سے کچھ دن پہلے حضرت مولانا ملک خلیل احمد صاحب چنیوٹ کے ہاں سوانح حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ میں ایک میٹنگ منعقد کی جس میں احقر کے علاوہ جناب مہر نصرت علی اثیرؔ وغیرہ بھی شامل تھے۔حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح کو آخری شکل دی گئی اور ہمیں کام کی نگرانی کے لئے بار بار تاکید فرمائی۔

آپ نے تقریباً ۴ بجے شام واپسی فرمائی۔بندہ کو ذاکر مسجد رشیدہ کے سامنے اتارا اور کار سے باہر

تشریف لا کر بغل گیر ہو کر مصافحہ کا شرف بخشا۔ آخری الوداعی ہوئی اور احقر نے حضور نبی کریم ﷺ کے حضور سلام عرض کرنے کی درخواست کی جس کی آپ نے تسلی دی۔

سجناں باجھ محمد بخشا سنجی پئی حویلی

میں نیواں میرا مرشد اُچا میں اُچیاں دے سنگ لائی

صدقے جاواں اُنہاں اچیاں توں جنہاں نیویاں نال نبھائی

آپ میں خدمت خلق کا بڑا جذبہ تھا۔ خصوصاً آپ کو معصوم چھوٹے بچوں سے محبت تھی۔ آپ فرمایا کرتے کہ ان کا دل بڑا نازک ہوتا ہے۔ اگر ٹوٹ جائے تو بمشکل جڑتا ہے۔ اسی جذبہ اور صفت کا اثر تھا کہ آپ اپنے برادرزادوں اور بھانجوں سے بے حد محبت فرماتے۔ اگر آپ نے ان کو گود میں لیا ہوتا اور کھانا آجاتا تو جب تک گود میں رہتے کھانا تناول نہ فرماتے۔ ان کی تعلیم وغیرہ کا انتظام فرماتے۔

بڑے مہمان نواز تھے۔ اگر علاقہ کے کسی فرد کا کسی سے جھگڑا آپ کے سامنے پیش ہوتا تو صلح کی کوشش فرماتے۔ اگر صلح نہ ہوتی تو انصاف فرماتے۔ قریہ محمدی شریف میں طالبات کے لئے ایک مدرسہ بنام جامعۃ النافع للبنات کا اجراء فرمایا۔ مستورات کے لئے تبلیغی جماعت کا انتظام فرماتے۔ جب آپ کے دل کا بائی پاس ہوا تو بڑے صبر و تحمل کا مظاہرہ فرمایا اور فرماتے کہ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دعاؤں کا صدقہ ہے کہ مولا کریم نے صحت عطا فرمائی ہے۔

آپ نے ہمیشہ اچھا لباس پہنا۔ ہاتھ میں بطور سنت چھڑی رکھتے تھے۔ حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے جو فہرست غرباء کی امداد کے لئے تیار کی ہوئی تھی آپ نے اس کے مطابق غرباء کی امداد جاری رکھی۔ جمعہ شریف کے روز صبح سویرے بارہ بجے سے پہلے حجامت، غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر دوپہر کے کھانے سے فارغ ہو کر مسجد میں تشریف لاتے۔ جب حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ فیصل آباد میں زیر علاج تھے تو آپ کی بھانجی نے مولا کریم سے صحت یابی کے لئے دعا فرمائی تو خواب میں بھانجی صاحبہ کو والد صاحب نے فرمایا کہ میں نے جو کچھ مختار عمر کو دینا تھا دے دیا ہے اور اس کے سر پر پگڑی باندھ دی ہے۔ پھر دیکھا کہ بھائی مختار احمد پگڑی باندھے ہوئے حجرہ سے باہر تشریف لا رہے ہیں۔

آپ نے جب حج کی ادائیگی کی تو اس دوران آپ نے بڑے شوق و محبت کے ساتھ دوڑ کر حج و عمرہ کے ارکان ادا کئے اور ساتھیوں کو اس کی ترغیب دیتے تھے۔ جب آپ نے کئی مستورات کو خانہ کعبہ میں جھاڑو وغیرہ کی خدمت کرتے دیکھا تو اپنی اہلیہ صاحبہ کو فرمانے لگے کہ کیا ہی اچھا ہو کہ تم بھی ان میں شامل ہو جاؤ۔ آپ ہر سال حضور نبی کریم ﷺ کی طرف سے قربانی دیا کرتے تھے۔

آپ دوسروں کو اعلیٰ تعلیم دلانے کا خیال فرماتے جیسا کہ میاں آفتاب احمد ولد میاں نذر محمد مرحوم کو اعلیٰ

تعلیم کے لئے لاہور جانے کی ترغیب دی اور ساتھ ہی ان کے چھوٹے بھائی میاں بدرالدین کے لئے بھی فرمایا۔

آخر ان نیک اعمال کی جزاء کے ذریعہ آپ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل مولا کریم نے ۲۶/اگست ۲۰۱۶ء بموافق ۲۲/ذیقعدہ ۱۴۳۷ء جمعرات ایک بجے رات اپنے پاس بلالیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ○ جمعہ کے روز بعد از نماز جمعہ خانہ کعبہ میں امام کعبہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور حدود حرم پاک میں مدفون ہوئے۔

آپ تو جنت میں پہنچ گئے اور ہم گنہگاروں کو جدائی کا ہمیشہ کا صدمہ دے گئے۔

جناب انجم نیازی کے منظوم تاثرات:

میاں محمد مختار عمر رحمۃ اللہ علیہ

اسے حضرت میرے بیٹے عمر مختار کہتے تھے
وہ از راہ محبت اس کو اپنا یار کہتے تھے

محمدی کے گلی کوچے کیا کرتے ادب اس کا
وہاں کے پیڑ بھی اس کو دیانت دار کہتے تھے

بہت سی خوبیاں اس کو ملیں انجم وراثت میں
وہاں کے لوگ سارے اس کو با کردار کہتے تھے

جو ملنے کے لئے آتے وہ سارے یک زُباں ہو کر
صحابہ رضی اللہ عنہم کی محبت سے اسے سرشار کہتے تھے

ہوا کرتا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عاشقوں میں ہی شمار اس کا
اُسے سارے ہی ساتھی عاشقِ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہتے تھے

ملی ہے اس کو جنت کی زمیں ہی دفن ہونے کو
اُسے ہم پہلے دن سے جنتی مختار کہتے تھے

وہ نافع[1] تو نہ بن پایا کہ یہ ممکن نہ تھا لیکن
انہی کے جسم کی سارے اسے مہکار کہتے تھے

(انجم نیازی)

---

[1] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، مصنف "رحماء بینہم"۔

حافظ محمد بخش سیالوی کے منظوم تاثرات:

نالۂ فراق

بروفات حسرت آیات مولانا مختار عمر در شہر مکہ المکرمہ

پیکر خودی کا عزم کا کہسار چل بسا
وائے محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کا دل دار چل بسا
دیدۂ گریاں بخش کر اہل و عیال کو
شہر حرم میں آج عمر مختار چل بسا
رخصت ہوا ہے کاش کہ خوش باش و وضع دار
وائے بلند حوصلہ جی دار چل بسا
ہر رنج کا مداوا و ہر درد کی دوا
دیدۂ بینا جذبۂ بیدار چل بسا
لڑتا رہا سماج سے جو بے بسوں کی جنگ
وہ عزم و استقلال کی للکار چل بسا
رخصت ہوا وا حسرتا حافظ وفا شعار
بے کس کا حامی مونس و غم خوار چل بسا

وصال پر ملال: ۲۲/ذیقعدہ ۱۴۳۷ھ، ۲۶/اگست ۲۰۱۶ء بروز جمعۃ المبارک

صاحبزادہ غلام ابوبکر صدیقی

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے صاحبزادہ کا نام غلام ابوبکر صدیقی ہے۔ اپنے اس صاحبزادے کی ولادت کی یادداشت کے طور پر جیسا کہ باب ہذا کے شروع میں ذکر ہوا مولانا نے اپنی مخصوص بیاض میں لکھا:

''۲۲؍محرم ۱۳۷۷ھ/ ۱۹؍اگست ۱۹۵۷ء، ۳؍بھادوں ۲۰۱۴ بکرمی بروز سوموار عزیز محمد ابوبکر پیدا ہوا۔ اللہ کریم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طفیل صالح و نیک بخت فرماویں۔''

جبکہ اسی تاریخ (۱۹؍اگست ۱۹۵۷ء) کی ڈائری میں عربی میں درج ہے:

''الیوم تولد عزیز محمد ابوبکر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز قبل الزوال۔''

مذکورہ صاحبزادے کی ولادت کے ساتویں دن (۲۵؍اگست ۱۹۵۷ء) عقیقہ کی سنت ادا کی گئی تو مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ڈائری کی اس تاریخ میں لکھا:

''آج عقیقہ کیا گیا اور ایک ضأن (بھیڑ) ذبح کی گئی۔ جھنڈ اتروائی گئی اور حضرت مہتمم صاحب (مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ، بڑے بھائی) نے ''محمد ابوبکر'' نام تجویز کیا ہے۔ میرا خیال تھا کہ ''محمد عمر'' نام ہو مگر مولانا صاحب کی رائے کے موافق ''محمد ابوبکر'' ہی تجویز ہوا۔''

مگر صاحبزادہ صاحب کی تمام تعلیمی اسناد اور شناختی کارڈ میں مجوزہ نام ''محمد ابوبکر'' کی جگہ ''غلام ابوبکر صدیقی'' درج ہے۔ نام میں اس تبدیلی کے بارے راقم کے استفسار پر صاحبزادہ صاحب نے یوں وضاحت کی کہ ''بچپن میں ایک دفعہ حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی (سجادہ نشین خانقاہ سیال شریف ضلع سرگودھا) نے مجھ سے نام پوچھا تو میں نے بتایا: محمد ابوبکر۔ اس پر انہوں نے فرمایا: محمد ابوبکر نہیں بلکہ ''غلام ابوبکر''۔ اس دن سے مجھے غلام ابوبکر پکارا جانے لگا۔ جبکہ صدیقی لقب کا پس منظر یہ ہے کہ تایا جان مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ از راہِ شفقت مجھے صدیقی کہا کرتے تھے۔ مولانا محمد رحمت اللہ (موجودہ مہتمم جامعہ محمدی شریف اور مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین و خلف الرشید) آج تک مجھے صدیقی ہی کہتے ہیں۔ یوں صدیقی کا لقب میرے نام کا ایک جزو بن گیا۔''

صاحبزادہ صاحب کو بھی اپنے والد گرامی مرتبت کی طرح نام نمود، شہرت اور نمایاں ہونے کا شوق قطعاً نہ ہے۔ بڑے لوگوں کی اولادیں عام طور پر اپنے والدین کی عقیدت و محبت کئی طریقوں سے ''کیش'' کرتی ہیں مگر صاحبزادہ مذکور کو یہ فن بھی نہیں آتا۔ سیدھے سادھے اور اپنے کام سے کام رکھنے والے آدمی ہیں۔ راقم کی خواہش بلکہ اصرار پر انہوں نے کسی بھی قسم کے تصنع اور مبالغہ آرائی یا خودستائشی سے پاک انداز میں اپنا مختصر سوانحی خاکہ

قلمبند کیا ہے۔ یہ خاکہ انہی کے الفاظ میں درج ذیل ہے:

سن ولادت ۱۹/اگست ۱۹۵۷ء۔ ابتدائی تعلیم قرآن پاک حفظ کرنا شروع کیا۔ قاری غلام محمد آہیر رحمۃ اللہ علیہ (فارغ التحصیل شاگرد رشید قاری عبدالمالک لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ) سے حفظ مکمل کیا۔ حفظ مکمل کرنے کی تاریخ ۱۹۷۲ء ہے اور ۱۹۷۲ء میں حفظ مکمل کرنے کے بعد سب سے پہلے نماز تراویح میں قرآن پاک جامعہ والی بڑی مسجد میں سنایا۔ اس کے بعد آئندہ سال (۱۹۷۳ء) گاؤں والی کچی مسجد میں سنایا اور اس کے بعد ۱۹۷۴ء میں پکی مسجد/ جامع مسجد میں قرآن سنایا۔ قرآن مجید کے حفظ سے پہلے کوئی سکول کی تعلیم حاصل نہیں کی تھی لیکن اردو بڑی روانی کے ساتھ پڑھ سکتا تھا۔ لکھنا نہیں آتا تھا۔ اردو پڑھنے کی وجہ قرآن پاک کی برکت کے علاوہ یہ تھی کہ اپنے تایا جان حضرت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ مجھ سے اخبار پڑھواتے تھے اور بندہ ان کو روزانہ اخبار پڑھ کر سناتا تھا اور یہ خصوصی طور پر سنتے۔ اس وجہ سے اردو روانی سے پڑھنا آ گیا لیکن لکھنا نہیں آتا تھا۔

قرآن مجید کے حفظ کے بعد حضرت والد گرامی نے مہر محمد بخش سیال مرحوم (ایک قابل سکول ٹیچر تھے) سکول کی تعلیم کے لئے ان کے سپرد کیا۔ بندہ کی عمر کیونکہ زیادہ ہو چکی تھی اس لئے اب پرائمری میں تعلیم حاصل کرنا ممکن نہیں تھا اس لئے مہر محمد بخش سیال مرحوم نے بندہ کو دو سال میں مڈل یعنی آٹھویں کلاس تک تیاری کروائی اور ۱۹۷۴ء میں بندہ نے سرگودھا بورڈ سے مڈل کا امتحان پاس کر لیا۔ ۱۹۷۷ء میں میٹرک کیا اس کے بعد حضرت والد گرامی کے پاس درس نظامی کی کتب شروع کیں۔ ۱۹۸۰ء میں ایف اے کا امتحان سرگودھا بورڈ سے پاس کیا۔

ایف اے کرنے کے بعد باقاعدہ دینی تعلیم شروع کی۔ حضرت والد گرامیؒ، مولانا محمد شریف مرحوم اور مولانا نصیر الدین آف تلہ گنگ کے پاس اسباق تھے۔ زیادہ اسباق والد گرامی کے پاس تھے۔ موقوف علیہ تک تعلیم حاصل کی۔ مشکوٰۃ تک حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ ستمبر ۱۹۸۸ء میں پنجاب یونیورسٹی سے بی اے کیا اس کے بعد بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد میں ایم اے عربی میں داخلہ لیا اور ۱۹۹۴ء میں ایم اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد چند وجوہات کی بنا پر بندہ تعلیم جاری نہ رکھ سکا۔ ۱۹۹۹ء میں چناب کالج چنیوٹ میں بطور لیکچرر تعیناتی ہوئی۔ ساڑھے تین سال تک ملازمت کرنے کے بعد بعض وجوہات کی بنا پر ملازمت کو اکتوبر ۲۰۰۲ء میں چھوڑ دیا۔ اس میں زیادہ تر وجہ چناب کالج کا آزادانہ ماحول، مخلوط تعلیم اور کالج کا اخلاق سے گرا نصاب تعلیم تھا اور عورت پرنسپل ہونے کی وجہ بھی اس میں شامل تھی۔ بندہ نے ۱۹۹۱ء میں ایم اے اسلامیات پنجاب یونیورسٹی سے پرائیویٹ کیا۔

اس کے بعد والد گرامیؒ کی خدمت میں رہا اور آج کل گھریلو مسائل اور معاملات میں مصروف ہوں۔ ذریعہ معاش زمیندارہ اور میڈیکل سٹور بنا رکھا ہے۔ حضرت والد گرامی جامعہ محمدی شریف میں عیدین اور نماز جمعہ

دارالعلوم والی مسجد میں حضرت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کے دور سے پڑھاتے تھے۔ اپنی زندگی ہی میں حضرت اقدس نے یہ ذمہ داری بندہ کو سونپ دی تھی۔ لہٰذا بندہ تادم تحریر یہ فریضہ ادا کر رہا ہے۔

رحماءُ بینھم ویلفیئر ٹرسٹ کے نام سے ایک ٹرسٹ کا قیام والد گرامی کی زندگی میں ہی عمل میں آیا تھا جس کے اغراض و مقاصد میں حضرت کے علمی کام کو آگے بڑھانا ہے۔ حضرت کی لائبریری یا کتب خانہ کو محفوظ کرنا اور سکین کر کے انٹرنیٹ پر لانا اور حضرت کے قلمی مسودات کو ایڈٹ کر کے شائع کرنا ہے۔ ٹرسٹ کے تحت جامعۃ النافع للبنات کے نام سے حفظ اور درجہ کتب کا مدرسہ بھی گاؤں محمدی شریف میں چل رہا ہے۔''

صاحبزادہ ابوبکر صدیقی نے اپنے مختصر سوانحی خاکہ میں شاید خودستائشی سے بچنے کی خاطر ایک چیز کا ذکر نہیں کیا وہ یہ کہ اپنے والد گرامی کی طویل عرصہ تک علالت اور جسمانی معذوری کے دوران جس طرح انہوں نے اور ان کے بڑے بھائی میاں محمد مختار عمر مرحوم نے ان کی خدمت اور تیمارداری کا فریضہ جس خوش اسلوبی، خندہ پیشانی اور جانفشانی سے سرانجام دیا وہ قابل رشک ہے۔ مولانا اپنی اولاد کی اس خدمت پر یقیناً خوش تھے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اپنے چھوٹے صاحبزادے کو ہی اپنی نماز جنازہ پڑھانے کی وصیت کی تھی۔

صاحبزادہ غلام ابوبکر صدیقی کو آج سب سے زیادہ فکر اور اہتمام اپنے والد کے علمی ترکہ اور اثاثہ کو ہمیشہ کیلئے محفوظ کرنے کا ہے۔ مالی وسائل اور افرادی قوت کی کمی کے باوجود وہ ہر وقت اسی مقصد کے لئے کوشاں ہیں۔

صاحبزادہ ابوبکر صدیقی کو اللہ کریم نے اولاد نرینہ میں دو بیٹے عنایت فرما رکھے ہیں حافظ محمد عثمان علی (عثمان علی) اور علی (علی عثمان)۔ حافظ محمد عثمان علی میٹرک کے بعد آج کل فیصل آباد میں درس نظامی کی کتابیں پڑھ رہے ہیں۔ پڑھائی میں ماشاء اللہ بڑے ذی استعداد اور خداداد صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ طور اطوار، مزاج اور عمومی عادات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان شاء اللہ اپنے دادا جان کے علمی جانشین ثابت ہوں گے۔ چھوٹے بیٹے علی عثمان ان دنوں مقامی سکول کے اندر ہی چھٹی کلاس میں زیر تعلیم ہیں۔ اللہ کرے آگے چل کر یہ دونوں بچے اپنے آباء واجداد کی علمی اور روحانی وراثت کے حقیقی معنوں میں وارث ثابت ہوں۔ آمین۔

یہاں حافظ عثمان علی کے بچپن کا اپنے دادا جان سے ایک معصومانہ مکالمہ کا مطالعہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ چنانچہ ان کے والد گرامی کا کہنا ہے:

عثمان علی نے قرآن پاک حفظ کرنا شروع کیا تھا۔ اس کی عمر پانچ سال کے قریب ہوگی۔ اس کی عادت تھی جب مسجد سے چھٹی ہوتی تو دادا جان کے پاس آتا۔ وہ اس کو جیب خرچ کے لئے پیسے دیتے یا اس کے کھانے کے لئے کوئی چیز منگوا رکھتے۔ حسب عادت ایک دن عثمان علی اپنے دادا جان کے کمرے میں آیا تو وہ مطالعہ فرما رہے تھے۔ ان کے سامنے میز پر اور ارد گرد چارپائیوں پر بہت ساری کتابیں پڑی تھیں۔ حضرت نے عثمان علی کو

دیکھ کر فرمایا کہ یہ تمام کتب تم نے پڑھنی ہیں۔ وہ پریشان ہو گیا اور پوچھا کہ آپ نے کہاں چلے جانا ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ بندہ نے قبرستان چلے جانا ہے۔ عثمان علی نے ذرا توقف کے بعد پوچھا کہ آپ نے واپس نہیں آنا؟ حضرت اقدس نے فرمایا نہیں، میں نے پھر واپس نہیں آنا۔ عثمان علی نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا کہ پھر مجھے شئے (مٹھائی) کون لے کر دے گا۔

باب چہاردہم

علالت ووفات

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے:

انّ العبد اذا سبقت له من الله منزلة لم یبلغها بعمله ابتلاه الله فی جسده او فی ماله او ولده ثم صبره علی ذالك حتی یبلغه المنزلة التی سبقت له من الله رواه احمد وابوداؤد [1]

بے شک جس بندے کیلئے اللہ کریم کی طرف سے کوئی مرتبہ ومقام مقدر ہو چکا ہوتا ہے مگر وہ اپنے عمل کے ذریعے اس مقام تک نہیں پہنچ پاتا تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے جسم میں یا اس کے مال میں یا اس کی اولاد کے حوالے سے کسی آزمائش میں ڈال دیتا ہے پھر اس آزمائش/مصیبت میں اسے صبر کی بھی توفیق عنایت فرماتا ہے حتیٰ کہ (آزمائش میں صبر کی برکت سے) اسے اس مقام تک پہنچادیتا ہے جو اللہ کی طرف سے اس کیلئے مقدر ہو چکا ہوتا ہے۔

لگتا ہے اللہ کریم کی طرف سے مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بھی کچھ اسی طرح کا معاملہ ہوا۔ انہوں نے جس کمال زہد وتقویٰ، پرہیزگاری، اتباعِ سُنّت، عبادت گزاری، دینداری، خدمت دین، پاکیزہ سیرت وکردار، خدمت خلق، دنیاداری سے گریز، قناعت پسندی، دنیوی حرص ولالچ سے کوسوں دور مسکینی اور درویشی کی زندگی گزاری یقیناً اس کے صلے میں اللہ نے ان کے لئے کوئی بلند مرتبہ مقدر فرما رکھا ہوگا جس تک وہ صرف نماز، روزے، تسبیحات اور دیگر دینی خدمات کے ذریعے نہیں پہنچ سکتے تھے تو اللہ نے انہیں ایک طویل بیماری اور معذوری کی آزمائش میں ڈالا اور پھر انہیں کمال درجہ کا صبر اور حوصلہ بھی عنایت فرمایا۔ اس بیماری میں حد درجہ تکلیف، معذوری بلکہ اپاہج ہوجانے کی حالت میں بھی کبھی شکوہ بلکہ ہائے کا لفظ بھی زبان پر نہ لائے۔ ہمیشہ اپنے رب کا شکر ادا کرتے رہے۔ اس اجمال کی تفصیل آئندہ سطور میں چشم دید گواہ صاحبزادہ ابوبکر صدیقی کی زبانی ملاحظہ فرمائیے۔

علالت طبع:

مورخہ ۵ رجنوری ۲۰۰۴ء کو آپ رحمۃ اللہ علیہ کے جبڑے میں درد شروع ہوا، پھر اسی درد نے ۲۰۱۵ء تک مزید کئی بیماریوں اور عوارض کو جنم دیا۔ ابتدائی تکلیف میں بھوانہ کے ڈاکٹر مظفر صاحب نے علاج شروع کیا مگر اس سے افاقہ نہ ہوا۔

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح (باب عیادۃ المریض۔ الفصل الثانی) طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ص ۱۳۷۔

مولانا طارق جمیل صاحب کی آمد:

اسی دوران عالمی مبلغ اسلام حضرت مولانا طارق جمیل صاحب مدظلہ العالی مولانا کی زیارت کے لئے تشریف لائے تو آپ کی تکلیف کو دیکھتے ہوئے فرمانے لگے کہ یہ دانتوں کی بجائے اعصاب کی تکلیف محسوس ہو رہی ہے اور بتایا کہ ہمارے ہاں ایک زمیندار کے دانت میں درد ہوا تو اس نے دانتوں کا علاج شروع کروادیا، مگر دانتوں میں تکلیف بڑھتی گئی۔ بالآخر اس نے ڈاکٹروں کے مشورہ سے سارے دانت نکلوادیئے مگر درد جوں کا توں رہا۔ بعد میں ڈاکٹروں نے اعصاب کے درد کی تشخیص کی۔ جب اعصاب کا علاج کروایا گیا تو وہ بالکل ٹھیک ہوگیا جبکہ اس سے پہلے اس نے سارے دانت مفت میں نکلوادیئے۔ لہٰذا آپ بھی دانت نہ نکلوائیں بلکہ کسی ماہر ڈاکٹر سے رجوع کریں۔

الائیڈ ہسپتال فیصل آباد:

مولانا طارق جمیل کے صائب مشورے کے مطابق انہیں الائیڈ ہسپتال فیصل آباد لے جایا گیا۔ وہاں کے ڈاکٹر محمد اشرف اور ان کی ماہر ٹیم نے چیک اپ کیا اور بتایا کہ یہ جبڑے میں موجود ایک باریک رگ میں درد ہے، داڑھ کی تکلیف نہیں ہے۔ چنانچہ ان کی ہدایت پر علاج کیا گیا اور افاقہ ہونے پر گھر منتقل ہوگئے۔

ٹانگ اور بازو میں درد:

کچھ عرصے بعد دائیں بازو اور دائیں ٹانگ میں بھی پہلے کی طرح درد شروع ہوگیا۔ اسی دوران چہرے پر ایک مخصوص بیماری ''ماچھرا'' بھی ظاہر ہونا شروع ہوگیا جس کے جھلساؤ سے نشان بن جاتا تھا۔ اس کے لئے ڈاکٹروں سے رجوع کیا گیا تو انہوں نے ''فلوجن انجکشن'' تجویز کیا۔ رات کو جب تکلیف بڑھی تو انجکشن لگانے کے لئے بدقسمتی سے ایک نااہل ڈاکٹر سے پالا پڑ گیا اور اس نے نیم حکیم خطرۂ جان کا ثبوت دیتے ہوئے انجکشن کولھے پر عصب کے قریب لگا دیا جس سے ایک اعصابی رگ متاثر ہوئی جس کے نتیجے میں دایاں پاؤں سن ہونا شروع ہوگیا۔ صاحبزادہ غلام ابوبکر صدیقی کا جو اس رات حسب معمول خدمت پر مامور تھے، کہنا ہے کہ:

''اس عطائی ڈاکٹر نے کہا آہستہ آہستہ پاؤں دبائیں تو ٹھیک ہوجائے گا، مگر والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے دبانے نہ دیا۔ اس پاؤں میں پہلے ہی درد رہتا تھا، اب بے حس ہونے لگا۔ اس تکلیف میں بھی نمازِ تہجد ادا کرنے کے لئے مجھے وضو کروانے کا حکم ہوا۔ چنانچہ میں سہارا دے کر بیت الخلاء تک لے گیا، پہلے خود چل لیتے تھے مگر اب پاؤں میں جوتا پہننا بھی دشوار ہوگیا۔ اس کے بعد پھر ماہر ڈاکٹروں سے اعصاب کا علاج شروع کیا گیا۔ میو ہسپتال لاہور میں ڈاکٹر نصر اللہ، جو اعصاب کے ماہر اور معروف ڈاکٹر ہیں، سے بھی علاج معالجہ ہوتا رہا لیکن انیس بیس کے

فرق کے ساتھ مکمل طور پر افاقہ نہ ہوا اور اعصابی تناؤ ''مرضِ مزمن'' کی شکل اختیار کر گیا۔''

کراچی کے علماء کرام کی آمد:

اس دوران کراچی کے اہل علم کی ایک جماعت آپ کی زیارت اور تیارداری کے لئے آئی۔ جس میں مولانا مفتی نظام الدین شامزئی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا سعید احمد جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا مفتی جمیل خان رحمۃ اللہ علیہ شامل تھے اوران کے ہمراہ چند دیگر علماء کرام بھی تھے۔ مفتی جمیل خان رحمۃ اللہ علیہ نے صورت حال کو دیکھتے ہوئے رائے دی کہ مولانا کو علاج کے لئے کراچی لے جاتے ہیں۔ صاحبزادہ میاں محمد ابوبکر صدیقی کہتے ہیں:

مفتی جمیل خان رحمۃ اللہ علیہ نے والد گرامی کو مشورہ دیا کہ کراچی میں فزیوتھراپی کی جدید مشینیں اور فزیوتھراپسٹ ماہر ڈاکٹرز موجود ہیں۔ اگر ہمیں خدمت کا موقع دیا جائے تو ہم آپ کو کراچی لے جاتے ہیں۔ مگر والد گرامی نے بصد شکریہ معذرت فرمادی۔ مگر مفتی جمیل خان اس کے بعد بار بار تشریف لاتے رہے اور اپنے ساتھ کراچی لے جانے پر اصرار کرتے رہے۔ بالآخران کے اخلاص اور عقیدت کے پیش نظر قبلہ والد صاحب نے ان کی مذکورہ مخلصانہ پیشکش کو قبول فرمالیا اور کراچی جانے کے لئے آمادگی ظاہر کردی۔ مورخہ ۲۱/اگست ۲۰۰۴ء کو لاہور سے بذریعہ جہاز کراچی جانے کے لئے ٹکٹ OK ہو چکے تھے، مگر قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔

کولہے کی ہڈی کا ٹوٹ جانا:

صاحبزادہ ابوبکر صدیقی کا بیان ہے:

لاہور روانگی سے دو دن قبل بڑے بھائی میاں مختار عمر صاحب اور بندہ حضرت والد گرامی کو سہارا دے کر نماز عصر کے لئے مسجد میں لے گئے۔ بڑے بھائی نے مجھے کسی کام کے لئے جامعہ آباد سٹاپ تک بھیج دیا۔ جب والد صاحب نماز اور دیگر معمولات سے فارغ ہوئے تو بڑے بھائی سہارا دے کر مسجد سے قیام گاہ کی طرف لانے لگے تو مسجد کے دروازہ پر جوتا پہنتے ہوئے دروازہ کی چوکھٹ پر گر گئے۔ فوراً ڈاکٹر صاحب کو بلایا تو انہوں نے بتایا کہ کولہے کی ہڈی متاثر ہوگئی ہے۔

ہسپتال جانے سے انکار:

مولانا کو فوراً چنیوٹ ہسپتال لے جایا گیا وہاں سے ڈاکٹروں نے ''الائیڈ ہسپتال، فیصل آباد'' منتقل کرنے کا مشورہ دیا، مگر حضرت والد صاحب نے سختی سے انکار فرما دیا اور گھر واپس آگئے۔ اگلے دن حسب پروگرام کراچی روانگی تھی۔ مولانا مفتی جمیل خان صاحب کو اچانک اس نئے حادثہ کی اطلاع فون پر کی گئی تو انہوں نے فرمایا، آپ بہرصورت حضرت کو کراچی لے آئیں، یہاں تمام عوارض کا ممکنہ علاج کروالیا جائے گا۔ مگر والد

صاحب نے دوٹوک لفظوں میں انکار فرمادیا اور یوں کراچی لے جانے کا پروگرام التواء کی نذر ہوگیا۔

اس کے بعد اگرچہ گاہے بگاہے کبرسنی اور ضعف کی وجہ سے علالت آتی جاتی رہی لیکن عمومی طور پہ طبیعت ٹھیک رہی اور مطالعہ، ذکرواذکار وغیرہ میں مصروف رہے۔

دورانِ علالت کلماتِ تشکّر:

دس سال کی علالت معمولی نہیں مگر اس کے باوجود آپ رحمۃ اللہ علیہ کی زبان پر کبھی کوئی ناگوار جملہ نہیں آیا۔ نہ کبھی ناشکری کا اظہار کیا بلکہ کمال صبر وشکر کا مظاہرہ کرتے ہوئے جتنی زیادہ تکلیف ہوتی، اتنا ہی کلمات تشکر دُہراتے رہتے۔

اوراد ووظائف میں استقلال:

عام مشاہدہ ہے کہ معمولی تکلیف، درد یا بخار میں آدمی کا روزمرہ کا معمول متاثر ہوجاتا ہے چہ جائیکہ کسی شدید بیماری بلکہ معذوری میں ایسا نہ ہو مگر مولانا بڑے صبر وشکر کے ساتھ شب وروز گزارتے رہے اور اپنے معمولات میں کبھی فرق نہ آنے دیا۔ نماز تہجد معمول کے مطابق بیماری اور معذوری کی حالت میں بھی نہ چھوڑی۔ دلائل الخیرات، دوسرے اوراد ووظائف خصوصاً قرآنِ مجید کی تلاوت معمول کے مطابق جاری رہی اور تسبیحات کے ساتھ ساتھ کتب ورسائل کا مطالعہ بھی فرماتے رہتے تھے۔

بیماری میں اضافہ:

۲۴ر دسمبر ۲۰۱۴ء بروز بدھ کو حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کو نزلہ وزکام اور کھانسی شروع ہوئی۔ یہ تکلیف بالآخر مرضِ وفات ثابت ہوئی۔ صاحبزادہ غلام ابوبکر صدیقی کا کہنا ہے کہ:

''ان دنوں شدید سردی پڑ رہی تھی، ہر وقت دُھند اور کالے بادل چھائے رہتے تھے، مگر حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ رات کو لحاف یا کمبل نہیں اوڑھتے تھے اور نہ ہی ہیٹر جلانے دیتے، جس کی وجہ سے ہم بہت پریشان ہوجاتے۔ ویسے تو پوری زندگی آپ رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ کمرے میں آگ جلانے یا ہیٹر وغیرہ لگانے کے عادی نہ تھے۔ فرماتے تھے کہ اس سے مزاج بگڑ جاتا ہے اور قوتِ مدافعت یا قوتِ ارادی کمزور ہوجاتی ہے۔ پُرتعیش لوازمات سے ہمیشہ دور رہے اور پُرآسائش زندگی گزارنے کا کبھی وہم بھی قریب نہ آنے دیا تھا۔ مگر اب ضعف اور شدید تکلیف کے دنوں میں اور سردی کے موسم میں جب لحاف نہ اوڑھتے تو ہمارا پریشان ہونا ایک یقینی اور طبعی بات تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو نمونیہ کی شکایت ہوگئی۔ ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب نشتر میڈیکل کالج ملتان والوں نے بہترین اور قیمتی ادویہ تجویز کیں، مگر والد صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ بسا اوقات دوا کھانے سے انکار فرمادیتے۔

خادم غلام رسول اور بندہ کبھی کبھار چوری چھپے کمرے میں ہیٹر جلا دیتے، یا انگاروں کی انگیٹھی چار پائی کے ساتھ رکھ دیتے، مگر اس دوران مرض غلبہ پا چکا تھا۔ ۲۶ ردسمبر بروز جمعۃ المبارک ۲۰۱۴ء کو سورج آب وتاب سے طلوع ہوا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے باہر دھوپ میں نکلنے کی خواہش ظاہر کی۔ ہم نے چار پائی باہر بچھا دی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے نماز ظہر دھوپ میں بیٹھ کر پڑھی، اس دوران ملاقات کے لئے آنے والوں کا تانتا بندھا رہا، لوگ مصافحہ اور زیارت کرتے رہے۔ طبیعت میں کافی حد تک سکون اور طمانیت محسوس ہو رہی تھی۔ اگلے دن پھر سردی شدت اختیار کر گئی۔

سورج ابھی نکلا بھی نہ تھا اور والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت زیادہ بگڑ گئی۔ ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب اور ڈاکٹر عبدالمتین صاحب آف بھوانہ نے پوری تندہی سے علاج شروع کر دیا۔ مورخہ ۲۸ ردسمبر ۲۰۱۴ء بعد از ظہر ڈاکٹر صاحب نے بذریعہ مشین اخراجِ بلغم کیا اور آکسیجن لگا دی۔ بندہ آکسیجن کا سلنڈر اور دیگر ضروری اشیاء لینے بھوانہ چلا گیا۔ جب واپس آیا تو بڑے بھائی میاں مختار صاحب نے بتایا کہ نماز عصر کی نیت باندھنے کے بعد قبلہ حضرت والد صاحب پر غنودگی طاری ہوئی اور اس کے بعد ہوش نہیں آیا حالانکہ بندہ جب بھوانہ جا رہا تھا تو اس وقت حواس قائم تھے اور کھانسی ہلکی ہلکی سی آ رہی تھی۔ رات کو بندہ، حافظ مقبول تھہیم اور خادم غلام رسول خدمت سرانجام دیتے رہے۔

صاحبزادہ میاں محمد مختار عمر کو ہارٹ اٹیک:

اس دوران ایک آزمائش یہ آئی کہ بڑے بھائی میاں مختار عمر کو دل کی تکلیف شروع ہو گئی اور معاملہ ''یک نہ شد دو شد'' والا ہو گیا۔ ایک طرف چند احباب کے ساتھ بڑے بھائی صاحب کو ''کارڈیالوجی سنٹر فیصل آباد'' منتقل کیا گیا۔

انڈیپنڈنٹ ہسپتال فیصل آباد:

مولانا سیف اللہ خالد مدظلہ (چنیوٹ) ایمبولینس کا انتظام کر کے لائے اور حضرت والد صاحب کو ''انڈیپنڈنٹ ہسپتال فیصل آباد'' لے گئے۔ بندہ، ڈاکٹر عبدالمتین صاحب، مولانا سیف اللہ خالد صاحب، حافظ مقبول تھہیم اور غلام رسول ہمراہ تھے۔ بندہ کی قلبی پریشانی اور ذہنی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ دن کو ۲ بج کر ۳۰ منٹ پر ''انڈیپنڈنٹ ہسپتال، فیصل آباد'' پہنچے۔ وہاں ڈاکٹر اشرف صاحب کے ہاں علاج شروع ہوا جو کہ تبلیغی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس سے پہلے ۲۰۰۴ء میں بھی ڈاکٹر صاحب مذکور ''الائیڈ ہسپتال'' میں حضرت والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کے معالج رہ چکے تھے اور علاج کرنے میں بھرپور دلچسپی لیتے رہے۔ اگلا دن اور پوری رات حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر غنودگی اور بے ہوشی کی سی کیفیت طاری رہی۔ شب ایک بجے بندہ نے خادم غلام رسول اور

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نواسہ عزیزم محمد قاسم کو آرام کرنے کے لئے بھیج دیا اور خود خدمت کے فرائض انجام دینے لگا۔ اس دوران ہسپتال کی نرس وقفہ وقفہ سے حضرت والد گرامی کی نگہداشت کے لئے آتی رہی۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ یہ بزرگ آپ کے کیا لگتے ہیں؟ میں نے کہا میرے والد گرامی ہیں اور یہ بہت بڑے عالم دین اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ کہنے لگی کہ اس لئے ہر وقت ہسپتال میں ملنے والوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ جب یہ گفتگو ہو رہی تھی تو میں نے دیکھا کہ اچانک حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آنکھیں کھولیں اور مجھے سوالیہ نگاہوں سے دیکھنا شروع کر دیا۔ میں نے محسوس کیا کہ شاید والد صاحب گرامی رحمۃ اللہ علیہ مجھے ڈانٹ رہے ہیں اور زبان حال سے فرما رہے ہیں کہ میں نے تمہیں وصیت کی تھی کہ مجھے ہسپتال لے کر نہ جانا، اب مجھے تم نے نامحرم عورتوں کے سپرد کر دیا؟ میں قبلہ والد صاحب کی ان سوالیہ نگاہوں کا سامنا نہ کر سکا اور ندامت سے اپنا سر جھکا لیا۔ خیر اگلی صبح دیگر خدام پہنچ گئے اور بندہ آرام کرنے کی غرض سے دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ ظہر کے وقت فیصل آباد کے جید علماء کرام مفتی محمد زاہد صاحب، مفتی فضل الرحمٰن، مولانا محمد ضیاء مدنی (کچہری جامع مسجد کے خطیب) سمیت لاتعداد علماء، طلبہ اور دیگر شعبوں سے وابستہ عقیدت مند ہسپتال آنا شروع ہو گئے۔ بندہ نے ڈاکٹر اشرف سے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت کی کیفیت دریافت کی تو انہوں نے کہا کہ بظاہر تو بہتر ہے مگر کمپیوٹر بلڈ پریشر اور دل کی حرکت کی رپورٹ صحیح نہیں دے رہا، شاید خرابی کی وجہ سے ایسا ہو رہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ملازم کے ذریعہ نیا کمپیوٹر منگوایا تو اس نے بھی وہی مایوس کن رزلٹ دیا۔

دمِ آخریں:

اس دوران بندہ کسی مہمان کو وصول کرنے تھوڑی دیر کے لئے باہر نکلا تو خادم غلام رسول کا مجھے فون آیا اور اس نے لرزتی آواز سے کہا "جلدی آیئے"۔ میں فوراً روم میں پہنچا تو قبلہ گاہی حضرت والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کے آخری سانس تھے اور چراغِ حیات گل ہونے کے قریب تھا۔

دیگر چند خدام اور ڈاکٹرز تقدیرِ الٰہی کے سامنے دست بستہ، پُرنم اور غم ناک ہو کر حضرت والد صاحب گرامی رحمۃ اللہ علیہ کے چہرہ پر نگاہیں جمائے کھڑے تھے۔ چونکہ گزشتہ تین دن سے بے ہوشی کی کیفیت طاری تھی اور درمیان میں سوائے چند سیکنڈوں کے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے آنکھیں نہیں کھولی تھیں اس لیئے آخری کلمات کا صدور ممکن نہ تھا۔ چنانچہ مورخہ ۳۱/دسمبر ۲۰۱۴ء بروز بدھ رات سوا دس بجے آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی اور آپ رحمۃ اللہ علیہ ہمیں داغِ جدائی دے کر ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئے۔ (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ)

نمازِ جنازہ:

رات کو ہی آپ رحمۃ اللہ علیہ کا جسدِ خاکی فیصل آباد سے اپنے گھر (قصبہ محمدی شریف، چنیوٹ) لے جایا گیا اور اگلے دن ملک بھر سے آئے ہوئے ہزاروں مسلمانوں نے اپنے محبوب رہبر، مقتداء اور عالمِ ربانی کی نمازِ جنازہ ادا کی۔ اس اجمال کی مزید تفصیل حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے اور مرحوم صاحبزادہ جناب میاں محمد مختار عمر کی زبانی ملاحظہ ہو:

''اگلی صبح جب کہ نمازِ جنازہ کے لئے جگہ کے انتخاب کا مرحلہ درپیش تھا اور عوام کے جمِ غفیر کی آمد کے پیشِ نظر قبل از وقت انتظام کے لئے کوئی مناسب جگہ سامنے نہ آ رہی تھی۔ معلوم ہوا کہ محمدی شریف کے جنوب میں ''رورل ہیلتھ سنٹر'' سے متصل رقبہ خالی پڑا ہے۔ تمام احباب نے حتمی طور پر یہی جگہ تجویز کی۔ مولانا محمد سیف اللہ خالد مدظلہ، مہتمم جامعہ اسلامیہ امدادیہ چنیوٹ نے انتظام اپنے ہاتھ لیا اور یہاں بڑے پیمانے پر لاؤڈ سپیکر وغیرہ نصب کروا دیئے۔ یاد رہے کہ مولانا سیف اللہ خالد صاحب حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو غسل دینے کا شرف بھی رکھتے ہیں اور ان کے ساتھ بندہ اور خادم غلام رسول نے بطور معاون ہاتھ بٹایا۔

ظہر کی نماز سے پہلے ہی اطراف و اکناف سے لوگ جوق در جوق جنازہ میں شرکت کے لئے پہنچ رہے تھے جن میں ہر مکتبہ فکر اور ہر شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے شامل تھے۔ سہ پہر چار بجے تک ایک اندازے کے مطابق تقریباً ایک لاکھ افراد جمع ہو چکے تھے۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جنازہ کے متعلق اپنے بیٹے اور بندہ کے چھوٹے بھائی حافظ غلام ابوبکر صاحب صدیقی کے متعلق وصیت فرمائی تھی اور فرمایا تھا کہ کسی بڑی شخصیت کی آمد کا انتظار مت کرنا اور فوراً میرا جنازہ پڑھا دینا۔ مگر موقع پر باہمی مشورہ سے یہ طے پایا کہ خواجہ خواجگان حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ جو کہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دارالعلوم دیوبند میں ہم سبق رہ چکے تھے، ان کے صاحبزادہ اور جانشین حضرت مولانا خواجہ خلیل احمد صاحب تشریف لائے ہوئے ہیں، ان سے نمازِ جنازہ کی امامت کرانے کی درخواست کی گئی۔ چنانچہ انہی کی امامت میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ حضرت کی وفات کے بعد ''رمضان شوگر ملز'' کی انتظامیہ کے چند افسران ملک عبدالستار، رانا ظفر صاحبان اور چند دیگر حضرات جب تعزیت کے لئے آئے تو انہوں نے بتایا کہ جس جگہ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ ہوا ہے یہاں ''رمضان شوگر ملز'' کے شعبہ زراعت نے ٹھیکہ والی زمین پر کماد کی فصل کے لئے ایک نمائشی پلاٹ کا انتظام کیا ہوا تھا۔ یہ تقریباً ۲۷ کنال پر مشتمل ہے، اسے ہموار کیا گیا اور جب زراعت کے ماہرین یہاں معائنہ کے لئے آئے تو انہوں نے کہا کہ ابھی تک یہ رقبہ قابلِ کاشت نہیں ہے، اس کو مزید ہموار کیا جائے۔ چنانچہ اسی پر دوبارہ محنت کی گئی اور اسی دوران حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا۔ گویا اپنے نیک، محبوب اور برگزیدہ بندہ کی نمازِ جنازہ کے لئے غیب سے اس جگہ کا انتظام ہوا، وگرنہ اتنے بڑے اجتماع کے لئے یہاں کوئی

مناسب جگہ سامنے نہیں آرہی تھی۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی وفات اور جنازہ پر مولانا محمد علی جوہر کا درج ذیل شعر صادق آتا ہے جو انہوں نے پیشین گوئی کے طور پر اپنی زندگی میں ہی کہا تھا:

رشک ایک خلق کو ہے جوہر کی موت پر

یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی تدفین:

محمدی شریف کے قدیمی قبرستان کے جس احاطہ میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تدفین ہوئی وہاں پرانے طرز تعمیر کا ایک کمرہ ہے جس میں پہلے سے چار قبور موجود ہیں۔ ایک قبر آپ رحمۃ اللہ علیہ کے جدامجد مولانا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، دوسری آپ کے والد گرامی مولانا عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ کی، تیسری بڑے بھائی حافظ صالح محمد رحمۃ اللہ علیہ کی اور چوتھی سب سے بڑے بھائی حضرت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ جب مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کا ۱۹۷۶ء میں انتقال ہوا تو علاوہ تین قبروں کے یہاں مزید ایک اور قبر کی گنجائش موجود تھی مگر ہوا یوں کہ قبل از وفات انہوں نے بڑی تاکید کے ساتھ وصیت فرمائی کہ میری قبر بزرگوں کے ساتھ متصلاً نہ بنائی جائے بلکہ کمرہ کی دیوار کی بیرونی جانب بنائی جائے تاکہ میں ان کی جائے سکونت کے سایہ میں رہوں اور ساتھ ہی مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کا مندرجہ ذیل شعر کہا:

بزم وصلت جائے پاکاں نیست من زیشانیم

چوں سگانم جائے دہ در سایۂ دیوار خویش

(پاکباز لوگوں کی بزم میں میرے جیسے بندے کا پہنچ جانا لائقِ شان نہیں ہے مجھے تو اگر ان کی دیوار کے سایہ میں کتے کی طرح جگہ مل جائے تو میں اسی میں خوش ہوں۔)

اس خصوصی وصیت کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ انہیں اس بات کا قوی اندیشہ تھا کہ اگر یہ وصیت نہیں کریں گے تو وطن عزیز میں دینی مدارس کے عام مہتمم حضرات کی طرح کہیں ان کی قبر بھی جامعہ محمدی کی حدود میں نہ بنادی جائے۔ جس شخص نے زندگی بھر جامعہ سے کوئی بڑا فائدہ اٹھانا تو دور کی بات ہے جامعہ کا نمک تک نہ کھایا ہو، جامعہ کے برتن میں پانی تک نہ پیا ہو وہ کیسے برداشت کرسکتا تھا کہ جامعہ کے لئے وقف زمین پر اس کی قبر بن جائے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انہوں نے مذکورہ تین قبروں کے ساتھ خالی پڑی جگہ اپنے مخلص اور چھوٹے بھائی کے لئے چھوڑی ہو۔ بہرکیف وصیت کے مطابق مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مذکورہ کمرہ سے باہر مغربی جانب بنادی گئی اور خالی رہ جانے والی جگہ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کے لئے کام آگئی۔ اللہ تعالیٰ کی شان دیکھئے کہ کچھ عرصہ کے بعد بعض انتظامی وجوہ کی بنا پر اس کمرے کی پختہ چھت کو درمیانی دیوار ہٹا کر وسیع کردیا گیا، تو اب خود بخود

مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کی قبر بھی اپنے دادا، والد، اور دو بھائیوں کے ساتھ مل گئی اور وہ بھی کمرے کے اندر ہی دیگر قبور میں شامل ہوگئی۔ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ اب اپنے ان عظیم المرتبت آباء واجداد اور باعمل وذی شان بھائیوں کے جلو میں آرام فرمارہے ہیں۔ مورخہ ۳۱/دسمبر ۲۰۱۴ء کو بعد از نماز عصر آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی اور غروب آفتاب کے ساتھ جبکہ ۲۰۱۴ء کا سورج غروب ہو رہا تھا، علم و تحقیق کا یہ معیار، زہد و اتقاء کا پیکر، عظمت و ناموس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا شیدائی اور اپنے اسلاف کی روشن روایات کا سچا امین مدفون ہو کر اپنے مولد و مسکن "محمدی شریف" کی مٹی کو رشکِ جنت بنا گیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ترکہ:

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے طالب علم اور عالم دین کی عظمت و فضیلت اور بزرگی بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ:

وانّ العلماء ورثة الانبياء وان الانبياء لم يورّثوا دينارا ولا درهما وانما ورثوا العلم رواه احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجه والدارمی [1]

اور بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء کرام اپنے ترکہ میں دینار و درہم چھوڑ کر نہیں بلکہ علم چھوڑ کر جاتے ہیں۔

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ حدیث کے مطابق وراثت نبوی کا حق ادا کیا۔ اپنے والد کے ترکہ سے بقول صاحبزادہ ابوبکر صدیقی چودہ ایکڑ زرعی زمین حصہ میں آئی زندگی بھر اس میں ایک مرلہ کے اضافے کی بھی کبھی کوشش نہ کی۔ وطن عزیز میں متعدد علماء نے اپنے علم کو کیش (CASH) کیا ہے اور علم دین کو زینہ بنا کر بڑی جائیدادیں، کوٹھیاں، بنگلے اور کاروبار بنائے ہیں۔ مگر مولانا نے کبھی ایسا سوچا بھی نہ تھا۔ ساری زندگی ایک کچے مکان اور کچے لنگر خانے/مہمان خانے میں سادہ سی بان کی چارپائی اور چٹائی پر گزار دی۔ ان کی درویشانہ بود و باش، لباس اور معاشرت سے کوئی اجنبی قطعاً یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ یہ دبلا پتلا اور چھوٹے سے قد کاٹھ کا مالک آدمی اپنے وقت کا جبل علم، نامور محقق، پائے کا مفتی، مشہور فاضل اور کئی مستند و تحقیقی کتابوں کا مصنف ہے۔

---

[1] مشکوۃ المصابیح، (کتاب العلم۔ الفصل الثانی) ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۳۹۹ھ ص ۳۴۔

تاریخہائے وفات

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، فاضل دارالعلوم دیو بند

از حضرت مولانا خلیل احمد تھانوی ابن حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

ادارہ اشرف التحقیق، دارالعلوم الاسلامیہ، لاہور

① الحاج مولانا امام شیخ محمد نافع

۱۷۱ + ۱۲۶۵ = ۱۴۳۶ھ

② علامہ زماں مولانا محمد نافع فاضل دارالعلوم دیو بند

۲۲۴ + ۴۰۱ + ۱۳۶۹ھ = ۲۰۱۴ء

③ وحید العصر مولانا محمد نافع مصنف رحماء بینہم

۴۱۹ + ۴۰۱+ ۶۱۶ = ۱۴۳۶ھ

④ مولانا محمد نافع تلمیذ گل جہاں مولانا اعزاز علی

۴۰۱ + ۱۱۸۰ + ۴۳۳ = ۲۰۱۴ء

⑤ مولانا محمد نافع مؤلف جادو بیان سیرت معاویہ

۴۰۱ + ۱۰۳۵ = ۱۴۳۶ھ

⑥ فانما قال جل کلامہ : فھو فی عیشۃ راضیہ

۴۳۲ + ۱۵۸۲ = ۲۰۱۴ء

⑦ فقال اللہ جل قولہ : ارجعی الی ربک راضیۃ

۴۵۱ + ۱۵۶۳ = ۲۰۱۴ء

⑧ بندۂ مسکین خلیل احمد تھانوی

۲۴۱+ ۱۱۹۵ = ۱۴۳۶ھ

سانحۂ ارتحال

بروفات حسرت آیات رئیس المحققین حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ مصنف ''رُحَمَآءُ بَيۡنَهُمۡ''

شد محمد نافعؒ فخر اذکیاء — صاحب ادراک و دانش خوش لقاء
سینہ اش گنجینہ انوارِ حق — ذات اُو سرمایہ اہل وفا
یک محقق، ہم فکر بہتریں — یادگارش یک ذخیرۂ بے بہا
ہشتم از اولیٰ ربیع شنبہ چہار — شد ز دنیا جانب دار البقاء
شد بپا شور فغاں اندر جہاں — از فراقش ماندہ گشتند اقرباء
مرقدش را کن خدایا عنبریں — بہ مکانش در جوار مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
بہر سال رحلتش فیض الامیں — گو محمد نافعؒ فضل کبریا

----------۱۴۳۶ھ----------

نتیجۂ فکر صاحبزادہ فیض الامین فاروقی
چکوڑی شریف، ضلع گجرات

قطعہ ہائے تاریخ وفات

رئیسِ فاضلانِ علمِ دیں / ماہِ عالم حضرت مولانا نافعؒ

---۱۴۳۶ھ--- / ----۱۴۳۶ھ----

حضرت کی وفات پر جناب انجمؔ نیازی کا اظہارِ غم

عظمتوں کا ٹوٹ کر روشن ستارہ گر گیا
مسجد اسلام کا اونچا مینارہ گر گیا

ملت اسلامیہ پھر سے اپاہج ہو گئی
دور جا کر روشنی کی اِک کرن پھر کھو گئی

سو برس تک یہ دیا اسلام کا جلتا رہا
دین اس کی روشنی میں پھیلتا پھلتا رہا

یہ مؤرخ یہ محقق یہ مدبر چل دیا
کون آئے پھر نجانے دوسرا یہ تو گیا

کتنے ہی سورج چھپے تھے ایک اس کی ذات میں
کتنی مہکاریں نہاں تھیں اس کی اک اک بات میں

وہ ہمارے واسطے اک شعلۂ مستور تھا
اُس کے اک اک لفظ میں حقانیت کا نور تھا

کتنے پروانے یہاں پر ہاتھ ملتے رہ گئے
جانے والے جاتے جاتے جانے کیا کچھ کہہ گئے

تونسویؒ درخواستیؒ اپنے محقق سرفرازؒ
جو رہے دنیا کی ساری خواہشوں سے بے نیاز

مظہرؒ و نافعؒ لطیفؒ آئے تھے جانے کے لئے
اب بچا کچھ بھی نہیں انجمؔ لٹانے کے لئے

الوداع

اے ہمارے محسن و غمخوار نافع الوداع
اے مجاہد اے سپہ سالار نافع الوداع

چودہ صدیوں کی اکیلے ہی لڑائی جیت گئے
اے ہمارے دین کی تلوار نافع الوداع

زندگی قربان کردی اُن کی اک اک بات پر
محفل اصحاب کے مے خوار نافع الوداع

تو نے پھیلائی ہے خوشبو دُور تک اسلام کی
گلشنِ اسلام کی مہکار نافع الوداع

تو نے ہی تاریخ کا ہر لفظ زندہ کر دیا
تیری ہر تصنیف ہے مہکار نافع الوداع

چوم لینے کے ہیں لائق تیرے یہ ہاتھ اور قلم
سہہ سکا ہے کون تیرا وار نافع الوداع

کتنی جرأت سے رہا ہے سینہ سپر میدان میں
تو نے رد کی جھوٹ کی یلغار نافع الوداع

دشمنوں کے اک اک لشکر کے آکر سامنے
بن گیا فولاد کی دیوار نافع الوداع

جس جگہ تو بیٹھ جاتا اپنی درویشی کے ساتھ
اس طرف آتے نہ تھے اغیار نافع الوداع

تیری عظمت اور تیرے نام پر قربان میں
تیرے پاؤں چومتے کہسار نافع الوداع

جنت الفردوس کی گویا امانت ہیں ترے
یہ بہت معصوم سے رخسار نافع الوداع

تو نے ساری زندگی اس کے لئے قربان کی
اے مدینہ شہر کے دلدار نافع الوداع

تو نے انجم کو زیارت کا شرف بخشا مگر
اب نہ ہوگا پھر یہاں دیدار نافع الوداع

جناب حافظ محمد بخش سیالوی کا منظوم اظہارِ غم

دین نبی کا حامی و غم خوار چل دیا
پابند شرع سیّد ابرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چل دیا

صدیقؓ عمرؓ عثمانؓ و علیؓ کا فریفتہ
ناموس صحابہ کا علم بردار چل دیا

واحسرتا کہ چھپ گیا رخشندہ آفتاب
وائے کہ روشنی کا مینار چل دیا

شیخ و فقیہ محدث و رئیس المحققین
تحقیق تقویٰ علم کا معیار چل دیا

مفتی محقق پارسا اِک یادگارِ سلف
علم و ادب کا قافلہ سالار چل دیا

گم سم حقائق منظر عامہ پہ لا کے وہ
قرطاس وقلم کا حسین شاہکار چل دیا

فاضل مصنف چل بسا ''رحماء بینھم''
صد حیف ایک پختہ قلم کار چل دیا

اِک اسم با مسمیٰ یگانۂ روزگار
جان نحیف عزم کا کوہسار چل دیا

ڈھونڈو نہ پا سکو گے نافعؒ سا باکمال
دے کر جہاں کو علم کی مہکار چل دیا

محسن مربیٔ جامعہ ذاکرؒ کا دست راس
عبدالغفور کا دُرِ شہوار چل دیا

رحمانیہ چمن کا مہکتا ہوا وہ پھول
حافظ محمدی کا گل زار چل دیا

باب پنجدہم

تعزیتی پیغامات وتاثرات

ایک عالم دین جس کے علمی فیوض و برکات، وعظ و بیان، تحریر وتقریر، درس وافتاء، تحقیق وتصنیف اور گفتار وکردار سے ایک دنیا مستفید وفیض یاب ہو رہی ہو اس کی موت کوئی معمولی واقعہ نہیں ہوتا۔ مذہبی ودینی اعتبار سے گویا وہ معاشرے کی رگوں میں چلتا پھرتا ایک خون تھا جو بند ہو گیا۔ شاید اسی لئے کہا جاتا ہے:

''موتُ العالِم موتُ العالَم'' ''ایک عالم دین کی موت ایک جہان کی موت کے برابر ہے۔ جبکہ ایک حدیث میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''موت العالم ثلمة فی الاسلام لا تسد ما اختلف اللیل والنهار''[1]

ایک عالم کی موت اسلام میں ایک رخنہ/خلا ہے جو قیامت تک بند نہیں ہو سکے گا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر صاحب بصیرت اور علم کی قدر سمجھنے والا کون ہوگا۔ آپ نے تو ایک عالم دین کی موت کو ایک ہزار بے علم عبادت گزاروں کی موت سے بھی زیادہ نقصان قرار دیا۔ چنانچہ فرمایا:

''موت الف عابد قائم اللیل صائم النهار اهون من موت عالم بصیر بحلال الله وحرامه''[2]

(رات بھر قیام کرنے والے اور دن بھر روزہ رکھنے والے ہزار عابدوں کی موت بھی اس عالم دین کی موت سے ہلکی ہے جو اللہ کی حلال کردہ اور حرام کردہ چیزوں کا علم رکھنے والا ہے۔)

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی وفات وطن عزیز کے اہل علم، معززین علاقہ، متعلقین ومتوسلین، دوست احباب اور عام ملنے جلنے والوں کے نزدیک کتنا بڑا نقصان تھی وہ ان کے بارے میں کیا پاکیزہ خیالات رکھتے تھے اور مولانا کے بارے میں ان کی چشم دید گواہیاں کیا تھیں؟ ان چیزوں کا اظہار ان تعزیتی پیغامات اور تاثرات سے ہوتا ہے جو اُن کی وفات پر سامنے آئے۔ چنانچہ اس موقعہ پر متعدد علماء کرام اور دینی اداروں نے اپنے اپنے تعزیتی پیغامات میں اپنے دکھ اور رنج والم کا اظہار کیا۔ ہفت روزہ ''اخبار المدارس'' کراچی نے ۷ تا ۱۳/جنوری ۲۰۱۵ء کو ''محقق اہلسنت نمبر'' شائع کیا۔ کئی اخبارات اور رسائل نے تعزیتی شذرات اور نوٹس لکھے۔ علاوہ ازیں حضرت

---

[1] ہیثمی، حافظ نور الدین (م ۸۰۷ھ) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد (کتاب العلم باب ذہاب العلم) مکتبۃ القدسی القاہرہ ۱۴۰۴ھ ۱/۲۰۱ رقم ۹۸۴۔

[2] امام محمد بن محمد غزالی، احیاء علوم الدین (کتاب العلم) دار المعرفت بیروت س۔ن۔ ۱/۹۔

کی وفات حسرت آیات کے بعد دور ونزدیک سے تعزیت اور افسوس کرنے والوں کا تانتا بندھا رہا۔تعزیت کی جگہ ''ستھر'' پر ایک تعزیتی تاثرات کا رجسٹر رکھ دیا گیا جس میں کئی معززین علاقہ کے علاوہ متعدد مہمانوں نے اپنے اپنے تعزیتی تاثرات لکھے جن سے آپ کی شخصیت کے مختلف پہلو اجاگر ہوتے ہیں۔اس باب میں ہم ان تعزیتی پیغامات اور چیدہ چیدہ تاثرات کو درج کر رہے ہیں تاکہ مولانا کی عظیم شخصیت کے مختلف اور گوناگوں پہلو سامنے آسکیں اور ان کے حلقہ اثر کا بھی کچھ اندازہ ہو سکے۔

ایڈیٹوریل نوٹ، ہفت روزہ ''اخبار المدارس'' کراچی ۷ تا ۱۳ جنوری ۲۰۱۵ء

یادگارِ اسلاف حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کا سانحۂ ارتحال:

ایک اور نابغہ روزگار شخصیت حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ بھی انتقال کر گئے۔آپ کا انتقال فیصل آباد کے ہسپتال میں ۳۰ردسمبر ۲۰۱۴ء کی شب سوا دس بجے ہوا۔

چنیوٹ سے قریباً ۳۵ کلومیٹر جھنگ روڈ پر ایک اڈا ''جامعہ آباد'' آتا ہے۔جامعہ آباد سے بجانب شمال ۳ کلومیٹر پر ایک گاؤں ''محمدی شریف'' ہے۔یہاں ایک بزرگ عالم دین حضرت مولانا عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ آپ نے حضرت مولانا سلطان محمود چنیوٹی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلیم حاصل کی۔حضرت مولانا سلطان محمود چنیوٹی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کی تعلیم قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی تھی۔حضرت مولانا عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی حضرت مولانا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت کا تعلق خانقاہ سیال شریف ضلع سرگودھا سے تھا۔خانقاہ سیال شریف کے بانی حضرات کا تعلق قطب عالم حضرت خواجہ سلیمان تونسویؒ سے تھا۔حضرت مولانا عبدالرحمٰنؒ ساکن محمدی شریف نے اپنے صاحبزادے حضرت مولانا عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ کو بھی سیال شریف کے اعلیٰ حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سے صغر سنی میں بیعت کرا دیا۔حضرت مولانا عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ نے خانقاہ سیال شریف کے حضرت ثانی خواجہ محمد الدین رحمۃ اللہ علیہ سے بھی بیعت کا شرف حاصل کیا اور پھر سیال شریف کے حضرت ثالث مولانا خواجہ ضیاء الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی شرف بیعت کے علاوہ سعادت حصول خلافت کا شرف بھی پایا۔ حضرت مولانا عبدالغفورؒ کو اللہ رب العزت نے تین صاحبزادے دیئے۔ان میں سے سب سے چھوٹے کا نام ''محمد نافع'' تھا۔حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ، متبحر اور نکتہ رس عالم دین تھے۔آپ نے پوری عمر عظمت صحابہ کے لئے کام کیا۔اعتدال میں اپنی مثال آپ تھے۔حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف معلومات کا خزانہ ہیں۔مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے جس جس موضوع پر قلم اٹھایا دیانت داری کی بات ہے کہ اس کا حق ادا کر دیا۔

قادیانیوں نے ۱۹۵۳ء میں روزنامہ ''الفضل'' لاہور کا ''خاتم النّبیین نمبر'' شائع کیا جس میں دھوکا دہی کی انتہا کر دی۔دجل وکذب کا شاہکار یہ اخبار سامنے آیا تو دنیا نے دیکھا کہ نام ''خاتم النّبیین'' اور اندر یہ ثابت

کرنے کی کوشش کی نبوت جاری ہے۔ قادیانیوں کے اس دجل پر سب سے پہلے جن بزرگوں نے امت کی طرف سے فرض کفایہ ادا کیا وہ محقق اہل سنت حضرت مولانا محمد نافع اور پھر مناظر اسلام حضرت مولانا لال حسین اختر تھے۔ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں گرفتار بھی رہے۔ پہلے جھنگ، پھر لاہور بورسٹل جیل میں تین ماہ سنت یوسفی کو زندہ کیا۔ آپ تحریک تحفظ ختم نبوت کے نہ صرف قدردان تھے بلکہ ہردم باخبر رہتے تھے اور غائبانہ دعاؤں سے اس محاذ پر کام کرنے والوں کی ڈھارس بندھاتے تھے۔ سو سال عمر پائی۔ آخرت وقت تک دل و دماغ، حافظہ، علوم کا استحضار حیرت انگیز طور پر برابر کام کر رہا تھا۔ ۳۰ر دسمبر ۲۰۱۴ء کی رات دس بجے فوت ہوئے۔ ۳۱ر دسمبر ۲۰۱۴ء غروب آفتاب کے وقت تدفین کا عمل مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ راحت عطا فرمائے۔ (مولانا اللہ وسایا)

متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ (امیر عالمی اتحاد اہلسنت والجماعت)

محافظ ناموس آل محمد:

۸ر ربیع الاول ۱۴۳۶ھ بمطابق ۳۱ر دسمبر ۲۰۱۴ء بروز بدھ کو مرجع العلماء، جامع المحاسن، عظیم مورخ اور محقق اسم بامسمیٰ حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ فاضل دار العلوم دیوبند داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ ○ ان اللہ ما اعطی ولہ ما اخذ وکل شیءٍ عندہ باجل مسمی۔

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ بن مولانا عبدالغفور بن مولانا عبدالرحمٰن مرحوم ومغفور ضلع چنیوٹ کے مشہور قدیمی قصبے ''محمدی شریف'' میں تقریباً ۱۳۳۵ھ بمطابق ۱۹۱۵ء میں پیدا ہوئے۔ قرآن پاک اپنے والد ماجد سے حفظ کیا۔ ابتدائی دینی کتب اپنے برادر کبیر مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبدالمجید امیؒ رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں۔ متوسط کتب امام پاکستان مولانا سید احمد شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا غلام یٰسین سے پڑھیں۔ (مذکورہ بالا اساتذہ کرام فضلاء دار العلوم دیوبند ہیں) اعلیٰ تعلیم کے لئے مرکز علم وعمل دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے اور شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ، مفتی ریاض الدین رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سے ۱۳۶۳ھ میں دورۂ حدیث پڑھ کر فارغ ہوئے اور وطن عزیز واپس آ کر تعلیم وتدریس اور تصنیف وتحقیق کے کام کی طرف متوجہ ہوئے۔ متعدد علمی تحقیقی کتابیں تصنیف فرمائیں۔

''رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ'' (چار جلدیں)، بناتِ اربعہ، حدیث ثقلین، سیرت حضرت علی المرتضیٰ، سیرت حضرت امیر معاویہ (دو جلدیں)، فوائد نافعہ (دو جلدیں)، مسئلہ ختم نبوت اور سلف صالحین، حضرت ابوسفیان اور ان کی اہلیہ رضی اللہ عنہما وغیرہ علمی وتحقیقی دنیا میں اپنی قابلیت کا لوہا منوایا۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت کے متعلق آپ کی کتب سند کا درجہ رکھتی ہیں۔ آپ کی تحقیق کو وقت

کے عظیم محققین نے بھرپور خراج تحسین پیش کیا ہے۔

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی فرماتے ہیں: ''بلاشبہ ''رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ'' علم وتحقیق کے اعتبار سے انوکھی اور نہایت ہی بلند پایہ کتاب ہے جس نے اس موضوع پر ہمارے علمی وتحقیقی سرمایہ میں گراں قدر اضافہ کیا ہے۔''

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ ''یہ کتاب صرف اردو ہی میں منفرد نہیں، عربی لٹریچر میں بھی اس قسم کی کوئی مفصل کتاب احقر کے علم میں نہیں ہے اور واقعہ یہ ہے کہ فاضل مؤلف نے اس اچھوتے مگر ضروری موضوع پر تحقیق کا پورا حق ادا کیا ہے۔'' (تبصرے ۲۶۶)

موصوف نے افراط وتفریط سے الگ رہ کر اہلسنت کے صحیح مؤقف کی ترجمانی کی ہے اور اس موضوع پر تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔ ان کی ہر بات تاریخی حوالوں سے مزین ہے بلکہ انہوں نے صرف اہلسنت ہی کے نہیں اہل تشیع کے ماخذ سے بھی اپنے مؤقف کو ثابت کیا ہے جن پر ان کی بڑی وسیع اور گہری نظر ہے۔ پھر قابل تعریف بات یہ ہے کہ فاضل مؤلف کا انداز بیان مناظرانہ اور جارحانہ نہیں بلکہ باوقار اور متین ہے اور سنجیدہ علمی تحقیق کے معیار پر پورا اترتا ہے۔ (تبصرے ص ۳۰۹)

علامہ ڈاکٹر خالد محمود (پی ایچ ڈی) لندن، فرماتے ہیں: ''آپ رحمۃ اللہ علیہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چاروں صاحبزادیوں کے حالات کمالات اور درجات ایسے محققانہ اور نفیس پیرائے میں بیان فرمائے ہیں کہ اس کتاب کی اشاعت واقعی اس عہد کا ایک نہایت اہم علمی اضافہ ہے۔ مولانا کا انداز بیان محض تبلیغی نہیں تحقیقی بھی ہوتا ہے۔ ایک مؤرخ کی حیثیت سے آپ بات کی آخری تہہ تک اترتے ہیں۔'' (بنات اربعہ، ص ۳۳)

استاذ المناظرین شیخ العرب والعجم علامہ عبدالستار تونسوی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے متعلق فرماتے ہیں: ''مولانا موصوف کی مذکورہ کتب میں درج شدہ دلائل ٹھوس حوالے صحیح اور رمطابقی ہیں۔ ان کی تحقیق سے اندازہ ہوتا ہے وہ ریت کے ذرات سے سونا الگ کرنا جانتے ہیں۔'' (فوائد نافعہ، ص ۶۸۴)

موصوف کی پوری زندگی دین کی خدمت میں گزری۔ آپ کے علمی اور تحقیقی جواہر پاروں سے لاکھوں افراد مستفید ہوئے اور تا قیامت ہوتے رہیں گے۔ ایسے صاحب فضل وکمال شخص کی رحلت ارشاد نبوی ''یرفع الله العلم بقبض العلماء'' کا عملی مظاہرہ ہے اور موت العالِم موت العالَم کا عین مصداق ہے۔

آپ کا جنازہ خواجہ خلیل احمد کی اقتداء میں کثیر خلق خدا نے پڑھا۔ مغرب سے قبل آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ گویا ۸ ربیع الاول ۱۴۳۶ھ/۳۱ دسمبر ۲۰۱۴ء کا سورج غروب ہوتے ہی محافظ ناموس آل محمد ہماری نظروں سے ہمیشہ کے لئے اوجھل ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائیں۔

مولانا محمد احمد لدھیانوی:

مولانا محمد نافع نے قلمی جہاد کا حق ادا کیا:

اہل سنت والجماعت کے سربراہ مولانا محمد احمد لدھیانوی نے مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پر گہرے دکھ اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کا موضوع سخن جماعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھا، پھر خاندان ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی عظمت ومنقبت جیسا موضوع جس پر چودہ سو سال سے بغض وعناد کا گند پڑا ہے اسے انتہائی دیانت داری سے صاف کرنے کی اپنے تئیں پوری کوشش کی۔ یہ وہ موضوع ہے جس کے حوالے سے خود مسلمان علماء بھی تذبذب کا بری طرح شکار ہیں، عربی زبان میں آپ کی تصانیف کے ترجمہ و اشاعت سے امت کے ایک بڑے طبقے تک آپ کا پیغام پہنچا۔

اللہ تعالیٰ مولانا کو پوری امت کی طرف سے جزائے خیر عطا کرے، ان کے درجات کو بلند کرے اور مجھ سمیت تمام چاہنے والوں، بالخصوص خاندان کے افراد کو صبر عطا کرے۔

اس سب کے باوجود یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہم نے ان کی قدر نہیں کی اللہ معاف فرمائے، بلاشبہ مولانا نے قلمی جہاد کا حق ادا کیا یہ وہ میدان ہے جس میں اترنے والا ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔ بہرحال وہ اب ہم میں نہیں رہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ○

اب ڈھونڈ انھیں چراغ رخ زیبا لے کر

(ہفت روزہ اخبار المدارس خصوصی شمارہ محقق اہل سنت نمبر۔ ۷ تا ۱۳ / جنوری ۲۰۱۵ء)

مولانا قاری محمد حنیف جالندھری:

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی دینی، علمی، تبلیغی، اصلاحی اور تصنیفی خدمات پر خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں، آج ہم ایک متبحر عالم اور محقق شخصیت سے محروم ہو گئے ہیں، وہ واقعی اسم بامسمی تھے، وہ اپنی حیات میں بھی اُمت کے لئے نافع تھے اور ان شاء اللہ وفات کے بعد بھی ان کی گراں قدر تصانیف اُمت مسلمہ بالخصوص اہل علم کے لئے نافع ہوں گی۔ (الخیر)

مولانا زبیر احمد صدیقی:

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات اہل علم ونظر کو یتیم کر گئی

جامعہ فاروقیہ شجاع آباد کے مہتمم مولانا زبیر احمد صدیقی نے مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پر گہرے دکھ اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ ایک محقق، مدقق، صاحب قلم اور رشتہ بیان و

ثقہ عالم دین تھے۔آپ فاضل دارالعلوم دیوبند اور قدیم کہنہ مشق سکالر تھے۔حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی، شیخ الادب مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ جیسے جبال علم سے کسب علم اور مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے محقق سے ذوق تحقیق پایا۔حضرت لکھنوی سے اجازت اوراد حصن حصین حاصل فرمائی۔رحماء بینھم ،فوائد نافع ،سیرت علی المرتضیٰؓ ،سیرت امیر معاویہؓ ،حدیث ثقلین ، سیدنا ابی سفیانؓ وغیرہ آپ کے علمی شاہ کار ہیں۔احقر اور برادر خورد مفتی محمد طیب کو شہید ناموسِ رسالت مولانا سعید احمد جلال پوریؒ کی صحبت ومعیت میں ان کی خدمت اقدس میں حاضری، ان سے ان کے سلسلہ میں اجازت حدیث واجازت اوراد کی سعادت حاصل ہوئی۔ان کی وفات حسرت آیات اہل علم و نظر کو یتیم کرگئی۔ بلاشبہ اہل حق اور ان کا خاندان مستحق تعزیت ہیں۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ اللھم لاتحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ۔(ہفت روزہ اخبار المدارس خصوصی شمارہ محقق اہل سنت نمبر)

حافظ سیّد محمد اکبر شاہ بخاری:

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ ایک محقق عالم، بہترین مدرّس اور متعدد تصانیف کے مصنف تھے۔اُن کا فیض علمی و تصنیفی جاری وساری تھا، جس سے اُمت محروم ہوگئی۔آپ نے شعبۂ تصنیف وتالیف میں بڑا نام پیدا کیا اور آپ کے قلم سے متعدد کتب منظر عام پر آئیں۔اندازِ تحریر بڑا تحقیقی رہا، کئی تصانیف نے بڑی شہرت حاصل کی۔

آپ کی نمازِ جنازہ میں ہزاروں افراد نے شرکت کی، سینکڑوں علماء بھی جنازہ میں شرکت کے لیے بستی محمدی شریف ضلع چنیوٹ تشریف لے گئے اور آپ کی وفات پر گہرے دُکھ وغم کا اِظہار کیا۔احقر رَاقم الحروف نے اپنی کتاب ''مفتی اعظم پاکستان اور اُن کے ممتاز تلامذہ'' میں بھی آپ کا ذکر خیر کیا ہے جو مکتبہ دار العلوم کراچی سے طبع ہوئی ہے۔(الصیانۃ مارچ ۲۰۱۵ء)

میڈیا سنٹر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

یادگارِ اسلاف مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت قومی سانحہ ہے، محقق عالم دین جیسی ہستیاں مدتوں بعد جنم لیتی ہیں،قوم بالخصوص نوجوان علماء کرام مولانا مرحوم کی تصنیفات وتحقیقات سے استفادہ کو یقینی بنائیں ان خیالات کا اظہار وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے رہنماؤں شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان، مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، مولانا محمد حنیف جالندھری اور مولانا انوار الحق نے یادگار اسلاف ، فاضل دیوبند، ممتاز محقق و مصنف مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پر اپنے تعزیتی بیان میں کیا۔وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے رہنماؤں نے مولانا محمد نافع کی رحلت کو قومی سانحہ قرار دیا۔انہوں نے کہا کہ ممتاز محقق و مصنف مولانا محمد نافع جیسی ہستیاں مدتوں بعد جنم لیتی ہیں اور ان کی وفات بھی پوری امت کے لیے سانحہ کی حیثیت رکھتی ہے۔وفاق المدارس کے قائدین نے

نوجوان علماء کرام اور عوام الناس پر زور دیا کہ وہ مولانا محمد نافعؒ کی تحقیقات وتصنیفات سے استفادہ کا اہتمام کریں۔ وفاق المدارس کے قائدین نے مولانا محمد نافع کے درجات کی بلندی اور ان کے لواحقین کے لیے صبر جمیل کی بھی دعا کی دریں اثناء وفاق المدارس کے جنرل سیکرٹری مولانا محمد حنیف جالندھری کی قیادت میں وفاق المدارس کے قائدین خصوصی طور پر جھنگ گئے جہاں انہوں نے مولانا محمد نافع کے جنازے میں شرکت کی اور جنازے کے موقع پر ملک بھر سے آئے ہوئے مولانا مرحوم کے ہزاروں عقیدتمندوں سے خطاب بھی کیا۔
(ماہنامہ وفاق المدارس جنوری ۲۰۱۵ء)

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا مولانا محمد نافع کی وفات پر اظہارِ تعزیت

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت لاہور کے مرکزی رہنماؤں مولانا عزیز الرحمن ثانی، مولانا قاری جمیل الرحمن اختر، قاری علیم الدین شاکر، مولانا محبوب الحسن طاہر، مولانا عمر حیات، مولانا عبدالنعیم نے معروف محقق اور نامور عالم دین مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر اظہار تعزیت کرتے ہوئے کہا کہ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی وفات عظیم سانحہ ہے۔ مولانا جیسی شخصیات مدتوں بعد پیدا ہوتی ہیں۔ ان کی دینی اور مذہبی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ انکی وفات سے ملک پاکستان ایک عظیم علمی اور روحانی شخصیت سے محروم ہو گیا ہے۔ (ہفت روزہ اخبار المدارس خصوصی شمارہ محقق اہل سنت نمبر)

حضرت مولانا محب النبی صاحب[1] (جمعرات، ۹؍ربیع الاول ۱۴۳۶ھ):

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی خبر وفات مجھے ضلع اٹک میں ملی۔ مجھے افسوس ہے کہ میں جنازہ میں شامل نہ ہو سکا۔ حضرت مرحوم رحمۃ اللہ علیہ ایک نابغہ روزگار شخصیت تھے۔ ان کی تصانیف سے استفادہ کا موقع ملا ہے۔ ایسے وسیع المطالعہ علماء بہت کم ہوتے ہیں اور وسعت علم وعمل اور مطالعہ کے ساتھ آپ کو حق سبحانہ وتعالیٰ نے عمدہ قلم سے بھی نوازا تھا۔ اپنی معلومات کو مخاطب کے ذہن میں ثبت کرنے کا آپ کو عظیم ملکہ حاصل تھا۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ آپ کے جمیع حسنات کو شرف قبولیت سے نوازے اور آپ کی موجود قبر مبارک کو روضۃ من ریاض الجنۃ بنائے اور آپ کے فیوض وبرکات سے تاقیامت امت کو استفادہ کی ہمت نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

مولانا اللہ وسایا، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، ملتان (۱،۱،۲۰۱۵ء)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد۔

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کا وجود اس دھرتی پر انعام الٰہی تھا۔ ان کے وجود سے حق تعالیٰ نے وہ کام لیا

---

[1] مہتمم دار العلوم مدنیہ رسول پارک، ملتان روڈ، لاہور

جو جماعتیں اور ادارے بھی شاید نہ کر سکیں۔ وہ آیات بن کر آیات اللہ تھے۔ وہ کیا گئے ایک صدی کی تاریخ لپیٹ دی گئی۔ حق تعالیٰ شانہ ان کے درجات بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی نعمت سے وافر حصہ نصیب فرمائے۔ (آمین بحرمۃ النبی الکریم)

جناب سعد اللہ، ڈی ایس پی بھوانہ (۲،۱،۲۰۱۵ء)

مولانا نافع رحمۃ اللہ علیہ سے میری ملاقات نہ ہے لیکن ان کی شہرت بہت اچھی ہے۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے اور نیک لوگوں کی بدولت ہماری دین دنیا کی بھلائی فرمائے۔ آمین۔

رائے خدا بخش کلیار، ایڈووکیٹ، سابق امیر جماعت اسلامی ضلع جھنگ (۲،۱،۲۰۱۵ء)

حضرت مولانا نافع رحمۃ اللہ علیہ، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے دین کی خدمت کی بڑی توفیق عطا فرمائی اور انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی باہم محبت کی زبردست وکالت کی۔ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ کا ان کے باہمی شعار بڑی خوبصورتی کے ساتھ انہوں نے اجاگر فرمایا۔ انہوں نے اپنے پیچھے علم کا ایک خزانہ چھوڑا ہے جو ان کا صدقہ جاریہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس عطا فرمائے۔ آمین۔

مولانا ملک خلیل احمد، مدیر جامعہ ملیہ اسلامیہ، چنیوٹ (۱۰ ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استاذی المکرم امام اہل سنت حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا صدمہ کوئی عام صدمہ نہیں بلکہ عالمی صدمہ ہے جیسے ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالمی نبی تھے ان کا فیض بھی عالمی تھا ایسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل ہمارے شیخ حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کا فیض بھی عالمی ہے۔ چودہ صدیوں میں آپ کی تصنیف "رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ" کی مثال نہیں ملتی ہے۔ اللہ سے امید ہے کہ آپ کی ان دینی خدمات کی وجہ سے آپ کو آخرت کے اعلیٰ مقامات میں جگہ ملے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین۔

حضرت مولانا محمد عمر قریشی، جامعہ فرقانیہ دار المبلغین، کوٹ ادو، ضلع مظفر گڑھ (۱۱ ربیع الاول ۱۴۳۶ھ)

حامداً ومصلیاً اما بعد! آج بندہ استاذ مکرم جامع المحاسن حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی تعزیت کے سلسلہ میں حاضر ہوا۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ آج اہل حق اور اہل تحقیق یتیم ہو گئے ہیں۔ آپ کا وجود مسعود بہت بڑا قیمتی علمی

سرمایہ تھا۔آپ کی کتب اور لائق شاگرد صدقہ جاریہ ہیں۔اللہ حضرت کے درجات بلند فرمائیں اور آپ کے فیض کو عام اورتام فرمائیں۔آمین بجاہ النبی الکریم۔

ملک احمد عباس نمبردار،موضع بخاریاں (۲،۱،۲۰۱۵ء)

بندہ ناچیز جناب حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی بمطابق عظمت و بزرگی لائق شان الفاظ تو نہ ڈھونڈ سکتا ہے اور نہ ہی بندہ ناچیز کے پاس ایسے الفاظ موجود ہیں جو اتنی بڑی قابل قدر ہستی کے بارے میں درج کیے جائیں۔بندہ ناچیز ایک چھوٹا سا واقعہ حضرت جی کی شان کے متعلق لکھتا ہے۔میں نے ۲۰۱۰ء میں فریضہ حج کے لئے مدینہ شریف واپسی کے بعد مکہ مکرمہ محلہ تیشی میں رہائش پر صبح کی نماز کے بعد آرام کے لئے آیا اور سونے کی حاجت محسوس ہوئی۔چارپائی پر لیٹ گیا اور غلبہ نیند میں جناب محمد مدنی سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے تشریف فرما تھے اور سامنے ایک جھولا تھا۔جھولے پر میں اور اس کے علاوہ میرے گاؤں کے ایک اور حاجی الطاف حسین اور علاوہ اور بھی پانچ یا چھ تعدادی لوگ اس جھولے پر موجود تھے۔جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلی مبارک سے اشارہ کیا اور جھولا اوپر چھت کی طرف جانے لگا۔میں نے عرض کیا کہ اوپر چھت ہے سر چھت سے لگ جائے گا۔حکم ہوا کہ نہیں بلکہ آپ کا سر تمام حاجیوں سے ہم نے اوپر کر دیا ہے اور پھر انگلی کے اشارہ کے ساتھ جھولے کو نیچا کیا اور ساتھ حکم فرمایا کہ آپ حج سے فارغ ہونے کے بعد فوری طور پر جامعہ محمدی شریف جائیں گے اور وہاں پر ہمارا اسلام دینا۔اسی اثناء میں میری آنکھ کھل گئی۔ذہن میں ابہام پیدا ہوا کہ محمدی شریف میں جا کر کس قابل قدر شخصیت کو سلام پیش کرنا ہے۔میں دوبارہ چارپائی پر لیٹ گیا۔لیٹتے ہی دوبارہ پھر خواب شروع ہو گیا۔صاحب ہستی سے استفسار کیا کہ جامعہ محمدی شریف میں جا کر بندہ ناچیز نے کس صاحب قابل قدر کے ہاں پیش ہو کر سلام پیش کرنا ہے۔ذہن میں یہ بات چل رہی تھی کہ حضرت مولانا جناب محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ تو وفات پا چکے ہیں۔ساتھ جناب مدنی سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حکم صادر ہوا کہ حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے پاس فوری طور پر حج کے بعد جانا ہے اور سلام کرنا ہے۔بندہ ناچیز بعد فریضہ حج حضرت جی کے پاس حاضر ہوئے اور تمام واقعہ بتلایا اور سلام پیش کیا۔حضرت جی مراقبے میں چند منٹ گئے اور پھر روتے رہے کہ میں اس قابل نہیں اور میرے لئے دعا فرمائی اور دو کتب بنات اربعہ اور ایک کتاب مسئلہ ختم نبوت عطا کی۔

حضرت جی! جامعہ محمدی شریف میں بے مثال روشنی تھے جن کو صدیوں لوگ یاد رکھیں گے۔حضرت جی دنیا فانی سے جانے کے بعد اپنی کتب ہائے کی شکل میں ایسا بے مثل مواد اور انتہائی اصلاح پذیر کتب ہائے ہمارے جیسے محتاج لوگوں کو عطا کر گئے ہیں جو ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔اللہ تعالیٰ کی ذات کبریاء حضرت جی کو

اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائے اوران کے درجات کو بلند کرے۔ ہم سب یہاں کے باسی ان کے جانے کے بعد یتیم اور ایک بہت بڑی ہستی سے اکیلے رہ گئے ہیں۔ حضرت جی کی بمطابق لائق شان الفاظ تونہیں لکھ سکا کمی بیشی کی صورت میں معذرت خواہ ہوں۔

شفقت اللہ مشتاق، اسسٹنٹ کمشنر جنرل، کمشنر آفس فیصل آباد

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کا شرف مجھے حاصل ہوا۔ اس کے لئے میں مولانا ابوبکر کا ممنون ومشکور ہوں۔ شام کا وقت تھا۔ مولانا صاحب چارپائی پر باہر تشریف فرما تھے۔ میرا بھائی عبدالقادر مشتاق بھی ہمراہ تھا۔ ہم دونوں بھائیوں نے سلام پیش کیا۔ ان سے گفتگو بھی ہوئی۔ بیماری کے باوجود ان کی طبیعت میں میں نے بیماری کی تکلیف محسوس نہ کی تھی بلکہ ان کے چہرے پر طمانیت، سکون اور اطمینان بدرجہ اتم موجود تھا۔ وہ اپنی گفتگو میں اللہ تعالیٰ کے احسانات کا ذکر فرما رہے تھے۔ مجھے آج بھی یاد ہے کہ وہ خدا کی رضا پر راضی تھے۔ یہی اللہ تعالیٰ کے انعامات یافتہ لوگوں کی نشانی ہے۔ ان کی وفات سے عالم اسلام ایک عظیم مذہبی، علمی اور روحانی شخصیت سے محروم ہوگیا ہے۔ اللہ پاک ان کو اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے درجات بلند فرمائے اور ہمیں ان کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت مولانا محمد عبدالوارث، شیخ الحدیث دارالعلوم المدنیہ چنیوٹ (۴رجنوری ۲۰۱۵ء)

مخدوم مکرم حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ تلمیذ رشید حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے خصوصی فیض یافتگان میں سے تھے۔ آپ نے اپنی زندگی زہد وتقویٰ، علم وفکر میں گزاری ہے۔ آپ کا ذوق خصوصیت کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص خلفاء راشدین اور سیدنا امیر معاویہ رحمۃ اللہ علیہ سے وابستہ تھا۔ آپ کی تصانیف خصوصاً ''رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ'' آپ کی یادگار تصنیف ہے۔

دعا ہے کہ خدا تعالیٰ آپ کے علمی خزانہ کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازیں، آمین اور آپ کو جنت الفردوس کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات نصیب فرماویں۔ آمین۔

ابوعمار زاہد الراشدی، تنزیل جامعہ محمدی شریف، ضلع چنیوٹ (۴رجنوری ۲۰۱۵ء)

حضرت الاستاذ الشیخ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ امت مسلمہ کا عظیم سرمایہ تھے اور انہوں نے اس دور میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ناموس کے تحفظ، دفاع اور اہل سنت کے موقف ومسلک کے فروغ کے لئے جو عظیم

علمی خدمات سرانجام دی ہیں وہ قیامت تک علماء کرام اور طلبہ کے لئے راہنمائی کا سرچشمہ رہیں گی۔اللہ تعالیٰ ان کے درجات جنت الفردوس میں بلند سے بلند تر فرمائیں اور ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دین کی خدمت کرنے اور کرتے رہنے کی توفیق سے نوازیں۔آمین یارب العالمین۔

محمد ثقلین انور سپرا (ایم پی اے، پی پی 76)

حضرت صاحب دور حاضر کی ایک بہت بڑی دینی وعلمی شخصیت تھے۔آپ نے عالم اسلام کے لئے نادر نسخے تحریر فرمائے۔آپ ایک علم ساز اور دین اسلام کے نابغہ روزگار تھے۔اللہ تعالیٰ ان کی دینی کاوشوں کو قبول فرمائے اور جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کے صدقے ہم ایسوں کی بخشش کا سامان ہو۔

مولانا عبدالغفار خالد احرار، مولانا عزیز الرحمٰن مجاہد، جنرل سیکرٹری، جمعیت اہلسنت والجماعت، ضلع جھنگ، بعداز نماز مغرب، بروز اتوار، ۱۲رربیع الاول ۱۴۳۶ھ، ۴رجنوری ۲۰۱۵ء۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسول الکریم

مجلس احرار اسلام جھنگ کا ایک وفد تعزیت کے لئے حضرت مولانا عبدالقادر خالد احرار کی قیادت میں حاضر ہوا۔آپ کے ہمراہ مولانا عزیز الرحمٰن مجاہد، سیکرٹری جنرل، جمعیت اہلسنت والجماعت جھنگ، محمد انور سعید، حافظ نعیم اللہ، حاجی محمد افضل اور نوجوان طلبہ ہمراہ تھے۔صاحبزادگان سے تعزیت کی۔ہم حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات جلیلہ کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔آپ کی خدمات نئی نسل کے لئے مشعل راہ ہیں۔رب تعالیٰ ہمیں حضرت کی خدمات سے استفادہ فرمانے کی توفیق نصیب فرمائے۔(آمین)

ملک محمد انور، ایکسین محکمہ آبپاشی، بمقام ڈُرہٹہ

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھنا انتہائی مشکل دکھائی دے رہا ہے۔بلند پایہ عالم دین اور مصنف۔انہوں نے حضرت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ شانہ بشانہ کام کر کے اس ادارہ جامعہ محمدی شریف کو عروج تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا۔پورے علاقہ میں انتہائی قابل احترام شخصیت تھے۔اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور درجات بلند فرمائے۔(آمین)

مولانا عمر فاروق، امیر جماعۃ الدعوۃ تحصیل بھوانہ ضلع چنیوٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھتے ہی ایمان اس چیز سے زیادہ ہوجاتا تھا کہ ان کی سادگی یہ تھی گھر کچا، چارپائی سادہ، بستر سادہ، لباس سادہ، کھانا سادہ۔ غریب امیر سے سلوک برابر رکھنا۔ اس بات سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ حدیث یاد آتی ہے۔ آپ نے جب اپنے ایک صحابی کو چھپری کا گھر بناتے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا کیا میرے پیارے صحابی تو نے آخرت کے گھر کی تیاری کر رکھی ہے۔ تو اس بات کے موجب مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی صراط مستقیم پر چلائے۔ (آمین)

حافظ شفیق الرحمٰن قاسمی چشتی صابری، حال مقیم خانقاہ نفیسیہ چشتیہ صابریہ سادھوکی، تحصیل کامونکی، ضلع گوجرانوالہ

حضرت اقدس قاری عبید الرحمٰن شاہ جمالی خانقاہ امینیہ چشتیہ صابریہ مدنیہ جامعہ سعدیہ طارق آباد، پینسرہ روڈ گوجرہ، ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

آج مورخہ ۱۵/ربیع الاول ۱۴۳۶ھ بمطابق ۷/جنوری ۲۰۱۵ء بروز بدھ کو برادر بزرگ حضرت قاری عبدالرحمٰن کی معیت و رفاقت میں نافع الخلق فی الدارین حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ ساکن جامعہ محمدی شریف ضلع چنیوٹ کی تعزیت کے لئے جامعہ محمدی شریف میں حاضری ہوئی۔ حضرت مرحوم و مغفور کے فرزند حضرت مولانا مختار عمر صاحب و مولانا محمد ابوبکر صاحب زید مجدہما سے ملاقات ہوئی۔ حضرت والا مرحوم اور آپ کے برادر بزرگ حضرت مولانا محمد ذاکر نور اللہ مرقدہ کا تذکرہ ہوا۔ بہت ہی دلچسپ واقعات مولانا مختار عمر صاحب کی زبانی معلوم ہوئے۔ اللہ رب العزت حضرت مولانا محمد نافع نور اللہ مرقدہ کی دینی، قومی، ملکی، ملی خدمات جلیلہ کو شرفِ قبولیت سے نوازے۔ (آمین ثم آمین)

عبدالحق چیمہ، ایڈیشنل ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج، بھلوال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی شان میری نظر میں یہ تھی اور رہے گی کہ میں خدمت اقدس میں جب بھی حاضر ہوا تو اس نیت سے حاضر ہوا کہ اس ہستی پر خداوند کریم کی خصوصی رحمت ہے اور رحمت کے سایہ میں، میں بھی

ٹائم گزار آؤں۔

ڈاکٹر محمد افضل، ایم ایس (ریٹائرڈ)، لیڈی ولنگڈن ہسپتال، لاہور (۵ر جنوری ۲۰۱۵ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی وفات اہل علم میں ایسا خلا ہے جس کا پر ہونا مستقبل قریب میں نظر نہیں آتا۔ آپ ایک انتہائی باعمل، اہل بصیرت عالم دین تھے۔ آپ کی تصنیفات خصوصاً ''رُحَمَآءُ بَیۡنَهُمۡ'' موجودہ ملکی حالات میں ہم سب مسلمانوں کے لئے اتحاد و یگانگت کا درس و پیغام ہے۔ ان کی یہ کتاب اولاد کے ساتھ ساتھ صدقہ جاریہ ہے۔ ان کے جنازہ میں شرکت کو اپنی مغفرت کا ذریعہ سمجھ کر میرے جیسے کئی لوگوں نے شرکت کی سعادت حاصل کی۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات مزید بلند فرمائے اور ہمیں ان کی تعلیمات اور تصانیف سے استفادہ کرنے کی توفیق بخشے۔

حبیب الرحمٰن، مرکز ختم نبوت، خیابان کالونی نمبر ۲، عمران روڈ، فیصل آباد

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کا دنیا سے چلے جانا حق تعالیٰ کا حکم تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو دنیا میں بطور اپنا نائب اور حقیقی مسلمان ہونے کے ساتھ دنیا والوں کے لئے ہدایت اور راہنمائی کے لئے رکھا ہوا تھا۔ حق تعالیٰ ان کی وجہ سے ہمارے حال پر بھی رحم فرمائیں اور ان کے آخرت میں درجات بلند سے بلند تر فرمائیں۔ (آمین یارب العالمین)

مولانا محمد ثناء اللہ بن مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمۃ اللہ علیہ

لہ الحمد وعلیہ السلام

محقق العصر امام اہلسنت حضرت اقدس مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ فاضل دار العلوم دیوبند نے مذہب اہل سنت کی جس طرح ترجمانی کی ہے یہ اپنی مثال آپ ہے۔ ان کی علمی، تصنیفی خدمات گمگشتہ راہ لوگوں کے لئے چراغ راہ اور مینارۂ نور ہیں۔

ان کی خدمت اس بات کا اعتراف ہے کہ اگر حضرت یہاں نہ ہوتے تو قریب کے سات اضلاع کفر و شرک کے اندھیروں میں ہی بھٹکے رہتے۔ جن کی راہنمائی کا سامان حضرت کی کتب کی صورت میں موجود ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات اور کتب آنے والی نسل کیلئے راہ ہدایت اور حضرت کیلئے صدقہ جاریہ ہے۔ دعا

ہے کہ رب العزت ان کی اولاد کو بھی ان کے نقش قدم پر چلتے رہنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین یارب العالمین)

مولانا مشتاق احمد چنیوٹی، مدرس ادارہ مرکزیہ دعوت وارشاد چنیوٹ (۶رجنوری ۲۰۱۵ء)

باسمہ سبحانہ

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

استاذ محترم محقق العصر حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کا صدمہ صرف ان کی اولاد اور خاندان کا صدمہ نہیں، اہل علم، اکابرین ومحققین کے لئے بھی برابر کا صدمہ ہے۔ احقر علمی طور پر خود کو یتیم اور بے سہارا محسوس کررہا ہے۔ حضرت نافع الملت کے ملت اسلامیہ پر علمی لحاظ سے بڑے احسانات ہیں۔ آپ نے عظمت صحابہ کا پرچم جس طرح بلند رکھا ہے اپنی مثال آپ ہے۔ اللہ جل شانہ استاذ گرامی مرحوم کی خدمات کو قبول فرمائیں اور تمام متعلقین کو ان کے مشن کو جاری رکھنے کی توفیق دیں۔ (آمین ثم آمین)

پروفیسر ڈاکٹر سعید بُھٹا، پنجاب یونیورسٹی لاہور (بزبان پنجابی)

حضرت امام الدین رحمۃ اللہ علیہ (میاں محمدی) دے گھرانے نال سانگا تاں صدیاں پرانا ہے۔ ایس خاندان وِچ حضرت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ تے حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ دوا جیہے ڈیوے ہائن جینہاں دا چانن قیامت تیکر رہسی۔ حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ دے فضائل بیان نئے میرے ورگے بے علم دے وسوں باہر ہن۔ میرے ابا جی حضرت میاں محمد بخش بُھٹا رحمۃ اللہ علیہ مولانا صاحب دے بے حد عقیدت مند ہان تے اوہناں دے طفیل میرے نال وی بہت پیار کردے ہان۔ اللہ کرے اوہناں دیاں علمی برکتاں تے روحانی فیض نال ایس دھرتی دے واسیاں نوں ہمیش فائدہ ہوندا رہوے۔

حافظ فیصل بلال، گوجرانوالہ، جنرل سیکرٹری بزم حسان پاکستان، حال مقیم محمدی شریف (۶رجنوری ۲۰۱۵ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عالم اسلام کی عظیم شخصیت حضرت مولانا محمد نافع نور اللہ مرقدہ اہلسنت والجماعت کے عظیم سرمایہ تھے۔ عظمت صحابہ واہل بیت کے موضوع پر حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ اہل حق کی عظیم نشانی مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی رب تعالیٰ دینی خدمات کو قبول فرمائیں۔

مہر محمد نواز بھروانہ، سابقہ ایم پی اے جھنگ

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ جامعہ محمدی شریف میں ایک روشن بے مثل تھے۔ وہ ایک عظیم علمی، ادبی اور روحانی شخصیت تھے۔ ان کی موجودگی تمام اہل علاقہ اور تمام عالم اسلام میں عظیم مرتبت تھی۔ اور ان کے وصال مبارک سے تمام عالم اسلام میں ایک بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے۔ اللہ پاک ان کی روحانیت کے صدقے سے ہم سب پر رحم فرمائے۔

حافظ محمد عبید اللہ فاروقی، جامعہ فاروقیہ بھکر

صوفی عبدالمجید خدامی، شاعر خدام اہلسنت

مولانا عبدالمجید، بھکر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آج مورخہ ۸ر جنوری ۲۰۱۵ء، ۱۶ر ربیع الاول بروز بدھ محمدی شریف میں حضرت اقدس مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ فاضل دیوبند کے وصال کے موقع پر حاضری ہوئی۔ حضرت اقدس کا وجود پورے ملک کے لئے باعث برکت تھا بلکہ حضرت کے فیوض و برکات عالم اسلام کے لئے تھے۔ پوری زندگی حضرت نے دین کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ متعدد حضرات نے خواب بیان کئے کہ خواب میں سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے لئے سلام بھیجے گئے۔ اللہ تعالیٰ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے درجات رافع نافع فرمائے۔

حضرت کے فرزندان گرامی قدر مولانا محمد مختار عمر اور مولانا غلام ابوبکر و دیگر اہل خانہ و دوسرے احباب کو رفقاء کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

پروفیسر جہانگیر، فاران کالج جھنگ (۸ر جنوری ۲۰۱۵ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علم کے یہ موتی جو رب کائنات نے روشنی اور نور بکھیرنے کے لئے اس دنیا میں بھیجے ان کے بچھڑنے کا غم ہمارے بس سے باہر لیکن اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہیں۔ کائنات کے وسیع و عریض انتظام و انصرام اور مخلوقات خاص طور پر اس طرف مخلوق کی راہنمائی کے لئے پیغمبروں کے سلسلے کے رک جانے کے بعد اللہ کے بندوں کا دنیا میں آنا اور جانا تا قیامت جاری رہے گا۔ اللہ کے یہ روشن ستاروں سے دنیا آباد اور پر رونق رہتی ہے اور رہے گی۔

یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ان روشن ستاروں میں ایک تابناک ستارہ ہمارے سینوں میں اسلام کے نور کی کرنیں بکھیرتا اور منور کرتا ہوا عرش بریں کا مکین ہوا۔ اللہ کریم ان پر رحمت کی پھوہار برساتا رہے، جنت کے مکینوں میں عزت و احترام ان کا نصیب ہو۔ قرآن مجید میں خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "میں تم پر راضی تو مجھ پر راضی" کی مجسم تفسیر ہمارے ہاں امانت رہی۔ جس ہستی نے بھیجا اسی ہستی نے بلا لیا۔ ان کے چہرۂ مبارک کی زیارت سے محروم میری دعا ہے کہ اسی خاندان سے ان کا نعم البدل ہمیں عطا فرمائے۔ (آمین)

جنت کے اس مکین کو ہزاروں سلام، محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محفل میں جانے پر ان کو مبارک ہو۔

سید خالد فاروق شاہ بخاری، دار المبلغین، سرگودھا (۸ر جنوری ۲۰۱۵ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم المقام استاذ العلماء حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کسی تعریف کی محتاج نہیں ہے۔ ان کے جانے سے بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے۔ میرے دادا جان امام پاکستان سید احمد شاہ بخاری چوکیروی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے شاگرد بہت ہیں لیکن کوئی معروف شاگرد نہیں ہے تو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے شاگرد مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ جیسا کوئی ایک تو لائے، میرے محمد نافع جیسا دنیا میں کوئی ایک بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت کے صاحبزادگان کی عمروں میں برکت فرمائے۔ حضرت کا فیض تا قیامت جاری و ساری رہے۔ (آمین بجاہ نبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم)۔ (خادمِ حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ)

شاہ نواز بابر ہاشمی، ایڈووکیٹ (۲ر فروری ۲۰۱۵ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

راقم الحروف چند حروف جناب بزرگوار محترم و مکرم مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ان کی کاوش دینی کے بارے نوک قلم پر لانے کی جسارت کر رہا ہے۔ تاہم اس وقت دل کی دھڑکن تیز اور دماغ پریشر میں ہے کیونکہ قبل ازیں اتنی بڑی قد آور شخصیت کے بارے کبھی کچھ لکھنے کا موقع ہی نہ ملا ہے۔

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، جہاں تک میری یادداشت کام کر رہی ہے، نے اپنی پوری زندگی مسلمان کی طرح زندگی گزارنے کے لئے اپنی علمی کام کا بیڑہ اٹھایا اور اس کے لئے کم از کم میری کم عمری سے تاحیات (جب کہ اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں) اپنی ساری زندگی اس کام میں وقف کر کے ہمیں سیدھی راہ پر چلنے کے لئے راہ ہموار کی ہے اور اس کے لئے پوری تندہی سے شب و روز تصنیف کا کام جاری رکھا۔ اللہ پاک صدیوں میں ایسی

شخصیت کا وجود ظاہر فرماتا ہے جو کہ اہل علاقہ میں خوش نصیبی نے جنم لیا اور ان کے مسلک میں حضرت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کی روح کام کرتی نظر آتی ہے۔ایسے خوش نصیب لوگ اس وقت کے عام مولانا حضرات کے اپنے اپنے مسلک پر زور دینے کے برعکس صحیح سمت مسلمان کو جانے کی راہنمائی کرتے ہیں۔اللہ پاک حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائیں اور ہمیں ان کے مسلک کی تقلید کرنے کی فکر بخشیں۔آمین۔(دعا گو)

مولانا سید محمد کفیل شاہ بخاری، نائب امیر مجلس احرار اسلام پاکستان (۱۴؍ربیع الاول ۱۴۳۶ھ) محمدی شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کے صالح بندوں میں سے ایک منفرد اور ممتاز شخصیت تھے۔اللہ تعالیٰ نے ان سے دین کی بے پناہ خدمت لی۔ان کی زبان وقلم خدمت دین اسلام، حضور خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی اتباع اور مخلوق تک دین کی دعوت پہنچانے کے لئے وقف تھے۔انہوں نے دفاعِ اسلام، ابلاغ سیرت رسول خاتم صلی اللہ علیہ وسلم اور دفاع ازواج واصحاب واہل بیت رسول میں اپنی زندگی کھپا دی۔مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ اسم بامسمیٰ تھے۔ان کے وجود سے مخلوق کو بے پناہ نفع ہوا۔وہ جو اپنا علمی اثاثہ پیچھے چھوڑ گئے اس کا فیض ہمیشہ جاری رہے گا۔(ان شاء اللہ) اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور خدمت دین قبول فرمائے اور تمام لواحقین وپسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔(آمین) (طالبِ دعا ومغفرت، دعا گو ودعا جو)

ملک فتح شیر کھوکھر، ایڈووکیٹ، سابق ناظم یونین کونسل متھرومہ (۷؍جنوری ۲۰۱۵ء)

جناب حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ۔میرے پاس ایسے الفاظ نہیں کہ جن سے آنجناب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کو ان میں سموسکوں۔آنجناب حضرت رحمۃ اللہ علیہ گفتار وکردار میں بے مثل تھے۔آپ کے اس دنیا سے اٹھ جانے سے اہل ایمان اور تحقیق سے تعلق رکھنے والے لوگ یتیم ہو گئے اور ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا ہے جو شاید کبھی پر نہ ہو سکے۔اللہ تعالیٰ ان کی دین کے لئے خدمات کے صلے میں آنجناب رحمۃ اللہ علیہ کے درجات کو بلند فرمائے اور ان کے وسیلہ سے ہم گنہگاروں کی مغفرت کا موجب ہوں۔

چوہدری محمد اسلام، ایڈووکیٹ، امیر جماعت اسلامی، چنیوٹ (۷؍جنوری ۲۰۱۵ء)

بسم اللہ تعالیٰ۔حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت نہ صرف اس علاقے کے لئے بلکہ پورے عالم کے لئے صدمے کا باعث بنی کیونکہ ہمارے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ایک عالم کی موت پورے عالم کی موت ہوتی ہے۔''

جناب مولانا رحمۃ اللہ علیہ ایک عالم با عمل تھے اور فکری اور علمی اعتبار سے ہم سب کے لئے ایک مینارۂ نور ہیں۔ ان کا علم ان کی خدمت ہمارے لئے روشن راستہ ہے۔ آپ کی پوری زندگی دین اسلام کی ترویج میں گزری اور انہوں نے ہمیشہ تقویٰ اور خوف خدا کی زندگی خود بھی گزاری اور اسی بات کا درس دیا۔ میری دعا ہے کہ حضرت کی زندگی ہمارے لئے نمونہ بنا دے، ان کی قبر کو نور سے بھر دے اور تا حد نظر وسیع کرے۔ مغفرت فرمائے۔ (آمین) (خاکسار)

محمد اسلم بھروانہ، سابقہ ایم پی اے

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ہمارے پورے علاقہ کے لئے قابل فخر تھی اور اُن کی دینی خدمات، تعلیمات اور کتب مشعل راہ ہیں۔ ہر ایک کو مستفید ہونے کا اللہ تعالیٰ موقع دے۔ (آمین)

ملک احمد علی ارشدؔ (ساکن رشیدا، چنیوٹ) کے تاثرات:

حاجی ملک احمد علی ارشد (مہتمم جامعہ باقیات الصالحات، رشیدہ، چنیوٹ) علاقہ کی کھوکھر برادری کی انتہائی معزز اور محترم شخصیت ہیں۔ وہ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھائی حضرت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کے مخلص مرید ہونے کے ناطے ان کے پورے خاندان سے نہ صرف انتہائی عقیدت بلکہ ان کے ساتھ گھریلو مراسم بھی رکھتے ہیں۔ یوں جتنا قریب سے انہیں مولانا کو دیکھنے کا موقع ملا ہے کم ہی لوگوں کے حصے میں آیا ہوگا۔ انہوں نے اپنے تعزیتی تاثرات میں ماضی کی یادیں بھی تازہ کی ہیں۔ چنانچہ اپنے تاثرات اور یادداشتوں میں لکھتے ہیں:

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے قمری حساب سے ۱۰۳ سال اور شمسی حساب سے ۱۰۰ سال عمر پائی ہے۔ آپ نے شب گیارہ بجے بروز بدھ ۱۰ ربیع الاول ۱۴۳۶ھ بمطابق ۳۱ دسمبر ۲۰۱۴ء کو وصال فرمایا۔ مجھے اپنی زندگی کا ایک طویل عرصہ تک محمدی شریف کے ان دو شہزادوں مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت کرنے کا شرف حاصل رہا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی کس کس خوبی کو بیان کروں اور کون کون سی ادا کو حیطۂ تحریر میں لاؤں؟ راقم جب ۱۹۹۵ء میں حج پر گیا تو وہاں سے میرے ایک عریضہ کے جواب میں آپ نے لکھا:

''عزیز محترم جناب ملک احمد علی صاحب سلم ربکم، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مزاج گرامی؟ دعائے سلامتی کے بعد تحریر ہے کہ آپ کا مکتوب مکہ معظمہ سے ارسال شدہ موصول ہوا اور نہایت قلبی راحت ہوئی۔ الحمد للہ، آپ اپنے ساتھ والوں سمیت بخیرت و عافیت سے رہیں اور اللہ کریم آپ کا سفر مقبول فرمائے اور مزید

ارادۂ خیر کی توفیق نصیب فرمائے۔ ہم ناکاروں کے لئے بھی مقامات مقدسہ میں سلامتیٔ ایمان کی دعائیں کریں خصوصاً دعائے خاتمہ بالایمان کا التزام فرمائیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ اور ہمارا مالک کریم ہمیں دینِ متین کی خدمت کے لئے قبول و منظور فرمائے۔ ان دونوں مقامات کے قیمتی تحفے تو یہی ہیں۔ الحمد للہ یہاں خیریت ہے۔

والسلام مع طلب الدعاء

دعا گو محمد نافع عفا اللہ عنہ

بمقام محمدی شریف ضلع جھنگ پنجاب پاکستان

۲۸ رشوال ۱۴۱۵ھ، ۳۰ رمارچ ۱۹۹۵ء

اس خط میں سب سے قیمتی بات جو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے درج فرمائی وہ ''ان دونوں مقامات کے قیمتی تحفے تو یہی ہیں'' اور یہ بات آپ رحمۃ اللہ علیہ نے میری اس پیشکش کے جواب میں کہی تھی جس میں مَیں نے لکھا تھا کہ یہاں سے جو بھی چیز آپ کو پسند ہو تو حکم فرمائیں تاکہ میں لیتا آؤں۔ مگر آپ رحمۃ اللہ علیہ جیسے درویش خدا مست کو دنیا کی چیزوں سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی؟ سچ ہے کہ ''نگاہِ فقر میں یہ شانِ سکندری کیا ہے؟''

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے معمولات بڑے ہی قابلِ رشک تھے۔ رات کو عشاء کی نماز باجماعت ادا فرما کر گھر کے کچے کمرے میں آکر محوِ استراحت ہوتے۔ تہجد کی نماز گھر میں ادا کرنے کے بعد مناجات و وظائف کا عمل کرتے، پھر صبح کی نماز باجماعت مسجد میں پڑھ کر اشراق کے نوافل تک مسجد میں ہی رہتے۔ بعد ازاں گھر واپس آکر اولاً لسی اور پھر چائے کے ساتھ ناشتہ فرماتے۔ پھر اپنے ضروری کاغذات کا بستہ اٹھا کر اپنے کتب خانہ میں جا کر کام میں مصروف ہو جاتے۔ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد قیلولہ فرماتے اور ظہر کی نماز باجماعت پڑھنے کے بعد پھر تدریس و تصنیف کا سلسلہ شروع ہو جاتا جو عصر کی نماز تک جاری رہتا۔ بعد از نماز عصر گھر تشریف لے آتے اور ملنے ملانے والوں کو وقت عطا کرتے تھے۔ میں نے پوری زندگی آپ رحمۃ اللہ علیہ جیسا نرم دل انسان نہیں دیکھا۔ غالباً ۱۲ رستمبر ۲۰۱۰ء کی بات ہے کہ احقر زیارت کے لئے حاضر ہوا، اس دوران حضرت مولانا عبدالجبار صاحب صدر مدرس مدرسہ دارالہدیٰ چوکیرہ تشریف لائے۔ نہایت خندہ پیشانی سے آپ رحمۃ اللہ علیہ ملے اور فرمایا کہ کمزوری و بیماری کی وجہ سے صحیح ہاتھ اٹھا کر نہیں مل سکتا، ناراض نہ ہو جانا کہ پتہ نہیں یہ تکبر کر رہا ہو، ہم سب مسکرا پڑے۔ میرے سینہ میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات اور زہد و اتقاء کے سینکڑوں واقعات محفوظ ہیں جس کا میں چشم دید گواہ ہوں مگر اب اتنا بوڑھا ہو چکا ہوں کہ یہ ساری باتیں لکھنے سے قاصر ہوں۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کو اجرِ عظیم سے نوازیں اور ان کی خدمات دینیہ سے آنے والی نسلوں کو زیادہ سے زیادہ مستفید و مستفیض ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''کن فی الدنیا کانك غریب'' یعنی تو دنیا میں ایسا رہے جیسا کہ ایک مسافر ہوتا ہے۔ لہٰذا ہم سب اس دنیا میں مسافر ہیں اور ہمارا اصلی گھر آخرت ہے۔ دنیا ہر انسان کی راہِ گزر ہے اور امتحان گاہ ہے جو شخص اس سفر کا توشہ ایمان اور اعمال لے کر گزر گیا وہ کامیاب ہو گیا ورنہ نا کام۔

ہر دم قدم کو رکھ احتیاط سے یہ ساری دُکان شیشہ گر ہے
لگ جائے نہ ٹھیس اسے دیکھ ہاں دیکھ کے چل

جو لوگ صراط مستقیم پر چل کر گزر گئے وہ کامیاب ہو گئے اور اس رستہ پر بڑی رکاوٹیں اور مہمات ہیں۔ جو ان رکاوٹوں، مہمات کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے عبور کر گئے وہ آخرت کی دائمی لذتوں، آسائشوں اور انعامات سے سرفراز ہو گئے۔ انہی نفوس قدسیہ میں سے ہمارے ممدوح شیخ محقق اعظم حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ تھے جنہوں نے یہ دنیا کا سفر بڑے خداداد حوصلہ اور ہمت سے طے کیا۔ آپ کی آخری دم تک ساری زندگی کٹھن مراحل طے کرتے گزری ہے۔ جب بھی آپ کے آخری ایام بیماری میں ملاقات کے وقت دریافت کیا جاتا تو کوئی شکوہ کے الفاظ بولنے کے بجائے آپ کی زبان پر الحمد للہ کا لفظ نکلتا۔ صرف یہی فرماتے کہ سابقہ حال ہے، پھر بھی اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر فرماتے۔ آپ کی زیارت کرنے والا یہ تاثر لے کر جاتا کہ مولیٰ کریم کی رضا پر راضی رہنا ہی چاہئے اور تکلیف میں صبر کرنا چاہیے اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا چاہیے اور یہی سبق آپ کی ملاقات کرنے والا لے کر واپس ہوتا۔

حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایسے رفیق کے بارے تمہارا کیا خیال ہے جس کا حال یہ ہے کہ اگر تم اس کا اعزاز و اکرام کرو، کھانا کھلاؤ، کپڑے پہناؤ اور وہ تمہیں بلا اور مصیبت میں ڈال دے اور اگر تم اس کی توہین کرو، بھوکا ننگا رکھو تو تمہارے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے زیادہ برا ساتھی تو دنیا میں ہو ہی نہیں سکتا۔ آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، وہ تمہارا نفس ہے۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ انہی ہستیوں میں سے تھے جنہوں نے اس حدیث پر عمل کر کے دکھلایا۔ آپ نے ہمیشہ تھوڑا کھایا، معمولی پہنا، معمولی رہائش میں رہنا۔ اس طرح ہر عیش و عشرت کی زندگی کو خیر باد کہہ دیا۔ احقر گزشتہ ماہ ۲۶ رمضان المبارک کو آپ کی ملاقات کے لئے حاضر ہوا تو آپ روزہ سے تھے۔ سخت گرمی تھی، عام ملاقات بند تھی۔ بندہ نے بذریعہ خادم غلام رسول اجازت طلب کی تو آپ نے اجازت فرما دی۔ آپ کے لائق اور تابعدار فرزند میاں مختار احمد عمر ہاتھ سے پنکھا ہلا رہے ہیں۔ آپ کا خادم ہر طرح کی خدمت کر رہا ہے۔ آپ کی یہ تکلیف دیکھ کر احقر نے سوچا کہ آپ بیماری کی اس حالت اور گرمی کی شدت میں روزہ سے ہیں ہمیں تو سبق ہونا

چاہئے کہ روزہ کو ترک نہ کریں۔ اسی لئے فرمایا ہے کہ اللہ کے ولی کو دیکھ کر خدا یاد آئے اور ایمان میں تازگی اور زیادتی ہو اور علم میں زیادتی ہو۔

آپ نے علمی میدان میں کمال کر دیا۔ آپ کی تصنیف دیکھ کر اور پڑھ کر علماء کرام یہی کہنے پر مجبور ہیں کہ آپ نے دین اسلام میں ہر موضوع پر محققانہ تحریر فرمائی ہے کہ آپ کو محقق اعظم پاکستان نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے۔ آپ نے وہ علمی کام کیا ہے جو فی زمانہ ہر شخص نہیں کر پاتا۔ آپ کے اساتذہ کرام کو بھی اس پر ناز اور فخر ہے۔ آپ حضرت مولانا سید احمد شاہ بخاری چوکیروی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔ حضرت پیر سید احمد شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کو احقر سے مطالبہ کیا کہ کیا لے کر آئے ہو تو میں حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کو پیش کر دوں گا جیسا کہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ مصنف تفسیر مظہری کو اپنے پیر و مرشد حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مجھے اگر اللہ تعالیٰ نے کسی تحفہ کا مطالبہ کیا تو میں ثناء اللہ کو پیش کر دوں گا۔

احقر تو ان دونوں برادران کے متعلق یہی کہہ سکتا ہے کہ حضرت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ ایک چلتی پھرتی اسلامی یونیورسٹی تھے اور حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ ایک چلتے پھرتے کتب خانہ تھے۔

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وجہ کائنات، سارے انبیاء کے سردار فرماتے ہیں کہ جتنی تکالیف مجھے پہنچائی گئیں کسی اور نبی کو اتنی تکالیف نہیں پہنچائی گئیں۔ ہر نبی علیہم السلام کو دین کے بارے میں تکالیف برداشت کرنا پڑیں۔ جتنا کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقرب ہوتا ہے اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش امتحان بھی بڑا ہوتا ہے۔ مولا کریم اپنے بندہ کو امتحان کے ذریعے آزماتے ہیں۔ یہ سارے آزمائش کے راستے ہیں۔ ہمارے ممدوح شیخ حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ اسی قافلہ کے ایک فرد تھے جنہوں نے جوانمردی اور حوصلہ اور صبر کے ساتھ یہ آزمائشی منزل طے فرمائی۔ آپ نے تقریباً آٹھ سال تک بیماری کی حالت میں وقت گزارا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سرخرو اور کامیاب ہوئے۔

حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز شہیدوں کا خون اور علماء کرام کی روشنائی جس سے انہوں نے علم دین کی کتابیں لکھی تھیں، باہم تولی جائیں گی تو علماء کی روشنائی شہیدوں کے خون سے زیادہ تلیں گی۔ ہمارے ممدوح حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ انہیں پاک ہستیوں اور علماء کرام میں سے ہیں جنہوں نے علم دین کی کئی کتابیں تالیف فرمائی ہیں۔

مولانا محمد نافع مدظلہ کا بطور معاون ناظم جامعہ محمدی شریف تقرر نامہ

مورخہ ۱۸-۵-۷۱ / ۱۴-۲-۵۲

انتباہ ضروری

راقم الحروف کی مصروفیات اور صحت کی کمزوری کے باعث جامعہ کے متوکلا علی اللہ وسیع عزائم کے مطابق پوری سعی نہ ہو سکنے اور عموماً ''مجلس قانون ساز پنجاب'' کے متعلق سفر پیش آنے سے جامعہ کی خدمات میں کمی اور بسا اوقات جامعہ سے طویل غیر حاضری کی وجہ سے مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ (اعزازی مدرس جامعہ) کو جامعہ محمدی کا معاون ناظم اپنی طرف سے مقرر کیا جاتا ہے۔ کام کے متعلق ایک ضروری حصہ کی تشریح پہلے ایک اطلاع نامہ میں کردی گئی ہے۔ نیز یہ وضاحت کی جاتی ہے کہ چوہدری ولی محمد (ریٹائرڈ ایکسائز انسپکٹر مقیم مگھیانہ) کو پہلے بیرونی امور جامعہ کے لئے معاون ناظم تجویز کیا گیا تھا اور وہ نہایت خلوص کے ساتھ کام کر رہے ہیں تو دو معاون ناظم ہو گئے (بمنہ تعالیٰ) اور نائب ناظم مولوی عبدالرحمٰن بھی بدستور کام کریں گے۔ حق تعالیٰ ہم سب خدام جامعہ کو خدمت جامعہ کی صحیح توفیق عنایت فرمائے اور زیادہ سے زیادہ خدمتِ دین اور مجاہدانہ قوت بخشے (وھو المستعان)

انتباہ! جامعہ کی آئندہ مجلس شوریٰ میں اسے پیش کیا جائے۔

راقم الحروف
دستخط ناظم عمومی
از پیپلز ہاؤس، لاہور

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت میں گرفتاری:

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی: تیسری بار جس وقت ۱۹۵۳ء میں پہلی دفعہ تحریک ختم نبوت شروع ہوئی تھی اس میں بہت مسلمانانِ لاہور شہید ہوئے، بہت گرفتار ہوئے۔ مولانا مرحوم (محمد ذاکر) بھی یہاں محمدی سے چنیوٹ پہنچ کر جلوس ختم نبوت میں شامل ہوئے۔ پھر اختتام جلوس پر گرفتاری پیش کی۔ پھر دوسرے روز بندہ نے بھی گرفتاری پیش کی تھی۔ تین ماہ کے قریب آپ جیل جھنگ، لاہور میں رہے تھے۔ آپ اس وقت پنجاب اسمبلی کے ممبر بھی تھے۔ مولانا کو پہلے رہا کر دیا گیا تھا اور بندہ جیل میں تین ماہ بیس روز گزار کر رہا ہوا تھا۔ (از تذکرہ مجاہد ملت حضرت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ)

جامعۃ الباقیات الصالحات للبنات (رشیدہ) کا سرپرست اعلیٰ:

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بروز جمعۃ المبارک ۱۸ ربیع الاول ۱۴۲۴ھ بمطابق ۲۵/اپریل ۲۰۰۸ء ایک وفد بشمول مولانا قاری عبدالحمید، مہتمم جامعہ انوار القرآن چنیوٹ، مولانا قاری سیف اللہ خالد، ناظم جامعہ اسلامیہ امدادیہ چنیوٹ، جناب چوہدری سلیم احمد چنیوٹ اور احقر احمد علی ارشد (خادم جامعہ ہذا) حاضر ہوا۔ آپ کی زیارت اور علمی استفادہ کے بعد آپ سے جامعہ ہذا (جامعۃ الباقیات الصالحات للبنات) کی سرپرستی کی درخواست کی گئی جو آپ نے بخوشی قبول فرما کر دعائے خیر فرمائی۔

بطور سرپرست اعلیٰ جامعہ کے لئے دعائیہ کلمات:

جامعۃ الباقیات الصالحات للبنات موضع رشیدہ کا قیام دیہاتی ماحول میں ایک بہترین اور شاندار عمل ہے۔ مولا کریم قبول فرمائے۔ (آمین)

شہروں میں تو بچیوں کے مدارس کا انتظام ہے مگر دیہاتوں میں اس کا فقدان ہے۔ بچوں کی نسبت بچیوں کی تعلیم بہت ضروری ہے۔ اس ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے عزیزم ملک احمد علی ارشد کا یہ ایک مستحسن قدم ہے۔ ملک احمد علی ارشد برادر مکرم حضرت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ بانی جامعہ محمدی شریف چنیوٹ کے ایک مخلص مرید ہیں جنہوں نے جامعہ ہذا قائم کر کے برادر مکرم رحمۃ اللہ علیہ کی ایک دلی تمنا اور آرزو کو پورا کر دیا ہے۔ دعا ہے کہ مولا کریم جل شانہ جملہ منتظمین جامعہ ہذا کو اخلاص و استقامت اور ایثار کے ساتھ خدمت کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ (آمین)۔ محمد نافع غفرلہ (۲۱ شعبان ۱۴۳۲ھ)

وجہ تسمیہ:

جامعۃ الباقیات الصالحات للبنات موضع رشیدہ کا افتتاح و سنگ بنیاد مؤرخہ ۱۲ ربیع الاول ۱۴۲۴ھ بمطابق ۳ مئی ۲۰۰۴ء بروز پیر ۱۲ بجے دن استاذ القراء حضرت مولانا قاری محمد یٰسین مدظلہ اور دیگر علماء و قراء کے مبارک ہاتھوں رکھا گیا۔

مرشدی و مربی حضرت اقدس مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ بانی جامعہ محمدی شریف کی دلی خواہش تھی کہ علاقہ ہذا میں ایک مدرسہ بنام باقیات صالحات ہونا چاہیے مگر زندگی نے وفا نہ کی۔ لہٰذا احقر (احمد علی ارشد خادم جامعہ باقیات صالحات) کے دل میں بات آئی کہ اپنے مرشد و محسن کی خواہش کی تکمیل کی جائے۔ اس لئے حضرت مولانا محمد ذاکرؒ کے تجویز کردہ نام کو باعث برکت سمجھتے ہوئے جامعہ ہذا کا نام "جامعۃ الباقیات الصالحات للبنات" رکھا گیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس کی ایک بیٹی ہو اور وہ اس کو ادب سکھائے اور کھانا کھلائے اور بخوشی پرورش کرے تو وہ بیٹی اپنے والد کے لئے داہنے اور بائیں دوزخ کی آگ میں آڑ بن کر جنت میں پہنچادے گی۔

انجم نیازی[1] کے تاثرات:

جناب انجم نیازی مولانا مرحوم رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی عقیدت اور احترام کو اپنے تاثرات میں ایک یادداشت کے طور پر پیش کرتے ہوئے کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

چنیوٹ سے جھنگ جاتے ہوئے تقریباً ۲۵ کلومیٹر کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی بستی یا بس سٹاپ ''جامعہ آباد'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس سے دائیں ہاتھ مڑ کر ایک پتلی سی سڑک ''محمدی شریف'' کی طرف جاتی ہے۔ جامعہ آباد سے محمدی شریف کا فاصلہ تقریباً تین کلومیٹر ہے۔ محمدی شریف ضلع چنیوٹ کا ایک چھوٹا سا مگر بہت اہم قصبہ ہے جو علمی، روحانی اور سیاسی لحاظ سے بہت اہمیت کا حامل ہے۔ جہاں کوئی بڑا زمیندار نہیں رہتا۔ تقریباً سب کے سب کسان اور مزدور پیشہ ہیں۔ جہاں کوئی بنگلہ یا کوٹھی دکھائی نہیں دیتی۔ البتہ ایک بہت خوبصورت جامع مسجد ہے جو مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ نے تعمیر کروائی تھی اور انہوں نے ہی ایک دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی تھی جو ان کی زندگی میں کامیابی سے چلتا رہا۔ یہاں ایک بہت بڑی لائبریری ہے جس میں بہت سی نایاب کتب ہیں، مگر ان کا مطالعہ کرنے والا کوئی نہیں۔

یہ گاؤں پہلے مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی مولانا عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ کی وجہ سے مشہور ہوا جو سیال شریف (سرگودھا) کے سجادہ نشین حضرت مولانا ضیاء الدین کے خلیفہ تھے۔ پھر اس گاؤں کی شہرت کا باعث ان کے بیٹے حضرت مولانا محمد ذاکر بنے جو بیک وقت ایک عالم، پیر اور سیاستدان بھی تھے۔ یہ لوگوں سے ووٹ نہیں مانگتے تھے بلکہ لوگ ان کو خود آکر ووٹ دینے کی پیشکش کیا کرتے تھے۔ یہ اپنے مثالی تقویٰ اور پرہیزگاری کے لئے مشہور تھے۔ ان کے تقویٰ اور پرہیزگاری کی مہکار سارے پاکستان کے کونے کونے تک پھیلی ہوئی تھی۔ ان کی وجہ سے یہ گاؤں مقامی سطح سے اٹھ کر قومی سطح تک جانا پہچانا جاتا تھا۔ اب یہ گاؤں ان کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا محمد نافع کے علم اور تقویٰ کی وجہ سے ساری دنیا میں جانا اور پہچانا جاتا ہے۔ عرب ممالک میں سعودی عرب، مصر، شام، اردن، لبنان، الجزائر وغیرہ تک ان کی شہرت ہے۔

دبلے پتلے جسم کے مالک یہ درویش جو مولانا محمد نافع کے نام سے جانے جاتے ہیں، نہایت معمولی غذا

---

[1] شیر خان نیازی سابق اسسٹنٹ ڈائریکٹر لوکل گورنمنٹ ضلع جھنگ (A.D.L.G) حال مقیم راولپنڈی۔ معروف شاعر ہیں۔ انجم تخلص لکھتے ہیں۔

کھاتے ہیں۔مولانا محمد نافع محض ایک درویش ہی نہیں بلکہ ایک مستند مورخ بھی ہیں۔بان سے بنی ہوئی کھردری چارپائی پر سوتے ہیں، چٹائی پر بیٹھے وہیں اپنا دربار لگاتے ہیں، وہیں اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرتے۔تاریخ میں جھوٹے قصے کہانیوں کو صاف کرتے ہیں، زہریلی جڑی بوٹیوں اور خاردار جھاڑیوں کو جن کو خاص مقصد کے لئے لگایا اور پالا پوسا گیا تھا، اکھاڑ پھینکتے ہیں، سینکڑوں سال تک پرورش پانے والے خودرَو پودے جواب گھنے درختوں کی شکل اختیار کر گئے تھے، اپنے قلم کی ایک ہی ضرب سے نیست و نابود کر دیتے ہیں۔اسلامی تاریخ کے صحن میں گندگی اور غلاظت کے جو ڈھیر جمع کیئے گئے تھے ان کا ایک عظیم محقق کی طرح جائزہ لیتا ہے، اس کے ایک ایک لفظ اور حوالے پر غور کرتا ہے، جرح اور تنقید کا حق استعمال کرتا ہے، ان کو ردّ کرنے کے ناقابل تردید حوالے پیش کرتا ہے۔فیصلہ خود کرنے کے بجائے قارئین پر چھوڑ دیتا ہے۔قارئین کی ڈانٹ ڈپٹ نہیں کرتا، ان کو جاہل اور اَن پڑھ نہیں سمجھتا۔''ہم چوں ما دیگرے نیست'' کا راگ نہیں الاپتا، اپنی تحریروں میں مخالفین کی دل آزاری نہیں کرتا، ان کو طعنے نہیں دیتا، فتوے جاری نہیں کرتا، ان کو ''تو'' اور ''تم'' کہہ کر مخاطب نہیں کرتا۔مخالف کو مخاطب کرتا ہے تو ''دوست''، ''میرے دوست'' کہہ کر کرتا ہے۔ان کی تحریر میں تنقید کا زہر اور کڑواہٹ نہیں ہوتی بلکہ الفاظ نرمی، مٹھاس اور ہمدردی سے لبریز ہوتے ہیں۔کوئی اس کی بات تسلیم کرے یا نہ کرے اس کی بات کا برا نہیں مناتا، اس سے نفرت نہیں کرتا، یہ کسی کو تشدد پر نہیں اکساتا، کسی کو غصہ نہیں دلاتا، کسی کی عزت نفس مجروح نہیں کرتا، جو بھی مؤقف پیش کرتا ہے اس پر اچھی طرح غور کر لیتا ہے۔قابلِ اعتماد حوالہ جات جمع کرتا ہے۔پہلے خود کو مطمئن کرتا ہے پھر دوسروں کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتا ہے۔اس کی تحریروں میں بلا کی تاثیر ہوتی ہے۔الفاظ میں عالمانہ تکبر کے بجائے درویشانہ عاجزی اور انکساری ہوتی ہے۔شہرت اور لالچ سے کوسوں دور بھاگتا ہے، بے نفسی ایسی کہ ملنے والے شرمندہ ہو جاتے ہیں۔اس کی بے طلبی کو دیکھ کر میں سوچتا ہوں کہ اگلی دنیا میں جنت میں اپنے عظیم خوبصورت محل کو دیکھ کر کہیں یہ نہ کہہ دے کہ میرے مالک میرے لئے تو ایک مصلیٰ، ایک لکڑی کی چوکی اور لوٹا ہی کافی ہے۔میں اس بڑے محل کو کیا کروں گا؟

میرے دل میں خیال آتا ہے کہ یہ شخص اپنی تعریف سے دور بھاگتا ہے، قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ اس سے مخاطب ہوگا کہ: ''محمد نافع! میرے بندے! تو نے یہ نیکیاں کی ہیں'' تو اس کے جواب میں یہ ''نہ'' کہہ دے کہ: اللہ میاں! میں تو ناکارہ بندہ ہوں، میں نے تو کوئی نیکی نہیں کی۔یہ اس لیئے میں سوچتا ہوں کہ اس کو کسرِ نفسی کی عادت ہے اور یہ کسرِ نفسی اتنی پختہ ہوگئی ہے کہ یہ اس کے دائرے سے باہر نکل نہیں سکتا۔اس نے اتنا بڑا کام کیا ہے۔اس پر فخر کرنے کے بجائے عاجزی سے اس کا سر جھک جاتا ہے اور جھکا رہتا ہے۔لوگ ٹھیک ہی کہتے ہیں کہ پھل دار شاخِ شجر پھل کے بوجھ سے جھکی رہتی ہے۔

خوش قسمت ہے وہ ماں جس نے اس کو جنم دیا، گود میں لٹایا، گود میں سُلایا، کھلایا پلایا، پالا پوسا۔ خوش قسمت ہے وہ باپ جس نے اس کی پرورش کی۔ خوش قسمت ہے وہ بھائی جس نے اس کی تربیت کی، تعلیم دی اور آگے بڑھنے کا حوصلہ دیا۔ خوش قسمت ہے وہ استاذ جس نے اس کو پڑھایا اور عالم و محقق بنایا۔ خوش قسمت ہے وہ عہد جس میں یہ پیدا ہوا۔ خوش قسمت ہے وہ ملک جس میں اس نے تقریباً اب تک اٹھانوے سال بسر کیئے، جس کو اس نے قابل فخر بنایا۔ خوش قسمت ہے وہ اولاد جس نے اس کے زیر سایہ تربیت پائی، اخلاق سیکھے اور علم حاصل کیا۔ میں بھی کچھ کم خوش قسمت نہیں جس نے کئی بار زیارت کا شرف حاصل کیا، جس کو رہ نمائی ملی، اس کی گفتگو کی مٹھاس سمیٹی، گفتگو کا سلیقہ سیکھا۔

میں جب جھنگ میں تعینات تھا تو اکثر محمدی شریف جایا کرتا تھا۔ ایک بڑی لائبریری میں ایک لکڑی کی چوکی پر ایک دبلا پتلا بزرگ بیٹھا دکھائی دیتا تھا۔ ہر وقت کتب ہی میں مگن دکھائی دیتا تھا۔ اس کے پاس صرف ایک لوہے کی چائے دانی اور مٹی کی ایک پیالی پڑی ہوتی تھی۔ ان کے صرف دو ٹھکانے تھے۔ لائبریری اور گھر کی بیٹھک۔ جہاں ملنے والے حاضر خدمت ہوتے تھے۔ نیاز حاصل کرتے اور گفتگو کی مٹھاس سمیٹتے اور ان کے اخلاق سے لطف حاصل کرتے تھے۔ ہر سوال کا تسلی بخش جواب پاتے تھے۔ جہاں کوئی پروٹوکول نہیں تھا۔ ملنے پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ کسی ملاقاتی کو انتظار نہیں کرنا پڑتا تھا۔ کسی کو پیشگی وقت نہیں مانگنا پڑتا تھا۔ ملاقات کے دورانیہ پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ حضرت آرام فرما رہے ہیں، حضرت غسل فرما رہے ہیں، حضرت لباس بدل رہے ہیں، حضرت فون سن رہے ہیں، حضرت کھانا تناول فرما رہے ہیں، حضرت لکھ رہے ہیں وغیرہ وغیرہ، اس قسم کی باتیں نہیں سنی پڑتی تھیں۔ میں جب کبھی جاتا جس وقت جاتا انہیں موجود پاتا۔ وہ خود چارپائی کھینچ کر بیٹھنے کے لئے کہتے۔ میرے جیسا معمولی آدمی ان کے حسنِ سلوک کی وجہ سے شرمندہ ہو جاتا۔ ہزار بار منع کرتا کہ حضرت! آپ تکلف نہ فرمائیں، ہمیں گنہگار نہ کریں، مگر حضرت کب باز آنے والے تھے۔

● وہ صرف میرے ہی نہیں ہر کسی کے ساتھ ایسا ہی کرتے اور ایسے ہی محبت سے پیش آتے۔ میں جس کسی بزرگ سے ملا ہوں بہت ہی کم سہی مگر تھوڑا بہت رکھ رکھاؤ دیکھا ہے۔ یہ وہ بزرگ ہیں جن میں بڑائی کا رتی بھر شائبہ نہیں ملتا۔ جب ان کی شخصیت پر غور کرنا ہو تو اقبال کا یہ شعر زبان پر آجاتا ہے:

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پر سوز   یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کیلئے

تاثرات حافظ احمد یار[1] (دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور):

حافظ احمد یار جامعہ محمدی شریف کے خوشہ چینوں میں سے ہیں۔ جامعہ محمدی میں قیام کے دوران اور اس کے بعد بھی مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ اس طالب علم پر جو شفقت اور مہربانیاں فرماتے رہے، احسان شناسی کا ثبوت دیتے ہوئے حافظ صاحب نے کچھ یادوں کو تازہ کیا ہے جن سے مولانا کی غریب پروری، ہمدردی اور خیر خواہی جیسی خوبیاں سامنے آتی ہیں۔ چنانچہ تعزیتی تاثرات میں وہ اپنی چشم دید گواہی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

حضرت اقدس مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ زہد وتقویٰ، اپنے اسلاف کے تربیت یافتہ اور ان کی اعلیٰ روایات کے حامل وامین تھے۔ اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آپ نے پاسداری کی بے شمار مثالیں قائم کیں۔ راقم الحروف نے اپنی زندگی میں ایسے فہیم، ذکی، ذہین، محتاط، مدبر، متواضع، سلیم الطبع، مستقل مزاج، مؤرخ، مصنف، صائب الرائے منکسر المزاج اور پابندِ اوقات اشخاص بہت کم دیکھے ہیں۔ آپ سادہ لباس، انتہائی سادہ غذا، دلیل کی گفتار، اتحاد کا علمبردار، طلبہ کے گلے کا ہار، صحابہ پر سوجان سے نثار، باکردار، عابد شب زندہ دار شخصیت کے مالک تھے۔ آپ ناموس اہل بیت اور ناموس صحابہ رضی اللہ عنہم کے بےلوث وکیل تھے۔ آپ کی زندگی کا مقصد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت اور ان کے صحیح مقام کی شناخت اور امت مسلمہ کو یہ باور کرانا تھا کہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت آپس میں شیر وشکر تھے اور ان کے درمیان کسی قسم کا کوئی اختلاف نہ تھا۔ آپ کی تاحیات کوشش رہی کہ ان برگزیدہ ہستیوں سے قلبی ارادت وعقیدت دوبارہ دلوں میں پیدا ہو جائے۔ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ عقیدۂ ختم نبوت کی ترجمانی، عظمت اصحاب واہل بیت رسول اور دینی اقدار کے تحفظ کی صدائیں لگاتے رہے۔

آپ علم وعرفان کے جید عالم باعمل، سچے عاشق رسول اور محب اہل بیت اور خلفاء راشدین کے شیدائی تھے، جو آسمان رشد وہدایت پر آفتاب ومہتاب بن کر چمکے۔ آپ کی مذہبی، ملی، علمی اور دینی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ حضرت مولانا بظاہر ایک فرد تھے مگر حقیقت میں ایک ادارہ، ایک انجمن اور دینی علوم کا ایک منبع ومخزن تھے۔ آپ صاحبِ معرفت، اہل شریعت اور علوم ظاہری وباطنی میں یگانہ روزگار تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا کو علم کی دولت سے مالا مال فرمایا تھا۔ علم وفضل اور پیغمبرانہ اخلاق کے بغیر کوئی بھی شخص اس اعلیٰ منصب کا اہل قرار نہیں پاتا۔ حضرت نے صرف نسبتوں پر اکتفا کر کے تن آسانی سے راحت وآسائش کی زندگی اختیار نہیں کی بلکہ اکتساب علم وفن کے لئے اپنے تن من دھن کو ہمہ تن مصروف رکھا۔ ہم نے دیکھا کہ ایک ایک حوالہ کی تصدیق کے لئے سالہا سال لگ جاتے تھے لیکن غیر مصدقہ ایک لفظ بھی نقل نہ فرماتے۔ قلم کو

---

[1] حافظ احمد یار سابق متعلم جامعہ محمدی شریف، شاہ پور ضلع سرگودھا سے تعلق ہے اور آج کل لاہور میں رہائش پذیر ہیں۔

آئینہ علم سمجھتے ہوئے اس کا خوب اور محتاط استعمال کیا۔ آپ نے متعدد کتب تصنیف کیں جن کے مطالعہ سے دل و دماغ کے دریچے کھلتے چلے جاتے ہیں اور روح کو دائمی سرشاری نصیب ہوتی ہے۔ آپ کے خلوص اور تقویٰ ہی کا نتیجہ ہے کہ آج ان کی تصانیف پوری دنیا میں اتنی مقبول ہوئی ہیں کہ آپ کے سخت ترین مخالفین بھی معترف ہیں۔ بے شمار لوگ ان کی کتب سے استفادہ کے بعد جب ان سے ملاقات کے لئے پہنچتے تو حیران رہ جاتے کہ اتنے دبلے پتلے سادہ درویش نے اتنا بڑا کام کیسے کیا۔

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ انتہائی متقی، پرہیزگار اور ملنسار تھے۔ اپنے بڑے بھائی ولی کامل حضرت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کی طرح جامعہ کی کوئی بھی چیز اپنے استعمال میں لانا تو درکنار اسے دیکھنا بھی گوارہ نہ تھا۔ طلبہ اور دیگر ضرورت مندوں کی اپنی توفیق کے مطابق اپنی جیب سے مدد کیا کرتے تھے۔ ہر آدمی کی دلجوئی اور مطمئن کر کے واپس جانے دیتے تھے۔ نمود و نمائش اور شہرت کے کاموں سے ہمیشہ دور رہتے تھے۔ ہر آنے والے شخص سے اپنے لیئے دین اسلام آخرت کی کامیابی کے لئے دعا کی درخواست ضرور کرتے تھے۔ میں نے کبھی بھی آپ کو خلاف سنت اور خلاف شرع کوئی کام کرتے نہیں دیکھا۔

میاں محمدی جوان کا پورا خاندان اور پھر اس خاندان کا ہر فرد غریب نواز ہے۔ ہر دور میں اس خاندن نے کسی نہ کسی حیثیت سے ہر آدمی کو کسی نہ کسی صورت میں غریب نوازی سے مستفید فرمایا۔ میرے چچا حافظ دوست محمد رحمۃ اللہ علیہ (نابینا) قریباً ۱۹۵۵ء کے دوران محمدی شریف کے بزرگوں کی شہرت سن کر حصول علم کی غرض سے بکھر بار (شاہ پور صدر ضلع سرگودھا) سے محمدی شریف آئے اور یہیں سے قرآنِ مجید حفظ کیا۔ پھر تا حیات محمدی شریف کے ہو کر رہ گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ محمدی شریف کا ہر آدمی ان کو اپنا بھائی، بیٹا اور اپنے خاندان کا فرد سمجھتا تھا۔ اسی لئے حضرت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ اور خاص کر حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ بھی ہمارے چچا جان کو بے حد عزیز جانتے تھے اور ان سے بھائیوں جیسا پیار اور محبت کا سلوک فرماتے تھے۔ چونکہ محمدی شریف کے ہر گھر کا کوئی نہ کوئی فرد حافظ قرآن ہوتا تھا اس لیئے ان کے شوق پیدا ہوا کہ وہ بھی اپنے خاندان کے کسی فرد کو قرآن مجید حفظ کرائیں۔ اسی نیت سے وہ مجھے ۱۹۶۸ء میں محمدی شریف لے گئے اور جامعہ محمدی شریف کے شعبہ حفظ میں قاری غلام محمد آہیر رحمۃ اللہ علیہ (جو لکھنؤ کے فارغ التحصیل مستند قاری تھے) کے پاس داخل کرا دیا۔ لوگوں کو بڑے فخر سے بتاتے کہ یہ میرا بھتیجا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی محمدی شریف کے تمام لوگ مجھے حافظ دوست محمد نابینا کا بھتیجا کہہ کر پکارتے اور پہچانتے ہیں۔ اسی دوران میرا حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آنا جانا ہوا۔ ہر روز نماز عصر کے بعد بندہ جامعہ کے کتب خانہ میں حاضر خدمت ہوتا اور جو خدمت ہوتی انجام دیتا۔ یہ سلسلہ ۱۹۷۹ء تک جاری رہا۔

میرے چچا جان (حافظ دوست محمد نابینا جو کہ غیر شادی شدہ تھے) تقریباً ۴۵ سال کی عمر میں مؤرخہ

۳رجون ۱۹۷۳ء کو موضع ''دُرہٹہ'' (نزد محمدی شریف) کے قریب خیرآباد میں قضائے الٰہی سے انتقال فرما گئے تھے۔ بندہ ان دنوں قرآنِ مجید مکمل حفظ کر چکا تھا۔ ظہر کی نماز کے بعد مجھے بتایا گیا کہ میرے چچا جان انتقال فرما گئے ہیں۔ قاری غلام محمد صاحب اور دیگر ساتھیوں کے ہمراہ خیرآباد پہنچے۔ اس وقت وہاں چچا جان کی نماز جنازہ ادا کی جا رہی تھی۔ نماز جنازہ کے بعد میت کو محمدی شریف لایا گیا۔ محمدی شریف میں تدفین کے تمام انتظامات حضرت مولانا نے اپنی نگرانی میں کرائے اور تدفین اپنے ہاتھوں سے محمدی شریف کے قبرستان میں ہی کروائی۔ اس دن حضرت مولانا اتنے غمگین تھے جیسے اپنا حقیقی بھائی ان سے جدا ہو گیا ہو۔ اگلے دن صبح خود محمدی شریف کی کچی مسجد میں تشریف لائے اور فاتحہ خوانی میں شریک رہے۔ پھر مجھے اپنی نگرانی میں حافظ دوست محمد ڈھڈھی کے ہمراہ بکھر بار روانہ کیا۔ اس طرح دوسرے دن میرے والدین کو چچا جان کی وفات کا علم ہوا۔ کچھ دنوں کے بعد میرے والد صاحب اور دادی جان مجھے محمدی چھوڑنے آئے۔ حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے دادی جان اور والد صاحب کے لئے صبر جمیل کی دعائیں دیں اور ان کی خوب خاطر تواضع کی اور جاتے ہوئے ان کو پانچ روپے دیئے اور میری ہر طرح کی کفالت کی ذمہ داری لی۔ اسی طرح حضرت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ نے میرے والد صاحب کو تسلی دیتے ہوئے میرا خیال رکھنے کی یقین دہانی فرمائی اور پانچ روپے نقد دے کر محمدی شریف سے رخصت فرمایا۔

چچا جان کی وفات کے بعد ولیٔ کامل، غریب نواز حضرت مولانا محمد ذاکر اور حضرت مولانا محمد نافع رحمہما اللہ تعالیٰ نے اپنے بچوں کی طرح میری پرورش فرمائی۔ ہمیشہ شفقت، محبت اور دلجوئی کا معاملہ روا رکھا اور کبھی کسی چیز کی کمی محسوس نہ ہونے دی۔ اسی طرح محمدی شریف کے تمام احباب نے مجھے چچا جان کی جدائی محسوس نہ ہونے دی۔ اس کے بعد بندہ ۱۹۷۹ء تک جامعہ محمدی شریف میں زیرِ تعلیم رہا۔

راقم الحروف کی نوکری میں کوشش اور تعاون:

مارچ ۱۹۷۹ء میں میٹرک کے امتحان سے فارغ ہو کر بندہ کچھ دن محمدی شریف میں قیام کے بعد روزگار کی تلاش میں فیصل آباد چلا گیا اور مولانا محمد یعقوب اخلاقی صاحب، قاری عبدالقیوم صاحب، قاری محمد سلیمان صاحب (سابقہ مدرسین جامعہ) سے مل کر نوکری تلاش کرتا رہا۔ آخرکار قاری عبدالقیوم صاحب نے مجھے ستیانہ روڈ پر ایک مسجد میں بطور مؤذن تقرری کروا دی جسے میں نے غنیمت جانا اور یہاں مجھے ۱۵۰ روپے مشاہرہ ملتا تھا۔ اس دوران میرے استاد محترم قاری غلام محمد صاحب کا اپنی زمین کے کیس کے سلسلہ میں لاہور جانا ہوا اور ان کی ملاقات میاں محمد اسلم جان صاحب سے گلبرگ میں ہوئی۔ قاری صاحب کی شہرت میاں صاحب پہلے ہی سن چکے تھے کہ وہ لکھنؤ کے مستند قاری ہیں۔ میاں صاحب نے ان سے کہا کہ آپ ہمارے بچوں کو گھر پر قرآنِ مجید حفظ کرائیں، ہم آپ کی بھرپور خدمت کریں گے لیکن قاری صاحب نے اپنی گھریلو مجبوریوں کی بنا پر معذرت کر لی۔

تاہم انہوں نے کہا کہ ہم آپ کو اپنے ایک شاگرد قاری صاحب مہیا کر دیتے ہیں جو کہ آپ کے معیار پر پورا اترے گا۔ (غالباً ان کا اشارہ میری طرف تھا) میاں صاحب نے کہا کہ ٹھیک ہے، اس کو میرے پاس بلائیں۔ قاری صاحب نے اس کا ذکر حضرت مولانا محمد نافع صاحب سے کیا اور فرمایا کہ میاں اسلم صاحب کو فوری طور پر ایک ایسے اچھے قاری کی ضرورت ہے جو قرآن مجید کے ساتھ ساتھ اردو، انگریزی اور حساب بھی پڑھا سکے۔

چنانچہ میری تلاش شروع کر دی گئی۔ حافظ محمد یار ہرل کو میرے گاؤں (بکھربار) بھیجا۔ میرے والدین نے کہا کہ وہ محمدی شریف گیا تھا اس کے بعد ہمیں کچھ علم نہیں۔ پھر مولانا صاحب کو کسی نے بتایا کہ وہ فیصل آباد میں مولانا یعقوب اخلاقی صاحب یا قاری عبدالقیوم صاحب کے پاس ہو سکتا ہے۔ مولانا صاحب نے قاری سلیمان صاحب کے ذمہ لگایا کہ اس کو تلاش کر کے میاں اسلم صاحب کے پاس لاہور لے جاؤ۔ قاری صاحب نے حافظ محمد انور (جو کہ فیصل آباد میں ہی نوکری کرتے تھے) کے ذمہ لگایا کہ وہ مجھے تلاش کرے۔ پہلے وہ یعقوب اخلاقی صاحب کے پاس گئے۔ انہوں نے قاری عبدالقیوم صاحب کا پتہ دیا۔ اس طرح حافظ انور صاحب (گلبرگ فیصل آباد) قاری عبدالقیوم صاحب کے پاس گئے اور ان کو ساری صورت حال سے آگاہ کیا۔ قاری صاحب نے کہا وہ ابھی تھوڑی دیر پہلے یہاں سے ستیانہ روڈ والی مسجد میں گیا ہے۔ وہ جا کر اس سے مل لیں۔ حافظ صاحب جب مسجد پہنچے تو میں موجود نہیں تھا۔ شام کو مجھے پیغام ملا کہ میں قاری سلیمان صاحب کو (دربار غوثیہ ڈی گراؤنڈ) ملوں۔ چنانچہ میں اسی روز عشاء کی نماز کے بعد قاری صاحب کے پاس چلا گیا اور قاری صاحب نے ساری صورتحال سے آگاہ کیا۔ اگلے دن قاری سلیمان صاحب کے ساتھ لاہور جانے کا پروگرام بنا۔ اس طرح قاری صاحب اپنے خرچہ پر مجھے لاہور لے کر آئے۔ رات جی او آر تھری کی مسجد میں نصرت علی اثیر، حافظ عبدالرحمٰن، ڈاکٹر غلام محمد کھچی کے ہاں گزاری اور اگلے روز صبح کی نماز کے بعد قاری صاحب مجھے لے کر میاں محمد اسلم جان صاحب کے پاس 80-B-iii گلبرگ پہنچے۔ مجھے کہا گیا تھا کہ آپ نے تنخواہ کی کوئی بات نہیں کرنی۔ میاں صاحب بہت اچھے آدمی ہیں، آپ کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے۔ چنانچہ میاں اسلم صاحب نے بچوں کو حفظ کرانے کے لئے مجھے اپنے پاس رکھ لیا۔ تقریباً ایک ماہ بعد کھانا اور رہائش کے علاوہ میاں صاحب نے مجھے جون ۱۹۷۹ء کو ۴۰۰ روپے مشاہرہ دیا جو کہ میں نے میاں سلیمان صاحب کے ذریعے پوری رقم والد صاحب کے نام منی آرڈر کر دی۔ جب یہ میرے والد صاحب کو ملی تو ان کو یقین نہ آیا اور لوگوں سے کہا یہ رقم کسی نے میرے بیٹے سے فراڈ کر کے رقم مجھے بھیجی ہے کیونکہ وہ اتنے پیسے نہیں کما سکتا۔

تقریباً دو اڑھائی سال بعد جب میاں صاحب کے بچے قرآنِ مجید حفظ کر چکے تو میں پھر نوکری کے لئے پریشان ہو گیا۔ اس دوران بھی حضرت مولانا میرے نوکری کی بھرپور کوشش فرماتے رہے۔ صاحبزادہ میاں مختار

احمد عمر کو حکم دیا کہ حافظ صاحب کے لئے نوکری تلاش کرو۔ چنانچہ میاں مختار صاحب نے اس سلسلہ میں بہت تگ و دو کی۔ بے شمار لوگوں سے نوکری کرے لئے کوشش کرتے رہے۔ ان دنوں میاں مختار صاحب کے استاذ مولانا سید محمد متین ہاشمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بہت اچھے مراسم تھے۔ میاں صاحب نے میری نوکری کے لئے قبلہ ہاشمی صاحب اوران کے صاحبزادہ سراج منیر صاحب سے بات کی۔ دونوں حضرات نے نوکری دلوانے کا وعدہ کیا۔ قبلہ ہاشمی صاحب نے وعدہ فرمایا کہ ان شاء اللہ جونہی کوئی جگہ نکلے گی تمہیں نوکری مل جائے گی۔ چنانچہ قبلہ ہاشمی صاحب نے کوشش کر کے اپنے زیر سایہ ریسرچ سیل دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری میں جولائی ۱۹۸۲ء میں بطور جونیئر کلرک اردو ٹائپسٹ بھرتی کرلیا۔ پھر اگلے سال اگست ۱۹۸۳ء میں میرے ساتھ میرے چھوٹے بھائی شان محمد کو لائبریری میں بھرتی کر کے ہمیں نوکری میں مستقل کر دیا گیا۔ اس طرح حضرت مولانا محمد نافع صاحب کی خصوصی توجہ، شفقت، غریب پروری اور مہربانی سے ہم برسر روزگار ہو گئے۔ اس کے بعد ہمارے خاندان کی آئندہ بھی کئی نسلیں بدل گئیں۔

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی غریب پروری، شفقت اوراحسان مندی سے میری بلکہ میرے پورے خاندان کی قسمت ہی بدل گئی۔ اس وقت الحمد للہ ہم تینوں بھائی لاہور میں اچھی ملازمتوں میں تعینات ہیں اوراپنے اپنے مکانوں میں پرسکون زندگی گزار رہے ہیں۔ میری تینوں ہمشیرگان کے بھی لاہور اپنے اپنے مکان ہیں اوران کی اولادیں بھی لاہور میں برسر روزگار ہیں۔ آج مجھ جیسا غریب ابن غریب جس مقام پر ہے یہ صرف اور صرف وکیل صحابہ حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے طفیل اوران کے وسیلہ جمیلہ سے ہے۔ میرا پورا خاندان محسن ملت حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ، محمدی شریف کے تمام احباب اور حضرت قبلہ مولانا سید محمد متین ہاشمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے احسانات کا بدلہ کبھی نہیں چکا سکتا۔

حضرت مولانا کو شاہ پور کے نام سے بڑی محبت تھی اور مجھے ہمیشہ حافظ احمد یار شاہ پوری کے نام سے پکارتے اور یاد فرمایا کرتے تھے۔ ہمیشہ خط وکتابت میں شاہ پوری کے نام سے یاد فرماتے۔ ہمیشہ خط کا جواب ضرور ارسال فرماتے۔ یہ بھی ان کی بندہ نوازی ہے۔

تیری قربت پہ کیوں نہ ہم فخر کریں ناچیز ہوتے ہوئے بھی بنایا ہم سفر ہم کو

احقر کی شادی میں شرکت:

میری معلومات کی حد تک حضرت محمدی شریف میں بھی شادی بیاہ میں بہت کم شرکت فرمایا کرتے تھے۔ اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ آج کل شادی بیاہ میں ہونے والی رسومات کے سخت خلاف تھے۔ نومبر ۱۹۹۰ء میں بندہ نے اپنی شادی خانہ آبادی کا دعوت نامہ محمدی شریف بھیجا تھا۔ اتفاقاً عین شادی سے ایک دن پہلے آنجناب لاہور

تشریف لائے۔ دن کو دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری تشریف لائے۔ میں تو لائبریری سے چھٹی پر تھا البتہ چھوٹا بھائی شان محمد لائبریری میں موجود تھا۔ شان نے حضرت صاحب سے کہا کہ آج آپ بھائی کی شادی میں شرکت کے لئے ہمارے گھر تشریف لائیں۔ حضرت نے فرمایا کہ چونکہ شادی میں خرافات ہیں اس لیئے میں شادی میں شریک نہیں ہوسکتا۔ جب شان نے یقین دلایا کہ ہمارے ہاں دیگر لوگوں کی طرح خرافات اور شور شرابہ نہیں ہے تو آنجناب شادی میں شرکت کے لئے تیار ہو گئے۔ رات الحمدللہ ہمارے غریب خانہ پر بسر کی۔ رات کو دوران عبادات خوب دعا مانگی۔ اس طرح ۲۳ نومبر ۱۹۹۰ء ہمارے لئے ڈبل خوشی کا دن ثابت ہوا اور ہماری خوش بختی کی انتہا نہ رہی۔

کتاب کی قیمت لینے سے انکار پر ناراضگی:

ایک دفعہ حضرت کو ایک کتاب کی تلاش تھی۔ لاہور کے ایک کتب خانہ سے مطلوبہ کتاب مل گئی۔ بندہ نے وہ کتاب فوٹو سٹیٹ کے بعد جلد بندی کروا کر حضرت کی خدمت میں پیش کی۔ آپ کتاب دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور مجھے خوب دعاؤں سے نوازا۔ مجھے بھی خوشی ہوئی کہ میری محنت میرے کام آئی۔ آج کے دور کا کوئی عام قسم کا علامہ، مفتی یا مفکر اعظم ہوتا تو دعاؤں تک ہی محدود رکھتا لیکن آپ نے فرمایا قیمت ادا کیئے بغیر کتاب نہیں لوں گا۔ بندہ نے درخواست کی کہ یہ سب کچھ آپ کی کوشش اور دعاؤں کا صدقہ ہے، لہٰذا آپ کتاب کی قیمت پر اصرار نہ فرمائیں۔ اس پر آپ مجھ سے سخت ناراض ہو گئے اور فرمایا کہ مجھے اس طرح کی کتاب نہیں چاہیے۔ آخر کار مجبوراً مجھے اس کی قیمت آپ سے لینا پڑی۔ اس طرح آپ نے پوری زندگی میں کسی بھی جاننے والے دوست، رشتہ دار، طالب علم سے کوئی ذاتی فائدہ اٹھانا گوارہ نہ کیا۔

مہمان نوازی:

مہمان نوازی میاں محمدی جوان کے خاندان کا طرۂ امتیاز ہے۔ حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں یہ خصوصیت سب پر حاوی تھی۔ آپ کے پاس جس حیثیت سے بھی دور یا قریب سے کوئی آدمی آتا تو سب سے پہلے اس سے کھانے کا پوچھتے۔ بندہ جب بھی لاہور سے محمدی شریف جاتا تو سب سے پہلے گھر والوں کا حال پوچھتے، خاص کر والد صاحب کی خیریت ضرور معلوم کرتے۔ پھر خود یا کسی صاحبزادہ کو بھیج کر گھر سے کھانا منگواتے اور کچھ کھلائے پلائے بغیر کہیں جانے نہ دیتے۔ ایک دفعہ جب میں ان سے ملنے گیا تو شام کا وقت تھا۔ مجھے حکم دیا کہ رات کا کھانا تم نے کہیں نہیں کھانا، میں گھر سے لاؤں گا۔ اتفاق سے مجھے دوست احباب کو ملتے ملتے کافی دیر ہوگئی۔ لوگوں نے مجھے بتایا کہ حضرت مولانا صاحب آپ کا کھانا لے کر کئی بار میاں طیب صاحب کی بیٹھک پر

آئے تھے۔ جب میں بیٹھک پر گیا تو حضرت مولانا کھانا لیئے انتظار فرما رہے تھے۔ ہمیشہ یہی ہوتا کہ جب تک آپ کی تسلی نہ ہو جاتی کہ میں نے کھانا کھا لیا، آپ کو چین نہیں آتا تھا۔ بعد میں بھی جب آپ چلنے سے معذور ہو گئے تھے تو اپنے کسی گھر والے یا خادم کو حکم دیتے کہ فوراً حافظ صاحب کے لئے گھر سے کھانا لاؤ۔ جب میں کھانے سے فارغ ہو جاتا پھر بھی آپ کو تسلی نہ ہوتی جب تک مجھ سے پوچھ نہ لیتے کہ آپ نے کھانا کھا لیا ہے؟ لاہور سے جب بھی کوئی آدمی آپ کو ملنے جاتا تو اپنے ملنے والے سب احباب کی فرداً فرداً سب کا نام لے کر خیریت دریافت کرتے۔ بندہ ناچیز کا نام سرفہرست ہوتا۔

مولانا کے اخلاص کا ایک واقعہ:

۱۹۷۶ء میں حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد جامعہ کے ناظم عمومی کے انتخاب پر کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ ناظم عمومی مولانا محمد نافع صاحب کو بننا چاہیے کیونکہ مولانا محمد ذاکر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی حیات مستعار میں جامعہ محمدی شریف سے غیر حاضری کے دوران جامعہ کے تمام انتظامی معاملات آپ کے سپرد کر کے جایا کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ ہر لحاظ سے اس کے لئے موزوں ترین شخصیت تصور کیئے جاتے تھے۔ جامعہ محمدی شریف کے نئے ناظم عمومی کی نامزدگی کے لئے حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ، سجادہ نشین آستانہ عالیہ سیال شریف (ضلع سرگودھا) کی زیر صدارت اجلاس ہو رہا تھا اور اس اجلاس میں حضرت پیر کرم شاہ صاحب بھی شریک تھے۔ اکثریت مولانا رحمت اللہ صاحب کو جامعہ کا ناظم بنانے کی حامی تھی۔ کچھ کا خیال تھا کہ مولانا محمد نافع صاحب ناظم عمومی کے لئے زیادہ موزوں ہیں جبکہ مولانا محمد نافع صاحب اس سے لاتعلق تھے۔ اسی دوران جامعہ کے ایک طالب علم حافظ غلام حسین ہنجرا ابن مولانا احمد بخش ضیائی مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئے اور کہا کہ حضرت ہم آپ کے ساتھ ہیں، آپ آگے آئیں، بے شمار لوگ آپ کو ناظم بنانے کے حامی ہیں۔ اس بات پر حضرت مولانا سخت طیش میں آ گئے اور حافظ غلام حسین کو سخت ڈانٹا اور فرمایا کہ چلے جاؤ یہاں سے۔ اس طرح جامعہ محمدی شریف اور خاندان آپس کے انتشار اور فتنہ وفساد سے محفوظ رہا۔ یہ واقعہ حافظ غلام حسین رحمۃ اللہ علیہ نے دیال سنگھ لائبریری میں بے شمار محمدی شریف کے متعلقین سمیت مجھ سے بھی بیان کیا تھا۔

ایک دفعہ بچوں کے لئے کچھ کپڑے وغیرہ خریدنے کی غرض سے مجھے ساتھ لے کر انارکلی تشریف لے گئے۔ مختلف دکانوں پر کپڑے پسند کرتے۔ جب کوئی چیز پسند ہوتی تو اس کی قیمت بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے اس کو ترک فرما دیتے۔ میں نے گزارش کی کہ پیسے میں دے دیتا ہوں، آپ یہ خرید لیں تو آپ اس پر راضی نہ ہوئے۔ آخر کار ایک ریڑھی والے سے بچوں کے لئے کپڑوں کی خریداری کر کے واپس آ گئے لیکن مجھ سے بطور اُدھار پیسے لینا بھی گوارہ نہ کیا۔ لاہور میں مختلف اصحاب سے ملاقات کے لئے جاتے وقت بندہ ناچیز کو ساتھ لے

جاتے تھے۔دوران سفر ہمیشہ سواری کے تمام اخراجات اپنی جیب سے ادا کرتے تھے۔

تصانیف میں تغیر وتبدل کی سختی سے ممانعت:

میاں محمد اسلم جان رحمۃ اللہ علیہ ذیلدار، ناظم جامعہ فتحیہ اچھرہ لاہور نے، جو کہ علماء کے بہت قدردان اور خادم تھے، حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی دل و جان سے عزت و احترام کرتے تھے، کہا کہ مولانا کی تصانیف اور تحریریں بہت پرانی طرز کی ہیں اور ان میں تکرار بہت زیادہ ہے۔اس لیئے وقت کے ساتھ ساتھ ان میں جدت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔نیز ان میں جو تکرار ہے اس کو بھی ختم کیا جانا چاہیے۔یہ کام میں اپنے خرچہ پر کرانے کو تیار ہوں۔جب اس کا ذکر حضرت مولانا سے کیا گیا تو آپ نے اس کی سختی سے مخالفت کی اور فرمایا کہ میری تصانیف اور تحریرات میں کبھی بھی تغیر وتبدل نہ کیا جائے۔

باب ششد ہم

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ ---علماءِ وقت کی نظر میں

کسی بھی آدمی کی حیثیت اور مرتبہ و مقام کا تعین صحیح معنوں میں وہی آدمی کر سکتا ہے جو اس کے فیلڈ سے متعلق اور اس کے فن سے آگاہی رکھتا ہو چنانچہ مشہور ہے: ''قدر جوہر جوہری بشناسد'' (جوہر کی قدر جوہری ہی جان سکتا ہے)۔ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ ایک عالم دین اور مصنف و مؤلف تھے تو ان کے علمی اور تصنیفی و تالیفی پایہ کا صحیح اندازہ بھی کوئی عالم اور مصنف ہی کر سکتا ہے۔ مولانا کی وفات حسرت آیات پر ان کے بارے میں متعدد علماء کرام نے مضامین کی شکل میں اپنے اپنے جذبات اور تاثرات کا اظہار کیا۔ ذیل میں ہم ان علماء دین کے جذبات و تاثرات (مضامین) کو درج کر رہے ہیں جس سے ان کی عظمت کا کچھ اندازہ ہو سکے گا۔ ان تاثرات میں اگرچہ کئی جگہ تکرار بھی نظر آتا ہے تاہم ''ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است'' کے مصداق ہر آدمی کے تاثرات کا جدا جدا انداز ہے اور ہر آدمی کے اپنے اپنے جذبات ہیں۔

مولانا عبدالمالک، منصورہ، لاہور[1]

ایک عظیم المرتبت عالمِ دین:

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ گزشتہ ماہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ وہ جلیل القدر اور عظیم المرتبت عالم دین تھے۔ تمام عمر دین کی نشر و اشاعت اور سربلندی میں گزاری۔ علمی میدان میں گراں قدر تالیفات ان کا صدقہ جاریہ ہیں۔ دور حاضر میں ان کا شمار ان چند محققین میں ہوتا ہے جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، ازواج مطہراتؓ، بنات النبی کے موضوع پر مفصل اور مدلل کتب تیار کیں۔

وہ علمی گہرائی اور گیرائی کے باوجود عجز و انکسار کا مرقع تھے۔ اپنے دوستوں اور اہل علم کے ساتھ تعلق نبھانے والے، ان کا خیال رکھنے والے اور قدر کرنے والے تھے۔ عبادت گزاری اور زہد و ورع ان کا ظاہر و باطن تھا۔ ان کا جنازہ بھی عدیم النظیر تھا۔ ملک بھر کے جید علماء، طلبہ اور حفاظ، خطباء اور واعظین نماز جنازہ میں شریک

---

[1] شیخ الحدیث دار العلوم منصورہ، ملتان روڈ، لاہور۔ ''جریدۃ الاتحاد'' کے ایڈیٹر، جمعیت الاتحاد العلماء پاکستان کے سربراہ اور جماعت اسلامی سے وابستہ ہیں۔ آبائی وطن مانسہرہ ہے۔ ۲۰۰۲ء کے الیکشن میں متحدہ مجلس عمل کے ٹکٹ پر اپنے آبائی حلقہ سے ایم این اے منتخب ہوئے۔ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ دیرینہ دوستانہ تعلق ہے۔

تھے۔ جنازہ سے یہ بات نمایاں ہو کر سامنے آئی کہ ان کا حلقۂ عقیدت بہت وسیع تھا اور بہت پاکیزہ اور بلند و بالا تھا۔

صالح اولادیں جناب محمد مختار عمر اور محمد ابو بکر چھوڑی ہیں جو اپنے والد مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی نفع رسانی کا مظہر ہیں۔ خوش اخلاق، ملنسار اور ظاہری و باطنی خوبیوں کے مالک ہیں۔

مولانا ابو المبارک حماد الرحمٰن مدنی[1]

(مدیر مجلہ ''الکوثر'' دار التصنیف والتحقیق والافتاء لاہور)

ایک مخلص عالمِ دین:

کاروانِ اسلاف کے وارث، اہل السنۃ والجماعۃ کے ترجمان، مجتہد و بے بدل مصنف، پیکرِ تواضع، قدیم فال دیوبند، مخلص عالم دین، عالمی شہرت یافتہ کتاب (رُحَمَآءُ بَیۡنَهُمۡ) کے مؤلف، مرجع المحققین ہمارے مخدوم بزرگ حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ ایک صدی کی عمر پا کر ہم سے پردہ کر گئے۔ حضرت کو اللہ تعالیٰ نے اسم بامسمیٰ بنایا تھا۔ حضرت اپنے دریائے علم سے تشنگان کو خوب سیراب کرتے رہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ساری زندگی اپنے زورِ قلم سے باطل کے قدم اکھاڑنے میں صَرف فرمائی۔ احقاق حق و ابطال باطل کے اپنے وقت میں امام کی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ کا خاندان علماء دین و بزرگانِ طریقت کا معروف خاندان تھا۔ آپ کے بھائی مولانا محمد ذاکر (بانی جامعہ دار العلوم محمدی شریف) آپ کے والد مولانا عبد الغفور اور دادا مولانا عبد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہم سب کا شمار جید علماء میں ہوتا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کے بارے میں اس مختصر مضمون میں لکھنا ممکن نہیں، بس یہ کہ حضرت کی تصانیف تحقیق کا وقار، مثبت اندازِ بیان، دلائل و براہین کی ہیبت کی حامل ہیں جس کے ذریعہ آپ نے اہل زیغ والحاد کے مذاہب باطلہ وعزائم مذمومہ کی دھجیاں اڑا کر رکھ دیں اور ان کا چہرہ ان ہی کے آئینہ کے سامنے کر کے دن میں تارے دکھا دیئے۔

چند سال پہلے کی بات ہے جب ایک دوست نے مسجد نبوی شریف میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اطلاع دی تھی اور بتایا تھا کہ حضرت (محمدی شریف) نامی ایک گاؤں میں قیام پذیر ہیں، اسی وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی شدید خواہش نے بار بار دعا پر مجبور کیا اور (محمدی شریف) نام نے دل میں گھر کر لیا تھا۔ بالآخر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ملاقات مقدر فرمائی۔ ترتیب یہ ہوئی کہ ۲۸ رذو الحجہ کو والد صاحب حضرت مفتی عبد الرحمٰن کوثر نے

---

[1] مولانا ابو المبارک حماد الرحمٰن مدنی، حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے اور مولانا عبد الرحمٰن کوثر کے صاحبزادہ ہیں۔ آج کل مدینہ منورہ، سعودی عرب میں متوطن ہیں۔

سرگودھا میں مولانا اشرف علی سرگودھوی کے ہاں جمعہ پڑھایا۔ پھر ان کے ساتھ عصر کے قریب رؤیۃ الصالحین و رحلۃ فی طلب الحدیث کی غرض سے محمدی شریف بمع انجینئر سلمان انور صاحب کے روانہ ہوئے۔ وہاں سب حضرات کو پہلے ہی اطلاع ہوگئی تھی اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے انتظار فرما رہے تھے۔ مغرب کی اذان پر وہاں پہنچے، حضرت باہر چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت کے صاحبزادوں نے فرمایا کہ پہلے آپ نماز پڑھا دیں۔ حضرت والد صاحب کی اقتدا میں تمام حضرات نے نماز ادا کی۔ پھر حضرت کے پاس حاضر ہوئے۔ حضرت نے نہایت مسرت کا اظہار فرمایا۔ تواضع اور اپنی تصانیف عنایت فرمائیں۔ والد صاحب نے عرض کیا کہ اجازت حدیث کی خواہش رکھتے ہیں۔ جس پر حضرت نے ہم سب کو اجازتِ حدیث مرحمت فرمائی اور اکابر کے مسلک کو مضبوطی سے تھامے رکھنے کی وصیت فرمائی۔ حضرت کی اجازت کو اپنے لئے موجب شرف و باعث سعادت سمجھتا ہوں۔ آپ کو حصن حصین کی خصوصی اجازت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل تھی۔ اللہ تعالیٰ حضرت کے جنت الفردوس میں خوب درجات بلند فرمائے۔

اللھم لا تحرمنا أجرہ ولا تفتنا بعدہ واغفر لنا ولہ [1]

مولانا سمیع اللہ سعدی، فیصل آباد

وہ جو بیچتے تھے دوائے دِل:

آج سے تین سال پہلے کی بات ہے کہ اساتذہ کرام کے ساتھ محقق عصر حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ کی زیارت کے لئے محمدی شریف حاضری ہوئی۔ گفتگو کے دوران حضرت نے استاد محترم سے فرمایا کہ ایک حدیث کے بارے میں کچھ خلجان ہے۔ اس کا ایک طریق کتاب الآثار لابی یوسف میں ہے لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کردہ کتاب الآثار مل نہیں رہی۔ حسرت کے ساتھ فرمایا، کاش! کہیں سے مل جائے۔ بندہ نے فوراً عرض کیا کہ حضرت میرے پاس کمپیوٹر میں موجود ہے۔ ان شاءاللہ جاتے ہی پرنٹ نکال کر آپ کی خدمت میں پیش کردوں گا۔ بڑے خوش ہوئے۔ فرمایا کہ پیسے دے دوں گا.... خیر واپسی پر اس کا پرنٹ نکالا تو دوبارہ استاد القراء حضرت مولانا قاری یٰسین صاحب اور چند دیگر اساتذہ کی معیت میں کتاب دینے کے لئے حاضری ہوئی۔ کتاب خدمت اقدس میں حضرت قاری یٰسین صاحب نے پیش کی۔ ساتھ میری طرف اشارہ کر کے عرض کیا کہ اس نے یہ کتاب نکالی ہے۔ بڑے خوش ہوئے۔ بیٹھے بیٹھے کتاب کی ورق گردانی شروع کی اور

---

[1] ماہنامہ ''الکوثر''، جنوری ۲۰۱۵ء، لاہور، ص ۱۴-۱۵۔

چند لمحوں میں اپنی مطلوبہ حدیث ڈھونڈ لی۔ پھر ہمیں بھی وہ حدیث دکھائی اور اس سے متعلق علمی اشکال و جواب پر مختصر و جامع گفتگو کی۔ اور فرمایا کہ اس کے پیسے لے لیں لیکن سب نے یک زبان عرض کیا کہ حضرت یہ ہدیہ ہے، قبول فرمالیں۔ اس پیرانہ سالی میں علم و تحقیق کا شوق اور معاملات کی صفائی دیکھ کر شرم سے پانی پانی ہو گیا اور زبانِ حال سے ''اولئك آبائی لمحبتی منهم'' کہتا رہا.... جن چمکتے تاروں کے دفاع کے لئے زندگی وقف کی تھی۔ اللہ انہی کے ساتھ حشر فرماویں۔ (آمین)[1]

مفتی راشد ابوبکر[2]

محقق اہل سنت کی علمی خدمات:

چنیوٹ سے جھنگ کی طرف تقریباً ۳۵ رکلومیٹر کے فاصلے پر ''جامعہ آباد'' نامی قصبہ واقع ہے جس کے دائیں جانب تین کلومیٹر کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی آبادی ''محمدی شریف'' کے نام سے موسوم ہے جس کا ایک عاشق صادق ۱۳۳۲ھ بمطابق ۱۹۱۵ء میں سفرحج کی سعادت کے لئے مکہ مکرمہ پہنچا۔ مناسک حج کی ادائیگی سے فراغت کے بعد مدینۃ الرسول علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات کی زیارت کا شوق دل میں انگڑائیاں لینے لگا۔ یہ وہ دور تھا جب یہ سفر بذریعہ اونٹ قطع کیا جاتا تھا۔ اس کے لئے جب کوشش کی گئی تو ''نافع'' نامی شتربان سے اجرت پر سواری کا اونٹ دستیاب ہوا۔ شتربان اتنا شریف النفس اور عالی اخلاق انسان تھا کہ حاجی صاحب نے شتربان کا یہ خوبصورت نام الحكمة ضالة المؤمن (دانائی مومن کا گمشدہ سرمایہ ہے) کی شان کے تحت دماغ کے دریچے میں ایک پیاری سی نیت کر کے محفوظ کر لیا۔ سفرحج سے واپسی کے چند سال بعد اس حاجی صاحب کے گھر ایک نومولود نے آنکھ کھولی۔ حاجی صاحب نے اس نومولود کے لئے اس مدنی شتربان کے نام پر اسم ''نافع'' انتخاب کیا۔ عموماً عرب میں مفرد نام ہوتے ہیں تو صرف ''نافع'' کی بجائے تبرکاً ساتھ اسم گرامی ''محمد'' کو لگا کر پورا نام ''محمد نافع'' رکھا۔

قارئین کرام یہ سعادت مند حاجی حضرت مولانا عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ اور خوش قسمت عالم شہیر محقق کبیر وکیل صحابہ حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ تھے جو ۷ اور ۸ ربیع الاول ۱۴۳۶ھ بمطابق ۳۰ دسمبر ۲۰۱۴ء کو عالم اسلام کو داغ مفارقت دے کر ہزاروں محبین و متوسلین کو روتا دھوتا چھوڑ کر راہی ملک بقا ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ

---

[1] ہفت روزہ ''اخبار المدارس''، ۷ تا ۱۳ جنوری ۲۰۱۵ء، ص ۲۔

[2] استاذ و رفیق دارالافتاء، جامعہ فاروقیہ، شجاع آباد۔

رَاجِعُوْنَ○ان اللہ ما اخذ ولہ ما اعطی و کل شیء عندہ باجل مسمٰی ۔

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۵۲ھ بمطابق ۱۹۳۳ء میں قرآن کریم حفظ مکمل کیا۔ اس کے بعد ابتدائی دینی کتب کی تعلیم استاذ مولانا اللہ جوایا شاہ رحمۃ اللہ علیہ اور برادر بزرگوار حضرت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ حضرت کے برادر اکبر حضرت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ امام العصر حضرت مولانا علامہ سیّد محمد انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ رشید اور دیوبند کے فاضل تھے۔ حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۶۲ھ میں عالم اسلام کی مایہ ناز یونیورسٹی دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور دورۂ حدیث مکمل کیا۔ دورۂ حدیث میں حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے دیوبند میں شیخ الادب اعزاز العلماء حضرت مولانا محمد اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ، جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی اعظم حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کیا۔

فراغت کے بعد محمدی شریف کے مقامی ادارہ ''جامعہ محمدی شریف'' میں سلسلۂ تدریس شروع کیا۔ قیام پاکستان (۱۹۴۷ء) کے بعد تنظیم اہلسنت والجماعت کے پلیٹ فارم سے رافضیت کے خلاف کام شروع کیا۔

حضرت کی بنیادی اور امتیازی خصوصیت جو انہیں حضرات اکابر علماء دیوبند کثر اللہ سوادہم سے ورثے میں ملی تھی وہ سادگی تھی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی علمیت ایک مسلمہ حقیقت ہے اور کیوں نہ ہو کہ علم اور تواضع کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور بے تکلف عاجزی حقیقی بلندی کا پیش خیمہ ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ایک معتقد حضرت کی سادگی کا نقشہ کھینچتے ہوئے رقمطراز ہیں ''میں جب جھنگ میں ایڈیشنل ڈائریکٹر لوکل گورنمنٹ کے عہدے پر تعینات تھا تو اکثر محمدی شریف جایا کرتا تھا۔ لائبریری کی چوکی پر ایک دبلے پتلے بزرگ بیٹھے دکھائی دیتے تھے جن کے اردگرد کتابوں کا انبار لگا ہوتا تھا۔ ایک طرف اسٹیل کی چائے دانی اور مٹی کی ایک پیالی پڑی ہوتی تھی اور وہی ان کی کل متاع تھی اور اسی سامان کو وہ نعمت غیر مترقبہ سمجھتے تھے۔''

حضرت کی منجملہ خصوصیات میں سے ایک خصوصیت کثرت مطالعہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ہمہ وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اردگرد کتابوں کا انبار لگا رہتا تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کے کتب کثیر المطالعہ اور سریع المطالعہ تھے۔ جیسا کہ حضرت کے معتمد خاص، منہ بولے فرزند وفاق المدارس العربیہ پاکستان ضلع چنیوٹ کے مسؤل جامعہ اسلامیہ امدادیہ چنیوٹ کے ناظم مولانا سیف اللہ خالد مدظلہ العالی نے بتلایا کہ جس دن حضرت کی مشہور زمانہ کتاب ''رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ'' کا عربی ترجمہ کتابی شکل میں بیروت سے شائع ہو کر ان کے پاس پہنچا تو اتفاق سے اسی دن میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے اس اشاعت پر بہت زیادہ مسرت کا اظہار فرمایا اور ایک نسخہ اپنے دست اقدس سے عنایت فرمایا۔ اس کے ایک ہفتہ بعد دوبارہ جب میں گیا تو باوجود بڑھاپے کے حضرت رحمۃ اللہ علیہ صرف ایک ہفتے کی مختصر مدت میں پوری کتاب کا مطالعہ کر چکے تھے اور نہ صرف مطالعہ بلکہ اس کی

اغلاط کو بھی صفحہ نمبر اور سطر نمبر کے حساب سے قید تحریر میں لا چکے تھے جس کی ایک فوٹو کاپی مجھے بھی عنایت فرمائی۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصیت اور خدمات کا احاطہ اس مختصر تحریر میں نہایت مشکل ہے تاہم حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی پہچان دفاع صحابہ کے مسئلے پر ان کا وہ تحقیقی قلم ہے جس سے مجموعی طور پر ہزاروں صفحات پر مشتمل حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی متعدد کتب منصۂ شہود پر آ کر قبول خاص و عام حاصل کر چکی ہیں۔

مشاجراتِ صحابہ (صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا باہمی تنازع) ایک بڑا اخاردار موضوع ہے کیونکہ حضرات صحابہ دین اور ایمان کے اصل الاصول ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی بارگاہ الٰہی سے بذریعہ کلام اللہ ''من حیث الجماعۃ'' توفیق و تصدیق اور ان کے اعمال کی تائید حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان نبوت سے بھی ثابت ہو چکی ہے۔ مگر پہلی صدی ہی سے ایمان و اسلام کے دشمنوں نے دینِ اسلام کی ان بنیادوں کو متزلزل کرنے کے لئے روایات گھڑیں اور بعد میں بعض مؤرخین نے اپنی تصنیفات کا کاغذی حجم بڑھانے کے لئے من گھڑت و بے سرو پا روایات کو تاریخ بنا کر اپنے ''اخبارات'' میں درج کر دیا۔

بعد کی صدیوں میں ایسے فرقے وجود میں آئے جنہوں نے ظاہری طور پر اسلام کا لبادہ اوڑھا اور اہل بیت کی محبت کا جھوٹا نعرہ لگاتے ہوئے واقعہ کربلا کا سہارا لیا اور اپنے پورے مذہب کی بنیاد بغض صحابہ کے بدبودار شجر پر استوار کی جس سے بعض سادہ لوح عوام کے دلوں میں جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کی بغض و عداوت کی کرب و بلا نے جنم لیا اور آخر کی صدیوں میں تحقیق کے نام پر انہی بے سرو پا روایات کو پھر سے زبان و ادب کے نئے میک اپ کے ساتھ رسائل و جرائد کے پلیٹ فارم سے عامۃ الناس کی عدالت میں بطور ایف آئی آر درج کروا کر گویا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو مجرم کے طور پر پیش کر کے انصاف طلب کیا گیا اور پھر خود ہی بطور فیصلہ کے جھوٹ و سچ سے مرکب تاریخ کو صدقِ محض باور کرا کے قرآن و حدیث پر ترجیح دلوائی گئی۔ یوں جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کی قرآن و سنت کی کامل اتباع، حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ والہانہ محبت، باہمی اُلفت و رحم دلی اور اہل بیت کے ساتھ بے پناہ محبت جیسے متفقہ اور غیر اختلافی امور پر بحث و مباحثے ہونے لگے اور گمراہ فرقوں نے جنم لیا اور امت کا ایک کثیر گروہ اغوائے شیطانی سے گمراہی کی دلدل میں جا پھنسا۔

تو ان حالات میں ضرورت تھی کہ امت کی راہنمائی اس انداز سے کی جائے کہ جس میں نہ تو مناظرانہ و مباحثانہ رنگ ہو اور نہ ہی ایسا عقلی فلسفہ ہو جو عام آدمی کی ذہنی سطح سے ماورا ہو بلکہ عوامی زبان کی سطح کو سامنے رکھ کر عام فہم سادہ انداز میں ایسی مدلل راہنمائی کی جائے کہ جوہر انصاف بین کو نظر آئے اور امت مرحومہ کے دل میں نبوی منشاء کے مطابق حب صحابہ کا شجرۂ مبارک لہلہانے لگے۔

چنانچہ اس عظیم خدمت کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی ذات نافع اور قلم

نافع کا انتخاب فرمایا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت عرق ریزی سے کام کیا۔ تاریخی روایات کی چھان بین کے لئے قرآن وحدیث کی بہترین چھلنی لگائی، روایات کے کذب وصدق کی جانچ پڑتال کے لئے انصاف کا ترازو قائم کیا اور روایات کے رطب ویابس کو الگ کرنے کے لئے معتدل ومعقول معیار قائم کیا جس کی گواہی ہر وہ شخص دے گا جس نے کبھی تلاش حق میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ علم پر حاضری دی ہو۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی دفاع صحابہ کی منجملہ تصانیف میں سے ایک ''رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ'' نامی کتاب ہے جو اپنے موضوع پر ایک منفرد انوکھی اور بے مثال ولازوال کتاب ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے علمی ذوق کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ کتاب کا نام ہی مصنف کا دعویٰ ہے اور پوری کتاب کے سینکڑوں صفحات اسی دعویٰ کی دلیل ہیں۔ چنانچہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ اس کتاب کے بارے میں رقمطراز ہیں ''مولانا محمد نافع صاحب کی کتاب ''رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ'' جو تین جلدوں میں شائع ہوئی ہے اپنے موضوع پر ایسی نادر کتاب ہے کہ اس کی نظیر عربی زبان میں بھی موجود نہیں ہے۔'' یہی وجہ ہے کہ حضرت مفتی محمد تقی عثمانی نے اپنی مشہور زمانہ عربی تصنیف ''تکملہ فتح الملھم فی شرح صحیح المسلم'' کی جلد سوم میں ''رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ'' کے اقتباسات نقل کئے ہیں اور اس کے حوالے دیئے ہیں۔

قاطع رفض وشرک اُستاذم محترم حضرت علامہ محمد عبدالستار تونسوی نور اللہ مرقدہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی کتب پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں ''بندہ نے ان کی اکثر کتب مثلاً: ''رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ'' (مکمل)، حدیث ثقلین، بنات اربعہ، سیرت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، سیرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ دیکھیں۔ ابھی ان کی نئی تالیف فوائد نافعہ ہر دو جلدوں کو تقریباً اکثر مقامات سے دیکھا۔ ماشاء اللہ موصوف نے اہل سنت کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا ہے۔ مولانا موصوف کی مذکورہ کتب میں درج شدہ دلائل ٹھوس، حوالے صحیح اور مطابقی ہیں۔ ان کی تحقیق انیق سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ریت کے ذرات سے سونا الگ کرنا جانتے ہیں۔ ردِ مطاعن میں ان کا انداز تحریر عالمانہ، محققانہ مگر مصلحانہ ہے۔ یہ کتب عقل سلیم وفہم مستقیم رکھنے والے حضرات کے لئے باعث ہدایت اور اہل باطل پر اتمام حجت ہیں۔''[1]

---

[1] ہفت روزہ ''اخبار المدارس''، ۷ تا ۱۳ رجنوری ۲۰۱۵ء، ص ۲۔

مولانا سید محمد زین العابدین[1]

حیات وخدمات:

اس دنیائے رنگ و بو میں حق و باطل کی کشمکش روزِ اول سے جاری ہے۔ باطل نے نہ جانے کیسے کیسے طوفان بلاخیز کھڑے کئے اور کتنے ہی پروپیگنڈے اور ہتھکنڈے استعمال کئے کہ کسی طرح دینِ اسلام کا وہ روشن چراغ جس سے چودہ صدیاں چمکتی چلی آئی ہیں، گل ہو جائے اور اس کے لئے باطل نے کبھی مقدس کتابوں پر کیچڑ اچھالا تو کبھی قابل احترام شخصیات کو داغ دار کرنے کی اپنی سی ناکام کوشش کی لیکن ایک مکر کفار کا ہے اور ایک تدبیر اللہ جل شانہ کی ہے۔ ''اِنَّهُمْ یَكِیْدُوْنَ كَیْدًا وَّاَكِیْدُ كَیْدًا فَمَهِّلِ الْكٰفِرِیْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَیْدًا ''

ظاہر بات ہے کہ اللہ اپنے نیک بندوں کے ذریعہ باطل کے مکر و فریب کو ناکام بنا دیتا ہے۔

رافضیت نے بھی دین اسلام کو بہت نقصان پہنچایا۔ کلام اللہ کو نامکمل باور کرایا، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم پر تبرا کیا، ختم نبوت کو زک پہنچانے کی کوشش کی، غرض تاریخ اسلام کو مسخ کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا لیکن پہلے دن سے اللہ کے نیک بندے سینہ سپر ہو کر میدان میں اترے اور ہر محاذ پر حقیقت کو امت مسلمہ کے سامنے واضح کیا۔ قرآن کریم کی تفاسیر لکھیں، سیرت پر دستاویزیں تیار کیں، ختم نبوت کے عقیدہ کو تقریروں اور تحریروں میں واضح کیا، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات زندگی پر کئی کئی جلدیں لکھ ڈالیں۔

لیکن یہ سارا کام بہت ہی سلجھے ہوئے انداز میں کیا گیا کیونکہ ''جدالِ حسن'' اہل حق کا ہمیشہ سے وطیرہ رہا ہے، خود جہاد و قتال فی سبیل اللہ کا مقصد اللہ کے دین کی سربلندی کو بیان کیا گیا ہے کہ لوگوں کو قتل کرنا مقصود نہیں ہے کہ آخر وقت تک بھی اگر وہ راہِ راست پر آ گئے تو وہ ہمارے بھائی ہیں اور ہم ان کی زندگی کے ضامن ہیں۔

چنانچہ مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا دوست محمد قریشی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ محمد عبدالستار تونسوی رحمۃ اللہ علیہ ایسے حضرات کی ایک لمبی فہرست ہے جنہوں نے سلجھے ہوئے انداز اور بہت ہی شائستہ طریقہ سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت کو بیان کر کے رافضیت کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیئے۔ اس سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی تھے ''حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ'' جن کے نام کے ساتھ کل تک دنیا ''دامت برکاتہم'' کا جملہ لکھا کرتی تھی، آج یہ جملہ ہمیشہ کے لئے چھوٹ گیا ہے۔ قرب قیامت کے اس دور میں اور فتنوں کے اس گھٹاٹوپ اندھیروں میں حضرت مولانا محمد

---

[1] مدرس مدرسہ امام ابو یوسف، شادمان ٹاؤن، کراچی۔

نافع رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت بساغنیمت تھی۔وہ زندہ ولی تھے،سادگی ان پر ختم تھی،درویشی کے وہ پیکر تھے،علم وعمل کے وہ سمندر تھے،معاملات کے وہ کھرے تھے،انہوں نے اپنے سوسالہ دورِ حیات میں ہمارے کراچی ایسے شہروں کی چکاچوند کبھی نہ دیکھی تھی۔وہ پوری زندگی گمنامی میں جھنگ کے ایک چھوٹے سے دیہات میں گزار گئے لیکن دنیا کے راحت وآرام کے حصول کی کبھی تمنا نہیں کی۔ایسی حالت میں جہاں دنیا کی کوئی خاص سہولت بھی میسر نہ تھی، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت پر دسیوں کتابیں لکھیں اور امت کے سامنے پیش کرنے کے لئے''مشاجرات صحابہ'' کے مسئلہ کو منتخب کیا جہاں قلم کی جولانیاں دکھاتے ہوئے بہت سوں کی ٹانگیں پھسل گئی ہیں اور کئی اہل قلم راہ اعتدال سے بھٹک گئے ہیں لیکن حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے آسان انداز میں اعتدال کے ساتھ اہلسنت والجماعت کے مؤقف کو پیش کیا کہ اہل علم عش عش کرا ٹھے۔لائق ذکر ہے کہ عصر حاضر کے تمام قدآور اہل علم آپ کے علمی رسوخ اور راہِ اعتدال کے معترف تھے۔اس سلسلہ میں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کے دوخطوط ملاحظہ ہوں:

''محترم ومعظم مولانا محمد نافع زیدت معالیہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

''رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ''اور''مسئلہ اقربانوازی''کا ایک ایک نسخہ موصول ہوا۔اوّل کو تو ایک ہی دن میں ختم کر کے دم لیا۔دوسرے کا دو تہائی پڑھ چکا ہوں۔حق تعالیٰ شانہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔آپ نے بڑی متانت واعتدال کے ساتھ لکھا ہے جس میں نہ کسی کی دل آزاری ہے،نہ مسلک اہل حق سے انحراف اور سب سے بنیادی نکتہ جس پر نظر مرکوز رہی ہے قبائلی تعصب سے اس معاشرے کا پاک ہونا۔یہ ہر جگہ نمایاں ہے۔جزاکم اللہ احسن الجزاء

قاضی ابوبکر ابن عربی کو بعض لوگوں نے نواصب میں شمار کیا ہے۔اگرچہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ان سے استشہاد کرنا کافی ضمانت ہے۔تاہم بہتر ہوگا کہ ان کے حوالوں کے ساتھ تائیدی حوالے بھی نقل کروائے جائیں۔آپ کی کتابیں کیا کراچی میں دستیاب ہیں؟ ہیں تو کہاں سے ملیں گی؟ دعوات صالحہ کی درخواست ہے۔

والسلام

محمد یوسف عفا اللہ عنہ

۲۴-۸-۱۴۰۱ھ''

دوسرا خط:

''حضرت مخدوم ومکرم مولانا محمد نافع زیدت مکارمہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب کی دونوں کتابوں کا تعارف رمضان وشوال ۱۴۰۱ھ کے پرچہ میں شائع ہوا ہے۔ وہ پرچے بھجوا رہا ہوں۔ حق تعالیٰ شانہ جناب کے علوم ومعارف میں برکت فرمائے۔ دعوات صالحہ کا خواست گار ہوں۔

والسلام

محمد یوسف عفا اللہ عنہ

۸-۱۱-۱۴۰۱ھ (بینات شہید اسلام نمبر)

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی بیش بہا کتب کے مطالعہ سے ان کی علمی عظمت تو زمانہ طالب علمی سے دل ودماغ میں موجزن تھی لیکن گزشتہ دنوں مولانا محمد زاہد اور مولانا سمیع اللہ سعدی سے ان کے وہ عجیب واقعات معلوم ہوئے جس سے اندازہ ہوا کہ وہ درویش صفت عالم ہونے کے ساتھ معاملات کے بھی بالکل کھرے تھے۔ یہ یقین ہو گیا کہ وہ قرنِ اولیٰ کی یادگار اور اسلاف کا عکس جمیل تھے۔

چنیوٹ سے جھنگ جاتے ہوئے ۳۵ رکلومیٹر کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی بستی ہے جو جامعہ آباد کے نام سے مشہور ہے، اس سے دائیں ہاتھ کی طرف تین کلومیٹر کے فاصلہ پر محمدی شریف نام کا ضلع چنیوٹ کا چھوٹا سا قصبہ ہے۔ اس قصبہ میں اول اول مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے والد حضرت مولانا عبدالغفور بن مولانا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ بڑے عالم ربانی کے طور پر مشہور تھے۔ وہ سیال شریف کے سجادہ نشین حضرت مولانا ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز بھی تھے۔ ان کی وفات کے بعد مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھائی حضرت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ (سابق ممبر قومی اسمبلی) نے اپنے علاقے میں اپنی نیکی وطہارت کی بنا پر شہرت پائی اور وہی لوگوں کے مرجع کا مقام بھی رکھتے تھے۔ پھر ان کے انتقال کے بعد حضرت مولانا محمد نافع وہاں کے مشہور اور قد آور عالم کہلائے۔ یہیں آپ کی پیدائش ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۱۵ء میں ہوئی۔ اپنے والد گرامی سے قرآن کریم حفظ کیا۔ ابتدائی دینی کتب مولانا اللہ جوایا شاہ رحمۃ اللہ علیہ اور اپنے بڑے بھائی مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں۔ پھر مدرسہ اشاعت العلوم جامع مسجد کچہری بازار فیصل آباد میں مولانا محمد مسلم عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا حکیم عبدالمجید رحمۃ اللہ علیہ سے فصول اکبری، علم الصیغہ اور نحو میر وغیرہ کتب پڑھیں۔ اسی دوران محمدی شریف میں آپ کے برادر بزرگ مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم محمدی شریف کی بنیاد رکھی تو آپ یہیں منتقل ہو گئے اور مولانا سید احمد شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا قطب الدین اُچھالوی رحمۃ اللہ علیہ مولانا شیر محمد رحمۃ اللہ علیہ، مولانا غلام احمد لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے ہدایۃ النحو، کافیہ، شرح جامی، ایساغوجی، مرقاۃ، شرح

تہذیب، قطبی، میبذی، مختصر المعانی، دیوان متنبی، قدوری، شرح وقایہ، ہدایہ، جلالین، شرح نخبۃ الفکر وغیرہ کتابیں پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔ مزید تعلیم کے لئے آپ واں بھچراں ضلع میانوالی مولانا غلام یٰسین رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تشریف لے گئے اور وہاں سات ماہ میں حمد اللہ، عبدالغفور (حاشیہ شرح جامی) اور مشکوٰۃ شریف وغیرہ پڑھ کر ان سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ بعدازاں ۱۹۴۱ء میں موضع ''اَنہی'' ضلع گجرات میں مولانا ولی اللہ گجراتی کے پاس حاضر خدمت ہوئے اور توضیح وتلویح، مسلم الثبوت، میر زاہد، ملا جلال، میر زاہد رسالہ قطبیہ، میر زاہد امور عامہ، قاضی مبارک، شرح عقائد نسفی اور مطول وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۶۱ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ اس وقت شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے پورے ہند کو تحریک آزادی کے ذریعے شعلہ جوالہ بنا دیا تھا۔ اسی سلسلہ میں آپ کو پابند سلاسل کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ نہ کر سکے اور شیخ الادب حضرت مولانا محمد اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی ریاض الدین رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے صحاح ستہ کی کتابیں پڑھ کر تعلیم سے رسمی فراغت حاصل کی۔ آپ کا رول نمبر ۱۳۰۵۴ ہے۔ اریب قریب کے یہ سارے حضرات جن میں مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ، مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ، مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد یوسف پلندری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد عبیداللہ اشرفی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ شامل ہیں، آپ کے ہم عصر ہیں۔

فراغت کے بعد جامعہ محمدی شریف میں تدریس شروع فرمائی اور وہاں کے ناظم بھی مقرر رہے۔ ساتھ ہی تنظیم اہلسنت والجماعت (جس کے رہنماؤں میں مولانا نور الحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا دوست محمد قریشی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ عبدالستار تونسوی رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں) کے پلیٹ فارم سے ردّ رفض پر کام شروع کیا۔ تنظیم کا ہفت روزہ ''الدعوۃ'' نکلتا تھا اس میں ''تحقیقات نافعہ'' کے عنوان سے مختلف موضوعات پر مضامین لکھنے شروع کئے۔ آپ کے استاذ مولانا سید احمد شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ ماہنامہ ''الفاروق'' کے نام سے ایک رسالہ نکالتے تھے اس کے لئے بھی کئی مضامین لکھے۔ آپ کے مضامین نے بہت جلد قارئین میں ایک حلقہ پیدا کر لیا۔ اسی دوران ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت شروع ہو گئی۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس میں بھی پیش پیش رہے اور جن رہنماؤں کو پس دیوار زنداں کیا گیا آپ بھی ان میں شامل تھے۔ چنانچہ تین ماہ کا عرصہ جھنگ اور لاہور جیل میں گزارا۔ رہائی کے بعد تصنیفی میدان میں ایسا قدم رکھا کہ تادم حیات اسی میں طبع آزمائی فرماتے رہے۔ اس دوران آپ کے قلم سے کئی تحقیقی کتب منصۂ شہود پر آئیں جو ''رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ'' (۴ رجلدیں)، سیرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، سیرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، سوانح حسنین شریفین رضی اللہ عنہما، حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ، بنات اربعہؓ، مسئلہ اقربا نوازی، فوائد نافعہ (۲ رجلدیں)، حدیث ثقلین، مسئلہ ختم نبوت اور سلف صالحین کے نام سے اہل علم وفضل کے درمیان مشہور ہیں اور ان موضوعات پر سند کا درجہ

رکھتی ہیں۔ان کتب کا عربی، انگریزی اور دیگر زبانوں میں ترجمہ بھی ہو رہا ہے۔

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ جیسی گمنام، درویش صفت شخصیت اور زبردست عالم ربانی پر ایک یادگاری خاص نمبر آنا چاہئے تاکہ ان کے پاکیزہ اور سادہ عادات وصفات سامنے آئیں جن کو اپنانے کی آج اس امت کو سخت ضرورت ہے۔رفتید ولے نہ از دل ما۔

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ جیسی بزرگ وعلمی اور روحانی شخصیت کا وجود امت مسلمہ کیلئے برکت ورحمت کا ذریعہ تھا۔مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت ''مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمِ'' کے عین مصداق ہے۔مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فرزندان میں میاں محمد مختار عمر اور میاں غلام ابوبکر صدیقی سمیت لاکھوں شاگرد اور عقیدت مند سوگوار چھوڑے ہیں۔

(ہفت روزہ ''اخبار المدارس'' کراچی، ۷ تا ۱۳ر جنوری ۲۰۱۵ء)

مولانا زاہد الراشدی[۱]

استاذ محترم رحمۃ اللہ علیہ کا سانحۂ ارتحال:

ایک غم ناک خبر نے سب کو رنجیدہ کر دیا کہ استاذ محترم حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا ہے۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔علمی دنیا انہیں اہلسنت والجماعت کے علمی ترجمان اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ناموس ووقار کے تحفظ کی علامت کے طور پر جانتی ہے۔وہ امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس علمی قافلہ کے فرد تھے جنہوں نے اہلسنت والجماعت کے عقائد کے فروغ وتحفظ اور حضرات صحابہ کرام واہل بیت عظام رضی اللہ عنہم کی حیات وخدمات کی اشاعت اور ان کے بارے میں معاندین کی طرف سے مختلف ادوار میں پھیلائے جانے والے اعتراضات اور شکوک وشبہات کے جواب ودفاع میں مسلسل جدوجہد کی ہے۔ان میں حضرت مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ دوست محمد قریشی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا قائم الدین عباسی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا عبدالحیٔ جام پوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ کے اسماء گرامی سرفہرست ہیں جبکہ اس قافلہ کے غالباً آخری فرد حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود دامت برکاتہم کچھ عرصہ سے علیل اور صاحب فراش ہیں۔اللہ تعالیٰ ان سب بزرگوں کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں اور حضرت علامہ صاحب کو صحت کاملہ وعاجلہ سے نوازیں۔

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ والد گرامی حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ کے دورۂ حدیث کے ساتھیوں میں سے تھے۔میرا ان سے استفادہ کا تعلق تو طالب علمی کے دور سے تھا کہ ان کی بہت سی تصانیف

---

[۱] نامور اور وسیع النظر عالم دین، ڈائریکٹر الشریعہ اکیڈمی اور مدیر اعلیٰ ماہنامہ ''الشریعہ''، گوجرانوالہ۔

بالخصوص "رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ" اور حضرت علامہ خالد محمود مدظلہ کے متنوع مضامین کا مجموعہ "عبقات" اس قسم کے مسائل میں میرے لئے راہنمائی کا سب سے بڑا ذریعہ چلے آ رہے ہیں مگر ایک بار مولانا مفتی محمد جمیل خان شہید کی معیت میں چنیوٹ کے چند علماء کرام کے ساتھ جامعہ محمدی شریف میں حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری دی تو ان سے تلمذ کا شرف اور ان کی سند کے ساتھ روایت حدیث کی اجازت کی سعادت بھی ہم لوگوں نے حاصل کی۔ وقتاً فوقتاً ان کی خدمت میں حاضری کا موقع ملتا رہتا تھا۔ وہ شفقتوں اور دعاؤں کے ساتھ ساتھ اپنی کسی تازہ تصنیف سے بھی نوازتے تھے اور کوئی نہ کوئی مسئلہ یا حوالہ بھی ان سے مل جایا کرتا تھا۔

ایسے بزرگوں کی وفات پر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "یَرْفَعُ اللّٰہُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَآءِ" کی عملی تصویر تو ذہن میں پھر سے تازہ ہو جاتی ہے۔ مگر اس خلا کو مسلسل بڑھتے دیکھ کر دل ڈوبنے لگتا ہے۔ مشیت ایزدی کے سامنے کیا چارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت استاذ محترم رحمۃ اللہ علیہ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کریں اور ان کے تلامذہ و متوسلین کو صبر و حوصلہ کے ساتھ اُن کی حسنات کا سلسلہ تادیر جاری رکھنے کی توفیق سے نوازیں۔ (آمین یارب العالمین)[1]

مولانا محمد زاہد[2]

درویش صفت عالم دین:

انتہائی درویش صفت عالم دین کئی کتابوں کے مصنف حضرت مولانا محمد نافع انتقال فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ○ فیصل آباد کے ایک پرائیویٹ ہسپتال میں داخل تھے۔ آج ظہر کے وقت ہی حاضری کی سعادت حاصل ہوئی۔ غنودگی کی حالت میں تھے۔ تاہم پروفیسر ڈاکٹر محمد اشرف جو اس وقت اتفاقاً راؤنڈ پر تھے یہ بتا رہے تھے کہ پہلے سے بہتر ہیں لیکن ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی و کل شیء عندہ باجل مسمی - ان کے صاحبزادے کو اس مصروفیت میں فون کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

جب پہلی مرتبہ ان کے گھر زیارت کے لئے حاضری ہوئی تو خیال تھا کہ اگرچہ گاؤں میں رہتے ہیں لیکن کم از کم دیہاتی شان و شکوہ تو گھر کا ہوگا۔ راہ نما ساتھی نے لے جا کر گاؤں کے ایک بہت ہی سادہ بنے مکان کے سامنے کھڑا کر کے دستک دی۔ حضرت کو اپنے سے دور رکھنے کی کوشش یہ سوچ کر کی کہ یہ جو سامنے ہے یہ سرونٹ

---

[1] ہفت روزہ "اخبار المدارس"، ۷ تا ۱۳ رجنوری ۲۰۱۵ء، ص ۲۔

[2] نائب رئیس و استاذ حدیث جامعہ اسلامیہ امدادیہ، فیصل آباد۔

کوارٹر ہوگا، اصل گھر اس سے آگے ہوگا۔ آخر اتنے مشہور عالم ہیں، علاقے کی نامی گرامی شخصیت اور بھائی اور بھتیجا رکن اسمبلی بنتے رہے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد اندر آنے کے لئے کہا گیا۔ ایک پرانے سے کچے سے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے خیال ہوا کہ یہاں ہمیں کچھ دیر انتظار کرنا ہوگا کہ اصل ملاقات کی جگہ آگے ہوگی۔ کمرے میں پرانے دیہاتی انداز کی کچھ چارپائیاں نظر پڑیں اور داخل ہوتے ہی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہ سراپا مسکنت بنے ایک چارپائی پر تشریف فرما ہیں۔ یہ ہے حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں ان کی پہلی زیارت۔ اس سے پہلے وہ دو دفعہ جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد تشریف لا چکے تھے۔ ان کی تواضع سادگی اور علم دوستی کا نقش دل پر پہلے بھی تھا، اب تو اور گہرا ہوگیا۔ ہر حاضری میں یہ احساس بڑھتا گیا کہ اس دور میں بھی ایسے اللہ کے بندے ہو سکتے ہیں جن میں سچ مچ حب مال اور حب جاہ کا کوئی نشان نظر نہیں آتا۔ بندہ نوازی کی انتہا یہ کہ جب ''رُحَمَآءُ بَیۡنَهُمۡ'' کا عربی ترجمہ چھپ کر آیا تو ان کا پیغام ملا کہ آپ کے لئے کتاب رکھی ہوئی ہے، کبھی خود آئیں اور آکر لے جائیں۔ چنانچہ زیارت اور حصولِ کتاب کا شرف دونوں حاصل ہوئے۔ ابھی انتقال سے چند روز پہلے میں چنیوٹ میں تھا، وہاں کچھ احباب بتا رہے تھے کہ جب بھی ان سے ملنے کے لئے جانا ہوتا ہے آپ کا (اس ناکارہ کا) ذکر خیر ضرور فرماتے ہیں اور حال احوال پوچھتے ہیں (یہی بات جنازے کے بعد چنیوٹ کے ایک اور صاحب نے بھی بتائی)، بلکہ یہ دوست سوچ رہے تھے کہ اب جائیں گے تو ''اشرف التوضیح'' کی چوتھی جلد پیش کریں گے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ خوشی کا اظہار فرمائیں گے۔ یہ بھی پروگرام بنایا کہ ذرا دھند کم ہو جائے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری دیں گے لیکن اس سے اگلی رات ہی موبائل پر پیغام ملا کہ مولانا علیل ہیں اور ہسپتال میں داخل ہیں۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے علمی کمالات اپنی جگہ لیکن یہ درویشی، سادگی، علم دوستی، حب دنیا سے دوری، صرف سامنے ہی نہیں غائبانہ طور پر بھی چھوٹوں پر شفقت اور اچھے الفاظ سے تذکرہ یہ چیزیں تو تقریباً ناپید ہیں۔ اللہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی کروٹ کروٹ مغفرت فرمائیں، ان کی لغزشوں کو معاف فرما کر حسنات کو اعلیٰ درجے میں قبول فرمائیں۔ اللھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ۔[1]

---

[1] ہفت روزہ ''اخبار المدارس''، ۷ تا ۱۳ جنوری ۲۰۱۵ء، ص ۲۔

قاری محمد اکبر توحیدی [1]

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی سادگی:

اسی (۸۰) کے عشرہ کی بات ہے بندہ احقر اکبر توحیدی ٹوبہ ٹیک سنگھ میں مدرسہ عربیہ تعلیم القرآن کلویا چک ۳/۷۹ ج ب میں درجہ حفظ میں مدرس تھا۔ بندہ کے دوست حضرت مولانا محمد حسین جو چک کی جامع مسجد کے خطیب تھے۔ جب بھی میرے پاس تشریف لاتے تو ایک بات ضرور فرماتے کہ آپ کے علاقہ میں ایک بزرگ عالم دین ہیں جن کا نام مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ ان کی زیارت کے لئے جانا ہے۔ میں نے اپنے مولانا کو عرض کیا ضرور جائیں گے۔ ایک دن ہم دونوں پروگرام بنا کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی نیت سے محمدی شریف آپہنچے۔ تانگے سے اتر کر لوگوں سے معلوم کیا تو پتہ چلا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ لنگر خانے میں ہوں گے۔ چونکہ معلوم مجھے بھی نہیں تھا اگرچہ میں محمدی شریف کئی بار آچکا تھا۔

ہم دونوں جارہے تھے، سامنے سے ایک باباجی نظر آئے جو ظاہراً دیہاتی لباس میں ملبوس اور ہاتھ میں تھیلہ، ایک ہاتھ میں لاٹھی تھی۔ ناواقفیت کی وجہ سے ہم نے پوچھا بزرگو ہم نے مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ سے ملنا ہے۔ سلام مصافحہ کے بعد فرمایا آؤ میرے ساتھ، واپس ہو پڑے۔ ایک کچی سی رہائش گاہ میں داخل ہوئے۔ وہاں چارپائیاں پڑی ہوئی تھیں۔ ہمیں بٹھادیا اور بچے کو پانی وغیرہ لینے کے لئے بھیجا۔ خود ہمارے ساتھ بیٹھ گئے، تو ہم نے پوچھا مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کو ملنا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ مولانا کا پتہ نہیں، نافع مجھے ہی کہتے ہیں۔ یہ سننا تھا کہ مولانا محمد حسین جو کہ حضرت کی پائنتی کی طرف بیٹھے ہوئے تھے وہاں سے اٹھ کر زمین پر بیٹھ گئے۔ حضرت نے مشکل سے اٹھا کر ان کو دوسری چارپائی پر بٹھایا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہمارے ساتھ گفتگو فرماتے رہے۔ ہمیں نصیحت فرمائی دین کا کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرنا چاہئے۔ مولانا محمد حسین نے حضرت کی تصنیف کی تعریف فرمائی تو اپنی عاجزی ظاہر فرماتے ہوئے فرمایا میری تو کوئی حیثیت نہیں، اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ ہم نے کچھ مسائل دریافت کرنے تھے وہ کئے، پھر ہمیں دعاؤں کے ساتھ دروازہ تک رخصت فرمایا۔

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ:

قاری محمد اکبر توحیدی جامع مسجد رحمٰن مسلم ٹاؤن نمبر ا، سرگودھا روڈ فیصل آباد کا بیان ہے کہ یہاں کے

---

[1] رحمان مسجد، مسلم ٹاؤن نمبر ا، سرگودھا روڈ فیصل آباد کے خطیب، صاحب صلاحیت عالم دین اور مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے منظور نظر جنہیں متعدد بار حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مہمان نوازی اور خدمت کا شرف حاصل ہوا۔

علماء اور دین سے تعلق رکھنے والے احباب میرے ساتھ حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لئے اکثر جاتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ ہماری مسجد کے نمازی میاں عبدالرحمٰن جو کہ نیک اور صاحب ثروت لوگوں میں سے ہیں، بندہ سے خواہش ظاہر فرمائی کہ حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کو جانا ہے آپ ہمارے ساتھ چلیں۔ پروگرام بنا کر دو تین گاڑیوں میں سب کو ساتھ لیا اپنے بیٹوں کو پوتوں کو نواسوں کو اور کہا کہ چلو تمہیں ایک اللہ کے ولی کی زیارت کرا کر لائیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے لئے ہدیہ وغیرہ بھی لے لئے۔ وہاں پہنچ کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری ہوئی۔ سب سے فرداً فرداً خیریت دریافت فرمائی۔ پھر اللہ کے ذکر میں مشغول ہو گئے۔ اٹھنے سے پہلے میاں عبدالرحمٰن جو کہ خود بڑے ضعیف ہیں اور ساری عمر دعوت و تبلیغ میں لگا دی ہے حضرت سے عرض کیا کہ ہمیں کوئی نصیحت فرمائیں۔ پہلے تو اپنی عاجزی کا اظہار فرمایا پھر ارشاد فرمایا ایک بات یاد رکھنا اپنی اولاد کو دین کی تعلیم ضرور دینا۔

ہمارا اکرام چائے وغیرہ سے فرمایا اور ہمارے حق میں ہاتھ اٹھا کر دعا بھی فرمائی۔ واپسی کی اجازت لیتے ہوئے میاں عبدالرحمٰن نے ایک لفافہ حضرت کے تکیہ کے نیچے رکھ دیا جس میں کچھ رقم تھی۔ ہم واپس فیصل آباد پہنچ گئے۔ دوسرے دن بندہ کو حضرت کے خادم غلام رسول کا فون آیا کہ حضرت فرما رہے ہیں جو آپ کے ساتھ مہمان آئے تھے وہ ایک لفافہ میں رقم چھوڑ گئے ہیں اس کی وضاحت کریں کیونکہ میں مستحق زکوٰۃ نہیں ہوں۔ وہ کیسی رقم ہے؟ میں نے خادم سے عرض کیا وہ ہدیہ ہے۔ پھر دوبارہ فون آیا، اپنی طرف سے نہ کہو، پوچھ کر بتاؤ۔ میں نے میاں صاحب سے معلوم کر کے پھر فون کیا کہ وہ ہدیہ ہی ہے۔ پھر جا کر تسلی ہوئی۔ حضرت کس قدر احتیاط فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان حضرات کی زندگیوں کو اپنانے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین۔

غلام شبیر[1]

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۱۵ء - ۲۰۱۴ء):

یوں تو ادارہ جامعہ محمدی شریف ایک مادرِ علمی رہا ہے اور ایک مدت تک علمی پیاس بجھائی اس لئے بچپن ہی سے علاقائی لحاظ سے اس ادارہ سے میری دل بستگی تھی اور والد محترم استاد محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ کا بھی تعلق جامعہ محمدی شریف کے اکابرین سے گہرا رہا تھا اور سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد تو والد محترم جامعہ ہی کے ہو کر رہ گئے تھے۔ اس لئے بھی ادارہ سے دلی لگاؤ تھا۔

حضرت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کی حیات میں بھی بندہ گاہے گاہے حاضر خدمت ہوتا رہتا تھا لیکن حضرت

[1] ریٹائرڈ سٹینوگرافر، محکمہ تعمیرات، سٹیلائٹ ٹاؤن، جھنگ شہر میں رہائش پذیر ہیں۔

شیخ الحدیث مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ سے نا آشنائی رہی تا آنکہ جھنگ شہر میں ۱۹۶۹ء میں کچھ فتنہ ہوا جس کے نتیجے میں مشترکہ جمعۃ المبارک پرانی عیدگاہ جھنگ صدر میں ہوا۔ شہر کی باقی مسجدوں میں اس دن جمعہ نہ ہوا۔ یہ جمعۃ المبارک نمائندہ جمعہ تھا جس میں تمام مسالک کے لوگ حاضر تھے۔ بندہ بھی نماز جمعہ میں حاضر ہوا۔ نماز سے فراغت پر استاذی سید صادق حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے وہیں ملاقات ہوئی۔ استفسار پر پتا چلا کہ تمام مسالک اہلسنت (بریلوی، دیوبندی اور اہل حدیث) کے علماء نے ایک علمی شخصیت پر اتفاق کیا کہ اگر وہ نماز جمعہ کی امامت کروائیں تو کسی کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ لہٰذا بقول شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہم سب نے نماز جمعہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی اقتدا میں ادا کی ہے جس پر مجھے بے حد خوشی ہوئی کہ آج بھی امت کے اتحاد کے لئے شخصیات موجود ہیں جن پر سب کو اعتماد ہے اور ان کا تعلق میرے آبائی علاقہ سے ہے۔

یوں تو وحدت امت میرا شروع سے ہی نصب العین رہا ہے اور اسی سوچ کے دھارے نے مجھے وحدت امت کا کام کرنے والی شخصیات کے قریب کیا جن میں علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد یوسف دہلوی رحمۃ اللہ علیہ میرے پسندیدہ راہنما ہیں اور انہی کے افکار ہی زندگی کا سرمایہ ہیں۔ اس لئے میں کسی علاقائی شخصیت کی بزرگی کا قائل نہیں ہوں اور نہ ہی میں کسی صاحبزادگی کا قائل ہوں اور نہ کسی سجادہ نشین کی اس لئے تعظیم کرتا ہوں کہ وہ فلاں شخصیت کا بیٹا ہے اور نہ ہی اس عقیدے کا قائل ہوں کہ بزرگان دین جنہوں نے دین کا کام کیا ان کی شان میں گستاخی کر کے جہنم کے قریب پہنچ جاؤں۔ پہلے بھی احتیاط تھی لیکن شیخ الحدیث کی ملاقات کے بعد اور ان کی لازوال تحریروں کے مطالعہ کے بعد دل بالکل ہی مطمئن ہے کہ یہی بزرگان دین ہی امت کا درد اپنے سینے میں رکھتے ہیں اور انہی کا طریقہ صراط المستقیم ہے۔

افراط وتفریط کا قائل نہیں ہوں اور نہ ہی مبالغہ آرائی سے کام لینا میرا ذوق ہے۔ حضرت کی تحریروں میں واقعہ موجود ہے کہ حضرت امام علی بن حسین بن علی (امام زین العابدین) کوفہ کی مسجد میں تشریف فرما تھے اور ایک شخص آیا جو کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ کم وبیش گفتگو کر رہا تھا۔ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا کہ تم مہاجر ہو؟ تو وہ کہنے لگا کہ نہیں۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ تم انصار مدینہ میں سے ہو؟ کہنے لگا نہیں۔ نہ میں مہاجر ہوں اور نہ ہی انصاری ہوں۔ تو حضرت نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور کہا کہ پھر تم کون ہو؟ تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ان لوگوں کے بارے میں گفتگو کرو جو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہیں۔ ہمیں صرف قرآن مجید کا ایک ہی حکم ہے کہ

﴿رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا وَلِاِخۡوَانِنَا الَّذِیۡنَ سَبَقُوۡنَا بِالۡاِیۡمَانِ وَلَا تَجۡعَلۡ فِیۡ قُلُوۡبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا رَبَّنَاۤ اِنَّکَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۰﴾﴾ (سورۃ الحشر: ۱۰)

اے اللہ ہمیں بخش دے اور ان لوگوں کو بھی بخش دے جو کہ ایمان لانے میں ہم سے سبقت لے گئے اور ہمارے دلوں میں ان کے بارے میں کوئی کجی پیدا نہ فرما جو ایمان والے تھے، بے شک تو بخشنے والا مہربان ہے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے پہلی ملاقات:

رائے ونڈ کے عالمی اجتماع پر سے واپسی پر میں اپنے چچازاد بھائی حضرت مولانا شاہ محمد انیس کی خدمت میں حاضر تھا تو مسجد کے حجرے میں شیخ الحدیث مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف فرما تھے جو کہ مولانا کے استاد بھی ہیں۔ یہ میری ان سے پہلی ملاقات تھی، وہ بھی رائے ونڈ کے اجتماع کی دعا میں شرکت کر کے تشریف لائے تھے۔ مولانا شاہ محمد انیس کی اور میری رشتہ داری کی وجہ سے کچھ بے تکلفی ہے۔ اگرچہ میں ان کی اولاد کے برابر ہوں، پھر بھی حضرت کسی نہ کسی عنوان پر مجھ سے چھیڑ چھاڑ کرتے رہتے ہیں۔ اب کی دفعہ مولانا کی موجودگی میں انہوں نے مولانا محمد عمر پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے بارے میں کچھ بات کی جو کہ علمی بحث تھی۔ میں عالم نہ ہونے کی وجہ سے جواب نہ دے سکا مگر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ سے نہ رہا گیا اور ان کو جواب دیا کہ ﴿او میاں! مولانا محمد الیاس دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نسخہ امت کو دیا ہے جس کی وجہ سے لاکھوں مریض شفایاب ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں، لہٰذا یہ نسخہ پر اعتراض کرنا حکیم پر اعتراض کے مترادف ہے جو کہ جائز نہیں۔﴾ اس جملہ سے میری بڑی حوصلہ افزائی ہوئی کہ امت کی فلاح و بہبود پر سارے اکابرین ایک ہیں۔

شب جائے کہ من بودم:

میرے اقربا کچھ لاہور میں مقیم ہیں ان میں سے ایک ڈاکٹر محمد نواز انجم ریڈیالوجسٹ بھی ہیں۔ ان کے ہاں بھی بندہ جب لاہور جائے تو قیام کرتا ہے۔ حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے صحیح تاریخ تو یاد نہیں مگر واقعہ من وعن یاد ہے۔ جب میں شام کے وقت ڈاکٹر صاحب کے مہمان خانہ پر پہنچا تو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قیام ان کے کمرے میں تھا۔ عشاء کے بعد کچھ علمی شخصیات حضرت سے ملاقات کے لئے آئیں جن میں علامہ خالد محمود (انگلینڈ) اور مولانا عبدالرحمٰن اشرفی رحمۃ اللہ علیہ قابل ذکر ہیں۔ حضرت کسی بیماری کی وجہ سے صاحب فراش تھے اور ڈاکٹر صاحب کے ہاں زیر علاج تھے۔ اس لئے ان حضرات کو وہاں آنا پڑا۔ ان حضرات کو کچھ قلمی مسودات حضرت نے دکھائے اور فرمایا کہ ان تحریروں کو پڑھ لو اور اصلاح طلب ہو تو اصلاح کر لو کیونکہ اب میں ضعیف اور بیمار ہوں، لہٰذا آپ حضرات اپنے نام سے اس کو طبع کروالو، میں چاہتا ہوں کہ میری یہ کاوش منظر عام پر آجائے۔ یہ غیر مطبوعہ مسودات بعد میں کتابی شکل میں شائع ہوئے تو پتہ چلا کہ یہ کتاب سیرت حضرت امیر معاویہ رحمۃ اللہ علیہ تھی جو کہ آج علماء امت کے ہاتھوں میں ہے۔ رات کو جب یہ حضرات چلے گئے اور رات کے سائبان

نے ہمیں بھی ڈھانپ لیا اور مجھے نیند آ گئی۔رات کے پچھلے حصہ میں مجھے قضائے حاجت محسوس ہوئی اور لحاف سے سر نکالا تو میری پریشانی اور حیرت کی حد نہ رہی کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے میری چارپائی کے پاؤں کی جانب نوافل کی نیت باندھی ہوئی ہے حالانکہ کمرے میں جنوب کی جانب تخت پوش بھی بچھا ہوا تھا اور دوسری جانب ایک چارپائی کی جگہ بھی خالی تھی مگر حضرت کو اپنے پاؤں کی جانب دیکھ کر میں نے اپنے آپ کو سمجھایا کہ اگر میں اٹھا تو حضرت کو تکلیف ہوگی لہٰذا میں لحاف میں بے حس ہو کر دبک گیا جیسے میرے اندر سانس ہی نہ رہا ہو۔مگر میں جاگتا رہا۔جب ایک گھنٹہ کے قریب وقت گزر گیا تو حضرت نے جھنگ کی مقامی زبان میں دھیمی آواز میں مناجات شروع کر دی جو کہ شب کی خاموشی کی وجہ سے صاف سنائی دے رہی تھی۔حضرت اللہ تعالیٰ سے عجیب الفاظ میں الحاح وزاری کے ساتھ التجا کر رہے تھے کہ ''اللہ سائیاں میں جنگل وچ بیٹھا ہاں، تیرے سوا میرا کوئی مددگار نہیں، میں تیرے نبی دے یاراں دیاں صفتاں لکھدا رہنداہاں، میرے کول کوئی سرمایہ وی نہیں۔ یا اللہ! تو میرے حال نوں بہتر جانداایں۔''

یہ نالائے سحر گاہی فجر کی اذان تک جاری رہا۔میری حالت یہ تھی کہ دعا تو حضرت فرما رہے تھے اور اس پر آمین یا تو اللہ کے فرشتے کہہ رہے تھے یا بندہ گنہگار اور خطا کار کہہ رہا تھا۔اللہ سائیں اس رات کی سنگت کو میرا ذریعہ نجات بنائے۔(آمین ثم آمین)

عاشقاں راشش علامت اے پسر آہ سرد و رنگ زرد و چشم تر
گر تو می پرسی کہ باقی سہ کدام کم خوردن و کم گفتن و خفتن حرام

(ہفت روزہ ''اہلسنت'' کراچی، ۹ تا ۱۵ رجنوری ۲۰۱۵ء/ ۱۷ اربیع الاول ۱۴۲۶ھ، ص ۲۔۳۔)

دفاعِ صحابہ کے محاذ پر مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات، ایک جائزہ

ایک اور نابغہ روزگار شخصیت حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ بھی انتقال کر گئے۔آپ کا انتقال فیصل آباد کے ہسپتال میں ۳۰ دسمبر ۲۰۱۴ء کی شب سوا دس بجے ہوا۔ماشاء اللہ آپ نے تقریباً سو سال عمر پائی۔ آخر وقت تک دل و دماغ، حافظہ، علوم کا استحضار حیرت انگیز طور پر برابر کام کر رہا تھا۔ایسے بزرگوں کی وفات پر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد ''یَرْفَعُ اللّٰهُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَآءِ'' کی عملی تصویر تو ذہن میں پھر سے تازہ ہو جاتی ہے۔

چنیوٹ جامعہ آباد کے شمالی جانب ''محمدی شریف'' کے نام سے ایک گاؤں ہے۔یہاں ایک بزرگ عالم دین حضرت مولانا عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ کو تقریباً ایک صدی قبل اللہ رب العزت نے تین صاحبزادے عطا فرمائے۔

انہوں نے اپنے سب سے چھوٹے صاحبزادے کا نام ''محمد نافع'' رکھا۔ اس کا پس منظر بڑا دلچسپ ہے۔ آپ بھی ملاحظہ فرمایئے!

یہ ۱۹۱۴ء کی بات ہے، مولانا عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ سفر حج کی سعادت کے لئے مکہ مکرمہ پہنچے۔ مناسک حج کی ادائیگی سے فراغت کے بعد مدینۃ الرسول کی زیارت کا شوق دل میں انگڑائیاں لینے لگا۔ یہ وہ دور تھا جب یہ سفر بذریعہ اونٹ قطع کیا جاتا تھا۔ اس کے لئے جب کوشش کی گئی تو ''نافع'' نامی شتربان سے اُجرت پر سواری کا اونٹ دستیاب ہوا۔ شتربان اتنا شریف النفس اور عالی اخلاق انسان تھا کہ مولانا عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ نے شتربان کا یہ خوب صورت نام دماغ کے دریچے میں ایک پیاری سی نیت کر کے محفوظ کر لیا۔ سفر حج سے واپسی کے ایک ہی سال بعد جب ان کے گھر ایک نومولود نے آنکھ کھولی تو انہوں نے اس نومولود کے لئے اُس مدنی شتربان کے نام پر اسم ''نافع'' کا انتخاب کیا اور تبرکاً ساتھ اسم گرامی ''محمد'' کو لگا کر پورا نام ''محمد نافع'' رکھا۔

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ اپنے اساتذہ کی طرح دین کے ہر شعبے میں پیش پیش رہے، تاہم رد رفض ان کا خاص موضوع رہا۔ اسی حوالے سے ان کی خدمات کا ایک سرسری جائزہ ہمارا موضوع تحریر ہے۔ اس تلخ حقیقت سے مجال انکار نہیں کہ رافضیت نے دین اسلام کو بہت نقصان پہنچایا۔ کلام اللہ کو نامکمل باور کرایا، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم پر تبرا کیا، ختم نبوت کو زک پہنچانے کی کوشش کی، غرض تاریخ اسلام کو مسخ کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ لیکن پہلے دن سے اللہ کے نیک بندے سینہ سپر ہو کر میدان میں اترے اور ہر محاذ پر حقیقت کو امت مسلمہ کے سامنے واضح کیا۔ قرآن کریم کی تفاسیر لکھیں، سیرت پر دستاویزیں تیار کیں، ختم نبوت کے عقیدہ کو تقریروں اور تحریروں میں واضح کیا۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات زندگی پر کئی کئی جلدیں لکھ ڈالیں اور یہ سارا کام بہت ہی سلجھے ہوئے انداز میں کیا گیا۔ چنانچہ مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا دوست محمد قریشی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ، علامہ محمد عبدالستار خان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے متاخرین کے ساتھ مؤرخ اسلام حضرت مولانا ابوریحان علامہ ضیاء الرحمٰن فاروقی شہید رحمۃ اللہ علیہ، علامہ علی شیر حیدری شہید رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد اعظم طارق شہید رحمۃ اللہ علیہ ایسے حضرات کی ایک لمبی فہرست ہے جنہوں نے سلجھے ہوئے انداز میں بہت ہی شائستہ طریقہ سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت کو بیان کر کے رافضیت کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیئے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ان محقق علماء نے آپ رحمۃ اللہ علیہ ہی کی کتب سے استفادہ کر کے یہ عظیم کارنامے انجام دیئے۔

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۳۳ء میں حفظ قرآن مکمل کیا۔ اس کے بعد ابتدائی دینی کتب کی تعلیم سے فراغت کے بعد حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے عالم اسلام کی مایہ ناز یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند میں

داخلہ لیا اور دورۂ حدیث مکمل کیا۔ دورۂ حدیث میں حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ الادب اعزاز العلماء حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ اور مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کیا۔ فراغت کے بعد محمدی شریف کے مقامی ادارہ ''جامعہ محمدی'' میں سلسلۂ تدریس شروع کیا۔ حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم دیوبند سے سند فراغت حاصل کرنے کے بعد تدریس کے ساتھ ساتھ تنظیم اہلسنت والجماعت جس کے رہنماؤں میں مولانا نورالحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا دوست محمد قریشی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ عبدالستار تونسوی رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں، کے پلیٹ فارم سے رد رفض پر کام شروع کیا۔ تنظیم کا ہفت روزہ الدعوہ نکلتا تھا اس میں ''تحقیقات نافعہ'' کے عنوان سے مختلف موضوعات پر مضامین لکھنے شروع کئے۔ آپ کے استاذ مولانا احمد شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ ماہنامہ ''الفاروق'' کے نام سے ایک رسالہ نکالتے تھے اس کے لئے بھی کئی مضامین لکھے۔ آپ کے مضامین نے بہت جلد قارئین میں ایک حلقہ پیدا کرلیا۔ حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ، متبحر اور نکتہ رس عالم دین تھے۔ ساری عمر عظمت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لئے کام کیا۔ اعتدال میں اپنی مثال آپ تھے۔ حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف معلومات کا خزانہ ہیں۔ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے جس جس موضوع پر قلم اٹھایا، دیانتداری کی بات ہے کہ اس کا حق ادا کردیا۔

انہوں نے اپنی پوری زندگی گمنامی میں جھنگ کے ایک چھوٹے سے دیہات میں گزاری لیکن دنیا کے راحت وآرام کے حصول کی کبھی تمنا نہیں کی۔ ایسی حالت میں جہاں دنیا کی کوئی خاص سہولت بھی میسر نہ تھی، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت پر دسیوں کتابیں لکھیں اور امت کے سامنے پیش کرنے کے لئے ''مشاجرات صحابہ'' کے مسئلہ کو منتخب کیا جہاں قلم کی جولانیاں دکھاتے ہوئے بہت سوں کی ٹانگیں پھسل گئی ہیں اور کئی اہل قلم راہ اعتدال سے بھٹک گئے ہیں لیکن حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے آسان انداز میں اعتدال کے ساتھ اہلسنت والجماعت کے مؤقف کو پیش کیا کہ اہل علم عش عش کر اٹھے۔ علمی دنیا انہیں اہلسنت والجماعت کا علمی ترجمان اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ناموس ووقار کے تحفظ کی علامت کے طور پر جانتی ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی پہچان دفاع صحابہ کے مسئلے پر ان کا وہ تحقیقی قلم ہے جس سے مجموعی طور پر ہزاروں صفحات پر مشتمل حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی متعدد کتب منصۂ شہود پر آ کر قبول خاص وعام حاصل کرچکی ہیں۔ وہ امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس علمی قافلہ کے فرد تھے جنہوں نے اہلسنت والجماعت کے عقائد کے فروغ وتحفظ اور حضراتِ صحابہ کرام اور اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم کی حیات وخدمات کی اشاعت اور ان کے بارے میں معاندین کی طرف سے مختلف ادوار میں پھیلائے جانے والے اعتراضات اور شکوک وشبہات کے جواب ودفاع میں مسلسل جدوجہد کی ہے۔ حضرت نے اس موضوع پر نہایت عرق ریزی سے کام کیا۔ تاریخی روایات کی چھان بین کے لئے قرآن وحدیث کی بہترین چھلنی

لگائی۔ روایات کے کذب وصدق کی جانچ پڑتال کے لئے انصاف کا ترازو قائم کیا اور روایات کے رطب ویابس کو الگ کرنے کے لئے معتدل ومعقول معیار قائم کیا جس کی گواہی ہر وہ شخص دے گا جس نے کبھی تلاش حق میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ علم پر حاضری دی ہو۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی دفاع صحابہ کی منجملہ تصانیف میں سے ایک ''رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ'' نامی کتاب ہے جو اپنے موضوع پر ایک منفرد انوکھی اور بے مثال ولازوال کتاب ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے علمی ذوق کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ کتاب کا نام ہی مصنف کا دعویٰ ہے اور پوری کتاب کے سینکڑوں صفحات اسی دعویٰ کی دلیل ہیں۔ ان کتب میں درج شدہ دلائل ٹھوس، حوالے صحیح اور مطابقی ہیں۔ ان کی تحقیق انیق سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ریت کے ذرات میں سے سونا الگ کرنا جانتے ہیں۔ انہوں نے مقام صحابہ اور مقام اہل بیت کی وضاحت کر کے نہ صرف مسلک حَقّہٗ کو واضح کیا ہے بلکہ روافض کے اعتراضات اور شکوک وشبہات کا استیصال بھی کیا ہے۔ مولانا کی تصنیفات روافض کے نظریات پر ضرب کاری ہیں۔ انہوں نے اپنی متعدد تالیفات کے ذریعے سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حقیقی سیرت وکردار کو مستحکم علمی اور تاریخی دلائل کے ساتھ واضح فرمایا۔ جن انصاف ناآشنا حلقوں نے ان حضرات پر طرح طرح کے اعتراضات وارد کئے ہیں ان کا شافی اور اطمینان بخش جواب دیا اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان جو علمی اور سیاسی اختلافات پیش آئے ان کے حقیقی اسباب کی دل نشین وضاحت فرمائی۔

وقت کے ابن حجر شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، شیخ الحدیث ونائب رئیس جامعہ دار العلوم کراچی نے ان کی ایک کتاب پر ان الفاظ میں تبصرہ فرمایا: ''سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ'' میں مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت کے حقیقی روشن پہلوؤں کو مضبوط دلائل کے ساتھ اجاگر کیا ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جن کے خلاف اعتراضات ومطاعن کے ترکش سے کوئی تیر بچا کر نہیں رکھا گیا۔ پھر قابل تعریف بات یہ ہے کہ فاضل مؤلف کا اندازِ بیان مناظرانہ اور جارحانہ نہیں بلکہ باوقار اور متین ہے اور سنجیدہ علمی تحقیق کے معیار پورا اترتا ہے۔ (مقدمہ سیرت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ)

اپنے دور کے امام المحققین حضرت مولانا محمد عبد الستار تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''بندہ نے ان کی اکثر کتب مثلاً ''رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ''، حدیث ثقلین، بنات اربعہؓ، سیرت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ دیکھیں اور ابھی ان کی نئی تالیف فوائد نافعہ ہر دو جلدوں کو تقریباً اکثر مقامات سے دیکھا ہے۔ ماشاء اللہ موصوف نے اہلسنت کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا ہے۔ بحمد للہ میری دیرینہ آرزو پوری ہوگئی ہے۔ بلا مبالغہ عرض ہے کہ عدیم الفرصت ہونے کی وجہ سے خود ایسی جامع کتاب نہیں لکھ سکتا۔

یہ تو مشتے نمونہ از خروارے دو اقتباسات ہیں، ورنہ ان کی علمی وتحقیقی شان کے تمام اکابر واصاغر قائل

تھے جس کا ایک واضح ثبوت یہ بھی ہے کہ ان کی تحریر کردہ کتابیں ہر محقق عالم ومناظر کی مطالعے کی میز کی زینت نظر آتی ہیں۔ حیات امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر کتابچے کی تالیف کے دوران بندہ کو بھی ان کی کتابوں سے استفادہ کرنے کا موقع ملا اور بلا مبالغہ کئی مشکل عقدے حضرت کی کتابوں کی ورق گردانی سے چٹکی بجاتے حل ہو گئے۔ اللہ انہیں اپنی طرف سے اس کا بہترین بدلہ عنایت فرمائے۔ (آمین)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ایک نمایاں خصوصیت کثرتِ مطالعہ تھی۔ حضرت کثیر المطالعہ بھی تھے اور سریع المطالعہ بھی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ بلا شبہ اللہ تعالیٰ کے اعلیٰ پائے کے ولی تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بنیادی اور امتیازی خصوصیت ان کی سادگی تھی۔ حضرت کے ایک معتقد (قدرت اللہ شہابؒ) حضرت کی سادگی کا نقشہ کھینچتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''میں جب جھنگ میں ایڈیشنل ڈائریکٹر لوکل گورنمنٹ کے عہدے پر تعینات تھا تو اکثر محمدی شریف جایا کرتا تھا۔ لائبریری کی چوکی پر ایک دبلے پتلے بزرگ بیٹھے دکھائی دیتے تھے جن کے ارد گرد کتابوں کا انبار لگا ہوتا تھا۔ ایک طرف اسٹیل کی چائے دانی اور مٹی کی ایک پیالی پڑی ہوتی تھی اور وہی ان کی کل متاع تھی اور اسی سامان کو وہ نعمت غیر مترقبہ سمجھتے تھے۔''

اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرماتے ہوئے ان کا فیض تا قیام قیامت برقرار رکھے اور اہلسنت کو ان کا مطالعہ کر کے اہل رفض وباطل کی دسیسہ کاریوں کا منہ توڑ جواب دینے اور ناواقف ونادان عوام کالانعام کے ایمان کی رفض وباطل کی کالی بھیڑوں اور زہریلی سنڈیوں سے حفاظت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔[1]

مولانا محمد محمود عالم صفدر اوکاڑوی[2]

تحقیق وتصنیف کا بے تاج بادشاہ:

گزشتہ سال امت مسلمہ کے عظیم اور ناقابل تلافی نقصانات میں سے حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کا اس دار الفناء سے دار البقاء کی طرف کوچ کر جانا بھی ہے۔ حضرت کی مدح وتوصیف اور آپ کی جلالت شان پر مجھ جیسا علم وعمل سے خالی انسان کیا لکھ سکتا ہے بس ان کے خدام میں اپنا شمار ہو جانے کی تڑپ چند سطور کے لکھنے کا سبب بن رہی ہے۔ نیز مولانا کے وہ مکتوبات گرامی جو اس فقیر کے نام وہ وقتاً فوقتاً تحریر فرماتے اور وہ اپنے اندر علم کے سمندر موجزن کئے ہوئے ہوتے۔ گوکوزہ میں دریا کا مصداق ہوتے، وہ بھی بنے تا کہ اصحاب علم وعمل کے لئے

[1] ہفت روزہ ''اہلسنت''، کراچی، جمعۃ المبارک ۹ تا ۱۵ رجنوری ۲۰۱۵ء بمطابق ۱۷ ربیع الاول ۱۴۳۶ھ، ص ۲-۳۔
[2] معروف عالم دین اور مناظر مولانا امین صفدر اوکاڑوی کے بھتیجے اور خود بھی جید عالم دین ہیں۔

مشعل راہ کا کام دیں اور نا معلوم کتنوں کی علمی مشکلات سلجھ جائیں۔

بندہ کی حضرت سے پہلی ملاقات تقریباً ۲۰۰۵ء میں ہوئی۔ بندہ اس وقت شیر اسلام حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ علی شیر حیدری رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر ان کے ادارے ''جامعہ حیدریہ'' خیر پور میرس سندھ میں تدریس پر مامور تھا اور مشکوٰۃ شریف و دورۂ حدیث کے اسباق کے علاوہ ''التخصص فی الدعوۃ والتحقیق'' کے اسباق بندہ کے سپرد تھے۔ ملاقات بہت مفید رہی۔ حضرت کی توجہات ومحبت نے ایسا گرویدہ بنا دیا کہ پھر یہ تعلق بڑھتا ہی رہا۔ اگلی ملاقات میں بندہ نے اپنی تصنیف ''تسکین الاذکیاء فی حیات الانبیاء'' پیش خدمت کی۔ کچھ دنوں بعد آپ کا مکتوب گرامی موصول ہوا جس میں کتاب کی تعریف وتوصیف کے علاوہ مفید مشورے درج تھے جو بندہ نے آگے درج کر دیئے ہیں۔ وہ تفصیلی مکتوب تو آج نہ مل سکا، بندہ نے حضرت کے کئی مکتوب کہیں محفوظ کر کے رکھے کہ شاید بندہ کی وفات کے بعد شائع ہوں۔ آج بہت تلاش وجستجو کے باوجود نہ مل سکے۔ آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب کسی تصنیف کا مطالعہ فرماتے تو جو مفید مشورہ یا اغلاط سامنے آتیں مکتوب گرامی لکھ کر روانہ فرما دیتے۔ یوں ایک ایک تصنیف پر کئی کئی مکتوب موصول ہو جاتے۔

بندہ ایک بار کچھ دن کے لئے سرگودھا سے خیر پور سندھ علامہ حیدری رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ میں تخصیص کے طلباء کو پڑھانے گیا ہوا تھا۔ حضرت حیدری سفر حج پر تھے۔ جب واپس تشریف لائے تو چونکہ روپوش تھے، حکومت کو مطلوب تھے۔ چھپ کر گھر آئے تو صرف مجھے ملاقات کا شرف دیا۔ تقریباً یہ ملاقات چار گھنٹوں پر محیط تھی۔ بے نظیر بھٹو کا حادثہ انہی دنوں پیش آیا تھا۔ تو سیاست و مذہب پر گفتگو ہوتی رہی۔ بندہ کی تصانیف کا موضوع درمیان میں چھڑ گیا تو بندہ نے عرض کیا دل نہیں کرتا کہ آپ کو کوئی تصنیف ہدیہ کی جائے۔ دل کرتا ہے کہ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کو ہی تصانیف ہدیہ کی جائیں۔ حضرت حیدری رحمۃ اللہ علیہ بڑے متحیر ہوئے کہ کیوں؟ بندہ نے عرض کیا کہ آپ کو تصنیف دینے کا فائدہ تو ہے نہیں کیونکہ آپ تبصرہ تو کرتے نہیں، نہ اغلاط بتاتے ہیں، نہ مفید مشورے دیتے ہیں۔ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ ایک ایک تصنیف پر کئی کئی خطوط ارسال فرماتے ہیں اور علمی راہنمائی فرماتے ہیں۔ اس پر حضرت کے چہرے پر محبت آمیز مسکراہٹ بکھر گئی اور خاموش ہو کر مجھے دیکھنے لگے۔ حضرت مولانا بھی ہر ملاقات میں اپنی تصانیف بطور ہدیہ کے عطا فرماتے۔ ایک دفعہ ''رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ'' کا عربی ترجمہ عطا فرمایا۔ پھر یہ بھی فرمایا کہ اس کو غور سے دیکھنا، کہیں کہیں اغلاط کمپوزنگ کی رہ گئی ہیں۔ بندہ نے ایک مجلس میں اجازت حدیث طلب کی تو عطا فرما دی اور فرمایا ہمارے والے سال حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ جیل میں تھے۔ اس لئے ہم بخاری وترمذی ان سے نہ پڑھ سکے۔ ایک صاحب کشف نے ایک دفعہ کچھ مکاشفات جن میں آپ کو حضرت حق جل شانہ نے سلام دیا تھا نیز آپ کی وفات اور بعد الوفات مراتب علیاء حاصل ہونے کی بشارت تھی۔ سنائے تو اللہ اکبر اللہ اکبر

کہااور پھر عادت مبارکہ کے مطابق انتہائی تواضع میں چلے گئے۔ پھر شدت سے فرمایا کہ یہ کسی اور کو نہ بتانا۔

حضرت! مولانا رحمۃ اللہ علیہ بلاشبہ اپنے دور کے عظیم محقق، آپ کا قلم آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا۔ آپ کی تصانیف کی نظیر چودہ صدیاں لانے سے عاجز ہیں۔ بلاشبہ آپ نافع المسلمین تھے اور آپ کا نفع تا قیامت باقی رہے گا۔ پانچ سال سے بندہ کا قلم رک چکا ہے۔ لکھنا مفقود ہے۔ اس دوران قائد اہلسنت علامہ عبدالستار تونسوی رحمۃ اللہ علیہ، محقق اہلسنت مولانا مہر محمد میانوالوی رحمۃ اللہ علیہ، سراج المصنفین مولانا نور احمد قادری تونسوی رحمۃ اللہ علیہ، مؤرخ اہلسنت مولانا بشیر احمد حصاروی رحمۃ اللہ علیہ، استاذ المحدثین حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ، امام المجاہدین عمدۃ المدرسین حضرت مولانا خلیفہ عبدالقیوم رحمۃ اللہ علیہ، عالم اسلام کے عظیم محقق ومصنف مولانا ابوبکر غازیپوری رحمۃ اللہ علیہ وفات پا چکے مگر بسیار کوشش کے باوجود میرے قلم نے میرا ساتھ نہ دیا حالانکہ حضرت غازیپوری نے ۲۰۰۶ء میں جب پاکستان کا دورہ فرمایا اور بندہ کی کچھ ان کے ساتھ رفاقت رہی تو واپس جا کر انہوں نے جن الفاظ میں بندہ کو یاد کیا بندہ ہرگز اس قابل نہ تھا۔

میں لکھنے کے لئے تقریباً چار ماہ سے سوچ رہا تھا تب جا کر چند سطور آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ وقت ملا تو تفصیل سے لکھوں گا۔ (ان شاءاللہ) حضرت کے چند مکتوبات پیش خدمت ہیں۔[1] امید ہے طالبان علم کے لئے عظیم تحفہ ثابت ہوں گے۔ ذات علیم وخبیر سے دعا ہے کہ امت مرحومہ میں مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ جیسے عظیم محققین بھیجتی رہے جو علمی گتھیاں سلجھا کر امت کو سنبھالتے رہیں۔ اس لئے کہ نبوت کا باب ہمیشہ کے لئے بند ہو چکا۔ اب یہ کام وارثان نبوت نے ہی کرنے ہیں۔ اے اللہ! حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کو عظیم سے عظیم تراجر عطا فرما اور تا قیامت ان کا فیض باقی رکھ۔ آپ پر یہ کوئی مشکل نہیں۔ (آمین بجاہ النبی الکریم)

گزشتہ جمعرات ۱۳ راگست ۲۰۱۵ء کو بندہ کے پیر ومرشد رئیس الاولیاء حضرت مولانا حبیب الرحمٰن سومرو (خلیفہ مجاز قائد اہلسنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ) چکوال تشریف لائے ہوئے تھے۔ بندہ بھی قدم بوسی اور ان کی رشد وہدایت سے بھرپور مجالس سے مستفید ہونے کے لئے حاضر ہوا۔ میرے ساتھ میرے شاگرد مولوی عبدالرزاق بھی تھے۔ بندہ نے اپنے دنیا وآخرت کے وسیلہ حضرت الشیخ سے عرض کیا کہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ روح کے قدیم ہونے کے قائل ہیں اور پھر اس کا رد بھی فرمایا۔ بندہ نے عرض کیا کہ بندہ کا کشف ابن عربی کی تائید کرتا ہے نیز دلیل بھی، اس لئے کہ روح کی سیر عالم خلق سے اوپر عالم امر میں ہوتی ہے تب انسان واصل باللہ بنتا ہے اور مقام فنا وبقاء اور سیر فی اللہ اسے متحقق ہوتی ہے اور عالم امر میں مخلوق کا توگزر نہیں۔ معلوم ہوا روح مخلوق نہیں بلکہ ذات حق کی تجلیات میں سے یا رازوں میں سے کوئی

---

[1] مولانا محمد نافعؒ کے علمی مکتوبات کی تدوین تحقیق تخریج پر الگ سے کام جاری ہے۔ یہ علمی قسم کے مکتوبات ان شاءاللہ ادھر شامل ہوں گے۔

راز ہے۔اس وجہ سے ابن عربی قدم روح کی طرف گئے جبکہ بندہ اس مسئلہ میں امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا مقلد محض ہے اور ان کے مسلک ومشرب کو ہی ترجیح دیتا ہے۔اس لئے کہ آپ اصحاب صحو کے امام اور ابن عربی کے بہت سے اقوال سکر پر مبنی اس وجہ سے معذور مگر قابل تقلید نہیں۔

حضرت الشیخ نے ارشاد فرمایا کہ آپ کے اشکال کی وجہ آپ کے ذہن کا ایک مفروضہ ہے کہ عالم امر میں مخلوق کی سیر نہیں حالانکہ یہ مفروضہ درست نہیں۔مخلوق جس کا وجود ثقیل اس کا گزر نہیں جس کا وجود خفیف اس کا گزر ہوسکتا ہے۔روح کا وجود خفیف ہے اس لئے اس کا گزر ہوسکتا ہے۔پھر حضرت مرشدی فرمانے لگے کہ آج کل جاوید غامدی بھی ابن عربی پر تنقید کررہا ہے اور اس نے کسی بیان میں کہا ہے کہ قصور ابن عربی کا ہے نہ کہ مرزا قادیانی کا۔بندہ نے عرض کیا کہ ابن عربی کی ایسی عبارات جن سے مرزائی غلط استدلال کرتے ہیں ان کا جواب حضرت مولانا نافع رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''مسئلہ ختم نبوت اور سلف صالحین'' میں دے دیا ہے۔اس پر حضرت الشیخ بہت حیران اور خوش ہوئے اور فرمایا یہ کتاب میرے علم میں نہیں تھی۔سبحان اللہ ان اکابرین کی کیا شان۔کوئی ملحد اعتراض کرے فوراً جواب لکھ کر امت کی رہنمائی فرما دیتے۔واقعتاً ایسے ہی حضرات نے امت کے عقائد کی حفاظت کی۔یہی لوگ مجددین عصر تھے۔انہی کے کردار پر فرشتے ناز کرتے اور پاؤں کے نیچے پر بچھاتے۔یہ لوگ واقعتاً قَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ (سورۃ واقعہ) کا مصداق تھے۔یہ جب بولتے تو پھول جھڑتے، جب لکھتے تو ایک ایک لفظ آبدار موتی ہوتا جیسا کہ علی بن الجعد محدث نے امام اعظم کے بارے میں فرمایا کہ آپ جو حدیث لاتے ہیں آبدار موتی کی طرح ہوتی ہے۔ایسے افراد پر زمانے ناز کرتے ہیں۔شاعر مشرق ایسے افراد کے متعلق کہہ گئے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

عربی شاعر کا یہ شعر۔

اولٓئك اٰبآئی فجئنی بمثلھم   اذا جمعتنا یا جریر المجامع

ایسے افراد کے لئے ہی تاریخ کا حصہ بنا گیا۔مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ جیسے افراد کو ہی صدیاں یاد رکھتی ہیں مگر وہ اپنے اخلاص میں اتنے بلند ہوتے ہیں اور ذات علیم وخبیر ان کو وہ مقام دے چکی ہوتی ہے کہ وہ اس سے بلند ہوتے ہیں کہ صدیاں یاد رکھیں یا انہیں بھول جائیں۔وقت کے عظیم اور مخلص شاعر محترم انجم نیازی نے اپنی منظوم کتاب ''ہفت اولیاء'' میں حضرت کو جو خراج عقیدت پیش کیا ہے اگرچہ وہ دل خوش کرسکتا ہے مگر مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔جس شخص کی ساری زندگی عظمت صحابہ کا پرچم بلند کرنے اور تاریخ کے گنجان جنگلوں سے عظمت و عدالت صحابہ کے پھول تلاش کرکے اور ان پھولوں کو تاریخ کے کانٹوں سے محفوظ کرکے امت کے سامنے پیش

کرنے میں گزری اس کا حق ہم سب مل کر کیا ادا کر سکتے ہیں۔ بس اب اس ذات عزوجل کی بارگاہ سے التجا ہے جس کے خزانے بے حد ہیں اور جس نے مولانا کو علم دیا بلکہ تمام دنیا کو علم دیا مگر اس کے خزانوں میں اتنی بھی کمی نہ آئی جتنی قطرہ سمندر سے کم کرنے سے سمندر میں آتی ہے۔ وہی ذات اپنے بندوں کی قدر بھی پہچانتی ہے، وہی ان کو بہتر سے بہتر اجر عطا فرمائے۔ اللھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ ان اللہ ما اخذ ولہ ما اعطی و کل شیء عندہ باجل مسمی۔

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی[1]

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ:

پچھلے دنوں ہم اپنے عہد کے ایک اور قابلِ قدر عالمِ دین اور درویش طبع محقق عظیم حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے وجود مسعود سے محروم ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ○

حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان نابغہ روزگار شخصیات میں تھے جن کی نظیریں ہر دور میں گنی چنی ہوا کرتی ہیں۔ علم وفضل کے اعلیٰ مقام کے باوجود انہوں نے جس طرح نام ونمود اور شہرت کے رائج الوقت طریقوں سے اجتناب کرتے ہوئے تواضع اور سادگی کے ساتھ زندگی گزاری اپنے آپ کو علم وتحقیق کے لئے وقف رکھا، وہ ان کے اخلاص، للّٰہیت اور خدمتِ دین کی تڑپ کا مظہر ہے۔ انہوں نے اپنی جان کھپا کر جو علمی اور تحقیقی شاہکار اپنی تصانیف کی شکل میں چھوڑی ہیں وہ امت کا عظیم سرمایہ ہیں۔

مجھے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے نیاز اس وقت حاصل ہوا جب وہ اپنی شاہکار کتاب ''رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ'' کی تالیف میں مشغول تھے، اس وقت میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت پر فیصل آباد تشریف لے گئے تھے اور میں بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تھا۔ اس وقت حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ اپنی تالیف کا مسودہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دکھانے کے لئے تشریف لائے۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ سفر میں تھے لیکن کتاب کی اہمیت کے پیش نظر انہوں نے مسودہ کا معتدبہ حصہ ملاحظہ فرمایا اور اس پر اپنی پسندیدگی کا اظہار بھی فرمایا۔ البتہ ایک مقام پر مسودے میں امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں جو تبصرہ تھا، اس پر نظر ثانی کی تاکید فرمائی جسے حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے

---

[1] نائب مہتمم جامعہ دارالعلوم کراچی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے اور عالمی شہرت یافتہ عالم دین، شیخ الاسلام کے لقب سے ملقب ہیں۔

قبول فرما کر متعلقہ عبارتیں تبدیل فرما دیں اور بعد میں انہوں نے مجھے حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی اس ملاقات کا تذکرہ بھی اپنے خط میں اس طرح فرمایا:

''رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ'' حصہ اول (صدیقی) بحث ''تاخیر بیعت علوی شش ماہ تک'' میں ایک تحریر مختصراً جناب حضرت مولانا محمد شفیع صاحب قدس سرہ کی میرے پاس محفوظ ہے۔ حضرت مولانا مفتی صاحب موصوف رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ فیصل آباد میں حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب کے جناح کالونی کے مکان میں قیام فرما تھے تو اس وقت بندہ یہ ابحاث لے کر آنجناب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی شفقت فرما کر ان ابحاث پر نظر اصلاح فرمائی اور مجھ سے محدث الزہریؒ کے حق میں کچھ سخت الفاظ آ گئے تھے۔ اس وقت آنجناب رحمۃ اللہ علیہ نے اصلاح فرماتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار فرمایا۔ عبارت بلفظہ درج ذیل ہے:

''امام زہریؒ کے معاملہ میں الفاظ محتاط ہونے چاہئیں، ان کے قول کو خودساختہ کہنا ذخیرۂ حدیث سے اعتماد اٹھا دینے کے مترادف ہے۔ ان کی جلالت قدر فی الحدیث کو مجروح نہیں کیا جاسکتا۔ بات صرف یہ ہے کہ زہریؒ کا یہ قول کسی صحابی کی طرف منسوب نہیں اور خود صحابہ کرام شرکاء واقعہ کا بیان ان کے مقابلہ میں راجح ہے اور یہ مرجوح ہے: باقی سب درست ہے۔'' (محمد شفیع)

اس واقعہ سے پہلے مجھے حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی تعارف حاصل نہیں تھا، لیکن اسی ملاقات میں ایک طرف ان کے مسودے کے علمی اور تحقیقی مقام اور دوسری طرف ان کی انتہائی تواضع اور سادگی نے دل پر گہرا نقش چھوڑا۔ بعد میں جب ان کی کتاب ''رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ'' منظر عام پر آئی اور میں اس کے مطالعہ سے مستفید ہوا تو کچھ اندازہ ہوا کہ اس سادہ اور متواضع شخصیت نے کتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ میں اس زمانے میں ''فتح الملهم'' کا تکملہ لکھ رہا تھا اور اس میں بھی کئی مقامات پر میں نے ان کی کتاب سے ان کا حوالہ دے کر استفادہ کیا۔

حضرت مولانا سے براہِ راست ملاقات کے مواقع تو شاذ و نادر ہی آئے لیکن خط و کتابت کے ذریعے مستقل رابطہ رہا اور الحمدللہ ان کے بہت سے مکاتیب میرے پاس محفوظ ہیں جن کی نقول میں ان کے صاحبزادگان کو بھیج رہا ہوں تا کہ وہ اگر چاہیں تو انہیں شائع فرما سکیں۔ حضرت مولانا کا مرتبہ میرے لئے استاذ ہی نہیں، استاذ الاستاذ جیسا تھا۔ میری پیدائش کا سن اور ان کی دارالعلوم دیوبند سے فراغت کا سن ایک ہی ہے یعنی ۱۳۶۲ھ۔ لہٰذا علم و فضل، عمر، قدامت اور تجربہ کسی بھی حیثیت سے میری اُن سے کوئی نسبت نہیں ہو سکتی لیکن یہ ان کی تواضع کا مقام بلند تھا کہ وہ خط و کتابت کے ذریعہ اپنی تالیفات سے مجھ کو مطلع بھی فرماتے رہتے اور بعض اوقات مشورہ بھی فرماتے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک خط کا جواب میں نے انہیں یوں لکھا:

''مخدوم گرامی قدر مکرم حضرت مولانا محمد نافع نفعنا اللہ بعلومہ

گرامی نامہ نظر نواز ہوا۔ یہ آنجناب کی تواضع کریمانہ ہے کہ اس جیسے مسائل میں اس ناکارہ کو خدمت کا موقع عنایت فرمایا حالانکہ آنجناب کے علم وفضل کو اس کی ضرورت نہ تھی۔ اگرچہ جو کچھ آگے عرض کروں گا وہ یقیناً آنجناب کے علم میں پہلے بھی ہوگا لیکن تحصیل سعادت اور تعمیل حکم کے طور پر چند نکات عرض کرتا ہوں.....''

(البلاغ، رجب ۱۴۳۳ھ)

''چونکہ میں ان کی کتاب ''رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ'' سے بہت متاثر تھا اور میری نظر میں اس موضوع پر کسی بھی زبان میں ایسی جامع، معتدل اور موثر کتاب نہیں لکھی گئی اس لئے میری خواہش تھی کہ اس کتاب کا دوسری زبانوں میں بھی ترجمہ ہو، لہٰذا میں نے اپنے ایک رفیق مولانا لقمان حکیم سے جو اس وقت دار العلوم کراچی میں استاذ تھے، یہ درخواست کی کہ اس کا عربی میں ترجمہ کریں۔ چنانچہ الحمد للہ انہوں نے بڑی قابلیت کے ساتھ یہ خدمت انجام دی۔ میں چاہتا تھا کہ یہ کتاب عرب ممالک میں اچھے معیار پر شائع ہو اس کے لئے میں نے بحرین میں اپنے دوست شیخ نظام یعقوبی صاحب سے کتاب کی اہمیت کا ذکر کیا اور یہ درخواست کی کہ وہ اسے اپنے اہتمام میں بیروت سے شائع کرائیں۔ انہوں نے بخوشی قبول کیا اور میں نے اس کی اطلاع حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھی دے دی جس سے حضرت مولانا بہت خوش ہوئے۔ افسوس کہ وہاں اس کی طباعت اور اشاعت میں کافی دیر لگ گئی۔ یہاں تک کہ وہ صاحب فراش ہو گئے اور مجھ سے بار بار تقاضا فرماتے رہے کہ وہ جلد شائع ہو جائے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے چند سال پہلے وہ حضرت کی حیات ہی میں شائع ہو کر آ گئی، جس پر اُن سے بہت دعائیں ملیں۔''

''رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ'' کے علاوہ ان کی تالیفات میں سیرتِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، سیرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ، اقرباء نوازی، بنات اربعہؓ اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی سوانح بھی اسی اعلیٰ معیار کی ہیں۔ جب ان کی کوئی کتاب مکمل ہوتی تو وہ اپنے کرم سے مجھ ناکارہ کو ضرور بھیجتے اور تبصرے کی بھی فرمائش کرتے۔ چنانچہ تعمیل حکم میں، میں نے ان کی کئی کتابوں پر تبصرہ بھی لکھا جو ''البلاغ'' میں شائع ہوتا رہا۔ سیرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر میں نے جو تحریر لکھی وہ درج ذیل ہے:

''حضرت مولانا محمد نافع صاحب مدظلہم (جامعہ محمدی شریف، ضلع جھنگ) کو اللہ تعالیٰ نے اس بات کی خصوصی توفیق عطا فرمائی ہے کہ انہوں نے اپنی متعدد تالیفات کے ذریعہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حقیقی سیرت و کردار کو مستحکم علمی اور تاریخی دلائل کے ساتھ واضح فرمایا ہے۔ جن انصاف ناآشنا حلقوں نے ان حضرات پر طرح طرح کے اعتراضات ومطاعن کی بھرمار کی ہے ان کے اعتراضات کا شافی اور اطمینان بخش جواب دیا ہے اور حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان جو علمی اور سیاسی اختلافات پیش آئے ان کے حقیقی اسباب کی دل نشین

وضاحت فرمائی۔

مولانا محمد نافع صاحب کی کتاب ''رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ'' جو تین جلدوں میں شائع ہوئی ہے اپنے موضوع پر ایسی نادر کتاب ہے کہ اس کی نظیر عربی زبان میں بھی موجود نہیں ہے۔اس کے علاوہ ''مسئلہ اقربا نوازی''، ''بنات اربعہ'' اور ''حدیث ثقلین'' پر ان کی کتابیں انتہائی مفید اور قابل قدر ہیں۔ابھی کچھ عرصہ پہلے ان کی کتاب ''سیرتِ سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' منظر عام پر آچکی ہے جس میں انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سیرت بڑے دل آویز انداز میں تحریر فرمائی ہے۔

سیرت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی سیرت کے حقیقی روشن پہلوؤں کو مضبوط دلائل کے ساتھ اجاگر فرمایا ہے۔پہلی جلد کے پہلے حصے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سوانح، عہد رسالت میں ان کے منصب و مقام اور کارنامے اور ان کے مناقب کی احادیث کو پوری تحقیق کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔اسی جلد کے دوسرے حصے میں حضرات خلفائے ثلاثہ کے عہد مبارک میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمات، ان کی جنگی مہمات اور دیگر کارناموں پر روشنی ڈالی گئی ہے جو تقریباً پچاس صفحات پر مشتمل ہیں۔

تیسرے حصے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کے واقعات زیر بحث لائے گئے ہیں اور اسی ضمن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے اختلافات، جنگ صفین اور تحکیم کے واقعات بیان کئے گئے ہیں۔اور فاضل مؤلف نے ان واقعات کو بیان کرتے ہوئے اپنے آپ کو ان غیر مستند روایات سے نہ صرف پاک رکھا ہے بلکہ ان کی مدلل تردید کی ہے جو ان صحابہ کرام کے بارے میں قرآن وسنت اور مستند روایات کے بیان کردہ اوصاف سے کسی طرح میل نہیں کھاتیں۔

چوتھے حصے میں فاضل مؤلف نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے کارناموں، ان کی فتوحات، ان کے قائم کئے ہوئے انتظامی ڈھانچے، ان کی رفاہی اور ترقیاتی خدمات، ان کی علمی کاوشوں، ان کے مکارم اخلاق، ان کے فقہی اجتہادات، اہل بیت کے ساتھ ان کے خوشگوار تعلقات اور ان کے اعزاز واکرام کے واقعات کا انتہائی مبسوط جائزہ لیا ہے جو اس کتاب کی جان ہے۔آخر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ان کے عشق ومحبت کے مظاہر اور ان کے بارے میں اکابر اُمت کی آراء نہایت تفصیل اور استقصاء کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔

قابل تعریف بات یہ ہے کہ فاضل مؤلف کا اندازِ بیان مناظرانہ اور جارحانہ نہیں بلکہ باوقار اور دل نشین ہے اور سنجیدہ علمی تحقیق کے معیار پر پورا اترتا ہے۔(مقدمہ سیرت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ)

عرصۂ دراز سے حضرت مولانا ضعف وعلالت کی وجہ سے صاحب فراش تھے، اور بالآخر ۳۰ردسمبر ۲۰۱۴ء رات کو ان کا وقت موعود آپہنچا جس سے کسی کو مفر نہیں۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔میں اس وقت خود

ایک بیماری میں تھا، صاحبزادگان سے خط کے ذریعہ ہی تعزیت کی۔ دل سے دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی خدماتِ جلیلہ کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرما کر ان کو اپنے خصوصی مقامات قرب میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے صاحبزادگان کو ان کا مشن جاری رکھنے کی توفیق سے نوازے۔ آمین

مولانا شفیق احمد بستوی[1]

نرم لہجہ اور گرم دلیل کے مالک:

عموماً یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ انسان جس خطۂ ارضی پر پیدا ہوتا ہے اور جہاں اس کی بود و باش ہوتی ہے اس زمین کے اثرات اس کی صفات و مزاج میں نمایاں ہوتے ہیں۔ کچھ عرصہ قبل راقم الحروف کو حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد مظہر دامت برکاتہم کی معیت میں چنیوٹ جانے کا موقع ملا۔ جی ہاں! وہی چنیوٹ شہر جو دریائے چناب کے قریب واقع ہے جس کے طول وعرض کے بڑے علاقے میں زیرِ زمین لوہے کا اتنا بڑا قدرتی ذخیرہ موجود ہے، جس کے بارے میں قیاس آرائی ہو رہی ہے کہ پورے ایشیاء میں اتنا بڑا ذخیرہ اور کہیں نہیں ہے۔ اسی بنا پر حکومت پنجاب اس بات کا عزم کیے ہوئے ہے کہ اس علاقہ میں ایشیاء کی سب سے بڑی اسٹیل مل قائم کرنی ہے۔

جس زمین کو قدرت نے آہنی خزانوں سے معمور کر رکھا ہے اس زمین سے جن لوگوں کا خمیر تیار ہوتا ہوگا وہ بھی یقیناً انسانی ماحول میں فولادی مزاج کے حامل ہوتے ہوں گے۔ اس بات کا تحقیقی جائزہ لینا یا اس پر ریسرچ کرنا ہمارے موضوعِ سخن سے قطعی مربوط نہیں ہے تاہم ہماری آنکھوں کے سامنے سے گزرنے والے ماضی میں دو ایسی شخصیات کو اسی آہنی و فولادی سرزمین نے جنم دیا ہے جن کے کارناموں سے ایک بڑی دنیا آشنا و آگاہ ہے۔ ان کے کردار و عمل کو دیکھ کر یقیناً یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ لوگ آہنی طبیعت کے مالک تھے۔ جن کے عزائم کے آگے بڑی تیز و تند مخالف آندھیاں بھی چلیں مگر ان کے پائے ثبات میں کبھی لغزش نہیں آئی اور وہ پوری پامردی کے ساتھ اپنی محنت میں لگے رہے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں شخصیات کو اپنے شایانِ شان بھرپور جزائے خیر عطا فرمائے۔

میری مراد ایک تو حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ایک نے کاشانۂ رسالت کے ہمہ گیر تقدس کی حفاظت کے لئے خود کو دربانی و حراست کی ذمہ داری بلکہ خدمت کے لئے وقف کیا تو دنیا نے دیکھا کہ ختم نبوت کے مبارک محل میں نقب زنی کرنے والے گورداسپوری ڈاکو اور نقب زن کا ایسا بھرپور تعاقب کیا کہ اسے واپس اس کمین گاہ تک پہنچا کر ہی دم لیا۔ مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمۃ اللہ علیہ نے

---

[1] فاضل دار العلوم دیوبند، خلیفہ حکیم شاہ محمد اختر رحمۃ اللہ علیہ، کراچی۔

پارلیمنٹ میں اپنی مسلسل مساعی مشکورہ کو بروئے کار لاکر مرزائیوں کے شہر (جس کا نام مرزائیوں نے قرآنی لفظ ''ربوہ'' سے انتساب کر کے رکھا تھا) کا نام تبدیل کروا کر چناب نگر رکھوا دیا جو کہ ایک بہت بڑی کامیابی ہے۔ مرزائیوں کے شہر کا قرآنی نام جو رکھا گیا تھا اس کے پس پردہ ایک پوری تحریک، ایک ذہن سازی اور ان کے باطل نظریات کا ایک بامقصد باب پوشیدہ ہے جس کو عام مسلمان نہیں سمجھ پاتے ہیں۔ اس کے لئے ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہے۔

عرض یہ کرنا ہے کہ جب شانِ رسالت پر آنچ آئی اور ختم نبوت کا مسئلہ درپیش ہوا تو اس فولادی سرزمین کے آہنی مزاج عالم دین نے اپنی خدمات پیش کیں اور شاید عام قارئین کو یہ بات معلوم نہ ہو کہ ردِّ قادیانیت کے لئے حضرت مولانا چنیوٹی علیہ الرحمۃ نے جو کتاب تصنیف فرمائی ہے ''ردِّ قادیانیت کے زرّیں اصول'' اردو زبان میں اب تک اس سے شاندار کوئی دوسری کتاب نہیں ہے۔

اب اس سے آگے کی بات کریں تو ہم یہ کہیں گے کہ ہر مسلمان کے لئے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والا صفات احترام ومحبت، عقیدت وعظمت کے سب سے اعلیٰ مقام پر سمجھی جاتی ہے وہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق رکھنے والے اہل بیت ہوں یا حضرات صحابہ وصحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین سب ہی کی شخصیات قابل احترام اور عقیدت ومحبت کی ایسی حقدار ہیں کہ حدیث پاک میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:

''میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو! اللہ سے ڈرو! جس نے ان سے محبت کی اس نے گویا میری محبت کی وجہ سے کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے گویا مجھ سے بغض کی بنا پر ان سے بغض کیا۔''

اسی طرح بخاری شریف میں واضح حدیث موجود ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''میرے انصار صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت کرنا ایمان کی علامت ہے اور ان سے نفرت وبغض رکھنا نفاق کی علامت ہے۔''

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عزت وعظمت، محبت وعقیدت اور ان کی تعظیم وتکریم کو مسلمانوں کے قلوب سے کم کرنے بلکہ ختم کرنے کی محنت اُسی دور سے شروع ہوگئی تھی جب خیر القرون میں خوارج وروافض کا فتنہ اٹھا تھا اور زمانہ کے ساتھ ساتھ اس فتنہ نے اسلامی معاشرے میں اپنی جڑیں مستحکم ومضبوط کرنے کی بھرپور کوششیں جاری رکھی ہوئی ہیں اور ہر دور میں علماءِ حق نے اپنے ربانیین ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے اس فتنہ اور اس جیسے تمام ہی باطل فنون کے مدمقابل سینہ سپر ہو کر اپنی جانی، مالی، علمی وعملی، لسانی وقلمی کاوشوں کو احسن طریقہ سے پیش کیا ہے۔ ان کاوشوں کی بدولت لاکھوں فرزندانِ اسلام گمراہی کی دلدل میں پھنسنے سے محفوظ رہے اور ہزاروں کو اندھیروں سے نکل کر ایمان وعمل کی روشنی ملی۔

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے سو سالہ زندگی اسی فولادی سرزمین پر اس کیفیت میں گزاری کہ اس

زندگی کا اکثر حصہ علم و عمل سے معمول و بھرپور رہا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دینی و علمی ذخیرے کو بڑے ہی خاموش انداز میں بلکہ یوں کہیے کہ مستقل مزاجی کے ساتھ قرطاس و قلم کے سپرد کیا اور اپنی اس قلمی مہم جوئی کا محور آپ رحمۃ اللہ علیہ نے عموماً صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیرت و سوانح کو بنائے رکھا کیونکہ مسلمانوں کے ماحول میں روافض بڑے ہی خاموش انداز میں اہل بیت کی محبت کا شور مچا کر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توہین و نفرت پھیلانے میں ہمارے وطن عزیز میں بھی مشغول رہے ہیں اور تاہنوز یہ فتنہ سامانی جاری ہے۔ اس کے علاوہ پروپیگنڈہ کے ضمن میں مشاجرات صحابہ کے عنوانات کو ہوا دے کر کئی ساری من گھڑت روایات کو عام کر کے سادہ لوح مسلمانوں پر یہ باور کرانے کی کوشش ہوتی ہے کہ اہل بیت اطہار اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین اختلافات ہی نہیں بلکہ بڑی سخت قسم کی دوریاں بھی تھیں۔

اس قسم کے فکری فتنوں کا تعاقب اور ان کا بروقت احتساب اور ان کے منفی اثرات کا سدباب کم ہی لوگ کر پاتے ہیں۔ حضرت مولانا محمد نافع علیہ الرحمۃ کی شخصیت ایسی ہی معدودے چند شخصیات میں شمار کی جاتی ہے جنہوں نے بڑی فطانت و استقامت کے ساتھ اس فتنہ کا قابل تحسین تعاقب کیا اور بہت بڑی حد تک اس باطل پروپیگنڈے کے اثرات کا ازالہ فرمایا۔ فجزاہ اللہ خیراً۔

آپ علیہ الرحمۃ کی تصنیفات اپنی مثال آپ ہیں کیونکہ اس موضوع پر ایسی سنجیدہ کاوشیں اگر نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہیں۔ ''رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ'' آپ کی لاجواب تحقیقی تصنیف ہے۔ اس کے علاوہ متعدد کتابیں بھی مولانا مرحوم کے سنجیدہ ذوق تحقیق کا شاہکار ہیں۔

حضرت مولانا نافع علیہ الرحمۃ کا جسمانی خمیر علاقہ چنیوٹ کی فولادی زمین سے تیار ہوا تھا تو ان کا علمی و روحانی خمیر از ہر ہند دارالعلوم دیوبند کے مردم خیز ماحول میں بنا تھا اور وہاں ان کو حضرت علامہ محمد ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ دیوبندی، حضرت مولانا عبدالاحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے اکابر علماء کے آگے زانوائے تلمذ تہہ کرنے کا موقع نصیب ہوا تھا۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی نسبت حاصل رہی گو کہ تحریک آزادیٔ ہند کی وجہ سے سیاسی مشاغل اور پھر فرنگیوں کی مخالفت کی بنا پر قید و بند کے مراحل حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے درپیش رہے جس کے سبب باضابطہ اسباق حضرت کے پاس نہ ہو سکے تھے۔

حضرت مولانا محمد نافع علیہ الرحمۃ نے بفضلہ تعالیٰ پوری ایک صدی کی عمر پائی اور تعلیم سے فراغت کے بعد سے لے کر تا بقائے حیات چنیوٹ کے نواحی قریہ ''محمدی شریف'' میں مقیم رہے اور نہایت ہی سادگی میں عرصۂ حیات گزارا۔ مشاہدہ کرنے والے حضرات بتاتے ہیں کہ حضرت کا مٹی کا بنا ہوا کچا مکان تھا جس میں دور جدید کی

شاید صرف ایک ہی سہولت کی چیز تھی اور وہ بجلی ہے۔ علاوہ ازیں کوئی جدید سہولت آپ کے مکان میں نہیں تھی۔ گویا آپ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی ''کن فی الدنیا کانك غریب او عابر سبیل'' کا مصداق تھی۔ اکیسویں صدی عیسوی میں بھی ایسے درویش صفت، اہل دل علماء نہ صرف خیرالقرون کی یادیں تازہ کررہے ہیں بلکہ ہم جیسے بے ڈھنگے، مادہ پرستی کی دلدل میں پھنسے ہوئے لوگوں کیلئے عبرت کی روشنی بخشنے والی مشعل کا کام دے رہے ہیں۔

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ اسم با مسمیٰ تھے۔ یقیناً انہوں نے بہت بڑی تعداد میں لوگوں کو علم وعمل کے میدان میں نفع پہنچایا ہے۔ اب رب العزت ان کی نافعیت کو بہترین صدقۂ جاریہ کے طور پر دوام بخشے۔ حضرت کی پیدائش ۱۹۱۵ء میں ہوئی تھی اور انتقال دسمبر کی ۳۰ تاریخ ۲۰۱۴ء کو ہوا۔ اللہ تعالیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی خدمات کو حسن قبولیت سے نوازے اور آپ کے علمی آثر کو عامۃ المسلمین کے لئے نفع بخش فرمائے اور عالم آخرت میں رحمت واکرام کی فضا نصیب فرمائے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ ○

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی[1]

محقق اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کا سانحہ ارتحال:

۸ ربیع الاول ۱۴۳۶ھ بدھ کی رات گیارہ بجے برخوردار عبدالقدیر سلمہ نے اطلاع دی کہ حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ انتقال فرما گئے ہیں۔ معاً مفتی طاہر مسعود مدظلہ (سرگودھا) کے فون سے بھی اس خبر کی توثیق ہوئی جس پر یقین کئے بغیر اب کوئی چارہ نہ تھا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ○ ان اللہ ما اخذ ولہ اعطی وکل عندہ باجل مسمّٰی۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا مرحوم ومغفور کے درجات بلند فرمادیں اور پسماندگان کو صبر و اجر عطا فرمائیں، آمین۔

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ آج سے ایک صدی قبل ۱۳۳۵ھ بمطابق ۱۹۱۵ء میں حضرت مولانا عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ کے گھر پیدا ہوئے۔ انہوں نے ۱۹۱۴ء میں جب حج کیا تو مکہ معظمہ، مدینہ منورہ کا سفر اس زمانہ میں اونٹ پر ہوتا تھا۔ آپ نے جس شتربان سے اونٹ کرایہ پر لیا تھا اس کا نام نافع تھا۔ حج سے واپسی پر جب ۱۹۱۵ء میں حق تعالیٰ نے آپ کو فرزند عطا فرمایا تو اس کا نام اُس شتربان کے نام پر محمد نافع رکھا۔ بفضلہ تعالیٰ آگے چل کر آپ اس نام کے پورے مصداق اور اسم بامسمّٰی ثابت ہوئے۔ وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ○

---

[1] مولانا عبدالشکور ترمذی کے صاحبزادے، جامعہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا کے مہتمم اور نامور عالم دین ہیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

۱۳۵۲ھ بمطابق ۱۹۳۳ء میں حفظ قرآن کریم آپ نے والد گرامی سے کیا۔ دینی کتب کی ابتدائی تعلیم حضرت مولانا اللہ جوایا شاہ صاحب اور اپنے برادر بزرگ حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب سے حاصل کی۔ پھر مدرسہ اشاعت العلوم فیصل آباد، محمدی شریف ضلع جھنگ، واں بھچراں ضلع میانوالی، موضع اُنہی ضلع گجرات میں مایہ ناز اساتذۂ کرام سے درس نظامی پڑھا اور معقولات کی اونچی کتابوں کی تکمیل کی۔

آخر میں آپ دورۂ حدیث شریف کے لئے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور وہاں ۱۳۶۳ھ ۱۹۴۳ء میں حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی، حضرت مولانا ابراہیم بلیاوی، حضرت مولانا مفتی ریاض الدین، مفتیٔ اعظم حضرت مفتی محمد شفیع رحمہم اللہ تعالیٰ سے کتب حدیث شریف پڑھ کر فراغت حاصل کی اور اس کے بعد دارالعلوم جامعہ محمدی شریف میں سلسلۂ تدریس شروع کیا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۴۷ء میں تنظیم اہل سنت والجماعت سے وابستہ ہوئے اور رافضیت کے خلاف علمی و تحقیقی کام کیا۔ تنظیم کے رسالہ ہفت روزہ ''دعوت'' اور چوکیرہ سے شائع ہونے والے ماہنامہ ''الفاروق'' کے لئے علمی مضامین تحریر فرمائے۔

۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت میں حصہ لیا اور پس دیوار زنداں بھی رہے۔ بعدازاں اپنے استاذ مکرم حضرت مولانا علامہ احمد شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مشورہ اور ہدایت کے موافق ''رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ'' کے عنوان پر تحقیقی کام کیا۔ مذہب اہل سنت کی حقانیت اور اہل تشیع کے ردّ میں آپ نے متعدد علمی تحقیقی تالیفات تحریر فرمائیں جن سے عوام وخواص ہمیشہ مستفید ہوتے رہیں گے۔

احقر ناکارہ نے حضرت مولانا مرحوم ومغفور کا نام تو بہت پہلے سن رکھا تھا کیونکہ احقر کے برادر معظم حضرت مولانا عبدالصبور صاحب ترمذی مرحوم دارالمبلغین کوٹ ادو میں ان سے استفادہ کر چکے تھے اور وہ ان کا ذکر فرمایا کرتے تھے لیکن زیارت پہلی مرتبہ اس وقت ہوئی جب آپ ۱۹۸۴ء میں مدرسہ علوم شرعیہ جھنگ میں علماء کرام کو ردّ رافضیت کورس پڑھانے کے لئے وہاں تشریف لائے۔ دن کو حضرت امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے نبیرہ حضرت مولانا عبدالعلیم صاحب لکھنوی دامت برکاتہم درس دیتے اور بعد نماز ظہر حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا درس ہوتا۔ یکم شعبان المعظم ۱۴۰۴ھ بروز جمعرات مدرسہ علوم شرعیہ کے سالانہ امتحان کے لئے حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے گئے۔ احقر ان کے ہمراہ تھا۔ احقر نے ان دونوں حضرات کے درس میں شرکت کی۔ اس طرح پہلی مرتبہ حضرت سے قدرے استفادہ اور زیارت کا موقع حاصل ہوا۔ فللہ الحمد ولہ الشکر۔

بعد میں حضرت کی محققانہ تالیفات وتحقیقات نافعہ سے خوب استفادہ کا موقع ملا اور متعلقہ موضوع سے متعلق حضرت کی تحقیق انیق کو حرف آخر پایا۔ آپ کی نافع اور مفید تالیفات مسئلہ ختم نبوت اور سلف صالحین، حدیث ثقلین، ''رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ''، مسئلہ اقربا پروری، حضرت ابوسفیان اور ان کی اہلیہ، بنات اربعہ، سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، سیرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور فوائد نافعہ وغیرہ میں سے ہر کتاب اور ہر تصنیف لطیف ایک سے بڑھ کر ایک ہے۔ حضرت نے جس موضوع پر قلم اٹھایا صحیح بات یہ ہے کہ تحقیق کا حق ادا کر دیا۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

حضرت نے اپنی تالیفات میں اہل سنت والجماعت کے عقائد حقہ مسلک کی حقانیت اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے باہمی گہرے دوستانہ تعلقات ومراسم کو واضح دلائل سے ثابت کرنے کے ساتھ ان پر کئے گئے شبہات واعتراضات کے مسکت ومدلل جوابات بھی عنایت فرمائے ہیں اور پھر کمال یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہم محبت ومودت کو آپ نے فریق مخالف کی معتبر کتب کی صریح اور واضح عبارات سے ثابت فرما کر تمام شبہات کا قلع قمع فرما دیا ہے۔

پھر خوبی یہ ہے کہ آپ نے جوابی کاروائی میں جو انداز اختیار فرمایا ہے وہ نہایت مدلل، محققانہ اور ناصحانہ ہے۔ مخالف سے مخالف بھی اگر بنظر انصاف اس کا مطالعہ کرے تو وہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس طرح فرق ضالہ کی تردید میں آپ کے قلم نے جادہ مستقیم سے سرمو انحراف نہیں کیا۔ بلا مبالغہ تردیدی مضامین جادلھم بالتی ھی احسن اور قولاً لینا اور آپ کی ذات گرامی صحیح معنی میں محقق اہل سنت اور وکیل صحابہ کی مصداق ہے۔ فللہ درہ وعلی اللہ اجرہ۔

آپ کی جملہ محققانہ کتب سے اہل علم عوام وخواص اپنے اور پرائے برابر استفادہ کر رہے ہیں اور بحمد للہ تعالیٰ امت کو ان سے بہت فائدہ اور نفع پہنچ رہا ہے جو ان شاء اللہ تعالیٰ آخرت میں آپ کے رفع درجات کا سبب ہوگا۔

آپ کی بے نظیر عمدہ اور تحقیقی تصنیف لطیف ''رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ'' کی علمی دنیا میں دھوم مچی ہوئی ہے۔ احقر نے حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم سے براہ راست سنا ہے کہ: ''اس موضوع پر دنیا کی کسی بھی زبان میں ایسی کتاب نہیں لکھی گئی''۔

اس لئے حضرت عثمانی مدظلہم نے اس سے استفادہ فرمایا اور عرب ممالک میں استفادہ کے لئے اس کا عربی ترجمہ بھی کروا دیا ہے جو اب شائع ہو چکا ہے۔

ایک مرتبہ ماسٹر مزمل حسنین ساکن گروٹ نے حضرت علامہ محمد انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''فیض الباری'' شرح بخاری کی ایک عبارت کی طرف متوجہ کیا جسے اہل تشیع اپنے عقیدہ باطلہ تحریف قرآن کی تائید

میں پیش کرتے ہیں۔احقر نے حضرت والد صاحب سے استفادہ کے بعد اس عبارت کی وضاحت میں ایک تحریر لکھی جس سے روافض کے اعتراض کا جواب بخوبی ہو جاتا تھا لیکن احقر کا یہ جواب قدرے طویل تھا۔ ''فیض الباری'' کی یہی عبارت جب ماسٹر صاحب موصوف نے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کی تو آپ نے بڑا ہی مختصر جواب تحریر فرمایا جو ماقل ودل کا مصداق تھا۔اس سے عبارت کا حل بھی ہو گیا اور اہل تشیع کا اعتراض بھی ساقط ہو گیا۔ذیل میں ''فیض الباری'' کی اصل عبارت اور اس پر اشکال اور حضرت مولانا کا جواب نقل کیا جارہا ہے تاکہ قارئین بھی حضرت کے جواب سے مستفید ہوں۔فیض الباری کی اصل عبارت یہ ہے:

واعلم ان فی التحریف ثلاثة مذهب. ذهب جماعة الی ان التحریف فی الکتب السماویة قدوقع بکل نحو فی اللفظ والمعنٰی جمیعًا وهو الذی مال الیه ابن حزم و ذهب جماعة الی ان التحریف قلیل ولعل الحافظ ابن تیمیة جنح الیه وذهب جماعة الی انکار التحریف اللفظی راسا فالتحریف عندهم کله معنوی قلت یلزم علی هذا المذهب ان یکون القرآن ایضاً محرفاً فان التحریف المعنوی غیر قلیل فیه ایضاً. والذی تحقق عندی ان التحریف فیه لفظی ایضاً اما انه عن عمد منهم او لمغلطة فالله تعالیٰ اعلم به ۔ (فیض الباری ص ۳۹۵ ج ۲ طبع دار المامون)

اس عبارت میں جملہ ''والذی تحقق عندی ان التحریف فیه لفظی ایضاً'' سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ حضرت علامہ محمد انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ بھی (نعوذ باللہ) قرآن کریم میں لفظی تحریف کو ثابت فرمارہے ہیں۔حضرت مولانا مرحوم اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''فیض الباری کی جو عبارت آپ نے تحریف کے متعلق لکھی ہے اس میں کلمہ ''التحریف فیه لفظی ایضاً......الخ'' اس کلمہ میں فیہ کی ضمیر کا مرجع اوپر کتب سماویہ مذکورہ مراد ہیں اور تذکیر بتاویل مذکور ذکر کرنا درست ہے۔فلہٰذا معترض کا اعتراض ساقط ہے اور علماء اہل سنت میں سے کوئی بھی قرآن کریم میں تحریف لفظی کا قائل نہیں۔''

اس جواب لاجواب سے اصل اعتراض ہی ختم ہو جاتا ہے اس لئے کہ ''فیض الباری'' کی اس عبارت میں قرآن کریم سے متعلق گفتگو نہیں ہو رہی بلکہ کتب سماویہ میں تحریف کی بحث چل رہی ہے،کیونکہ اس عبارت کا تعلق قرآنِ کریم میں تحریف سے نہیں بلکہ کتب سماویہ میں تحریف سے ہے۔کتب سماویہ میں تحریف سے متعلق کئی مذاہب میں سے ایک مذہب یہ ہے کہ ان میں صرف معنوی تحریف ہوئی،لفظی نہیں ہوئی۔حضرت علامہ انور شاہ

کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ اس مذہب کو رد فرما رہے ہیں کیونکہ اگر اسے صحیح تسلیم کرلیا جائے تو اس سے قرآن پاک میں تحریف لازم آتی ہے۔ اس لئے آپ نے وعندی ان التحریف سے فرمایا کہ کتب سماویہ میں صرف تحریف معنوی نہیں بلکہ تحریف لفظی بھی کی گئی ہے۔ اس توجیہہ کے بعد قرآن کریم میں تحریف کا کوئی احتمال باقی نہیں رہتا۔

اب رہا یہ اشکال کہ اگر کتب سماویہ مراد ہوتیں توفیہ کی بجائے فیھا ہونا چاہیے تھا کما ھو مقتضی القواعد تو اس کا جواب حضرت نے اپنی تحریر بالا میں دے دیا ہے کہ بتاویل مذکورہ فیہ صحیح ہے۔ بلاشبہ حضرت کی مختصری عبارت نے مسئلہ حل کر دیا اور اب کوئی شبہ باقی نہ رہا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابوین شریفین کے متعلق ہمارے اکابر کے ہاں احوط مسلک یہی ہے کہ سکوت اختیار کیا جائے اور عندالمحققین ان کے ہاں راجح مسلک ایمان اور نجات کا ہے۔ حضرت مولانا مرحوم نے اس سوال کے جواب میں اسی محتاط مسلک کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا:

''ابوین شریفین کے ایمان کے متعلق گزشتہ علماء کرام کی تحریروں میں اختلاف پایا جاتا ہے جس کو اس مسئلہ کی خواہش ہو وہ سلف کی کتابوں میں یہ بحث نفیاً و اثباتاً اٹھا کر دیکھ لے۔ ہمیں اپنے اساتذہ حدیث کی طرف سے نصیحت کی گئی ہے کہ اس مسئلہ میں کف لسان کیا جائے اور اس میں بحث کرنے سے زبان کو روکا جائے۔''

ایک مرتبہ بندہ آپ کی خدمت میں محمدی شریف بھی حاضر ہوا۔ احقر اس روز چنیوٹ سے حاضر خدمت ہوا تھا۔ عزیز محترم مولانا شکیل احمد سلمہ بھی احقر کے ساتھ تھے۔ حضرت نے بڑی شفقت فرمائی اور کافی دیر تک گفتگو فرماتے رہے۔ احقر ناکارہ کو بڑا وقت عنایت فرمایا اور احقر کے سوالات کا بڑی شفقت سے جواب مرحمت فرماتے رہے۔ اپنی کتاب ''رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ'' سے متعلق حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم کے گرامی نامہ کا تذکرہ بھی بڑے عجیب انداز سے فرمایا۔ حرف حرف سے تواضع ٹپک رہی تھی۔ بڑائی کا ادنیٰ شائبہ بھی نہ تھا۔

احقر کے استفسار پر فرمایا کہ جس زمانہ میں میں نے دیوبند میں پڑھا حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ قید میں تھے اس لئے ہم حضرت سے نہ پڑھ سکے۔ ہم نے حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب اور حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اساتذہ کرام سے پڑھا اور یہ بھی فرمایا کہ حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین کندیاں میرے ہم سبق ہیں۔ ہم کافی دیر حضرت کی خدمت میں بیٹھے رہے اور پھر دعاؤں کی درخواست کے بعد اجازت لے کر واپس ہوئے۔

احقر پہلی دفعہ حضرت والد صاحب کی معیت میں ہی آپ سے ملا تھا۔ حضرت مولانا نے حضرت والد صاحب کا بڑا اکرام فرمایا اور بڑی تواضع سے ملے۔ دونوں بزرگوں کی ملاقات کا منظر دیدنی تھا۔ احقر اس سے بڑا

متاثر ہوا۔ حضرت والد صاحب ان کی کتب اور ان کی تحقیقات کے بڑے مداح تھے اور حضرت کی گوناگوں اوصاف سے متصف شخصیت کی بڑی تعریف فرماتے تھے اور حضرت بھی والد ماجد کے قدردان اور ان کی تحقیق کے معترف تھے۔ آپ کی کئی کتابیں ان کی نظر سے گزری تھیں۔ ان کی بڑی تعریف فرماتے تھے۔ ان کی وفات پر آپ نے احقر کو جو تعزیت نامہ لکھا اس میں تحریر فرمایا:

''حضرت مولانا صاحب ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کی اطلاع ہوئی (ترجیع) یغفر اللہ لہ ویدخلہ فی جنات النعیم۔ حضرت موصوف ومرحوم سلف صالحین کی یادگار تھے۔ کبار علماء میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ صاحب تصانیف تھے۔ ان کے ارتحال سے علم کا ایک تحقیقی دور ختم ہوگیا۔''

احقر نے کتاب ''تذکرہ حضرت مدنی'' جب آپ کو بھیجی تو آپ نے اسے بہت پسند فرمایا۔ احقر نے ایک عریضہ میں اس کتاب پر تاثرات قلم بند کرنے کی درخواست بھی کی تھی لیکن کمزوری اور عدیم الفرصتی کی وجہ سے اس کی نوبت نہ آئی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو حق تعالیٰ نے طویل عمر عطا فرمائی اور ان سے دین کی خدمت کا بڑا کام لیا۔ آپ کی شخصیت اہل حق کے جملہ مکاتب فکر کے لئے محبوب شخصیت تھی۔ سب ہی آپ کے قدردان اور چاہنے والے تھے۔ دور دور سے لوگ زیارت، استفادہ اور اجازت حدیث کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ آپ ان پر بڑی شفقت فرماتے، دعائیں دیتے اور انہیں علم سے خوب سیراب کرتے۔

برخورداران عبدالناصر وعبدالملک سلمہما اجازت حدیث کے لئے حاضر ہوئے۔ انہیں اجازت بھی عطا فرمائی اور خوب تواضع بھی فرمائی۔ انتہائی ضعف کی وجہ سے اس وقت آپ لیٹے ہوئے تھے۔ کمزوری کی وجہ سے اس وقت بیٹھنا مشکل ہو رہا تھا۔ آپ کا یہ عذر انتہائی معقول تھا۔ اس کے باوجود آپ نے اس پر بڑے متواضعانہ انداز میں معذرت فرمائی۔ انہوں نے جب احقر کا سلام عرض کیا اور دعا کے لئے کہا تو آپ نے ان کے ذریعہ احقر کو درج ذیل شعر کی صورت میں یہ پیغام بھیجا۔

نہ گلم نہ برگ سبزم نہ درخت سایہ دارم　　　در حیرتم کہ دھقاں بچہ کار کشت مارا

اس سے آپ کے مقام فنا، تواضع، فروتنی، مسکنت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ سب کچھ ہونے کے باوجود اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتے تھے اور دراصل عارفین کے نزدیک اصل مقام یہی ہے کما قیل۔

تو در وگم شو وصال ایں ست وبس　　　گم شدگم کن کمال این ست وبس

برخورداران نے جب حضرت کا یہ پیغام احقر کو سنایا تو احقر پر بڑا اثر ہوا اور ساتھ ہی میں نے ان سے کہا کہ اگر میں وہاں موجود ہوتا تو اس کے جواب میں یہ عرض کرتا۔

تو گلی و برگ سبزی و درخت سایہ داری　　　در حیرتم کہ گفتی بچہ کار کشت مارا

لیکن افسوس کہ ان کی زندگی میں اس کی نوبت نہیں آئی۔ اب وفات کے بعد ان کے جنازہ میں شرکت کے موقع پر ان کے جسم خاکی کے سامنے زبان پر بار بار یہی شعر آ رہا تھا جو یقیناً حسب حال تھا۔

جنازہ میں اتنا بڑا اجتماع عند اللہ آپ کی مقبولیت کی علامت معلوم ہو رہا تھا۔ کہاں کہاں سے اہل علم طلبہ و عوام جوق در جوق جنازہ میں شرکت کی سعادت کے حصول کے لئے پہنچ گئے۔ اللہ تعالیٰ حضرت سمیت سب شرکاء کی مغفرت فرمائے۔ جامعہ حقانیہ کے طلبہ و اساتذہ کرام نے بھی جنازہ میں شرکت کی۔ برخورداران و برادران احقر کے ساتھ تھے۔ نماز جنازہ جانشین خواجہ خواجگان حضرت مولانا خواجہ خلیل احمد مدظلہم نے پڑھائی۔ دعا ہے کہ حق تعالیٰ آپ کی خدمات کو قبول فرمائیں۔ آپ کی تالیفات اور اولاد صالحہ و تلامذہ کو آپ کے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین

حضرت مولانا رحمٰن حقانی کے تاثرات [1]

مولانا رحمٰن حقانی اپنی یادداشتوں میں لکھتے ہیں:

بندہ نے ۱۶؍جون ۲۰۱۱ء بروز جمعرات کو ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ گرمی کا موسم تھا۔ ہم تقریباً ایک بجے پہنچے تو خادم نے کہا کہ ابھی حضرت والا آرام کر رہے ہیں۔ آپ بھی آرام کریں۔ چائے سے ہماری ضیافت کی۔ ہم نے آرام کیا۔ دو بجے اُٹھ کر حضرت والا کے خادم نے کھانا پیش کیا۔ پھر نماز کے لئے گئے۔ تین بجے جماعت ہوئی۔ پھر واپس آ کر حضرت والا کے حجرے میں انتظار میں بیٹھ گئے۔ اتنے میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند میاں غلام ابوبکر صدیقی نے بلایا اور حضرت سے ملاقات کروادی۔ آپ کے نورانی چہرے کے دیدار سے مشرف ہوئے۔ پونے ایک گھنٹہ یہ سعادت حاصل کی۔ آپ کی تصانیف سے خوب استفادہ کیا۔ دارالعلوم حقانیہ سے فراغت ہے۔ فرمایا! میں گنہگار ہوں، آپ علماء ہیں، میری ملاقات کے لئے تکلیف اٹھائی، میری ملاقات میں کیا ملے گا؟ ادنیٰ طالب علم ہوں۔ حضرت والا کی اس تواضع و انکساری کو دیکھ کر ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ کئی کتابوں کے مصنف، دارالعلوم دیوبند کے فاضل، مرجع خواص و عوام ایسے حساس موضوعات پر قلم اٹھایا ہے اور ان کا پورا حق بھی ادا کیا ہے۔ اس موضوع پر افراط و تفریط سے کوئی نہیں بچا۔ شیعیت کے ضد میں، ناصبیت سامنے آئی لیکن آپ کی خداداد صلاحیت و بصیرت نے اس موضوع کا مکمل حق ادا کیا اور اہل سنت والجماعت کے موقف کی مکمل ترجمانی فرمائی۔

بہر حال ہم حضرت کے چہرے مبارک کو دیکھ رہے تھے۔ چلنے پھرنے سے معذور، دو آدمیوں کے

---

[1] دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک کے فاضل ہیں۔

سہارے سے چلتے تھے۔ ملاقات سے پہلے ہم باہر بیٹھے تھے اور انتظار میں تھے، اس وقت حضرت والا نماز پڑھ رہے تھے لیکن احقر نے دیکھا کہ اس بڑھاپے و کمزوری کی حالت میں بھی لمبی لمبی رکعتیں پڑھ رہے ہیں۔ میرے ساتھی نے عرض کیا! حضرت! آپ نے جو اتنی عظیم کتابیں لکھی ہیں، یہ بڑی خدمت ہے۔ فرمایا! میں کچھ بھی نہیں، علم سے خالی ہوں، یہ سب بزرگوں کی دعائیں ہیں۔ پھر عرض کیا! حضرت بڑے بڑے مجلدات کا مطالعہ کیا ہے۔ فرمایا نہیں، میرے پاس کچھ بھی نہیں۔ اللہ اکبر۔ اتنی تواضع وانکساری؟

ہم نے اجازت حدیث کی درخواست کی۔ فرمایا حضرت خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ کندیاں شریف والے میرے دورۂ حدیث کے ساتھی رہے اور میں نے بخاری و ترمذی مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی ہے۔ مسلم شریف مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ سے طحاوی شریف اور مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ سے بخاری و ترمذی پڑھیں۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی تھی لیکن وہ قید ہو گئے۔ بعد میں دونوں کتابیں مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ ہو گئیں۔ اس کے بعد فرمایا: یہ میرے اساتذہ حدیث کی تفصیل ہے اور میری طرف سے تم دونوں کو اجازت ہے۔ اللہ تعالیٰ استقامت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اس کے بعد ہم نے دعاء و اجازتِ رخصت چاہی۔ ہاتھ اٹھا کر ہمارے حق میں اس علم و عمل کے تاجدار نے دعا کی اور ہم رُخصت ہوئے۔

مولانا حافظ فضل کریم مدظلہ العالی[1] کے تاثرات

مولانا حافظ فضل کریم سیالوی حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھائی حافظ صالح محمد رحمۃ اللہ علیہ کے اکلوتے بیٹے ہیں۔ وہ اپنی یادداشتوں میں اپنے چچا اور سسر حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

نوجوانی کے دن تھے اور طالب علمی کا زمانہ تھا۔ چنانچہ مجھے والد گرامی حافظ صالح محمد رحمۃ اللہ علیہ نے حکم دیا کہ جب کبھی تمہارا سیال شریف جانا ہو تو حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھ لینا کہ میرے بھائی مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی اقتداء میں نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اس زمانہ میں دیوبندی، بریلوی کشمکش اپنے عروج پر تھی اور ہمارے قصبہ محمدی شریف پر خانقاہ سیال شریف کا اثر ورسوخ زیادہ تھا جبکہ چچا جان مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ دار العلوم دیوبند کے فاضل تھے، بلکہ حضرت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی دورۂ حدیث دیوبند سے ہی کیا تھا۔ والد صاحب کا یہ فرمان سن کر میں بہت خوش ہوا کہ والد صاحب بھی میرے ہم خیال ہیں اور جب سیال شریف سے عدم جواز کا فتویٰ مل گیا تو مجھے بڑی تقویت مل جائے گی۔ چنانچہ ایک دن میں اپنے ایک متشدد دوست مولوی طالب کے ہمراہ

---

[1] مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے، داماد اور جامعہ محمدی کے قابل فخر فاضل۔

سیال شریف جا پہنچا۔ میں نے شیخ الاسلام حضرت مولانا خواجہ قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کو پیغام دیا کہ میرے والد گرامی نے پوچھا ہے کہ میری نماز میرے بھائی مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی اقتداء میں ہوجاتی ہے یا نہیں؟ تو حضور شیخ الاسلام نے تین مرتبہ پوری تاکید کے ساتھ فرمایا کہ! اپنے والد صاحب کو جا کر کہو مولانا محمد نافع کے پیچھے ضرور نماز پڑھیں۔ میں یہاں سیال شریف میں جوڑنے کے لئے بیٹھا ہوں، توڑ پیدا کرنے کے لئے نہیں۔ اور میں قصبہ محمدی شریف میں انتشار نہیں پھیلانا چاہتا۔ حضرت خواجہ صاحب کا یہ فرمان سن کر میرے خیالوں پر تو جیسے اوس ہی پڑ گئی اور دل ہی دل میں بہت نادم بھی ہوا۔ پھر اسی کیفیت میں مولوی محمد طالب اور میں واپس اپنے گھر آ گئے۔

(۲) میں (مولانا فضل کریم) جب درسِ نظامی کی کتب پڑھ کر فارغ ہوا تو مولانا احمد رضا خان کی کتابوں سے بہت متاثر ہو چکا تھا اور ذہن میں ہمہ وقت علماء دیوبند کے خلاف وسوسے پیدا ہوتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت شیخ الاسلام مولانا خواجہ قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے ہاں محمدی شریف تشریف لائے اور رات کو قیام فرمایا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ مولانا حافظ سدید الدین رحمۃ اللہ علیہ آف مرولہ شریف (اب معظم آباد) بھی تھے۔ میں نے ان کو ہم فکر بنا کر علماء دیوبند کی وہ کتب جن میں میرے زعم کے مطابق قابلِ اعتراض عبارتیں تھیں اور وہ کتب جن میں مولانا احمد رضا خان صاحب نے فتوے درج کئے تھے، اکٹھی کر کے حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے رکھ دیں، جوانی کا گرم خون تھا اور کچھ علمی خمار بھی سوار تھا۔ چنانچہ تایا جان حضرت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ، چچا جان محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ اور والد حافظ صالح محمد رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی میں جب میں نے یہ کتب حضرت خواجہ صاحب کے سامنے رکھ کر اپنی گفتگو شروع ہی کی تھی کہ حضرت خواجہ صاحب نے انتہائی ناگواری کے ساتھ مجھے فرمایا کہ یہ کتب اٹھا لو، مجھ سے میرے رب کریم نے ان کے متعلق کوئی سوال نہیں کرنا۔ مزید فرمایا کہ مولانا احمد رضا خان بھی میری طرح کے ایک عالم تھے، ان کی باتیں میرے لئے کوئی حجت نہیں ہیں۔

مولانا عامر شہزاد علوی کے تاثرات[1]

مولانا عامر شہزاد علوی اپنی یادداشتوں کو قلمبند کرتے ہوئے بڑے وسیع تناظر میں آپ کی شخصیت کا یوں جائزہ لیتے ہیں:

[1] مولانا عامر شہزاد علوی فاضل دار العلوم کراچی، متعدد کتابوں مثلاً البدایہ والنہایہ لابن کثیر، کنز العمال، حلیۃ الاولیاء لابی نعیم، عقیدۃ الطحاویہ، مکاشفۃ القلوب، الاصابہ فی تمییز الصحابہ کے مترجم اور مؤلف اخلاق صحابہ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا کیوں ضروری ہے وغیرہ کے مصنف، مدیر شعبہ تصنیف وتالیف دارانس پاکستان

امام کے پیچھے کھڑی پہلی صف میں جتنے اصحابِ شعور اور اہلِ علم و دانش کھڑے ہوتے ہیں انہیں اس بات کا ہر گھڑی احساس ہوتا ہے کہ اگر خدانخواستہ امام کو کوئی عذر پیش آ گیا تو وہ ہم میں سے کسی کا ہاتھ تھام کے اسے اپنا نائب بنا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نماز کی حالت میں تم میں سے میرے نزدیک وہ لوگ کھڑے ہوں جو علم و دانش والے ہوں۔

آج ہم جس صورت حال سے دوچار ہیں وہ بعینہٖ نماز والی ہے۔ ان دس سالوں میں کتنے اکابر ملت ہم سے رخصت ہو گئے اور کتنے مظلومانہ طریقے سے شہید کئے گئے۔ ان میں سے ایک ایک عالم دین شریعتِ مصطفوی کا محافظ، علمبردار اور جانباز تھا۔ خدا تعالیٰ نے انہیں کیا کیا صلاحیتیں اور کیسی کیسی استعدادیں عطا کی تھیں وہ دینِ اسلام کی بقا و بہبود اور مسلمانوں کی فلاح و صلاح کے لئے اپنے اپنے دلوں میں کیسے کیسے منصوبے بنائے ہوئے تھے اس کا علم صرف عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ کو ہے اور تھوڑا بہت ان لوگوں کو ہوگا جن کا ان سے کسی بھی درجے میں واسطہ اور تعلق تھا۔ ان کے جانے سے اسلام میں جو شگاف پڑ گیا وہ قیامت تک بند نہیں ہو سکتا۔ آج دینِ اسلام میں ایسے کئی چھید ہو چکے ہیں۔

آج اپنے اکابر سے بدظن کرنے کے لئے کئی حربے اور نت نئی چالیں چلی جا رہی ہیں۔ یہ ہماری کم فہمی اور لاعلمی ہے کہ اول تو ہم نے بڑوں کی لکھی کتب سے استفادہ نہیں کیا اور جو جو اعتراضات ان اذہانِ جدیدہ میں شیطان ڈالتا ہے ان کے جوابات برسوں پہلے ہمارے اکابر زبانی اور تحریری طور پر دے چکے ہیں۔ چنانچہ فریق مخالف پہلا کام یہ کرتا ہے کہ اکابر سے بدظن کرنے میں میٹھی چال چلتا ہے۔ وہ کہتا ہے ہمیں براہِ راست قرآن و حدیث کا مطالعہ کرنا ہوگا اور پھر یہ دیکھنا ہوگا کہ کس کی بات قرآن و حدیث کے موافق اور کس کی مخالف ہے تو جس صف میں ہمیں جو نظر آئے ہم نے خود پہچان کرنی ہے کہ جو قرآن و حدیث کا مخالف ہے کہیں ہم اس کی صف میں تو نہیں شامل ہو گئے؟ تو یاد رکھنا چاہیے کہ جو شخص بھی اکابر کو ہٹا کے دین کا مطالعہ کرے گا وہ خود بھی گمراہ ہوگا اور دوسروں کو بھی راہِ راست سے ہٹا دے گا۔ جو علم رجال کے ذریعے آئے وہ کتابوں سے حاصل ہونے والے علم سے کئی درجے افضل ہے۔ اسی طرح جب ہم اپنے اکابر کی رہنمائی سے ہٹ کر کسی خاص نہج پر علمی تحقیق کرنا چاہیں گے تو اس راہ سے نشیب و فراز سے ناواقفیت کی وجہ سے الجھ کر رہ جائیں گے اور رہزنوں سے اپنا دامن بچا کے منزل تک پہنچنا مشکل ہو جائے گا۔ اسی طرح دیگر مسائل میں ہمارے اکابر نے وہ سب کچھ ہمارے لئے تیار کر کے رکھ دیا ہے جسے ہم تاقیامت فریقِ مخالف کی علمی محاذ آرائی میں ایک خزانے سے کم خیال نہیں کرتے اور یہ خدا کا علماء اہل سنت پر خصوصی کرم ہے کہ وہ تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف اور منطق میں کامل دسترس رکھتے تھے اور جب بھی کسی گروہ یا پارٹی میں انتشار و افتراق، ضلالت و گمراہی آئی تو انہی پانچ میں سے کسی ایک سے انحراف، لاعلمی،

بے اعتدالی اور غلو کرنے سے ہی آئی۔ جتنے گمراہ فرقے اور افراد اسلام کا لبادہ اوڑھ کر سامنے آئے ان میں یہی فکری اور نظریاتی بے اعتدالی تھی اور آپ ان لوگوں اور جماعتوں کی تاریخِ ارتقاء دیکھیں تو وہ اسلام کی بنیادوں پر کھڑی ہوگی لیکن اس کا ''زوال'' وہیں سے شروع ہو جاتا ہے جب وہ ان اصولوں کو پسِ پشت ڈال کر نئے زاویئے سے سوچنا اور دین کو سمجھنا شروع کرتے ہیں۔ اسی طرح جتنے گمراہ فرقے ہوئے ان کے سامنے سد سکندری بننے اور ان کی روک تھام کے لئے ہر طرح کی قربانی کرنے والے صرف علماء اہل سنت ہیں۔ ہمارے اکابر ہمارے لئے سرمایہ افتخار بھی اور ہماری عزت وآبرو کا ذریعہ ہیں اور واقعی وہ اپنے کمالاتِ علمی اور زہد وتقویٰ کی وجہ سے تھے ہی اس کے قابل لیکن خدارا ہمیں کم از کم ان کے نقش قدم پر چلنا چاہیے۔ ان کی سی علمی لگن، شوقِ تعلم، گیرائی وگہرائی، قوتِ تفہیم، عفو ودرگزر، عالی ہمتی وجواں مردی، خودی وخودداری، دنیا سے بے رغبتی، مال وحبِ جاہ سے گریز، سیرت وصورت میں موافقت، قول وفعل میں مطابقت، حسن اخلاق، ایثار وقربانی، خلوص ومحبت، خیر خواہی وخیر سگالی، خدمتِ خلق، جذبہ تبلیغ، میانہ روی واعتدال، حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم واتباعِ سنت، احترام صحابہ رضی اللہ عنہم، ادبِ اکابر، شیریں دہنی وخوش کلامی، کردار گری ورجال سازی، عہد حاضر کی زبان وبیان اور ماحول وکلچر، تہذیب وتمدن اور افراد سے مکمل آگاہی جیسی صفات سے متصف ہونا چاہیے۔ آج ہم اپنی طرف دیکھیں تو ان خوش نما پھولوں میں سے اکثریت سے اپنے دامن کو خالی پائیں گے۔ آج بھی آسمان وہی ہے، زمین اسی طرح قائم ہے، بہار وخزاں، سرما وگرما اسی ترتیب سے آرہے ہیں، سورج اب بھی مشرق سے ایک نئی صبح کا اعلان کرتے ہوئے بلند ہوتا ہے، سارا نظام اسی نہج پر چل رہا ہے۔ صرف ہماری فکر منجمد، ہماری سوچ زنگ آلود اور ہماری ہمت کا پنچھی اپنے بازو شل کر چکا ہے۔ آج بھی ہمارے اکابر کی تحریرات ہمارے لئے چشم براہ ہیں۔ آج بھی ان کی افکار ہمارے ذہنوں کی تازگی دینے کے لئے تیار ہیں۔ ''عالم ارواح'' میں ان کا موضوع سخن یہی ہوتا ہے۔ کاش! ہمارے پس ماندگان تک کسی طرح یہ بات پہنچ جائے کہ راہِ حق یہی ہے جس کا تم اتباع کر رہے ہو اور یہ کہ صحابہ وتابعین کی روش نہ چھوڑی جائے۔

ان سطور میں حضرت مولانا مرحوم کے چند اوصاف درج کئے جاتے ہیں۔ عاجزی وانکساری ایسا وصف ہے جو لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں ''تسخیر'' کے عمل کی سی قوت رکھتا ہے لیکن لوگوں کو اس عاجزی اور کسی سے دبنے والی کیفیت کے درمیان فرق کا پتا نہیں چلتا تو وہ عاجزی کے موقع پر دبے دبے نظر آتے ہیں۔ تواضع وعدم ترفع اس حالت کا نام ہے جو تکبر کی ضد ہے یعنی لوگوں کو کمتر سمجھنا اور حق بات کا انکار کرنا، ہر طبقے اور مزاج کے لوگوں کی فروتنی اور عاجزی بھی اپنے اپنے دائرۂ کار کے لحاظ سے ہوتی ہے مثلاً کوئی وڈیرا، زمیندار ہے تو اس کی عاجزی وانکساری یہ ہے کہ وہ اپنے ملازموں، مزارعین کو گھٹیا نہ سمجھے اور انہی میں سے یا کوئی اور شخص اسے حق بات

صحیح انداز سے سمجھائے تو اس کا انکار نہ کرے۔

سکول کے اساتذہ کی فروتنی یہ ہے کہ وہ طلبہ کو گھٹیا و کمتر نہ سمجھیں، طلبہ کھڑے ہو کے سبق سنائیں تو خود بھی کھڑے ہو جائیں، طلبہ میں سے اگر کسی صحیح بات کا حوالہ کوئی طالب علم دے تو اسے مان لے، اس کا انکار نہ کرے، نچلے طبقے کے لوگوں کی عاجزی یہ ہے کہ وہ اپنے بالاتر لوگوں کو کنجوس، بخیل جان کر انہیں بے حیثیت نہ سمجھیں بلکہ ان کی قدر کریں کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی ''روزی رسانی'' کا ذریعہ بنایا ہے اور جب وہ کوئی بھلی بات کہہ دیں تو اسے تسلیم کرلیں اور آگے سے حیل وحجت نہ کریں۔

علماء کی عاجزی یہ ہے کہ وہ اپنی علمی کوتاہی کو تسلیم کریں کیونکہ جب اپنی علمی غلطی پر انسان ڈٹ جائے تو یہی ''انکارِ حق'' ہے اور عوام کو بے علم ہونے کی وجہ سے کم درجہ خیال نہ کریں بلکہ اپنے اوپر ان کی اصلاح اور انہیں دین سکھانے کی ذمے داری سمجھیں اور جہاں تک ہو سکے ان سے نرمی، اُنس اور محبت سے پیش آئیں کیونکہ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ جیسے انبیاء نرم خُو، عالی اخلاق، حلم و بُردباری کے پیکر تھے ان کے ورثاء کو بھی انہی صفات سے متصف ہونا چاہیے۔ اس لئے کہ انبیاء مال و زر تو وراثت میں چھوڑ کے نہیں جاتے بلکہ ان کی میراث تو وحی الٰہی سے حاصل ہونے والا علم ہوتا ہے جسے وہ لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔

''مولانا'' کے ہاں کوئی روک ٹوک، وقت کی پابندی، بڑے چھوٹے کا امتیاز کبھی بھی کسی وقت نہ تھا۔ بس ان کی حویلی میں نووارد اپنا نام، آنے کا مقام اور مقصدِ ملاقات واضح کرتا تو پانچ دس منٹ بعد اندر بلا لیا جاتا۔ جو علمی بات پوچھی جاتی، جتنی مستحضر ہوتی بتادی جاتی، جس کے بارے میں لاعلمی ہوتی فوراً کہہ دیتے ''مجھے اس کا علم نہیں''، بات کرنے والا خواہ عمر میں کتنا ہی چھوٹا ہوتا اس کی بات پورے اطمینان اور سلیقے سے سنتے، اس کی گفتگو کے دوران بات نہ کاٹتے بلکہ اسے اپنی بات مکمل کرنے کا موقع دیتے تھے۔

''مولانا'' کا نفاست و نزاکت کا وصف بھی خوب تھا۔ آپ سفید کُرتا و شلوار زیب تن کرتے اور سر پر کپڑے کی سفید ٹوپی رکھا کرتے تھے۔ آخر عمر تک صفائی کا بہت اہتمام کرتے اور یہی معمول عمر بھر رہا۔ آپ اپنے علاقے کے رواج کے مطابق حقے اور نسوار جیسی فضول اشیاء کی لت سے ناآشنا تھے۔ البتہ چائے کے عادی تھے۔ وفات سے چند ہفتے پہلے بس ایک آدھ کپ دودھ اور آدھ کپ پانی خوراک رہ گئی تھی۔ مولانا نے اتنی نقاہت و کمزوری اور جسمانی کیفیت کے باوجود رمضان المبارک کے روزے رکھے۔

لکھنے پڑھنے کے لئے روشنائی والا قلم استعمال فرماتے اور بہت صاف و شفاف اور شُستہ خط میں تحریر کے موتی پروتے۔ کرسی کا استعمال نہیں کیا، چارپائی پر ہی بیٹھا کرتے، ہاں تکیے سے ٹیک جب بہت کمزوری ہوگئی تھی، لگا لیتے تھے لیکن آنے والے مہمان کا لحاظ پاس خوب کرتے تھے۔ بعض دفعہ تو خود نووارد ہی کو ترس اور رحم

آجاتا کہ حضرت میری خاطر تکلیف اٹھا رہے ہیں۔آپ کی حویلی میں داخل ہوتے ہی ہر چیز اپنی جگہ پُرسکون اور ایک خاص سنجیدہ حالت میں محسوس ہوتی ہے۔آپ کے کمرے کے سامنے وسیع صحن ہے جس میں نیم کے دراز قد پیڑ سایہ افگن ہیں، جہاں آپ گرمیوں میں تشریف فرما ہوتے تھے۔کمرے کے بالکل بالمقابل مسجد ہے۔جب تک آپ چل پھر سکتے تھے اسی مسجد میں نماز باجماعت ادا فرماتے۔یہ سب عمارتیں پرانی طرز کی اور بالکل سادہ وضع کی ہیں۔ٹھاٹھ باٹھ کا خوگر اس کوچے میں قدم رکھے گا تو پہلی نظر میں وہ شاید سمجھے گا کہ یہاں غربت ہے۔

نفسیاتی طور پر ہر انسان اس بات کا خواہش مند ہوتا ہے کہ لوگوں میں اس کا اچھا چرچا ہو، ہر ایک اس کے گن گائے، ہر ایک کی زبان پر اس کا ذکر خیر ہو، کوئی اس پر انگلی اٹھانے اور نکتہ چینی کرنے والا نہ ہو، جہاں وہ جائے اسے پذیرائی ملے، لوگ اس کا استقبال کریں۔اہلِ تزکیہ واحسان کی اصطلاح میں اسی نفسیاتی طلب کو ''حبِ جاہ'' یعنی مرتبے کی محبت کہا جاتا ہے۔چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ اپنی شہرت حاصل کرنے کے لئے اپنی عزت تک داؤ پر لگا دیتے ہیں، شرم وحیا کے سارے بندھن توڑ دیتے ہیں، حلال وحرام، جائز وناجائز کی ساری حدیں پھلانگ جاتے ہیں۔اہل علم میں سے جن کا قلبی وروحانی تعلق کسی مرشد سے وابستہ نہ ہو تو وہ بہت جلد اس ابلیسی دام میں آجاتے ہیں۔پھر وہ حق بات کو جانتے ہوئے بھی قبول نہیں کرتے اور جب ان سے کوئی عاجزانہ اپیل کرتا ہے کہ آپ کی فلاں تحقیق کتاب وسنت سے متصادم ہے تو وہ اپنی شہرت کے جھنڈے کو سرنگوں تو نہیں کرتا البتہ حق سے دست بردار ہو جاتا ہے۔آئے دن جن لوگوں سے نظریاتی معرکہ آرائی رہتی ہے۔بیشتر کا بنیادی مسئلہ یہی شہرت و نمود ہے۔وہ اس دیوار کو کسی صورت گرانے پر راضی نہیں ہوتے چاہے حق کتنی ہی دور ہو جائے۔

مولانا کا یہ ''وصف'' للّٰہیت واخلاص کی بین دلیل تھا۔آپ کو خدا نے جو عزت وشہرت اور قبولِ عام بین العلماء والعوام عطا کیا تھا آپ اس پر بھی ہمیشہ اپنی بے بضاعتی، عاجزی، خدا کے ہاں بے مقبولیت کے خوف سے سراپا استغفار بنے رہتے اور یہی فرماتے: بس اللہ کے ہاں قبول ہو جائے! ابھی وفات سے سال بھر پہلے آپ کی کتاب ''رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ'' کی تعریب بیروت سے مطبوع صورت میں پاکستان آئی تو مولانا کی زبان پر یہی الفاظ تھے کہ یہ ان نفوسِ قدسیہ کی کشش اور ان کے سچے پکے ایمان کی جاذبیت ہے کہ اس کتاب کے اردو، عربی ایڈیشن کو لوگوں نے تہہ دل سے قبول کیا ہے۔میرا اس میں کوئی کمال نہیں۔اس کتاب کی تعریب کا بیڑہ شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ کی نگرانی میں اٹھایا گیا جو حسن وخوبی پایۂ تکمیل تک پہنچا۔

انسانی قلب ایک ایسا برتن ہے جس میں جو ہوتا ہے اس کا اظہار اعضاء وجوارح، حرکات وسکنات، گفتار وکردار سے ہوتا رہتا ہے۔مولانا اپنے تلامذہ، محبین، مستفیضین اور منتسبین سے یہی فرمایا کرتے تھے کہ یاد رکھئے گا دین کو دنیا کمانے کا ذریعہ نہ بنایئے گا۔چنانچہ راقم نے جب ''اخلاقِ صحابہ کرام'' کا کام ''الاصابہ فی تمیز الصحابہ''

کے ترجمہ کے بعد مکمل کیا اور حضرت کے سامنے پیش کیا تو حضرت کے الفاظ تھے:

''اللہ آپ کا بھلا کرے آپ نے دین کی خدمت کی ہے اور یاد رکھنا کوئی دینی کام نمود و نمائش یا دکھلاوے کیلئے کبھی نہ کرنا، دین کو دین کی خدمت سمجھ کے کریں، دنیا کمانے کے لئے نہ کریں تو وہ عنداللہ بھی مقبول ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا بھلا کرے۔ (اخلاق صحابہ کرام ص ۲۹ مطبوعہ المشرق، لاہور)

آپ کے بڑے بھائی مولانا محمد ذاکر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فاضل دیوبند و بانی مدرسہ جامعہ محمدی شریف اپنے علاقے میں ایم این اے رہے تھے۔ اس دوران کئی لوگوں نے مولانا سے کہا کہ:

''آپ کا حلقہ احباب وسیع ہے۔ آپ اگر اس سیٹ کے لئے کھڑے ہوں تو فتح آپ کی رہے گی۔ مولانا نے فرمایا: یہ کون سی جنگ ہے، سیاست کا سارا تانا بانا جن لغویات اور دین مخالف امور پر مشتمل ہے اس سے یہی لگتا ہے کہ یہ ساری دوڑ دھوپ محض دنیا کی طلب ہے۔ یہ دنیا اس کی چیزیں اُنہی کو مبارک، میرا راستہ یہ نہیں۔ چنانچہ آپ نے الیکشن میں حصہ لینے سے صاف انکار کر دیا اور فرمایا بھائی جان میں جو حزم و احتیاط تھی میں اس سے عاری ہوں۔''

دراصل یہ خدا کی تقسیم تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے جو کام لیا باوجودیکہ آپ کے بڑے بھائی مولانا محمد ذاکر صاحب رحمۃ اللہ علیہ علم و عمر میں آپ سے زیادہ تھے لیکن انہیں خال خال لوگ ہی جانتے ہیں جبکہ مولانا کا شہرہ ملک کے طول و عرض اور بیرون ملک تک پھیل گیا ہے اور سیاست کے میدان میں عام لوگ ''مولانا'' کے نام سے بلکہ ان کے کام سے ناواقف و نا آشنا ہیں۔ اب دونوں کے ورثا میں مولانا کے بیٹے، پوتے اسی طرز معاشرت، اسی علمی لگن اور اسی مثبت انداز میں دین کی خدمت کر رہے ہیں اور ان کے بڑے بھائی کے بیٹے مولانا رحمت صاحب سیاست سے وابستہ ہیں۔

ایک بار مولانا چنیوٹ ''ردّ رافضیت'' کا دورہ پڑھانے آئے۔ کسی طالب علم کی کاپی چٹائی پر پڑی دیکھی، جس پر آپ کے نام کے ساتھ ''یادگارِ اسلاف اور محقق العصر'' کے القاب درج تھے۔ آپ نے لال سیاہی سے یہ دونوں لقب کاٹ دیئے اور فرمایا: بھئی! جو مجھے خوشی پہنچانا چاہتا ہے وہ میرے نام کے ساتھ یہ القاب نہ لکھے اور جس کا ارادہ مجھے ایذاء رسانی کا ہو وہ بے شک لکھتا رہے۔ آپ حقیقت پسند انسان اور کھرے مسلمان اور صادق القول والفعل عالم دین تھے۔

اخلاص وللّٰہیت:

مسلمان کا ہر کام عبادت سے لے کر معاشرت تک، اخلاقیات سے لے کر معاملات تک، اخلاص و للّٰہیت پر مبنی ہونا چاہیے۔ جو لوگ ریا و نمود کے لئے کوئی کام کرتے ہیں ان کا کام خواہ کتنی مشقتوں کے بعد منصہ

شہود پر آیا ہوا سے دوام حاصل نہیں ہوتا۔ وہ وقتی اور عارضی لوگوں کے ساتھ زوال پذیر ہو جاتا ہے۔ اردو ادب میں ایک نام ''بابو رام سکسینہ'' کا آتا ہے۔ انہوں نے انگریزوں کے لئے انگریزی میں اردو ادب کی تاریخ اور روداد قلم بند کی ہے لیکن اب ان کا نام لیوا کوئی بھی نہیں بلکہ ان کی انگریزی کتاب کا اردو زبان میں ترجمہ کر دیا گیا ہے۔ یوں ان کی ساری محنت و کوشش وقتی اور عارضی تھی۔ مولانا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ''تحفہ اثنا عشری'' محض اخلاص و للّٰہیت کے لکھی لیکن اس پر کسی وجہ سے اپنا نام نہیں لکھا بلکہ اپنی کنیت لکھی۔ اس دور کے کئی علماء کو وقت کی حکومت نے جواب لکھنے کو کہا لیکن علماء نے اس کا جواب لکھنے سے صاف انکار کر دیا۔ رہتی دنیا تک شاہ صاحب کی اس کتاب سے برابر استفادہ کیا جا رہا ہے۔ سر سید احمد خان نے انگریزوں کے مزاج کے مطابق تفسیر قرآن لکھی لیکن آج کوئی بھی اس تفسیر سے کوئی علمی نکات حاصل نہیں کرتا جبکہ ''تفسیر مظہری''، ''مواہب الرحمٰن'' نامی تفاسیر آج بھی اسی عقیدت واحترام سے پڑھی سمجھی جاتی ہیں۔

''مولانا'' میں یہ وصف بھی کمال درجے کا تھا۔ آپ کی ہر تصنیف ہر طبقے میں بڑی قدر و منزلت سے پڑھی جاتی ہے اور پڑھنے والا آپ کی حق گوئی اور سچائی کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی تصانیف میں اگرچہ سادگی ہوتی ہے لیکن ان میں خاص کشش اور جاذبیت نظر آتی ہے جس کے پیچھے آپ کا اخلاص کارگر ہوتا ہے۔ آپ اپنے متعلقین کو بھی ہمیشہ اخلاص کی تلقین کرتے تھے۔

مسلک اکابر:

ہمارے اکابر علماء دیوبند حق کے پیرو اور متبع قرآن و سنت تھے۔ ان میں کہیں بھی اصول سے انحراف نہیں پایا جاتا۔ وہ اپنے علمی تفردات اور تحقیقات کو اپنے اصولوں کے سامنے کوئی حیثیت نہیں دیتے تھے۔ جہاں اکابر کی کوئی بات خلافِ تحقیق معلوم ہوتا ہے ادب کے دائرے میں رہتے ہوئے اس کی مناسب تاویل کرتے ہیں۔ یہی اعتدال کی راہ اور منزل تک رسائی کا زینہ ہے۔ انسان چاہے جتنی تحقیقات کر لے، اسباب تحقیق خواہ جیسے کیسے بھی مہیا کر لے جب تک وہ سلسلۂ رجال کو درمیان میں نہیں لائے گا، ٹھوکر کھائے گا۔ ہم تک جو دین پہنچا ہے اس کا پہلا ذریعہ رجال ہی ہیں۔ کتابوں کی حیثیت ثانوی ہے۔ بیشتر مقامات پر کتابوں کے نسخوں میں غلطی واقع ہو جاتی ہے جبکہ سلسلۂ رجال سے جو بات منقول ہوتی چلی آتی ہے اس میں غلطی بہت کم واقع ہوتی ہے۔ ہو بھی تو ''لحن'' کی غلطی ہوتی ہے یعنی س کی جگہ ص یا ذ کی جگہ ز، جبکہ کتابوں میں ''تصحیف'' کی غلطی بہت نمایاں ہوتی ہے۔ مثلاً من کی جگہ ابن لکھ دیا یا وقعت کی جگہ وضعت لکھ دیا اور جہاں مضمون کا مفہوم و مطلب ہی بگڑ جائے تو اسے ''تحریف'' سے تعبیر کرتے ہیں۔

''مولانا مرحوم و مغفور'' نے اپنے اکابر کے مسلک سے کبھی جداگانہ رائے نہیں رکھی بلکہ سچ تو یہ ہے کہ

آپ نے کبھی نہیں فرمایا: میری یہ رائے ہے یا میری یہ تحقیق ہے اور نہ کبھی اپنی کسی تحریر میں اس بات کو عیاں ہونے دیا۔ جب بھی فرمایا یا لکھا تو بس یہی: یہ بات میں نے فلاں استاذ سے سنی تھی یا فلاں کتاب میں پڑھی تھی۔ موجودہ ''مختلف فیہا'' مسائل میں انہوں نے جمہور ہی کی راہ اختیار کی ہے۔ ہماری معلومات کی حد تک مولانا سے منقول علمی نکات میں ایک بھی ان کا تفرد نہیں پایا جاتا۔ اس سے بڑھ کر اکابر سے عقیدت مندی، ان کی تحقیقات پر مکمل اعتماد واطمینان کی اور کیا مثال ہو سکتی ہے؟

البتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے آپ کو جو والہانہ عقیدت ومحبت تھی اور ان سے احترام کا جو دائرہ تھا اس حصار پر اگر کسی طرف سے زد پڑنے کا ہلکا سا شائبہ بھی ہوتا تو آپ بالکل برداشت نہ کرتے تھے۔ برموقع اگر مخاطب سامنے ہوتا یا بذریعہ خط وکتابت اگر وہ شخص دور ہوتا ضرور متنبہ کرتے تھے۔ اکابر میں سے رجال کی کسی کتاب میں کوئی سقم پایا جاتا تو اس کا بھی برملا ذکر فرما دیتے۔ چنانچہ اس ضمن میں راقم کا اپنا شنیدہ واقعہ ہے کہ ''جب الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ'' کے ترجمے کا آغاز کیا تو مولانا سے رہنمائی لینے محمدی شریف گیا۔ اس وقت دورانِ گفتگو حضرت نے فرمایا کہ حیات الصحابۃ میں ایک ضعیف روایت تھی جس کے متعلق میں نے مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا۔ مولانا زکریا صاحب نے جواب دیا کہ اس روایت پر میری نظر بھی ہے لیکن اب کیا کیا جائے اس کتاب کے مؤلف اس دنیا سے رختِ سفر باندھ کے عازم آخرت ہو چکے ہیں۔ فرماتے ہیں: پھر میں بھی خاموش ہو گیا۔ یوں آپ کبھی کسی سے مناظرانہ اور مباحثانہ تکرار نہ کرتے تھے۔ اسی مجلس میں فرمایا کہ مصنف ابن ابی شیبہ کی یہ عبارت الحاقی ہے ''ان ابا بکر و عمر لھم شھدا'' کہ ایسا کوئی عنوان نہ رکھیں جس سے اعداء صحابہ کو انگلی اٹھانے یا ان پر تنقید کرنے یا ان کی تنقیص کرنے کی کوئی راہ ملے۔ میں نے اپنی ایک کتاب کا نام پیش کیا جو زیر تالیف تھی اور اس کا اکثر حصہ مسودے کی شکل میں میرے پاس تھا، چنانچہ آپ کی دور اندیش طبیعت نے فوراً بھانپ لیا اور بندہ نے مولانا مرحوم ومغفور کے کہنے پر اس موضوع پر ہاتھ کھینچ لیا اور وہ مسودہ ہمیشہ کے لئے دفن کر دیا۔

میں نے عرض کی: آپ کی کوئی آرزو کسی موضوع کے متعلق جو تاحال پوری نہ ہو سکی ہو۔ فرمایا: صحابہ کرام کے اخلاق کے متعلق کوئی کتاب ہو جس میں ان کے اخلاقی نمونے درج ہوں اور الدین النصیحۃ کے طور پر وہ حضرات ایک دوسرے کے کیسے خیر خواہ تھے تاکہ لوگوں کو پتا چلے کہ کیسے معاشرت ہوتی ہے؟ مولانا کی دعاؤں، راہنمائی اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مولانا کی حیات میں ہی اس موضع پر ''اخلاق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم'' کے نام سے کتاب منظر عام پر آ گئی جس کا نام مولانا ہی کا رکھا ہوا ہے۔ یہ کتاب ''المشرق'' لاہور سے شائع ہو چکی ہے۔

عربی کا مقولہ ہے: ''العلم لا یعطیك بعضه حتی تعطیه كلك'' جب تک تم اپنے آپ کو پوری طرح علم کے حوالے نہیں کر دیتے علم اپنا ایک جز بھی تمہیں نہیں دے گا۔ علمی دنیا سے تعلق رکھنے والے جانتے

ہیں کہ علمی سمندر کے شناور جونہی دنیاوی قضیوں، رنجشوں اور نفرتوں کے لق و دق صحرا پر قدم رکھتے ہیں تو ان کے پاؤں جھلس جاتے ہیں۔ جن حضرات نے ''پرانے چراغ'' کا مطالعہ کیا ہوگا ان کے سامنے یہ بات آئی ہوگی کہ جتنے بھی علماء کسی دنیاوی کام میں لگے خواہ مجبوراً خواہ ضرورتاً چاہے دلچسپی اور اس کام سے رغبت کی وجہ سے بالآخر انہیں اس کوچے کو خیر باد کہنا پڑا۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اہل خانہ سے فرما رکھا تھا کہ تم لوگوں کی جو ضرورت ہو وہ میرے منشی اور خزانچی سے کہہ دیا کرو تا کہ میرے علمی مشاغل میں حرج نہ ہو۔ اسی طرح شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''آپ بیتی'' میں لکھا ہے کہ وہ لوگ بے حد ناانصاف ہیں جو اپنے کسی عالم کو دنیا کے بکھیڑوں میں لگا دیتے ہیں۔

مولانا مغفور و مرحوم نے صاحبزادوں کے ہوش سنبھالنے کے بعد تمام تر معاملات ان کے حوالے کر دیئے اور خود ہمہ تن تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے۔ مولانا کے صاحبزادے بھی بڑے فرمانبردار، حلیم الطبع اور قدرشناس انسان ہیں۔ مولانا نے اپنے صاحبزادے میاں محمد مختار عمر صاحب کو لاہور میں ایک مکتبہ بنا کے دیا لیکن جو بات اوپر تحریر کی گئی ہے اس کی بنا پر وہ اس میں نہ چل سکے۔ یوں وہ مکتبہ بند ہو گیا۔ ہمارا جب بھی جانا ہوتا ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ مولانا کوئی حساب کتاب وصول کر رہے ہوں یا کوئی معاملات طے کر رہے ہیں۔ لگتا تھا کہ ان کے ہونہار صاحبزادوں نے انہیں دنیا کے تمام تر نشیب و فراز سے یک طرف کر دیا ہے۔ یوں وہ اس جہاں میں ہوتے ہوئے بھی اس دنیا کے نہیں لگتے تھے۔ یہی وجہ ان کی سادگی اور صاف قلبی کی ہے۔

کسی شخص کے کپڑوں پر سیاہی کا دھبا ہو اور آپ اسے کہیں او گندے انسان، ذرا اپنی خبر لو، یہ کیا داغ لگا رکھا ہے؟ تو اس کا اثر اس آدمی پر کیا ہوگا؟ لیکن اس کے مقابلے میں آپ کسی انسان سے کہتے ہیں کہ ذرا آئینے میں دیکھئے گا اور اسے اپنی پیشانی پر کلنک کا نشان نظر آ جاتا ہے تو وہ آپ کا بے حد شکر گزار ہوگا۔

مولانا نے بھی کبھی کسی پر براہ راست تنقید نہیں کی بلکہ جس بات کے متعلق فریق مخالف اور اہل سنت والجماعۃ کے درمیان نزاع ہوتا جانبین کی کتابوں سے اس پر دلائل کی ایسی روشنی ڈالتے کہ وہ بات منقیٰ و مصفیٰ ہو کر بے غبار ہو جاتی اور اپنا پرایا ہر ایک اسے تسلیم نہ کرنا بے انصافی خیال کرنے لگ جاتا۔

راقم نے ایک بار مولانا مودودی صاحب کی بات نقل کی کہ وہ فرماتے ہیں: معیوب شخصیت کا عیب عیاں کرنا چاہیے تا کہ لوگ دھوکہ نہ کھائیں۔ مولانا مغفور و مرحوم نے فرمایا: عیب کی ٹوہ لگانے بس تمہی بیٹھے ہو؟ پھر فرمایا: ''یہ طریقہ سلف صالحین کے خلاف ہے'' جس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ علامہ ابن عبدالبر صاحب ''استیعاب'' نے اپنی کتاب میں جہاں تمام صحابہ کے اسماء و حالات کا استقصا و احاطہ کرنے کا دعویٰ کیا ہے، جس میں وہ احوال و تراجم کی حد تک تو ناکام رہے البتہ دوسری باتیں نقل کر کے کافی ذخیرہ اکٹھا کر لیا ہے۔ حافظ ابن

حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: ابن عبدالبر کی اس روش سے بہت سے علماء نے ناراضی اور ناپسندی کا اظہار کیا ہے کہ انہوں نے بعض صحابہ پر حرف گیری کی ہے۔ چنانچہ جو مقبولیت ''الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ'' کو حاصل ہوئی وہ کسی اور کتاب کو نہ مل سکی۔ ''اسد الغابۃ'' مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت کے محقق علامہ خالد طرطوسی نے بجا فرمایا ہے کہ تراجم الصحابۃ میں ''الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ'' کو تاج کی حیثیت حاصل ہے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض قلم کار اپنی کتابوں کے آغاز میں بڑی کشادہ دلی سے اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ ہم نے اعتدال سے انحراف کی طرف اور بے ادبی و بے احترامی کا ہاتھ مارنے سے پوری کوشش کی ہے لیکن پہچاننے والے پہلی نظر اور اولین سطر سے ہی انہیں پہچان لیتے ہیں۔ مثلاً مولانا غلام رسول سعیدی صاحب مؤلف ''تبیان القرآن'' نے اپنی تفسیر کے مقدمے میں اس بات کو ذکر کیا ہے اور کافی حد تک انہوں نے اس کا ایفا بھی کیا ہے لیکن تعصب کی چھپی چنگاری کا دھواں کسی نہ کسی مقام پر ظاہر ہو ہی جاتا ہے۔ آخر میں جہاں انہوں نے مصادر و مراجع کا ذکر کیا ہے وہاں متقدمین میں سے اپنے ہم خیال علماء کے ساتھ امام اور علامہ کا لقب لگایا ہے اور مخالفین یا بزعم جناب گمراہ لوگوں کے ساتھ شیخ کا لقب استعمال کیا ہے۔

اس کے برعکس مولانا مغفور و مرحوم کی کتابوں میں کسی بھی جگہ اس قسم کا تاثر نہیں ملتا بلکہ غیر جانبداری کے ساتھ مسئلے کو سامنے رکھ دیا جاتا ہے اور پڑھنے والے پر نتیجہ نکالنا یا فیصلہ اخذ کرنا چھوڑ دیا جاتا ہے اور اس بات کا اعتراف موافق و مخالف سبھی کرتے ہیں۔ ایک بار مولانا احمد رضا خان صاحب کے فرقے سے متعلق ایک پیر صاحب راقم سے کہنے لگے: ''مولانا محمد نافع صاحب محقق تو بڑے زبردست ہیں لیکن وہ مخالف کو دلائل کے شکنجے میں کستے نہیں کہ وہ لاجواب ہو جائے۔'' عرض کیا گیا کہ اس دور میں کسنے باندھنے والے بے شمار و بے حساب ہیں لیکن ''اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ'' کی عملی تصویر انگلیوں پہ گنے جا سکتے ہیں۔ نیز مولانا کا مزاج شروع سے ہی ہر معاملے میں اعتدال پسند اور میانہ رو واقع ہوا ہے۔ جھگڑالو پن، اجڈ مزاج، تندخوئی، کینہ پروری، غرور و تکبر جیسی جملہ امراض سے خدائے قدوس نے انہیں تادمِ زیست محفوظ و مامون رکھا اور دوسری بڑی نعمت انہیں یہ عطا ہوئی تھی کہ عمر بھر کسی مہلک اور جان لیوا مرض میں مبتلا نہیں ہوئے تھے۔ اگرچہ آپ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ محمدی شریف میں ہی گزار دیا۔ آپ حد درجہ متحمل مزاج اور صبر و توکل والے انسان تھے۔ آپ نے کبھی کسی کی شکایت نہیں کی تھی۔

علم و مطالعے کی دنیا سے تعلق رکھنے والے ایک صاحب سے کسی نے پوچھا: آپ نے اتنی تھوڑی عمر میں اتنا کچھ کیسے پا لیا؟ انہوں نے جواب دیا: میں نے استفادہ کرنے میں کبھی جھجک محسوس نہیں کی اور نہ کبھی افادے میں بخل سے کام لیا۔ مولانا مغفور و مرحوم اسم بامسمیٰ تھا۔ آپ ہر چھوٹے کی بات غور سے سنتے اور اس کی معلومات سے کوئی علمی نکتہ ملتا تو ضرور فائدہ اٹھاتے اور جوان سے کوئی بات پوچھتا، علمی اصلاح لیتا تو کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ

نے اسے محروم واپس کیا ہو بلکہ مستفیدین کے لئے اپنا آرام تک قربان کر دیتے ۔ بالآخر دیکھنے والوں کو خود ہی رحم آجاتا اور وہ اجازت لیتے ۔ ورنہ مولانا علمی سمندر سے ایسے ایسے نایاب جواہر نکال کے ساتھ کے ہاتھ پر رکھ دیتے جنہیں تلاش کرنے کے لئے اسے کئی سال لگ جاتے ۔

افادے اور استفادے میں دو چیزیں ضروری ہیں جس سے آپ نے کوئی علمی فائدہ اٹھانا ہے اس کی مزاج، تھکاوٹ اور نشاط کا خوب خیال رکھیں ۔ ایک تابعی فرماتے ہیں : میں ایک صحابی سے قرآنِ مجید سیکھتا تھا ۔ جونہی مجھے محسوس ہوتا کہ اب وہ تکان سے بوجھل ہونے لگتے ہیں یا وہ جمائی لیتے تو میں فوراً اٹھ جاتا ۔ دوسرے دن پھر نشاط اور چستی سے سلسلۂ تعلیم چلتا اور استفادے کا جب تک مخاطب اہل نظر نہ آئے از خود اسے کوئی چیز بتانا علم کی بےقدری ہے ۔ مولانا محمد نافع صاحب میں یہ دونوں باتیں ترازو کی زبان کی طرح برابری کا ثبوت دے رہی تھیں ۔ جب تک مخاطب سوال نہ کرتا آپ کبھی بھی اس کے سامنے از خود کوئی بات بیان نہ فرماتے تھے ۔

مولانا خاموش طبع، متفکر مزاج، اکثر نگاہیں زمین پر جھکائے کسی گہری سوچ میں مصروف رہتے ۔ خادمین کو بھی جرأت نہیں ہوتی تھی کہ آپ کی فکر کے تسلسل کو توڑیں بلکہ حضرت کے از خود اٹھنے، بولنے سے وہ جواب دیتے اور جو آپ کی منشا ہوتی اس کے مطابق ضرورت کی چیز چائے، پانی، کھانا وغیرہ پیش کیا جاتا ۔ آخری عمر میں اکثر لوگ چڑچڑے، غصیلے اور اول فول کہنے والے ہو جاتے ہیں لیکن مولانا کے لب سے کبھی نازیبا لفظ نہیں سنا گیا ۔ مولانا مختار صاحب اور شب و روز کے خصوصی خادم حافظ غلام رسول کا کہنا ہے کہ مولانا کو جلال اگرچہ آتا تھا لیکن آپ نے کبھی گالی گلوچ اور دشنام بازی نہیں کی ۔ زیادہ سے زیادہ ڈانٹ دیتے تھے بس!

مولانا ملک خلیل احمد اشرفی کے تاثرات [1]

مولانا ملک خلیل احمد اشرفی مدیر جامعہ ملیہ اسلامیہ چنیوٹ (خلیفہ مجاز شیخ الحدیث حضرت مولانا صوفی محمد سرور مدظلہ) اپنے تاثرات قلمبند کرتے ہوئے آپ کے اخلاق کریمانہ کی تصویر کچھ ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں :

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں ایک جملہ تحریر کیا ہے : ”الانبیآء قبل نَبِیِّنَا ﷺ کانُوا یُبْعَثُون الیٰ اقوامِھِم خاصۃً وَبُعِثَ نَبِیِّنَا ﷺ الی کَافَۃِ اللّٰنَّاس “ ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل جتنے نبی آئے وہ خاص خاص قوموں، قبیلوں اور علاقوں کے نبی تھے اور ہمارے

---

[1] مولانا ملک خلیل احمد جامعہ اسلامیہ ملیہ چنیوٹ کے مہتمم، مولانا قاری مشتاق احمد مہتمم جامعہ عربیہ چنیوٹ کے بھتیجے ہیں ۔ چنیوٹ کے سرکردہ علماء کرام میں ان کا شمار ہوتا ہے ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری کائنات کا نبی بنا کر بھیجا گیا۔ اسی طرح آپ کے طفیل آپ کی امت کے بعض علماء بھی عالمی علماء ہوئے ہیں اور ان کا فیض پوری دنیا کے کونے کونے تک پھیلا ہے۔ جیسے امام الدنیا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام دارالہجرۃ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ۔ یہ چاروں آئمہ تو وہ ہیں جن کا مسلک اللہ تعالیٰ کی بعض حکمتوں کی بنا پر امت خیر میں قائم اور باقی رکھا گیا۔ اس وقت تقریباً پچاس فیصد امت محمدیہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مقلد ہے۔ ویسے تو چودہ صدیوں میں بے شمار ایسی ہستیاں گزری ہیں جن کا فیض عالمی تھا کیونکہ میرے مضمون کا موضوع مناظر اسلام، غزالی دوراں، محقق زماں حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ ہیں اس لئے ان کی مناسبت سے ان کا اور ان مشائخ واساتذہ کا ذکر کروں گا جن کی برکت ووسیلہ سے مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کا فیض بھی پورے عالم کے اندر پھیل گیا۔ ہندوستان میں خواجہ معین الدین چشتی، حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، پھر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد جس قافلۂ حریت کے فیض نے پورے دنیا کے کونے کونے کو منور وتاباں کر دیا تھا اور سورج کی کرنوں کی طرح زمین کے ہر خطہ تک پہنچ گیا وہ اکابر علماء دیوبند ہیں۔ سلاسل میں حضرت مولانا امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ جن کا فیض ہندوستان کی ہر قریہ وبستی سے ہوتا ہوا حرمین کریمین تک پہنچ گیا۔ پھر حاجی صاحب کے تربیت یافتہ بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ فیض شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منتقل ہوا۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاذ شیخ الہند کے بارے میں فرمایا کرتے تھے مجھے پیشین گوئیاں کرنے کی عادت نہیں لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ ایک وقت ایسا آجائے گا جب شیخ الہند کے علوم پوری دنیا میں پھیل جائیں گے۔ حضرت مولانا محمود الحسن شیخ الہند کے نام سے مشہور تھے۔ اگر کوئی حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے شیخ الہند کہتا تو آپ ناراض ہو جاتے اور فرماتے میرے استاد شیخ الہند نہیں بلکہ شیخ العرب والعجم ہیں۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے سترہ سال تک روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ کر حدیث پڑھائی۔ مولانا شبیر احمد عثمانی مسلم شریف کی شرح فتح الملہم کی وجہ سے اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے اصلاحی اور تصنیفاتی کمالات کی وجہ سے اور مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کا فیض تبلیغی جماعت کی وجہ سے دنیا کے کونے کونے تک پھیل گیا تو پھر ان کے استاذ شیخ الہند کا کیا عالم ہوگا؟

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بڑے بھائی مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ اسی قافلہ حریت کے تربیت یافتہ تھے۔ ان ہی کا روحانی وعلمی فیض تھا کہ جس نے مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کو سورج کی طرح پوری دنیا میں چمکا دیا اور ان کا فیض سورج کی کرنوں کی طرح پوری دنیا میں پھیل گیا۔ محمدی شریف ایک چھوٹی سی غیر معروف بستی سے یہ علم وعمل کا بادل اُٹھا اور پوری دنیا پر برسا اور اپنے علوم سے تمام اہل حق کو سیراب کر دیا اور اہل باطل کو حیران کر دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی شخص کے بارے میں دریافت کیا تو مسئول عنہ نے جواب دیا کہ وہ بہت اچھا آدمی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تو نے اس کے ساتھ کبھی سفر کیا ہے؟ تو اس نے کہا کہ نہیں۔ تو آپ فرمانے لگے پھر تجھے کیا پتہ وہ کیسا ہے؟ واقعتاً سفر میں آدمی کے اخلاق کی پرکھ ہوتی ہے۔ ۱۹۸۰ء کی بات ہے جامعہ عربیہ چنیوٹ کے سلسلہ میں حافظ شیر محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ سفر ہوا یہ شعبان و رمضان کے دن تھے۔ استاذی المکرم ''جامعۃ العلوم الاسلامیہ'' بنوری ٹاؤن میں مذاہب باطلہ کے ردّ میں دورہ پڑھانے کے لئے گئے ہوئے تھے۔ واپسی سفر ہمارے ساتھ کیا تو میں نے دیکھا کہ پیرانہ سالی کے باوجود صلوٰۃ واذکار کی پابندی کرتے تھے۔ اگر ہم سے کبھی طبیعت کے غیر موافق بات ہوتی تو بڑی خندہ پیشانی سے برداشت کرتے اور جواب بھی بڑی دھیمی آواز میں دیتے۔ یہ ان کے اخلاق کریمانہ کی ایک جھلک ہے۔ پوری زندگی راقم کو ہر ملاقات میں یہ اندازہ لگا کہ آپ میں اتباع سنت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

ایک سال جامعہ عربیہ چنیوٹ میں مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش پر دورہ ردّ مذاہب باطلہ پڑھایا تو راقم بھی شریک ہوا۔ استاذی المکرم بندہ پر خصوصی توجہ اور شفقت فرماتے تھے۔ روزانہ کا سبق کاپی پر صاف لکھ لاتا اور مغرب کے بعد آپ کی خدمت میں پیش کرتا۔ اگلے دن جب حاضر خدمت ہوتا تو اصلاح کی ہوئی ہوتی تھی۔

ان ایام میں سیرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی مرتب فرما رہے تھے۔ دورہ کا سبق پڑھانے کے بعد بندہ آپ کے لئے کھانا اور پانی وغیرہ لاتا، طعام اور حوائج ضروریہ سے فارغ ہو کر پھر مجھے اپنے پاس بٹھا لیتے اور کاغذ کے چھوٹے چھوٹے پرزوں پر لکھے حوالہ جات کو الگ الگ کر کے مجھے دیتے جاتے اور میں ان کے کہنے پر ترتیب لگاتا جاتا۔ تو اسی دوران ایک کاغذ کے ٹکڑے پر حوالہ تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غَسل قدمین کے بارے میں تو میری زبان سے غَسل کی بجائے غُسل پڑھا گیا تو فوراً اصلاح فرمادی۔ فرمانے لگے باب تو ایک ہے یعنی ضَرَبَ یَضْرِبُ لیکن مصدر کے بدلنے سے معنیٰ بدل جاتا ہے۔ غُسل غ کے ضمہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنیٰ نہانا اور غ کے فتحہ کے ساتھ ہو تو معنیٰ دھونا ہوگا۔ میں بڑا حیران ہوا کہ استاذی المکرم نے اس چھوٹی سی لغزش پر بھی چشم پوشی نہیں کی بلکہ اصلاح فرمادی۔

قدرت کا بنا بنایا حلوہ:

آپ کو پھلوں میں کیلا بہت پسند تھا۔ جب آپ تناول فرماتے تو ساتھ ساتھ فرماتے جاتے سبحان اللہ، اللہ تعالیٰ نے بنا بنایا حلوہ بھیج دیا ہے۔

اگر آپ کے سامنے کوئی کیلا دانتوں سے کاٹ کر کھاتا تو ناراضگی کا اظہار فرماتے اور کیلے کو خود ہاتھوں سے توڑتے اور فرماتے یہ انسان کا طریقۂ طعام ہے۔ دانتوں سے کاٹ کر کھانا طریقہ حیوانات ہے۔ الا کہ جہاں کہیں صاحبِ شریعت نے اس کے برعکس کیا ہو۔

شوق مطالعہ:

اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو محقق عصر بنا دیا اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آپ کی جوانی تو مطالعہ ہی میں گزری، اس پیرانہ سالی میں بھی مطالعہ کا یہ انداز تھا کہ اگر کسی نے کوئی کتاب بھیجی تو آپ نے چند دنوں میں اس کا مطالعہ کر کے اس کی کم بیشی سے مؤلف کو آگاہ کر دیا۔

ایک بار ملاقات کے دوران مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور اور شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند کی تفسیر ''معارف القرآن'' کا راقم نے ذکر کیا تو آپ کو بڑا اشتیاق ہوا اس کے دیکھنے کا۔ میں ان کے میلان کو دیکھ کر اس کا مکمل سیٹ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے سورۃ الاحزاب کے آخر میں آیت ہے: ''اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' وہ نکالیں۔ تفسیر سے وہ جگہ نکال کر دکھائی تو فرمانے لگے ماشاء اللہ مولانا نے اس آیت پر طویل بحث کی ہے اور پھر فرمانے لگے کہ تفسیر آپ واپس لے جائیں۔ میں بار بار عرض کرتا رہا کہ آپ کے لئے لے آیا ہوں، آپ قبول فرمالیں لیکن آپ کا انکار بڑھتا رہا۔ فرمایا زیارت مقصود تھی، وہ ہوگئی ہے بس! آپ کے اس فعل سے یہ بات عیاں ہوگئی کہ آپ کو محض کتابوں کے جمع کرنے کی حرص نہ تھی۔ ضرورت ہوتی تو قبول کر لیتے ورنہ واپس کر دیتے۔ دوسری ملاقات میں مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شہرۂ آفاق تصنیف ''عقائد الاسلام'' خدمت میں پیش کی تو قبول کر لی۔ اب پر ہم سب اہل علم کو عمل کرنا چاہیے۔

اتباع سنت علماء دیوبند میں دیکھی:

ایک بار ہماری مسجد بَن والی کے امام وخطیب حضرت مولانا عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ مجاز حضرت مولانا علی المرتضیٰ نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد کے مقتدیوں سے مشورہ کیا کہ ایک فتویٰ مرتب کیا جائے اور جامعہ محمدی شریف بھیجا جائے۔ فتویٰ لے جانے کے لئے راقم کا نام لیا گیا۔ میں وہ فتویٰ لے کر محمدی شریف پہنچا۔ آپ اپنی حویلی میں ایک درخت کے نیچے تشریف فرما تھے۔ زندگی کے آخری لمحات میں بھی دھوپ کے دوران اسی درخت کے نیچے آرام فرماتے تھے۔ فتویٰ آپ کے سامنے رکھا۔ آپ نے پڑھ کر اس کا جواب تحریر کیا اور اس کے بعد فرمانے لگے میں نے طالب علمی کے دور میں دیوبند میں اپنے اکابر اور اساتذہ کو دیکھا کہ ان کے ہاں اتباع سنت کا شدت سے اہتمام تھا اور یہی صفت ان کی دنیا میں مقبولیت کا سبب ہے۔

دارالعلوم دیوبند کی مسجد میں کبھی گم شدہ چیز کا اعلان نہیں ہوا بلکہ مسجد کے مین دروازہ کے سامنے ایک چبوترا بنا ہوا تھا۔ ایک باباجی نماز کے بعد وہاں کھڑے ہو کر گم شدہ چیز کا اعلان کرتے تھے۔ یہ ذکر کرنے کے بعد استاذ

جی بار بار فرماتے جارہے تھے آج لوگوں نے بے سروپا غلط باتیں اکابر دیوبند کی طرف منسوب کردی ہیں جن کا کہیں وجود نہیں۔ وہ بڑے متبع سنت تھے۔ اتباع سنت ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو مقامات عالیہ سے نوازا ہے۔ اور فرمانے لگے دیوبند نام ہے اتباع سنت کا۔ آخر میں بابا جی کا ایک اور کام بتایا کہ روزانہ بابا جی کا معمول تھا کہ طلبہ کے کمروں اور رہائش گاہوں کا چکر لگاتے اور جو کھانا بچا ہوا ہوتا تھا اسے اٹھاتے اور جمع کر کے ان طلبہ کو کھلاتے جن کا کھانا کسی وجہ سے مطبخ سے بند ہو جاتا تھا۔

دل جوئی آپ کا خاصہ تھا:

میں ۱۹۹۶ء میں جھنگ جیل میں نظر بند تھا اس دوران سیرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا بالاستیعاب مطالعہ کیا۔ بندہ کو بعض مضامین کے بارے میں تقدیم و تاخیر محسوس ہوئی تو میں نے جیل سے ایک طویل خط تحریر کیا۔ شاید حضرت کے کاغذات میں وہ خط موجود ہو۔ جب میں رہا ہوا اور ملاقات کے لئے حاضر ہوا تو سلام کے جواب کے بعد فوراً فرمانے لگے آپ کا خط ملا تھا جیسے آپ نے مشورہ دیا تھا ویسے کر دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اتنے بڑے محقق ہونے کے باوجود ایک عام آدمی کی رائے کو رد نہیں کیا۔

''رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ'' آپ کی مقبولیت عامہ کا سبب بنی:

ویسے تو آپ کی ہر تحریر آب زر سے لکھنے والی ہے لیکن جس کتاب کی وجہ سے آپ کو پوری دنیا کے اندر شہرت ملی اور محققین اور علماء قدر کی نگاہ سے دیکھنے لگے وہ ''رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ'' ہے جس کے کئی زبانوں میں تراجم ہو رہے ہیں۔ میری معلومات کے مطابق چودہ صدیوں میں دو کتابوں کی نظیر نہیں ملتی جو صحابہ رضی اللہ عنہم پر لکھی گئی ہیں۔ ایک رئیس التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی ''حیات الصحابہ'' اور آپ کی کتاب ''رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ''۔ دعا ہے اللہ ان کتابوں کو آپ کے لئے آخرت کا ذخیرہ بنائے۔ آمین۔

''بنات اربعہ'' کے بارے میں محقق العصر مناظر اسلام یادگار اسلاف وکیل مسلک اہل السنت والجماعت حضرت مولانا منظور احمد نعمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہمارے ہی زمانہ کے ایک وسیع النظر محقق فاضل و مصنف مولانا محمد نافع صاحب نے ایک نہایت محققانہ کتاب ''بناتِ اربعہ'' (یعنی چار صاحبزادیاں) تصنیف فرما کر تحقیق کا حق ادا کیا ہے۔ یہ تقریباً ساڑھے چار سو صفحات کی کتاب ہے۔ اس میں اہل سنت کی حدیث، تاریخ اور انساب کی کتابوں کے علاوہ شیعوں کی کتب حدیث، ان کے ائمہ معصومین کی روایات، ان کی تاریخ اور انساب کی کتابوں اور ان کے متقدمین اور متاخرین علماء و مجتہدین کی تصریحات سے جو شیعہ مذہب میں سنت کی حیثیت رکھتے ہیں، ناقابل تردید طور پر ثابت کیا کہ حضرت

زینب رضی اللہ عنہا، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا چاروں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں تھیں۔ پھران صاحبزادیوں اوران کی والدہ ماجدہ مطہرہ ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سوانح حیات پر بھی یہ کتاب حاوی ہے۔ اللہ تعالیٰ کتاب کے مصنف مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کو جزائے خیر عطا فرمائے اوران کی کتب کو علمی دنیا میں قبول عام فرمائے۔ (معارف الحدیث، جلد نمبر ۸، صفحہ نمبر ۲۳۵)۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا زیادہ تر سفر کتب خانہ سے گھر اور لنگر خانے تک محیط تھا۔ آپ ہمیشہ پروقار طریقے سے چلتے لیکن نظریں ہمیشہ نیچے ہوتیں۔ قدم ہمیشہ چھوٹے اٹھاتے اور کوشش کرتے کہ ساتھی کی رفتار سے وہ تیز نہ ہوں۔ بہت زیادہ تیز چلنے کی عادت نہ تھی۔ درمیانی چال اور وقار آپ کا امتیاز تھا۔

آپ کے جمعہ کے خطبات اور دیگر دینی مجالس ہوں یا درس وتدریس کے مواقع، آپ کی تقریر ہمیشہ آسان فہم، سادہ الفاظ اور آسانی سے سمجھ آنے والے دلائل پر مبنی ہوتی، کبھی دور کی کوڑیاں نہ لاتے۔ تقریر ہمیشہ جامع کرتے لیکن اس میں کبھی دوراز کار اور غیر متعلق گفتگو نہ کرتے۔

آپ کی زندگی کی طرح آپ کی تحریر بھی سادہ، مختصر اور جامع ہوتی۔ ہمیشہ سلیس اور جامع الفاظ کو استعمال کرتے، ربط وضبط کا خیال رکھتے اور مضامین کو پوری شرح وبسط کے ساتھ اور دلائل کو پورے حوالوں کے ساتھ ضبط میں لاتے۔ آپ ایک جرأت مند اور دیانتدار قسم کے محقق تھے۔ کبھی کسی جارح قسم کے مصنف کو بھی نامناسب الفاظ سے یاد نہ کرتے۔ نصیحت اور بھلائی ہمیشہ ملحوظ خاطر رہتی۔ آپ کی جملہ کتب آپ کی تحریر کے اعلیٰ منہاج پر ہیں۔

عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم کا دفاع، آپ کی تمام تحاریر اور کتب کا اصل مضمون رہا ہے۔ اسلام کی عظمت، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشروط ہے اس لئے آپ کا ایمان تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دیانت، صداقت اور شرافت پر جب قرآن گواہی دیتا ہے تو ہم میں سے کوئی بڑے سے بڑا ناقد بھی اپنی ہیجان خیز تحریروں میں کبھی بھی قابل قبول نہیں ہے۔ آپ نے اپنے تمام مضامین اور تحاریر میں روایت، سند اور رجال کی امانت و دیانت کا پورا لحاظ رکھا ہے اور پوری دیانت داری کے ساتھ حقائق کو سامنے لائے ہیں تا کہ مخاطب کی زندگی بھی جہالت کے اندھیروں سے نکل آئے اور تاریخ کی گمراہیوں سے نکل کر قرآن وحدیث کے معارف سے اپنے اذہان کو روشن کرلیں۔

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی آپ کی زندگی کا طرۂ امتیاز ہے۔ آپ نے کبھی بھی کسی کی لغو اور بے اصل گفتگو یا تحریر کو نظر انداز نہیں کیا اور اس کے حوالے سے اسلاف کی کتابوں اور تاریخی اسناد کی صحت کے ساتھ حقائق و معارف کو اپنی تنقید کا زینہ بناتے تا کہ ان کا مخاطب اپنی اصلاح کر سکے اور عوام الناس کو گمراہ کرنے کی بجائے ان کی ہدایت کا سامان بن سکے۔

مولانا عبدالحمید تونسوی[1]

کاروانِ اہل سنت کے نامور معمار

(۳۰ر دسمبر ۲۰۱۴ء/ ۸ر ربیع الاول ۱۴۳۶ھ) کو بندہ ناچیز سندھ کے تبلیغی سفر پر تھا کہ اچانک فون کے ذریعہ یہ اطلاع ملی کہ حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے ہیں۔ یہ غمناک خبر سب مسلمانوں کے لئے پریشانی کا باعث تو تھی ہی مگر اہل علم کے لئے جانکاہ صدمہ ثابت ہوئی کیونکہ عوام الناس کو دین سمجھانے والے تو بہت ہیں مگر علماء کی رہنمائی کرنے والا اب کوئی نہیں۔ شاید کسی بھی شام کا منظر اتنا اداس نہیں ہوگا جتنا کاروانِ اہلسنت کے اس علمی سورج کے ڈوبنے سے چھا گیا۔ حضرت والا اقدس سرہ ملت اسلامیہ کے عظیم سپوت، کاروان اہلسنت کے نامور معمار، اسوۂ صحابہ کے سچے پیرو، اسلاف کے مشن کے علمبردار اور مذہب حق کے پاسدار تھے۔

سورج کے ڈوبتے ہی میرا دل بھی ڈوب گیا آج
اتنا اداس شام کا منظر نہ تھا کبھی

پہلی ملاقات:

بندہ ناچیز نے ایک عرصہ سے نابغہ روزگار حضرت مولانا محمد نافع کا اسم گرامی سن رکھا تھا۔ علمی اور دینی حلقوں میں ان کی شہرت کی وجہ سے ان کی زیارت کا اشتیاق اپنے قلب وجگر میں کروٹیں لیتا تھا کیونکہ موصوف ایک محقق عالم دین، اہل حق کے ترجمان اور اہلسنت کے پشتیبان تھے۔ مگر حضرت والا کی زیارت و ملاقات کا شرف مجھے پہلی مرتبہ ۱۹۸۰ء میں اس وقت حاصل ہوا جب آنجناب میرے جدامجد حضرت اقدس علامہ محمد عبدالستار تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت پر مرکز تنظیم اہلسنت دارالمبلغین ملتان میں علماء کی تعلیم وتربیت کے لئے تشریف لائے اور وہاں مذہب حقہ اہل سنت والجماعت کی حقانیت کے براہین اور دفاعِ صحابہ کے حوالے سے علمی جواہر پارے بکھیرتے رہے۔ اس علمی وتحقیقی اور روحانی ماحول کا منظر آج تک آنکھوں کے سامنے ہے۔

خيالك في عيني وذكرك في فمي
ومثواك في قلبي فاين تغيب

بعدازاں حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق اور محبت وعقیدت کا مستقل سلسلہ چل نکلا۔ اس ناچیز کو ان سے تلمذ کا شرف بھی حاصل ہوا اور پھر ان کی حیات طیبہ کے آخری لمحہ تک ان سے مسلسل رابطہ بھی رہا۔ چنیوٹ

---

[1] مولانا عبدالحمید تونسوی حضرت مولانا عبدالستار تونسوی کے نواسے، تنظیم اہلسنت کے امیر اور معروف عالم دین ہیں۔ ملتان میں رہائش پذیر ہیں۔

کے گرد و نواح میں جب بھی دعوت وتبلیغ کی نسبت سے احقر کا جانا ہوتا تو حضرت والا کے دولت کدہ (محمدی شریف) میں جا کر ان کی زیارت کے بغیر گزر جانا ممکن نہ ہوتا۔

اکابر کی زندگی:

مرکز تنظیم اہلسنت دار المبلغین ملتان میں ہم نے جن اکابر کو دیکھا ان میں حضرت اقدس علامہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت اقدس علامہ ڈاکٹر خالد محمود مدظلہم، حضرت اقدس مولانا نور الحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت اقدس مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت اقدس مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔

جب ہم اکابر علماء وصلحاء کرام کے حالات زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو ایک بات ہمیں قدر مشترک نظر آتی ہے کہ یہ نفوس قدسیہ پہلے ظاہری علوم میں مہارت وکمال حاصل کرتے اور اس کے بعد جادۂ عشق ومحبت الٰہی پر قدم رکھتے اور اس وقت تک مصروف عمل رہتے جب تک خلاق عالم ان کے اشتیاق کی بے تابیوں پر رحم فرماتے ہوئے حریم ذات کے دروازے ان کے لئے نہ کھول دیتا۔

دست از طلب ندارم تا کام من برآید
یا تن رسد بجاناں یا جاں زتن برآید

ماشاءاللہ حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے اکابر کے معاملہ میں نہایت غیور اور پابند مسلک رہے۔ زندگی میں بھی اپنے اکابرین کی تربیت کا عکس جمیل ہویدا ہے۔

ایک اور ملاقات کا حال:

۲۲ رستمبر ۲۰۱۲ء بمطابق ۵ رذیقعدہ ۱۴۳۳ھ بمقام محمدی شریف ضلع چنیوٹ حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت ہوئی اور ارشاد فرمایا کہ ''میں نے پاکستان بننے سے چار سال قبل دار العلوم دیوبند میں دورۂ حدیث کیا۔ وہاں میں نے حدیث کا سبق حضرت مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الادب والفقہ اور حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ (جنہوں نے سلم العلوم کا حاشیہ لکھا ہے) اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا۔ بندہ کے استفسار پر انہوں نے بتایا کہ اس سال حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ جیل میں تھے اور وہ پورا سال وہیں رہے اور ہماری شومیٔ قسمت ہم ان سے استفادہ نہ کر سکے اور نہ ان کی زیارت کر سکے۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ انگریز کے خلاف تقاریر فرماتے تھے اس لئے انہوں نے بہت تکالیف اٹھائیں (رحمۃ اللہ علیہ)۔

حضرت نے بتایا کہ اس سال میرے ساتھ مولانا خان محمد امیر تحفظ ختم نبوت، کندیاں والے بھی دورۂ حدیث میں شریک تھے۔

بندہ ناچیز کی درخواست پر حضرت والا نے احقر کو سند حدیث کی اجازت بھی مرحمت فرمائی اور دو عدد کتابیں (حدیث ثقلین اور سیرت امیر معاویہ) اپنے مبارک ہاتھوں کی تحریر کے ساتھ ہدیہ میں عنایت فرمائیں۔

نوٹ: اس ملاقات کے دوران حاجی عجب خان، روڈو سلطان اور صوفی محمد الیاس ساکن لشاری بھی بندہ کے ہمراہ تھے۔

علمی مقام ومرتبہ:

حضرت والا کا شمار ملک بھر کے ان چند جید علماء میں ہوتا ہے جن کی نہ صرف علمی وتحقیقی اور تصنیفی خدمات کو ہمیشہ قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا گیا بلکہ ان کی دینی صلابت ومسلکی خدمات بھی اپنے معاصرین میں سب سے منفرد، ممتاز اور نمایاں رہیں۔

اسلاف پر اعتماد، مذہب اہلسنت پر مضبوطی سے قیام، مشرب علماء دیوبند پر تصلب، راہ اعتدال پر گامزن، تشدد سے کوسوں دور اور تجدد سے کنارہ کش رہنا ان کی امتیازی ونمایاں صفات ہیں۔

دور حاضر میں وہ ایسے عظیم دانشور اور محقق ومدقق جس نے اپنی عبقریت اور علمی رزانت کے لافانی نقوش تاریخ عالم پر ثبت کئے۔ جنہوں نے تبحر، تعمق اور تحقیقات علمیہ میں وہ منفرد مقام حاصل کیا کہ سالہا سال کی کاوشیں ان کی علمی تحقیق وتدقیق کے مقابلے میں ہیچ نظر آنے لگیں۔

اس کا انداز نظر اپنے زمانے سے جدا
اس کے احوال سے محرم نہیں پیران طریق

یہی وجہ ہے کہ اسلامی دنیا کے سرکردہ علماء ومشائخ علمی، تحقیقی اور مسلکی حوالے سے آپ پر نہ صرف بھرپور اعتماد فرماتے ہیں بلکہ اکثر وبیشتر مؤلفین آپ کے خوشہ چین ہیں۔

شانِ تواضع:

علمی مقام کے ساتھ ساتھ حق تعالیٰ نے آپ کو شان تواضع عطا فرمائی تھی۔ آپ طبعاً بہت منکسر المزاج تھے۔ تصنع اور بناوٹ اور ظاہرداری سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ بندہ ناچیز نے جب [امام ابوحنیفہ اور علم حدیث، توضیحات، رسومات محرم، ذاکر نائیک اور اس کے نظریات] وغیرہ رسائل تحریر کئے تو جہاں اپنے جدامجد حضرت اقدس علامہ محمد عبدالستار تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کو دکھائے وہاں استاذی المکرم حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی اصلاح ودعا کی غرض سے ارسال کئے۔ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں دیکھ کر بہت خوشی کا اظہار فرمایا، دعائیں دیں اور ہر ایک رسالہ پر اپنی رائے گرامی بھی تحریر فرمائی اور موقع بموقع مسائل، دلائل اور استدلال وغیرہ میں جہاں کوئی سقم نظر آیا تو

اس کی اصلاح بھی فرمائی۔جزاھم اللہ احسن الجزا...نور اللہ ضریحہ وبرد اللہ مضجعہ۔

رسائل کی دوسری اشاعت میں ہم۔نے :جب حضرت والا کی آراء گرامی کو شائع کیا تو ان پر حضرت کے نام کے ساتھ چند القابات ''نمونہ اسلاف، امام اہلسنت، محقق اسلام، وکیل صحابہ'' بھی لکھے۔حضرت والا نے جب نئے ایڈیشن میں انہیں دیکھا تو ناگواری کا اظہار فرمایا اور فوراً مجھے اپنے مکتوب گرامی میں اس کا شکوہ کیا جس کے ایک ایک لفظ سے آپ کی شان تواضع، عاجزی، انکساری اور سادگی ٹپکتی ہے۔ چنانچہ ایک مکتوب گرامی میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''تسلیمات مسنونہ کے بعد تحریر ہے کہ جناب کی طرف سے کتابچہ ''ذاکر نائیک اور اس کے نظریات'' موصول ہوا۔ یادآوری کا شکریہ۔اس کے بعد ہم آپ سے ایک ضروری شکوہ ذکر کرتے ہیں، وہ یہ کہ بندہ کے نام کے ساتھ کتابچہ پر آپ نے بڑے بڑے القاب تعلّی وترفع کے ذکر کر دیئے، جو مجھے ہرگز پسند نہیں اور میرے سادگی پسند مزاج کے برخلاف ہیں۔ یہ آپ نے میرے حق میں بہت زیادتی کی ہے اور مجھے پریشان کیا ہے۔ مہربانی فرما کر آئندہ ان القابات سے مجھے معاف رکھیں اور کتابچہ کے آئندہ ایڈیشن میں یہ القابات حذف کر دیں۔ازحد مہربانی ہوگی اور مجھے راحت قلبی حاصل ہوگی۔

والسلام مع الدعاء

دعا گو ناچیز محمد نافع عفا اللہ عنہ

۲۰ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ''

خاص مشن:

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے گردونواح کے ماحول کو دیکھا تو وہاں انہیں زیادہ تر رافضیت کے جراثیم نظر آئے جس کی وجہ سے آپ نے اپنے لئے اسی موضوع پر کام کرنے کا فیصلہ کیا کہ بہرصورت اہل رفض کے اعتراضات اور حملوں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور مسلک اہلسنت کا دفاع کیا جائے اور مذہب تشیع کی ضلالتوں کو واضح کر کے حجت حق قائم کی جائے۔

ایک حدیث میں ہے:''ان اللہ اختارنی واختار لی اصحابی......''

جس طرح حق تعالیٰ نے نبوت کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور آپ کی رفاقت وقرابت کے لئے آپ کے صحابہ کا انتخاب فرمایا اسی طرح اس علیم وخبیر ذات نے اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی جماعت کے دفاع و وکالت کے لئے امت محمدیہ میں سے بعض حضرات کا انتخاب فرمایا۔ پھر انہیں علوم قرآن وحدیث، فہم سلیم اور نور بصیرت سے نوازا۔وہ خوش نصیب حضرات جو ایسی منفرد وممتاز صفات سے متصف ہو کر احقاق حق وابطال باطل کی

محنت میں مگن رہے، دور حاضر میں ان میں ایک بلند تر نام حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے جو آفتاب آمد دلیل آفتاب کے مصداق ہیں۔

دین اسلام کی مدافعت کی ذمہ داری:

خدا کا نظام قدرت حکیمانہ ہے۔ اس نے جہاں انسانوں کو اپنی عبادت کا حکم دیا ہے وہاں عبادت فریضہ کی یاد دہانی اور عبادت کا انداز و رہنمائی کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ہر دور میں اپنے نبی اور رسول بھیجے۔ یہ چیز دراصل خدا کی رحمت اور عدل و حکومت کا تقاضا ہے کہ انسان کو یونہی جہالت و گمراہی کے اندھیرے میں نہ چھوڑا جائے بلکہ خدا کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنے میں اس کی مدد کی جائے تاکہ وہ اپنے رب کے سامنے سرخرو و بامراد ہو سکے۔

اسی طرح یہ بھی عادت اللہ ہے کہ جہاں کہیں ظلم و ستم، کفر و شرک نے زور پکڑا تو خلاق عالم نے اس کی قوت کو زیر کرنے کے لئے اپنے پیغمبروں کو دین متین کی مدافعت کی ذمہ داری سونپی......

مثل مشہور ہے "لکل فرعون موسی" ہر فرعون کے لئے موسیٰ ہے کے بمصداق ہر دور میں خدا نے دین اسلام کے دفاع کے لئے علماء امت سے کام لیا ہے۔

پاکستان کے چاروں صوبوں پر طائرانہ نگاہ ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے سب سے بڑے صوبہ پنجاب میں چار اضلاع میں رفض کے جراثیم باقی علاقوں کی نسبت کچھ زیادہ تھے۔ (وگرنہ ملک بھر کی حکومتی مردم شماری کے مطابق اہل تشیع ۳ فیصد سے زیادہ نہیں۔ ملک کی واضح اکثریتی آبادی اہلسنت ہے جو تقریباً ۹۷ فیصد سے زائد ہے۔)

پنجاب بھر میں جہاں رفض کے جراثیم پائے جاتے تھے اور وہاں کے وڈیرے اپنی دنیوی، مالی اور سیاسی قوت کے بل بوتے مذہب حق کی راہ میں رکاوٹ تھے خدا نے وہیں سے ایسے عظیم سپوت پیدا کئے جنہوں نے عقل و فہم، علم و دانش اور تحقیق و تدقیق کے ذریعہ کتاب و سنت کے دلائل و براہین سے اہل رفض کا منہ توڑ جواب دے کر ان کا ناطقہ بند کر دیا۔

① رفض کا زیادہ زور پنجاب کے ضلع جہلم (چکوال، تلہ گنگ، اٹک) وغیرہ میں تھا تو خدا نے وہاں حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ کو پیدا کیا۔ جن کی محنت و کاوش سے مذہب اہلسنت کو تحفظ حاصل ہوا۔

② رفض کا کسی قدر اثر پنجاب کے ضلع ملتان (مظفر گڑھ، ڈی جی خان، لیہ، بھکر) میں تھا تو خدا نے وہیں سے حضرت مولانا عبدالستار تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کو پیدا کیا جن کی حق گوئی و بے باکی نے خرمن رفض کو بھسم کر کے رکھ دیا۔

③ رفض و بدعت کا زیادہ شور پنجاب کے ضلع سرگودھا، جھنگ، چنیوٹ، فیصل آباد میں تھا تو خدا نے وہیں

سے حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کو پیدا کیا جن کی تحریر وقلم نے اہل رفض کے دعاوی کی قلعی کھول کرانہیں لاجواب ومبہوت کر دیا۔

سالہا باید کہ تا یک سنگ اصلی زآفتاب
لعل باشد در بدخشاں یا عقیق اندر یمن

هيهات لا ياتى الزمان بمثلهم
ان الزمان بمثلهم لبخيل
وہ صورتیں الٰہی کس ملک بستیاں ہیں
اب دیکھنے کو جن کے آنکھیں ترستیاں ہیں

''رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ'' کی تالیف کا عظیم کارنامہ:

یوں تو حضرت والا نے تصنیف وتالیف کے میدان میں جو تحقیقی وعلمی کام کیا ان میں سے آپ کی ہر ایک کتاب اپنے اپنے موضوع پر ایک بہترین تالیف ہی نہیں بلکہ مذہب حقہ اہلسنت والجماعت کا صحیح پرچار بھی ہے اور تحقیق کا انمول شاہکار بھی۔ (دیدہ باید)

مگر یہاں قابل ذکر بات یہ ہے کہ دین اسلام کی تشریح واشاعت میں تاریخ وسیرت کے سینکڑوں عناوین پر ہزاروں لاکھوں کتابیں لکھی گئیں مگر روئے زمین پر ''رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ'' جیسی کتاب موجود نہیں۔ جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم واہل بیت عظامؓ کی باہمی قرابت، نسبت اور محبت وتعلق کو فریقین کی کتب معتبرہ کے دلائل قاہرہ سے مزین کیا گیا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم واہل بیتؓ کی منقبت ووکالت کی یہ منفرد خدمت حضرت والا قدس سرہ ہی کے حصہ میں آئی ہے۔ تاریخی حقائق ومعلومات کا جو خزینہ آپ نے بطون اوراق میں جمع کیا ہے وہ ببانگ دہل اس بات کی شہادت ہے کہ اس سے قبل اس انداز کا کام نہیں ہو سکا جس نے فریق مخالف کو دم بخود ولاجواب کر دیا ہے۔

تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

''رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ'' ایک ایسی عظم کتاب ہے جس پر مکمل تبصرہ تو مستقل ایک تحقیقی مقالہ کا عنوان ہے۔ تاہم ''رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ'' پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے تو اس کی چند اہم خصوصیات وامتیازات نمایاں طور پر نظر آتی ہیں جو کہ حسب ذیل ہیں:

☆ ''رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ'' شیعہ وسنی نزاعی مسائل پر فیصلہ کن کتاب ہے۔

☆ ''رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ'' ایسے ٹھوس دلائل، براہین اور بینات پر مبنی ہے جن کا فریق ثانی جواب نہیں دے سکے۔

☆ ''رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ '' میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم واہل بیتؓ کی باہمی قرابت کے ٹھوس شواہد کتب شیعہ سے پیش کر کے فریق ثانی کو مبہوت ولا جواب کر دیا ہے۔

☆ ''رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ '' اسم با مسمیٰ ہے اور خروج عن المبحث اور خلط فی المبحث سے بالکل پاک ہے جس کی وجہ سے اس میں بے جا طوالت نہیں۔

☆ ''رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ '' خواص وعوام، علماء وطلباء، دانشور ووکلاء سبھی میں یکساں مقبول ہے۔

☆ ''رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ '' ایک ایسی محقق کتاب ہے جس میں پیش کردہ ایک حوالہ بھی ایسا نہیں جس کی فریق ثانی تردید کر سکیں۔ نقل دلائل میں حد درجہ احتیاط مؤلف کی دیانت کا اعلیٰ ثبوت ہے وہاں اہلسنت کی حقانیت کی بہترین دلیل بھی ہے۔

☆ ''رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ '' میں (شیعہ وسنی) دونوں فریقوں کی کتب سے حوالہ جات پیش کئے گئے ہیں جس سے صحابہ واہل بیت کی باہمی محبت وتعلق خوب نمایاں ہو کر سامنے آیا ہے۔

☆ ''رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ '' کا انداز تحریر، سادہ وسلیس اور عام فہم ہے جس سے ہر طبقہ کے لوگ یکساں استفادہ کر سکتے ہیں۔

☆ ''رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ '' کے موضوع پر آج تک ایسی کتاب تحریر نہیں کی گئی جو کہ مؤلف کی علمی رزانت، تحقیقی بصیرت اور عبقریت کی غماز ہے۔ نیز مذہب اہلسنت کی حقانیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان و عدالت کا منہ بولتا ثبوت بھی ہے۔

☆ ''رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ'' کا نام قرآن مجید کی آیت سے لیا گیا ہے اور پوری کتاب کا موضوع بھی یہی ہے کہ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں رحم دل وشیر وشکر ہیں) یہ بات دراصل دیگر حسب ذیل متعدد آیات کا خلاصہ ہے:

ا: فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ○ (العمران: ۱۰۳)

ب: وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ○ (انفال: ۶۳)

ج: أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ... (انفال: ۷۲)

☆ کتاب ''رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ'' کا انداز جارحانہ نہیں بلکہ معتدلانہ، مشفقانہ اور مصلحانہ ہے جو کہ کتاب وسنت کے پیش کردہ اصول تبلیغ و دعوت اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ... فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ... وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ...

☆ اور احادیث طیبہ "یسروا ولا تعسروا، بشروا ولا تنفروا... الدین النصیحۃ..." کے عین مطابق ہے جو کہ منکرین ومعاندین پر اتمام حجت ہے۔

☆ "رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ" کی مقبولیت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس کی تعریب بھی بیروت سے شائع ہو چکی ہے۔

☆ "رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ" کتاب لاجواب ہے، جس طرح منہاج السنۃ لابن تیمیہ اور تحفۃ اثنا عشریہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، نصیحۃ الشیعہ مولانا محمد احتشام الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا رافضیت جواب نہیں دے سکی، اسی طرح "رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ" کا رہتی دنیا تک کوئی جواب نہیں دے سکتا۔

غیر معمولی اعتدال:

حضرت اقدس مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ساری زندگی دفاع صحابہ کے لئے وقف کردی۔ آپ نے ہر محاذ پر دشمنان صحابہ کا علمی تعاقب کیا۔ عموماً دیکھنے میں آتا ہے کہ اس میدان میں کام کرنے والے شخص کا اعتدال سے ہٹ جانا قرین قیاس ہوتا ہے مگر حضرت والا نے ہمیشہ تحریر وتدریس میں ہر ایک چیز کے انتخاب میں بڑی احتیاط، اعتدال اور دیدہ ریزی سے کام لیا ہے اور مقدور بھر ان کی کوشش رہی کہ سچے موتیوں کے ساتھ خزف ریزے نہ آنے پائیں۔ آپ کا ہر عمل اس پر شاہد عادل ہے کہ آپ نے اعدائے صحابہ سے نظریاتی اختلاف میں ایک لحہ کے لئے بھی اہلسنت والجماعت کے مسلک اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ ادھر روافض زمانہ نے اصحابہ ثلاثہ رضی اللہ عنہم اور ازواج مطہراتؓ کو سب وشتم کا نشانہ بنایا تو اُدھر خوارج نے حضرت علی رضی اللہ عنہ وفاطمہ رضی اللہ عنہا وحسنین رضی اللہ عنہم کو مشق ستم بنالیا اور دونوں افراط وتفریط کا شکار ہوئے۔ اسی طرح مشاجرات صحابہ کا پہلو ہو یا عظمت اہل بیت کا، شہادت حسین کا موضوع ہو یا فسق یزید کا، عظمت پیغمبر کی بات ہو یا شان اولیاء کی، الغرض عقائد سے لے کر اعمال تک ہر لحاظ سے حضرت والا نے اپنے اکابر کی تحقیقات کو حرز جان بنایا اور کسی مقام پر بھی راہِ اعتدال سے ہٹ کر علیحدہ مؤقف اختیار نہیں کیا۔ آپ کا جادۂ اعتدال پر گامزن رہنا ہمارے لئے قابل تقلید ہے۔

نام بھی نافع، کام بھی نافع:

انسان کے اعمال واحوال پر ناموں کے اثرات پڑنے کا کئی احادیث سے ثبوت ملتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ارشادات میں صرف اچھے ناموں کو پسند اور برے ناموں کو ناپسند فرمانے پر ہی اکتفا نہیں فرمایا بلکہ بہت سے برے اور اچھے ناموں کی نشاندہی بھی فرمائی اور برے ناموں کو بدل کر اچھے ناموں سے تبدیل فرمایا۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مولانا مرحوم کا نام مبارک بھی اس کی ایک واضح مثال ہے جو کہ اسم بامسمی ہے۔ جس طرح آپ کا نام "نافع" ہے اسی طرح اللہ نے آپ سے جو کام لیا وہ بھی نافع ہے۔ مذہب حق کی ترجمانی

اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی وکالت کا جو کام حق تعالیٰ نے آپ سے لیا اس کی مثال ناپید ہے۔ آج خواص و عوام سبھی اس سے نفع اٹھا رہے ہیں۔ آپ کی خدمات جلیلہ نافعہ نہ صرف رہتی دنیا تک یادگار رہیں گی بلکہ ان شاء اللہ مشعل راہ بنی رہیں گی۔

اعدائے صحابہ کا علمی تعاقب:

انسانیت کی بدقسمتی ہے کہ دنیا میں ایسے بھی لوگ بستے ہیں جو ایسی جامع کمالات اور ہمہ صفت موصوف ہستیوں سے بغض و عداوت رکھتے ہیں جن کی تعریف کتاب و سنت کے ہر ورق پر موجود ہے اور یہاں تک کہتے نہیں شرماتے:

''شیعہ اگر چند مخصوص اصحاب کے طرزِ عمل کو پسندیدہ نگاہوں سے نہیں دیکھتے تو ان کو حق حاصل ہے کہ وہ ان سے دوری چاہیں۔ برے کو اچھا نہ سمجھنا یا ظلم پر بوجہ اس کے مظالم کے نفرین کرنا کسی تہذیب میں برا نہیں۔ یہ غلط اور گمراہ کن پروپیگنڈہ ہے کہ تبرا خلاف تہذیب ہے۔ تبرا عین فطرت، عین اخلاق اور عین مذہب ہے، بلکہ ایسے موقع پر خاموشی مجرمانہ حیثیت رکھتی ہے۔'' (رموز حقیقت صفحہ نمبر ۱۰-۱۱، شائع کردہ ادارہ تحفظ حقوق شیعہ پاکستان)۔

کہ وہ اصحاب پیغمبر تربیت یافتگان رسول جن کی قرآن نے مدح سرائی و ثنا خوانی کی، احادیث رسول کا دفتر جن کے فضائل و مناقب سے لبریز ہے مگر روافض زمانہ نے انہی حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے تبرا، ان کی شان میں ہرزہ سرائی حتیٰ کہ ان کی تکفیر کر کے ان پر سب و شتم کو اپنا مذہبی فریضہ گردانا۔ ایسی ناگفتہ بہ کیفیت میں عوام تو کیا خواص بھی دم بخود ہونے لگے۔ ان حالات میں پاکستان کی تاریخ میں سب سے پہلے تنظیم اہلسنت کے پلیٹ فارم سے جن علماء حقہ نے دفاع صحابہ کا پرچم بلند کیا ان اکابرین میں سے حضرت مولانا احمد شاہ بخاری چوکیروی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا عبدالستار تونسوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا نور الحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا دوست محمد قریشی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا اللہ یار خان چکڑالوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت علامہ خالد محمود مدظلہ سرفہرست ہیں۔ انہی حضرات نے اس عنوان پر سب سے پہلے کام شروع کیا۔ ہر شہر اور ہر گاؤں میں جا کر اہلسنت کی ذہن سازی کر کے انہیں مقام صحابہ سے روشناس کرایا اور اعدائے صحابہ کا علمی تعاقب، تحریر و تقریر کے علاوہ مناظروں کی شکل میں کیا اور انہیں ایسا لاجواب کیا کہ اس زمانے کے شیعہ اپنے حواس کھو بیٹھے۔ شیعہ مناظرین و مؤلفین ہمیشہ اپنی شاطرانہ چالوں سے سنیوں پر اعتراض کرتے جب کہ ہم سنی ان کے سوالات کے جواب دیتے رہے۔ مگر ان حضرات نے اپنی تحریرات و تقریرات میں ان کے باطل عقائد، من گھڑت نظریات اور خود ساختہ مسائل پر کڑی جرح کر کے انہیں مجیب بنایا جس سے شیعیت مبہوت ہو گئی۔ یہ ہمارے اکابر کی علمی بصیرت کی ایک عدیم النظیر مثال ہے۔

اولئك آبائی فجئنی بمثلهم
اذا جمعتنا یا جریر المجامع

حضرت علامہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی باہمی محبت:

ماضی قریب میں دفاع صحابہ کے موضوع پر جن عظیم ہستیوں کو کام کرنے کیلئے خلاق عالم نے منتخب فرمایا ان میں حضرت علامہ محمد عبدالستار تونسوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا احمد شاہ بخاری چوکیروی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا دوست محمد قریشی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا اللہ یار خان چکڑالوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا نور الحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت علامہ خالد محمود مدظلہ العالی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ تمام حضرات کی باہمی محبت، دینی تعلق، علم دوستی، تنظیمی مشاورت اور ایک دوسرے پر اعتماد اپنی مثال آپ تھا۔

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کا میرے جدامجد حضرت تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ جو دوستانہ، برادرانہ مسلکی ہم آہنگی کا تعلق تھا ان واقعات کو ضبط تحریر میں لایا جائے تو شاید کئی ضخیم کتابیں مرتب ہوں۔ اس وقت چند واقعات پیش کئے جاتے ہیں جو ان حضرات کی مسلکی ہم آہنگی اور باہمی محبت و اعتماد کے خوب غماز ہیں۔

(۱) حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے جب مذہب اہلسنت کی ترجمانی اور صحابہ کی وکالت میں نہایت قیمتی کتب تالیف فرمائیں تو میرے نانا بزرگوار حضرت تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان پر ایک جامع تقریظ تحریر فرمائی اور اسے بذریعہ ڈاک ارسال کرنے کے بجائے بندہ ناچیز (محمد عبدالحمید تونسوی) کو حکم فرمایا کہ اسے حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہو کر پیش کیا جائے۔ چنانچہ حضرت نانا جی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ مکتوب اور رائے گرامی لے کر احقر حضرت کے دولت کدہ بمقام محمدی شریف حاضر ہوا اور ان کی خدمت میں وہ مکتوب پیش کیا۔ حضرت والا نے اسے بڑے غور سے دیکھا تو بے حد مسرور ہوئے اور آبدیدہ ہو کر حضرت تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کو بے حد دعائیں دینے لگے۔

(حضرت تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی وہ رائے گرامی حضرت والا کی کتب کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔)

حضرت تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات:

میرے جدامجد حضرت اقدس علامہ عبدالستار تونسوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ:

''حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے چشم دید موقع اور واقعہ کے گواہ ہیں۔ وہ قرآن کی قرآنیت کے گواہ ہیں۔ جو شخص صحابہ رضی اللہ عنہم پر تنقید و تنقیص کرتا ہے وہ کتاب خدا اور نبوت کے واقعہ کو کمزور کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے کہ جس مقدمہ کے گواہ کمزور اور مجروح ہو جائیں وہ واقعہ کمزور اور مشکوک ہو جاتا ہے۔ پس جو شخص حقائق ثابتہ کے باوجود محض تاریخی رطب و یابس، ضعیف و موضوع روایات پر اعتماد کر کے کسی

صحابی رسول پر زبان یا قلم سے حرف گیری کرے اسے اپنے ایمان و عاقبت کے متعلق فکر کرنی چاہئے۔''

نیز فرمایا:

''رافضیت (شیعیت) نہ کوئی مذہب ہے اور نہ ہی مغالطہ، بلکہ یہ اسلام، قرآن، نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نبی کے خاندان کے خلاف ایک منظم گہری سازش ہے جس کا بانی ابن سباء یہودی ہے۔''

پھر مزید فرمایا:

''اسلام میں جتنے فرقے بھی پیدا ہوئے وہ غلط فہمی یا دنیاوی اغراض و مقاصد کے تحت پیدا ہوئے، ماسوائے سبائیت کے، کہ یہ صرف اسلام کی بیخ کنی اور اہل اسلام کے استیصال کے لئے تیار کیا گیا۔''

پھر فرمایا:

''یہ خالص اسلام اور کفر کا مسئلہ ہے جس کی تحقیق کے لئے میں نے ہزاروں میل کے سفر کئے اور اکابر علماء کی صحبت اٹھائی تو حقیقت آشکارا ہوئی۔ ایسا عالم جو مذہب تشیع کے متعلق پوری معلومات نہیں رکھتا اس بارے میں اس کی رائے معتبر نہیں۔''

نیز فرمایا:

جس نے تسلی کرنی ہو تو وہ مجھ سے کر لے۔ اگر میں نہ ہوں تو میرے بعد یہ مسئلہ حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھ لینا اور اگر وہ بھی نہ ہوں تو حضرت علامہ خالد محمود مدظلہ کی طرف رجوع کرنا۔''

(قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید)

حضرت والا کا آخری مکتوب گرامی:

بندہ ناچیز کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ ملاقات کے علاوہ حضرت سے خط و کتابت کا سلسلہ بھی رہتا تھا۔ احقر نے جب بھی کوئی رسالہ تحریر کیا تو اسے حضرت والا کی خدمت میں اصلاح و دعاء کے لئے ضرور ارسال کیا اور حضرت کی خصوصی شفقت و کرم نوازی تھی کہ وہ نہ صرف اس کے ملنے کی اطلاع دیتے تھے بلکہ علمی طور پر غلطیوں کی اصلاح کر کے رہنمائی بھی فرماتے تھے اور اپنی قیمتی آراء سے بھی نوازتے تھے۔

چنانچہ ہمارے رسائل [امام ابوحنیفہ اور علم حدیث، توضیحات، امام زہری رحمۃ اللہ علیہ، مسئلہ امامت، ذاکر نائیک، غامدی کا منہج فکر] وغیرہ کے متعلق حضرت والا کے مکاتیب اور آرائے گرامی اس لائق ہیں کہ انہیں بھی شائع کیا جائے کیونکہ وہ ایسا قیمتی اثاثہ ہیں جو نہ صرف ان کی یادگار ہیں بلکہ اس میدان میں کام کرنے والے حضرات کے لئے مشعل راہ بھی ہیں۔

آخر میں ہم بطور تبرک حضرت والا کا ایک اور مکتوب گرامی نقل کئے دیتے ہیں جو غالباً حضرت اقدس کی

زندگی کا آخری گرامی نامہ ہے اور آپ نے ۱۲ دسمبر ۲۰۱۴ء کو اپنے مبارک ہاتھوں سے اس ناچیز کے نام رقم فرمایا..... اور پھر ۱۸ دنوں کے بعد ۳۰ دسمبر کو آپ نے اس جہان فانی سے رحلت فرمائی ۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ○ وہ مکتوب گرامی حسب ذیل ہے:

باسمہ تعالیٰ

از محمدی شریف، ضلع چنیوٹ

۱۹ صفر المظفر ۱۴۳۶ھ/ ۱۲ دسمبر ۲۰۱۴ء

عزیز القدر مولانا عبدالحمید صاحب تونسوی دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج شریف!

تسلیمات مسنونہ کے بعد تحریر ہے کہ آپ کے مرسلہ [دو مسئلے اور امام صاحب کے متعلق کتاب] بذریعہ ڈاک موصول ہوئے۔ ارسال فرمانے کا بہت بہت شکریہ!

آپ نے بڑی علمی خدمت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

میری حالت حسب سابق معذوری کی ہے اور ضعف غالب ہے۔ دعا خیر سے یاد فرماتے رہیں۔

والسلام مع الاحترام

دعا گو محمد نافع عفا اللہ عنہ

حضرت والا کے مکتوبات وتحریرات کے ایک ایک لفظ سے اخلاص وللّٰہیت اور تحقیق وتدقیق کے موتی ٹپکتے نظر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت کی خدمات جلیلہ نافعہ کو قبول فرمائے اور کروٹ کروٹ انہیں جنت کی راحتیں نصیب فرمائے۔ آمین

طاب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ

مولانا مفتی محمد ناظر سیالوی[1]

علم و حلم:

میں غالباً ۱۹۵۳ء میں جامعہ محمدی شریف چنیوٹ میں قرآنِ مجید حفظ کرنے کے لئے داخل ہوا۔ قرآنِ مجید پڑھانے والے ہمیں ایسے عاشق پیر سیال لجپال غریب نواز استاذ الحفاظ نصیب ہوئے جن کا مشغلہ ہر وقت کلامِ ربانی کی تعلیم تھی یا پھر اپنے پیر و مرشد کی شان و عظمت میں پنجابی زبان کی رباعیات گنگناتے بسر ہو رہی تھی۔ آپ کا اسم گرامی حافظ قاضی غلام محمد تھا۔

مخدوم ملت حضرت علامہ مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی بھی اگرچہ دار العلوم دیوبند سے فارغ التحصیل تھی لیکن ان پر بھی حضور پیر سیال لجپال غریب نواز کی غلامی کا رنگ غالب تھا۔ خود میں نے سالانہ صفر المظفر کے عرس مبارک کے موقع پر اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضور شیخ الاسلام غریب نواز بعد از نماز ظہر دربار عالیہ کی مسجد سے شمالی جانب کمرہ کے دروازہ سے گزر کر روضہ شریف کی جانب جانے لگے تو حضرت مولانا محمد ذاکرؒ اس کمرہ میں نماز ادا فرما رہے تھے۔ جیسے ہی حضور شیخ الاسلام پاس سے گزرنے لگے تو حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب سلام پھیرتے ہی آپ کے پاؤں مبارک سے لپٹ کر چومنے لگے۔ آپ غریب نواز نے دونوں ہاتھ مبارک مولانا کی بغلوں میں ڈال کر کھڑا فرمایا اور ارشاد فرمایا اچھا تو بھی لوگوں سے گالیاں دلوانے والوں میں شامل ہے کہ لوگ مجھے کہتے ہیں کہ یہ اپنے پاؤں لوگوں سے چومواتا ہے اور شرک کرتا ہے۔ بہر حال ہم نے ایسے ماحول میں تربیت پائی کہ دیوبندیت کے نام سے ہی تقریباً الرجک تھے اور حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ہر کوئی بتاتا تھا کہ یہ دیوبندی ہیں۔ لہٰذا ہم عموماً جان بوجھ کر آپ سے ملاقات تو کجا حتی الوسع پاس سے گزرتے سلام سے بھی گریز کرتے تھے۔ آپ انتہائی کمزور و ناتواں طبیعت کے مالک تھے۔ اس وقت آپ کی داڑھی مبارک میں تقریباً چوتھائی بال سفید تھے۔ ہر وقت لائبریری میں تشریف فرما ہوتے۔ البتہ محرم الحرام میں قلعہ کنگراں میں ایک اہل تشیع کے رد میں جلسہ ہوتا جس میں آپ کی مصالحانہ و ناصحانہ انداز کی تقریر سننے کا موقع ملتا۔ اس کے علاوہ کبھی میل جول نہ رہا۔ پڑھائی سے فراغت کے بعد میں بحیثیت امام و خطیب فوج میں چلا گیا۔ فوج چھوڑنے کے بعد کراچی ہی میں سویلین ملازمت امام و خطیب کے طور پر اختیار کر لی نیز سیاست میں حضرت علامہ شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بیس بائیس سال جمعیت علماء پاکستان میں گزارے۔ جب کراچی لسانی فسادات کی لپیٹ میں آ گیا تو مجبوراً

[1] آبائی گاؤں رمانہ چک تحصیل بھوانہ ضلع چنیوٹ ہے مگر آج کل بھوانہ میں رہائش پذیر ہیں۔ جامعہ محمدی شریف سے قرآن پاک حفظ کیا۔ بعض دوسرے مدارس میں کچھ کتابیں پڑھیں اور فوج میں خطیب رہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد آج کل جامعہ محمدی شریف میں ابتدائی کتب کے چند اسباق پڑھاتے ہیں۔

کراچی چھوڑ کر پنجاب بھوانہ شہر آ گیا۔ ضلع اس وقت جھنگ تھا، اب ضلع چنیوٹ ہو گیا۔ چونکہ بھوانہ شہر سے جامعہ محمدی شریف گیارہ بارہ کلومیٹر دور ہے۔ حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صاحب (لختِ جگر حضرت مجاہد ملت مولانا محمد ذاکر صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کو پتہ چلا تو وہ بصد شفقت ومحبت جامعہ محمدی شریف کی خدمت کے لئے مجھے لے گئے اور مجھ جیسے اناڑی آدمی کو مسند افتاء سپرد فرمائی۔ بعد میں اپنی آبائی اور محمدی شریف شہر میں واحد جامع مسجد کی خطابت کا شرف بھی بخشا۔ ساتھ یہ وصیت بھی فرمائی کہ حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب کے مسلک اعتدال کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھنا۔ بندہ ناچیز نے ڈرتے ڈرتے یہ عہدہ سنبھالا کہ وہاں تو ہر وقت سر پر حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ جیسی عظیم علمی شخصیت موجود ہوگی۔ ہر بات پر علمی گرفت ہوگی، خدا معلوم میں کامیاب ہو سکوں یا نہ ہو سکوں؟ بہر حال خطابت کا عہدہ سنبھالا اور حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ سے ڈرتے ڈرتے ملاقات کی ٹھانی۔ پگڑی کو کلف لگی تھی۔ جمعۃ المبارک کے بعد ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ عقیدت میں ہاتھ مبارک چومنے کی کوشش کی لیکن حضرت نے پکڑا ہوا ہاتھ آہستہ سے کھینچ لیا اور دوسرا ہاتھ میری پیشانی پر رکھتے ہوئے فرمایا بس مولانا بس۔ آپ کا ہاتھ میری پگڑی سے ٹکرایا۔ پگڑی نہ صرف سر سے اتری بلکہ کھل کر بکھر گئی۔ یہ تھی میری پہلی ملاقات۔ جس میں اندازہ ہوا کہ ہاتھ نہیں چومنے دیتے۔ میں نے شرمندہ سا ہو کر پگڑی کو دوبارہ باندھا اور پانچ دس منٹ رسمی طور پر بیٹھ کر چلا آیا۔ ماہ ربیع الاوّل زادھا اللہ شرفاً وتعظیماً قریب تھا۔ بارہ ربیع الاول سے پہلے والے جمعہ کو بلوایا اور ارشاد فرمایا بارہ ربیع الاول شریف کی رات ہماری طرف سے محفل میلاد پاک ہوگی اور خطاب آپ نے کرنا ہے اور ساتھ ہی حکم فرمایا کہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری اداؤں کا ذکر ضرور کرنا۔ الحمد للہ رب العالمین یہ محفل میلاد آٹھ سال سے مسلسل آپ کی زیر نگرانی ہوتی اور میری تقریر کے اختتام پر آپ کی طرف سے پر تکلف تبرک تقسیم ہوتا لیکن اس نویں سال آپ کے وصال کے بعد مجھے اس محفل پاک میں شرکت کی دعوت نہیں ملی۔

میں حیران و پریشان ہو گیا، سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ حضرت مسلک دیوبند کے عظیم عالم اور محفل میلاد کروائیں گے اور میری تقریر ہوگی؟ خداوند کریم خیر کرے، فرمایا اس رات کھانا بھی آپ کا میرے پاس ہوگا۔ ہاں ایک خیال کرنا یہ محفل میلاد کے اختتام پر جو کھڑے ہو کر اردو میں صلوٰۃ وسلام پڑھا جاتا ہے اس کا یہاں رواج نہیں ہے، لہٰذا یہ نیا رواج ایجاد نہ کرنا۔ مجھے تو یہ نصیحت سخت بری لگی۔ میں نے دل ہی دل میں کہا رات تو آلے دیکھ لیں گے۔ اللہ اللہ وقت مقررہ خوش قسمتی سے آ ہی گیا۔ میں نے غالباً سلام علی ال یاسین سے تقریر شروع کی اور پورا زور اس پر لگا دیا کہ پتہ نہیں لوگوں کو کیا ہو گیا نماز میں قرآنِ مجید کی تلاوت کرتے ہیں تو کیا سلام علی موسیٰ وھارون سلام علی ابراھیم سلام علی نوح فی العالمین یہ آیتیں نہیں

پڑھتے؟ جب نماز میں نبیوں پر سلام بھیجنا جائز ہے تو بیرون نماز منع کیوں ہوگیا؟ پھر اللہ جل شانہ نے تو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت و توقیر کے لئے التحیات میں باادب دوزانو بٹھا کر خطاب کے ساتھ اپنے بندوں کو محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ میں سلام عرض کرنے کا حکم فرمایا۔ بہر حال میں نے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ اسی موضوع پر بیان کیا۔ دیر ہوگئی۔ حضرت سے ملاقات نہ ہوئی اور میں چلا آیا۔ جمعۃ المبارک پڑھانے کے لئے حاضر ہوا تو یاد فرمایا۔ میں ڈرتے ڈرتے حاضر ہوا کہ میری اسی تقریر کا شاید سخت ردعمل سامنے آئے۔ آمنا سامنا ہوا تو ہنستے ہوئے ارشاد فرمایا: مولانا میں صلوٰۃ وسلام کا منکر نہیں ہوں، خود پڑھتا ہوں اور کسی کو منع نہیں کرتا۔ البتہ یہ اردو میں جو کھڑے ہوکر پڑھتے ہیں چونکہ وہ طریقہ پہلے رائج نہیں اس لئے میں نے عرض کیا تھا۔ جب آپ نے ''عرض کیا'' کے الفاظ ادا فرمائے تو مجھے انتہائی شرمندگی ہوئی کہ ایک عظیم ہستی کس عجز وانکساری کے ساتھ مجھ جیسے بے علم اور اپنے بچوں کی عمر کے بندہ کے ساتھ گفتگو فرما رہے ہیں۔ بس یہاں سے ملاقات کا حوصلہ ملا اور پھر عموماً ہر جمعۃ المبارک کی نماز سے پہلے یا بعد میں ملاقات وزیارت کا شرف حاصل ہوتا رہا۔ بعد میں بارہا مرتبہ دلی بے قراری ہوتی کہ کاش! حضرت کے پاس حاضری کا زیادہ وقت ملتا لیکن آپ کی ضعیفی بیماری نیز آپ کے تصنیفی کام میں رکاوٹ کا خیال آڑے آتا رہا۔

نہ کبھی مجھ جیسے اناڑی مولوی کی تقریر پر نکتہ چینی کی نہ پکڑ دھکڑ۔ ایک دفعہ ارشاد فرمانے لگے آپ سے ایک عرض کرنی ہے یا اپیل سمجھ لیں لیکن میں سناٹے میں آگیا، خداوند کریم خیر کرے، میں نے عرض کی حضور ارشاد فرمائیں جبکہ میرے دل میں عجیب عجیب قسم کے وسوسے شروع ہوگئے۔ پتہ نہیں آج کیا خطا ہوئی کیا فرمائیں گے۔ اچانک گویا ہوئے۔ آپ جمعۃ المبارک کا خطبہ شریف تھوڑا تیز پڑھتے ہیں۔ بعض لفظوں کی سمجھ نہیں آتی، تھوڑا آہستہ پڑھیں تو مہربانی ہوگی۔ بس اتنی سی بات تھی۔ آپ کو تکلیف دی۔ معاف کرنا، میں پانی پانی ہوگیا۔ کیا مشفقانہ انداز ہے ایک عالم دین کا، اور کیا عجز وانکساری کی ستھری اور پاکیزہ تعلیم ہے۔ ایک اپنے بچے کو، جب بھی کبھی حاضری ہوئی مزاج پرسی کی، ایک ہی جملہ زبان مبارک پر ہوتا الآن کما کان۔ نہ کوئی شکوہ نہ شکایت نہ تکلیف سے کوئی ہا ہو کا شور وغلغلہ، ہر وقت اپنے رب کریم جل شانہ کی حمد وثنا اس کے دینِ متین کی نشر واشاعت کی دھن یا مولا کریم جل شانہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام کی لگن میں مست ومحورہ کر زندگی گزارنے والے مثالی وعظیم بندۂ خدا کے حضور حاضری کو میں بڑا اعزاز اور خوش بختی سمجھتا ہوں۔ جب کبھی کسی مسئلہ میں تردد ہوتا یا سمجھ نہ آتا بے دھڑک حضرت کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوکر رہنمائی حاصل کرتا اور میری معلومات حاصل کرنے پر بڑے خوش ہوتے۔ اپنی ساری تصنیفات مجھے مفت عنایت فرماتے۔ اپنے خادم خاص حافظ غلام رسول سے ارشاد فرماتے ''دیکھنا کوئی کتاب رہ نہ جائے، مولانا کی خدمت میں تمام میری کتب پیش کرنا'' تو ایسا بھی ہوا کہ آپ کی

کئی تصنیفات میرے پاس ڈبل بھی آگئیں جو کہ میں نے معذرت کر کے واپس کیں۔ یہ انفرادی اعزاز مجھے اپنی مرضی سے عطا فرماتے کہ بغیر میری فرمائش کے اپنے دست مبارک سے بعض اوقات مجھے عطا ہونے والی کتاب پر لکھتے: "ہدیہ برائے مولانا محمد ناظر صاحب زید مجدہم"

نیچے لکھتے: دعا گو محمد نافع عفا اللہ عنہ، یا ناچیز محمد نافع عفا اللہ عنہ! جسے پڑھ کر میں شرما جاتا کہ مجھے مولانا زید مجدہم۔ اور اتنی عظیم ہستی خود کو "ناچیز" لکھتی ہے۔

اس ماہ رمضان المبارک ۱۴۳۵ھ والے کی آمد سے ایک یا دو جمعۃ المبارک سے پہلے ملاقات ہوئی تو فرمایا: مولانا میرے لئے ایک خصوصی دعا فرمانا کہ اللہ پاک جل شانہ پورے روزے رکھنے کی سعادت نصیب فرمائے۔ میں یہ تمنا و آرزو سن کر حیران رہ گیا کہ ایک سو سال سے زائد عمر شریف کا یہ نحیف و ناتواں شخص اپنے مولا کریم جل شانہ کی بندگی کا کتنا حریص ہے۔ ہم اچھے بھلے صحت مند ہو کر معمولی سی تکلیف پر عبادت چھوڑ بیٹھتے ہیں اور انہیں اس حالت میں بھی خیال ہے تو صرف اپنے مولا کریم جل شانہ کی رضامندی اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک اداؤں کو اپنانے کا شوق دامن گیر ہے۔ آپ تین بھائی تھے اور بہنوں کا مجھے پتہ نہیں کہ تھیں یا نہیں۔ بڑے بھائی حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب رحمۃ اللہ علیہ، دوسرے بھائی حضرت حافظ صالح محمد رحمۃ اللہ علیہ، تیسرے اور سب سے چھوٹے بھائی حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ تینوں بھائی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے صدق و صفا کے پیکر، عجز و انکساری میں اپنی مثال آپ تھے۔ کس کس کے بارے میں بے علم عاجز بندہ کیا لکھے۔ بڑے بھائی وہ تھے جن کے بارے میں حضور شیخ الاسلام لجپال غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے کسی نے دنیا میں چلتا پھرتا فرشتہ دیکھنا ہو تو مولانا محمد ذاکر صاحب کو دیکھ لے۔ وہ اسم بامسمیٰ ذاکر تھے، جن کے بچپن میں بہاولپور یونیورسٹی کے استاذ محترم حضرت مولانا محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ نے فخریہ ارشاد فرمایا کہ مجھے محمد ذاکر جیسے شاگرد کی عفت و عصمت کی قسم اٹھانی پڑے تو اٹھا سکتا ہوں۔ چھوٹے بھائی حضرت حافظ صالح محمد رحمۃ اللہ علیہ کی عظمتوں کو میں سلام پیش کرتا ہوں جنہوں نے گھر کے پورے کام کاج کی ذمہ داری اپنے ناتواں کندھوں پر اٹھائی۔ چھوٹے اور بڑے بھائی کو دین اسلام کی خدمت کے لئے وقف کیا اور ان کے ایثار و قربانی کے صدقے میں دونوں بھائی ظاہری و باطنی علوم کے مرکز و محور بنے اور دنیاء فانی میں چاند بن کر چمکے اور اپنی عظمتوں سے لوگوں کو فیض عام ظاہری و باطنی بانٹا۔ میرے جیسا ایک حقیر انسان ان ہستیوں کے صدق و صفا، عجز و انکساری و ایثار کو کس پیمانے پر پرکھتا کہ یہ ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔ اس بھائی کی شان کا کیا ٹھکانہ جس نے دونوں بھائیوں کو دنیاوی کاموں اور الجھنوں سے فراغت بخشی وہ واقعی حافظ صالح محمد رحمۃ اللہ علیہ حقیقی صالح تھے۔ صرف نام کے صالح محمد نہیں تھے۔ دونوں بھائیوں کو کمالات و اعلیٰ صفات کا حامل بنانا یہ حافظ صالح محمد رحمۃ اللہ علیہ کا صدقہ جاریہ تھا۔ میں تو بعض دفعہ سوچتا ہوں کہ حضرت حافظ صالح محمد رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں

شانہ پکڑ کر ارشاد فرمایا: ''اس دنیا میں ایک مسافر یا راہ گزر کی طرح رہنا۔'' میں جب بھی آپ کے کمرے میں داخل ہوتا تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادِ گرامی کے مطابق آپ کا کمرہ ایک مسافر کا نقشہ پیش کرتا۔ مجھے ہمیشہ حدیث پاک کے یہ الفاظ یاد آجاتے اور آپ کا نحیف وجود اس حدیث کی عملی شکل میں دکھائی دیتا۔

جہاں میں نمونہ ہے وہ سادگی کا — اونچا ستارہ ہے اک عاجزی کا
چمکتا ہے دل علم کی روشنی سے — اٹھاتا ہے تکلیف ہر اک خوشی سے

آپ کی زندگی کا سب سے عظیم علمی کارنامہ یہ ہے کہ آپ دفاعِ صحابہ رضی اللہ عنہم جیسے نازک موضوع پر ایسے عمدہ طریقے اور انوکھے اسلوب سے کام کر گئے جس کی نظیر پیش کرنے سے تاریخِ اسلام کے مؤرخین قاصر ہیں۔

تاریخِ اسلام میں بڑے بڑے مؤرخ و محقق گزرے ہیں لیکن حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ جس سادہ، صاف ستھرے، اجلے اور اعتدال کا دامن تھام کر دلنشین انداز میں ''رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ'' جیسی کتاب لکھ گئے اور اللہ جل شانہ کے صادق و پاکیزہ کلام کی حقیقت کو جس طرح واضح کیا کہ مخالف بھی داد دینے پر مجبور ہو گیا، تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ بقول جسٹس (ر) جناب مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ ''اردو تو اردو رہا عربی لٹریچر میں بھی اس موضوع پر اس پائے کی کتاب میری نظر سے نہیں گزری۔''

ڈاکٹر ملک بشیر احمد صاحب فیصل آباد وفاقی محتسب کے عہدہ پر کام کرتے رہے ہیں۔ ملاقات کے لئے تشریف لائے تو بوقت ملاقات حضرت والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ چوم لئے۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ چونکہ عجز و انکساری کا نمونہ تھے اس لئے فرمایا: میں اس قابل نہیں ہوں کہ میرے ہاتھ چومے جائیں اور انہیں ڈانٹ دیا۔ جج صاحب ناراض ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت نے ان سے معافی مانگی کیونکہ مہمان کا احترام لازم ہے۔ جج صاحب نے مشروط معافی کا کہا کہ اگر مجھے ہاتھ چومنے دیں تو معاف کر دوں گا ورنہ نہیں۔ پھر ڈاکٹر صاحب نے بتایا: میری پہلی پوسٹنگ واشنگٹن میں اِمیگریشن کے عہدے کے طور پر ہوئی تو مجھے یہ کتاب ''رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ'' پڑھنے کو ملی۔ میں نے تمام کتاب پڑھ ڈالی اور انگریزی خواں ہونے کے باوجود اتنا متاثر ہوا کہ یہ عہد کیا کہ جن ہاتھوں سے ایسی عمدہ کتاب معرضِ تحریر میں آئی ان کو ضرور بوسہ دوں گا۔

حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقوی صاحب دامت برکاتہم العالیہ جو کہ حضرت عبداللہ ملتانیؒ کی گدی کے خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں، ملاقات کے لئے ملتان سے تشریف لائے۔ بوقتِ ملاقات بتایا کہ میں کئی سال قبل ٹورنٹو شہر کے ایک ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا، اس شہر میں میرے ایک عالم دوست مجھے ملنے کے لئے تشریف لائے تو اپنے ساتھ ''رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ'' کتاب لائے۔ میں نے کتاب پڑھنا شروع کی تو اڑھائی سو صفحات کی اس کتاب کو پڑھ کر سویا۔ اس وقت سے میں نے یہ عہد کر رکھا تھا کہ ''رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ'' کے مصنف سے ضرور ملوں گا۔

ایک صاحب ساؤتھ افریقہ سے تشریف لائے۔ کہنے لگے میں نے ''رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ'' وہاں پڑھی تھی۔ میرے بچے بنوری ٹاؤن اور دارالعلوم میں پڑھتے ہیں، میں نے سوچا کہ بچوں سے ملنے پاکستان گیا تو ''رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ'' کے مؤلف سے ضرور ملوں گا۔

ایک مرتبہ ایران سے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب دامت برکاتہم العالیہ تشریف لائے۔ تہران کے رہنے والے ہیں۔ فرمانے لگے ہم نے اس کتاب کا ترجمہ فارسی میں کیا ہے لیکن بوجوہ ہم اس کو اب تک طبع نہیں کرواسکے۔ ایسی عمدہ کتاب فارسی میں بھی شائع ہونی چاہیے۔

جسٹس شریعت کورٹ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے کتاب کی افادیت کے پیش نظر اس کا عربی میں ترجمہ کروایا اور بیروت سے اپنے دوست نظام یعقوبی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے ذریعے طبع کرائی۔ جب سے عربی میں ''رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ'' طبع ہوئی ہے تو عرب ممالک کی یونیورسٹیوں میں اس کتاب پر مقالات کا اہتمام کروانے پر غور کیا جارہا ہے۔

حضرت مولانا مفتی رحمت اللہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی حرم مدینہ میں ایک پاکستانی وفد، جس کا تعلق فیصل آباد سے تھا، سے ملاقات ہوئی۔ دوران گفتگو انہوں نے فرمایا: ''رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ'' ایک پاکستانی عالم کی لکھی ہوئی کتاب ملی ہے، میں ویب سائٹ پر روسی زبان میں لیکچر دیتا ہوں اور میرے سننے والے کم وبیش پندرہ، سولہ ہزار افراد ہیں، میں نے اس موضوع پر لیکچر دیا تو مجھے کم ازکم پندرہ سو میسج موصول ہوئے جس میں اس موضوع کو آگے بڑھانے پر زور دیا گیا تھا لیکن میری مشکل یہ ہے کہ اس موضوع پر میرے پاس صرف ایک کتاب موجود ہے اس کے علاوہ اس موضوع پر اور مواد میسر نہیں ہے۔ فیصل آباد کے معروف قاری محمد یونس صاحب مدظلہ العالی اس وفد میں شامل تھے، انہوں نے مولانا مفتی رحمت اللہ صاحب مدظلہ العالی سے عرض کیا کہ حضرت اس موضوع پر دفاعِ صحابہ رضی اللہ عنہم پر اسی مصنف کی متعدد کتابیں موجود ہیں، آپ پریشان نہ ہوں، ہم آپ کو یہ کتابیں مہیا کریں گے۔ آپ اپنے موضوع کو آگے چلائیں۔ پھر وہ لوگ حضرت والد گرامی کی کتابوں کا مکمل سیٹ لے کر گئے اور حضرت مولانا مفتی رحمت اللہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ کو ارسال کیا۔

''رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ'' کی طرح آپ کی تمام تصانیف کو غیرمعمولی مقبولیت حاصل ہوئی۔ غالباً ۸۴-۱۹۸۳ کی بات ہے کہ بندہ ''مکہ بکس'' کے نام سے لاہور میں کتابوں کا کاروبار کرتا تھا، میرے ایک پبلشر ساتھی سرفراز صاحب حج پر گئے تو مدینہ منورہ میں کتابوں کی دُکان پر گئے۔ وہاں آپ کی کتاب ''بناتِ اربعہ'' انڈیا کی طبع شدہ خرید کرلائے، جواب تک ہمارے پاس محفوظ ہے۔

آپ کے معتدل اندازِ تحریر کی وجہ سے مخالفین بھی آپ کو احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ایک مرتبہ

رجوعہ سادات کے رہائشی سید حیدر رضا نقوی صاحب جو ایران میں قم یونیورسٹی سے فاضل بن کر آئے ہیں اور اپنے آبائی گاؤں "رجوعہ سادات" میں ایک بڑے جامعہ کے انچارج ہیں، چودھری محمد سلیم صاحب حمزہ پلازہ والے کو ساتھ لے کر والد محترم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت نے ان کا اکرام فرمایا، چائے پلائی، ان کو کتابیں ہدیۃً عنایت فرمائیں۔ انہوں نے معتدلانہ طرزِ تحریر کی بہت تعریف کی۔

آخر کار آپ رحمۃ اللہ علیہ ایک صدی پر محیط زندگی گزار کر دارِ فنا سے دارِ بقا کی طرف کوچ کر گئے۔ ایک طرف شمسی سال ۲۰۱۴ء کا آخری سورج غروب ہو رہا تھا تو دوسری طرف علم و عمل اور اسلام کا شیدائی، جنابِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عاشقِ صادق اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا سچا غلام دنیائے اسلام پر اپنے علم و عمل کی کرنیں بکھیر کر، چمکتے دمکتے چہرے کے ساتھ علم کی دنیا میں غروب ہو گیا۔ مگر اپنے پیچھے روشنی کا ایک ایسا مینارہ چھوڑ گیا کہ جب تک سورج چمکتا رہے گا اس آفتاب کی روشن کرنیں داعیانِ اسلام اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے غلاموں کے دلوں کو منور کرتی رہیں گی۔

مزید چند یادیں: تعلیم سے فراغت کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کے قائم کردہ مدرسہ جامعہ محمدی شریف میں درس و تدریس کا آغاز کیا۔ اسی مدرسہ کے پہلے مدرس حضرت مولانا سید احمد شاہ صاحب چوکیروی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ گرامی تھے اور سادات خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے خاندان میں رافضی عنصر بہت تھا۔ اوائل عمر میں سید صاحب حقہ کشید کرنے کا شوق رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے خاندان کے ایک عمر رسیدہ بزرگ جو کہ زبردست حُقیل (زیادہ حقہ پینے والا) تھا ان کے ڈیرہ پر تازہ حقہ کے کش لگانے تشریف لے گئے۔ اثنائے گفتگو قرآن کا ذکر آ گیا تو وہ حقیل بزرگ شاہ صاحب سے کہنے لگے "اوئے بھولے احمد شاہ! اس قرآن وچ بڑے وادھے گھاٹے ہو گئے نیں" یعنی اس قرآن میں کافی ترمیم و توسیع ہو گئی ہے۔ یہ تو حضرت چوکیروی رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کا حال تھا اور جس ماحول میں پڑھانے تشریف لائے اس علاقہ کے تمام بڑے بڑے سادات خاندان، معروف گدی نشین اور بڑے بڑے جاگیردار، رجوعہ، شاہ جیونہ، شاہ اسماعیل وغیرہ تمام رافضی سبائی تھے۔ اس پر مزید میدان سیاست کے شاہ سوار تھے۔ نیز انگریز کے پرانے وفادار ہونے کی وجہ سے ہر حکومت کے کاسہ لیس تھے۔ غریب عوام ان کے حلقۂ ارادت میں بندھے ہوئے زندگی بسر کر رہے تھے۔ جاگیرداری نظام کا شکنجہ کیا کم تھا کہ سادات خاندان کی عقیدت اور پیری مریدی کا بندھن، سیاسی گروہ بندی ایسے مختلف پھندے تھے جن میں غریب عوام جکڑے ہوئے تھے۔ اس علاقے میں سبائیت نے گویا ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ دوسری طرف فتنہ قادیانیت قادیان سے رخت سفر باندھ کر چنیوٹ کے نزدیک اپنا ڈیرہ (ربوہ) میں جما چکا تھا۔ قادیان کے بعد چنیوٹ کی سرزمین سے زیادہ سازگار ماحول کہیں میسر نہ آیا۔ اس پر مزید پورا ماحول دیوبندی، بریلوی، اختلافی مسائل کی لپیٹ میں تھا۔ اس ماحول میں

دیوبندی ہونا سب سے بڑا جرم سمجھا جاتا تھا حالانکہ حضرت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کی سند فراغت دارالعلوم دیوبند کی تھی۔ حضرت علامہ انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے جبکہ حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد گرامی حضرت مولانا عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت تھے۔ ان کے والد گرامی بھی سیال شریف سے خلافت کا شرف حاصل کر چکے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ سیال شریف کے ساتھ نیاز مندانہ تعلق رکھتے تھے۔ خود چونکہ معتدل مزاج، تعصب و تشدد سے کوسوں دور، خانقاہی نظام کے ساتھ قلبی لگاؤ اور انس تھا، زندگی بھر خانوادہ سیال شریف کا دل سے احترام کرتے رہے۔ آپ کو صاحبزادہ کا حکم آتا تو اس کو انجام دیتے اور روحانی طور پر اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل نمونہ تھے۔ حضرت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کی مقناطیسی شخصیت انتہائی معتدل مزاج تھی۔ انہوں نے اپنے مدرسہ کی بنیاد بھی مسلک اعتدال پر رکھی تھی۔ اپنے مدرسے میں تمام سنی مکاتب فکر کے علماء کو مفتی، صدر مدرس اور شیخ الحدیث مقرر فرمایا۔ سیاسی طور پر ہمیشہ ضلع بھر میں تمام مکاتب فکر کے علماء اور ہر طبقہ فکر کو ایک پلیٹ فارم پر جمع رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ ضلع بھر کی سیاست میں ہمیشہ کامیاب ٹھہرے جبکہ ان کے نامزد کردہ نمائندے بھی سو فیصد کامیاب ہوئے۔ ۱۹۷۰ء کی دہائی میں پنجاب بھر میں پاکستان پیپلز پارٹی کا طوفان تھا لیکن مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کی اعتدال پر مبنی پالیسی کی بدولت ضلع جھنگ میں پیپلز پارٹی ایک سیٹ بھی حاصل نہ کر پائی۔ سیال شریف کی گدی کے بزرگوں کا مزاج بھی معتدل تھا۔ حتیٰ کہ اس وقت کے بعض شدت پسند علماء سیالوی حضرات کو دیوبندی نواز سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ پیر طریقت حضرت خواجہ محمد قمر الدین رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تشریف لائے۔ رات محمدی شریف گاؤں میں مولانا کے کمرے میں قیام فرمایا۔ محفل جمی، جس میں حضرت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ اور ان دونوں کے علاوہ ان کے بھتیجے مولانا فضل کریم سیالوی نیز دیگر دیہاتوں کے مقامی افراد موجود تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کراچی کے سفر کے حالات سنانے شروع کئے۔ اثنائے گفتگو حضرت خواجہ محمد قمر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کراچی شہر میں جہاں ہم ٹھہرے ہوئے تھے بعض کراچی کے علماء تشریف لائے جن میں مولانا محمد شفیع اوکاڑوی مرحوم بھی شامل تھے۔ اس وفد نے حضرت خواجہ صاحب سے سوال کیا۔ حضرت آپ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو کافر سمجھتے ہیں یا نہیں؟ تو انہیں حضرت خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے بتلایا کہ میں ان کو کافر نہیں سمجھتا۔ تب ان علماء نے کہا کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلی نے تو ان کو کافر لکھا ہے اور آپ ان کو مسلمان سمجھتے ہیں؟ تو میں نے ان سے کہا کہ اعلیٰ حضرت کے پاس ان کو کافر لکھنے کا کوئی ثبوت یا جواز ہوگا، میرے پاس تو کوئی ایسا جواز یا ثبوت نہیں ہے لہٰذا میں ان کو کافر کیسے کہہ دوں؟ عالم دین ہونے کے ناطے ان کا احترام ہے مگر ان کی ہر بات میرے لئے حجت ہرگز نہیں۔

اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا جس عبارت کی وجہ سے فاضل بریلوی نے مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو کافر لکھا ہے

اس عبارت کی رو سے مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ پر کفر ثابت نہیں ہوسکتا۔ جامعہ محمدی شریف کے ماحول پر سیال شریف کے گہرے اثرات تھے۔ چونکہ اس ماحول کی اکثریت کا سیال شریف کے خانوادے سے پیری مریدی کا تعلق تھا لہٰذا اس پس منظر میں جامعہ محمدی شریف کے حالیہ ماحول میں فرقہ واریت کی شدت پسندی سمجھ سے بالاتر ہے۔
خانوادہ سیال شریف کے حضرات بھی خانقاہی مزاج، محبت ومؤدت اور اولیاء امت کے مزاج کے مطابق رواداری، خلق خدا سے پیار وشفقت کا مزاج رکھتے تھے۔ حضرت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ دیوبند میں پڑھتے تھے تب حضرت خواجہ ضیاء الدین سجادہ نشین آف سیال شریف مولانا کی دعوت پر دیوبند تشریف لے گئے۔ رات قیام فرمایا۔ حضرت کا یہ جملہ بہت معروف ہوا کہ ''یہاں (دیوبند) میں صحیح حنفیت دیکھنے میں آئی ہے'' حضرت خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے اعزاز میں جلسہ ہوا تو دارالعلوم دیوبند کی انتظامیہ کی طرف سے سپاسنامہ پیش کیا گیا جس کے جواب میں حضرت خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پیارے مرید اور سفر کے ساتھی مولانا ظہور احمد بگوی کو سپاسنامہ کا جواب دینے کا حکم فرمایا۔ مولانا ظہور احمد بگوی اور ان کے بھائی مولانا ذاکر بگوی بھیرہ کے معروف علماء کرام میں سے تھے، ان کا روحانی تعلق سیال شریف سے تھا، مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ محمدی شریف والے اور حضرت مولانا محمد ذاکر بگوی بھیرہ والے دونوں پیر بھائی تھے اور مختلف تحریکوں میں مشترکہ جدوجہد کی مثلاً تحریک خلافت اور تحریک ختم نبوت میں بھرپور کردار ادا کیا۔ یہ بگوی خاندان علمی لحاظ سے معروف شمار ہوتا تھا۔ آگے چل کر تو زیادہ تر علماء دیوبند کی طرف جھکاؤ ہوگیا تھا۔ ان کا معروف رسالہ ''شمس الاسلام'' تاحال چھپ رہا ہے۔ اسی طرح ایک مرتبہ سیال شریف کے مدمقابل ایک فرلانگ کے فاصلہ پر سبائی فتنہ پردازوں نے ایک بہت بڑا علم اور عباس علمدار کا پنجہ راتوں رات کھڑا کر دیا جس کی وجہ سے ایک بڑے پیمانے پر فساد اور تصادم کا شدید خطرہ پیدا ہوگیا۔ سیال شریف کے ہزاروں مسلح مریدین سیال شریف پہنچ گئے۔ حضرت خواجہ قمرالدین رحمۃ اللہ علیہ کے سجادگی کا دور تھا۔ سرگودھا کے تمام مکاتب فکر کے علماء کو سیال شریف جمع کیا گیا۔ تمام سنی مکتب فکر کے علماء نے اپنے تعاون کا یقین دلایا۔ اس موقع پر حضرت خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علامہ احمد شاہ صاحب چوکیروی رحمۃ اللہ علیہ کو امامت کے لئے مصلیٰ پر کھڑا فرمایا اور سیال شریف کی خانقاہ کے مصلیٰ پر ایک سیدزادے جو کہ دیوبند مکتب فکر سے متعلق تھے، نے امامت کرائی۔ ایک مرتبہ جھوک دایہ میں شیعہ، سنی کے مناظرہ، جس کا اہتمام مقامی زمیندار نے کیا لیکن حضرت خواجہ قمرالدین رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں کلیدی کردار ادا کیا تھا۔ حضرت خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ سید احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا نافع رحمۃ اللہ علیہ کو ارشاد فرمایا۔ انہوں نے مولانا دوست محمد قریشی رحمۃ اللہ علیہ کو بلایا۔ مناظرہ اللہ کے فضل وکرم سے جیت لیا گیا جس میں مناظر ہونے کا کردار مولانا دوست محمد قریشی کا تھا لیکن مناظرے کا تمام مواد حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی محنت وریاضت سے مہیا فرمایا تو حضرت خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کو بڑی شاباش دی اور ڈھیر ساری دعائیں دیں۔ البتہ ایک بات ضرور تھی کہ حضرت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کے چند قریبی عزیزوں میں بعض حضرات علماء بریلی سے بے حد متاثر تھے اور ان کے اثرات کی وجہ سے ماحول معتدل ہونے کی بجائے شدت پسندی کی طرف مائل رہا اور بعض مقامی مخالف حضرات نے بھی اس میں کردار ادا کیا جن کا ان دونوں بھائیوں سے حاسدانہ رویہ تھا۔

بہرکیف جامعہ محمدی شریف کا ادارہ دریائے چناب سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر واقع کچے کا علاقہ ہے۔ یہاں کی باسی اقوام میں اکثر جرائم پیشہ افراد تھے۔ ان معروضی حالات کی وجہ سے غربت، جہالت، گمراہی، پسماندگی، دین سے دوری اور معاشرتی انحطاط گویا جہالت کے ہر سمت اندھیرے تھے۔ حضرت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ نے اس علاقہ میں تعلیمی تحریک شروع کی اور سیاسی طور پر جاگیرداروں کا مقابلہ کر کے ان کو شکست و ریخت سے دوچار کیا۔

ان حالات میں حضرت ممدوح رحمۃ اللہ علیہ پہلے پہل مقامی اور بیرونی علماء کے ساتھ مل کر علاقہ بھر میں مدحِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور دفاعِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے عنوانات پر علاقہ بھر میں تبلیغی اجتماع منعقد کرتے رہے۔ ان علماء میں حضرت مولانا احمد بخش ضیائی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا منظور احمد برخورداری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد خان جہلمی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا حکیم عطاء محمد صاحب قریشی رحمۃ اللہ علیہ (از میانوالی) اور تحریک تنظیم اہل سنت (ملتان) والوں سے باقاعدہ رابطہ رکھا۔ وہاں سے خطیب حضرات بھی وقتاً فوقتاً تشریف لاتے۔ اس طرح اس علاقہ کے غریب عوام میں اہل سنت کا شعور اجاگر کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ حضرت سید احمد شاہ چوکیروی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے استاذ گرامی تھے۔ ان کے خاندانی پس منظر میں سبائیت کا غلبہ تھا۔ اس علاقہ میں بھی رافضیت سے پالا پڑ گیا تو ذہین و شفیق استاذ نے اپنے لائق، شریف النفس اور متین شاگرد کی خوبیوں سے متاثر ہو کر ان کو تحقیق و تصنیف پر آمادہ کیا اور پہلی تصنیف ''حدیث ثقلین'' لکھوائی۔ اس کے بعد ''رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ'' کا موضوع بھی علامہ سید احمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے منتخب فرمایا۔ تب حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کمال صبر و استقامت کے ساتھ اپنے کام میں کم و بیش پچپن ساٹھ سال صرف کر دیئے اور اپنے موضوع کے اعتبار سے تاریخ کا منفرد، ٹھوس، جامع اور ناقابل تردید کام کر گئے۔ بہر حال حضرت ممدوح رحمۃ اللہ علیہ ہر مشکل، ہر رُکاوٹ، معاشرے کی ہر ناگواری کو صبر و استقامت سے برداشت کرتے ہوئے تن تنہا بغیر کسی معاون کے بے سروسامانی کے عالم میں شیشم کے درخت کے سائے یا کچے کمرے کی دیواروں کے سائے میں بیٹھ کر وہ کام کر گئے جو کہ ایک ٹیم بھی کرنے سے قاصر رہے۔

اتنا ٹھوس، جامع، مضبوط، پائیدار، مؤثر، سلیس، ناقابل تردید اور علمی تحقیقی مگر عام فہم کام کہ ہر معیار کا آدمی اس سے مستفیض ہو سکتا ہے۔ نصف صدی گزرنے کے باوجود مخالف مؤقف کا کوئی فرد یا جماعت آج تک

جواب نہ دے سکی اور نہ دے سکیں گے۔ ان شاء اللہ۔ آپ نے اپنی نگرانی میں ایک کتب خانہ ترتیب دیا جو کہ ادارہ جامعہ محمدی شریف میں قائم تھا لیکن اس کی تمام تر ذمہ داری اور ترتیب حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے رہے۔ اپنے موضوع یعنی دفاعِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے عنوانات کے متعلقہ کتابوں کا ایک بڑا انمول ذخیرہ جمع فرمایا اور دوران مطالعہ ہر اہم کتاب پر فٹ نوٹ لگائے کہ کتاب کا خلاصہ اس قاری کے سامنے آجاتا۔ اس سے ان نادر کتب کی افادیت و اہمیت کئی گنا بڑھ گئی ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا صبح نو، دس بجے کتب خانہ میں تشریف لاتے، خود تالا کھولتے، چارپائی بچھاتے۔ اپنی چوکی پر خود کتابیں سجاتے اور مطالعہ میں مگن ہو جاتے۔ کوئی ملازم، کوئی شاگرد خدمت کے لئے موجود نہ ہوتا۔ نماز کا وقت ہو جاتا تو اپنا لوٹا اٹھاتے، نل سے پانی لیتے، خود ہی وضو فرماتے، مسجد چلے جاتے۔ سردیوں میں ظہر وعصر کی جماعت ادارہ کی مسجد میں خود امامت فرماتے۔ گرمیوں میں عموماً دوپہر کو گھر واپس آجاتے۔ گھر کھانا کھاتے، کچھ دیر آرام فرماتے اور قریہ محمدی شریف کی مسجد میں نماز پڑھتے۔ یہاں امامت کے فرائض مولانا مفتی محمد شریف مرحوم ومغفور سرانجام دیتے تھے۔ مگر سردیوں میں دونوں نمازیں ظہر وعصر ادارے میں پڑھتے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ خود امامت فرماتے۔ جب تک چلتے پھرتے رہے جمعہ ادارے کی مسجد میں آپ رحمۃ اللہ علیہ پڑھاتے لیکن جناب ناظم عمومی ادارہ اور ادارے کے دیگر مدرسین طلباء سب جمعہ کی نماز قریہ محمد شریف والی مسجد میں پڑھتے اور گاؤں والی مسجد میں جمعہ مفتی مولانا محمد شریف رحمۃ اللہ علیہ پڑھاتے۔ عیدین بھی ادارے کی مسجد میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہی پڑھاتے۔ جب معذور ہو گئے تو عیدین اور جمعہ ادارے کی مسجد میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بیٹے مولانا حافظ ابوبکر پڑھاتے جو کہ آج تک یہی ترتیب چلی آرہی ہے لیکن آج بھی ادارے کے ناظم عمومی مولانا رحمت اللہ اور ان کے مدرسین وطلبہ تمام حضرات نماز جمعہ قریہ محمدی شریف والی جامع مسجد میں پڑھتے ہیں۔

حضرت کی زندگی میں اور بعد میں آج تک حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدت منداور ملنے والے مدرسے والی مسجد میں نماز جمعہ ادا کرتے لیکن قلیل تعداد میں ہوتے۔ البتہ عیدین میں مجمع کافی بڑا ہوتا جس کی ترتیب اب بھی وہی ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ انتہائی رواداری انسان تھے اور اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سختی سے پابندی فرماتے حتیٰ کہ اس پورے ماحول میں شریعت کی پابندی اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عامل آپ سے زیادہ کوئی نہ تھا لیکن اس ماحول کی یہ خاص خوبی تھی کہ اس کی غالب اکثریت حضرت کی پہچان نہ کرسکی۔ ان کی وفات کے بعد جنازے میں لاکھوں کا اجتماع جس میں دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث کی یہ شمولیت دیکھ کر اکثر لوگ کہتے سنے گئے کہ "ہائے! ہم تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو پہچان نہیں سکے، یہ تو کسی اور دنیا کے انسان تھے۔"

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نہایت ہی رحمدل انسان تھے، جس نے کبھی کسی کو دکھ نہ دیا، جس نے کسی کی دل آزاری نہ کی بلکہ ایک مثالی زندگی گزاری۔ جس نے زندگی غلامیٔ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلکہ ان کے غلاموں کی غلامی میں گزاری۔

اس شخص کے بارے میں لوگ کہتے سنے گئے یہ تو وہابی ہے، اس میں غالباً یہ راز پنہاں تھا کہ یہ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ لوگ گالیاں دیتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعائیں دیتے۔ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر گند پھینکتے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تیمارداری فرماتے۔ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جادوگر کہتے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دعاؤں سے نوازتے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی حضرت مولانا عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے گاؤں کے دوست ملک مرداد کھوکھر کو فرمایا میرے اس چھوٹے بیٹے محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کو حضور اقدس رحمۃ اللہ علیہ سے ایک خاص نسبت حاصل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کے بطن مبارک پر پیشاب نہیں کیا اور میرے اس بیٹے نے بھی اپنی والدہ کے جسم کو پیشاب سے آلودہ نہیں کیا۔ یہی وجہ تھی اگر حضرت کی نجی زندگی پر غور کیا جائے تو ہر شعبہ زندگی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور شریعت مطہرہ کی پابندی کے مناظر نظر آتے ہیں۔ گھر کے کچے کمرے کی چھت میں کھجور کے پھٹے ڈلوائے کہ یہ سنت بھی چھوٹ نہ جائے۔ اپنا ایک تکیہ چمڑے کا بنوایا اس میں چھال بھری کہ یہ سنت بھی زندہ ہو جائے۔ ہر نماز کے ساتھ تازہ وضو فرماتے اور فرض پڑھنے کے بعد بقایا نماز احاطہ مسجد سے باہر پڑھتے کہ یہ بھی سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ قربانی میں ہمیشہ چھترا (دنبہ) ذبح کرتے کیونکہ حضور اقدس کو چھترے کی قربانی پسند تھی۔ ایک مرتبہ بڑی دلچسپ صورتحال پیدا ہوگئی جب تک حضرت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ زندہ رہے تینوں بھائی مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ، حافظ صالح محمد رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ آمد وخرچ مشترکہ رکھتے۔ مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ سب سے بڑے تھے اور محمدی شریف کی خانقاہ کے صاحب سجادہ بھی تھے۔ ان کو بکرے، چھترے وغیرہ عقیدت مند لوگ بطور ہدیہ پیش کرتے تھے۔ قربانی کا موقع تھا۔ حافظ صالح محمدؒ تو وفات پا چکے تھے، دونوں بھائی زندہ تھے۔ تیسرے بھائی حافظ صالح محمدؒ کے اکلوتے بیٹے مولانا حافظ فضل کریم صاحب تھے۔ ان تینوں کے لئے قربانی کے جانور خریدنے کا معاملہ آیا تو پتہ چلا کہ تین چھترے یا اس میں کوئی بکرا تھا وہ ہدیہ میں ملے ہوئے موجود ہیں۔ لہٰذا تینوں جانور لائے گئے اور ایک چھترا حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے لئے مخصوص کیا گیا کہ اس کی قربانی وہ خود کریں گے۔ یاد رہے جب تک سکت رہی اپنی قربانی کو ذبح خود کرتے تھے کیونکہ یہ بھی آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پاک ہے۔ جب جانور مخصوص ہو گیا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو بتلایا گیا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں تو اس کی قیمت ادا کروں گا۔ ان کے پاس علیحدہ کوئی پونجی نہ ہوتی تھی، کہیں سے اُدھار لیا یا کچھ پیسے بچا کر رکھے ہوئے تھے، واللہ اعلم۔ بہرکیف اس چھترے کی قیمت میاں سلطان کمو کا نامی (ایک خادم جو حضرت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہتا تھا) اس کو کہا کہ اس چھترے کی قیمت لگواؤ تاکہ بڑے بھائی صاحب کو اس کی قیمت ادا کروں ورنہ میں یہ چھترے کی قربانی نہیں کروں گا۔ سلطان کمو کا بے چارہ سادہ لوح بھی تھا، اس نے یہ بات حضرت کے بڑے

بھائی حضرت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کو بتادی۔ حضرت پہلے تو خوب ہنسے، پھر فرمایا: ارے بے وقوف! یہ کیا بات کر رہا ہے، میں اپنے بھائی سے چھترے کی قیمت لوں گا؟

یہ بات اس نے حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کو جا کر بتائی۔ انہوں نے اس کو جھاڑ پلائی کہ جاؤ یہ قیمت ان کے خادم شیر محمد کو دے دو، میں جب تک قیمت ادا نہ کرلوں قربانی نہ کروں گا۔ اب سلطان کمو کا بے چارے کی سمجھ میں نہ آئے کہ میں کیا کروں اور کیا نہ کروں۔ شیر محمد خادم ذرا تیز، سمجھدار آدمی تھا، اس نے حالات کا جائزہ لے کر مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سلطان تو بھولا آدمی ہے، آپ یہ رقم مجھے دیں، میں مولانا (یعنی مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ) کو پیش کر دوں گا۔ یوں اس نے ذہانت سے یہ معاملہ رفع دفع کیا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح فرمایا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ وہ قربانی کا چھترا آخری دنوں میں خریدتے تھے اور ذبح کرنے تک مذکورہ جانور اس کی تحویل میں رکھتے جس سے جانور خرید کیا تھا اور ایک دو دن کی رکھوالی کی قیمت اس کو الگ ادا کرتے اور جانور قربانی والے دن منگواتے اور خود ذبح کرتے۔

حضرت ممدوح رحمۃ اللہ علیہ رواداری اور اپنے خاندان سے تعلق کو خوب نبھاتے۔ گاؤں بھر میں جو برادری تھی ان کی کوئی مرگ ہو جاتی تو پہلے دن جہاں وہ لوگ اکٹھے ہوتے تشریف لے جاتے۔ جب معذور ہو گئے تو اپنے بیٹوں میں سے کسی ایک کو بھیجتے۔ جنازے میں خود شریک ہوتے یا ہمیں شرکت کا حکم فرماتے۔ غرضیکہ آپ ایک صحیح معنوں میں عالم باعمل تھے اور یہ حقیقت ہے کہ آپ کی رحلت سے نہ صرف ایک قصبہ محمدی شریف یا ضلع چنیوٹ یہ پورا خطہ ایک باکمال شخصیت کے وجود سے محروم ہو گیا ہے۔

یہ منظر میری ان آنکھوں نے دیکھا ہے۔ چند سال قبل جب جناب سجاد احمد قریشی گورنر پنجاب بنے تو وہ محمدی شریف تشریف لائے۔ قریشی صاحب محترم حضرت خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحب سجادہ تھے اور ہمارے جد امجد رحمۃ اللہ علیہ اس درس گاہ کے فیض یافتہ تھے۔ بعض مقامی حضرات کے توجہ دلانے پر جناب سجاد احمد قریشی صاحب نے حضرت میاں امام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پختہ کرنے اور اس کے اوپر ایک کمرہ بنانے کا عندیہ ظاہر کیا۔ ان حضرات کی اس جائز (یا خدا معلوم ناجائز) خواہش کے مطابق جناب سجاد احمد قریشی صاحب مزار پر تشریف لے گئے اور پختہ قبر اور پختہ مکان کی بنیاد رکھی۔ اس کے بعد حضرت کی قبر پختہ اور اس کے اوپر پختہ مکان بھی بنا دیا گیا۔ حضرت والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کے دادا جان میاں عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ چک نمبر ۲۳۸ روڈ اتشریف لے گئے۔ وہاں ان کی کچھ زرعی زمین تھی۔ غالباً اس کی دیکھ بھال کرنے گئے۔ سرکنڈوں کی جھونپڑی میں بیٹھے، تلاوت فرما رہے تھے یا کوئی وظیفہ کی کتاب پڑھ رہے تھے ایک مائی (جو کہ رجوکہ قوم سے تعلق رکھتی تھی) آئی۔ اس نے دور سے ہی بلند آواز سے پکارا، کسی مرد سے پوچھا کیوں بھائی میاں رکڑی والا آیا ہوا ہے؟ یعنی صاحب

سجادہ محمدی شریف آیا ہوا ہے۔ اس نے کہا: ہاں آیا ہوا ہے۔ بوڑھی پھر بولی: اوہ رکوی چھوڑ کے زیناں تے آجاندا ہے۔ یعنی وہ مسجد مصلیٰ چھوڑ کر زمینوں کی دیکھ بھال کے لئے آجاتا ہے۔ بس یہ سننا تھا میاں عبدالرحمٰن نے قرآن یا وظیفہ بند کیا، مصلیٰ بغل میں دبایا اور واپس آگئے۔ کسی نے پوچھا حضرت! آپ تو زمینوں کی دیکھ بھال کے لئے گئے تھے، جلد واپس کیوں لوٹ آئے؟ فرمانے لگے: اللہ کریم نے اس بوڑھی مائی کی زبان سے مجھے کہلوایا کہ تمہیں مصلیٰ یعنی مسجد میں بٹھایا تھا لیکن تم پھر زمینوں کی دیکھ بھال کرتے پھر رہے ہو۔ اس کے بعد زندگی بھر مسجد چھوڑ کر زمینوں کی دیکھ بھال کے لئے نہیں گئے۔

والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد حضرت میاں عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ انتہائی سادہ لباس کھدر پہنتے، سادہ غذا کھاتے۔ یہ عالم تھا کہ والد محترم فرماتے تھے میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سردیوں گرمیوں میں ایک دن میں ایک ہی مرتبہ کھانا کھاتے۔ مٹی کی ایک تھالی بغیر (کندوری) غلاف کے ایک روکھی سادہ روٹی اور ساتھ مٹی کے برتن میں چاٹی کی لسی نمکین ہوتی۔ اس کے ساتھ روٹی تناول فرماتے۔ کبھی کبھی تھوڑا سا آم کا اچار لے لیتے جو کہ مسافروں اور مہمانوں کے لئے بنا کر رکھا ہوتا تھا۔ رات کو دودھ کے ساتھ روٹی کھاتے اور صرف ایک وقت مقررہ پر عشاء کی نماز کے بعد دور جنگل میں قضائے حاجت کے لئے تشریف لے جاتے۔ توکل کا یہ عالم کہ میاں غلام محمد ہرل سکنہ لنگرانہ جو کہ آپ کا عاشق مرید تھا، آپ کے گاؤں آتا تو جوتا اتار لیتا، دیوانوں کی طرح والہانہ انداز میں زور زور سے اللہ اکبر کی جلیاں لگاتا۔ مگر تھا ہوش مند، پاگل یا دیوانہ نہ تھا۔ پہلے پہل چوری چکاری کرتا تھا چونکہ ہرل قوم اکثر چوری چکاری کے لئے مشہور تھی لیکن میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت کرنے کے بعد اس کی کایا پلٹ گئی اور نمازی بن گیا اور میاں غلام محمد کہلایا۔ اس نے مجھے بتلایا کہ میں نے میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی محبت سے مغلوب ہو کر ان سے مطالبہ کیا آپ کے تین بیٹے ہیں، مولانا محمد ذاکر، حافظ صالح محمد اور مولانا محمد نافع۔ آپ کی زمین تھوڑی سی ہے کچھ رقبہ خرید کر لیا جائے۔ آپ نے فوراً فرمایا: میاں غلام محمد! کیا بات کرتے ہو؟ ہاتھ میں تسبیح تھی، اس کو لہرایا۔ فرمایا: ان کی زمین اور یہی ان کا راہٹ ہے۔ اس کو چلاتے رہے (یعنی پڑھتے رہے) تو وہ بھوکے نہیں مرتے۔ اگر اس کو چھوڑ دیا یعنی راہِ خدا کو ترک کر دیا تو وہ بھوکے مریں یا پیاسے مجھے ایسی اولاد کی کوئی پرواہ نہیں۔ حضرت میاں عبدالغفور رضی اللہ عنہ کے بڑے بیٹے مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ سادگی کا ایسا نمونہ تھے، ہمیشہ سفید کھدر پہنتے، سفید کاٹن کی پگڑی باندھتے، ایم این اے ہوتے ہوئے میں نے اپنی ان آنکھوں سے کندھے سے قمیص پھٹا ہوا دیکھا۔

اسلام ایک حسن ہے روئے کائنات کا اور اس حسن بے مثال کی جان ہے سادگی۔ ان کی رہائش ایک کچا کمرہ اور سامنے کا چھپر جو کہ کچی مٹی سے لیپ دیا جاتا تھا۔ سادگی کا اعلیٰ نمونہ، نام و نمود کی کوئی چیز نہ تھی۔ پشت ہا

پشت سے سادگی اور درویشی اس خاندان کا گویا امتیازی نشان ہے۔ مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۵۱ء میں رجوعہ کے سردار کا مقابلہ کیا مگر مولانا نے کسی سے ووٹ نہیں مانگا۔ ایک مرتبہ مہر نور محمد سپرا جو کہ مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کا زبردست ورکر اور سپورٹر تھا، وہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو مجبور کر کے علاقہ میں لے گئے۔ مولانا ایک گاؤں پہنچے، کئی لوگ مولانا کا نام سن کر اکھٹے ہو گئے مگر مولانا نے کوئی بات نہ کی۔ مہر صاحب نے اگلے گاؤں میں چلنے کو کہا۔ دوسرے گاؤں میں بھی لوگ اکٹھے ہو گئے مگر مولانا یہ کہہ کر واپس آ گئے کہ مہر نور محمد نے میرا توکل ہی توڑ دیا ہے۔ میں تو اپنے مالک کے دروازے پر بیٹھا تھا یہ مجھے لوگوں کے دروازے پر کھینچ لایا۔ کہیں اللہ پاک ناراض نہ ہو جائے کہ میرا در چھوڑ کر لوگوں کے در پر پھرنے لگا ہے۔ پھر علاقہ میں نہیں نکلے۔ اپنے مصلیٰ پر بیٹھے اللہ کریم سے لاؤ لگائے رکھی حتیٰ کہ سردار ہار گئے اور مصلیٰ پر بیٹھا درویش جیت گیا۔

اسی طرح ستر (۷۰) کی دہائی میں دو سردار مقابلہ میں تھے، قادیانیوں نے ووٹوں کی پیشکش کی۔ آپ کے تمام سپورٹروں اور عزیزوں نے مجبور کیا۔ فرمانے لگے بھائی کیا بات کرتے ہو جب میں نے ان کی نمائندگی نہیں کرنی تو ان سے ووٹ کیوں لوں؟ سب پریشان تھے۔ ایک طرف سرداران رجوعہ اور دوسرے پلڑے میں قادیانیوں کے بارہ ہزار ووٹ۔ مولانا کیسے جیت سکتے تھے؟ اللہ نے دکھا دیا جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے وہ ہار نہیں سکتا۔ وہی ہوا کہ اللہ کا بندہ جیت گیا اور سردار ہار گئے۔ اس خانوادے کا ایک فرد جس کا نام نامی محمد نافع تھا میدان سیاست گرم تھا، بڑا بھائی مولانا محمد ذاکر ایم این اے کے امیدوار ضلع چنیوٹ ایک؟؟؟؟؟ بے سروسامانی، بڑے بھائی معذور لیکن چھوٹا بھائی دنیا و مافیہا سے بے نیاز ایک مؤرخ، محقق کی طرح کتاب کے مطالعہ میں مگن ہے۔ جس کو سیاست کی گرم بازاری کی تپش متاثر نہ کر سکی۔ جناب محترم انجم نیازی (سابق A.L.D.G. جھنگ) کی تحریر کے مطابق جو کام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ، امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن خلدون نہ کر سکے وہ کام یہ دبلا پتلا شخص کر گیا۔ تعریف و توصیف سے بے نیاز اجر و معاوضہ کی خواہش سے بے خبر یہ شخص محمدی شریف لائبریری میں ایک لکڑی کی چوکی پر صبح و شام تک بیٹھا کام میں مگن دکھائی دیتا تھا۔ جس کی ساری کائنات ایک مٹی کی پیالی اور سٹیل کی سادہ سی چائے دانی تھی۔ کون آ رہا ہے؟ کون جا رہا ہے؟ ملک میں کیا ہو رہا ہے؟ کیا نہیں ہو رہا؟ اس کو نہ اس کی خبر تھی نہ خبر رکھنے کی اس کو ضرورت تھی۔ بچے کھانا کہاں سے کھا رہے ہیں؟ بیمار ہیں یا تندرست؟ خوش ہیں یا ناخوش؟ اس کی بلا جانے۔ اسے صرف ایک ہی فکر تھی، اسے صرف ایک ہی کام تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جو بہتان لگائے گئے تھے ان پر جو جھوٹ کے تیر اور توپیں چلائی گئی تھیں ان کو کس طرح روکا جائے؟ جھوٹے الزامات کا کس طرح جواب دیا جائے اور کتنا جلدی دیا جائے؟ کتنا مضبوط اور کس قدر مستند دیا جائے کہ کوئی اس کو جھٹلا نہ سکے۔ جواب دینا چاہے تو جواب نہ دے سکے، رد کرنا چاہے تو رد نہ کر سکے، بھاگنا چاہے تو بھاگ نہ سکے، ہضم کرنا چاہے تو ہضم نہ کر سکے، بھلانا

چاہے تو بھلا نہ سکے۔

سادگی اور انکساری کا یہ عالم، ملت کا یہ مایہ ناز محقق اپنی چارپائی خود بچھاتا، کمرے کے اندر اپنی چارپائی خود رکھتا، الماری سے کتاب خود اٹھاتا، اس کا مطالعہ کرنے کے بعد الماری میں کتاب اپنے ہاتھوں سے رکھتا، دوران مطالعہ اپنے نوٹ خود بناتا، پھر اس کو صاف کرتا، کوئی دوسرا معاون نہ تھا، اپنے شاگردوں کو اپنے کام میں شامل نہیں کیا۔ اول تا آخر تمام کام خود انجام دیا۔ شیشم کے درخت کے سائے میں بیٹھ کر کتابیں لکھیں۔ جب لائبریری جانا ہوتا اپنی زیر مطالعہ کتاب سادہ رومال میں لپیٹتے، بغل میں دباتے اور چل دیتے۔ جب تک مطالعہ کرنا ہوتا لائبریری میں چٹائی یا بان کی سادہ چارپائی پر بیٹھ کر کام کرتے۔ بعد از نماز عصر گاؤں لوٹ آتے۔ کبھی ان کے معمول میں فرق نہ آیا۔ موسمی حالات راستے کی رکاوٹ ان کے کام میں حائل نہ ہو سکی۔ سردی ہو یا گرمی، آندھی ہو یا بارش، تاریخ اسلام کا یہ نرالا محقق اپنی تحقیق میں مگن رہتا۔ سادہ غذا، سادہ لباس، سادہ رہائش، سادہ گفتار، زبان میں مٹھاس، کلام میں ویسی ہی مٹھاس، کبھی تیسرا حصہ اور کبھی چوتھائی حصہ چھوڑ دیتے۔ ان کی روٹی موٹے آٹے کی پکتی۔ روٹی پر گندم کا چھان لگواتے۔

ڈاکٹر حافظ محمد سعد اللہ[1]

ایک عالم باعمل اور فرشتہ سیرت انسان:

اہلِ علم و دانش سے یہ امر مخفی نہیں کہ ہر وہ آدمی جو دینی مسائل، قرآن و حدیث، فقہی احکام جانتا ہو، دین سے متعلقہ دیگر علوم و فنون پر دسترس رکھتا، دینی کتب کو پڑھنے، وعظ و تقریر کرنے، عوام الناس کو دینی مسائل بتانے اور فتویٰ دینے کی صلاحیت و استعداد رکھتا ہے لغوی اعتبار سے اور عرفِ عام میں اس پر عالم دین کا اطلاق ہو سکتا اور کیا جاتا ہے۔ مگر شرعی اعتبار سے اور حقیقی معنوں میں عالم دین کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے جس کا عمل، سیرت و کردار اور گفتار بھی اپنے علم اور شریعت کے مطابق ہو۔ چنانچہ صاحب مشکوٰۃ المصابیح نے معروف تابعی اور نامور فقیہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا یہ اثر نقل کیا ہے کہ آپ نے قرآن و سنت کے ساتھ ساتھ تورات و انجیل کے معروف عالم حضرت کعب بن احبار رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''من ارباب العلم'' علم والے لوگ کون ہیں؟ تو اس کے جواب میں انہوں نے بتایا ''الذین یعملون بما یعلمون'' وہ لوگ جو اپنے علم کے مطابق عمل بھی کرتے ہیں۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی سے متعلق دوسرا سوال کرتے ہوئے فرمایا: ''فما

---

[1] ایڈیٹر شعبہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور اور زیر نظر کتاب کا مرتب۔

نوٹ: یہ مضمون حضرت مولانا کی وفات کے فوراً بعد لکھا گیا تھا جو ماہنامہ ''الجامعہ'' جامعہ محمدی شریف ضلع چنیوٹ کے شمارہ فروری ۲۰۱۵ء میں شائع ہوا۔

اخرج العلم من قلوب العلماء ''کون سی چیز علماء کے دلوں سے علم کو نکال دینے والی ہے؟ تو انہوں نے بتایا: ''الطمع'' وہ (دنیا کا) لالچ ہے۔[1] قرآن مجید نے تو ان علماء کو جو اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتے ایسے گدھے سے تشبیہ دی ہے جس پر کتابیں لدی ہوں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا﴾

''جن لوگوں کو تورات پر عمل کا حکم دیا گیا تھا پھر انہوں نے اس پر عمل نہ کیا ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو کتابیں لادے ہو۔'' (سورۃ الجمعہ ۶۲:۵)

زیر بحث چیز کی مزید وضاحت اور تشریح کے لئے یہاں علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس آیت پر تفسیری نوٹ کا مطالعہ بے جا نہ ہوگا۔ فرماتے ہیں:

''یعنی یہود پر ''تورات'' کا بوجھ رکھا گیا تھا اور وہ اس کے ذمہ دار ٹھہرائے گئے تھے لیکن انہوں نے اس کی تعلیمات و ہدایات کی کچھ پرواہ کی، نہ اس کو محفوظ رکھا، نہ دل میں جگہ دی، نہ اس پر عمل کر کے اللہ کے فضل و انعام سے بہرہ ور ہوئے۔ بلاشبہ تورات جس کے یہ لوگ حامل بنائے گئے تھے، حکمت و ہدایت کا ایک ربانی خزینہ تھا مگر جب اس سے منتفع نہ ہوئے تو وہ ہی مثال ہوگئی نہ محقق شدی نہ دانشمند۔ چار پائے بر و کتابے چند۔ ایک گدھے پر علم و حکمت کی پچاسوں کتابیں لاد دو، اس کو بوجھ میں دبنے کے سوا کوئی فائدہ نہیں۔ وہ تو صرف ہری گھاس کی تلاش میں ہے۔ اس بات سے کچھ سروکار نہیں رکھتا کہ پیٹھ پر لعل و جواہر لدے ہوئے ہیں یا خزف و سنگریزے۔ اگر محض اسی پر فخر کرنے لگو کہ دیکھو! میری پیٹھ پر کیسی کیسی عمدہ اور قیمتی کتابیں لدی ہوئی ہیں، لہٰذا میں بڑا عالم اور معزز ہوں تو یہ اور زیادہ ''گدھا پن'' ہوگا۔''[2]

عالم دین کی مذکورہ بالا لغوی تعریف اور عرفی اطلاق کے اعتبار سے بے شمار اور لاتعداد لوگوں کو علماء دین کہا جا سکتا ہے اور کہا جاتا ہے مگر عالم دین کی درج بالا شرعی تعریف کے اعتبار سے خال خال اور گنے چنے لوگ ہی علماء دین کہلانے کے حق دار ہیں۔ ایسے ہی علماء دین کے متعلق پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:

''ان العلماء هم ورثة الانبياء'' (بے شک علماء ہی انبیاء کرامؑ کے حقیقی وارث ہیں)[3]

علماء دین کی مندرجہ بالا شرعی تعریف پر پورا اترنے والے علماء دین میں ایک نام ضلع جھنگ (اور اب

---

1. مشکوۃ المصابیح (کتاب العلم۔ الفصل الثالث) ص ۳۷ طبع درسی کلاس کراچی۔
2. تفسیر عثمانی، ص ۷۴۳، مطبوعہ خادم الحرمین، سعودی عرب۔
3. صحیح البخاری (کتاب العلم باب العلم قبل القول والعمل) ۱/۱۶، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔

ضلع چنیوٹ) کی ایک چھوٹی سی بستی محمدی شریف میں جنم لینے والے مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی بھی یقیناً شامل ہے جو اپنے علمی، تحقیقی، تصنیفی، تالیفی، تدریسی، دعوتی تحریری، تربیتی، دینی، روحانی، مالی اور اخلاقی فیوض و برکات سے کوئی صدی بھر کے ایک طویل عرصہ تک خلق خدا کو نفع پہنچاتے رہنے کے بعد مورخہ ۷ ربیع الاول ۱۴۳۶ھ بمطابق ۳۰ دسمبر ۲۰۱۴ء کی شام دس گیارہ بجے کے درمیان ہزاروں لوگوں کو سوگوار چھوڑ کر اس دارِ فانی سے دارِ آخرت کو کوچ فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ○

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا قریب سے مشاہدہ:

آئندہ سطور میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے چند تاثرات وخیالات سنے سنائے نہیں بلکہ راقم کے ذاتی اور چشم دید مشاہدہ پر مبنی ہیں اور کوشش کی گئی ہے کہ عقیدت ومحبت میں کسی قسم کی مبالغہ آرائی اور غلو سے کام لینے کی بجائے حقیقت پر مبنی احوال کی عکاسی کی جائے اور معلوم رہنا چاہیے کہ ''شنیدہ کے بود مانند دیدہ''

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ راقم کا آبائی گاؤں بھی محمدی شریف ہے۔ اندازاً ۶۲۔۱۹۶۱ سے لے کر ۱۹۷۶ء تک حفظ قرآن اور ابتدائی تعلیم سے لے کر درس نظامی اور دورۂ حدیث تک کی تعلیم میں نے حضرت مولانا کے بڑے بھائی مجاہد ملت حضرت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۷۶ء) کے قائم کردہ دینی ادارے ''جامعہ محمدی شریف'' میں پائی جس میں مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ ادارے کے تمام تعلیمی منصوبوں اور انتظامی کاموں میں اپنے بھائی جان کے دست راس، معاون، نائب، شعبہ تصنیف وترجمہ کے انچارج، کتب خانہ (لائبریری) کے ناظم، ومدرس، شیخ الحدیث، مفتی اور خطیب کے طور پر گوناں گوں خدمات سرانجام دیتے تھے۔ اس دوران بچپن اور ابتدائی کلاسوں سے جامعہ میں شرافت، عالمانہ وقار، تواضع، عاجزی، انکساری، سادگی، فقر درویشی کا پیکر، سارا دن کتب خانہ میں بیٹھا اور ارد گرد کتابوں کے ڈھیر میں گھرا اور اپنے کام سے کام رکھنے والا ایک چھوٹے سے قد کا دبلا پتلا نحیف ونزار اور صاف ستھرے اور سادہ کپڑوں میں ملبوس ایک خاموش طبع شخص نظر آتا تھا جن سے کبھی سرراہ ملاقات ہو جاتی تو سر پر دست شفقت پھیر دیتا اور وقتاً فوقتاً میرے چھوٹے بھائیوں کو بلا کر ہماری تھوڑی بہت مالی مدد کر کے یتیم پروری کا بھی مظاہرہ کرتا تھا۔ مگر اسے زیادہ قریب سے دیکھنے کا موقع راقم کو اس وقت ملا جب درس نظامی کے آخری سالوں میں ہدایہ اور صحیح مسلم شریف وغیرہ ان کے پاس پڑھنے کا موقع ملا۔ اس وقت تک بحمد للہ شعور اور سوجھ بوجھ بھی پیدا ہو چکی تھی۔ پھر ان کی شفقت سے تدریسی اوقات کے علاوہ بھی ان کے پاس اٹھنے بیٹھنے اور چھوٹی موٹی علمی خدمت سرانجام دینے کا موقع ہاتھ آیا۔ بعد ازاں راقم ۸۰۔۱۹۷۹ء سے اگرچہ لاہور آ گیا مگر اس کے باوجود آخر دم تک حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی استاذانہ شفقت، علمی کاموں میں اعتماد اور حسن ظن قائم رہا۔ اپنا علمی، تحقیقی اور تصنیفی وتالیفی کام زیادہ تر انہوں نے بنفس نفیس اور اپنے ہاتھوں سے سرانجام دیا جس کی تفصیل آگے

آئے گی۔تاہم ۷، ۸ سال قبل اپنی مستقل قسم کی جسمانی معذوری اور بیماری کے بعد بقیہ چھوٹے موٹے علمی کام اور مسوّدات کی ترتیب میں بحمد للہ جتنا اعتماد راقم پر فرماتے تھے اتنا شاید کسی دوسرے شاگرد پر نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ آج کل بھی ان کے بعض مسودات کو راقم مرتب کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ان کی بڑی خواہش تھی کہ یہ کام ان کی زندگی میں پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے مگر راقم اپنی ذاتی مصروفیات کے باعث ان کی یہ حسرت پوری نہ کرسکا جس کا خود مجھے بڑا افسوس ہے مگر ''اے بسا آرزو کہ خاک شدہ''[1]

حضرت مولانا کو راقم پر جو اعتماد اور حسن ظن تھا اس کی ایک مثال تحدیث نعمت کے طور پر اگر یہاں درج کردوں تو بے جا نہ ہوگا۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے راقم کے بارے میں درج ذیل تاثرات جن کا آپ نے حضرت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق میرے ایک مضمون پر غائبانہ اظہار فرمایا، میرے لئے بطور خاص سرمایہ اور میرے دعویٰ کا ثبوت ہے۔آپ نے مذکورہ مضمون کے بارے میں لکھا:

''مضمون ذیل مولانا حافظ سعد اللہ زید مجدہم کا ہے۔مولانا موصوف جامعہ محمدی شریف کے فارغ شدہ بہترین فاضل ہیں۔ایم اے اسلامیات ہیں اور ماشاء اللہ کئی دقیع کتابوں کے مترجم ہیں۔ان کے قلم سے کئی عمدہ تالیفات مرتب ہوچکی ہیں۔ریسرچ سیل (دیال سنگھ لائبریری) لاہور کے رسالہ ''منہاج'' کے ایڈیٹر ہیں۔انہوں نے مولانا محمد ذاکر مرحوم کے ملی خدمات بالاختصار زیر قلم کئے ہیں۔''

حضرت مولانا کے علمی و تحقیقی کام کا اجمالی جائزہ:

اس مسلّمہ امر کی وضاحت کی چنداں ضرورت نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جس پسندیدہ دین (دین اسلام) کی اپنے آخری رسول اور خاتم النّبیین حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذریعے تکمیل فرمادی ہے اس کی حفاظت کا ذمہ بھی اس قادر مطلق نے خود اٹھا رکھا ہے۔اسلامی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے ہر زمانے میں ایسے اسباب اور ایسے مخلص، ایثار پیشہ اور جاں نثار علماء پیدا فرمائے جن سے اس نے دین کی حفاظت کا کام لیا۔چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نور نبوت سے مستقبل کا ملاحظہ فرماتے ہوئے یہ پیشین گوئی فرمائی تھی کہ:

﴿يحمل هذا العلم من كلِّ خلف عدوله ينفون عنه تحريف الغالين وتاويل الجاهلين وانتحال المبطلين﴾[2]

''ہر آنے والی نسل کے ثقہ و عادل لوگ (مستند علماء) اس علم دین کو سینوں سے لگائے رکھیں

---

[1] ان مسودات میں سے ایک مسودہ اب زیور طباعت سے آراستہ ہو چکا ہے جس عنوان ہے: ''عظمتِ صحابہؓ''۔ یہ کتاب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے جملہ تصانیف کے ناشر حافظ محمد ندیم صاحب نے اپنے ادارہ ''دار الکتاب، لاہور'' سے شائع کی ہے۔مؤلف

[2] مشکوٰۃ المصابیح (کتاب العلم۔آخر فصل ثانی) ص ۳۶۔

گے جو (ورثاء انبیاء ہونے کی بنا پر) حد سے تجاوز کرنے والے لوگوں (نام نہاد علماء) کی من گھڑت تحری، جاہلوں کی (خودساختہ) تاویل اور باطل پرستوں کے غلط انتساب کو اس (علم دین) سے دور رکھنے کا (شرعی) فریضہ سرانجام دیتے رہیں گے۔''

ہمارے ممدوح حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ بھی فی زمانہ ایسے ہی علماء میں سے تھے جنہوں نے حفاظتِ دین کا مذکورہ فرض کمال ہمت، مستقل مزاجی، عالمانہ بصیرت اور بلا جواز ملامت کرنے والوں کی ملامت سے بے پرواہو کر بڑی جوانمردی سے ادا کیا۔

حضرت مولانا کی تصانیف و تالیفات سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ خالق کائنات کو چونکہ ان کی ذات سے اہل بیت نبوی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دفاع، مطاعن ومشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے معاملے میں منصفانہ مؤقف کی وضاحت اور ان کے معاملے میں افراط وتفریط سے بچاؤ کا کام لینا مقصود تھا اس لئے بفحوائے حدیث نبوی ''کل میسر لما خلق له''[1] ہر آدمی کو جس مقصد/کام کے لئے پیدا کیا گیا ہو اسے اس کی توفیق دے دی جاتی ہے۔ مذکورہ کام ان کے لئے آسان کر دیا گیا۔ اللہ نے انہیں جسمانی طور پر کمزور ہونے اور لمبے چوڑے وسائل نہ ہونے کے باوجود اس کام کے لئے درکار وہ ذوق، ایسا جذبہ، اتنا حوصلہ، تڑپ، طلب، جستجو اور ہمت عنایت فرمائی کہ انہوں نے حوالہ جات تلاش کرنے سے لے کر پروف خوانی تک کے تمام مراحل سرانجام دے کر تن تنہا اور ایک دیہات میں بیٹھ کر وہ کام کر دکھایا جو بڑے بڑے ادارے بھی سرانجام نہ دے سکے۔ انہوں نے اپنی جوانی، بڑھاپا، ساری توانائیاں، تمام وسائل، صلاحتیں اور وقت اس کام کے لئے وقف کر دیا۔

میری معلومات اور ذاتی مشاہدہ کے مطابق انہیں جتنا اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی ہمہ وقت فکر رہتی تھی اور اس کے بارے پہلوؤں اور جزئیات تک کی تشریح وتوضیح کا اہتمام تھا، اتنی فکر اور اہتمام انہیں کسی دوسرے کام کے بارے میں نہ تھا۔ پھر اس سلسلے میں درکار بعض ضروری کتابوں کی تلاش میں انہوں نے جتنی مشقت اٹھائی، جتنے دور دراز کے سفر کئے اور ایک ایک روایت اور حوالہ کے لئے جتنی ورق گردانی کی یہ انہی کا حصہ تھا۔ اس ساری ذہنی وجسمانی محنت ومشقت جستجو اور تگ ودو کے پیچھے یقیناً مذکورہ حدیث نبوی میں بیان کردہ صداقت کارفرما تھی۔

مشیت ایزدی کے مطابق جس موضوع پر تحقیق کرنا ان کے لئے مقدر تھا، اس کے ساتھ انصاف کرنا اتنا آسان نہ تھا۔ ایک تو یہ تفسیر، حدیث، اسماء الرجال، انساب، طبقات، علم العقائد اور تاریخ کی کتابوں میں بکھرا ہوا

---

[1] صحیح البخاری (کتاب التوحید باب قول اللہ ولقد یسرنا القرآن للذکر) ۲/۱۱۲۶۔
نیز صحیح مسلم (کتاب القدر باب کیفیۃ خلق الآدمی) ۲/۳۳۴ نور محمد کراچی۔

تھا دوسرے بعض راویوں، مؤرخین اور مصنفین نے اہل بیت نبوی اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں اپنے مخصوص نقطۂ نظر، افکار ونظریات اور آنکھوں پر تعصب کی پٹی بندھے ہونے کے باعث متعلقہ روایات وواقعات میں اتنا التباس، اتنی غلط فہمیاں، اتنے مغالطے اور اتنے شکوک وشبہات ایسی چالاکی سے پیدا کر دیئے ہیں کہ ان میں صحیح اور غلط کی پہچان عوام الناس اور عام قارئین تو درکنار اکثر پڑھے لکھے لوگوں، سطحی الذہن اہل علم اور بڑے بڑے علماء کے بس کا روگ بھی نہیں۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اہل بیت نبوی اور اصحاب رسول رضی اللہ عنہم کے بارے میں قرآن وحدیث کی صریح نصوص، اجماع امت اور اہل سنت والجماعت کے اجماعی عقیدہ کی روشنی میں مذکورہ قسم کے مشتبہ، شکوک وشبہات سے بھرپور اور رطب و یابس تاریخی مواد کو انتہائی باریک بینی سے دیکھا اور تمام روایات وواقعات کا حقائق کی روشنی میں جائزہ لیا۔ اس کے لئے انہیں ایک ایک روایت کی صحت اور ایک ایک راوی کی عدالت وثقاہت جانچنے کے لئے بیسیوں اسماء الرجال کی کتابیں کھنگالنا پڑیں۔ اس سلسلے میں انہیں کتنی محنت اور کتنی ورق گردانی کرنی پڑی نیز کتنی باریک بینی اور گہرائی سے انہوں نے روایات کا جائزہ لیا، اس کا اندازہ ان کی تالیفات میں درج ''ایک غلط فہمی کا ازالہ''، ''ایک شبہ اور اس کا ازالہ''، ''تنبیہ''، ''ایک اشتباہ اور اس کا ازالہ''، ''ایک وضاحت'' وغیرہ جیسے عنوانات کے تحت درج تفصیل اور مندرجات اور فہرست ماخذ ومراجع سے لگایا جاسکتا ہے جس کی قدر وقیمت کوئی محقق ومصنف ہی سمجھ سکتا ہے۔

خلفاء راشدین میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں سے ہر ایک پر مختلف حوالوں سے ماضی کے یا موجودہ مخالفین نے جتنے بھی اعتراضات اور شکوک وشبہات پیدا کرنے اور اسلام میں ان کے ارفع واعلیٰ مقام کو گھٹانے یا ان کے روشن کردار کو داغدار کرنے یا ان کی خدمات میں عیب تلاش کرنے کی کوشش کی ہے یا قرآنی نص کے مطابق ان کے ''رُحَمَآءُ بَیۡنَهُمۡ'' ہونے پر کسی شک وشبہ کا اظہار کیا ہے۔ اسی طرح دیگر صحابہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ وغیرہ اور امہات المؤمنین میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بنات طاہرات کی سیرت وکردار اور عفت وپاک دامنی کے حوالے سے جس نے بھی خُبثِ باطن اور بُغض وعناد کا مظاہرہ کیا ہے مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی ٹھوس بنیادوں، محکم دلائل، مستند اور ناقابل تردید حوالہ جات اور فریق مخالف کے نزدیک مسلمات کے ذریعے اتنے دلائل وشواہد اور کبار ومحدثین وفقہاء کے اقوال اور بزرگانِ دین کی تصریحات سے اس کی تردید کی ہے کہ کم از کم کسی انصاف پسند آدمی کو اس کے بعد اعتراض کی گنجائش نہیں رہتی۔ چنانچہ مولانا ''سیرت حضرت امیر معاویہ'' کی دوسری جلد جو ان پر کئے گئے اعتراضات اور مطاعن کے جوابات پر مشتمل ہے، کے پیش لفظ میں فرماتے ہیں:

کتاب لو تامله الضریر لعاد کریمتاه بلا ارتیاب

یعنی یہ وہ کتاب ہے کہ اگر نابینا آدمی بھی اس پر غور کرے تو بے شک اس کی دونوں آنکھیں بینا ہو جائیں گی۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے تحقیقی انداز کی مختصر وضاحت کے بعد ان کے اسلوب تحریر پر ایک نظر ڈال لینا بھی ضروری ہے۔ آپ نے اپنی تمام تصانیف میں کہیں بھی مناظرانہ اور مجادلانہ طرز تحریر اختیار نہیں کیا۔ اپنے مخالفین کے دلائل کا جواب دلائل اور ان کے نزدیک مسلّم امور کی مدد سے دیا ہے۔ کسی بڑے سے بڑے مخالف کی دل آزاری کی ہے نہ ناقص زبان استعمال کی ہے بلکہ انتہائی مہذب اور شائستہ زبان میں ان کے استدلال کا جواب دیا ہے۔

مثلاً ''رُحَمَآءُ بَیۡنَهُمۡ'' حصہ اول صفحہ نمبر ۳۴۳ پر ایک سرخی کا عنوان ہے ''احباب کی جانب سے ایک روایت'' اس میں ایک شیعہ عالم کی ایک روایت اپنے مؤقف کی تائید میں درج کی ہے۔ اسی طرح کئی جگہ ''شیعہ دوستوں'' کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا حسن عمل اور کردار:

حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے عزیز و اقارب کے علاوہ ہزاروں ایسے لوگ اور ان کے شاگرد ابھی موجود ہیں جو یقیناً اس بات کی گواہی دیں گے کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی عملی زندگی، سیرت و کردار، اخلاق، لوگوں کے ساتھ طرز عمل، رویہ اور برتاؤ بھی عین شریعت اور سنت کے مطابق تھا۔ قرآن و حدیث اور اسوہ وسنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رُو سے جو عبادات، اعمال اور اخلاق حسنہ ایک مسلمان سے مطلوب ہیں وہ اس گئے گزرے مادہ پرستی، زر پرستی اور مفاد پرستی کے دور میں بھی قابل رشک حد تک ان میں موجود تھے۔ ہم یہاں ان کی عبادات، نماز، روزہ اور بیماری میں شرعی طور پر رخصت ہونے اور انتہائی کمزوری کے باوجود عزیمت پر عمل کرتے ہوئے گزشتہ رمضان میں بھی روزہ نہ چھوڑنا اور ہمہ وقت تسبیح اور ذکر و اذکار میں مشغول رہنے کی بات نہیں کرتے کیونکہ خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ یا اصطلاح میں یہ ''لازمی نیکی'' ہے جس کا فائدہ انسان کی ذات تک محدود ہوتا ہے۔ ہم یہاں خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اصطلاح ہی میں مولانا کی ''متعدّی نیکی'' کی بات کرتے ہیں جس کا نفع اور فائدہ دوسرے انسانوں اور خلق خدا کو پہنچتا ہے۔ دوسرے لوگوں کے حوالے سے شریعت کے اندر ایک مسلمان سے جس طرز عمل اور حسن اخلاق کا مطالبہ کیا گیا ہے مثلاً تواضع، عاجزی، انکساری، ہمدردی، خیر خواہی، یتیم پروری، غرباء، مساکین، بیوگان کی اپنی وسعت کے مطابق خبر گیری، راست گفتاری، سادگی، تکلفات سے گریز، ضرورت مندوں پر خرچ، انفاق فی سبیل اللہ، دیانت داری، خدمت خلق، نفع رسانی، چھوٹوں پر شفقت، احترام انسانیت، خدا خوفی، خدا ترسی، معاملات اور لین دین میں صفائی، مہمان نوازی، شرم و حیاء، اپنے ہاتھ سے کام کرنا، عزم و استقلال، امارت پسندی سے اجتناب، توکل علی اللہ اور صبر و شکر وغیرہ۔ ان تمام مطلوبہ

اخلاق حسنہ سے آپ متصف اور اس کے مقابلے میں رذائل اخلاق مثلاً حُبِّ دنیا، حبِّ جاہ و مال، حرص، طمع، غرور، تکبر، غرباء کی تحقیر، انسانیت کی تذلیل، عُجب پسندی، خوشامد، چاپلوسی، دھوکہ دہی، جھوٹ، عیب جوئی، کسی کا حق مارنا، کسی سے ناانصافی، کتمان حق وغیرہ، سے کوسوں دور تھے۔

آپ کی حد درجہ تواضع کا عالم یہ تھا کہ گھر سے جامعہ میں تشریف لے جاتے تو اپنا کتابوں کا بستہ خود اٹھاتے، کبھی کسی خادم یا طالب علم سے مدد نہیں لی۔ راستے میں کوئی عقیدت مند اٹھانے کی کوشش کرتا تو ایسا نہ کرنے دیتے۔ جامعہ کے کتب خانہ میں پہنچ کر خود چار پائی کرسیاں وغیرہ نکال لیتے۔ وضو کے لئے خود لوٹا اٹھا کر پانی بھر لیتے۔ ہوٹل سے چائے خود لے کر آتے، چھوٹا موٹا سودا سلف یا پھل وغیرہ خریدنے کے لئے سنت رسول کے مطابق خود دُکان پر تشریف لے جاتے اور خود ہی اٹھا کر رہائش گاہ پر لے آتے۔

حضرت مولانا سرمایہ دار تھے نہ کبھی سرمایہ جمع کرنے کی فکر یا کوشش کی۔ اس کے باوجود گاؤں کی بیوہ خواتین، یتیم بچوں اور نادار لوگوں کی ہمیشہ حسب استطاعت خبر گیری اور تھوڑی بہت مالی مدد فرماتے رہتے۔ نام نمود و نمائش تصنع اور تکلف ان کے نزدیک سے بھی نہیں گزرا تھا۔ ان کی چال ڈھال، لباس، سادگی، کھانے پینے کے برتن، سونے کی چارپائی، تکیہ بستر اور نشست گاہ وغیرہ کو دیکھ کر انجان آدمی قطعاً یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ یہ اپنے وقت کا کوئی بہت بڑا فاضل، عالم، محقق اور مصنف ہے۔ ان کے زہد، فقر، درویشی اور دنیاداری سے عدم دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ راقم نے کوئی ۴۰ سال کی شعوری قربت میں کبھی بھی ان کی زبان سے پیسے، مکان، زمین، بھینس، گائے، بیل یا کسی قسم کی مالی پریشانی کا ذکر نہیں سنا۔ جب بھی ملاقات ہوئی اور کئی کئی گھنٹوں پر مشتمل نشست رہی سوائے کتابوں اور علمی کام کے کبھی کسی قسم کی دنیاداری کی بات کا ذکر تک نہیں ہوتا تھا۔ ان کے زہد، فقر، لباس، سادگی، رہن سہن اور درویشی کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے سامنے یقیناً حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے فرمائی گئی یہ خصوصی ہدایت ہوگی کہ

﴿کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل وعد نفسک فی اھل القبور﴾[1]

''تم دنیا میں اس طرح رہنا گویا تم اجنبی یا راہ رو ہو اور اپنے آپ کو اہل قبور میں شمار کرنا۔''

یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس سنت پر عمل ہوگا کہ ایک موقع پر چٹائی پر سونے کے باعث جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم نازنین پر نشان پڑ گئے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہمیں حکم فرمایا ہوتا تو ہم کوئی نرم گدا بچھا دیتے۔ تو آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] مشکوۃ المصابیح (کتاب الرقاق۔ الفصل الاول کی آخری حدیث)۔

﴿مالی وللدنیا وما انا والدنیا الا کراکب استظل تحت شجرۃ ثم راح وترکھا ﴾[۱]

''میرا اور دنیا کا آپس میں کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ میرا دنیا سے تعلق اس سوار یا مسافر جیسا ہے جو تھوڑی دیر کیلئے کسی سایہ دار درخت کے نیچے ستانے کیلئے ٹھہرا پھر اس سائے اور درخت کو چھوڑ کر روانہ ہو گیا۔''

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ عبادات، طاعات، زہد و تقویٰ، حسن عمل اور استقامت دیکھتے ہوئے اگر انہیں ایک عام مسلمان کے درجے سے اوپر کامل مومن بلکہ ولی بھی کہہ دیا جائے تو شاید مبالغہ آرائی اور غلط نہ ہوگا۔ مشہور متکلم علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے ولی اللہ کے بارے میں قرآن وحدیث کی تمام تصریحات کو مدنظر رکھتے ہوئے شرح عقائد نسفی میں جو ایک ولی کی تعریف کی ہے وہ ہمارے ممدوح مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ پر پوری طرح صادق آتی ہے۔ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ ولی کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿الولی ھو العارف باللہ تعالی وصفاتہ حسب ما یمکن: المواظب علی الطاعات، المجتنب عن المعاصی، المعرض عن الانھماک فی اللذات والشھوات ﴾

''ولی وہ آدمی ہوتا ہے جو انسانی بساط کی حد تک اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کی معرفت رکھنے والا، تمام طاعات پر ہیشگی اختیار کرنے والا، ہر قسم کے چھوٹے بڑے گناہوں سے بچنے والا اور دنیا کی لذتوں اور شہوات میں منہمک ہو جانے سے گریز کرنے والا ہوتا ہے۔''

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ''مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمِ'' (ایک عالم دین کی موت ایک جہان کی موت کے مترادف ہے) کے مصداق ایک قومی سانحہ ہے۔ علمی دنیا ایک ایسے عالم باعمل، محقق، مفتی، سلف صالحین کے ایک جیتے جاگتے اور چلتے پھرتے نمونے اور فرشتہ سیرت آدمی سے محروم ہو گئی ہے جس کا خلا پر ہونے کا بظاہر دور دور تک کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ مولانا نے صرف صاحبزادہ میاں محمد مختار عمر صاحب، میاں ابوبکر صدیقی صاحب، بھتیجے مولانا محمد رحمت اللہ صاحب (ناظم عمومی جامعہ شریف) اور مولانا فضل کریم صاحب، پوتوں میں عزیز محترم عثمان، علی اور محمد قمر الحق و دیگر اہل خانہ کو ہی سوگوار اور یتیم نہیں چھوڑا بلکہ تمام علمی دنیا کو یتیم کر گئے ہیں۔ اللہ ان کی قبر پر کروڑوں رحمتیں اور انوار و برکات نازل فرمائے۔

مولانا کے کامل مومن بلکہ ولی ہونے کے میرے مذکورہ دعویٰ کی دلیل ایک تو موت کے وقت ان کے چہرے کا نور اور تبسم تھا۔ علامہ اقبالؒ نے مرد مومن کی نشانی بتاتے ہوئے کہا تھا:

نشانِ مردِ مومن باتو گویم چوں مرگ آید تبسم برلب اوست

دوسرے ایک دور دراز دیہات میں ملتان، وہاڑی، لاہور، جھنگ، فیصل آباد، چنیوٹ، بھوانہ، لالیاں،

---

[۱] حوالہ مذکور ص ۲۴۲۔

سرگودھا وغیرہ جیسے شہروں کے علاوہ قرب و جوار کے دیہاتوں سے کم از کم پچاس ساٹھ ہزار آدمیوں جن میں اکثریت علماء اور طلباء دین کی تھی، کی نماز جنازہ میں شرکت بھی مذکورہ دعویٰ کا بین ثبوت ہے۔

چند یادیں اور چند علمی نکات:

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ اپنے بڑے اور جلیل القدر بھائی مجاہد ملت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ بانی و ناظم عمومی جامعہ محمدی شریف کے وصال (۲۵رنومبر ۱۹۷۶ء، ۳رذی الحجہ ۱۳۹۶ھ) تک جامعہ کی مختلف خدمات حقیقی معنوں میں بھائی کی طرح فی سبیل اللہ اور بڑے خلوص و محنت سے سرانجام دیتے رہے۔ آپ نے جہاں جامعہ کے شعبہ تصنیف و تالیف کے انتہائی محنت طلب سارے کام کا بوجھ اکیلے اٹھایا ہوا تھا وہاں ناظم صاحب کی نیابت، جمعہ کی خطابت، افتاء اور دیگر فرائض بھی سرانجام دے کر علمی نفع رسانی کا کام کرتے تھے۔

راقم الحروف نے ۷۶-۱۹۷۵ میں موقوف علیہ میں ہدایہ اخیرین اور دورۂ حدیث میں صحیح مسلم شریف حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ سارا علم کتابوں میں نہیں رکھا۔ اگر یہ بات ہوتی تو اساتذہ کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ جن لوگوں نے اساتذہ کے سامنے زانوائے تلمذ تہہ کئے ہیں وہ یقیناً اس امر کی گواہی دیں گے کہ درسی اور نصابی کتب کے علاوہ جو معلومات، علمی نکات، تجربات اور مشاہدات استاذ سے ایک آدھ گھنٹے میں پکی پکائی کی طرح مل جاتے ہیں وہ برسوں کے ذاتی مطالعہ سے بھی نہیں ملتے۔ مذکورہ درسی کتابوں کی تدریس کے دوران حضرت مولانا اپنے وسیع اور گہرے مطالعہ کی بنیاد پر کئی علمی نکات اور قیمتی معلومات بھی فراہم کرتے تھے مگر اپنی کم عقلی، ناتجربہ کاری اور لاپرواہی کی وجہ سے وہ روزانہ کے سارے علمی نکات محفوظ نہ کئے جاسکے۔ اب چالیس سال کے بعد بہت ساری چیزیں ذہن سے اوجھل ہوگئی ہیں۔ تاہم چند متفرق نکات اور معلومات درس کے دوران نوٹ کر لیتے تھے، انہیں مستقل ریکارڈ پر لانے کے لئے ذیل میں درج کیا جارہا ہے۔ جن سے عام استفادے کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی وسعت نظری اور رسوخ فی العلم کا اندازہ بھی لگایا جاسکے گا۔

اس کے علاوہ ایک دن دوران سبق حضرت مولانا پر رقت کی کیفیت بھی طاری ہوئی تھی۔ یہ رقت بلاشبہ کوئی دکھلاوا اور مصنوعی چیز نہ تھی بلکہ ان کی قلبی کیفیت کی غماز تھی۔ اسے ریکارڈ پر لانا بھی قارئین کے لئے فائدے سے خالی نہیں۔ علمی نکات کی تفصیل سے قبل اس رقت طاری ہونے کا قصہ کچھ یوں ہے کہ:

۷۶-۱۹۷۵ میں جامعہ محمدی شریف (ضلع جھنگ اب ضلع چنیوٹ) میں ہماری دورۂ حدیث کی کلاس تھی۔ اس کلاس میں ہم گنتی کے چند طلبہ تھے۔ حافظ میاں علم الدین مرحوم (محمدی شریف)، حافظ احمد یار مرحوم (محمدی شریف)، حافظ محمد حیات مرحوم (کانویں والا)، حافظ محمد انور (چک پٹھنیکا)، محمد علی نصیر (موضع سلمان) اور راقم الحروف۔ ایک دن حدیث شریف کے سبق کے دوران غزوۂ بدر کے قیدیوں میں حضرت عباس بن

عبدالمطلب کے گرفتار کئے جانے اور رات کو ان کی مشکیں کسے جانے کے باعث ان کے کراہنے کی آواز پر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بے قرار ہوجانے اور مشکیں کھلنے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے سکونی کی کیفیت دور ہوجانے کی روایت آئی تو استاذ محترم پر بے ساختہ ایک رقت کی کیفیت طاری ہوگئی۔ آواز بھرا گئی اور آنکھوں میں آنسو آگئے۔ یہ رقت ان کی حقیقت محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی واضح دلیل تھی جو ان کے دل میں موجزن تھی۔

محمدی شریف میں چند متعصب قسم کے لوگوں نے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف محض دارالعلوم دیوبند (انڈیا) سے فارغ التحصیل ہونے کی بنا پر مسلکی پروپیگنڈا پھیلا رکھا تھا مگر اس چشم دید منظر کے بعد پروپیگنڈا سے پیدا شدہ تاثر راقم کے دل سے ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا۔ پھر کئی مواقع پر یہ بات دیکھنے میں آئی کہ جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بے پناہ عقیدت ومحبت ان کی رگ وپے میں سرایت کئے ہوئے تھی اور زندگی بھر ان کا دفاع کرتے رہے، وہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اور آپ کے اہل بیت سے بھی کمال درجے کی عقیدت ومحبت رکھتے تھے۔ جس پر ان کی تین اہم تالیفات ''بنات اربعہ''، ''سیرت حسنین کریمینؓ'' اور ''سیرت علی المرتضیٰؓ'' کے علاوہ محمدی شریف کی جامع مسجد میں ۱۲ ربیع الاول کی رات اور شب معراج کو جلسے اور جلسے کے بعد تبرک کا خصوصی انتظام کرانا۔ اسی طرح یوم عاشورہ کو سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن بڑے شد ومد سے جلسہ کا اہتمام کرنا گواہ ہیں۔

اب ذیل میں وہ علمی نکات اور معلومات نمبروار درج کی جاتی ہیں جن کی طرف سطور بالا میں اشارہ کیا گیا ہے:

۱: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن اپنے قریب بیٹھی چڑیا کے متعلق کہا کہ یہ کہہ رہی ہے کل عید ہوگی۔ لوگوں نے اس بات کو تسلیم نہ کیا تو چڑیا نے اپنی زبان میں کہا: ''دروغ در جنسِ ما نیست ایں خاصۂ بنی آدم است'' (جھوٹ بولنا ہماری جنس میں نہیں یہ صرف بنی آدم/انسان کا خاصہ ہے۔)

۲: حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے بیٹھنے کی جگہ 60x60 ذراع تھی اور ذراع کہتے ہیں ''کہنی سے بیچ کی انگلی تک کے حصہ کو''۔ تقریباً ڈیڑھ دو فٹ۔

۳: حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کے ساتھ کسی موقع پر ایک نیکی فرمائی اور جب اس نے اس کا صلہ دینا چاہا تو فرمایا: ''انا لا مبیع معروفا'' (ہم نیکی بیچا نہیں کرتے)۔

۴: صوفیہ کے نزدیک تہجد کی نماز نفلی عبادات کی سردار ہے اور اس میں قرآنِ مجید گنگنا کر پڑھنا دل کی صفائی ہے۔

۵: ماتم کا آغاز عباسی خلیفہ معزالدولہ دیلمی نے محرم ۳۵۲ھ میں کرایا اور ۱۸ ذی الحجہ ۳۵۲ھ کو ''عید غدیر'' منائی۔

۶: قرآنِ مجید کی آیت ''وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ'' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ''نحن معاشر الانبیاء ولا نرث ولا نورث'' کے مخالف نہیں کیونکہ قرآنی آیت میں علم ونبوت کی وراثت مراد ہے جبکہ حدیث میں دنیوی مال ودولت کی وراثت مراد ہے۔

۷: قرآنِ مجید کی وہ آیات جن میں بظاہر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فہمائش یا تنبیہ فرمائی گئی ہے، مثلاً: ''فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ'' (سورۃ الشعراء: ۲۱۳) اور ''اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَ ضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا'' (سورۃ بنی اسرائیل: ۷۵) اس قسم کی آیات بطور تعریض ہیں ''آکھاں دھی نوں تے سناواں نونہہ نوں''۔[1]

۸: الراضی بالمعصیۃ فی حکم المعاصی (کسی معصیت یعنی اللہ کی نافرمانی پر راضی آدمی معصیت کے مرتکب کے حکم میں ہے)۔

۹: ما من امۃ الا ھلکت بعلماءھا (ہر امت اپنے علماء کی وجہ سے ہی ہلاک ہوئی، مراد علماء سوء ہیں)۔

۱۰: لولا کا جواب کبھی مقدم ہوتا ہے جیسے ''كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا'' (سورۃ القصص: ۱۰) ''وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْ لَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ'' (سورۃ الاعراف: ۴۳) اسی طرح ''وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ'' (سورۃ یوسف: ۲۴)

۱۱: ذالک میں ''ذا'' اسم اشارہ، ''لِ'' زائد اور ''ک'' ضمیر جو مخاطب کے حال کے مطابق آتی ہے۔ اگر مخاطب واحد ہو تو ضمیر بھی واحد، مخاطب تثنیہ ہو تو ضمیر بھی تثنیہ اور مخاطب جمع ہو تو ضمیر بھی جمع آتی ہے۔ جیسے ''ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ'' (سورۃ الطلاق: ۲) مگر قرآنِ مجید میں اس عمومی قاعدہ کے خلاف بھی آیا ہے: ''ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝'' (سورۃ البقرۃ: ۵۲)

۱۲: تمیز محول عن الفاعل جیسے ''تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا'' (تمت صِدق كَلِمَةِ رَبّك)

۱۳: تمیز محول عن المفعول جیسے ''اَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا (اَحْصٰى عَدَدَ كُلِّ شَيْءٍ)

۱۴: اسی لئے علامہ شاطبی (امام ابو اسحٰق ابراہیم بن موسیٰ الشاطبی، م ۷۹۰ھ) نے فرمایا ہے:

''کان العلم فی صدور الرجال ثم انتقل الی الکتب ومفاتحہ بایدی الرجال''

علم شروع میں مردوں (اساتذہ) کے سینوں میں پھر کتابوں میں منتقل ہوگیا تاہم اس کی

---

[1] یعنی روئے سخن تو بیٹی کی طرف ہوتا ہے لیکن تنبیہ دراصل بہو کو کرنا مقصود ہوتا ہے۔

چابیاں اب بھی مردوں (اساتذہ) کے ہاتھ میں ہیں۔[1]

درج بالا علمی وفنی نکات اور نادر معلومات دیکھ کر اب احساس ہوتا ہے کہ کاش روزانہ کے سبق میں اس قسم کی علمی باتیں نوٹ کر لی ہوتیں تو آج کام آتیں۔ ''مگر اب پچھتائے کیا حوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت''۔ آخر میں دعا ہے کہ اللہ کریم حضرت استاذی المکرم کی للہ فی اللہ تمام علمی، دینی، تحقیقی، تصنیفی، تالیفی اور ملی خدمات کو قبول فرمائے۔ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور ہم نیازمندوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

کوئی تین چار سال قبل عاشورہ کے موقع پر حاضری ہوئی تو اس وقت راقم نے ''ڈارک براؤن'' کلر کا سوٹ پہنا ہوا تھا، شام کا وقت تھا اور اس وقت اندھیرے میں بالکل سیاہ نظر آ رہا تھا۔ دیکھتے ہی سخت ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ راقم نے وضاحت کی تو تب کہیں جا کر تھوڑا سا مطمئن ہوئے۔

علمی تحقیق کے معاملے میں مستقل معمول تھا کہ کسی بڑے سے بڑے فاضل اور محقق کے دیئے گئے حوالے پر آنکھیں بند کر کے اعتماد نہیں کر لیتے تھے۔ جب تک اس حوالے کو اصل کتاب سے اور اس کے سیاق و سباق کو نہیں دیکھ لیتے تھے اپنی تحقیق میں درج نہیں کرتے تھے۔ یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ آپ کی تمام تصانیف میں کوئی ایک حوالہ بھی ایسا نہیں ہوگا جسے آپ نے اصل کتاب کو دیکھے بغیر کسی دوسرے محقق و مصنف پر اعتماد کرتے ہوئے درج کر دیا ہو۔

مولانا حافظ فضل کریم مدظلہ کے بیان کردہ چند واقعات

حضرت خواجہ قمرالدین سیالوی کا مولانا قاسم نانوتوی کے بارے میں نقطۂ نظر:

ماضی قریب کے مشائخ اور بزرگان دین میں ایک معروف نام حضرت خواجہ قمرالدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۸۰ء) (خانقاہ سیال شریف، ضلع سرگودھا، پنجاب، پاکستان) کا ہے جو محض ایک پیر اور گدی نشین نہ تھے بلکہ خیرآبادی سلسلے کے نامور عالم دین مولانا معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے مایہ ناز شاگرد، بہت بڑے فاضل، درسیات کے ماہر اور جامع معقول ومنقول تھے۔ یہ محض عقیدت نہیں بلکہ حقیقت ہے جس کا تمام مکاتب فکر کے علماء کو اعتراف ہے۔ ان کی اعتدال پسندی اور دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ان کے نقطۂ نظر کی وضاحت کیلئے حضرت کے انتہائی عقیدت مند بلکہ منظور نظر اور خصوصی قرب و توجہ کے حامل الحاج حافظ فضل کریم مدظلہ (مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ بانی جامعہ محمدی شریف ضلع چنیوٹ اور مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے

---

[1] الموافقات فی اصول الشریعہ (اردو ترجمہ) مطبوعہ مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور ۱۹۹۳ء، ۱/۱۳۵۔

بھتیجے) نے جو ماشاء اللہ خود بھی بڑے فاضل اور منقول و معقول پر نظر رکھنے والے عالم دین ہیں، راقم الحروف سے یہ واقعہ بیان کیا کہ:

''ایک مرتبہ خواجہ قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موئے مبارک کے حصول کے سلسلے میں دار العلوم قمر الاسلام سلیمانیہ کراچی کے بانی اور اپنے مرید خاص حضرت سید عظمت شاہ ہمدانی کے ہاں تشریف لے گئے تو بریلوی مکتبہ فکر کے علماء کرام کا ایک وفد خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وفد کی قیادت معروف عالم دین مولانا محمد شفیع اوکاڑوی فرما رہے تھے۔ انہوں نے خواجہ صاحب سے کہا: ''سنا ہے آپ مولانا محمد قاسم نانوتوی کو مسلمان سمجھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ انہوں نے کہا نانوتوی صاحب ''تحذیر الناس'' میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت کے مسئلے پر بحث کرتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے: ''...... بلکہ اگر بالفرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔'' (ص ۶۵ طبع ادارہ تحقیقات اہل سنت لاہور، ۲۰۰۱ء)

جبکہ ''تحذیر الناس'' میں ہی دوسری جگہ لکھا ہے:

''...... بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔'' (ص: ۸۵ طبع مذکور)

تو ان عبارات سے معلوم ہوا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی امکان نبوت کے قائل تھے، تو وہ کیسے مسلمان ہو سکتے ہیں؟

اس کے جواب میں خواجہ صاحب نے فرمایا:

''میں نے ''تحذیر الناس'' کو دیکھا ہے۔ میں مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو مسلمان سمجھتا ہوں۔ مجھے فخر ہے کہ میری حدیث کی سند میں ان کا نام موجود ہے۔'' خاتم النّبیین کا معنی بیان کرتے ہوئے جہاں مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا دماغ پہنچا ہے وہاں تک معترضین کا دماغ نہیں پہنچا۔ دراصل قضیۂ فرضیہ کو قضیۂ حقیقیہ سمجھ لیا گیا ہے۔ جس طرح لَوْ (اگر) کا مدخول (مقدمہ) ناممکن ہوتا ہے اسی طرح تالی بھی ناممکن ہوتا ہے۔ جیسے ''لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا'' (قرآنی آیت) میں ہے۔ مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی نبی کا آنا ناممکن ثابت ہوتا ہے اور آپ امکان ثابت کر رہے ہیں۔ میں اپنے اس دعویٰ پر تین سو نحویوں کے اقوال پیش کر سکتا ہوں۔''

اس پر وفد کے ارکان نے کہا ہمارے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی نے تو انہی عبارات کی بنیاد پر انہیں کافر قرار دیا ہے اور جو انہیں کافر نہ مانے وہ بھی ان کے نزدیک کافر ہے۔ خواجہ صاحب نے فرمایا:

''میں یہ نہیں کہتا۔ مزید فرمایا کہ میں وہ پٹاری والا نہیں جو ہر مسلمان کو کافر کہتا پھرے۔''

بعد ازیں راوی مذکور مولانا حافظ فضل کریم مدظلہ نے راقم کو یہ بھی بتایا کہ چند سال قبل یہاں محمدی شریف کی جامع مسجد کے سابق خطیب مولانا اللہ بخش سیالوی سے ایک دن نماز جمعہ کے بعد خواجہ قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے درج بالا قول (واقعہ) پر بات ہوئی تو وہ کہنے لگے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول سے رجوع کر لیا تھا جس کے جواب میں (مولانا فضل کریم) نے کہا یہ رجوع آپ کی زندگی میں ہونا چاہیے تھا جو ثابت نہیں۔

خواجہ ضیاء الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کا مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا بیٹا قرار دینا:

خانقاہ سیال شریف (ضلع سرگودھا، پنجاب، پاکستان) کے تیسرے نامور اور جذبہ حریت و جہاد سے سرشار اور غیرت اسلامی و ایمانی کے پیکر خواجہ ضیاء الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ جامعہ محمدی شریف کے بانی حضرت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ پر کتنی شفقت فرماتے تھے، اس کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے مولانا حافظ فضل کریم صاحب (مولانا مذکور کے بھتیجے) نے راقم الحروف سے فرمایا:

''ایک مرتبہ خواجہ ضیاء الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹوں خواجہ بدر الدین، خواجہ محمد قمر الدین اور خواجہ فخر الدین سے فرمایا جبکہ سب سے چھوٹے صاحبزادے ظہیر الدین اس وقت آپ کی گود میں لیٹے ہوئے تھے۔ مولانا محمد ذاکر بھی وہاں موجود تھے۔ آپ نے مولانا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: یہ محمد ذاکر میرا بیٹا ہے۔ اسے ہمیشہ اپنا بھائی سمجھنا۔''

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ اور خواجہ قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کا باہمی احترام اور پیار کا تعلق:

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے باقاعدہ مرید نہ تھے لیکن اپنے والد گرامی حضرت میاں عبد الغفور رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ خواجہ ضیاء الدین سیالوی کے صاحبزادے اور جانشین ہونے کے ناطے ان کا انتہائی احترام اور تعظیم و تکریم فرمایا کرتے تھے۔ خواجہ صاحب بھی عمر اور منصب میں کہیں بڑا ہونے کے باوجود مولانا پر بڑی شفقت اور ایک عالم دین ہونے کے ناطے احترام فرمایا کرتے تھے۔ حضرت مولانا فضل کریم صاحب مدظلہ کی چشم دید گواہی ہے کہ حضرت خواجہ صاحب جب محمدی شریف تشریف لایا کرتے اور ان کے کھانے کے لئے دسترخوان بچھایا جاتا تو اس وقت مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اگر دستروان پر نظر نہ آتے تو بطور خاص انہیں بلا کر اپنے ساتھ کھانے میں شامل فرمایا کرتے۔

اسی طرح مولانا فضل کریم صاحب کا بیان ہے کہ چچا جان (مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ) جب حج پر تشریف لے گئے تو سعودی عرب جدہ کا ڈائریکٹ ویزہ نہ مل سکنے کے باعث بحری جہاز کے ذریعے پہلے بحرین پہنچے وہاں

سے براستہ سڑک کسی ٹرک پر بیٹھ کر سعودی عرب پہنچ گئے۔

اب حج سے فراغت کے بعد واپسی کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔اس وجہ سے کئی ماہ تک انہیں سعودیہ میں رکنا پڑا۔اسی دوران مولانا محمد رحمت اللہ (موجودہ ناظم عمومی جامعہ محمدی، ایم پی اے) اور میں (مولانا فضل کریم) سیال شریف گئے۔ہم دونوں بھائیوں کا اس وقت بچپن تھا۔وہاں خواجہ قمرالدین کے پاس حکیم علی محمد مختصر بھی موجود تھے۔ہم نہیں جانتے تھے کہ یہ حکیم صاحب ہمارے مولانا محمد ذاکر صاحب کے گہرے بلکہ جگری دوست ہیں۔ انہوں نے ہم سے پوچھا، بچو! بتاؤ تمہارے چچا (مولانا محمد نافع) کا کیا بنا؟ واپسی کی کوئی صورت نکلی یا نہیں؟ ہمارے کچھ عرض کرنے سے پہلے ہی حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا، حکیم صاحب!! اللہ تعالیٰ مولانا کو واپس لانے کا کوئی انتظام کردے گا۔اس پر حکیم صاحب نے تھوڑے سے تعجب کا اظہار کیا تو خواجہ صاحب نے فرمایا:

''حضرت میاں عبدالغفور کی ساری اولاد ہمارے نزدیک برابر ہے۔''

علیٰ ہذا القیاس ایک موقع پر اہل تشیع کے ساتھ مناظرہ کرنے کیلئے خواجہ قمرالدین رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کو حکم دیا تو انہوں نے عرض کیا میری آواز بہت دھیمی ہے اور شیعہ مناظر بڑا بڑبولا ہے۔مجھ پر اس کی آواز غالب آجائیگی۔اس لئے میں معروف مناظر مولانا دوست محمد قریشی رحمۃ اللہ علیہ کا نام تجویز کرتا ہوں۔خواجہ صاحب نے اس تجویز سے اتفاق فرمایا۔تاہم حوالہ جاتی مواد مہیا کرنے میں مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے بھرپور تعاون فرمایا جس کے نتیجے میں شیعہ مناظر کے مقابلے میں قریشی صاحب نے مناظرہ جیت لیا۔اس پر خواجہ صاحب نے مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کو شاباش دیتے ہوئے بڑی مسرت کا اظہار فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ یہ سب تمہارا ہی کارنامہ ہے۔

کتاب ''بناتِ اربعہ'' کی اہل بیت نبوی کے ہاں قبولیت:

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ''بناتِ اربعہ'' (یعنی چار بناتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کی اہل بیت نبوی کے ہاں قبولیت یا پسندیدگی کے حوالے سے ایک ذاتی واقعہ اور خواب بیان کرتے ہوئے مولانا فضل کریم مدظلہ نے راقم کو بتایا کہ:

''حج اور عمرے کے ارادے سے مجھے کئی بار حرمین شریفین میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ان مواقع پر مدینہ منورہ میں قیام کے دوران میرا معمول تھا کہ میں (مولانا فضل کریم) مسجد نبوی میں ہی کھڑے ہو کر جنت البقیع میں محو استراحت ازواج مطہرات، اہل بیت نبوی، صحابہ کرامؓ اور دیگر خوش نصیب مدفون لوگوں کے لئے ایصال ثواب اور سلام عرض کردیا کرتا تھا۔جنت البقیع میں اس خیال سے نہیں جاتا تھا کہ تاریخی روایات کے مطابق تقریباً دس ہزار صحابہ کرام جنت البقیع میں مدفون ہیں مگر اب چودہ صدیاں بعد بھی جبکہ صحابہ کے بعد ہزاروں لاکھوں لوگوں کو وہاں دفنایا جا چکا ہے، جنت البقیع کے موجودہ احاطہ میں چند ہزار قبریں نظر آتی ہیں، کہیں

ایسا نہ ہو کہ موجودہ حکومت نے اپنے مخصوص نظریات اور عہد نبوی وصحابہ کے آثار مٹا دینے کے طرز عمل کے پیش نظر مسجد نبوی کی دیوار سے آگے جنت البقیع کی دیوار تک قبروں پر بلڈوزر پھیر کر زمین برابر کر کے اوپر فرش بنا دیا ہو اور نیچے صحابہ کی قبریں موجود ہوں تو جنت البقیع تک جانا کہیں بے ادبی کے زمرے میں نہ آ جائے۔ ایک دفعہ عمرے پر جانے لگا تو چچا جان (مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا: جنت البقیع میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادیوں کی قبور پر جا کر میرا اسلام عرض کرنا اور یہ دعا کرنا'' کہ ''بناتِ اربعہ'' میں اللہ تعالیٰ مجھے صحیح روایات اور مستند تاریخی حقائق و واقعات لکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔'' میں نے حسب ہدایت اس حکم پر عمل کیا۔ پھر کتاب مذکور مرتب ہو کر مکہ بکس لاہور سے پہلی مرتبہ شائع ہوئی۔''

اس کے بعد میں (مولانا فضل کریم صاحب) نے ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ ''گویا میں مکہ مکرمہ کے کسی ہوٹل یا مکان میں مقیم ہوں۔ وہاں حضرت مولانا خواجہ قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف فرما ہیں۔ خواجہ صاحب نے مجھے بتایا کہ آپ کے چچا مولانا محمد نافع نے ''بناتِ اربعہ'' کے عنوان سے جو کتاب لکھی ہے وہ ''مائی صاحبہ'' نے بڑی پسند فرمائی ہے۔ اب ''مائی صاحبہ'' سے خواجہ صاحب کی کیا مراد تھی؟ ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا یا آپ کی چار صاحبزادیوں میں سے کوئی صاحبزادی؟ یہ میں نہیں پوچھ سکا تھا۔ یہ خواب میں نے چچا جان (مولانا محمد نافع) کو بتایا تو بڑی دیر تک ان پر رقت کی کیفیت طاری رہی۔ اللہ تعالیٰ استاذ محترم مولانا علامہ محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی جملہ خدمات دینیہ کو ان کی مکمل نجات کا ذریعہ بنائے اور قیامت تک آنے والی نسلوں کی ہدایت کا ذریعہ بنائے رکھے۔ آمین

پروفیسر رشید احمد انگوی[1]

اپنے اسلاف کی یادگار:

اس وقت اس ناکارۂ خلق راقم الحروف کے دل کی کیفیات اللہ کریم کی نگاہ میں ہیں، قلم حقیقی معنوں میں لرز رہا ہے کہ ''چہ نسبت خاک را بعالم پاک'' کے مصداق صورت حال میں، میں کیا اور میرا بیان کیا؟ مگر اللہ کریم کی اس نعمت پر شکر ادا کرتا ہوں کہ مجھے دورِ اولیٰ کے کسی عالم ربانی کی سی شان رکھنے والے اس مردِ قلندر کی نہ صرف زیارت کرنے بلکہ بہت قرب میں ہم نشینی اور ہم کلامی کا شرف حاصل رہا۔ میرا تعلق وادی سون سکیسر (خوشاب) کے گاؤں انگہ کے معروف دینی و علمی گھرانے قاضی خاندان سے ہے۔ میرے والد محترم مولانا قاضی خلیل

---

[1] پرنسپل ریٹائرڈ گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج گوجرانوالہ، مولانا قاضی خلیل احمد انگہ والوں کے صاحبزادہ ہیں۔ قاضی صاحب مذکورہ دار العلوم محمدی شریف کے شیخ الجامعہ/صدر مدرس رہے اور حضرت کے اساتذہ میں شامل ہیں۔

احمد رحمۃ اللہ علیہ کو یہ علمی امتیاز اور شرف حاصل ہوا کہ دارالعلوم ڈابھیل (ضلع سورت، انڈیا) میں محدث کبیر حضرت علامہ انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس علوم حدیث کی تعلیم کے لئے حاضر ہوئے اور دورۂ حدیث کی کلاس میں اوّل پوزیشن حاصل کر کے اپنے دور کے جید علماء کی آنکھوں کا تارا بن گئے۔ اسی پس منظر میں دارالعلوم جامعہ محمدی شریف (ضلع چنیوٹ) کے بانی اور مہتمم /ناظم مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ میں محبوبیت کے مقام پر فائز تھے اور اسی بنا پر دو مرتبہ مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش واصرار پر جامعہ محمدی میں شیخ الجامعہ/صدر المدرسین کے مناصب جلیلہ پر متعین رہے۔ یہ دوسری بار جامعہ محمدی میں تدریسی خدمات کا زمانہ تھا جب مجھے ساتویں، آٹھویں، نویں جماعت میں جامعہ محمدی ہائی سکول میں پڑھائی کرنے کا موقع میسر آیا اور اس سکولی تعلیم کے شانہ بشانہ دینی تعلیم /درس نظامی کی طالب علمی بھی نصیب ہوئی۔

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی مگر اپنے محققانہ مزاج اور لائحہ عمل میں منفرد ہستی کے مالک تھے۔ مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ تو بلند پایہ قومی سیاستدان اور سلسلۂ چشتیہ میں تصوف کے خلیفہ ومرشد تھے اور وسیع روابط کا خوبصورت نمونہ تھے۔ اس کے برعکس مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کا اوڑھنا بچھونا کتابوں سے بھرا کتب خانہ تھا۔ اس دور میں آج کی تحقیقی سہولیات نہیں تھیں۔ یہ ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۱ء کا دور تھا۔ مدرسہ کے کمروں خصوصاً وسیع دارالحدیث میں تدریسی سرگرمیاں عروج پر رہتیں مگر سکول کے سامنے ایک خاموش وپرسکون عمارت ایک بڑا کمرہ اس مردخودآگاہ کا مسکن تھا جہاں تدریس وتحقیق میں پورا دن گزار کر شام کے وقت بستی میں اپنے گھر چلے جاتے تھے۔ مجھے کتابوں کی تفصیل معلوم نہیں کہ مولانا محمد نافع نے کون سی کتاب یا کتب میں والد صاحب سے سبق پڑھا مگر وہ خود بھی والد صاحب کو اپنا استاذ کہا کرتے اور اساتذہ بھی انہیں والد صاحب کا شاگرد بتاتے تھے۔ جو بات مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کو بالکل منفرد بناتی تھی وہ ان کا وسیع المطالعہ محقق ہونا تھا۔ ان کے پاس کم وبیش ہر روز ڈاکیہ کتابوں کے بڑے بڑے پیکٹ لاتا۔ راقم چونکہ ان کا استاذ زادہ اور شیخ الجامعہ کا فرزند تھا اس لئے مجھے اس جرأت وجسارت کا حق حاصل تھا کہ کتب خانے میں داخل ہو کر ان کے ڈاک میں آئے پیکٹوں سے ڈاک کے ٹکٹ اُتار لیتا۔ یہیں سے مجھے ٹکٹ اکٹھے کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ ان کی ڈاک کا ایک قابل ذکر حصہ بیرونی ممالک سے آئے ہوئے بنڈل ہوتے تھے۔ اکثر عرب ملکوں سے عربی کتب پر مشتمل ڈاک آتی تھی۔ یہ ٹکٹ میری بہت سی بین الاقوامی معلومات کا ذریعہ بنے۔ کاش کہ مرور زمانہ کے ساتھ میری وہ ٹکٹوں والی کاپیاں گم نہ ہو جاتیں، تو ان کے مندرجات سے اسلامی دنیا کے اس بین الاقوامی محقق کے بارے میں معلومات ملتیں۔ راقم نے ان کی شخصیت کو جیسے دیکھا بعد میں آنے والے ادوار میں محسوس ہوا کہ مولانا مرحوم پنجاب کے ایک دور افتادہ مقام پر بیٹھ کر جس لگن اور کمٹمنٹ کے ساتھ کام کرتے رہے اس پر انہیں ڈاکٹر حمید اللہ (مقیم فرانس) کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے ''پنجابی

حمید اللہ'' کہنے کو جی چاہا اور تحقیق میں انہوں نے جس جانفشانی سے کام لیا بعد از مرگ ان کے نام ڈاکٹریٹ کی ڈگری نچھاور کرنا بالکل جائز فیصلہ ہوگا۔ وہ اپنے دور کے فخر المحققین تھے۔ ان کی تحقیق کا مرکزی مضمون ''دور صحابہ (رضی اللہ عنہم)'' تھا۔ والد صاحب ان کی تحقیقی معرکہ آرائیوں پر بارہا داد بھرے تبصرے کرتے تھے۔ خصوصاً ''رُحَمَآءُ بَیۡنَهُمۡ'' کے لئے ان کی زبردست جستجو پر ہمیشہ توصیف وتعریف فرماتے۔

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی انتہائی سادگی پر قائم تھی۔ کھدر کا لباس اور کپڑے کی گول ٹوپی ان کا پہناوا تھا۔ کرتا اور چادر زیب تن ہوتا۔ جسم قدرے کمزور تھا، بال ٹوپی میں بند مگر زلفیں گردن کی جانب لپٹی یا گھنگھریالی واضح طور پر دکھائی دیتیں۔ آنکھوں میں ایک مستقل چمک تھی۔ دانت بہت خوبصورت اور مسکراتے چہرے کو زیب بخشنے والے تھے۔ ان کے چہرے سے ہی سچائی اور کھرا پن نمایاں تھا۔ خوراک بہت سادہ تھی۔ ہمیشہ چوکر کی روٹی بطور سنت کھائی۔ زندگی اتنی پاکیزہ سیدھی سادھی اور شفاف کہ مثالی بندہ مؤمن کا خاکہ لکھنا ہو تو مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کا بیان کفایت کرے۔ آج جب مدارس کو افرنگ زدہ اور امریکہ کی سرپرستی کی نگاہ وعینک سے دکھا کر عیوب کا منبع بتایا جا رہا ہے ضرورت ہے کہ مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ برادران جیسی شخصیات کا تذکرہ عام کیا جائے تا کہ دینی مدارس کے اساتذہ وطلبہ بھی اپنے آپ کو اس دور کے اکابر اور علماء سلف کی نشانیوں سے مستفیض کر سکیں۔ خصوصاً علماء واساتذہ وطلبہ جامعہ محمدی شریف کا بھی فرض ہے کہ وہ علمی وتحقیقی گہرائی اور عالمانہ کردار وطرزِ حیات اور مسلکی اعتدال اپنانے کی راہ اختیار کریں۔ آخر میں اس دور کے اس سرچشمہ فیض سے سیراب ہونے والے چند علماء وطلبہ کے نام بھی حسب یادداشت پیش کرتا ہوں:

مولانا غلام فرید مرحوم (صادق آباد)، مولانا غلام محمد مرحوم (اسلام پور فراز)، مولانا شیر محمد (وریام والا)، مولانا محمد سلیمان، مولانا غلام نبی، مولانا محمد سلیمان کامل مرحوم (شورکوٹ)، مولانا محمد سلیم فاروقی، مولانا عبدالدیان، مولانا محمد صادق، حکیم محمد اسحاق، عبدالجلیل فاروقی، عبیداللہ سیال، قاضی غلام رسول غازیؒ، مقبول حسین مخدوم، احمد دین (ساہیوال)، خالد جامعی، مولانا بدرالدین، مولانا غیاث الدین، نیز جھنگ کے عبدالستار نجم اور پنجاب یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ وغیرہ اللہ کریم ان سب پر دنیا و آخرت میں رحم فرمائے۔ (آمین)

ابوالخیر عارف محمود[1]

پیکرِ علم و فضل:

نبی آخر الزماں الصادق المصدوق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کی مثال سو اونٹ کی مانند ہے، جن میں تم بمشکل ایک اونٹ سواری کے قابل پاؤ گے۔ (صحیح بخاری) جوں جوں زمانہ آگے کی طرف بڑھ رہا ہے اس حدیث کی حقانیت اور بھی واضح ہوتی جارہی ہے۔ واقعی یہ ایک لاریب حقیقت ہے کہ ایک لمبے عرصے اور طویل محنت شاقہ کے بعد ہی کسی کو کمال کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ اللہ بھلا کرے اکابرین اہل سنت دیوبند کا کہ ان کے اخلاص کا ثمرہ ہے کہ ''دارالعلوم دیوبند'' کے فیض یافتہ رجال نہ صرف اپنی ذات میں انجمن ہوتے ہیں بلکہ ان کی جامعیت، علم و فضل، اخلاص و تقویٰ، اتباعِ سنت، سادگی و تواضع اور دینی خدمات میں زمانہ مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتہ عبقری صفات کے حامل رجال اللہ میں سے ایک عالم ربانی، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سچے عاشق اور ان کے ناموس کا دفاع کرنے والے عظیم اور بے مثل محقق، ترجمان اہل سنت، اخلاص، تواضع اور سادگی کا پیکر حضرت مولانا محمد نافع نور اللہ مرقدہ ۳۰ ردسمبر ۲۰۱۴ء کو تقریباً ۱۰۰ سال کی طویل عمر پانے کے بعد اس دار فنا سے دار البقا کے مسافر بن گئے۔ اِن اللہ ما أعطی وللہ ما أخذ وإنا إلیہ راجعون۔

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ سے غائبانہ تعارف تو ہمیں اس وقت سے حاصل تھا جب ہم نے سن شعور میں پہنچ کر دینی کتب کا مطالعہ شروع کر دیا تھا مگر بالمشافہ ملاقات اور زیارت کا شرف ۲ رجولائی ۲۰۱۲ م مطابق ۱۱ رشعبان ۱۴۳۳ھ کو اپنے رفقائے سفر مفتی امان اللہ اور مفتی مبارک علی (اساتذہ جامعہ فاروقیہ کراچی) کے ہمراہ مولانا بلال (فیصل آبادی) کی راہنمائی میں ان کی رہائش گاہ محمدی شریف (ضلع جھنگ) پر حاضری کے موقع پر حاصل ہوا۔ اس موقع پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے ایک طویل نشست رہی جس میں انہوں نے کمال شفقت و محبت کا اظہار فرماتے ہوئے مختلف علمی موضوعات پر ہماری طالب علمانہ گزارشات سماعت فرمائیں۔ اجازت حدیث سے نوازا، ڈھیروں دعائیں دیں، بلکہ ہمارے استفسار پر اپنی تعلیمی پس منظر، اساتذہ، دارالعلوم دیوبند سے وابستگی و فراغت، تدریس اور تصنیفی و تحقیقی خدمات کے بارے میں بھی مستفید فرمایا۔ حضرت کا سوانحی خاکہ مزید کچھ اضافہ کے ساتھ پیشِ خدمت ہے۔

ایک محتاط اندازے کے مطابق آپ کی پیدائش ۱۳۳۵ھ مطابق 1915ء قریہ محمدی شریف کے ایک

[1] سابق مدرس جامعہ فاروقیہ کراچی۔

عالم ربانی حضرت مولانا عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ہوئی۔ آپ نے ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۳ء میں اپنے والد مرحوم کے پاس قرآن کریم حفظ کیا، دورۂ حدیث سے قبل کی تمام دینی تعلیم دار العلوم محمدی شریف جھنگ اور گجرات میں حاصل کی۔ یہاں آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا احمد شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ (فاضل دار العلوم دیوبند)، مولانا قطب الدین اُچھالوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا شیر محمد رحمۃ اللہ علیہ، مولانا غلام محمد لاہوری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا غلام یٰسین رحمۃ اللہ علیہ (واں بھچراں)، مولانا ولی اللہ گجراتی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے برادر بزرگ مولانا ذاکر رحمۃ اللہ علیہ معروف ہیں۔

۱۳۶۲ھ میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ازہر ہند دار العلوم دیوبند میں دورۂ حدیث کی تعلیم کے لئے داخلہ لیا اور ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۹۴۳ء میں با قاعدہ دار العلوم دیوبند سے سند فراغت حاصل کی۔ دار العلوم دیوبند میں آپ نے شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب امروہی رحمۃ اللہ علیہ، جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا ابراہیم صاحب بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اساطین علم وفضل سے کسب فیض فرمایا۔ یاد رہے کہ اس دوران شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ مالٹا میں اسارت کے ایام گزار رہے تھے۔ حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ دار العلوم دیوبند سے رسمی فراغت کے بعد اپنے علاقہ میں قائم دار العلوم محمدی شریف میں تدریس کی خدمات انجام دینے پر مامور ہوئے۔ ۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان کے بعد تنظیم اہل سنت والجماعت سے منسلک ہوئے اور اعدائے صحابہ کے رد میں تصنیفی وتحقیقی خدمات انجام دینا شروع کر دیں جو تادم وفات جاری رہیں۔ ۱۹۵۳ء مطابق ۱۳۷۳ھ میں مرزائیت کے شجرۂ خبیثہ کے خلاف تحریک ختم نبوت میں بھر پور عملی حصہ لیا اور کئی ماہ تک پس دیوار زنداں بھی رہے اور اس حوالہ سے کتاب بھی تصنیف فرمائی جو ''مسئلہ ختم نبوت اور سلف صالحین'' کے عنوان سے دار الکتاب لاہور سے طبع ہو کر علمی حلقوں سے داد تحقیق وصول کر چکی ہے۔

حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ساری زندگی اتباع سنت، اقتدائے سلف صالحین، دفاع صحابہ کے سلسلہ میں عالمی سطح کی عظیم تصنیفی وتحقیقی خدمات انجام دینے میں بسر ہوئی۔ آپ کی دینی خدمات کو بیان کرنے کے لئے مستقل دفتر کی ضرورت ہے۔ قرطاس کی تنگ دامنی کے پیش نظر ہم یہاں دفاع صحابہ کے سلسلہ میں آپ کی تصنیفی وتحقیقی خدمات کے بارے میں اکابر علماء کے تاثرات کو بیان کریں گے۔ چنانچہ مناظر اہل سنت حضرت مولانا عبدالستار تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے اہل سنت اور اہل تشیع کے مابین نزاعی مسائل پر آپ کی قابل قدر تحقیق کے بارے میں فرمایا کہ:

''اس سلسلے میں عالم شہیر، محقق کبیر حضرت مولانا محمد نافع صاحب ادام اللہ بقاۂ بالخیر نے ہر عنوان پر الگ الگ جامع کتاب تالیف فرمائی ہے۔ بندہ نے ان کی اکثر کتب مثلاً: ''رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ'' (مکمل)، حدیث ثقلین، بنات اربعہ، سیرت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، سیرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ دیکھیں۔ ابھی ان کی نئی تالیف

فوائد نافعہ ہر دو جلدوں کو تقریباً اکثر مقامات سے دیکھا۔ ماشاء اللہ موصوف نے اہل سنت کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا ہے۔ مولانا موصوف کی مذکورہ کتب میں درج شدہ دلائل ٹھوس، حوالے صحیح اور مطابق ہیں۔ ان کی تحقیق انیق سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ریت کے ذرات سے سونا الگ کرنا جانتے ہیں۔ ردِ مطاعن میں ان کا انداز تحریر عالمانہ، محققانہ مگر مصلحانہ ہے۔ یہ کتب عقل سلیم وفہم مستقیم رکھنے والے حضرات کے لئے باعث ہدایت اور اہل باطل پر اتمام حجت ہیں...... لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ۔''

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے فرمایا کہ:

''حضرت مولانا محمد نافع مدظلہم کو اللہ تعالیٰ نے اس بات کی خصوصی توفیق عطا فرمائی ہے کہ انہوں نے اپنی متعدد تالیفات کے ذریعے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حقیقی سیرت وکردار کو مستحکم علمی اور تاریخی دلائل کے ساتھ واضح فرمایا ہے۔ جن انصاف ناآشنا حلقوں نے ان حضرات پر طرح طرح کے اعتراضات ومطاعن کی بھرمار کی ہے، ان کے اعتراضات کا شافی اور اطمینان بخش جواب دیا ہے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان جو علمی اور سیاسی اختلافات پیش آئے ان کے حقیقی اسباب کی دلنشین وضاحت فرمائی ہے۔ مولانا محمد نافع کی کتاب ''رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ'' جو تین جلدوں میں شائع ہوئی ہے، اپنے موضوع پر ایسی نادر کتاب ہے کہ اس کی نظیر عربی زبان میں بھی موجود نہیں (مذکورہ کتاب عربی میں ترجمہ ہو کر طبع ہو چکی ہے)، اس کے علاوہ ''مسئلہ اقربا نوازی''، ''بنات اربعہ''، اور ''حدیث ثقلین'' پر ان کی کتابیں انتہائی مفید اور قابل قدر ہیں۔ ابھی کچھ عرصہ قبل ''سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' منظر عام پر آچکی ہے جس میں انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی سیرت بڑے دل آویز انداز میں تحریر فرمائی ہے۔ اب ان کی تازہ کتاب ''سیرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ'' اسی مبارک سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان صحابہ کرام میں سے ہیں جن کے خلاف اعتراضات ومطاعن کے ترکش سے کوئی تیر بچا کر نہیں رکھا گیا۔ موجودہ کتاب میں حضرت مولانا محمد نافع نے ان کی سیرت کے حقیقی روشن پہلوؤں کو مضبوط دلائل سے اجاگر فرمایا ہے۔ کتاب کی دوسری جلد خاص طور سے ان مطاعن کے جواب کے لئے مخصوص ہے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر مختلف حلقوں کی طرف سے وارد کئے گئے ہیں۔ فاضل مؤلف نے ان مطاعن میں سے ایک ایک کو موضوع بحث بنا کر بڑی جانفشانی کے ساتھ حقائق کی تحقیق کی ہے اور مستحکم دلائل سے اپنا مؤقف ثابت کیا ہے۔ پھر قابل تعریف بات یہ ہے کہ فاضل مؤلف کا انداز بیان مناظرانہ اور جارحانہ نہیں بلکہ باوقار اور متین ہے اور سنجیدہ علمی تحقیق کے معیار پر پورا اترتا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت پر اب تک جو کتابیں میری نظر سے گزری ہیں یہ کتاب ان سب سے بہتر ہے۔ ان شاء اللہ طالبان علم وتحقیق کی عرصے تک رہنمائی کرے گی۔''

حضرت مولانا علامہ خالد محمود مدظلہ (پی ایچ ڈی، لندن) حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف

''حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ'' کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

''موضوع بہت اہم تھا، اس بات کا مواد تاریخ کے اوراق میں بکھرا ہوا تھا، ان مباحث کے پہلو اور زاویے بھی بہت تھے اور مؤرخین کے بیانات میں کئی کئی امور میں تضادات بھی تھے۔ ایسے موضوع پر قلم اٹھانا اور تحقیق کی راہ سے افراط وتفریط سے بچتے ہوئے کنارے پر نکلنا کوئی آسان کام نہ تھا، لیکن یہ اللہ رب العزت کی عطا ہے جسے چاہے اس کی توفیق عطا فرمائے۔ ولقد جاء فی المثل السائر: کم ترك الاول للآخر۔ یہ سعادت اللہ رب العزت نے مولانا محمد نافع صاحب دامت برکاتہم کے نام لکھی تھی جو اس ورطہ مباحث میں دور تک چلے گئے اور الحمد للہ کامیاب ہو کر ساحل مراد پر اترے۔''

حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جملہ تصانیف کی طباعت واشاعت کی خدمت ہمارے مخدوم ومکرم برادر دینی جناب حافظ محمد ندیم صاحب مدیر دار الکتاب لاہور انجام دے رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں اب وہ مزید اقدامات بھی اٹھا رہے ہیں اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی جملہ تصانیف کو جدید اور خوبصورت انداز سے طبع کرانے کا کام باقاعدہ سے شروع کر دیا ہے۔ راقم کی مشاورت سے ''رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ'' کی تینوں جلدیں یکجا کمپیوٹرائز کمپوزنگ اور جدید اسلوب کے ساتھ طباعت کے مراحل سے گزر چکی ہیں۔ ان شاء اللہ اہل ذوق جدید طباعت کو پسند فرمائیں گے، جبکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی دیگر کتب کی طباعتِ جدید کا کام بھی جاری ہے۔ برادر مکرم حافظ محمد ندیم صاحب کی چاہت ہے کہ حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سوانحی تذکرہ کے ترتیب پر جلد از جلد کام شروع کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ سے توفیق کی دعا ہے کہ اس عظیم کام کو آسان فرما کر پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سچے عاشق اور شیدائی تھے۔ آپ کی تصانیف کا حرف حرف اور سطر سطر اس بات کے گواہ ہیں۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ تاریخ طبری میں موجود مطاعن صحابہ سے متعلق راقم کے سوال پر حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ معلوم نہیں کہ طبری نے ایسی روایات کیوں ذکر کی ہیں؟ بالخصوص صحابہ بنوامیہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو مطاعن ذکر کئے ہیں، نہ جانے یہ کون سی اسلام کی خدمت کی ہے؟ اس گفتگو کے دوران آپ چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ باوجود کمزوری اور انتہائی نقاہت کے اٹھ کر بیٹھ گئے اور انتہائی جلال کے عالم میں فرمایا: ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر لعن طعن کے بعد پھر ایمان کہاں باقی رہتا ہے؟''

راقم کو اپنے استاذ محترم اور شیخ حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان دامت برکاتہم کی شہرۂ آفاق شرح بخاری ''کشف الباری، کتاب الغسل'' پر تحقیقی کام کے دوران ایک روایت کے تراجم رجال کے ضمن میں امام ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے یہ سننے کو ملا تھا کہ حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے بارے میں جو ''ادراج

فی الحدیث'' کی بحث و تحقیق کی تھی اس سے رجوع فرمالیا ہے۔ لہٰذا اسے شامل بحث نہ کیا جائے۔ چناں چہ راقم نے اس مجلس میں اس رجوع کے متعلق استفسار کیا تو جواب میں فرمایا کہ رجوع والی بات بالکل غلط ہے، میں نے ہرگز بھی رجوع نہیں کیا، بلکہ مزید فرمایا کہ میں نے جس وقت یہ بحث تحریر کی تو حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کی تھی۔ ان حضرات میں سے حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے فقط صرف ایک جملہ کی اصلاح کی اور میری اس بحث کی مکمل تصویب فرمائی تھی۔ چناں چہ ان اکابر کی تصویب کے بعد ہی اسے کتاب کا حصہ بنایا گیا ہے۔ لہٰذا رجوع والی بات کسی طرح بھی درست نہیں۔ حضرت کی اس تصریح کے بعد راقم نے مزید شرح صدر کے ساتھ اس بحث سے خوب استفسار کیا اور امام ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کے ذیل میں اسے ذکر بھی کیا ہے۔

اس موقع پر کچھ نصیحت کی درخواست کی تو فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ لوگوں سے دین کا کام لے، اپنے اساتذہ کا احترام کرو اور ان سے عقیدت رکھو، ان پر اعتماد کرو، جادہ مستقیم پر چلو، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اپنے اکابر کی راہ سے ہٹ کر مت چلو کہ اس میں گمراہی ہے اور انتہائی انکساری سے کام لیتے ہوئے فرمایا کہ میرے لئے دعا کرو کہ میں بستر علالت پر ہوں اور حسن خاتمہ کی آرزو رکھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی کامل مغفرت فرمائے، انہیں جنت الفردوس میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی معیت نصیب فرمائے اور امت کو ان کا بہترین نعم البدل عطا فرمائے، ہمیں اپنے اکابر کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے کہ اکابر کے دامن سے وابستگی بڑے بڑے علمی اور فکری فتنوں سے حفاظت کا ذریعہ اور سبب ہے۔ بندہ کی اہل علم سے عاجزانہ گزارش ہے کہ وہ اپنے اپنے حلقوں میں طلبہ اور عوام الناس کو متوجہ فرمائیں کہ حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی معتدل، پُرمغز اور عظیم علمی و تصنیفی خدمات سے ضرور استفادہ کریں۔ آخر میں بس یہی کہوں گا کہ ہمیں اکابر دیوبند سے صرف عقیدت ہی نہیں بلکہ ان کے ایمان کی بلندی، تقویٰ وللّٰہیت، علم و فضل، اخلاص، سادگی و تواضع، فرق باطلہ اور جدت پسندی کا علمی اور فکری تعاقب، ما انا علیہ واصحابی کے دینی تصلب پر قائم رہتے ہوئے امت مسلمہ کی رہنمائی، متعدد تجدیدی کارناموں اور عنداللہ و عندالناس ان کی مقبولیت کی بنا پر ایک ایمانی اور جذباتی لگاؤ اور تعلق ہے اور ہم ایمان کے ساتھ اسی تعلق و محبت پر حسن خاتمہ کی آرزو رکھتے ہیں:

بنا کر دند خوش رسم بخاک و خون غلطیدن خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

پروفیسر حافظ محمد ارشد اقبال[1]

علم وفقر کی یکجائی:

علامہ اقبال کے ایک شعر کا مفہوم یہ ہے کہ تو اے خدا! ہمیشہ رہنے والا نور ہے جبکہ ہم چنگاری کی مانند عارضی اور فانی ہیں، ہماری زندگی کے دو ایک سانس ہی ہیں اور وہ بھی ادھار ہیں...... مگر ان فانی انسانوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جن کے علم وفقر کے نقوش آنے والے تشنگانِ علم کے لئے ابدیت کا نشان بن گئے۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنا تعلق ہمیشہ رہنے والی کتاب وسنت کے ساتھ مضبوط کر لیا تھا۔ انہی باعظمت لوگوں میں سے ایک نام ''مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ'' کا ہے جو مولانا عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ جیسے درویش صفت انسان کے گھر میں 1915ء میں محمدی شریف (ضلع چنیوٹ) کے مردم خیز علاقے میں پیدا ہوئے۔

آپ کے بڑے بھائی مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے وقت کے جید عالم، صوفی باصفا، نیک سیرت اور فنا فی الرسول جیسے بلند مقام کے حامل تھے۔ جن کے کردار کی عظمت کا یہ عالم تھا کہ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں جب مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی کا عروج تھا وہ جمعیت علماء پاکستان کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ حیران کن امر یہ تھا کہ انہوں نے علاقہ بھر سے کسی ایک ووٹر سے بھی ذاتی حیثیت میں نہیں کہا تھا کہ مجھے ووٹ دو۔

مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کے علم وتقویٰ سے جہاں دیگر اہل علاقہ نے بالخصوص اور اہل پاکستان نے بالعموم استفادہ کیا وہاں مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ بھی محروم نہ رہے۔ جہاں بڑے بھائی سے ابتدائی درسیات کے اسباق لئے، وہاں ان کے فقر سے بھی بہت کچھ حاصل کیا۔ آپ ابھی درسِ نظامی کی ابتدائی کتب پڑھ رہے تھے جب مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ نے ''جامعہ محمدی شریف'' کی بنیاد رکھی تو مدرسہ ہذا میں اور بعد میں جن اساتذہ فن سے علم حاصل کیا، ان میں نمایاں اسماء مولانا سید احمد شاہ چوکیروی، مولانا احمد بخش، مولانا غلام یٰسین، مولانا محمد مسلم، مولانا ولی اللہ گجراتی، مولانا اعزاز علی امروہی، مولانا ابراہیم بلیاوی اور مفتی ریاض الدین رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں۔ ۱۹۵۳ء میں جب ختم نبوت کی تحریک شروع ہوئی تو اس میں عملی طور پر حصہ لیا۔ تین ماہ پہلے جھنگ میں پھر بورسٹل جیل لاہور میں گزارے۔ مولانا مرحوم رحمۃ اللہ علیہ نے گراں قدر تصنیفی کام کیا۔ یہ اپنی نوعیت کا جداگانہ تحقیقی کام تھا۔ اس سے پہلے اس انداز میں کام کرنے کا منہج بہت کم نظر آتا ہے۔ یہ کہنا یقیناً درست ہوگا کہ وہ اس سلسلے میں پانیئر (Pioneer) تھے۔ ان کی تصنیفات میں (i) رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ، (ii) حدیث ثقلین، (iii) مسئلہ اقربا پروری، (iv) سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، (V) سیرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ''مسئلہ ختم نبوت'' نمایاں ہیں۔

[1] حافظ محمد ارشد اقبال کا آبائی علاقہ بھوانہ چک منگوآنہ اور جدھڑ قبیلہ سے تعلق ہے۔ جامعہ محمدی شریف سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ بعد میں جامعہ نعیمیہ، لاہور فارغ التحصیل ہوئے۔ گورنمنٹ کالج میں لیکچرار اور لاہور میں رہائش پذیر ہیں۔

مولانا نے کتابوں کے ساتھ ساتھ ہزاروں طلبہ کی صورت میں بھی امت کے لئے ایک عظیم ورثہ چھوڑا۔ آپ کی ذات میں جیسے علم وفقر کی یکجائی نظر آتی تھی، آپ کے فیض یافتگان میں بھی یہ چیز نمایاں ہے (آپ کے ایک شاگرد حافظ غلام حسین مرحوم سے راقم کو بہت استفادہ کرنے کا موقع ملا، وہ بھی اپنے استاذ کی عملی تصویر تھے)، علامہ اقبال مرحوم نے علم وفقر کو بھی ایک شاعری کا موضوع بنایا ہے۔علم کے حوالے سے وہ دو اقسام کا ذکر کرتے ہیں۔ایک علم وہ جو حسین اور سلیم الفطرت ہے، دوسرا علم وہ جو کج فطرت اور بد گوہر ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ اور ہمارے درمیان سب سے بڑا حجاب ہے۔وہ فرماتے ہیں:

علم اگر کج فطرت و بدگوہراست   پیش چشمِ ما حجابِ اکبر است

اس شعر میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بہت اہم نکتے کی طرف متوجہ کیا ہے۔فرماتے ہیں کہ اگر علم کی فطرت ہی کج ہو اور اس کی اصل فرسودہ اور اس کی رُوح ناپاک ہو تو یہ ہماری آنکھوں کے سامنے حجابِ اکبر بن کر ہمیں اصل حقیقت سے دور کر دیتا ہے۔اس لئے ہمیں علوم کی تحصیل کے دوران تنقیدی اندازِ فکر اور تحلیلی شعور سے پہلو تہی نہیں کرنی چاہیے۔علم کے حوالے سے جب مولانا کی تحریروں اور کتب کا جائزہ لیا جاتا ہے تو وہاں پر تنقیدی اندازِ فکر اور تحلیلی شعور دونوں نمایاں نظر آتے ہیں۔مولانا نے علم ''اسماء الرجال'' کے حوالے سے اپنی کتب میں جو ابحاث کی ہیں فنی اعتبار سے یقیناً ان کا معیار بہت بلند ہے۔اسی طرح نفسِ موضوع کے مالہ وما علیہ کو ہر جگہ پر خوب نبھایا ہے۔جہاں تک فقر اور درویشی کا تعلق ہے تو وہ بھی آپ کی ذات میں نمایاں تھی۔بہت سارے لوگ علمی خبط کا شکار ہو جاتے ہیں لیکن قربان جائیں مولانا کی پوری شخصیت پر کہ جہاں پہ ایسا کوئی زعم نظر نہیں آتا۔یہی وجہ ہے کہ عظمت اُن پر ٹوٹ ٹوٹ کر برستی رہی اور برستی رہے گی۔

فقر اور درویشی کیا ہے؟ یہ سوال تصوف کی دنیا میں بہت اہم ہے۔ہم تصوف کی مشکل ابحاث سے بچتے ہوئے بارِ دیگر علامہ اقبال مرحوم سے رہنمائی لیتے ہیں۔علامہ اپنی آخری کتاب ''پس چہ باید کرد'' میں فقر کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ فقر ''نگاہِ راہ بین'' اور ''زندہ دل'' ہونے کا نام ہے۔نگاہِ راہ بین سے مراد راہِ شریعت کو نگاہ میں رکھنا اور اس بات کی رعایت کرنا کہ جبکہ زندہ دلی سے مراد ہمہ وقت ذکر الٰہی سے اپنے دل کو بیدار رکھنا ہے۔یہ دونوں باتیں جہاں مجتمع ہو جاتی ہیں وہاں شریعت اور طریقت دونوں عملی طور پر پائے جاتے ہیں اور منزل یعنی وصل الٰہی کو پالینے کی حقیقت میسر ہو جاتی ہے۔وہ فرماتے ہیں:

چیست فقر اے بندگانِ آب و گل   یک نگاہ راہ بیں، یک زندہ دل

فقر کارِ خویش راہ سنجیدن است   بر دو حرف لا الٰہ پیچیدن است

فقر ذوق و شوق و تسلیم و رضا ست   ما امینیم ایں متاع مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ست

ان اشعار کی مختصر سی وضاحت یہ ہے کہ اے آب و خاک کے بندو! معلوم ہے فقر کیا ہے؟ فقر تو ایک نگاہِ راہ بین اور زندہ دلی کا نام ہے۔ فقر اپنے کام کو پرکھنا یا جانچنا ہے اور ''لا الٰہ'' کے دو حرفوں کو مرکز بنانا ہے...... فقر تو عمل کے لئے ذوق و شوق اور تسلیم و رضا کی خو ہے، ہم اس فقر کے امین ہیں اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متاع ہے۔

مولانا کی زندگی میں فقر کی یہی جھلک نمایاں تھی جو علامہ کے اشعار میں نظر آتی ہے۔ افسوس کہ علم اور فقر کا سورج ۳۱ر دسمبر ۲۰۱۴ء کو قبر کے چوکھٹے میں سج گیا۔

حیف در چشم زدن کہ صحبت یار آخر شد روئے گل سیر ندیدم کہ بہار آخر شد

افسوس کہ پلک جھپکتے ہی یار کی صحبت ختم ہوگئی، پھول کے چہرے نے تو ابھی بہار کو سیر ہو کے دیکھا ہی نہیں تھا کہ بہار ختم ہوگئی۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

لیاقت بلوچ[1]

مداہنت نا آشنا دل کے مالک:

بدقسمتی سے میرا مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ سے براہِ راست تعلق نہیں رہا مگر مولانا کا خاندان مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کی سربراہی میں پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کی جدوجہد میں ممتاز حیثیت کا حامل رہا ہے۔ دینی غیرت رکھنے والا ہر شخص ان کی جدوجہد سے واقف ہے۔ مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامی یونیورسٹی کے قیام کا بیڑا اٹھایا اور اپنی عمر اس کام میں کھپا دی۔ دریا کے کنارے دور افتادہ مقام پر بچوں اور بچیوں کی تعلیم کا انتظام اگرچہ مکمل طور پر ان کے حسب منشا نہیں ہوسکا مگر جو کچھ ہوا وہ بھی کسی کرامت سے کم نہیں۔ جو روشنی محمدی شریف سے پھیلی تھی اس نے صرف اپنے علاقے کو ہی منور نہیں کیا بلکہ اس کی کرنیں دور دور تک پھیل کر روشنی بکھیر رہی ہیں۔ سیاسی میدان میں بھی اس خاندان نے غیر معمولی کامیابیاں حاصل کیں۔ بڑے بڑے جاگیرداروں کے مقابلے میں فقیروں اور درویشوں کے اس خاندان نے کامیابی کے جھنڈے گاڑے۔ پیپلز پارٹی کے مقابلے میں ضلع جھنگ میں زبردست کامیابی حاصل کی۔ مولانا محمد رحمت اللہ، مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کے اکلوتے صاحبزادے ہیں اور اس علاقے کے عوام کی نمائندگی اسمبلیوں میں کرتے ہیں۔

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ علم کے میدان میں سرگرم رہے۔ سیاسی میدان میں بھی انہوں نے اپنے بڑے

---

[1] جنرل سیکرٹری جماعت اسلامی پاکستان۔

بھائی کا ہمیشہ ساتھ دیا اور ان کے بیٹے سرگرمی سے اس کام میں لگے رہے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے دین کی تعلیم بھی بڑی جدوجہد سے حاصل کی۔ مختلف مراحل سے گزر کر بالآخر دارالعلوم دیوبند سے دورۂ حدیث مکمل کیا اور سند حاصل کی۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی سند میں ان کا علمی شجرہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے شروع ہوتا ہے اور شاہ عبدالعزیز، شاہ اسحٰق، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا محمود حسن، مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہم پر ختم ہوتا ہے۔ ہندوپاک میں اس سے وقیع علمی شجرے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ واقعتاً مولانا رحمۃ اللہ علیہ سلسلۃ الذہب کی ایک معتبر کڑی ہیں۔

تصنیف وتالیف کے میدان میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی دلچسپی تاریخ وسیر الصحابہ کے ساتھ زیادہ رہی۔ اسی دلچسپی کے نتیجہ میں بہت سی کتابیں معرض وجود میں آئیں اور مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ جیسے لوگوں نے ان کی کتابوں کا حوالہ اپنی کتابوں میں دیا ہے۔ جامعہ محمدی شریف کی لائبریری میں منتخب اور نایاب کتب کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی پسندیدہ ترین جگہ یہی تھی اور وہ بلاناغہ اپنے وقت کا بڑا حصہ صرف کرتے تھے۔ باقی وقت وہ اپنے ڈیرے کے کچے کمرے میں بیٹھتے۔

علمی زندگی میں وہ تبلیغ کے کام میں بھی لگے رہے۔ درس وتدریس کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ ختم نبوت کے سلسلے میں مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسے میں ایک تحقیقی کلاس میں ہمیشہ درس دیا۔ سال کے دو ماہ وہیں مقیم رہتے۔ جمعہ کی نماز جامعہ کی بڑی مسجد میں پڑھاتے اور لوگوں کے لئے شرعی مسائل میں صحیح رہنمائی کے لئے ان سے بہتر کوئی شخصیت نہیں ہوسکتی تھی۔ یہ خدمت بھی انہوں نے ہمیشہ سرانجام دی۔ علاوہ ازیں سنت کے مطابق اوراد و وظائف اور دم وغیرہ بھی بلا فیس دیتے رہے۔ دعا بھی فرماتے، نصیحت بھی کرتے، نحیف جثے میں ایک مداہنیت ناآشنا دل دھڑکتا تھا۔ کسی دنیاوی کروفر سے مرعوب کبھی نہیں ہوئے۔ بڑے بڑے شہروں کی رونق اور دولت کی فراوانی پر کبھی نگاہ نہیں ڈالی۔ اپنے علاقے کے لوگوں کی دینی رہنمائی کا فریضہ ہمیشہ دلجمعی سے سرانجام دیا۔ ان کی زندگی دنیادار علماء کے بالکل برعکس تھی۔ علامہ اقبال نے جن لوگوں کے لئے یہ شعر کہا تھا کہ۔

دو عالم سے کرتی ہے بے گانہ دل کو عجب چیز ہے لذت آشنائی

مولانا رحمۃ اللہ علیہ انہی لوگوں میں شامل تھے۔ حق مغفرت کرے۔ دعا ہے کہ ان کی اولاد اور دیگر متوسلین ان کے نقش قدم پر چلیں، ان کے لئے صدقہ جاریہ بنیں اور ملک وملت کے لئے ایک گرانقدر سرمایہ ثابت ہوں۔ آمین

مجھے افسوس ہے کہ میں بوجوہ نماز جنازہ میں شرکت سے محروم رہا۔ یہ سعادت مرکز جماعت کے بعض احباب کو حاصل ہوئی۔ ضلع چنیوٹ اور جھنگ سے تعلق رکھنے والے جماعت اسلامی کے ساتھی شریک ہوئے۔ سب نے بتایا کہ عوام کی بہت بڑی تعداد نماز جنازہ میں شریک ہوئی۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی مساعی جمیلہ کی قبولیت کی یہ بھی ایک دلیل ہے۔

ڈاکٹر فرید احمد پراچہ[1]

چند دُھندلے نقوش:

بات اب اتنی پرانی ہوگئی ہے کہ تفصیل تو کجا اجمال بھی حافظے کی محرابوں میں موجود نہیں۔ بس چند دُھندلے سے نقوش ہیں اور تفصیل یاد بھی کیسے رہ سکتی ہے کہ جامعہ محمدی شریف میں حاضری اور مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ۔

دو چار برس کی بات نہیں یہ نصف صدی کا قصہ ہے

ابا جی مولانا گلزار احمد مظاہریؒ مرحوم داعی اتحاد امت تھے۔ انہیں جستجو ہی نہیں تڑپ اور لگن تھی کہ علماء کرام کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کیا جائے۔ اس لئے کہ علماء کرام اگر متحد ہوں گے تو امت متحد ہوگی اور امت متحد ہوگی تو امت کو دنیا میں عروج نصیب ہوگا۔ اسی حوالہ سے میں نے ابا جی سے جامعہ محمدی شریف اور مولانا محمد ذاکر مرحوم رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ اکثر سنا تھا۔ بلکہ جائزہ مدارس دینیہ نامی کتاب میں سے اس ادارے کی تفصیل بھی پڑھ چکا تھا۔ ابا جی مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کے تقویٰ، للّٰہیت، علمیت اور خدمات دینی وعلمی کا ذکر بہت ہی اچھے الفاظ میں کرتے تھے۔ شاید مولانا ذاکرؒ ان دنوں ایم این اے بھی تھے۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے عصر کی نماز کے بعد ہم وہاں پہنچے اور تھوڑی دیر بعد ہی ہماری مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی۔ میرا بچپن کا زمانہ تھا اس لئے بڑے علماء کرام کے ساتھ ایک خاص وضع قطع کا تصور بھی قائم ہو چکا تھا لیکن یہ کیا؟ مولانا محمد ذاکرؒ سے مل کر ایک دم مایوسی ہوئی۔ نہ جبہ و دستار، نہ مرصع و مقفع گفتگو، نہ خطیبانہ جاہ وجلال، نہ عالمانہ وجاہت کی فضاء، انتہائی سادگی کے پیکر، عجز وانکساری کی تصویر، پاک دل و پاک باز.... یہ تھے درویش خدامست مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ۔ ظاہر ہے کہ اباجیؒ اور مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان گفتگو اتحاد امت، اتحاد علماء کرام اور قومی اسمبلی کے ذریعے نفاذ شریعت کے دائرے میں ہی ہوتی رہی۔ البتہ میرے دل ودماغ پر اس ملاقات کے گہرے تاثرات اب تک قائم ہیں۔

مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کے برادر اصغر اور اسی خانوادۂ علمی کے چشم و چراغ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ پہلا تعارف ان کی کتاب ''رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ'' سے ہوا۔ فی الواقع یہ ایک معرکۃ الآرا تصنیف ہے۔ موضوع ہی ایسا ہے کہ جس پر قلم اٹھانے، تحقیق کرنے اور حقائق کی روشنی عام کرنے کی ضرورت ہے۔ خلفاء راشدین اور اصحاب رسول سے محبت وتعلق کا تقاضا ہے کہ ان کے بارے میں کوئی بھی غیر محتاط رویہ یا حد ادب کے منافی جملہ استعمال نہ ہو۔ جب کہ اہل بیت کی محبت بھی مشترکہ متاع اور مشترکہ سرمایہ ہے۔ صحابہ واہل بیت کے اپنے درمیان نہ تو محاذ آرائی تھی نہ کشاکش، لیکن تاریخ کی بدقسمتی ہے کہ عقیدت نے مستقل عقیدے کی شکل اختیار کرلی۔ مولانا محمد

---

[1] ڈاکٹر فرید احمد پراچہ مولانا گلزار احمد مظاہری کے صاحبزادہ اور جماعت اسلامی پاکستان کے مرکزی رہنما ہیں۔

نافع رحمۃ اللہ علیہ اس امت کے محسن ہیں کہ انہوں نے دلائل و براہین اور ثبوت وشواہد سے صحابہ کرام اور اہل بیت کی باہمی محبتوں، احترام اور رشتوں کے حقائق بیان کئے۔ اس مقصد کے لئے سورۃ الفتح کی آخری آیات میں سے ''رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ'' کا عنوان کتاب کے مفہوم ومقاصد کو بھی واضح کرنے کا اہم ذریعہ ہے۔ اس لئے کہ ان آیات میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کی صفات بیان کی گئی ہیں اور قرینہ یہ ہے کہ یہ صفات خلافت راشدہ کی ترتیب سے بیان ہوئی ہیں۔ مثلاً ''وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ......'' ساتھ دینے نبھانے میں اولیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، ''اشداءُ علی الکفار'' یہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خاص پہچان ہے۔ ''رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ'' شفقت ونرم دلی، ایثار و قربانی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا امتیازی وصف اور ''تَرٰھُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا......'' کثرت رکوع وسجود کی وجہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ زیادہ نمایاں۔ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فضائل ومناقب اور احترام ومحبت کے بیان میں اسی ترتیب کو مدنظر رکھا ہے۔

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے ماشاء اللہ برصغیر کے نامور اداروں میں تعلیم پائی اور نامور اساتذہ کرام کے سامنے زانوائے تلمذ تہہ کئے۔ انہوں نے جامعہ محمدی شریف کے بعد چند دیگر مدارس میں تعلیم پائی اور پھر دارالعلوم دیو بند میں داخلہ لیا۔ ان کے اساتذہ کرام میں سے مجھے حضرت مولانا ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ موضع انہی شریف (گجرات) اور حضرت مولانا احمد شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت اور استفادہ کا موقع ملا ہے۔ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف میں ۹ سے زائد کتب شامل ہیں۔ ان کی علمی خدمات، کتابوں، مضامین، علمی مقالوں اور شاگردوں کی شکل میں آج بھی ان کے لئے صدقہ جاریہ ہیں۔

حدیث مبارکہ کے مطابق انسان کے فوت ہونے کے بعد بھی تین اعمال کا ثواب جاری رہتا ہے۔ ان میں قائم کیا گیا کوئی صدقہ جاریہ، مسجد ومدرسہ اور علمی میراث یعنی شاگرد، کتابیں وغیرہ اور اولاد صالح شامل ہیں اور الحمدللہ کہ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے تینوں صدقات جاریہ ان کے لئے توشۂ آخرت کا کام دے رہے ہیں۔ اللہ کریم مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور ان کی اولاد صالح ودیگر کو ان کی بلندئ درجات کا ذریعہ بنائے، آمین۔

مفتی ریاض محمد بٹگرامی [1]

جبلِ علم:

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ مشہور صحابئ رسول ہیں۔ ان کا نام جندب بن جنادہ ہے۔ پانچویں نمبر پر مسلمان ہوئے تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی توحید کے قائل اور شرک سے بیزار تھے۔ مزاج کے سخت مگر انتہائی سادگی والی زندگی گزارتے تھے۔ فقر وزہد میں ضرب المثل تھے۔ مال جمع کرنے اور پاس رکھنے کے بالکل قائل نہ

---

[1] رئیس شعبہ دارالافتاء تعلیم القرآن، راولپنڈی۔

تھے، نہ خود مال جمع کیا اور نہ دوسروں کو جمع کرنے دیتے تھے۔ان کی زاہدانہ زندگی میں زُہد کے عجیب وغریب حالات ملتے ہیں۔آج اگر ابوذر موجود نہیں ہیں مگر ان کی یہ صفت اب بھی بہت سے رجال میں موجود ہے۔

بندہ نے متوسطہ تا دورۂ حدیث جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد میں پڑھا۔ اپنے مشفق اساتذہ سے بزرگوں اور علماء کرام کے متعدد نام سنے اور ذہن میں ثبت ہوئے۔ ان میں مشہور زمانہ کتاب ''رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ'' کے مؤلف حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی بھی تھا۔جب زمانہ طالب علمی میں ان کا نام سنتے تو اساتذہ کرام سے نام کے ساتھ ''مدظلہ'' کا جملہ سنا کرتے تھے مگر اب ''رحمۃ اللہ علیہ'' کے مصداق ہیں۔ طالب علمی کے ابتدائی زمانہ سے ہی دل میں حضرت سے ملاقات کا ولولہ اور شوق موجود تھا مگر طلب علم کی مصروفیات کی وجہ سے یہ آرزو پوری نہ ہوسکی۔بالآخر ۱۹۹۸ء میں دورۂ حدیث کے سال حدیث کی مناسبت کی وجہ سے نیز اس خیال سے کہ شاید فارغ ہوکر اس طرف آنا ممکن نہ ہو جھنگ جاکر حضرت سے ملاقات کا تہیہ کرلیا۔ چنانچہ سال کے آخر میں چند ساتھیوں کی رفاقت میں حضرت کی ملاقات کے لئے محمدی شریف ضلع جھنگ پہنچے۔ چونکہ ایک جید عالم اور بزرگ کی ملاقات کے لئے جارہے تھے اس لئے سفر بڑا خوشگوار اور انتہائی مزیدار محسوس ہوا جس کو یاد کرنے سے اب بھی لذت محسوس ہوتی ہے۔ جمعہ کا دن تھا، مسجد پہنچ کر پہلے وضو کیا، مکمل تیاری کی، پھر مسجد میں داخل ہوئے۔ جمعہ کی تقریر میں خطباء کے عام طریقہ سے ہٹ کر دیکھا کہ ایک بزرگ مسجد کے درمیان سادہ کرسی پر براجمان ہیں اور ارد گرد لوگوں کا مجمع ہے۔ بزرگ جھنگ کی مقامی ٹھیٹھ پنجابی زبان میں بات کر رہے ہیں، وہاں موجود بعض حضرات نے پوچھنے پر بتایا کہ یہی مولانا محمد نافع ہیں۔ یہ منظر دیکھا تو زبان پر بے ساختہ حدیث نبوی جاری ہوگئی ''الا ان البذاذة من الایمان الا ان البذاذة من الایمان''۔

آدھا گھنٹہ حضرت کا بیان سنا، پھر حضرت نے عربی میں خطبہ دیا اور نماز جمعہ پڑھائی۔نماز کے بعد اپنے چھوٹے اور انتہائی سادہ کمرے میں تشریف لے گئے۔ہم بھی کمرے میں گئے اور بالمشافہ ملاقات ہوئی۔تعارف کرایا کہ سب دورۂ حدیث کے طلبہ ہیں اور جامعہ امدادیہ سے ملاقات کے لئے آئے ہیں۔ حضرت بہت خوش ہوئے۔ دعائیں دیں اور کافی دیر بات چیت ہوئی۔ چائے سے تواضع کی اور حدیث کی سند اور اجازت مرحمت فرمائی۔ پتلے بدن کے مالک، نحیف الجسم، سادگی کے پیکر، مگر علم کے پہاڑ اور تحقیق کے شناور تھے۔اہل علم جانتے ہیں کہ مشاجرات صحابہ اور سلف کا آپس کا اختلاف انتہائی پیچیدہ اور بہت ہی نازک موضوع ہے۔ جو حضرات اس دلدل میں قدم رکھتے ہیں وہ عموماً جادہ حق سے ہٹ جاتے ہیں اور افراط وتفریط کا شکار ہوجاتے ہیں۔ بعض اوقات کسی ایک کے بارے میں بدظن ہوجاتے ہیں یا سوء ادب میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع کو اپنا میدان بنایا اور اس پر انتہائی محققانہ کام کیا۔ روافض کے اصل مآخذ سے رجوع کرکے احقاقِ حق کا

حق ادا کر دیا اور سب سے بڑا کمال یہ کہ اس پُرخطر اور پُرخار راہ میں نہ قدم کہیں پھسلا اور نہ ہی زخمی ہوا۔ احتیاط و ادب کا دامن تھامے رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ معاصر علماء نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تمام تصانیف کو قدر کی نگاہ سے دیکھا۔

ملاقات کے دوران حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ نے تکملہ فتح الملهم میں میری کتاب کا حوالہ دیا ہے اور خوشی کا اظہار فرمایا کہ اکابر مجھ پر اعتماد کرتے ہیں۔ بندہ نے تکملہ میں متعلقہ مباحث دیکھیں تو معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الاسلام نے تکملہ فتح الملہم (۹۲/۳) اور (۱۰۲/۳) میں حضرت کی کتاب ''رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ'' کا حوالہ دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

وقد حقق فضيلة مولانا الشيخ نافع حفظه الله في كتاب القيم "رُحَمَآءُ بَيۡنَهُمۡ" (باللغة الاردية) (۱۲۶/۱، ۱۲۷) ان قصة مراجعة فاطمه ابابكر رضي الله عنها مروية بست و ثلثين طريق۔

اور جلد نمبر ۳ صفحہ ۱۰۲ پر فرماتے ہیں: فذكر فضيلة الشيخ محمد نافع حفظه الله في كتاب القيم رحماء بينهم۔ استاذ مکرم شیخ الحدیث حضرت مولانا نذیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی جامعہ امدادیہ فیصل آباد فرمایا کرتے تھے کہ مولانا محمد نافع صاحب کی تمام کتب نافع ہیں۔ حضرت مولانا منظور احمد نعمانی رحمۃ اللہ علیہ معارف الحدیث (۲۳۶/۶) کے حاشیے میں لکھتے ہیں کہ:

ہمارے زمانے کی ایک وسیع النظر محقق فاضل و مصنف مولانا محمد نافع صاحب نے اس موضوع پر ایک نہایت محققانہ کتاب ''بناتِ اربعہ'' (چار صاحبزادیاں) تصنیف فرما کر تحقیق کا حق ادا کیا ہے۔ یہ تقریباً ساڑھے چار سو صفحہ کی کتاب ہے۔ اس میں اہل سنت کی حدیث، تاریخ اور انساب کی کتابوں کے علاوہ شیعوں کی کتب حدیث، ان کے ائمہ معصومین کی روایات، ان کی تاریخ اور انساب کی کتابوں اور ان کے متقدمین اور متاخرین علماء و مجتہدین کی تصریحات سے جو شیعہ مذہب میں سنت کی حیثیت رکھتے ہیں، ناقابل تردید طور پر ثابت کیا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا چاروں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں تھیں۔ پھر ان صاحبزادیوں اور ان کی والدہ ماجدہ مطہرہ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سوانح حیات پر بھی یہ کتاب حاوی ہے۔ اللہ تعالیٰ کتاب کے مصنف مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کی کتب کو علمی دنیا میں قبول عام فرمائے۔

علم و عمل اور تحقیق و تدقیق کے مایہ ناز عالم دین چودھویں صدی کے ابوذر اور رشد و ہدایت کے آفتاب و ماہتاب بھی آج ہم سے رخصت ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت کی قبر پر نور و رحمت کی بارش فرمائے اور کروٹ کروٹ چین نصیب فرمائے۔

مولانا نور حسین عارف [1]

محسنِ اہل سنت:

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ○ ایک ایسا امر الٰہی ہے جس سے کوئی بھی ذی روح مستثنیٰ نہیں اور نہ ہی کسی کے لئے مفر ہے خواہ عالم ہو یا جاہل، امیر ہو یا غریب، بادشاہ ہو یا گداگر، ہر ایک نے اس راستہ کو عبور کرنا ہے لیکن ہر ایک برابر نہیں۔ کچھ ایسے مقربین ہیں جن کے جانے سے زمین و آسمان گریہ کرتے ہیں اور ان کا خلا مدتوں پُر نہیں ہوتا۔ اُن باوقار اور مقربین لوگوں میں محقق اہل سنت، نمونۂ اسلاف حضرت مولانا محمد نافع بھی ہیں جو یقیناً اسم بامسمیٰ تھے۔ مؤرخہ ۳۱ر دسمبر ۲۰۱۴ء بروز بدھ مولانا محمد ریاض انور گجراتی کا فون آیا کہ آج ایک عظیم ہستی دنیا سے کوچ کر گئی یعنی حضرت محقق اہل سنت مولانا محمد نافع صاحب۔ خدا گواہ ہے یہ خبر بجلی کی طرح دل پر لگی۔ کافی سکوت کے بعد اپنے دیگر احباب کو اس خبر فاجعہ سے آگاہ کیا۔

محقق اہل سنت سے غائبانہ تعارف تو زمانہ طالب علمی سے ہی تھا اور عقیدت بھی تھی لیکن جب آپ کی شہرۂ آفاق کتاب ''رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ'' کا مطالعہ کیا تو عقیدت میں مزید اضافہ ہوا جو کہ معلومات کا سمندر بے کراں تھا۔ اس کے بعد حضرت کی دیگر کتب کے سلسلہ میں بندہ حضرت کے رابطہ میں رہتا۔ جونہی کوئی کتاب طبع ہوتی فوراً اس کو خرید کر آنکھوں کو جلا بخشتا۔ بندہ کے پاس حضرت کی جملہ کتب موجود ہیں جن سے بندہ تقریباً شب و روز استفادہ کرتا ہے۔ حضرت محقق اہل سنت سے زندگی میں دو دفعہ ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ ایک دفعہ جب کہ خطیب پاکستان ترجمان مسلک اہل سنت علماء دیوبند حضرت مولانا محمد ضیاء القاسمی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی تو مولانا محمد نواز بلوچ، مولانا عبدالغفور بٹ، مولانا محمد ریاض انور اور بندہ عاجز حضرت کی تعزیت کے لئے فیصل آباد اُن کے گھر حاضر ہوئے۔ حضرت کے صاحبزادگان سے تعزیت کی اور مدرسہ قاسمیہ میں مولانا قاسمی مرحوم کی قبر پر حاضری دی۔ پھر جھنگ چلے گئے۔ وہاں پر محقق اہل سنت کی زیارت کا پروگرام بن گیا۔ عشاء کے قریب پہلے مدرسہ اور مسجد میں حاضر ہوئے۔ پھر حضرت کے دولت کدہ پر حاضری ہوئی۔ باوجود یہ کہ ان دنوں حضرت سخت علیل تھے لیکن جب علم ہوا کہ گوجرانوالہ سے کچھ دوست زیارت کے لئے حاضر ہوئے ہیں تو فوراً بستر علالت سے اٹھ کر باہر تشریف لائے۔ چونکہ بندہ کے ذہن میں آپ کا خاکہ کچھ اور تھا لیکن جب وہ علم نبوی کی وارث ہستی باہر تشریف لائی تو عجیب سماں تھا، چہرہ پر مسکراہٹ، سر پر معمولی سی کپڑے کی ٹوپی، گفتار میں مٹھاس، آنکھوں میں علم کی چمک، سنت نبی کی پاسداری، درویشانہ زندگی جو کہ قابل دید تھی، جن کے وجود کو دیکھ کر اکابر کی یاد تازہ ہوگئی۔ ملاقات کے

---

[1] تلمیذ خاص مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ، فاضل جامعہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ۔ حال رہائش پذیر گوجرانوالہ۔

وقت حضرت نے کافی اصرار فرمایا کہ آپ میرے مہمان ہیں کچھ نہ کچھ تواضع ہو جائے لیکن ہمارے لئے یہ ہی بڑی سعادت تھی کہ حضرت کی زیارت ہوگئی ہے۔ حضرت نے اپنی نیک دعاؤں سے ہمیں الوداع فرمایا۔

کافی عرصہ گزرنے کے باوجود آج تک وہ نقوش ذہن پر ثبت ہیں جو اس اللہ والے کے چہرے اور گفتگو سے دیکھے اور سنے ہیں۔ حضرت محقق اہل سنت جو تحریری شکل میں اہل سنت پر احسان فرما گئے ہیں اس کا نعم البدل تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہی عطا فرما سکتی ہے اور اسی ذات سے روز قیامت صلہ پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا ملکہ عطا فرمایا تھا کہ بڑے بڑے مشکل عقدے قلم کی ایک جنبش سے حل فرما دیتے اور پھر جس خوبصورت اور محتاط انداز میں انہوں نے قلم اٹھایا یہ اُن ہی کا مال تھا۔ اپنے اکابر کی تحقیق کو مدار بنا کر جس احسن انداز سے تحقیق میدان میں مشاجرات صحابہ اور دفاع صحابہ واہل بیت عظام پر قلم اٹھایا اور گمراہی کے اندھیروں سے پردہ چاک کر کے عالم اسلام کے مسلمانوں کو حق کی کرنوں سے منور اور روشن کیا اور مینارِ حق بن کر باطل کے ایوانوں میں زلزلہ بر پا کیا یہ اہل سنت پر ان کا عظیم احسان ہے۔

دشمنان اصحاب رسول نے سمجھا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگرد رشید حضرت مولانا حیدر علی فیض آبادی رحمۃ اللہ علیہ چلے گئے یا امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی کے بعد اب ہمارے لئے میدان خالی ہو گیا ہے اور اب ہماری آنکھوں میں آنکھ ڈال کر بات کرنے والا کوئی نہیں۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کرنی ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا قاضی کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ علیہ، پیر طریقت وکیل صحابہ حضرت مولانا مرشدی قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ، امام اہل سنت حضرت مولانا سید احمد شاہ چوکیروی رحمۃ اللہ علیہ، مناظر اہل سنت حضرت مولانا علامہ عبدالستار تونسوی رحمۃ اللہ علیہ، قاطع رافضیت حضرت مولانا علامہ دوست محمد قریشی رحمۃ اللہ علیہ، فخر سادات حضرت مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری وغیرہ کی شکل میں ایسے رجال پیدا فرمائے جنہوں نے زندگی بھر باطل کی سرکوبی کی اور باطل کی دھجیاں فضائے آسمانی میں اڑاتے رہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اہل سنت پر احسان کیا کہ سلف کے امین محقق اہل سنت حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ جیسی عظیم ہستی عطا فرمائی جن کی تحریری خدمات سے کئی دشمنانِ صحابہ جو سچی توبہ کر کے نبی کے چاروں کے یار بن گئے۔ ان کی محبت کو دلوں میں جگہ دی اور دین کے سچے خادم بن گئے۔

حضرت نے جو ذخیرہ اپنے نجات کیلئے بطور صدقہ جاریہ چھوڑا۔ ہے وہ ''رُحَمَآءُ بَیۡنَهُمۡ''، بنات اربعہ، حدیث ثقلین، فوائد نافعہ، سیرت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ'' وغیرہ کی شکل میں موجود ہے اور ان شاء اللہ قیامت کی صبح تک موجود رہے گا۔ جس سے اہل حق کے دلوں کو جلا ملے گی اور باطل کے ایوان سے ہائے ہائے کی صدا آتی رہے گی۔

اللہ تعالیٰ حضرت محقق اہل سنت کی جملہ خدمات کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور ان کی قبر کو جنت کا گہوارہ بنائے۔آمین ثم آمین۔

مولانا محمد ایوب بن انور خان

لعلِ بدخشاں:

زمین کے مختلف حصوں میں پتھر کے ٹکڑوں اور سنگریزوں کی تعداد حدِ شمار سے زیادہ پڑی رہتی ہے، جن کو ہر جاندار پامال کرتے رہتے ہیں لیکن ان میں کوئی ایک سنگریزہ لعل یا ہیرا بن کر نکلتا ہے۔ اسی طرح سمندر میں بارش کے بے شمار قطرے ہر سال گرتے رہتے ہیں جو شمار سے باہر ہوتے ہیں لیکن ان ہی میں چند قطرے ایسے ہوتے ہیں جو آغوشِ صدف میں پل کر موتی بن کر نکلتے ہیں۔ ایسا ہی کچھ معاملہ نوع انسانی کے ساتھ ہے۔ روزانہ ہزاروں انسان پیدا ہوتے ہیں، لیکن ان میں چند ہی ایسے ہوتے ہیں جو واقعی انسان کہلانے کے مستحق ہوتے ہیں۔ بقول شاعر ۔

آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

اب ایسے لوگ کہاں ملیں گے۔ پوری علمی دنیا انہیں اہل السنۃ والجماعت کے علمی ترجمان اور صحابہ کرام و اہل بیت رضی اللہ عنہم کے ناموس و وقار کے تحفظ کی علامت کے طور پر جانتی تھی۔ قحط الرجال کے اس دور میں اس قد و قامت اور مقام و مرتبہ کی شخصیت کا اُٹھ جانا ملت اسلامیہ کے لئے ایک ناقابل تلافی سانحہ ہے۔ انہوں نے جو جگہ خالی چھوڑی ہے اسے پُر کرنے والا دُور تک کوئی نظر نہیں آ رہا ہے۔ آپ نے ایک لمبی عمر پائی جو ملک و ملت کی خدمت کے لئے وقف رہی۔ ۔

حاصل عمر نثار رہ یارے کردم شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

آپ رحمۃ اللہ علیہ امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی نور اللہ مرقدہٗ کے علمی قافلے کے ایک فرد تھے جنہوں نے اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کے تحفظ کے فروغ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی حیات و خدمات کی اشاعت اور ان کے بارے میں متعصبین کی طرف سے مختلف اوقات میں پھیلائے جانے والے شکوک و شبہات کے جواب و دفاع میں پیہم جدوجہد کی ہے اور اس پہلو پر نہ صرف علمی کارنامے سرانجام دیئے بلکہ عملی جدوجہد میں بھی مسلسل شریک رہے۔

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں آپ نے امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ، متکلم اسلام حضرت مولانا شمس الحق افغانی اور قائد شریعت حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ

کے ساتھ بھرپور حصہ لیا اور چار ماہ سے زائد عرصہ تک زندان کی صعوبتیں بھی خندہ پیشانی سے برداشت کیں۔

تحقیقی و تصنیفی دنیا میں آپ سہ روزہ ''دعوت'' لاہور اور اپنے استاذ مکرم حضرت مولانا احمد شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ماہنامہ ''الفاروق'' میں مسلسل تحریر و تالیف سے وابستہ ہوئے اور مسلسل لکھتے رہے جس کی بدولت آپ نے اپنی گرانقدر تالیفات و تحقیقات یادگار چھوڑی ہیں۔ آپ نے اپنی عمر عزیز کو ان مشکل اور کٹھن کاموں کے لئے وقف کر دیا تھا اور تحقیق و تدقیق کا حق ادا کیا: فلحمد اللہ علی ذالك

اسی سلسلے میں جب قیام پاکستان کے بعد جولائی ۱۹۵۲ء میں قادیانیوں نے اپنے روزنامہ اخبار ''الفضل'' لاہور کا ''خاتم النّبیین نمبر'' شائع کیا تھا اور اس میں انہوں نے اکابر سلف صالحین جیسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت علی رضی اللہ عنہ، شیخ اکبر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ طاہر پٹنی رحمۃ اللہ علیہ صاحب مجمع البحار، شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، امام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ پر یہ الزام لگایا تھا کہ یہ مذکورہ حضرات بھی نعوذ باللہ اجرائے نبوت کے قائل ہیں۔ تو اس وقت ان الزام تراشیوں کے حوالے سے خالص علمی، تحقیقی انداز میں تین حضرات اکابر نے قلم اُٹھایا اور قادیانیوں کے دجل و فریب کا تعاقب کیا۔

(۱)......مناظر اسلام حضرت مولانا لال حسین اختر رحمۃ اللہ علیہ

(۲)......حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود مانچسٹر، لندن

(۳)......محقق العصر حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ

نام نہاد ''خاتم النّبیین نمبر'' کے ردّ میں حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''مسئلہ ختم نبوت اور سلف صالحین'' کے نام پر منصۂ شہود پر آ گئی۔ یہ کتاب مختصر مگر جامع تھی اور اس میں مذکورہ اکابر کا مؤقف مبرہن و مدلل بیان کیا گیا اور قادیانی دجل و تلبیس کو طشت از بام کر دیا گیا۔

آپ کی تمام تصانیف میں سے جس تصنیف کو زیادہ پذیرائی نصیب ہوئی اور جسے آپ کا علمی شاہکار قرار دے کر نہ صرف اُردو زبان میں بلکہ اسلامی تاریخ میں جو نادر و کمیاب کارنامہ قرار دیا گیا ہے وہ ''رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ'' ہے۔ ۳ جلدوں پر مشتمل یہ علمی سوغات امت مسلمہ کو پیش کر کے ان پر احسان عظیم فرمایا۔ یہ کتاب بہترین خصوصیات کی حامل اور مقاصد عظیم و جلیلہ پر مشتمل ہیں۔ کتاب کے شروع میں آپ نے تاریخی مواد کا تنقیدی جائزہ لیا ہے اور تاریخ کو اسلامی عقائد میں قرآن وسنت کے تابع کیا ہے۔ مختلف تواریخ، مآخذ اور سند سے بڑی احتیاط کے ساتھ استفادہ کیا ہے۔ شروعِ کتاب میں ''چند تمہیدی امور'' کے نام سے عنوان قائم کر کے آپ نے اسلام کی نظر میں تاریخ کی صحیح پوزیشن کو واضح کیا ہے۔ اس کے بعد مقاصد کی طرف متوجہ ہو گئے ہیں جس میں واضح

کیا ہے کہ جو تاریخی حوالہ قرآن وسنت کے مسلمہ اصول وقواعد اور مزاج سے مطابق ہو وہ بلا شک وشبہ قبول ہے اور جو تاریخی حوالہ قرآن وسنت سے متصادم ہو اسے بڑی عرق ریزی کے ساتھ تحقیق وتنقید کی چھلنی میں چھاننا ہوگا۔

تاریخ میں انتخاب اور اخذ کے حوالے سے مؤرخین کی نفسیات، عقائد، ان کے ذہنی محرکات، ان کے ماحول اور حالات کے گردو پیش کا جائزہ لئے بغیر خام تاریخی مواد کو صحیح تاریخی تصویر بنانے میں استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ آپ تمام امور پر نظر رکھتے ہوئے تفسیر، حدیث، اسماء الرجال، انساب، طبقات، علم العقائد اور تاریخ کے کتنے بڑے ذخائر کو کھنگال کر کام کے موتی نکالنے میں کامیاب ہوئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے طرزِ تحریر اور تصانیف کی چند خصوصیات:

۱: آپ کی تمام تصانیف میں ہر بات تاریخی حوالوں سے مزین ہے، کوئی بھی بات بغیر تاریخی حوالہ کے درج نہیں ہے۔

۲: آپ کے اندازِ نگارش میں فرقہ واریت کی جھلک دکھائی نہیں دیتی۔ باوجود یہ کہ ان مسائل پر صدیوں سے امت مسلمہ میں اتحاد واتفاق نہ ہوسکا۔

۳: آپ تاریخ اسلام کے سمندر میں غوطہ لگا کر بڑی مشکل اور کٹھن جدوجہد کے بعد ایسے موتی نکالنے میں کامیاب ہو گئے جنہیں ہر ایک منصف مزاج آدمی قبول کرے گا۔

۴: آپ کا اندازِ تجزیہ جارحانہ نہیں بلکہ عالمانہ، فاضلانہ، محققانہ اور سنجیدہ علمی تحقیق سے لبریز ہے۔

۵: آپ نے اپنے مؤقف کو تاریخی حوالوں سے صرف اہل السنۃ والجماعۃ ہی سے نہیں بلکہ اہل تشیع کے مآخذ سے بھی ثابت کیا ہے، جس سے عیاں ہے کہ فاضل مؤلف کی دونوں مآخذوں پر بڑی گہری نظر تھی۔

۶: آپ کا اندازِ تحریر داعیانہ، مصلحانہ، ہمدردانہ، خیر خواہانہ اور دوستانہ ہے اور یہ ان کی تصانیف کی بڑی خوبی ہے۔ یہاں تک کہ شیعوں نے خلفاء اربعہ کے درمیان عداوت ونفرت، ظلم وتعدی کے جو قصے گھڑ دیئے تھے آپ نے نہ صرف مآخذ کا حوالہ دے کر ان کی دجل وتلبیس کو واضح کیا بلکہ جذبۂ اخوت و برادری کے تحت مسلمانوں کے درمیان امن وآشتی پیدا کرنے کی سعی خود فرمائی۔

۷: آپ کی تحقیقات وتصنیفات سے عیاں ہوتا ہے کہ اسماء الرجال، انساب اور طبقات پر آپ کی بہت دسترس اور گہری نظر ہے۔

۸: آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اصولِ حدیث کی روشنی میں روایات کے اسناد پر عمدہ اور ٹھوس بحث کی ہے۔ جیسے حدیث ثقلین پر تحقیق کرتے ہوئے یہ بات نمایاں ہے۔

جاہ وشہرت سے دوری:

آپ نام ونمود اور جاہ وشہرت سے کوسوں دور تھے۔ انکساری وخاکساری میں بے مثال تھے اور یہی بات حضرت مولانا نور اللہ مرقدہٗ کی مابہ الامتیاز تھی۔ آپ کام کے آدمی تھے۔ ''نمونۂ اسلاف'' کی ترکیب اب پامال ہوکر بے معنی رہ گئی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ حضرت کی شان استغناء، غیرت دینی، حمیتِ اسلامی، فقرودرویشی، صبرواستقامت، ایثاروقربانی، دعوت وعزیمت، اوصاف حمیدہ واخلاق حسنہ اور دیگر بے شمار کمالات ومحاسن میں اکابر علماء کرام اور اسلاف امت کا کامل نمونہ اور عکس جمیل تھا۔ آپ کی شخصیت میں بلا کی سادگی تھی۔ ان کی خاموش طبیعت میں وعظ ونصیحت، دعوت وارشاد، تحقیق وتدقیق کے ہزارہا دفتر سجے ہوئے تھے۔ آپ نے وہ کام کیا جو بڑے بڑے اداروں نے نہیں کیا ہے۔

آپ کی یہ نادرو کمیاب تحقیقات اس قابل تھیں کہ معاصر جدید یونیورسٹی سے آپ کو اعزازی پی ایچ ڈی کی ڈگری عطا کی جاتی لیکن کیا کیا جائے حضرت اپنی افتادِ طبع کی بدولت ان دنیاوی عوضوں اور انعامات سے بلند پرواز کرتے تھے۔ آپ کی خوردبین نگاہیں ان اجری الا علی اللہ کے حقیقی نعرہ مستانہ پر مرکوز تھیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولاناؒ کو درجات عالیہ سے نوازے اور آپ کی خدمات کو قبول فرمائے اور ہم سب کو آپ کی تصانیف سے استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور گمراہوں لئے راہ ہدایت بنادے۔ آمین ثم آمین۔

مولانا ڈاکٹر عبدالرزّاق اِسکندر

محقق اہل سنت حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کی تالیف رحماء بینہم

الحمد للہ رب العلمین، والصلاۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین، وعلی الہ وصحبہ اجمعین، ومن تبعھم باحسان الی یوم الدین، اما بعد:

حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ دَارُ العلوم دِیوبند کے فاضل تھے۔ اُنہوں نے تدرِیس کے ساتھ ساتھ تحقیق وتصنیف بھی فرمائی اور کتب کثیرہ کی تالیف فرمائی۔ اُن کی تمام کتابوں میں ''رحماء بینہم'' زیادہ مشہور ہوئی، جس نے علماء ہندوپاکستان کو حیرت میں ڈال دِیا یہ اُن کا اِحسان ہے۔ یہ کتاب چار حصوں پر مشتمل ہے:

حصہ اوّل: سیّدنا ابوبکر صدیق رَضی اللہ عنہ کی سیّدنا علی رَضی اللہ عنہ سے صلہ رحمی اور محبت۔

حصہ دوم: سیّدنا عمر فارُوق رضی اللہ عنہ کی سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اور اہلِ بیت رضی اللہ عنہم سے صلہ رحمی اور محبت۔

حصہ سوم: سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اور اہلِ بیت رضی اللہ عنہم سے صلہ رحمی اور محبت۔

حصہ چہارم: عثمان رَضی اللہ عنہ پر ہونے والے مطاعن کے شافی جوابات کہ اُنہوں نے خلافت میں اَپنے رِشتہ داروں کومختلف عہدوں پر مقرر کیا۔

ہمارے لیے کافی ہے کہ شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے نقل کر دی جائے جو کہ اُنہوں نے ماہنامہ بینات میں تحریر فرمائی تھی جو کراچی سے نکلتا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''صحابہ کرام رِضوان اللہ علیہم اَجمعین کو عموماً اور حضراتِ خلفائے ثلاثہؓ اور حضرت علی رَضی اللہ عنہ کو ایک خاص مکتبِ فکر نے دو متخالف اور متخاصم گروہوں میں بانٹ رَکھا ہے، اِس مکتب فکر کی تعلیم یہ ہے کہ صحابہ کرام رِضوان اللہ علیہم اجمعین، اہل بیت نبوی (علی صاحبہا وآلہ الصلوٰۃ وَالسلام) کے دُشمن تھے اور حضراتِ خلفائے رَاشدینؓ حضرت علی کرم اللہ وَجہہ کے خون کے پیاسے تھے، جب کہ یہ نظریہ ''دو دونی پانچ'' کی طرح غلط ہے، عقل ومنطق کی رُو سے بھی، حقائق ووَاقعات کے اِعتبار سے بھی اور قرآن وسنت کی شہادَت کے لحاظ سے بھی، اِس لیے مدت سے خیال تھا کہ جو حضرات اہلِ بیتؓ سے محبت کا دَم بھرتے اور صحابہ کرامؓ اور خلفائے رَاشدینؓ سے بغض وعناد رَکھتے ہیں اُنہی کے لٹریچر سے ان اکابرؓ کی باہمی اُلفت ومحبت کے شواہد تلاش کیے جائیں، حق تعالیٰ شانہ حضرت مولانا محمد نافع صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ اُن کی زیر نظر تالیف اِسی خیال کا حسین مظہر ہے۔

مولانا نے اِس تالیف کو صدیقی، فارُوقی، عثمانی تین حصوں پر تقسیم کیا ہے اور ہر حصہ (جو اَلگ اَلگ جلدوں میں ہے) پانچ اَبواب پر تقسیم کیا گیا ہے، زیر نظر حصہ عثمانیؓ کے پہلے باب میں حضرت عثمان اور حضرت علی رَضی اللہ عنہما کے خاندانی ونسبی تعلق کا خاکہ پیش کیا گیا ہے اور اس میں دونوں خاندانوں کے ساتھ رِشتے ذِکر کیے گئے ہیں، دُوسرے باب میں حضرت علی رَضی اللہ عنہ کے حضرت عثمان رَضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے اور اُنہیں بجان ودِل خلیفہ تسلیم کرنے کا ذِکر ہے، تیسرے باب میں حضرت علی رَضی اللہ عنہ، حضراتِ حسنین رَضی اللہ عنہما اور اُن کے اَخلاف واَمجاد (رَضی اللہ عنہم) کی زبان سے حضرت عثمان رَضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب مذکور ہیں، چوتھے باب میں چھ عنوان ہیں:

۱: اُمورِ خلافت میں حضرت علی رَضی اللہ عنہ کا حضرت عثمان رَضی اللہ عنہ سے تعاون۔

۲: عثمانی خلافت میں ہاشمی حضرات کے عہدے اور مناصب۔

۳: ہاشمی حضرات کا عثمانی عدالت سے رُجوع کرنا۔

۴: حضرت عثمان رَضی اللہ عنہ کی طرف سے ہاشمی حضرات کا اِعزاز واِکرام۔

۵: عثمانی خلافت میں ہاشمی حضرات کا جہاد وغزوَات میں شریک ہونا۔

۶: ہاشمیوں کے لیے عثمانی عطیات۔

پانچویں باب میں محاصرۂ عثمانی کے دَوران کے وہ وَاقعات مذکور ہیں جن سے دونوں حضرات کے باہمی تعلق کا اِظہار ہوتا ہے قرآنِ کریم نے صحابہ کرامؓ کو رحماء بینھم (آپس میں شفیق) فرمایا ہے اور یہ پوری کتاب جو فریقین کی کتابوں کے حوالوں سے مرصع ہے گویا اِس ارشادِ الٰہی کی ایمان افروز تفسیر ہے اس لیے اس کا نام بھی بہت حسین اور اِسم بامسمیٰ ہے، حضرت مؤلف کا اُسلوب سہل اور سادہ کلام مناظرانہ نہیں بلکہ محققانہ ہے۔

مسئلہ اقرباءنوازی:

زیر نظر کتاب حضرت مصنف کی کتاب ''رحماء بینھم'' حصہ سوم کا تتمہ ہے، دورِ قدیم وجدید کے باطل پرستوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ناروا اعتراضات کیے ہیں، اُن میں سے بدترین اِعتراض آپ پر خویش پروری اور اَقرباءنوازی کا اِلزام ہے، جن لوگوں نے یہ اِعتراض تصنیف کیا اُن کا مقصد اُن مفسد بلوائیوں کی کارگزاری کو برحق ثابت کرنا تھا، جنھوں نے خلیفہ مظلوم کے خونِ ناحق میں اَپنے ہاتھ رَنگین کر کے اَپنے لیے دوزخ کا اور اُمت کے لیے فتنوں کا دَروَازہ کھول دِیا۔

جناب مصنف نے اس کتاب کو بھی (اَصل کتاب کی طرح) اِبتدائی تمہیدات کے بعد پانچ اَبواب پر تقسیم کیا ہے اور ہر باب کا عنوان ''بحث'' تجویز کیا ہے۔

پہلی بحث میں اُنہوں نے عثمانی خلافت کے اُمراء وَالیوں اور منصب دَاروں کی فہرست پیش کر کے بتایا ہے کہ ان میں صرف پانچ چھ آدمی ایسے ہیں جن کو حضرت عثمانؓ کے اَقارِب میں شمار کیا جاتا ہے اور جن کا نام لے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اَقرباء پروَری کی تہمت دَھری جاتی ہے، بارہ سالہ طویل وعریض حکومت میں منصب دَاروں کی جو تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہوگی، اَگر اُس میں پانچ چھ نام خلیفہ کے اہلِ خاندان کے بھی آ جائیں تو کیا دُنیا کا کوئی عَقل منداِس کو خویش پروَری کہہ سکتا ہے؟ جب کہ دُوسرے خاندانوں کا حصہ کسی طرح کم نہیں۔

دُوسری بحث میں ان پانچ چھ اَشخاص کو تارِیخ کی میزان میں تول کر دِکھایا گیا ہے کہ آیا ان حضرات کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جس منصب کے لیے منتخب کیا وہ اُس کے اہل بھی ثابت ہوئے یا نہیں؟ (وَاضح رہے کہ ان میں پانچ حضرات صحابی رضی اللہ عنہم ہیں، اور مروَان بن حکم رضی اللہ عنہ وَفاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وَسلم کے وَقت ہشت سالہ تھے، مگر لقاء ورِوَایت ثابت نہیں۔)

تیسری بحث میں یہ بتایا ہے کہ اہلِ قرابت اور قرابت کا تصور ہی بعد کے ذہن کی پیداوَار ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے رَاشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں دیکھا یہ جاتا تھا کہ کس کام کے لیے کون موزوں ہے، یہ نہیں دیکھا جاتا تھا کہ جس شخص کو منتخب کیا جا رہا ہے وہ کہیں خلیفہ کا اہلِ قرابت تو نہیں؟ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وَسلم کے عہد سعادَت میں آپ صلی اللہ علیہ وَسلم کے متعدد اہلِ قرابت کو عہدے دِیئے گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے

میں مشہور ہے کہ وہ اپنے اہلِ قرابت کو عہدے نہیں دیتے تھے، حالاں کہ ان کے عہد میں بھی دِیے گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خلیفہ رَاشد ہونا تو فریقین کو مسلم ہے، اُنہوں نے بھی اپنے اہلِ قرابت کو خدمات پر مامور فرمایا، پس اگر یہ چیز موجب اِعتراض ہے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں ہی کیوں ہے؟ الزام لگانے وَالوں کو اَقرباء نوازی کا اِلزام ان تمام حضرات پر لگا کر اَپنا نامہ اَعمال سیاہ کرلینا چاہیے تھا۔

چوتھی بحث میں ''اَقرباء کے لیے مالی عطیات'' کے اِلزام کا تجزیہ کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ کذبِ خالص اور صریح بہتان ہے، بیت المال میں حضرت عثمان رَضی اللہ عنہ کا کوئی ایسا تصرف ثابت نہیں۔

پانچویں اور آخری بحث میں بتایا گیا ہے کہ صحابہ کرام رِضوان اللہ علیہم اَجمعین، سلف صالحین رحمہم اللہ اور بزرگانِ دِین حضرت عثمان رَضی اللہ عنہ کی خلافت وحکومت کو ان تمام شوائب سے مبرا سمجھتے تھے، جو اُن کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں۔

یہ کتاب (اَپنی اَصل کی طرح) بڑے متین اور ٹھوس دَلائل سے آرَاستہ ہے، اور خوشی کی بات یہ ہے کہ مصنف کا قلم رافضی غلو کا بھی تریاق ہے اور ناصبی غلو کا بھی واللہ الموفق''۔ (بینات رمضان، شوال ۱۴۰۱ھ)

اور اِس تقریظ کے آخر میں شہید اِسلام مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نے فرمایا:

''بے شک میں اِعتماد کرتا ہوں مؤلف کی تحقیق اور نقد پر اور میری رَائے ہے کہ یہ کتاب مستحق ہے کہ تمام عالم کے مسلمان اِس کو پڑھیں اور سمجھیں۔''

حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک اور تصنیف ''بناتِ اَربعہ'' کے بارے میں حضرت لدھیانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت سے محبت وعقیدت جزءِ ایمان ہے لیکن اہلِ بیت کون ہیں؟ ایک گروہ کا نظریہ یہ ہے کہ ''اہلِ بیت'' کا مفہوم صرف چار اَفراد تک محدود ہے۔ یعنی ایک صاحب زَادِی (حضرت فاطمہ رَضی اللہ عنہا) ایک دَاماد (حضرت علی کرم اللہ وَجہہ) اور دو نواسے حضراتِ حسنین رَضی اللہ عنہما)۔ اِس نظریے کا نتیجہ یہ ہے کہ:

(الف) اَزوَاجِ مطہراتؓ جن کو قرآن میں ''یا اہلِ بیت'' سے خطاب کرکے اُن کی کامل تطہیر کا وَعدہ کیا گیا ہے۔ قرآنی تصریح کے علی الرغم اُنہیں ''اہلِ بیت'' کے مفہوم سے خارِج کردِیا گیا اور اُن کو کسی اِحترام کا مستحق نہیں سمجھا گیا حالاں کہ قرآن میں اُن کو 'اُمہاتُ المؤمنین' قرار دے کر تمام اہلِ ایمان کے لیے حد دَرجہ لائق اِحترام قرار دِیا گیا ہے۔

(ب) قرآن میں آپ صلی اللہ علیہ وَسلم کی ایک سے زَائد صاحب زَادیوں کی صراحت کی گئی ہے یا ایہا

النبی قل لازواجک وبنا تک لیکن اس گروہ نے قرآن کے صریح اِعلان کی مخالفت کرتے ہوئے فاطمہ رَضی اللہ عنہا کی باقی تین بہنوں کا نسب آپ صلی اللہ علیہ وَسلم سے کاٹ ڈالا اور اُنہیں کسی عزت واِحترام کا مستحق نہیں سمجھا۔

(ج) قرآنِ کریم نے اَصحاب النبی صلی اللہ علیہ وَسلم خصوصاً مہاجرین واَنصار کے فضائل ومناقب بیان فرمائے اور اُن کی پیروِی کو شرطِ اِیمان ونجات قرار دِیا لیکن اس گروہ نے ایک دَاماد (حضرت علی رَضی اللہ عنہ) اور اُن کے دو چار رُفقاء کے علاوہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وَسلم کے باقی خویش واَقارِب، مہاجرین واَنصار اور پورِی جماعت صحابہ رَضی اللہ عنہم کو (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) ظالم وخائن اور منافق وبے ایمان قرار دے کر اُن سے برأت کا اِظہار کر دِیا۔ اَندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جب اہلِ بیت کے پردہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وَسلم کے اہلِ بیتؓ، آپ صلی اللہ علیہ وَسلم کے خویش واَقارِبؓ، آپ صلی اللہ علیہ وَسلم کے اَعوان واَنصارؓ اور آپ صلی اللہ علیہ وَسلم کے رُفقاء ومصاحبین کے ساتھ دُشمنی کا یہ مظاہرہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وَسلم کے لیے کس قدر تکلیف دہ اور اِیذاء رساں ہوگا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وَسلم حب اہلِ بیت کے اُن برخود غلط دعویداروں سے کس قدر بے زار ہوں گے جنہوں نے نہ آپ صلی اللہ علیہ وَسلم کی بیویوں کو معاف کیا نہ بیٹیوں کو چھوڑا اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وَسلم کے خویش واقارِب اور رفقاء ومصاحبین کا کوئی لحاظ کیا۔

زیر نظر کتاب اِسی گروہ کی اِصلاح کے لیے لکھی گئی ہے۔ جس میں قرآنِ کریم، اَحادِیث صحیحہ اور فریقین کے اَکابر کی تصریحات سے ثابت کیا گیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وَسلم کی چار صاحب زَادیاں تھیں۔ حضرت زینب، حضرت رُقیہ، حضرت اُمّ کلثوم اور حضرت فاطمہ رَضی اللہ عنہن ۔ نیز اِن چاروں کے حالات وسوانح مستند مَاخذ سے جمع کیے گئے ہیں اور ہر صاحب زَادِی کے بارے میں فریق مخالف کے شبہات واوہام کو دَلائل کی روشنی میں رفع کیا گیا ہے۔ اِس موضوع پر رَسائل تو متعدد لکھے گئے ہیں لیکن یہ کتاب اَپنی متانت وجامعیت کے لحاظ سے منفرد ہے۔'' (بینات رمضان، شوال ۱۴۰۱ھ)

حضرت لدھیانوی رحمہ اللہ کے دو خطوط:

پہلا خط:

''محترم ومعظم مولانا محمد نافع زِیدت معالیہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

''رحماء بینہم'' اور ''مسئلہ اَقرباء نوازِی'' کا ایک ایک نسخہ موصول ہوا، اَوّل الذکر کو تو ایک ہی دِن میں ختم کر کے دَم لیا، دُوسری کا دو تہائی پڑھ چکا ہوں، حق تعالیٰ شانہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، آپ نے بڑی متانت واِعتدال کے ساتھ لکھا ہے، جس میں نہ کسی کی دِل آزارِی ہے، نہ مسلک اہلِ حق سے اِنحراف اور سب

سے بنیادی نکتہ جس پر نظر مرکوز رہی ہے، قبائلی تعصب سے اِس معاشرے کا پاک ہونا یہ ہر جگہ نمایاں ہے، فجزاکم اللہ احسن الجزاء۔

آپ کی کتابیں کیا کراچی میں دستیاب ہیں؟ ہیں تو کہاں سے ملیں گی؟ دعواتِ صالحہ کی دَرخواست ہے، تبصرے کے بارے میں حکم کی تعمیل ہوگی۔

والسلام

محمد یوسف عفا اللہ عنہ

۲۴/۸/۱۴۰۱ھ"

دُوسرا خط:

"حضرت مخدوم ومکرم (مولانا محمد نافع) زِیدت مکارمہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب کی دونوں کتابوں کا تعارف رمضان، شوال ۱۴۰۱ھ کے پرچہ میں شائع ہوا ہے، وہ پرچے بھجوا رہا ہوں، حق تعالیٰ شانہ جناب کے علوم ومعارف میں برکت فرمائے۔ شیعوں کی ایک کتاب "مناظرۂ بغداد" کے نام سے شائع ہوئی ہے، کتاب کیا چھوٹا سا رِسالہ ہے، مگر بڑا گندا۔ جناب کی نظر سے گزرا ہوگا، کوئی صاحب مثبت اَنداز میں اس کا جواب لکھ دیں تو بہت اَچھا ہو۔ دعواتِ صالحہ کا خواست گار ہوں۔

والسلام: محمد یوسف عفا اللہ عنہ، ۸/۱۱/۱۴۰۱ھ"

اِسی طرح حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے اَپنی ایک اور تصنیف "بناتِ اَربعہ" تبصرہ کے لیے بھیجی، اُس موقع پر حضرت لدھیانویؒ کو جو خط لکھا تھا، وہ دَرج ذیل ہے:

"صاحب العزو والافتخار حضرت مولانا لدھیانوی صاحب زِید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی! تسلیماتِ مسنونہ کے بعد معروض ہے کہ کتاب "بناتِ اَربعہ" کے دو عدد نسخے جناب کی خدمت میں "بینات" میں تبصرہ کے لیے ۲۴ر مارچ ۱۹۸۵ء مطابق ۲ر رجب ۱۴۰۵ھ کو اِرسال کیے تھے۔ اُمید قوی ہے کہ آنجناب نے از رَاہِ کرم نوازی تعارف شائع فرمایا ہوگا۔۔۔ حضرت محترم مولانا مفتی احمد الرحمن صاحب کی خدمت میں ہدیہ سلام عرض ہے۔

نوٹ: کتاب ہذا ایک شیعہ مبلغ خادِم حسین وَزِیر آبادِی کی کتاب "الاصول فی توحیدِ بنت الرسول" کے جواب میں بندہ نے مرتب کی ہے، لیکن اُس کا نام نہیں ذِکر کیا۔ مزید اس کتاب کے متعلق لائق مشورہ اور قابلِ

اِصلاح کوئی چیز ہوتو اُس سے بلاتکلف مطلع فرماویں۔ آئندہ طبع میں اُس کا تدارُک اِن شاءاللہ! کر دیا جائے گا۔ جواب کے لئے لفافہ ڈاک پیشِ خدمت ہے۔ والسلام مع طلب الدعاء

ناچیز دعاجو: محمد نافع عفا اللہ عنہ''

(بینات شہید اسلام نمبر)

میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ ہمیں صراطِ مستقیم پر چلائے اور ہماری حفاظت فرمائے زیغ و ضلال سے اور تمام ظاہری و باطنی فتنوں سے۔ آمین

(سہ ماہی مجلہ البینات عربی رجب تا رمضان ۱۴۳۶ھ میں شائع شدہ عربی مضمون کا اردو ترجمہ)

مفتی شکیل احمد[1]

علماء زاھدین کا نمونہ:

''حضرت مولانا محمد نافع صاحب کی کتابیں نافع ہیں۔'' یہ فقرہ شیخ الحدیث مولانا نذیر احمد رحمۃ اللہ علیہ (فیصل آباد) کی زبان مبارک سے ہم نے سنا۔ اسی فقرہ سے ہمارے کان پہلی بار مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت سے آشنا ہوئے۔ مرورِ وقت کے ساتھ ساتھ آپ کی عظمت و محبت میں مزید اضافہ ہوا۔ آپ کی یہی عظمت دوبار آپ کی زیارت و ملاقات کے لئے کھینچ کر محمدی شریف (چنیوٹ) لے گئی۔

ردِّ رافضیت میں آپ کی تحریر کردہ کتب سند کا درجہ رکھتی ہیں۔ آپ نے جس موضوع پر قلم اٹھایا اس کا حق ادا کر دیا۔ اہل سنت والجماعت کی کتب کے حوالہ جات کے ساتھ ساتھ اہل تشیع کی کتب کے حوالہ جات بھی اپنے ذاتی مطالعہ سے پیش فرمائے۔ فِرَق پر لکھی جانے والی کتب میں عموماً یہ بات سامنے آتی ہے کہ اپنے مسلک کی کتب اور بالخصوص دیگر فِرَق کی کتب کا حوالہ نقل کرنے میں تسامح بلکہ تغافل سے کام لیا جاتا ہے۔ نقل حوالہ میں اصل مراجع و مصادر کی طرف مراجعت کرنے کی بجائے اس موضوع پر لکھی گئی ثانوی کتب سے حوالہ نقل کر دیا جاتا ہے اور جن ثانوی مصادر سے عبارت یا اقتباس لیا جاتا ہے ان کا حوالہ دینا بھی گوارہ نہیں کیا جاتا۔ مولانا محمد نافع صاحب کا منہج و اسلوب تحقیق کے معیار پر پورا اترتا ہے۔ آپ نے ایک ایک حوالہ اصل کتاب سے پوری دیانتداری سے نقل کیا ہے۔ آپ کے صاحبزادے جناب ابوبکر صاحب کے بقول آپ جن کتابوں کا حوالہ دیتے وہ اصل کتب یا ان کی فوٹو کاپی اپنے پاس رکھنے کا اہتمام فرماتے تاکہ بوقت ضرورت اُن کا حوالہ پیش کیا جاسکے۔ وہ

[1] جامعہ محمدیہ F-6/4، اسلام آباد کے مفتی، منجھے ہوئے قلمکار ہیں اور نامور علماء کرام میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

کتب اور حوالہ جات جامعہ محمدی کی لائبریری میں اب بھی موجود ہیں۔ میرے اس سوال پر کہ اس چھوٹے سے قریہ میں بیٹھ کر آپ نے اتنی کتب کے حوالہ جات کیسے درج فرمائے؟ فرمایا! والد صاحب نے ان کتب اور حوالہ جات کے لئے بڑی جانفشانی سے کام لیا اور طویل اسفار کئے۔ دوبار پیر جھنڈا لائبریری میں تشریف لے گئے اور کتب کی فوٹو کاپی کرا کر لائے اور کچھ کتب کی فوٹو کاپی اسلامی یونیورسٹی کی لائبریری سے میں نے کرا کر دی۔ اپنے اور دیگر مسلک کی کتب کے حوالہ جات میں اس قدر دیانتداری اور کدوکاش کا نتیجہ تھا کہ آپ ہر بات بڑے وثوق، اطمینان قلبی اور ڈنکے کی چوٹ پر لکھتے۔

ایک کتاب لکھنے کے لئے آپ اپنے اور دیگر مسلک کی سینکڑوں کتب کے ہزاروں صفحات کھنگالتے اور آپ کی ایک متوسط کتاب اپنے موضوع سے متعلق ٹھوس مواد پر مشتمل ہے۔ مولانا سید محمد متین شاہ ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ جو بذات خود ایک محقق قلم کار، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور کے ڈائریکٹر ریسرچ سیل اور اسی لائبریری کے فقہی علمی اور تحقیقی مجلہ ''منہاج'' کے بانی تھے، آپ کی خدمت میں تشریف لائے اور کہا: حضرت! آپ ایک کتاب کے لئے اتنے حوالہ جات پیش کرتے ہیں کہ اگر اتنے حوالہ جات ہمارے پاس ہوں تو ہم اس مضمون کو پھیلا کر کئی جلدیں بنا دیں اور ''رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ'' کے لئے آپ نے جتنے حوالہ جات پیش کئے ہیں اگر یہ حوالہ جات میرے پاس ہوتے تو میں اس کی چالیس جلدیں بنا دیتا۔

''رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ'' کی تعریب حضرت مفتی محمد تقی عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد مولانا لقمان حکیم نے کی اور بیروت سے خوبصورت ٹائٹل وطباعت کے ساتھ اس کی اشاعت ہوئی۔ مذکورہ کتاب کے علاوہ آپ کی دیگر کتب مسئلہ ختم نبوت اور سلف صالحین، مسئلہ اقربا نوازی، سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں۔ ''عظمتِ صحابہ رضی اللہ عنہم'' کے بارہ میں آپ نے ترتیب شدہ مواد حافظ محمد سعد اللہ (سابق مدیر مسئول دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری) کے حوالے کر دیا تھا اور حافظ صاحب کے ترتیب شدہ مواد کو حضرت نے ملاحظہ بھی فرمالیا اور امید ہے کہ یہ کتاب جلد منظر عام پر آجائے گی۔ اس کے علاوہ دیگر فقہی تحقیقی رسائل طلاق ثلاثہ اور دعا بعد الفرائض وغیرہ کے حوالہ جات بھی اکٹھے فرما دیئے تھے، جن کو ترتیب دیا جارہا ہے۔

اس جدید اور ترقی یافتہ دور میں بھی آپ بلا مبالغہ فقرِ ابوذر اور دور اول کے علماء زاہدین کا نمونہ تھے۔ آپ کا انتہائی سادہ کمرہ دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ ہم صدیوں پہلے کے کسی بزرگ کی رہائش یا خانقاہ میں آگئے ہیں۔ آپ کے کمرہ کی چھت سرکنڈوں کی تھی، چھت کے نیچے کھجور کی شاخیں لٹکا دیں اور فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرہ مبارک کی چھت بھی کھجور کی شاخوں کی تھی۔ آپ کے ایک محبت کرنے والے حافظ فاروق صاحب نے جن کی الیکٹرونکس کی دُکان تھی چند سال پہلے آپ کے کمرہ میں ٹھنڈے پانی کے لئے ڈسپنسر لگا دیا۔ اس وقت ان کی محبت

اور مروت کی وجہ سے خاموش رہے۔ دو دن بعد بیٹے سے فرمایا کہ اس کو اتار کر حافظ صاحب کو واپس کر دیں۔ حافظ صاحب اور دیگر رشتہ داروں کے شدید اصرار پر رکھ لیا کہ مہمان اور گھر والے اس کا ٹھنڈا پانی استعمال کر لیں گے۔ حافظ صاحب نے ہی جدید طرز کا سردیوں کے لئے ہیٹر لگا دیا جس سے خشکی بھی نہیں ہوتی اور مناسب حرارت کے بعد خود بخود بند ہو جاتا ہے۔ آپ نے اس کو واپس فرما دیا۔ سردیوں میں آپ اپنا پرانا کمبل استعمال فرماتے یا دو چادریں اکٹھی اوڑھ لیتے۔ حالانکہ آپ کے کمرہ میں آپ کے بیٹے نے خوبصورت رضائی رکھوادی تھی۔

آپ کا سن پیدائش تقریباً ۱۹۱۵ء ہے۔ شمسی حساب سے آپ کی عمر تقریباً سو سال اور قمری حساب سے ۱۰۳ سال بنتی ہے۔ آپ کی نماز جنازہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کندیاں شریف نے پڑھائی۔ آپ اپنے بیٹے ابوبکر سے فرماتے کہ میری نماز جنازہ آپ پڑھا دینا یا میرے بڑے بھائی حافظ صالح محمد کے بیٹے پڑھا دیں۔ لوگ وصیت کرتے ہیں کہ میری نماز جنازہ فلاں عالم یا بزرگ پڑھائیں۔ اس میں بھی شہرت ہوتی ہے اور یہ مناسب نہیں۔ کم وبیش ایک لاکھ افراد نے جنازہ میں شرکت کی۔ قبیل المغرب آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ ۳۱ر دسمبر ۲۰۱۴ کا سورج غروب ہوا اور اس کے ساتھ ایک عاشق رسول نمونۂ فقر ابوذر رضی اللہ عنہ اور علم وتحقیق کا یہ سورج بھی ایک صدی ضیاء پاشیاں کرنے کے بعد لحد میں جا اترا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

حافظ محمد ادریس [1]

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ مرحوم ومغفور
(۱۹۱۵ء-۲۰۱۵ء)

پاکیزہ نام:

ضلع جھنگ (حال چنیوٹ) میں ایک چھوٹا سا قصبہ جامعہ محمدی شریف کے نام سے مشہور ہے۔ چنیوٹ سے جھنگ جاتے ہوئے راستے میں تقریباً پچیس کلومیٹر بعد دائیں جانب ایک چھوٹی سی سڑک مڑتی ہے جس پر تین

---

[1] جماعت اسلامی کے معروف رہنما ہیں۔ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ تاثرات اور واقعات وحالات ان کی کتاب ''عزیمت کے راہی'' کے حصہ پنجم سے ماخوذ ہیں۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے یہ حالات وواقعات زندگی اگرچہ گزشتہ ابواب میں گزر چکے ہیں تاہم حافظ محمد ادریس مدظلہ کا ایک اپنا انداز ہے۔ اس لئے ان کو بھی شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔

کلومیٹر شمال کی طرف یہ قصبہ واقع ہے۔ اس میں قائم دینی مدرسہ جامعہ محمدی شریف ایک قدیم مرکز علوم اسلامی تھا۔ اسی نام سے یہ قصبہ مشہور ہو گیا حالانکہ اس کا سرکاری نام کڑک محمدی ہے، جو محکمہ مالیات کے کاغذات میں آج بھی چل رہا ہے۔ تاریخ میں یہاں کی بہت سی بزرگ ہستیوں کے عظیم کارنامے محفوظ ہیں۔ ہمیں ایک ایسے درویش خدا مست سے ملنے کا اتفاق ہوتا رہا، جن کو دیکھ کر دل گواہی دیتا تھا کہ یہ شخص اللہ کا ولی کامل ہے۔ یہ حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نوّر اللہ مرقدہٗ تھے۔ ان کے بڑے بھائی مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ سیاست میں بہت معتبر شخصیت کی حیثیت سے معروف تھے۔ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے والی قومی اسمبلی جو ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں وجود میں آئی، میں بھی مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ ایم این اے کی حیثیت سے موجود تھے۔ اس اہم اور تاریخی دستوری ترمیم میں دیگر اہلِ علم و دین سیاست دانوں کے ساتھ مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کا بھی کلیدی کردار ہے۔

مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ:

جامعہ محمدی شریف کا نام میں نے اپنے دورِ طالب علمی میں سنا تھا۔ مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ جمعیت علماء پاکستان کے ٹکٹ پر چابی کے نشان کے تحت ۱۹۷۰ء کی اسمبلی میں اس علاقے سے منتخب ہوئے تھے۔ مجھے ۱۹۷۲ء میں اسلام آباد میں ممبران قومی اسمبلی کے ہاسٹل جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں پروفیسر غفور احمد صاحب اور مولانا ظفر احمد انصاری سے ملاقات ہوئی۔ دونوں شخصیات سے پہلے سے تعارف تھا۔ وہیں کسی نے مجھے بتایا کہ وہ بزرگ جو ایک کمرے میں بیٹھے نظر آ رہے ہیں، مولانا محمد ذاکرؒ ہیں۔ یوں یاد پڑتا ہے کہ وہ وہیل چیئر پر بیٹھے تھے۔ موصوف کے نورانی چہرے میں بے انتہا کشش تھی۔ کچھ عرصے کے بعد معلوم ہوا کہ مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کے ایک بھائی علم و فضل کا دبستان ہیں مگر سادگی میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی مثال ان پر صادق آتی ہے۔ ان کا نام محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ ان سے ملاقات کی جائے مگر اللہ کو اس وقت منظور نہیں تھا کہ زیارت ہوتی۔ مجھے بیرونِ ملک جانا پڑا جہاں کا قیام بارہ سالوں پر محیط ہو گیا۔ ۱۹۸۵ء میں جزوی طور پر میں پاکستان واپس آ گیا مگر عملاً ۱۹۸۸ء میں وطن مستقل واپسی ہوئی۔

پہلی ملاقات:

۱۹۸۵ء ہی سے جماعت اسلامی کے مرکز میں مجھے امیر جماعت جناب میاں طفیل محمد صاحب کی طرف سے نائب قیم کی حیثیت سے کام کرنے کا حکم ملا۔ اس ذمہ داری کی وجہ سے مختلف علاقوں کے دورے شروع ہو گئے۔ ۱۹۸۸ء کا کوئی سعید دن تھا اور یہ گرمیوں کا موسم تھا کہ میں ضلع جھنگ کے دورے پر نکلا۔ چنیوٹ سے جھنگ کی طرف سڑک بڑی خستہ حال تھی۔ راستے میں ایک جگہ جامعہ محمدی شریف کا بورڈ نظر آیا۔ جی چاہا کہ ڈرائیور

سے کہوں گاڑی اِدھر موڑ دو مگر پروگرام میں پہنچنا تھا اور خراب سڑک کی وجہ سے پہلے ہی تاخیر ہو رہی تھی۔ پھر مولانا محمد نافع صاحب سے کوئی جان پہچان بھی نہیں تھی۔ بہر حال دل میں جامعہ محمدی اور مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی محبت لئے میں آگے بڑھ گیا۔ اس عرصے میں برادر گرامی قدر سجاد احمد خان نیازی بھی جھنگ میں ٹھیکے پر زمینیں لے کر زمینداری کا کٹھن تجربہ کر رہے تھے، بلکہ شوق پورا کر رہے تھے۔ ان کے ساتھ طے ہوا کہ جامعہ محمدی میں مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی جائے۔ نیازی صاحب کی مولانا اور ان کے بیٹوں سے راہ و رسم تھی۔ پروگرام کے مطابق ایک دن ہم محمدی شریف پہنچ گئے۔ یہ بھی گرمیوں ہی کا موسم تھا۔

عجیب مماثلت:

جوں جوں ہماری گاڑی شمال کی طرف بڑھ رہی تھی، مجھے آس پاس کے ماحول میں اپنے گاؤں کے ماحول سے کافی مطابقت و مشابہت نظر آنے لگی۔ جب منزل پر پہنچے تو میری خوشگوار حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ہم ایک چوپال نما احاطے میں داخل ہو گئے جس میں سامنے شمال کی طرف ایک خوبصورت اور نہایت پر سکون مسجد تھی۔ چوپال کے صحن میں درختوں کا سایہ تھا جن کے نیچے چند ایک بان اور پٹھے سے بنی ہوئی چارپائیاں رکھی تھیں۔ بالکل ہماری آبائی چوپال اور مسجد کا نقشہ تھا۔ ہماری چوپال میں درخت نسبتاً زیادہ گھنے تھے اور چارپائیاں عموماً سن (پٹ سن قبیلے کی ایک قسم) یعنی سوتڑی سے بنی ہوئی تھیں۔ چارپائیوں پہ دو تین افراد ہی بیٹھے تھے۔ مٹی کا ایک گھڑا بھی کسی جانب نظر آیا۔ ایک دھان پان بزرگ وہاں بیٹھے تھے۔ یقین نہ آیا کہ یہی مولانا محمد نافع ہوں گے، مگر تعارف ہوا تو دل نے گواہی دی کہ لعل گودڑی میں بھی اپنی شان رکھتا ہے۔ سادگی کی ایسی انتہا کہ سبحان اللہ، ماشاء اللہ!

نفع بخش ملاقات:

علیک سلیک کے بعد تعارف ہوا۔ مولانا نے بڑی محبت و اپنائیت کے ساتھ استقبال کیا۔ لسی، پانی سے تواضع کی اور آمد کا مقصد پوچھا۔ عرض کیا کہ ذکر بہت سنا تھا، دیر سے دل میں خواہش تھی کہ زیارت کروں۔ اللہ نیازی صاحب کا بھلا کرے کہ ان کی رہنمائی میں آج دل کی ایک مراد پوری ہوئی ہے۔ اس کے جواب میں مولانا محمد نافع صاحب کے صحیح الفاظ تو مجھے یاد نہیں، مگر اتنا آج بھی یاد ہے کہ ایسے عجز و انکسار کا انہوں نے مظاہرہ کیا کہ میرے دل میں ان کی قدر پہلے سے کہیں بڑھ گئی۔ میرا جی چاہا کہ میں ان کے ہاتھ چوموں، مگر ان کے انداز کو دیکھ کر سمجھ گیا کہ وہ اس کو پسند نہیں کریں گے۔ علمی موضوعات پر گفتگو ہوئی۔ واقعی یہ عالم ربانی میرے لئے انتہائی نافع ثابت ہوئے۔ سیرت رسول، سیرت صحابہ و اہل بیت ان کا خاص موضوع تھا۔ حسن اتفاق ہے کہ میں بھی اس مضمون کا بچپن ہی سے طالب علم رہا ہوں اور ان دنوں اپنی تصنیف ”رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم تلواروں کے سائے میں“

مرتب کرنے میں مصروف تھا۔ سیرت صحابہ پر میری کتاب ''روشنی کے مینار'' اس سے کئی سال پہلے چھپ چکی تھی۔

کتابوں کی بہار:

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں تو بلاشبہ علم و تحقیق کی دنیا کے ہیرے، موتی اور جواہر تھے۔ جماعت اسلامی کے حوالے سے بھی مولانا نے اچھے جذبات کا اظہار کیا۔ مولانا کی چارپائی پر اس وقت بھی تین چار کتابیں رکھی ہوئی تھیں اور سامنے ایک سٹول نما چوبی پھٹہ سا [چوکی] پڑا ہوا تھا۔ اس وقت بھی مولانا کچھ لکھتے لکھتے قلم روک کر ہماری طرف متوجہ ہوئے تھے۔ اس سادہ ماحول میں علم کا سمندر موجزن تھا۔ کھانے کا ہم سے پوچھا تو ہم نے عرض کیا کہ کھانا کھا چکے ہیں۔ چائے کی پیشکش فرمائی تو ہم نے اسے تبرک سمجھا۔ نہایت سادہ ماحول میں چائے اپنا لطف دے گئی۔ اس میں اخلاص کی چاشنی اور محبت کی شیرینی ایسی تھی جس کی حسین یادیں آج بھی دل و دماغ میں محفوظ ہیں۔ مولانا کی لائبریری بھی دیکھی جس میں نادر علمی کتابیں تفسیر و حدیث اور فقہ سے لے کر علم کلام اور صرف و نحو تک ایک بہار دکھا رہی تھیں۔

خاندانی اور ذاتی تعارف:

اسی دوران مسجد میں ظہر کی اذان ہوئی۔ ہم نے بھی مجلس سے اٹھ کر وضو کیا، جبکہ مولانا باوضو تھے۔ مولانا بھی جماعت میں شامل ہوئے، مگر جماعت کسی دوسرے امام نے کرائی۔ مولانا کی امامت میں نماز پڑھنے کا بڑا شوق تھا، مگر ایسا نہ ہوا۔ نماز کے بعد ہم نے اجازت چاہی۔ مولانا کا فرمانا تھا کہ کچھ دیر آرام کر لو، مگر ہمیں اگلے پروگرام کے لئے بھوانہ پہنچنا تھا۔ پھر ہماری منزل جھنگ تھی۔ لہٰذا مولانا سے اجازت لی اور ان کی حسین یادیں دل میں بسائے رخصت ہوئے۔ اس کے بعد بھی دو یا تین مرتبہ مولانا کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ ہر مرتبہ مولانا کو کسی نئی کتاب کی تصنیف میں مصروف پایا۔ اس عظیم شخصیت کا کچھ خاندانی اور ذاتی تعارف پہلے بھی تھا۔ ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے برادر قدر گرامی میاں مختار عمرؒ کی زبانی مزید معلومات ملیں۔ معلوم ہوا کہ مولانا کے جد امجد میاں امام الدین حضرت بہاءالدین زکریا ملتانی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ ملتان سے ان کے مرشد نے انہیں حکم دیا کہ وہ دریائے چناب کے کنارے چلتے جائیں اور جہاں رات آئے وہاں کسی بستی یا ڈیرے پر رات گزار کر اگلے دن پھر آگے چل پڑیں۔

گُڑک محمدی:

روایات کے مطابق مرشد نے اپنے مرید کو الوداع کرتے وقت ایک تازہ لکڑی کی چھڑی دی اور حکم دیا کہ جہاں رات آئے اسے زمین میں گاڑ دیا کرنا۔ جس جگہ صبح کے وقت اسے ہرا ہوتا ہوا دیکھو اسی مقام پر ڈیرہ

ڈال دینا۔ بعض لوگوں کے نزدیک یہ کرامت بھی ہوگی، مگر حقیقت یہ ہے کہ بعض درختوں کی شاخیں موسم بہار میں بالخصوص دریاؤں یا نہروں کے کنارے زمین میں قلم کی صورت میں لگائی جاتی ہیں اور وہ ہری بھری ہوجاتی ہیں اور ایک درخت کی صورت اختیار کرلیتی ہیں۔ جامعہ محمدی جس جگہ آج آباد ہے یہ دریائے چناب سے زیادہ دور نہیں۔ ممکن ہے اس زمانے میں دریا اور بھی قریب سے گزرتا ہو۔ اس علاقے میں یہ شاخ ہری ہوگئی۔ بزرگ نے یہیں ڈیرہ لگالیا۔ کڑک جنگلی زبان میں خشک لکڑی کو کہتے ہیں۔ پنجابی میں بھی سوکھی ہوئی چیز کو کڑک کہا جاتا ہے۔ اسی نسبت سے بستی کا نام کڑک محمدی پڑ گیا۔ بعد میں یہاں جامعہ محمدی قائم ہوئی تو اس نے اتنی شہرت پکڑی کہ کڑک صرف کاغذوں میں رہ گیا، زبانوں پر بستی کا نام جامعہ محمدی شریف چڑھ گیا اور اب یہی زبان زدِ عام ہے۔

وجہ تسمیہ:

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے والد مولانا عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ آج سے تقریباً سو سال پہلے حج کے لئے دیارِ مدینہ گئے۔ اس زمانے میں مکہ اور مدینہ کے درمیان آمد و رفت کا سفر اونٹوں پر ہوا کرتا تھا۔ مولانا نے اس سفر کے لئے ایک عرب سے اونٹ کرائے پر لیا۔ اس عرب بدو کا نام نافع تھا۔ مولانا سے وہ بہت حسن سلوک سے پیش آیا۔ مولانا حج کے بعد واپس پلٹے تو ارادہ کیا کہ اگر اللہ نے بیٹا دیا تو اس کا نام "محمد نافع" رکھوں گا۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد اللہ نے بیٹا عطا فرمایا تو اس کا نام محمد نافع رکھا۔ مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ سے کئی سال بڑے تھے۔ مولانا محمد نافع ۱۹۱۵ء میں پیدا ہوئے۔ پہلے اپنے والد گرامی حضرت مولانا عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ سے قرآن پاک حفظ کیا۔ ابتدائی دینی تعلیم مولانا اللہ جوایا شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ اسی دوران آپ کے برادر بزرگ حضرت مولانا محمد ذاکر دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوکر واپس آئے تو اپنی بستی کو علم و عرفان سے منور کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے اپنے آبائی مدرسے جامعہ محمدی شریف میں تدریس شروع کردی۔ محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے مزید دینی کتب ان سے پڑھیں۔

مدرسہ اشاعت العلوم:

فیصل آباد میں قائم مشہور دینی درس گاہ مدرسہ اشاعت العلوم کچہری بازار جہاں جید علماء ملک بھر اور دیگر ہمسایہ ممالک سے آئے ہوئے طلبہ کو دینی علوم سے بہرہ ور کرتے رہے ہیں، بھی مولانا محمد نافع صاحب کی مادر علمی ہے۔ یہاں مولانا محترم نے حضرت مولانا محمد مسلم عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا حکیم عبدالمجید رحمۃ اللہ علیہ سے اکتساب فیض کیا۔ اسی تاریخی درس گاہ میں حضرت مولانا مفتی سیاح الدین کاکاخیل رحمۃ اللہ علیہ سالہا سال تدریس کا فریضہ ادا کرتے رہے۔ ہمارے استاذ محترم جناب مولانا عبدالمالک صاحب مدظلہ العالی، صدر جمعیت اتحاد العلماء پاکستان و صدر

رابطۃ المدارس وصدر معلم جامعہ مرکز علوم اسلامیہ منصورہ بھی یہاں پڑھتے اور پڑھاتے رہے۔ مولانا محمد نافع صاحب نے ہمارے خاندان، برادری کے ایک بزرگ حضرت مولانا ولی اللہ صاحب سے اَنّی شریف (حال ضلع منڈی بہاءالدین) میں بھی تعلیم حاصل کی۔ ان کے علاوہ آپ کے اساتذہ میں مولانا قطب الدین اُچھالوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا شیر محمد رحمۃ اللہ علیہ، مولانا غلام احمد لاہوری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا احمد بخش رحمۃ اللہ علیہ آف گدائی (ڈیرہ غازی خان) بھی شامل ہیں۔ آپ نے تفسیر، حدیث، فقہ، علم الکلام، عربی ادب اور منطق غرض ہر شعبے میں جید اساتذہ سے اکتساب فیض کیا۔ ان کے اساتذہ میں مولانا غلام یٰسین صاحب اور آپ کے اپنے والد مولانا عبد الغفور رحمۃ اللہ علیہ کا نام بھی بہت معروف ہے۔

دار العلوم چنیوٹ:

مولانا عبد المالک صاحب چنیوٹ کے مشہور دار العلوم میں بطور استاد خدمت سرانجام دیتے رہے۔ مفتی سیاح الدین کاکاخیل رحمۃ اللہ علیہ بھی کچھ عرصہ اس مدرسے میں رہے۔ یہ مدرسہ عالمی شہرت یافتہ مبلغ ختم نبوت اور اپنے علاقے کی مشہور سیاسی شخصیت حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کر کے پہلے مفتی سیاح الدین کاکاخیل رحمۃ اللہ علیہ اشاعت العلوم فیصل آباد میں گئے اور بعد میں مولانا عبد المالک صاحب بھی وہیں چلے گئے۔ چنیوٹ کے مذکورہ بالا مدرسے میں مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ بھی کچھ عرصہ مستقل پڑھاتے رہے۔ بعد میں وہ جامعہ محمدی شریف میں مقیم ہو گئے، مگر اس عرصے میں بھی سال میں دو ماہ ختم نبوت کے موضوع پر اس مدرسہ میں قیام کرتے اور مسئلہ ختم نبوت میں تخصص حاصل کرنے والے طلبہ کو پڑھاتے تھے۔ یہ تعلق اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ وہ صاحب فراش نہ ہو گئے۔

فاضل دیوبند:

اپنے علاقے کے مختلف اساتذہ کے سامنے زانوائے تلمذ تہہ کرنے کے بعد آپ بھی اپنے برادر بزرگ کی طرح ۱۹۴۰ء میں برصغیر کی عظیم جامعہ دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ یہاں آپ کے اساتذہ میں مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا مفتی ریاض الدین رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ (مفتی اعظم پاکستان) شامل ہیں۔ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے شرف تلمذ حاصل نہ ہو سکا کیونکہ مولانا محمد نافع کے قیام دیوبند کے دوران حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو انگریزی استعمار نے جیل میں بند کر رکھا تھا۔ دیوبند سے فراغت کے بعد ۱۹۴۵ء میں واپس اپنے آبائی علاقے میں آئے اور جامعہ محمدی شریف میں باقاعدہ تدریس شروع کی۔ آپ کا طبعی میلان تدریس سے زیادہ تحقیق و تالیف اور مطالعہ جستجو کی طرف تھا۔ آپ نے اسی میدان میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ آپ کی کتابوں کی ایک طویل فہرست ہے۔ ہر کتاب تحقیق کا نادر نمونہ ہے۔

میدان تحقیق وتصنیف میں:

قیام پاکستان ۱۹۴۷ء کے بعد تنظیم اہلسنت والجماعت سے تعلق رکھا۔ پھر اس کے ساتھ تحقیقی و تصنیفی کام کی طرف متوجہ ہوئے اور تنظیم اہلسنت کے ہفت روزہ جریدہ ''الدعوۃ'' میں تحقیقات نافعہ کے عنوان سے متنوع موضوعات پر مضامین تحریر کئے۔ اسی دوران آپ نے اپنے استاد محترم مولانا سید احمد شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ماہنامہ ''الفاروق'' کیلئے بھی کئی مضامین مختلف موضوعات پر تحریر کئے۔ جب ۱۹۵۳ء میں مرزائیت کے خلاف تحریک ختم نبوت شروع ہوئی تو اس میں بھرپور عملی حصہ لیا، گرفتاری پیش کی اور تین ماہ پہلے جھنگ میں اور پھر بورسٹل جیل لاہور میں گزارے۔ وہاں سے رہائی کے بعد اپنے استاد مکرم حضرت مولانا سید احمد شاہ بخاریؒ کے مشورے اور ہدایات کے مطابق کتاب ''رُحَمَآءُ بَیۡنَھُمۡ'' کے موضوع پر تحقیقی کام کرنے کیلئے مواد فراہم کرنا شروع کر دیا۔

تعارف تصانیف:

① مسئلہ ختم نبوت اور سلف صالحین: ۱۹۳۵ء میں قادیانیوں کے ترجمان مجلہ ''الفضل'' لاہور نے ایک مستقل نمبر اجرائے نبوت پر شائع کیا تو اس کے جواب میں آپ نے یہ کتابچہ شائع کیا جس میں مرزائیوں کے اعتراضات کا مسکت جواب دیا گیا۔

② حدیث ثقلین: اس میں مشہور حدیث ''ترکت فیکم الثقلین...... '' پر بحث کی ہے اور کتاب اللہ و سنتی کے الفاظ والی روایت کی اسانید کو جمع کیا اور دونوں روایات پر عمدہ علمی لوازمہ جمع کر کے تحقیق کا حق ادا کیا ہے۔ یہ کتاب ۱۹۶۳ء میں تالیف کی گئی۔

③ ''رُحَمَآءُ بَیۡنَھُمۡ'': صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین خصوصاً خلفاء اربعہ کے باہم ربط و اتفاق کے سلسلے میں میں ''رُحَمَآءُ بَیۡنَھُمۡ'' کے نام سے پہلی کتاب حصہ صدیقی ۱۹۷۱ء میں تالیف کی گئی۔ دوسری کتاب حصہ فاروقی ۱۹۷۶ء میں اور تیسری حصہ عثمانی ۱۹۷۸ء میں تالیف کی گئی۔ ان ہر سہ جلدوں میں خلفاء اربعہ کے باہمی تعلقات نسبی کے علاوہ محبت و اخوت کے باہمی روابط کو واضح کیا گیا ہے۔ کتاب ''رُحَمَآءُ بَیۡنَھُمۡ'' ایک مشہور علمی تحقیقی تالیف ہے۔ اس کتاب سے مؤلف کے کئی ہم عصر جید علماء نے استفادہ کیا۔ مثلاً مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ نے اپنی کتاب ''تکملۃ فتح الملھم فی شرح صحیح مسلم'' جلد سوم میں اس کتاب کے اقتباسات نقل کئے ہیں اور حوالہ جات دیئے ہیں جس سے اس تالیف کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

④ مسئلہ اقربا نوازی: یہ کتاب ۱۹۸۰ء میں تالیف کی گئی۔ یہ دراصل ''رُحَمَآءُ بَیۡنَھُمۡ'' حصہ عثمانی کا ایک

تکملہ ہے۔

⑤ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ: یہ کتابچہ ۱۹۸۳ء میں تالیف کیا گیا۔ بعدازاں دوسرے ایڈیشن میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما اور ان کی ہمشیرہ ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے تذکرے کا اضافہ کیا گیا ہے۔

⑥ بنات اربعہ: اس تالیف میں کتاب وسنت اور جمہور علماءِ اہلسنت کی مستند کتب سے ثابت کیا گیا ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں تھیں۔ یہ تالیف ۱۹۸۴ء میں مکمل ہوئی۔ کتاب میں چاروں صاحبزادیوں کے متعلق حالات وسوانح کو جمع کیا گیا ہے۔

⑦ سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ: اس تالیف میں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حسب ونسب اور فضائل و مناقب کے علاوہ آں جناب رضی اللہ عنہ کی غلوعقیدت اور تقصیرشان سے بالاتر ہوکر صحیح سوانح حیات لکھنے کی سعی کی گئی ہے اور مختلف شبہات کا ازالہ بھی کر دیا گیا ہے۔ یہ تالیف ۱۹۸۸ء میں مکمل ہوئی۔

⑧ سیرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ: ۱۹۹۰ء میں یہ کتاب دوجلدوں میں تالیف کی گئی۔

⑨ فوائد نافعہ: اکتوبر ۱۹۹۹ء میں یہ کتاب دوجلدوں میں تالیف کی گئی۔ پہلی جلد میں عام طور پر دفاع عن الصحابہ کا مضمون مفصل ذکر کیا گیا ہے جبکہ دوسری جلد میں حضرات حسنین شریفین رضی اللہ عنہما کی سوانح حیات کو مرتب کیا گیا ہے اور ساتھ ہی ان حضرات کی شہادتوں کو صحیح طور پر بیان کر دیا گیا ہے۔

نجیب گھرانہ:

مولانا محمد نافع صاحب تین بھائی تھے۔ مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ تو عالمی شہرت کے حامل عالم، پیر اور سیاسی رہنما تھے۔ مولانا کے دوسرے بھائی حافظ صالح محمد رحمۃ اللہ علیہ زیادہ معروف نہیں۔ مولانا کے دو بیٹے میاں محمد مختار عمر اور میاں محمد ابوبکر ہیں جبکہ مولانا محمد ذاکرؒ کا ایک بیٹا جناب مولانا محمد رحمت اللہ ہیں۔ مولانا محمد رحمت اللہ بھی ایم این اے اور ایم پی اے رہ چکے ہیں۔ مولانا کے تیسرے بھائی حافظ صالح محمد رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے جناب میاں فضل کریم صاحب ۱۹۹۳ء کے انتخابات میں جماعت اسلامی کی طرف سے پاکستان اسلامی فرنٹ کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کے امیدوار تھے۔ میاں محمد مختار عمر اور ان کے بھائی میاں محمد ابوبکر کے ساتھ ہمارے برادرانہ تعلقات ہیں۔ میاں محمد مختار عمر اپنی آبائی یونین کونسل کے ناظم بھی رہ چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائے۔ وہ ایک عظیم شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی وفات سے علمی حلقوں میں ایک بہت بڑا خلا پیدا ہوگیا ہے۔ ان کی عظیم لائبریری بھی اداس اور ویران ہے۔ اللہ کرے ان کا صدقہ جاریہ آگے چلتا رہے۔ آمین

اخبارات کی نظر میں [1]

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے ''موت العالِم موت العالَم'' (ایک عالم دین کی موت پوری دنیا کی موت کے مترادف ہے) کے مصداق پوری پاکستانی قوم خصوصاً ملک بھر کے علمی ومذہبی حلقوں کا متاثر اور صدمے سے دوچار ہونا قدرتی امر تھا۔ اس موقع پر بعض قومی اخبارات میں بھی تعزیتی شذرات شائع ہوئے۔ ان شذرات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا کو علمی حلقوں میں کن نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔

روزنامہ ''اسلام'' کراچی:

بزرگ عالم دین، ممتاز محقق اور فاضل دارالعلوم دیوبند مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ طویل علالت کے بعد منگل اور بدھ کی درمیانی شب فیصل آباد کے ایک ہسپتال میں انتقال کر گئے۔ نماز جنازہ سے قبل جامعہ آباد سٹاپ پر گاڑیوں کے لئے اسٹینڈ بنایا گیا تھا اور لوگ ۲ سے ۳ کلومیٹر پیدل چل کر نماز جنازہ ادا کرنے کے لئے گراؤنڈ پہنچے۔ نماز ظہر کے بعد جامعہ محمدی شریف میں نماز جنازہ پڑھی گئی۔ ہمارے نمائندہ کی رپورٹ کے مطابق مولانا کی نماز جنازہ میں ایک لاکھ سے زائد افراد نے شرکت کی۔ نماز جنازہ مولانا خواجہ خلیل احمد نے پڑھائی اور مقامی قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ نماز جنازہ میں مولانا قاری محمد حنیف جالندھری، مولانا محمد اشرف طاہر، مولانا محمد معاویہ اعظم، مولانا مسرور نواز جھنگوی، مولانا عبدالغفور جھنگوی، طاہر جھنگوی، مولانا عبدالرحیم، مولانا ابوبکر، محمد ضیاء مدنی، مولانا رحمت اللہ، مولانا محمد الیاس چنیوٹی ایم پی اے و دیگر حضرات نے شرکت کی۔ اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے مقررین نے کہا کہ عالم اسلام ایک روحانی شخصیت سے محروم ہوگیا۔ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی دین کی خدمت میں گزری۔ مرحوم سیرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، سیرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، سیرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ، بنات اربعہؓ اور حدیث ثقلین جیسی کتابوں کے مصنف تھے۔ وہ چنیوٹ کے قریب بھوانہ روڈ پر علاقہ محمدی شریف میں مولانا عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں پیدا ہوئے۔ قیام پاکستان سے قبل دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے۔ وہ بڑے پائے کے محقق تھے، بہت سے علمی مسائل بالخصوص اسلامی تاریخ اور سیرت صحابہ کے موضوع پر مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو ملک بھر کے علماء میں سند کا درجہ حاصل تھا۔ مولانا کے علوم اور کتابوں سے لاکھوں افراد مستفید ہوئے اور تا قیامت ہوتے رہیں گے۔ مولانا محمد نافع جیسی بزرگ علمی اور روحانی شخصیت کا وجود امت مسلمہ کے لئے برکت و رحمت کا ذریعہ تھا۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت ''مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمِ'' کی عین مصداق ہے۔ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فرزندان میں میاں محمد مختار عمر اور میاں غلام ابوبکر صدیقی سمیت لاکھوں شاگرد اور

---

[1] بحوالہ ہفت روزہ ''اخبار المدارس''، ۷ تا ۱۳ ر جنوری ۲۰۱۵ء، ص ۲۔

عقیدت مند سوگوار چھوڑے ہیں۔مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ مناظر ختم نبوت مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمۃ اللہ علیہ اور استاذ العلماء مولانا محمد عبدالوارث کے بھی استاذ تھے۔

روزنامہ ''دنیا'' فیصل آباد، یکم جنوری ۲۰۱۵ء:

چنیوٹ (ڈسٹرکٹ رپورٹر) ممتاز عالم دین مولانا محمد نافع انتقال کر گئے۔مرحوم ایم پی اے مولانا محمد رحمت اللہ کے چچا اور سابق ایم این اے مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی تھے۔مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل تھے۔انہوں نے ساری زندگی امت کے اتحاد کے لئے جدوجہد کی۔وہ متعدد کتابوں کے مصنف تھے اور ''رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ'' اُن کی مشہور تصنیف ہے۔مرحوم کی نماز جنازہ جامعہ محمدی شریف میں ادا کی گئی جس میں سینکڑوں افراد نے شرکت کی جس کے بعد انہیں آبائی قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ دریں اثناء جماعت اسلامی چنیوٹ کے ضلعی امیر میاں عبدالقیوم ہنجرا اور تحصیل چنیوٹ کے امیر چوہدری اسلام ایڈووکیٹ نے مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پر گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ مولانا کی وفات سے امت مسلمہ بڑی علمی شخصیت سے محروم ہوگئی۔انہوں نے مرحوم کے لئے بلندیٔ درجات کی دعا بھی کی۔

روزنامہ ''ایکسپریس'' ملتان، یکم جنوری ۲۰۱۵ء:

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ جو گزشتہ روز انتقال کر گئے تھے انہیں ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں جامعہ محمدی شریف میں سپرد خاک کر دیا گیا۔نماز جنازہ مولانا صاحبزادہ خواجہ خلیل احمد (کندیاں شریف) نے پڑھائی۔ مرحوم کی عمر ۱۰۰ سال تھی۔مولانا محمد نافع کے انتقال پر وزیراعظم میاں محمد نواز شریف، وزیراعلیٰ پنجاب میاں محمد شہباز شریف، سابق وزیر رانا ثناء اللہ، وفاقی وزیر تعلیم بلیغ الرحمٰن، جمعیت علماء اسلام کے امیر مولانا فضل الرحمٰن، مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانی، شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی، جماعت اسلامی کے سابق امیر سید منور حسن، جماعت اسلامی کے موجودہ امیر سراج الحق، اہلسنت والجماعت کے سربراہ مولانا محمد احمد لدھیانوی، مولانا محمد عالم طارق، مولانا محمد معاویہ اعظم طارق، ایم پی اے مولانا محمد الیاس چنیوٹی سمیت دیگر شخصیات نے مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے ایم پی اے مولانا محمد رحمت اللہ اور مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے مولانا غلام ابوبکر صدیقی کو تعزیتی پیغامات بھجوائے جبکہ مجلس احرار اسلام کے امیر مولانا سید عطاء المؤمن شاہ بخاری، چیئرمین سی پی ایل سی چوہدری اقبال نے ان کے انتقال پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا اور مرحوم کی دینی حوالہ سے خدمات پر ان کو زبردست الفاظ میں خراج عقیدت بھی پیش کیا۔

محمد عمران القاسمی [1]

جامعة دار العلوم كراتشي-باكستان

۱۴۳۰ھ

سطور من حياة العلامة المحقق الشيخ محمد نافع صاحب الكتاب البديع الفريد "رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ" وغيره من التأليفات الماتعة باللغة الأردية في الدفاع عن الصحابة رضي الله عنهم ونقد مزاعم أهل البدع والضلال

بسم الله الرحمٰن الرحيم

مقدمة

الحمد لله الذي لم يتخذ صاحبة ولا ولدا ولم يشرك في حكمه أحدا، والصلوٰة والسلام على من أرسله إلى العالمين رحمة وهدى وأنزل معه الكتاب نورا و رشدا، وعلى آله وأصحابه الذين رضي الله عنهم ورضوا عنه وأعد لهم جنات تجري تحتها الأنهار خالدين فيها أبدا-

وبعد فقد أدرك أعداء الإسلام منذ نشأته أن السبيل إلى الإفساد في هذا الدين وإطفاء نور الله هي أن تقطع الصلة بين الأمة ومصدر الوحي المبين حتى ينتشر الأهواء وتحل البدع محل السنن، ووجدوا السبيل إلى ذلك أن يُفصل بين الأجيال السابقة واللاحقة بالطعن في نقلة الشرع المبين وزعزعة الثقة بالأمناء على الدين- وهم الصحابة رضي الله عنهم أجمعين-ليسوغ لهم التشكيك في مصادر الشريعة فيشفوا غيظ قلوبهم وينكلوا من هذا الدين-

---

[1] محمد عمران القاسمی زاہدان، ایران کے رہنے والے اور دارالعلوم کراچی سے فارغ ہوکر اپنے وطن واپس جاچکے ہیں۔ان کے والد مولانا محمد قاسم بھی ایک عالم دین ہیں۔قاسمی صاحب نے یہ مولانا کی حیات وخدمات پر مشتمل طویل عربی مضمون اپنے طور پر مولانا کی زندگی میں ہی لکھا تھا اور مولانا کی نظر سے بھی گزرا۔جس پر مولانا نے ''یادداشت'' کے عنوان سے لکھا: ''دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴ کے ایک طالب العلم محمد عمران القاسمی نے یہ تحریر از خود مرتب کی ہے۔درجہ خامسہ کا متعلم دارالعلوم ہے۔'' قاسمی صاحب نے اپنے اس مضمون کے ایک پیراگراف ''وامتدادا لهذه السلسلة المباركة......مولانا محمد نافع حفظہ اللہ'' میں شاید تھوڑا سا مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے جس پر مولانا نے درج ذیل الفاظ میں گرفت یا تصحیح بھی فرمائی ہے: ''نوٹ: یہ تحریر فی نفسہٖ غلط ہے اور تاریخی نادانی پر دال ہے۔اس کی صحت ازبس ضروری ہے۔''

استمرت محاولات الأعداء الألداء فى هذا الصدد عبر العصور، وراجت سوق الأحاديث الموضوعة والروايات الباطلة والأقاصيص المفتعلة فقلّبت المناقب مثالب والحسنات سيئات والصقت بأصحاب الرسول ﷺ أكاذيب وأساطير برأ الله ساحتهم منها۔

هذا وقد قبض الله فى كل عصر رجالا فى وجه هؤلاء المفترين المشوهين لوجه التاريخ، يصدعون بالحق ويذبون عن حمى الشريعة ويقذفون بالحق على الباطل فيدمغه فإذا هو زاهق، وكان ذلك تحقيقاً لقوله ﷺ:

((يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه تحريف الغالين و انتحال المبطلين وتأويل الجاهلين))۔

ومن هذا المنطلق لاقت الطائفة التى تتولى كبره هذه الفتنه العمياء، اعتناء خاصا من العلماء حيث تصدوا لها واتخذوا آرائها الباطلة بالنقد والرد وكان لبلاد الهند و باكستان سهم وافر من هذا الجهاد العلمى حيث قام فيها الأئمة الجهابذة و رواد الفكر الإسلامى بجهود جبارة فى هذا الصدد، وعلى رأس هذه العصبة المجاهدة المخلصة، الإمام الربانى مجدد الألف الثانى الإمام أحمد السر هندى (م ۱۰۳۴ھ) وشيخ الإسلام الإمام شاه ولى الله دهلوى (م ۱۱۷۶ھ) ونجله سراج الهند الإمام عبد العزيز (م ۱۲۳۹ھ) والإمام ثناء الله البانى پتى (م ۱۲۲۵ھ) والعلامه حيدر على الفيض آبادى (م ۱۲۹۹ھ) وآثارهم فى هذا الحقل مفاخر تعتز بها المكتبات الإسلامية وتبقى مدى الدهر يهتدى بها طلاب الحق۔

وامتدادا لهذه السلسلة المباركة قام فى عصر نافى هذه الديار، علامة عبقرى فى وجه تلك الطائفة وردّ مزاعمهم الباطلة وألقمهم حجارة الحجج والبراهين وأحقّ الحق، وأزهق الباطل وأثلج صدور المومنين فكان خير ممثل للسنة والإسلام والمسلمين الا وهو العلامة المحقق البحاثة مولانا محمد نافع حفظہ اللہ۔

واليوم فقد اتسعت نشاطات أعداء الصحابة رضى الله عنهم أجمعين- مع تقدم وسائل الإعلام الحديثة وتوفرها- والجيل الحاضر لايزال بحاجة إلى أن يعرِف رجالا يُعوّل على علمهم و تحقيقهم فى مكافحة أهل الزيغ والضلال ويتخذهم قدوة فى هذا المجال.

فهذه سطور تتحدث عن حياة الشيخ محمد نافع حفظہ اللہ وآثاره، كتبتها محبة و تقديرا له وإسهاما منى فى هذا الشأن۔

أرجو الله تعالى أن يتقبل هذا العمل بقبول حسن و يجعله فى ميزان حسناتى.

محمد عمران القاسمی
عيد الفطر ۱۴۳۰ھ

العلامة المحقق الشيخ محمد نافع رحمه الله فى سطور

اسمه و نسبه: هو الشيخ محمد نافع بن الشيخ عبدالغفور بن الشيخ عبدالرحمٰن (رحمهما الله). الباكستانى المنشأ والدار.

ولادته: أبصر النورَ فى أسرة دينية عريقة سنة ۱۳۳۵ھ بقريه ((محمدى شريف)) من أعمال ((جهنك)) فى مقاطعة ((بنجاب)) الباكستانية، وذالك عقب رجوع والده الكريم من اداء فريضة الحج. فسماه نافعا تسمية باسم جمال رافقه فى ذلك السفر المبارك و زاد فى بداية اسمه ((محمدا)) للتبرك بالاسم الشريف.

نشاته العلمية: كانت تلك الأسرة العلمية مجالا خصبا لينشأ الشيخ فيه ويترعرع. فحفظ الشيخ كتاب الله عند والده المحترم سنة ۱۳۵۲ھ وتلقى الدراسة الابتدائية من شقيقه الأكبر الشيخ محمد ذاكر رحمه الله. ثم سافر إلى لائل بور (فيصل آباد) و ظل يَدرس بعض كتب النحو والصرف بمدرسة إشاعة العلوم فيها إلى أن أسّس شقيقه مولانا محمد ذاكر، جامعة دارالعلوم فى قرية ((محمدى شريف)). فبدأ الشيخ يواصل دراسته فى تلك الجامعة وأول من بدأ يدرس فيها هو الشيخ مولانا أحمد شاه البخارى رحمه الله[1] وكان قد تخرج من دارالعلوم بديوبند، وهو الذى أسهم إسهاماً كبيراً فى توجيه الشيخ وتثقيفه وقد كتب الشيخ بعض

---

[1] هوالشيخ العلامة المحقق الكبير أحمد شاه بن سيد غلام على شاه. ولده ۱۳۲۵ھ. تلقى العلوم الإسلامية فى دارالعلوم بديوبند و تخرج منها عند شيخ الإسلام حسين أحمد المدنى سنة ۱۳۵۳ھ وكان من أبرز تلامذته. درّس أربعة أعوام فى جامعة ((محمدى شريف)) بدعوة من مولانا محمد ذاكر ثم أسس مدرسة دارالهدى فى ((جو كيره)) سنة ۱۳۶۸ھ وبعد مدة سافر إلى الحرمين الشريفين لأداء فريضة الحج ثم رحل إلى العراق وحصل على كتب نادرة من الشيعة وفى ذلك السفر بدأ الرد على مطاعن الروافض على الصحابة۔
أنشأ مجلة ((الفاروق)) سنة ۱۳۷۶ھ وكان ينشر فيها تحقيقاته العلمية الرصينة. تعطلت هذه المجلة بعد ۳ سنوات و ۸ أشهر بمحاولات الروافض و فرضت عليها العقوبة المالية. توفى سنة ۱۳۸۹ھ من آثاره تحقيق فدك و دفع الوسواس بشرح حديث قرطاس۔

دراساته الشهيرة بإشارته ورعايته-

ثم أخذ الشيخ عصا التسيار إلى العلماء فى شتى البلاد وتنقل فى مختلف الأقطار وتلقى الكتب المعروفة فى المنهج النظامى[1] فى الفنون المختلفة من التفسير والفقه وأصوله والمنطق والفلسفة، من كبار المشائخ. وانتهى المطاف بالشيخ إلى الجامعة الشهيرة دار العلوم ديوبند فى الهند فالتحق بها وقرأ كتب الحديث النبوى الشريف على العلامة الفقيه مولانا مفتى محمد شفيعؒ و شيخ الأدب مولانا إعزاز علىؒ وغيرهما من العلماء وتخرج من هذه الجامعة سنة ١٣٦٢هـ ورجع إلى مسقط رأسه ((محمدى شريف)) وبدأ يدرس فى جامعته-

فى ساحة التحقيق:

اتصل الشيخ بـ(ؒ بمنظمة أهل السنة والجماعة) بعد تأسيس باكستان سنة ١٩٤٧م وبدأ دراساته فى الرد على الرافضة، وكان ينشر تحقيقاته فى الجريدة الاسبوعية المسماة بـ((الدعوة)) (وهى المجلة الخاصة للمنظمة) وفى مجلة (الفاروق)) لأستاذه الشيخ أحمد شاهؒ.

ثم عندما أسست ((نهضة ختم النبوة)) مناهضةٌ للفرقة الضالة المارقة القاديانية (أصحاب المتنبىء الكذاب غلام أحمد القاديانى)، ساهم الشيخ فيها مشاركة علمية تامة وكتابه (مسألة ختم النبوة والسلف الصالحين) من بنات قلمه فى هذا المضمار فى هذه الحقبة من الزمن، واعتقل الشيخ بسبب هذه النشاطات وقضى ثلاثة أشهر فى السجن-

ثم بعد بعد أن أطلق سراحه بدأ فى تأليف كتابه ((رحماء بينهم)) بإشارة الشيخ أحمد شاهؒ وإشرافه-

عوامل نبوغه وبروزه:

إن هناك عوامل مختلفة لعبت دورا فى تكوين شخصية الشيخ العلمية وأدت إلى تفوقه وتميزه و بروزه فى ساحة البحوث العلمية و تفرده بالتحقيقات الأنيقة والدراسات

---

[1] هو المنهج الدرسى الجارى تطبيقه فى الهند و باكستان وغيرهما من البلاد الشرقيه، نسبةً إلى واضعه العلامة نظام الدين اللكنوىؒ المتوفى سنة ١١٦١هـ.

الفائقة. والذى تبين لى خلال دراسة حياة الشيخ وآثاره العلمية أن من تلك العوامل:

١- أسرته المتدينة العريقة

٢- أساتذته البارعون

٣- نهمه العلمى

٤- تواضعه وإنكاره لذاته

٥- أدبه الجم فى الرد والمناقشة

ميزات مؤلفاته:

١- الاستيعاب واستيفاء البحث

٢- اختيار المباحث الهامة غير المسبوقة

٣- استخراج النصوص من غير مظانها

٤- توفير المصادر وإحالة كل نقل إلى مصدره

٥- الاعتناء بالإحالة إلى المصادر الشيعية

٦- الرجوع المباشر إلى المصادر

٧- الملاطفة والرفق فى البيان

مكانته العلمية وثناء العلماء عليه:

تبوأ الشيخ محمد نافع بسبب آثاره القيّمة و دراساته النفّاعة مكانة علمية شامخة لدى العلماء من شيوخه ومحبيه واستمطر الثناء من أعلام عصره. فمن هولاء العلامة أحمد شاه البخارى حيث قال مقرظا على كتابه ((حديث ثقلين)):

((خلق الله تعالى فى كل عصر رجالا وقفوا حياتهم للذود عن حياض الحق والدفاع عن أمام الباطل. لايحيد بهم عن موقفهم هذا عاصفةُ الأحوال السيئة وضغط الظروف القاسية قيد أنملة. وفى كل حقبة من الزمن كافح الباطلَ فئة من أهل العلم مخلصين. من هذه السلسلة المباركة الشيخ محمد نافع)).[1]

---

[1] حديث ثقلين للشيخ محمد نافع، ص٢٧.

وقال عنه الشيخ العلامه محمد عبدالستار التونسوی[1] رئيس منظمة أهل السنة والجماعة فی باكستان:

((العالم الشهير والمحقق الكبير حضرة مولانا محمد نافع أدام الله بقاءه بالخير)).

((إنه أوفى حق تمثيل أهل السنة والجماعة)).

((ولم يقتصر هذا المحقق الفاضل على إيضاح المسلك الحق ببيان منزلة الصحابة وأهل البيت فحسب، بل استأصل تضليلات الروافض و شبهاتهم أيضا وإن مؤلفات الشيخ ضربة قاضية على آرائهم المزورة وهداية لذوی العقول السلمية والأفهام المستقيمة وحجة على أهل الباطل، ليهلك من هلك عن بينة ويحيى من حی عن بينة)). [2]

وقال صديقه الحميم العلامه الدكتور خالد محمود السيالكوتی:[3]

((جامع الكمالات العلمية والعملية الشيخ محمد نافع)) [4]

وقال شيخ الإسلام محمد تقی عثمانی حفظه الله:

((إن حضرة مولانا محمد نافع من العلماء الذين ينبغی أن تفتخر هذه البلاد بعلمهم وتحقيقهم)) [5]

مؤلفاته وآثاره العلمية:

دبجت يراعة العلامة، كتبا عديمة النظير تجلى فيها ذكاءه وعبقريته وسعة اطلاعه

---

[1] من أعلام العلماء المعاصرين تخرج من دار العلوم الإسلامية فی ديوبند على مولانا إعزاز علی الأمروهی والشيخ محمد إبراهيم البلياوی والعلامة محمد شفيع العثمانی وأتقن علم المناظرة لدى الإمام عبد الشكور اللكهنوی واشغل بالرد على الفرق الباطلة وتحقيقا لهذا الغرض طاف البلاد المختلفة من إيران و مصر والشام وجمع كتبا نادرة مهمة يستعان بها فی الرد على الفرق الضالة وأنشأ مركزا لهذا الغرض، وناظر شيوخ الرافضة فی موضوعات مختلفة وهزمهم هزائم منكرة، ويعمل الآن رئيسا لمنظمة إهل السنة والجماعة فی باكستان۔

[2] فوائد نافعه للشيخ محمد نافع، ج۲، ص ۳۰۱، ۳۰۲۔

[3] من أعلام العلماء البارزين فی باكستان و صاحب اليد البيضاء فی الرد عن المذاهب الباطلة، تعلم على مشائخ منهم العلامة الكبير السيد سليمان الندوی والشيخ المفتی محمد شفيع، واتصل بمنظمة أهل السنة والجماعة و نشر رسالة لها تسمى بـ((الدعوة)) - وهی التی كان الشيخ محمد نافع ينشر مقالات فيها۔ و قام بجهود عظيمة فی الدفاع عن الصحابة فی أرجاء باكستان ثم هاجر إلى إنكلسترا وأنشا فی ((منجستر)) مركز الدراسات الإسلامية ويعمل مديراله۔

[4] حديث ثقلين للشيخ محمد نافع، ص ۲۵۔

[5] تبصرے للشيخ محمد تقی العثمانی، ص ۳۲۳۔

واتساع أفقه وبعده عن أسلوب الشدة والتجريح وانتهاجه منهج الملاطفة ولين الجانب، فجاءت بشرى وبهجة لأهل العلم وتبصرة وذكرى لأولى الألباب، وهى تسعة:

۱-مسألة ختم النبوة والسلف الصالحين:

نشرت مجلة ((الفضل)) للفرقة الضالة القاديانية فى ((لاهور)) سنة ۱۳۷۱ھ عددا خاصا حول ((استمرار النبوة)) نسبت هذه الضلالة إلى عدة من الأخبار من الصحابة والسلف الصالح افتراء وزورا متشبثة بنقول محرفة مبتورة، فجاد قلم طائفة من العلماء بالرد على أباطيل القاديانية منهم الشيخ محمد نافع حفظه الله حيث كتب هذا الرد المفحم ودحض أباطيلهم-

۲-حديث الثقلين:

جمع فيه الطرق المختلفة للحديث المعروف ((تركت فيكم الثقلين)) واعتنى بها بالدراسة والنقد والتمحيص-

قال شيخه العلامة أحمد شاه البخارى فى تقريظه على الكتاب:

((زاد فضيلة الشيخ محمد نافع بالاعتناء بحديث الثقلين، أثرا نفيسا إلى ساحة الدراسات العلمية، يعجب به من بغيته التقصى والاستيفاء و يعتبره طلاب الحق نعمة عظيمة-

ظل المؤلف فى هذا الكتاب مستمسكا بأذيال الإنصاف بعيدا عن التعصب والتعسف وهذا الكتاب أثر منفرد فى بابه وجدير بأن يطالعه كل خطيب ومبلغ))-

وقال العلامة الدكتور خالد محمود السيالكوتى:

((الحمد لله فقد درّس جامع الكمالات العلمية والعملية الشيخ محمد نافع هذه الرواية دراسةً وافية بجهد بليغ وحقق إسنادها تحقيقا كاملا فجزاه الله عنا وعن المسلمين أحسن الجزاء))-

۳-رحماء بينهم:

أعظم كتب الشيخ وأشهرها، تحدث فيه عما كان من صلات المودة المحبة بين الخلفاء الراشدين.

والكتاب فى ثلاثة مجلدات، الأول يختص بسيدنا أبى بكر الصديق رضی اللہ عنہ تحدث فيه الشيخ عن علاقات الصديق وأهل البيت وتطرق من خلال البحث لقضية ((فدك)) وأثبت أنه لم تبق كدورة بين الصديق و فاطمة الزهراء رضى الله عنها فى هذه القضية، وتكلم عن بيعة على المرتضىٰ للصديق و تعاون الصديق والمرتضى فى حكم البلاد، وعن فضائل الصديق على لسان على رضى الله عنهما وجمع الروايات المتعلقة بهذه المباحث فجاءت كما يقول شيخ الإسلام حفظه الله: تبرز منها السيرة الحقيقة لأصحاب رسول الله ﷺ وينشأ نور الإيمان واليقين فى القلب-

وسلك مثل هذا المسلك فى المجلد الثانى المختص بسيدنا الفاروق والمجلد الثالث المختص بسيدنا عثمان رضى الله عنهما وتحدث فيهما عن العلاقات الودية بين هذين الإمامين العظيمين وأهل بيت النبى-

لفت هذا الكتاب أنظار العلماء ووقع منهم موقع الإعجاب والإعظام وممن احتفل به شيخ الإسلام محمد تقى العثمانى حيث كان دائم الثناء عليه واستفاد منه فى كتابه الفذ الجليل ((تكمله فتح الملهم)) [۱] ومما قال عنه: ((إن هذا الكتاب لا مثيل له فى اللغة الأردية والفارسية بل ولا فى العربية))- [۲]

ويقول: ((مفخرة للغة الأدرية وأهلها أن نشر بها هذا الكتاب لأول مرة)) [۳]

۴-تولية الأقرباء:

- يعتنى الكتاب بالمسئلة المثارة حول سيدنا عثمان رضی اللہ عنہ وهى إيثار و تولية الأقرباء-

يقول الشيخ العثمانى: ((إن المؤلف وفّى حق التحقيق والتنقيح لهذه المسئلة))- [۴]
والكتاب يعتبر مجلدا لـ((رحماء بينهم)) طبع مستقلا لأهمية الموضوع وتوسعه-

---

۱ انظر ((تكملة فتح الملهم)) ج۳، ص۵۵، ۶۱ من طبعة دار القلم، الجديدة.

۲ تكرر هذا الكلام للشيخ الإسلام فى تعليقاته على كتب الشيخ، المنشورة فى مجلة ((البلاغ)) انظر تبصرے، ص۲۶۷، ۳۰۸، ۳۱۲، ۳۳۳ والأمر كما قال، وأخير انشرت رسالة بهذا الإسم للشيخ صالح بن عبدالله الدرويش قاضى المحكمة الكبرى فى منطقة القطيف بالمملكة العربية السعودية، وهى رسالة وجيزة حسنة.

۳ تبصرے، ص۲۶۷.

۴ تبصرے، ص۳۳۴.

۵-سیدنا ابوسفیان و زوجہ رضی اللہ عنہما:

تحدث فیه عن سیرة أبی سفیان و زوجه هند بنت عتبه، و مواقف أبی سفیان بعد إسلامه و شرکته فی الغزوات و کذلك تکلم عن حیاة یزید بن أبی سفیان وأم المؤمنین سیدتنا أم حبیبة بنت أبی سفیان رضی الله عنهما.

۶-البنات الاربع رضی الله عنهن:

الکتاب فی سیرة البنات الأربع للنبی ﷺ ومناقبهن رضی الله عنهن، ویتضمن مباحث هامة تعتبر ردا علی قوم مفترین ادعوا کذبا و زروا أن النبی ﷺ لم یکن له سوی بنت واحدة وهی فاطمة رضی الله عنها. فرد الشیخ دعاویهم ونقضها بأدلة قویمة وشواهد مستقیمة من کتبهم أنفسهم، وبین وهن هذه العقیدة وزیفها.

۷-سیرة سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ:

کتاب هام حول سیرة سیدنا علی ویشتمل علی عرض نقدی لمباحث متعلقة بها من التاریخ والفقه والعقیدة.

۸-سیرة سیدنا امیر المؤمنین معاویة رضی اللہ عنہ:

الکتاب فی مجلدین، تحدث المؤلف فی المجلد الأول عن أحداث حیاة سیدنا معاویة ومکانته ومواقفه وخدماته فی العهد النبوی ﷺ مآثره فی عهد الخلفاء الثلاثة رضی الله عنهم وماصح فی مناقبه، وتکلم عن الفتوحات فی دور خلافته واجتهاداته الفقهیة وعلاقاته الحسنة مع أهل بیت النبی.

والمجلد الثانی مختص بردّ ودحض الشبهات التی تدور حول معاویة رضی اللہ عنہ، درس الشیخ الروایات التی تتضمن طعنا فی سیدنا معاویة رضی اللہ عنہ و درسها دراسة واعیة و ناقشها وفند الأقاصیص المختلقة للنیل من معاویة رضی اللہ عنہ بالدقة والاستیفاء۔

۹-الفوائد النافعة:

کتاب ضخم نافع فی مجلدین، المجلد الأول یحتوی علی فصول فی سیرة الصدیق و مناقبه و سیرة سیدتنا عائشة. تکلم المؤلف فی بإسهاب عن الشبهات المتعلقة بالخلفاء

الثلاثة رضی الله عنهم وخصص فصلا بالرد علی شبهات متفرقة.

والمجلد الثانی مختص بسيرة الحسنين رضی الله عنهما. تحدث الشيخ عن أحداث حياتهما فی العهد النبوی وحلی الكتاب ببيان مساعيهما ومآثرهما فی عهد كل من الخلفاء الأربعة وبيّن ما صح من مناقبهما مع مباحث هامة حول وقعة الكربلاء وتفنيد بعض المزاعم الباطلة.

قالوا عن الشيخ......

إنه أوفی حق تمثيل أهل السنة والجماعة.

ولم يقتصر هذا المحقق الفاضل علی إيضاح المسلك الحق ببيان منزلة الصحابة وأهل البيت فحسب، بل استأصل تضليلات الروافض و شبهاتهم أيضا و إن مؤلفات الشيخ ضربة قاضية علی آراءهم المزورة وهداية لذوی العقول السليمة والأفهام المستقيمة وحجة علی أهل الباطل، ليهلك من هلك عن بينة ويحيی من حی عن بينة

الشيخ العلامه محمد عبد الستار التونسوی

رئيس منظمة أهل السنة والجماعة فی باكستان

إن حضرة مولانا محمد نافع من العلماء الذين ينبغی أن تفتخر هذه البلاد بعلمهم وتحقيقهم

شيخ الإسلام المفتی محمد تقی العثمانی

تذکرہ مجاہدِ ملّت مولانا محمد ذاکرؒ (بانی جامعہ محمدی شریف ضلع چنیوٹ)

وطن عزیز میں جن گنے چنے مخلص وخیر خواہ افراد نے قومی وملی سطح پر مذہب، تعلیم وتربیت، رفاہ عامہ، سیاست اور ملک وقوم کی خدمت کے میدان میں پرخلوص کارہائے نمایاں سرانجام دیے ہیں ان میں ایک منفرد اور نمایاں نام مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ (بانی جامعہ محمدی شریف ضلع جھنگ حال چنیوٹ) کا ہے مگر بدقسمتی سے ان کی قابل تقلید مثالی خدمات اور ذاتی اوصاف وکمالات کو بڑے پیمانے پر اجاگر نہ کیا جاسکا جس کے باعث ان کا تعارف مقامی سطح تک محدود ہو کر رہ گیا۔

زیر نظر کتاب (صفحات ۶۵۰) میں جامعہ محمدی کے ہی ایک خوشہ چین (ڈاکٹر حافظ محمد سعد اللہ) نے دستیاب مواد اور اپنے چشم دید حالات کی مدد سے درج ذیل دس ابواب میں مولانا صاحب موصوف کے ذاتی اوصاف حمیدہ اور گوناں گوں علمی دینی ملی رفاہی سیاسی اور قومی خدمات سے نئی نسل کو متعارف کرانے کی کوشش کی ہے۔ اور اس سلسلے میں مزید تحقیق وکام کی ضرورت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے پیش لفظ میں لکھا ہے:

> ”اتنا کچھ کرنے کے باوجود راقم کے نزدیک اب بھی اس امر کی ضرورت باقی ہے کہ کوئی محقق جامعہ محمدی کے قیام سے حضرت مولانا کے وصال تک کے تمام دفتری ریکارڈ، مختلف شعبہ جات کے نام مولانا کی انتظامی ہدایات، مولانا کے تمام مکتوبات ومراسلات، ماہنامہ ”الجامعہ“ کی پوری فائل، دیگر دفتری فائلوں، حضرت مولانا کی تحریروں اور جملہ ذاتی ڈائریوں وغیرہ کو گہری اور تحقیق نظر سے دیکھے بلکہ کھنگھالے تو حضرت مولانا کی حیات وخدمات کے کئی اور پہلو سامنے آسکتے ہیں۔ زیر نظر کتاب ان شاءاللہ اس آدمی کے لیے بنیاد کا کام ضرور دے گی۔“

فہرست ابواب	
پہلا باب: آباء واجداد، خاندانی پس منظر	چھٹا باب: سماجی وفلاحی خدمات
دوسرا باب: پیدائش اور تعلیم وتربیت	ساتواں باب: دینی وملی تحریکیں اور مولانا
تیسرا باب: جامعہ محمدی کا قیام وارتقاء	آٹھواں باب: بطور سیاستدان
چوتھا باب: خطوط اور دفتری احکام وہدایات	نواں باب: اوصاف حمیدہ واخلاق حسنہ
پانچواں باب: اتحاد امت اور حضرت مولانا	دسواں باب: معمولات، کرامات اور علالت ووفات

(رحماء بینہم ٹرسٹ محمدی شریف، چنیوٹ)

ایک ضروری گزارش

زیرنظر کتاب ''حیاتِ نافع'' رحماء بینھم ویلفیئر ٹرسٹ، محمدی شریف ضلع چینوٹ کے مصارف سے طبع ہوئی ہے اوراس کے جملہ طباعتی حقوق بھی ٹرسٹ مذکور کے نام ہیں۔ کتاب کی طباعت کا بنیادی مقصد کاروبار اور تجارت کرنا نہیں۔ نہ ہی کمائی کا ذریعہ بنانا ہے۔ بلکہ اس سے مقصود ایک تو موجودہ اور آئندہ نسلوں کو حضرت مولانا محمد نافعؒ کی فقیرانہ زندگی، حسنِ اخلاق واوصاف، پاکیزہ سیرت وکردار اور علمی خدمات سے آگاہ کر کے ان کے افکار اور بلند کردار اپنانے کی طرف توجہ دلانا دوسرے ٹرسٹ کے مجوزہ رفاہی اور علمی وتحقیقی منصوبہ جات کی تکمیل میں کچھ مالی تعاون مہیا کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب کی قیمت تجارتی اور کاروباری نقطہ نظر کے مطابق مقرر نہیں کی گئی بلکہ اتنی ہی رکھی گئی ہے جس سے کم ازکم اس کے طباعتی اخراجات پورے ہوجائیں۔

ظاہر ہے صرف کتاب کی آمدن سے ٹرسٹ کے تمام زیرِغور علمی منصوبے پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچائے جاسکتے اس لیے تمام مخیر اور حضرت کے متوسّلین محبّین اور عقیدت مند حضرات سے درخواست ہے کہ وہ اس کارِخیر میں رحماء بینھم ویلفیئر ٹرسٹ کے ساتھ دل کھول کر دامے درمے سخنے قدمے تعاون فرمائیں اور یہی حضرت مولانا سے عقیدت کا عملی تقاضا بھی ہے۔

صاحبزادہ غلام ابوبکر صدیقی (بن مولانا محمد نافعؒ)
صدر رحماء بینھم ویلفیئر ٹرسٹ
محمدی شریف، تحصیل بھوانہ، ضلع چنیوٹ
0320-9916977

عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم ناز یک دانائے راز آید بروں

حیاتِ نافعؒ

محقق اہلسنت حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ — احوال و آثار

ڈاکٹر حافظ محمد سعد اللہ

رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ

ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) محمدی شریف ضلع چنیوٹ